

جدید نظر دینی شہد کیسے لایا جائے

زبان و بیان کے لئے بہترین

منظاہر حق جدید

شیخ
مَشْكُوَّة شَرِيف

3

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترقیب جدید

مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (محل پریم)

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

دارالانشاء

آؤہلہ بازار، اسلام آباد، پاکستان 2213708

جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹرائزڈ ورژن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جلد

شرح
مشکوٰۃ شریف

جلد سوم

از افادات
علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترتیب جدید
مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (محل دہم)

دارالانشاء

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 221376R

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر (۳۷۳۹)

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : صفحات ۸۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہدادپور

﴿.....ملنے کے پتے.....﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 تاج روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید انکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ - مدینہ، اریٹ، راجہ بازار اوپنٹری
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایٹ لسبلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

فہرست — مظاہر حق جدید (جلد سوم)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۰	پچھنے لگانے والے کی کمائی کا حکم	۲۹	کتاب البیوع
۲۷	منفیہ کی کمائی کھانے کی ممانعت	۲۹	خرید و فروخت کا بیان
۲۸	گانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم	۲۹	بیع کے معنی، بیع کی شریعت، بیع کی قسمیں
۲۹	خلال روزی کماتا ایک فرض ہے	۳۰	کسب اور طلب حلال کا بیان
۲۹	کتابت قرآن کی اجرت جائز ہے	۳۱	اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سب سے بہتر ہے
۲۹	کونسا کسب افضل ہے؟	۳۲	صرف حلال مال کھانے کی فضیلت اور حرام مال سے بچنے کا اثر
۵۰	دودھ کی قیمت کا حکم	۳۵	آنے والے زمانہ کے بارہ میں ایک پیش گوئی
۵۰	مقررہ کسب معاش کو بلا سبب ترک نہ کرو	۳۵	مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے
۵۱	حضرت ابو بکرؓ کا وصف احتیاط و تقویٰ	۳۷	زانیہ کی اجرت مال حرام ہے
۵۲	حرام مال کھانے پر وعید	۳۸	کتے کی قیمت کا مسئلہ
۵۲	حضرت عمرؓ کے تقویٰ و احتیاط کی ایک مثال	۳۹	خون پینا حرام ہے
۵۳	حرام مال کا قلیل ترین جزء بھی عبادت کے نتیجہ پر اثر انداز ہوتا ہے	۴۰	حرام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے
۵۳	معاملات میں نرمی کرنے کا بیان	۴۱	یہودیوں کی ایک عیاری
۵۳	معاملات میں نرمی کرنے کے لئے آپؐ کی دعا و رحمت	۴۱	بلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۵۳	حم دوسروں کے معاملہ میں نرمی کرو اللہ تمہارے معاملہ میں نرمی کرنے گا	۴۱	پچھنے لگانے کا پیشہ حلال ہے
۵۵	خرید و فروخت میں زیادہ قسم نہ کھاؤ	۴۱	اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے
۵۵	جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے کے لئے وعید	۴۲	مال حرام کا حکم
۵۶	امانت دار کا رو باری شخص کی فضیلت	۴۳	حرام مال کھانے پر وعید
۵۶	تجارت کے ساتھ صدقہ و خیرات کا حکم	۴۴	شبہات میں پڑنے سے بچو
۵۷	تاجروں کے لئے وعید	۴۴	اچھائی اور برائی کی پہچان
۵۷	خیار کا بیان	۴۵	کامل پر ہیز گاری کا درجہ
۵۷		۴۶	متعلقین شراب پر لعنت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۸	سود خواروں کو حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی	۵۸	نخیر مجلس کا مسئلہ
۷۹	آج کی بین الاقوامی بے چینی اور اقتصادی بد حالی سود	۶۰	خرید و فروخت میں فریب نہ کرو
۸۰	سود کے بارہ میں ایک شبہ اور اس کا جواب	۶۰	تجارتی معاملات میں فریقین کی رضامندی و طمانیت ضروری ہے
۸۲	سود خوار پر آپ کی لعنت	۶۱	عقد بیع کے بعد فسخ کا اختیار
۸۳	ربا کی تشریح کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد	۶۱	سود کا بیان
۸۳	ایک شبہ اور غلط فہمی	۶۳	ربا کی تعریف
۸۴	قرض خواہ، قرض دار سے کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے	۶۳	ربا اور سود میں فرق
۸۶	جن بیوع سے منع کیا گیا ہے ان کا بیان	۶۳	ربا کی قسمیں اور ان کے احکام
۸۹	وہ بیوع جن سے منع کیا گیا ہے	۶۶	سود لینے دینے والے پر لعنت
۹۱	بیع عریا کا مسئلہ	۶۷	ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ و تجارت میں ربا کی صورت
۹۲	بیع شمر کی ممانعت	۶۹	سونے یا چاندی کے باہم لین دین کا حکم
۹۲	بیع شمر خام کی ممانعت	۶۹	ہم جنس چیزوں کا تبادلہ برابر سرابر کرو
۹۲	پھل دار درختوں کو کئی سالوں کے لئے پیشگی بیع ڈالنے کی ممانعت	۶۹	متحدہ القدر چیزوں کے باہمی تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے
۹۳	ضائع ہو جانے والی بیع کا ذمہ دار کون ہے؟	۷۰	اچھی اور خراب ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز نہیں
۹۳	بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے	۷۰	ایک غلام کے بدلے میں دو غلام
۹۳	خرید و فروخت کے سلسلہ میں چند ہدایات	۷۱	ہم جنس چیزوں کا تفاوت کے ساتھ لین دین جائز نہیں
۹۷	کسی کے معاملہ میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ	۷۱	سونے کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۹۷	شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے	۷۲	سود کے بارہ میں آپ کی ایک پیش گوئی
۹۸	بیع ملاست و منابذت کی ممانعت	۷۳	مختلف الجنس چیزوں کے دست بدست باہمی لین دین میں کمی بیشی جائز و درست ہے
۹۹	بیع حصہ اور بیع غرر کی ممانعت	۷۳	خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کے مسائل
۹۹	بیع جبل الجبلہ کی ممانعت	۷۴	گوشت اور جانور کے باہمی تبادلہ کا مسئلہ
۱۰۰	نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت	۷۴	دو جانوروں کا باہمی تبادلہ ادھار کی صورت میں ناجائز ہے
۱۰۰	پانی بیچنے کی ممانعت	۷۴	غیر منشی چیز کے قرض لینے کا مسئلہ
۱۰۰	ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت	۷۵	ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ
۱۰۱	فریب دہی سے بچو	۷۶	سود کھانے پر وعید
۱۰۱	بیع خنیا کی ممانعت	۷۸	سود خواروں کی ظاہری خوش حالی سے دعو کہ نہ کھائیے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۹	ناپ تول میں کمی کرنے والے کے لئے وعید	۱۰۱	پھل اور کھیتی پکنے کے بعد ہی فروخت کی جائے
۱۱۹	بیع سلم کی بیع کو قبل قبضہ فروخت کرنے کی ممانعت	۱۰۲	ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے کی ممانعت
۱۱۹	احتکار کا بیان	۱۰۲	بیعانہ یا سائی کا مسئلہ
۱۱۹	احتکار کے معنی	۱۰۳	بیع مضطر کی ممانعت
۱۲۰	احتکار کا حکم	۱۰۳	نر کو مادہ پر چھوڑنے کے لئے اجرت لینا ممنوع ہے
۱۲۰	احتکار کرنے والا گناہ گار ہے	۱۰۴	جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو
۱۲۰	احتکار کرنے والے کے لئے وعید	۱۰۴	ایک بیع میں دوسری بیع نہ کرو
۱۲۰	جاکم اپنی طرف سے نرخ مقرر نہ کرے	۱۰۵	بیع کو قرض کے ساتھ نہ ملاؤ
۱۲۱	غلبہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے موعظت و عبرت	۱۰۶	ادائیگی قیمت میں سکے کی تبدیلی جائز ہے
۱۲۲	افلاس اور مہلت دینے کا بیان	۱۰۶	آپ سے متعلق ایک بیعانہ کا ذکر
۱۲۳	مفلس ہو جانے والے کے بارہ میں ایک مسئلہ	۱۰۷	بطریق نیلام بیع جائز ہے
۱۲۳	مفلس ہو جانے والے کی مدد کرنے کا حکم	۱۰۸	عیب دار چیز دھوکہ سے بیچنے والے کے لئے وعید
۱۲۴	وصول قرض میں درگزر کرنے کا اجر	۱۰۸	گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان
۱۲۵	خوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے والا بہترین شخص ہے	۱۰۸	پھل دار درخت کی بیع کا مسئلہ
۱۲۶	قرض خواہ تھانسا کر سکتا ہے	۱۰۹	شرط بیع کا مسئلہ
۱۲۶	ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے	۱۱۰	حق ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے
۱۲۷	قرض خواہ و قرضدار کا تنازعہ ختم کرنا جائز ہے	۱۱۱	حق ولاء کو بیچنا یا اس کو بہہ کرنا ناجائز ہے
۱۲۷	ادائیگی قرض میں تاخیر کرنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ	۱۱۲	جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا بھی حق دار ہے
۱۲۸	قرض کو ادا کرنے والے کی نیت صحیح ہو تو اللہ مدد فرماتا ہے	۱۱۲	بائع و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا
۱۲۹	اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا	۱۱۳	اقالہ بیع کا مسئلہ
۱۲۹	قرضدار کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت کا اجتناب	۱۱۳	ایک سبق آموز واقعہ
۱۳۰	دیوالیہ کا حکم	۱۱۴	بیع سلم اور رہن کا بیان
۱۳۱	قرضدار کی روح قرض کی ادائیگی تک معلق رہتی ہے	۱۱۵	بیع سلم کی شرائط صحت
۱۳۲	بلا عذر قرض ادا نہ کرنے والا مستطیع شخص قابل ملامت ہے	۱۱۶	ادھار خریدنا اور گروی رکھنا جائز ہے
۱۳۳	قرض ادا نہ کرنے والے کی نماز جنازہ ہے آپ کا انکار	۱۱۷	اشفاق رہن کا مسئلہ
		۱۱۷	شے مرہون رہا ہن کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی
		۱۱۸	حقوق شرعیہ میں پیمانہ اور وزن کا اعتبار

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۰	جانور کا عاریہ مالک لینا جائز ہے	۱۳۳	بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنا ایک بڑا گناہ ہے
۱۵۱	ہجرت زمین آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہے	۱۳۳	حرام چیزوں پر صلح ناجائز ہے
۱۵۲	کسی دوسرے کا مال بغیر اجازت حلال نہیں ہوتا	۱۳۵	آنحضرتؐ کا پانچواں خریدنا
۱۵۲	کسی کی کوئی چیز ہنسی مذاق میں لے کر ہڑپ نہ کر جاؤ	۱۳۵	قرض کی واپسی میں غیر مشروط زیادتی جائز ہے
۱۵۳	اپنا چوری کا مال جس کے پاس دیکھو اس سے لے لو	۱۳۶	ادائیگی قرض کا جلدی انتظام کرو
۱۵۳	جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو	۱۳۶	مہلت دینے والے کو ثواب ملتا ہے
۱۵۳	کسی کے باغ وغیرہ کو نقصان پہنچانے کا مسئلہ	۱۳۶	دین، میراث پر مقدم ہے
۱۵۳	حالت اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینے کی اجازت ہے	۱۳۷	بار بار کی شہادت فی سبیل اللہ بھی قرض کا کفارہ نہیں کر سکتی
۱۵۵	دوسرے کے باغ کا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے کا مسئلہ	۱۳۷	شرکت اور وکالت کا بیان
۱۵۵	مستعار لی ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے	۱۴۰	عقد میں شرکت جائز ہے
۱۵۶	مستعار چیز کو واپس کر دینا واجب ہے	۱۴۰	انصار کے مال میں مہاجرین کی شرکت
۱۵۶	درخت سے گرے ہوئے پھل اٹھانے کا مسئلہ	۱۴۱	معاملات میں وکیل بنانا جائز ہے
۱۵۷	زمین غصب کرنے کی سزا	۱۴۱	امانت دار شرکاء کا اللہ تعالیٰ محافظ رہتا ہے
۱۵۷	شفعہ کا بیان	۱۴۲	خائن سے انتقام کا جذبہ تمہیں خیانت پر نہ اکسارے
۱۵۸	حق شفیعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے یا ہمسایہ کو بھی؟	۱۴۲	آنحضرتؐ کا وکیل
۱۵۹	حق شفیعہ صرف زمین اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے	۱۴۳	شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی ہے، ایک واقعہ
۱۵۹	مشترک زمین یا مکان کے کسی حصہ کی فروخت کی وقت	۱۴۳	شرکت و وکالت کے کچھ مسائل، شرکاتی جماعت
۱۵۹	دوسرے شریک کو اطلاع دینا ضروری ہے	۱۴۳	فسخ شراکت
۱۵۹	ہمسایہ کو حق شفیعہ حاصل ہونے کی دلیل	۱۴۵	فسخ شراکت کی صورت میں تقسیم کی ترتیب
۱۶۰	ہمسائیگی کا حق	۱۴۵	وکالت کے احکام
۱۶۰	راستہ کے سلسلہ میں ایک ہدایت	۱۴۶	وکیل کی برطرفی
۱۶۰	غیر منقولہ جائداد کو بلا ضرورت بیچنا مناسب نہیں	۱۴۷	غصب اور عاریت کا بیان
۱۶۱	ہمسایہ کو حق شفیعہ حاصل ہوتا ہے	۱۴۷	غصب کرنے والے کی سزا
۱۶۱	شفیعہ کا تعلق ہر غیر منقول جائداد سے ہے	۱۴۸	کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دھونے کا ایک واقعہ
۱۶۱	بیری کے درخت کاٹنے پر وعید	۱۴۹	کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے
۱۵۰	ہر غیر منقول جائداد میں شفیعہ ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا	۱۵۰	حاجیوں کا سامان چرانے والے کا عبرتناک حشر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۵	افتادہ و خیر زمین کو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے	۱۶۲	ناقابل تقسیم ہو
۱۷۵	کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کی ممانعت	۱۶۲	مساقات اور مزارعت کا بیان
۱۷۶	کھیتوں میں پانی لیجانے کے سلسلہ میں ایک تنازعہ اور آپ کا فیصلہ	۱۶۳	خیبر کی زمین کا بندوبست
۱۷۸	جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو پلانے سے نہ روکو	۱۶۳	مخارجت کی مخالفت
۱۷۹	افتادہ زمین کی دیوار کے ذریعے حد بندی کرنے سے ملکیت ہوتی ہے یا نہیں؟	۱۶۳	اجرت یا لگان پر زمین دینے کا ذکر
۱۸۰	آنحضرتؐ کی طرف سے صحابہؓ کو افتادہ زمین کا جاگیری عطیہ	۱۶۵	مزارعت کی ایک ممنوع صورت
۱۸۲	خدا کی تین عام نعمتیں	۱۶۵	کسی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے بطور عاریت دینا بہتر ہے
۱۸۲	کسی مباح چیز کو جو شخص پہلے حاصل کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی	۱۶۵	اپنی زمین کو بے کار نہ چھوڑو
۱۸۲	جس قوم میں کمزور انسانوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں وہ برائیوں سے پاک نہیں ہوتی	۱۶۶	زراعت میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد کرنے پر وعید
۱۸۳	نہرو وغیرہ سے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ	۱۶۶	کسی کی زمین بلا اجازت کاشت نہ کرو
۱۸۳	اپنی جائداد کے ذریعہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ	۱۶۷	مزارعت کا ثبوت
۱۸۵	پانی، نمک اور آگ دینے سے انکار نہ کرو	۱۶۷	اجارہ کا بیان
۱۸۶	عطایا کا بیان	۱۶۸	اجارہ کا جواز
۱۸۷	حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی خیبر کی زمین کا وقف نامہ	۱۶۸	سرکار و عالم نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں
۱۸۸	عمرؓ جائز ہے	۱۶۹	مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے والے کے لئے وعید
۱۸۸	عمرؓ کیا ہے؟	۱۶۹	جھاڑ پھونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے
۱۸۹	عمرؓ معمر لہ کے در ثانی ملکیت بن جاتا ہے	۱۷۱	جس طرح غیر شرعی جھاڑ پھونک ناجائز ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی حرام ہے
۱۹۰	مسک جنہور کے خلاف حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کی تاویل	۱۷۲	مزدور کو اس کی مزدوری دینے میں تاخیر نہ کرو
۱۹۰	عمرؓ اور رقبی سے آنحضرتؐ کی ممانعت اور اس کی وضاحت	۱۷۲	سائل کسی بھی حال میں سوال کرے اس کا سوال پورا کرو
۱۹۱	عمرؓ اور رقبی جائز ہے	۱۷۳	مزدوری کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر
۱۹۱	جواز عمرؓ کی بظاہر مخالف ایک اور حدیث	۱۷۳	خاوند کی خدمت بیوی کا مہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟
		۱۷۳	دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کا مسئلہ
		۱۷۳	غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور پانی کے حق کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۸	لقطہ استعمال میں آجانے کے بعد اس کا مالک طلب کرے تو اس کا بدلہ دینا چاہئے	۱۹۱	گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان
۲۰۹	لقطہ بری نیت کے ساتھ نہ اٹھاؤ	۱۹۱	خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو
۲۰۹	جب لقطہ اٹھاؤ تو کسی کو گواہ بناؤ	۱۹۲	کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا بری مثال ہے
۲۰۹	لقطہ کی وہ مقدار جس میں تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں	۱۹۳	کوئی چیز دینے میں اولاد کے درمیان فرق و امتیاز نہ کرو
۲۱۰	فرائض کا بیان	۱۹۳	ہبہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے
۲۱۰	ورثہ کی ترتیب	۱۹۳	سات صورتوں میں ہبہ واپس لینا جائز نہیں ہے
۲۱۱	ذوی الفروض کی تفصیل	۱۹۵	کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا مروت کے خلاف ہے
۲۱۱	ذوی الفروض کے حصے	۱۹۵	تحفہ کا بدلہ تحفہ
۲۱۳	عصبات کی تفصیل	۱۹۷	محسن کے لئے دعاء اجر و خیر
۲۱۳	ذوی الارحام کی تفصیل	۱۹۷	راہ استقامت کا سنگ میل
۲۱۳	میراث پانے سے محروم کر دینے والی چیزیں	۱۹۷	انسان کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا
۲۱۵	میت کا ترکہ، اس کے ورثاء کا حق ہے	۱۹۸	شکرانہ نعمت کی اہمیت
۲۱۶	میت کا ترکہ پہلے ذوی الفروض کو دود	۱۹۹	آپس میں بطور تحفہ لین دین عداوتوں کو دور کرتا ہے
۲۱۶	اختلاف مذہب، میراث سے محروم کر دیتا ہے	۱۹۹	کسی کمتر چیز کے تحفہ کا لینا دینا حقیر نہ سمجھو
۲۱۷	آزاد کرنے والا، غلام کا وارث ہوتا ہے	۲۰۰	خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو
۲۱۷	بھانجا، ماموں کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے	۲۰۰	اولاد میں کسی ایک کے ساتھ ترجیحی سلوک مناسب نہیں
۲۱۸	مسلم، غیر مسلم کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوتا	۲۰۱	آنحضرتؐ نے پھل کا تحفہ کس طرح قبول فرماتے تھے
۲۱۸	اپنے مورث کا قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے	۲۰۱	لقطہ کا بیان
۲۱۸	جدہ کا چھٹا حصہ ہے	۲۰۱	لقطہ کے معنی اور اس کا حکم
۲۱۸	زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے	۲۰۳	بے وارث بچہ کو اٹھانے کا مسئلہ
۲۱۹	ابتداء اسلام کا ایک حکم	۲۰۳	لقطہ کے کچھ متفرق مسائل
۲۱۹	ماموں اپنے بھانجے کا ذی رحم وارث ہوتا ہے	۲۰۴	کوئی شخص گری پڑی چیز پائے تو کیا کرے
۲۲۰	عورت کن تین آدمیوں کی میراث پاتی ہے؟	۲۰۶	لقطہ کو بغیر تشہیر یا س رکھنا خیانت ہے
۲۲۰	ولدا الزنا کا حکم	۲۰۷	حنفیہ کے ہاں زمین حل و حرم کا لقطہ برابر ہے
۲۲۱	آزاد کردہ غلام کی میراث	۲۰۷	دیران وغیرہ آباد زمین کے لقطہ اور برآمد ہونے والے دفینہ کا حکم
۲۲۱	انیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے		
	جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال کے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۷	نکاح کے فوائد و آفات	۲۲۲	مصرف میں دے دیا جائے
۲۳۹	نکاح کے احکام	۲۲۲	میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تعمیل پر مقدم ہے
۲۳۹	نکاح کے مستحبات	۲۲۳	آیت میراث کا شان نزول
۲۴۰	اجباب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرط	۲۲۵	بیٹی، پوتی اور بہن کے حصے
۲۴۱	جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم	۲۲۶	دادا کا حصہ، جدہ کا حصہ
۲۴۱	جوانی کی حد	۲۲۷	باپ کی موجودگی میں دادی کو چھٹا حصہ دلوانے کا ایک خاص واقعہ
۱۳۲	تقبل کی ممانعت	۲۲۷	خون بہا کا مال مقتول کے ورثاء کو ملتا ہے
۲۴۲	دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے	۲۲۸	موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے
۲۴۳	نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متاع ہے	۲۲۸	آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟
۲۴۳	قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت	۲۲۹	ولاء کی وراثت کا مسئلہ
۲۴۳	عورتوں کا فتنہ زیادہ نقصان دہ ہے	۲۲۹	اسلام لانے سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی ہو اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی
۲۴۴	عورت کے فتنہ سے بچو	۲۳۰	پھوپھیوں کے وارث نہ ہونے کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا تعجب
۲۴۵	بنی اسرائیل پر تباہی کے دروازے کھولنے والا پہلا فتنہ عورت ہے	۲۳۰	وصیتوں کا بیان
۲۴۶	وہ تین چیزیں جن میں نحوست ہوتی ہے	۲۳۱	وصیت نامہ لکھ رکھنے کا حکم
۲۴۷	اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو	۲۳۲	اپنے ترکہ کے تہائی حصہ میں وصیت کی جاسکتی ہے
۲۴۸	وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتا ہے	۲۳۳	وارث کے حق میں وصیت درست نہیں
۲۴۸	عورت کے ولی کے لئے ایک ضروری ہدایت	۲۳۴	کسی دوسرے کے حق میں وصیت کر کے اپنے ورثاء کو نقصان نہ پہنچاؤ
۲۴۹	محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو	۲۳۴	جائز وصیت کر جانے والے کے لئے بشارت
۲۴۹	کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے	۲۳۵	کافروں کو اعمال نیک کا ثواب نہیں پہنچتا
۲۵۰	نکاح کی ایک خصوصیت	۲۳۵	وارثوں کا حق مارنے والے کے لئے وعید
۲۵۰	آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت	۲۳۷	نکاح کا بیان
۲۵۰	نیک بخت بیوی کی خصوصیات	۲۳۷	نکاح کی اہمیت
۲۵۱	نکاح آدھادین ہے		
۲۵۱	کون سا نکاح بابرکت ہے		
۲۵۲	منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضا کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۳	نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان	۲۵۲	منسوبہ کو دیکھنے کا مسئلہ
۲۶۵	نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہئے	۲۵۲	اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے
۲۶۷	بیوہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے	۲۵۲	کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو
۲۶۷	آنحضرتؐ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم سن لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا	۲۵۳	عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات
۲۶۹	بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا	۲۵۴	اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزرنی کی ممانعت
۲۶۹	نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے	۲۵۵	معانج عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے
۲۶۹	غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا	۲۵۵	کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ
۲۷۰	بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے	۲۵۶	کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر برا خیال پیدا ہو تو بیوی کے پاس چلا جائے
۲۷۰	بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے	۲۵۶	اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے
۲۷۱	اولاد کے تین باپ کے فرائض	۲۵۷	کوئی اجنبی عورت نظر آ جائے تو اپنی بیوی سے تسکین حاصل کرو
۲۷۲	لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو	۲۵۷	عورت، بیگانی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے
۲۷۲	نکاح کے اعلان اور نکاح کے خطبہ و شرط کا بیان	۲۵۸	کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑنے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں
۲۷۲	شادی بیاہ کی رسوم و بدعات	۲۵۸	اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو
۲۷۳	نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے	۲۵۸	ران جسم کا مستور حصہ ہے
۲۷۴	شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا مستحب ہے	۲۵۹	بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا جائز نہیں
۲۷۵	مہر ادا کرنے کی تاکید	۲۵۹	عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟
۲۷۵	کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو	۲۶۰	خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو
۲۷۵	عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے	۲۶۰	اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو
۲۷۶	شفا کی ممانعت	۲۶۱	غلام، اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے
۲۷۶	متعد کی ممانعت	۲۶۲	عورتوں میں منعت کے آنے کی ممانعت
		۲۶۳	برہنگی کی ممانعت
		۲۶۳	شرم و حیاء کا انتہائی درجہ
		۲۶۳	حسین عورت کی طرف نظر اٹھ جانے کے بعد نظر کو پھیر لینے کا اجر
		۲۶۳	ممنوع النظر چیز کی طرف قصد ادا دیکھنے والے کے لئے وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۵	دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت	۲۷۷	متعد کے بارہ میں اہل تشیع کا مسلک
۳۱۶	کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو ان دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟	۲۷۸	نکاح کا خطبہ
۳۱۷	کون کون سے رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں؟	۲۸۰	خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے
۳۱۸	اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت	۲۸۱	نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے
	مباشرت کا بیان	۲۸۱	شادی میں گانے کی اجازت
۳۱۹	مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک غلط خیال کی تردید	۲۸۲	دو نکاحوں میں پہلا نکاح درست ہے
۳۲۰	عزل کا مسئلہ	۲۸۳	متعد ابتداء اسلام میں جائز تھا
۳۲۱	اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشا کرنے والے کے بارہ میں وعید	۲۸۳	شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت
۳۲۲	ایام حیض میں بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی سے بد فعلی کرو	۲۸۵	جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان
۳۲۳	اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا ملعون ہے	۲۸۵	محرمات کی تفصیل
۳۲۴	غیلہ کی ممانعت	۳۰۶	متعلقہ ضروری مسائل
۳۲۵	عزل کا مشروط جواز	۳۰۷	پھوپھی بھتیجی یا خالہ، بھانجی کو بیک وقت نکاح میں نہ رکھا جائے
۳۲۶	لوہڈی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے	۳۰۷	حرمت رضاعت کا ذکر
۳۲۷	مملوک خاوند بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے	۳۰۹	رضائی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے
۳۲۸	اگر لوہڈی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو آزاد ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوتا	۳۰۹	رضاعت کی مقدار
۳۲۹	مہر کا بیان	۳۱۰	مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی
۳۳۰	مہر کی مقدار	۳۱۱	ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں
۳۳۰	ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر	۳۱۱	دار الحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم
۳۳۰	مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہئے	۳۱۲	وہ عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا ممنوع ہے
۳۳۱	ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار، بھاری مہر کی ممانعت	۳۱۳	باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے
۳۳۲	مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور دے دینا بہتر ہے	۳۱۳	مدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا
۳۳۳	مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت	۳۱۳	دودھ پلانے والی کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے؟
۳۳۴	مہر مثل کسے کہتے ہیں؟	۳۱۵	آنحضرت کی طرف سے دایہ حلیمہ کی تعظیم و تکریم
۳۳۵		۳۱۵	چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۷	باری مقرر کرنے کا بیان	۳۳۶	۱۱ حبیبہؓ سے آپؐ کے نکاح کی تفصیل اور ان کے مہر کی مقدار
۳۳۸	آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کی تعداد	۳۳۷	قبولیت اسلام مہر کا قائم مقام
۳۳۸	کوئی بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے	۳۳۷	ولیمہ کا بیان
۳۳۹	سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے	۳۳۷	ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت
۳۵۰	باری مقرر کرنے کے سلسلہ میں ایک روایت	۳۳۸	ضیافت کی قسمیں
۳۵۱	کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کرنے پر مجبور نہیں ہے	۳۳۸	ولیمہ کرنے کا حکم
۳۵۱	اپنی بیویوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنے والے کو وعید	۳۳۹	آنحضرتؐ نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا
۳۵۲	آپؐ کی نوازدواج مطہرات میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر تھی	۳۳۹	عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے نہیں؟
۳۵۳	عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان	۳۴۰	حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر
۳۵۳	عورت کی کچی کو سخت روی سے دور نہیں کیا جاسکتا	۳۴۰	حضرت ام سلمہؓ کا ولیمہ
۳۵۳	عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو	۳۴۰	ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے
۳۵۵	کچی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے	۳۴۱	ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے
۳۵۵	عورت کو مارنے کی ممانعت	۳۴۲	غیر مدعو کو کھانا کھانا میزبان کی اجازت پر موقوف ہے
۳۵۶	اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو	۳۴۲	حضرت صفیہؓ کا ولیمہ
۳۵۷	آپؐ حضرت عائشہؓ کی خوشی و ناخوشی کو کس طرح پہچانتے تھے	۳۴۲	دنیاوی زیب و زینت کی چیزوں سے آنحضرتؐ کا اجتناب
۳۵۸	شوہر کی خواہش پر بیوی کو بہتر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے	۳۴۲	کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کی مذمت
۳۵۹	کوئی عورت اپنی سوکن کو خواہ مخواہ جلانے کا کام نہ کرے	۳۴۲	اگر بیک وقت دو آدمی دعوت کریں تو کسی کی دعوت قبول کی جائے؟
۳۵۹	ایلاء کا مطلب	۳۴۵	نام و نمود کے لئے زیادہ دنوں تک ولیمہ کھانے والے کے بارہ میں وعید
۳۶۰	آنحضرتؐ کے ایلاء کا واقعہ	۳۴۶	انظہار فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا ممنوع ہے
۳۶۳	اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرتؐ کا حسن معاشرت	۳۴۶	فاسق کی دعوت قبول نہ کرو
۳۶۵	اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے	۳۴۶	کسی متقی مسلمان کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۹	واقع نہیں ہوتی	۳۶۵	فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت
۳۷۹	اختیار کا مسئلہ	۳۶۶	اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مجبور قرار دیا
۳۷۹	کس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے		جاتا شوہر کی خوشنودی کی اہمیت
۳۸۱	بلا ضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید	۳۶۶	شوہر کی اطاعت کرو
۳۸۱	طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے	۳۶۷	شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ
۳۸۱	نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ	۳۶۷	شوہر پر بیوی کا حق
۳۸۳	طلاق بہت کا مسئلہ	۳۶۷	خاوند اپنی بیوی کو تادیب کر سکتا ہے یا نہیں؟
۳۸۳	نکاح و طلاق کے الفاظ اگر بنی میں بھی منہ سے نکالے جائیں	۳۶۸	بد زبان بیوی کو طلاق دے دو
	تو ان کا حکم ثابت ہو جاتا ہے	۳۶۹	عورتوں کو مارنے کی ممانعت
۳۸۳	زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟	۳۶۹	بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بہکانے والے کی مذمت
۳۸۳	دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی	۳۷۰	اپنے اہل و عیال کے حق میں کمال مہربانی کمال ایمان کی دلیل ہے
۳۸۵	تین شخص مرفوع القلم ہیں		حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کا ایک پر لطف واقعہ
۳۸۵	لوٹنی کے لئے دو طلاقیں ہیں	۳۷۰	غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں
۳۸۶	اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی عورت کے بارے میں وعید	۳۷۱	نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا
۳۸۶	عورت کے تمام مال کے عوض خلع کرنا مکروہ ہے	۳۷۲	بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے
۳۸۶	بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے	۳۷۳	سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو
۳۸۷	اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ایک بری چیز ہے	۳۷۴	جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی
۳۸۸	جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان	۳۷۴	بہترین بیوی کی پہچان
	حلالہ کا صحیح ہونا دوسرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے	۳۷۵	ابانت دار بیوی کی فضیلت
۳۸۹	محمل اور محملہ پر آنحضرتؐ کی طرف سے لعنت	۳۷۵	خلع اور طلاق کا بیان
۳۸۹	حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت	۳۷۵	خلع کا مطلب
۳۹۰	ایلاء کا مسئلہ	۳۷۶	طلاق کے معنی
۳۹۰	ظہار کا حکم	۳۷۶	نا پسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے
	اگر ظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی	۳۷۷	حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت
		۳۷۸	طلاق کی قسمیں
			کن لوگوں کی دی ہوئی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۱	کوشش کرتا ہے	۳۹۲	ایک ہی کفارہ واجب ہوگا
۳۱۲	عدت کا بیان	۳۹۳	کفارہ ظہار میں جو بروہ (غلام) آزاد کیا جائے اس کا مؤمن ہونا ضروری ہے یا نہیں؟
۳۱۲	عدت کے معنی	۳۹۳	کفارہ ظہار کے کچھ مسائل
۳۱۲	عدت کی مدت	۳۹۵	کفارہ میں اباحت جائز ہے
۳۱۳	عدت کی ابتداء کا وقت	۳۹۶	لعان کا بیان
۳۱۳	عدت کے دنوں میں شوہر پر نفقہ اور سکنی واجب ہے یا نہیں؟	۳۹۶	لعان کا معنی اور تعریف
۳۱۴	عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟	۳۹۶	دربار رسالت میں لعان کا ایک واقعہ
۳۱۴	حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے	۳۹۸	لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ
۳۱۴	عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت	۳۹۹	لعان کرنے والے کا محاسبہ آخرت میں ہوگا
۳۱۸	زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم	۴۰۰	آیت لعان کا شان نزول
۳۱۹	سوگ کے احکام و مسائل	۴۰۱	زنا کی تہمت چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے
۴۰۱	معتدہ کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے میں منتقل ہونا جائز نہیں	۴۰۲	اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے
۴۰۲	عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کی جائے	۴۰۳	اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟
۴۰۳	مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث	۴۰۳	محض معمولی علامتوں کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو
۴۰۳	مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ	۴۰۴	زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں
۴۰۳	استبراء کا بیان	۴۰۵	اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟
۴۰۵	استبراء کے بغیر لونڈی سے جماع کرنے والا لعنت کا مستحق ہے	۴۰۶	اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارے میں وعید
۴۰۶	بغیر استبراء لونڈی سے صحبت کرنے کی ممانعت	۴۰۷	اپنے بچہ کا انکار کرنے والا خدا کے دیدار سے محروم رہے گا
۴۰۷	غیر حائضہ لونڈی کے حق میں استبراء کی مدت	۴۰۷	بدکار بیوی کو طلاق دینا اولیٰ ہے
۴۰۷	باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے یا نہیں؟	۴۰۸	اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت و ضابطہ
۴۰۷	ام ولد کی عدت	۴۰۹	غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض میں ناپسندیدہ ہے
۴۰۸	نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان	۴۱۰	ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا
۴۰۸	بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل	۴۱۰	وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا
۴۱۰	اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل	۴۱۱	آنحضرت حتی الامکان لعان سے باز رکھنا چاہتے تھے
۴۱۰			شیعہ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۳۵	لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو	۴۳۰	والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل
۴۳۵	چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان	۴۳۱	باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل
۴۳۶	بلوغ کی علامت و عمر	۴۳۲	بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ مرد پر واجب ہے
۴۳۶	بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۴۳۳	غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم
۴۳۶	حق پرورش کی مدت	۴۳۴	غلام کی روزی روکنا گناہ ہے
۴۳۷	عمر بلوغ پندرہ سال ہے	۴۳۴	اپنے غلام و نوکر کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرو
۴۳۷	حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی پرورش کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ	۴۳۴	غلام کے لئے دہرا اجر
۴۳۸	کس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے	۴۳۵	غلام کے لئے بہتر بات کیا ہے؟
۴۳۹	مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے	۴۳۵	مفروغ غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی
۴۵۱	کتاب العتق	۴۳۶	غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کا مسئلہ
۴۵۱	غلام کو آزاد کرنے کا بیان	۴۳۶	غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ
۴۵۱	آزادی کی شرعی حیثیت	۴۳۷	اولاد کی کمائی باپ کا حق ہے
۴۵۱	آزاد کرنے کی شرط	۴۳۷	مرتب کے حق میں یتیم کے مال کا حکم
۴۵۱	آزاد کرنے کی قسمیں	۴۳۸	غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید
۴۵۱	برہہ کو آزاد کرنے کا اجر	۴۳۸	اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی کرنے والے کے بارہ میں وعید
۴۵۲	گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے	۴۳۸	اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خیر و برکت کا باعث ہے
۴۵۳	برہہ کو آزاد کرنے یا برہہ کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت	۴۳۹	اگر غلام مار کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے تو اپنا ہاتھ روک لو
۴۵۵	کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے	۴۳۹	کم سن برہہ (غلام) کو اس کی ماں وغیرہ سے الگ نہ کرو
۴۵۵	مشترک غلام کو آزاد کرنے، قرابتدار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں آزاد کرنے کا بیان	۴۴۱	غلام پر احسان کرنے کا اجر
۴۵۶	مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک روایت	۴۴۱	نمازی کو مارنے کی ممانعت
		۴۴۱	مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم
		۴۴۲	مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت
		۴۴۲	جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم
		۴۴۳	مال یتیم کے بارہ میں حکم خداوندی
		۴۴۳	باپ بیٹوں یا دو بھائیوں میں جدائی نہ ڈالو
		۴۴۴	کون لوگ برے ہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۷۶	لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا	۴۵۷	صاحبین کی مستدل حدیث
۴۷۷	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت	۴۵۷	مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ کرو
۴۷۸	اسلام سے بیزار کی قسم کا مسئلہ	۴۵۸	مدر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟
۴۷۸	آنحضرتؐ بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے	۴۵۹	ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے
۴۷۹	قسم کے ساتھ ”انشاء اللہ“ کہنے کا مسئلہ	۴۶۰	م ولد اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے
۴۷۹	غیر مناسب قسم توڑ دو اس کا کفارہ دو	۴۶۱	اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہوگا
۴۸۰	نذروں کا بیان	۴۶۱	آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟
۴۸۰	نذر کی ممانعت	۴۶۱	مشروط آزادی کا ایک واقعہ
۴۸۰	جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہو اسے پورا نہ کرو	۴۶۲	مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا
۴۸۱	نذر کا کفارہ	۴۶۲	عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم
۴۸۱	نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت	۴۶۳	مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ
۴۸۳	نذر مانتے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟	۴۶۳	مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے
۴۸۳	اپنا سارا مال خیرات کر دینے کی ممانعت	۴۶۵	غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا
۴۸۳	گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں	۵۶۵	قسموں اور نذروں کا بیان
۴۸۵	غیر معین نذر کا کفارہ	۴۶۵	قسم کی قسمیں اور ان کے احکام
۴۸۵	صرف اس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے	۴۶۶	قسم کا کفارہ
۴۸۶	دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم	۴۶۶	قسم کے دیگر احکام و مسائل
۴۸۶	تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت	۴۶۷	نذر اور اس کے احکام
۴۸۷	کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو کسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟	۴۷۱	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت
۴۸۸	نذر کا کوئی جزو اگر ناممکن العمل ہو تو اس کا کفارہ	۴۷۳	اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ
۴۸۹	ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے	۴۷۴	اگر قسم توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے
۴۹۰	جائز اور ناجائز نذر	۴۷۶	کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا
۴۹۰	جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۹	قاتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل معافی جرم ہے	۴۹۲	قصاص کا بیان
۵۱۰	زخمی کر دینے والے کو معاف کر دینے کا اجر	۴۹۲	خون مسلم کی حرمت
۵۱۰	ایک آدمی کو کئی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے سزاوار ہوں گے	۴۹۳	خون ناحق رحمت خداوندی سے محروم کر دیتا ہے
۵۱۰	قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے گا	۴۹۳	قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارہ میں پرسش ہوگی
۵۱۱	قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید	۴۹۳	جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا
۵۱۱	قاتل کے مددگار کو تعزیراً قید کیا جائے	۴۹۳	معاهد کو قتل کرنے کی ممانعت
۵۱۲	ویات کا بیان	۴۹۵	خودکشی حرام ہے
۵۱۲	دیت کے معنی اور اس کی قسمیں	۴۹۶	خودکشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ
۵۱۲	انگل کاٹنے کی دیت	۴۹۷	مقتول کے ورثاء کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو لینے کا اختیار ہے
۵۱۳	حمل کے بچہ کی دیت	۴۹۷	عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے
۵۱۳	پتھر کے ذریعہ قتل ہونے والے کی دیت واجب ہوگی	۴۹۸	جو جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دو
۵۱۳	قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت	۴۹۹	مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
۵۱۵	مختلف اعضاء جسم کی دیت	۵۰۰	خون مسلم کی اہمیت
۵۱۷	دیت کے اعتبار سے تمام انگلیاں برابر ہیں	۵۰۱	قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ
۵۱۸	ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے	۵۰۲	اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر
۵۱۹	قتل خطا کی دیت	۵۰۲	قاتل، توفیق خیر سے محروم رہتا ہے
۵۲۰	دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے	۵۰۳	قتل ناحق، ناقابل معافی جرم ہے
۵۲۱	امام شافعیؒ کی مستدل حدیث	۵۰۳	باپ سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے
۵۲۱	دیت، مقتول کے ورثاء کا حق ہے	۵۰۴	باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ ہیں
۵۲۱	قتل شبہ عمد کے مرتکب کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی	۵۰۵	بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے
۵۲۲	زخم خوردہ آنکھ کی دیت	۵۰۵	غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
۵۲۲	پیٹ کے بچہ کی دیت	۵۰۶	قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے
۵۲۳	جعلی طبیب اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا	۵۰۶	قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں
۵۲۳	دیت کی معافی کا ایک واقعہ	۵۰۸	مقتول یا زخم خوردہ کے ورثاء کا حق
۵۲۳	قتل شبہ عمد اور قتل خطا کی دیت	۵۰۸	قتل خطا کا حکم
		۵۰۹	قتل کی قسمیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۶	مرتدوں اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل	۵۲۳	پیٹ کے بچہ کی دیت
	کردینے کا بیان	۵۲۵	جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب
۵۳۶	مرتد کے کہتے ہیں؟		نہیں ہوتا ان کا بیان
۵۳۶	مرتد کے بارہ میں حکم	۵۲۵	جانور کے مارنے، کان میں دب جانے اور کنویں میں گر پڑنے
۵۳۶	فساد برپا کرنے والے کون ہیں؟		کا کوئی تاوان نہیں
۵۳۷	ارتداد اور مرتد کے بارہ میں کچھ تفصیلی مسائل و احکام	۵۲۶	مداغت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا
۵۴۰	وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے	۵۲۷	اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانے والا شہید ہے
۵۴۱	وہ موجبات کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے	۵۲۸	گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کر دینا معاف ہے
۵۴۵	وہ موجبات کفر جن کا تعلق انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے	۵۲۸	خواہ نخواستہ کنکریاں نہ پھینکو
۵۴۹	وہ موجبات کفر جن کا تعلق نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے ہے	۵۲۹	مجمع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھو
۵۵۱	وہ موجبات کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے	۵۲۹	کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو
۵۵۲	وہ موجبات کفر جن کا تعلق حلال و حرام اور فاسق و فاجر وغیرہ کے کلام سے ہے	۵۳۰	دنیا میں کسی کو سخت ازیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الہی میں گرفتار ہوگا
۵۵۳	وہ موجبات کفر جن کا تعلق یوم قیامت اور قیامت سے متعلق چیزوں سے ہے	۵۳۰	ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی
۵۵۳	وہ موجبات کفر جن کا تعلق تلقین کفر و ارتداد وغیرہ سے ہے	۵۳۱	نار و افیشن کرنے والی عورتوں کے بارہ میں وعید
۵۶۰	مرتد کی سزا قتل ہے	۵۳۱	کسی کے منہ پر نہ مارو
۵۶۰	کسی کو آگ میں جلائے کی سزا نہ دو	۵۳۲	غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قاتل
۵۶۰	فرقہ خوارج کی نشاندہی		تعزیر ہے
۵۶۱	خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ	۵۳۳	ہاتھ میں ننگی تلوار رکھنے کی ممانعت
۵۶۱	خوارج کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیش گوئی	۵۳۳	انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت
۵۶۲	مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جانا ہے	۵۳۳	اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی
۵۶۳	مرتد اور قزاقوں کی سزا		حفاظت میں مارا جانے والا شہید ہے
۵۶۳	مشک کی ممانعت	۵۳۳	مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید
۵۶۳	جانوروں کے تئیں آنحضرتؐ کا جذبہ رحمت	۵۳۴	قسامت کا بیان
۵۶۵	ایک باطل فرقہ کے بارے میں پیشین گوئی	۵۳۴	قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے
		۵۳۵	قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸۰	اقامت حد، گناہ کو ساقط کر دیتی ہے	۵۶۷	وہ تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جاسکتی ہے
۵۸۳	بدکار لونڈی کی سزا	۵۶۸	کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی ممانعت
۵۸۳	مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ	۵۶۸	اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو
۵۸۵	اگر زنا کا اقرار ہی مجرم اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟	۵۶۸	مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں
۵۸۶	ماعت کا اعتراف جرم	۵۶۹	بلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو
۵۸۶	دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو	۵۶۹	دارالحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کر دینے والا
۵۸۷	کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں	۵۷۰	مستوجب مواخذہ نہیں
۵۸۷	عزت داروں کو لغزشوں سے درگزر کرنا چاہئے	۵۷۰	آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کرنے والا ذی مباح الدم ہے یا نہیں؟
۵۸۸	شبہ کا فائدہ ملزم کو ملنا چاہئے	۵۷۰	ساحر کو قتل کر دیا جائے
۵۸۹	زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی	۵۷۱	بغاوت کی سزا قتل ہے
۵۹۰	ایک زنا کی دو سزائیں	۵۷۱	خوارج کے متعلق پیشین گوئی
۵۹۰	بیچارہ مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ	۵۷۲	قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے
۵۹۰	اغلام کی سزا	۵۷۳	كتاب الحدود
۵۹۱	جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کی سزا	۵۷۳	حدود کا بیان
۵۹۲	اغلام بدترین برائی ہے	۵۷۳	حد کے معنی
۵۹۲	ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر تہمت زنا کی سزا	۵۷۳	سزا کی تفصیل
۵۹۲	حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کو سزا	۵۷۳	حد اور تعزیر میں فرق
۵۹۳	زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزاوار ہوگا	۵۷۳	بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ
۵۹۳	ماعت کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل	۵۷۳	غیر محصن زانی کی سزا، محصن زانی کی سزا
۵۹۳	زنا اور رشوت کی کثرت کا وبال	۵۷۳	شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے
۵۹۵	اغلام، لعنت کا باعث ہے	۵۷۳	زنا کے اقرار ہی مجرم کے بارے میں آنحضرتؐ کا فیصلہ رجم
۵۹۶	جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا	۵۷۵	مساجد میں حد تعزیر جاری نہ کی جائے
۵۹۶	حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو	۵۷۶	جب تک کہ زانی کے بارہ میں پوری تحقیق نہ کر لو اس کی سزا
۵۹۶	حد جاری کرنے کے دور رس فوائد	۵۷۸	کافیصلہ نہ کرو
۵۹۷	چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان	۵۸۰	
۵۹۷	سرقہ کے معنی	۵۸۰	
۵۹۷	چور کی سزا اور اس کا نصاب		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱۲	شرابی کو قتل کر دینے کا حکم منسوخ ہے	۵۹۸	نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیث
۶۱۲	شرابی کی تحقیر	۵۹۸	ذہال کی قیمت کے تعین میں اختلافی اقوال
۶۱۳	شرابی کو سزا دو، اس کو عار دلاؤ لیکن اس کے حق میں بدو عانہ کرو	۵۹۸	تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت
۶۱۳	ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں	۵۹۹	پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟
۶۱۳	جو شخص سزاء کوڑے کھاتا ہوا مرجائے اس کی دیت واجب نہیں	۶۰۰	غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا
۶۱۵	حضرت عمرؓ کی طرف سے شراب نوشی کی سزا کا تعین	۶۰۱	لیسرے کی سزا قطع ید نہیں ہے
۶۱۵	جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بدو عانہ کرنے کا بیان	۶۰۱	خائن، قطع ید کا سزاوار نہیں
۶۱۵	بدو عانہ کرنے کا بیان	۶۰۲	سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے
۶۱۵	کسی گنہگار پر لعنت بھیجنانا جائز ہے	۶۰۲	دوبارہ اور سہ بارہ چوری کی سزا
۶۱۶	جو مجرم سزا پا چکا ہے اس کی آبروریزی مردار کھانے کے مترادف ہے	۶۰۳	چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینے کا مسئلہ
۶۱۷	جس گناہ کو مٹا دیتی ہے	۶۰۳	جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو
۶۱۷	جس گناہ پر حد جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا	۶۰۵	مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے
۶۱۸	اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے	۶۰۵	اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
۶۱۸	تعزیر کا بیان	۶۰۵	کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟
۶۱۸	حد اور تعزیر میں فرق	۶۰۶	حد و دو کے مقدمہ میں سفارش کا بیان
۶۱۸	بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جاسکتی ہے	۶۰۶	حد و دو میں سفارش قبول نہیں کی جاسکتی
۶۱۹	مجرم کے منہ پر نہ مارو	۶۰۸	حد میں سفارش کرنے والا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے
۶۱۹	بد زبانی کی سزا	۶۰۸	اقرار جرم پر چوری کی سزا
۶۲۰	مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا	۶۰۹	شراب کی حد کا بیان
۶۲۰	شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان	۶۰۹	شراب کی حرمت
۶۲۰	خرکس کو کہتے ہیں؟	۶۱۰	شراب نوشی کی سزا
		۶۱۰	سزا کا نفاذ
		۶۱۱	آنحضرتؐ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا
		۶۱۱	اسی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی تھی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۳۲	امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے	۶۲۱	نشہ آور چیزوں کی قسمیں
۶۳۳	اگر کسی کمتر شخص کو امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے	۶۲۲	شراب کن چیزوں سے بنتی ہے؟
۶۳۵	غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں	۶۲۳	پہلے زیادہ تر کجگور سے شراب بنتی تھی
۶۳۵	اطاعت و فرمانبرداری کا عہد	۶۲۳	ہر نشہ آور مشروب حرام ہے
۶۳۶	فسق و فجور عزل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟	۶۲۴	جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا وہ شراب طہور سے محروم رہے گا
۶۳۶	فرمانبرداری بقدر طاقت	۶۲۴	شرابی کے بارے میں وعید
۶۳۷	ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید	۶۲۴	نمیز کے بارے میں ایک حکم
۶۳۸	تغصب کے خلاف تنبیہ	۶۲۵	شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے
۶۳۹	بہترین و بدترین حاکم	۶۲۶	شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے
۶۳۹	حاکم کی بے راہ روی پر اس کو لو کنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے	۶۲۶	کسی حرام چیز میں اللہ نے شفاء نہیں رکھی
۶۳۹	اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرمانبرداری کی جائے	۶۲۶	شراب نوشی کا وبال
۶۴۰	امام کی اطاعت سے دستبردار ہونے والے کے بارے میں وعید	۶۲۷	نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے
۶۴۰	خلیفہ و امیر کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت و امارت کا دعویٰ کرے تو اس کو تسلیم نہ کرو	۶۲۷	شراب کن چیزوں سے بنتی ہے؟
۶۴۱	جو شخص امت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو	۶۲۸	شراب مال متقوم نہیں ہے
۶۴۳	حکومت و امارت کے طالب نہ بنو	۶۲۹	ہر مسکر و مفرط چیز حرام ہے
۶۴۴	جو شخص کسی عہدہ و منصب کا خود طلبگار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو	۶۲۹	شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں
۶۴۴	حکومت و امارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے	۶۲۹	شراب اور جوئے کی ممانعت
۶۴۵	قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جوابدہی کرنی ہوگی	۶۳۰	شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا
۶۴۵	خائن و ظالم حاکم کے بارے میں وعید	۶۳۰	شراب کے بارے میں ایک وعید
	رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنے والا حاکم جنت کی	۶۳۱	والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں
		۶۳۲	شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے
		۶۳۳	کتاب الامارۃ والقضاء
		۶۳۳	امارت و قضا کا بیان
		۶۳۳	اسلام اور حکومت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۵۷	بلاوجہ نہ تو امین بنو اور نہ حکم بنو	۶۳۶	بوسے بھی محروم رکھا جائے گا
۶۵۸	حکمران کے حق میں حکومت کے تین تدریجی مرحلے	۶۳۶	بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے
۶۵۸	حضرت معاویہؓ کے حق میں آنحضرتؐ کی پیش گوئی	۶۳۶	عادل حکمران کا مرتبہ عظیم
۶۵۹	آنے والے زمانے کے بارے میں ایک پیش گوئی	۶۳۷	ہر حاکم و امیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں
۶۵۹	جیسے عمل کر دے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے	۶۳۸	آنحضرتؐ کے ہاں حضرت قیس بن سعد کا منصب
۶۶۰	بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے	۶۳۸	عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی
۶۶۰	قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا	۶۳۸	ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں وعید
۶۶۱	کسی مسلمان کو محض ڈر انا دھم کا بھی عذاب کا سزاوار کرنا ہے	۶۳۹	امیر و والی کی اہانت نہ کرو
۶۶۱	حکمران کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو	۶۵۰	اگر امیر و حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو
۶۶۲	حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان	۶۵۰	امیر و حاکم کا انجام
۶۶۲	حکمران کو اپنی رعایا کے ساتھ نرم روی اختیار کرنی چاہئے	۶۵۰	قیامت کے دن امراء و حکام کی حسرت ناک
۶۶۳	قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی	۶۵۱	اکثر چودھری و دوزخ میں جائیں گے
۶۶۳	رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارے میں وعید	۶۵۱	احق سردار و حاکم سے خدا کی پناہ چاہو
۶۶۳	رعایا پر اپنے دروازے بند رکھنے والے حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہوں گے	۶۵۲	سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے
۶۶۳	اپنے حکام کو حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات	۶۵۳	لوگوں سے خلاف شرع محصول و ٹیکس وصول کرنے والا حاکم جنت سے محروم رہے گا
۶۶۳	منصب قضا کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان	۶۵۳	امام عادل کی فضیلت
۶۶۵	غصہ کی حالت میں قضیہ کا فیصلہ نہ کیا جائے	۶۵۳	ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے
۶۶۵	قاضی کو اجتہاد کا اختیار ہے	۶۵۳	ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کا انداز
۶۶۶	منصب قضاء ایک ابتلاء ہے	۶۵۵	حکمران کے صالح مشیر کار اس فلاح کا باعث ہوتے ہیں
۶۶۶	قاضی بننے کی خواہش نہ کرو	۶۵۵	رعایا کے تین حکمران کا شک و شبہ عام انتشار و بددلی کا باعث ہے
		۶۵۵	حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے
		۶۵۶	امام عادل کی فضیلت
		۶۵۷	حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرتؐ کا خوف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۸۰	بغیر طلب کے گواہی دینی چاہئے یا نہیں؟	۶۶۷	جنتی اور دوزخی قاضی قیاس اور اجتہاد برحق ہے
۶۸۱	جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی	۶۶۸	مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے
۶۸۱	قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر	۶۶۹	قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام
۶۸۲	گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے	۶۶۹	قیامت کے دن قاضی کی حسرتناک آرزو
۶۸۲	اگر ایک ہی چیز کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان میں تقسیم کر دی جائے	۶۶۹	عادل و منصف قاضی کو حق تعالیٰ کی توفیق و تائید حاصل رہتی ہے
۶۸۳	قابض کے حق میں فیصلہ	۶۷۰	منصب قضا قبول کرنے سے حضرت ابن عمرؓ کا انکار
۶۸۳	دو مدعیوں کے درمیان متنازعہ مال کی تقسیم	۶۷۱	حکام کو تنخواہ اور ہدایا تحائف دینے کا بیان
۶۸۵	مدعا علیہ کی قسم	۶۷۱	بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم
۶۸۵	مدعا علیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو	۶۷۲	قوی خزانے اور بیت المال میں ناحق تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید
۶۸۶	جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہڑپ کرنے والے کے بارے میں وعید	۶۷۲	امام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے
۶۸۷	جھوٹی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے	۶۷۲	جلیل القدر صحابہ کی تجارتیں
۶۸۸	جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے	۶۷۲	تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے
۶۸۸	کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟	۶۷۳	عالم کی اجرت، حضرت معاویہؓ کو ہدایت
۶۹۱	شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگلی کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟	۶۷۳	بلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کیفیل ہوگا
۶۹۱	اپنے معاملے مقدمہ میں دانائی اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھو	۶۷۳	قوی محاصل و بیت المال میں خیانت نہ کرو
۶۹۲	مزموم کو قید کرنا شرعی سزا ہے	۶۷۳	رشوت دینے لینے پر آنحضرتؐ کی لعنت
۶۹۳	مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود رہیں	۶۷۵	حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال اچھی چیز ہے
۶۹۳	کتاب الجہاد	۶۷۵	سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ و تحفہ قبول نہ کرے
۶۹۳	جہاد کا بیان	۶۷۶	قضیوں اور شہادتوں کا بیان
۶۹۳	جہاد کے معنی	۶۷۶	مدعی کا دعویٰ گواہوں کے بغیر معتبر نہیں
۶۹۳	جہاد کا نصب العین	۶۷۶	عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید
۶۹۳	جہاد کا حکم	۶۷۹	مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی ہی ہو
۶۹۵	کون سا جہاد افضل ہے؟	۶۸۰	جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ ہے
۶۹۶	جہاد کرنے والوں کی فضیلت	۶۸۰	بہترین گواہ کون ہے؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۰۷	حقیقی مجاہد کون ہے؟	۶۹۶	آنحضرتؐ کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت
۷۰۷	عذر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم	۶۹۷	جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے
۷۰۸	ماں باپ کی خدمت کا درجہ	۶۹۷	جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے
۷۰۸	فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی	۶۹۸	جہاد میں شرکت دوزخ سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہے
۷۰۹	دین کی سربلندی کے لئے امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت	۶۹۸	کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشارت
۷۱۰	بیشمار سربلندی کے لئے امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت	۶۹۸	بہترین زندگی کون سی ہے؟
۷۱۰	جہاد میں کسی طرح بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید	۶۹۹	گوشہ گزینی افضل ہے یا زہمت؟
۷۱۰	جان و مال اور زبان کے ذریعہ جہاد کا حکم	۶۹۹	مجاہد کا سامان جنگ تیار کرنا اور اہل و عیال کی نگہبانی کی فضیلت
۷۱۰	جنت کے وارث	۶۹۹	مجاہدین کی عورتوں کے احترام کا حکم
۷۱۱	جہاد میں پاسبانی کی فضیلت	۷۰۰	جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت
۷۱۱	جہاد میں شرکت کرنے والے کی فضیلت	۷۰۰	مجاہد کے گھربار کی نگہبانی کرنے کی فضیلت
۷۱۱	جہاد میں اپنا مال و اسباب خرچ کرنے کی فضیلت	۷۰۱	بیشمار امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت برسر جہاد ہے گی
۷۱۲	مجاہد کی فضیلت	۷۰۱	خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا
۷۱۲	جہاد کی برتری و فضیلت	۷۰۱	شہادت کی فضیلت
۷۱۳	جہاد میں پاسبانی کی فضیلت	۷۰۱	شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیہ کریمہ کی تفسیر
۷۱۳	شہداء ابتداء ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے	۷۰۳	جہاد حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے
۷۱۳	افضل مجاہد و افضل شہید	۷۰۳	وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے
۷۱۵	شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات	۷۰۳	شہادت کی طلب صادق کی فضیلت
۷۱۵	جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید	۷۰۳	شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے
۷۱۶	شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے	۷۰۵	شہید کی منزل جنت
۷۱۶	جہاد میں مومن کا بننے والا قطرہ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے	۷۰۶	شہداء کی اقسام
۷۱۷	بلا ضرورت شرعی بحری سفر کی ممانعت	۷۰۶	مجاہد کے اجر کی تقسیم
۷۱۷	پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پائے گا	۷۰۶	جس مومن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے
۷۱۸	جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے		
۷۱۸	مجاہد اپنے گھر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے		
۷۱۸	جامل کو جہاد کا دوا ثواب ملتا ہے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۳۱	آنحضرتؐ کی طرف سے تیر اندازی کی عملی ترغیب	۷۱۹	بلا اجرت جہاد نہ نگرنے والے کے بارے میں وعید
۷۳۱	حضرت ابو طلحہؓ کی تیر اندازی	۷۱۹	اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ
۷۳۱	گھوڑوں کی فضیلت	۷۲۰	کسی دنیاوی غرض سے جہاد کرنے والا ثواب سے محروم رہتا ہے
۷۳۲	اشکل گھوڑا ناپسندیدہ	۷۲۱	حقیقی جہاد کس کا ہے؟
۷۳۳	گھوڑ دوڑ کا ذکر	۷۲۱	ناموزی کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید
۷۳۳	آنحضرتؐ کی ایک اونٹنی کا ذکر	۷۲۱	سرکش امیر کو معزول کر دینا چاہئے
۷۳۴	جہاد میں کام آنے والا ہتھیار اپنے بنانے والے کو بھی جنت میں لے جائے گا	۷۲۲	اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں
۷۳۴	تیر انداز کے ثواب کا ذکر	۷۲۲	جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ
۷۳۵	جہاد کی چیزوں میں شرط کامل لینا جائز ہے	۷۲۳	جہاد جنت میں ترقی درجہ جات کا باعث ہے
۷۳۶	بازی لگانے کا مسئلہ	۷۲۳	جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں
۷۳۶	سابقیت میں محلل کے شامل ہونے کا مسئلہ	۷۲۴	شہداء احد کے بارے میں بشارت
۷۳۷	گھوڑ دوڑ میں ”جلب اور جنب“ کی ممانعت	۷۲۴	مومنین کی اعلیٰ جماعت
۷۳۷	بہترین گھوڑے کی علامات	۷۲۵	شہید کی تمنا
۷۳۸	گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال و دم نہ کاٹو	۷۲۵	ہر مومن پر شہید کا اطلاق
۷۳۸	گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات	۷۲۶	جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت
۷۳۹	اہل بیت رسولؐ کے تین مخصوص احکام	۷۲۶	شہداء کی قسمیں
۷۴۰	گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت	۷۲۸	منافق گو جہاد میں شریک بھی ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا
۷۴۰	تلوار کو تھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے	۷۲۸	جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بد عملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے
۷۴۰	جنگ میں حفاظت کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے	۷۲۹	سامان جہاد کی تیاری کا بیان
۷۴۱	آنحضرتؐ کے جھڈے کا ذکر	۷۲۹	جہاد کے لئے بقدر استطاعت قوت و طاقت فراہم کرنے کا حکم
۷۴۱	آنحضرتؐ کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت	۷۲۹	دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں مہارت حاصل کرو
۷۴۱	جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے	۷۳۰	تیر اندازی کی اہمیت
۷۴۲	آداب سفر کا بیان		
۷۵۵	صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت		
۷۵۶	چھتے کی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۷۳	ہے	۷۵۶	امیر سفر کو سفر کے رفقاء کا خادم ہونا چاہئے
۷۷۳	میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم	۷۵۶	کفار کو خطوط لکھنے اور ان کو اسلام کی
۷۷۳	میدان جنگ میں لشکر کی تیاری		دعوت دینے کا بیان
۷۷۳	مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات	۷۵۷	کفار کے خلاف اعلان جنگ سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت
۷۷۵	صحابہ کرامؓ جنگ کے وقت شور و شغب ناپسند کرتے تھے		دینا ضروری ہے
۷۷۵	دشمن کے بڑی عمروالوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو	۷۵۷	قیصر روم کے نام مکتوب نبویؐ
۷۷۶	دشمن کے شہر اور ان کے کھیت وغیرہ جلاؤ الٹا جائز ہے	۷۵۹	مکتوب نبویؐ کے ساتھ شہنشاہ ایران کا سخت آمیز معاملہ اور
۷۷۶	دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آجائے		اس پر اس کا وبال
۷۷۶	دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت	۷۵۹	آنحضرتؐ نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی
۷۷۷	مجاہدین کو میدان جنگ بھیجتے وقت آنحضرتؐ کی ہدایت		دعوت دی
۷۷۷	بدر کے میدان جنگ میں زعماء مکہ کی دعوت مبارزت	۷۶۲	جہاد کرنے والوں کے بارے میں چند ہدایات
۷۷۸	نئی کمک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز ہے	۷۶۳	سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت
۷۷۹	غزوہ طائف میں منجیق کا استعمال	۷۶۵	آنحضرتؐ صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملہ نہیں کرتے
۷۷۹	قیدیوں کے احکام کا بیان		تھے
۷۷۹	وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے	۷۶۷	ظہر کے وقت آنحضرتؐ کی طرف سے جنگ کی ابتداء
۷۸۰	دشمن کے جاسوسوں کو قتل کرنے کا حکم	۷۶۷	دوپہر ڈھلے جنگ کی ابتداء
۷۸۰	مدینہ کے عہد شکن یہودیوں کے متعلق فیصلہ	۷۶۸	آنحضرتؐ کی جنگ کے اوقات
۷۸۱	سردار یمامہ کے اسلام لانے کا واقعہ	۷۶۸	مجاہدین اسلام کو ایک خاص ہدایت
۷۸۳	جبیر ابن مطعم کو آنحضرتؐ کی طرف سے ترغیب اسلام	۷۶۸	زعماء ایران کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب
۷۸۳	حدیبیہ میں آنحضرتؐ پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار کو	۷۶۹	جہاد میں لڑنے کا بیان
	گرفتار کر کے چھوڑ دینے کا واقعہ	۷۶۹	شہید کی منزل جنت ہے
۷۸۳	جنگ بدر کے بعد مقتولین مکہ سے آنحضرتؐ کا خطاب	۷۶۹	اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی جنگ کی حکمت عملی
۷۸۵	غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی	۷۷۰	جنگ مکہ و فریب کا نام ہے
۷۸۶	گرفتاری کے بدلے گرفتاری	۷۷۱	جہاد میں عورتوں کے لے جانے کا مسئلہ
۷۸۷	جنگ بدر کے قیدیوں میں سے آنحضرتؐ کے داماد ابوالعاص	۷۷۱	جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ
	کی رہائی کا واقعہ	۷۷۲	دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ
۷۸۹	جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار		دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارت گری جائز

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۰۴	مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے بارے میں وعید	۷۸۹	جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار
۸۰۶	جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں اس میں ناحق	۷۹۱	قیدیوں کی تحقیق و تفتیش
	تصرف کرنے والوں کے بارے میں وعید	۷۹۱	کفار مکہ کے مسلمان ہو جانے والے غلاموں کو واپس کرنے
۸۰۷	مجاہدین کے مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو تقسیم		سے آنحضرتؐ کا انکار
	سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت	۷۹۲	حضرت خالد کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ
۸۰۷	مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ امت محمدیؐ کو دوسری امتوں	۷۹۳	امان دینے کا بیان
	پر فضیلت	۷۹۳	ام ہانیؓ کی طرف سے اپنے عزیز کو امان دینے کا واقعہ
۸۰۷	مقتول کا مال قاتل کو ملے گا	۷۹۴	عورت کے عہد و پیمان کی پاسداری سارے مسلمانوں پر
۸۰۸	غلام کو مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت دیا جاسکتا ہے		لازم ہے
۸۰۹	خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم	۷۹۴	اپنے عہد و پیمان کو توڑنے والے کے بارے میں وعید
۸۰۹	جہاد میں زیادہ سعی و محنت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت	۷۹۴	معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہئے
	میں سے خصوصی حصہ	۷۹۵	ایمانی عہد اور احترام قاصد کی اہمیت
۸۱۰	مال فنی میں کوئی خصوصی حصہ نہیں	۷۹۶	زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام
۸۱۱	شریک معرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی		کے منافی نہ ہوں
	عطیہ	۷۹۷	قاصد اور الجھیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا
۸۱۲	مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے	۷۹۸	مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت
	آنحضرتؐ کا انکار		کرنے کا بیان
۸۱۲	مال غنیمت جمع کرانے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں	۷۹۸	غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے
	وعید	۷۹۸	مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے
۸۱۲	مال غنیمت میں خیانت کی سزا	۸۰۰	مال غنیمت کی تقسیم
۸۱۳	خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے	۸۰۰	مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں
۸۱۳	غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی	۸۰۱	مخصوص طور پر بعض مجاہدین کو ان کے حصہ سے زائد دیا
	ممانعت		جاسکتا ہے
۸۱۳	مال غنیمت میں ناحق تصرف کرنے والے دوزخ کی آگ	۸۰۲	مسلمانوں کے ان جانوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے
	کے سزاوار ہوں گے		ہاتھ لگ جائیں اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں
۸۱۴	ذوالفقار تلوار کا ذکر	۸۰۳	خیبر کے مال خمس سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کی محرومی
۸۱۴	تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی	۸۰۳	مال فنی کا حکم
	ممانعت		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۲۹	صلح حدیبیہ	۸۱۵	مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہاتھ میں آئیں ان کا حکم
۸۳۳	صلح حدیبیہ کی تین خاص شرطیں	۸۱۶	خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا پڑے گا
۸۳۵	عورتوں کی بیعت	۸۱۶	مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی بھی خیانت مستوجب مواخذہ ہے
۸۳۶	معاہدہ حدیبیہ کی کچھ اور دفعات	۸۱۷	آنحضرتؐ خمس کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی مفاد میں خرچ کرتے تھے
۸۳۶	غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے والوں کے خلاف آنحضرتؐ کا انتباہ	۸۱۷	ذوی القربیٰ میں مال خمس کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ وغیرہ کی محرومی
۸۳۶	عورتوں کی اجتماعی بیعت کا مسنون طریقہ	۸۱۸	ابو جہل کے قتل کا واقعہ
۸۳۷	معاہدہ حدیبیہ کی کتابت آنحضرتؐ کے قلم سے	۸۲۰	کسی کو مال دینے سے اس کی دینی فضیلت لازم نہیں آتی
۸۳۸	یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان	۸۲۱	جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کا حصہ
۸۳۹	جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج	۸۲۲	ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے
۸۴۰	مشرکین کو جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دینے کے لئے آنحضرتؐ کی وصیت	۸۲۲	پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسانی آگ جلاؤ لیتی تھی
۸۴۰	جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی	۸۲۳	مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا
۸۴۱	حجاز سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا	۸۲۵	جزیرہ کا بیان
۸۴۱	فنی کا بیان	۸۲۵	جزیرہ کس کو کہتے ہیں؟
۸۴۱	فنی کس کو کہتے ہیں؟	۸۲۵	مجوسیوں سے جزیرہ لیا جاسکتا ہے
۸۴۱	مال فنی کا مصرف	۵۲۶	جزیرہ کی مقدار
۸۴۳	آنحضرتؐ کی طرف سے مال فنی کی تقسیم	۸۲۶	مسلمانوں پر جزیرہ واجب نہیں
۸۴۳	مال فنی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ	۸۲۷	جزیرہ پر صلح
۸۴۶	قفیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال	۸۲۷	یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ
۸۴۷	قفیہ فدک وغیرہ کی تفصیل	۸۲۸	ذمیوں سے معاہدہ کی شرائط زبردستی پوری کرائی جاسکتی ہیں
۸۵۲	خاتمۃ الکتاب	۸۲۸	ذمیوں پر جزیرہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت بھی واجب کی جاسکتی ہے
		۸۲۹	صلح کا بیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب البیوع

خرید و فروخت کا بیان

اسلامی نقطہ نظر سے کائنات انسانی کی عملی زندگی کے دو محور ہیں۔ اول ”حقوق اللہ“ کہ جسے عبادات کہتے ہیں اور دوم ”حقوق العباد“ کہ جسے معاملات کہا جاتا ہے، یہی دو اصطلاحیں ہیں جو انسانی نظام حیات کے تمام اصول و قواعد اور قوانین کی بنیاد ہیں۔ ان دونوں میں چونکہ حقوق اللہ کی عمومیت حاصل ہے کہ اس کا تعلق کائنات انسانی کے ہر فرد سے ہے اس لئے مصنف کتاب نے پہلے ان کو بیان کیا۔ اب اس کے بعد حقوق العباد یعنی معاملات کا بیان شروع کیا ہے جس کا سب سے اہم جزو ”بیع“ ہے۔

بیع کے معنی: ”بیع“ کے معنی ہیں ”بیچنا یعنی فروخت کرنا“ لیکن کبھی اس کے معنی ”خریدنا“ بھی مراد ہوتے ہیں، اس لئے بیع کا ترجمہ اصطلاحی طور پر ”خرید و فروخت“ کیا جاتا ہے۔

فخر الاسلام کا بیان ہے کہ اصطلاح شریعت میں ”آپس کی رضامندی سے مال کے ساتھ مال بدلنا“ بیع کہلاتا ہے۔

بیع کی شریعت: بیع یعنی خرید و فروخت کا شرعی ہونا، قرآن کریم کی اس آیت و احل اللہ البیع و حرم الربوا (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور رسول کریم ﷺ کی احادیث (جو آگے آئیں گی) سے ثابت ہے۔

بیع کی قسمیں: بیع یعنی خرید و فروخت میں بنیادی طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اول تو عقد بیع یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا اسے خریدتا ہے، دوم بیع یعنی وہ چیز جس کو فروخت کیا جاتا ہے اور سوم ثمن یعنی قیمت۔ ان تینوں کے اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی کچھ قسمیں ہیں، چنانچہ نفس معاملہ اور اس کے حکم، کہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں، کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① نافذ ② موقوف ③ فاسد ④ باطل۔ بیع نافذ اس بیع کو کہتے ہیں کہ طرفین میں مال ہو (یعنی بیچنے والے کے پاس بیع ہو اور خریدار کے پاس ثمن ہو) اور عاقدین یعنی بیچنے والا اور خریدار دونوں عاقل ہوں، نیز وہ دونوں بیع یا تو اصالۃ کریں یا وکالۃ اور دلالتۃ جس بیع میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی وہ بیع بالکل صحیح اور نافذ ہوگی۔ بیع موقوف اس بیع کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر فروخت کرے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت و رضامندی حاصل نہ ہو جائے یہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجازت کے بعد صحیح ہو جاتی ہے۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو باصلہ یعنی معاملہ کے اعتبار سے تو درست ہو مگر بوضفہ یعنی کسی خاص وجہ کی بناء پر درست نہ ہو۔ بیع باطل اس بیع کو کہتے ہیں جو نہ تو باصلہ درست ہو اور نہ بوضفہ۔ بیع فاسد اور بیع باطل کی تفصیل اور ان کی مثالیں انشاء اللہ ”باب المنہی عنہا من البیوع“ میں ذکر کی جائیں گی۔

بیع یعنی فروخت کی جانے والی چیز کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① مقابلہ ② صرف ③ سلم ④ بیع مطلق۔ بیع مقابلہ

یہ ہے کہ بیع بھی مال اور ثمن بھی مال ہو مثلاً ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اس کو غلہ دے۔ گویا بیع کی یہ وہ صورت ہے جسے عرف عام میں ”تبادلہ مال“ کہا جاتا ہے۔ بیع صرف یہ ہے کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً ایک شخص ایک روپیہ کا نوٹ دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں ایک روپیہ کے پیسے دے یا ایک شخص اشرفی دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اسے روپے دے گویا روپیہ بھنانا یا روپیہ کی ریزگاری لینا دینا بیع صرف کی ایک قسم ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کسی چیز کی قیمت پیشگی لے لے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار یہ چیز اتنی مدت مثلاً ایک دو مہینے کے بعد لے لے گا۔ بیع مطلق یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلاً بیچنے والا ایک من گہوؤں دے اور خریدار اس کی قیمت کے طور پر تیس روپے ادا کرے۔

ثمن یعنی قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں یہ ہیں۔ ① مراجمہ ② تولیت ③ ودیعت ④ مساومت۔ مراجمہ کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا بیع کو اپنے خریدار سے نفع لے کر فروخت کرے۔ تولیت کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا بیع کو بلا نفع کے اس قیمت پر فروخت کرے جس قیمت میں اس نے خود خریدی ہو۔ ودیعت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا بیع کو اس قیمت سے بھی کم میں فروخت کرے جتنی قیمت میں اس نے خود خریدی ہو اور مساومت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار آپس کی رضامندی سے کسی چیز کی خرید و فروخت چاہے جس قیمت پر کریں اور اس میں بیچنے والے کی قیمت خرید کا کوئی لحاظ نہ ہو۔

بَابُ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ

کسب اور طلب حلال کا بیان

”کسب اور طلب حلال“ کا مطلب ہے ”اپنی معاشی ضروریات مثلاً روٹی، کپڑے وغیرہ کے حصول کے لئے کمانا اور پاک روزی و حلال پیشہ کو ہر صورت اختیار کرنا“ چنانچہ اس باب میں کسب معاش کی فضیلت ذکر کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سا کسب اور کون سا پیشہ اچھا ہے اور کون سا برا ہے؟

فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سب سے بہتر کسب و پیشہ جہاد ہے، اس کے بعد تجارت، پھر زراعت اور پھر دستکاری (یعنی کتابت وغیرہ)۔

کسب یعنی کمانا فرض بھی ہے اور مستحب بھی، اسی طرح مباح بھی ہے اور حرام بھی۔ چنانچہ اتنا کمانا فرض ہے جو کمانے والے اور اس کے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کے لئے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کمانا مستحب ہے بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ زیادہ کمائے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو کچھ بچے گا وہ فقراء و مساکین اور اپنے دوسرے مستحق اقرباء پر خرچ کروں گا۔ اسی طرح ضروریات زندگی سے زیادہ کمانا اس صورت میں مباح ہے جب کہ نیت اپنی شان و شوکت اور اپنے وقار و تمکنت کی حفاظت ہو، البتہ محض مال و دولت جمع کر کے فخر و تکبر کے اظہار کے لئے زیادہ حرام ہے۔ اگرچہ حلال ذرائع ہی سے کیوں نہ کمایا جائے۔

کمانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر اس طرح خرچ کرے کہ نہ تو اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل و تنگی کرے۔

جو شخص کمانے اور اپنی روزی خود فراہم کرنے پر قادر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ کمانے اور جس طرح بھی ہو سکے حلال ذرائع سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی آبرو مندانه زندگی کے تحفظ کے لئے معاشی ضروریات خود فراہم کر کے دوسروں پر بار نہ بنے، ہاں جو شخص کسی بھی مجبوری اور عذر کی وجہ سے کسب و کمائی پر قادر نہ ہو تو پھر اس کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ دوسروں سے سوال کر کے اپنی زندگی

حفاظت کرے اگر اس صورت میں کوئی شخص محض اس وجہ سے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا نا اس کی غیرت کو گوارا نہیں، اس نے کسی سے سوال نہیں کیا یہاں تک کہ بھوک و افلاس نے اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی موت کا خود ذمہ دار ہو گا بلکہ ایک گنہگار کی موت مرے گا۔ نیز جو شخص خود کما کر اپنا پیٹ بھرنے سے عاجز ہو تو اس کا حال جاننے والے پر یہ فرض ہے کہ وہ اس معذور شخص کی خبر گیری کرے ہاں طور کہ اس کا پیٹ بھرے یا وہ خود اس انسانی فریضہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو کسی ایسے شخص سے اس کی مدد کی سفارش کرے جو اس کی مدد کرنے پر قادر ہو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس آیت کریمہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔

”اے مومنو! تم صرف وہی پاک و حلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔“

کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ سب سے بہتر کسب جہاد ہے بشرطیکہ جہاد کے ارادے کے وقت مال غنیمت کے حصول کا خیال دل میں قطعاً نہ ہو بلکہ نیت میں اخلاص ہو، اس کے بعد تجارت کا درجہ ہے خاص طور پر وہ تجارت جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں مسلمانوں کی ضروریات خاص کی چیزوں کو لانے والے جانے کا ذریعہ ہو، اس قسم کی تجارت کرنے والا شخص اگر حصول منفعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خدمت اور ان کی حاجت روائی کی نیت بھی رکھے تو اس کی تجارت، عبادت کی بھی ایک صورت بن جائے گی۔ تجارت کے بعد زراعت کا درجہ ہے، زراعت کا پیشہ بھی دنیاوی منفعت کے علاوہ اجر و ثواب کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتا ہے جب کہ اس میں مخلوق خدا یعنی انسانوں اور جانوروں کی غذائی ضروریات کی فراہمی کی نیت خیر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش و ہوا وغیرہ پر توکل و اعتماد ہو، ان تینوں پیشوں کے علاوہ اور پیشے آپس میں کوئی فضیلت نہیں رکھتے، البتہ کتابت کا پیشہ بہتر درجہ ضرور رکھتا ہے کیونکہ اس پیشے میں نہ صرف یہ کہ علم کی خدمت ہوتی ہے بلکہ دینی علوم، شرعی احکام انبیاء اور رزروگوں کے احوال بھی یاد ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا پیشوں کے بعد ان پیشوں کا درجہ آتا ہے جو بقاء عالم اور معاشرت و تمدن کی اصل ضروریات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں مثلاً معماری، بیلداری، خشت سازی، چونا بنانا، لکھی اور تیل نکالنا، روئی بچنا، سوت کا تنا، کپڑے سینا اور آٹا پینا وغیرہ۔ یہ تمام کسب اور پیشے ان پیشوں سے بہتر ہیں جو محض تکلف و تزئین اور اظہار امارت و دولت کے کام آتے ہیں، جیسے زردوزی و نقاشی، مٹھائی بنانا، عطر بنانا بچنا اور رنگریزی وغیرہ۔ تاہم یہ پیشے بھی اگر حسب موقع ہوں ہاں طور کہ ان کی وجہ سے خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو تو ان میں بھی کچھ کراہیت نہیں ہے۔ بخلاف ان پیشوں کے جن میں آلودگی، نجاست، مخلوق خدا بدخواہی، گناہوں کے ارتکاب میں اعانت، دین فروشی، کذب و جہل سازی اور فریب و دغا کا دخل رہتا ہو جیسے شاخ کشی، جاروب کشی، دباغی، احتکار غلہ، جھالی، مردہ شوئی، کفن فروشی، کٹنائی، ناچنا گانا، نقالی، جرہ بازی (پہلے زمانے میں ایک مستقل پیشہ تھا کہ کچھ چہل باز شارع عام پر ایک شخص کو کھڑا کر دیتے جو راہ چلتے آدی کی کوکھ میں اس طرح ٹھوکا مار دیتا کہ اسے یہ پتہ نہ چلتا کہ یہ کسی کی حرکت ہے چنانچہ جب وہ اس پر حیران و پریشان ہوتا تو سب چہل باز اس پر قہقہے لگاتے اس کو جرہ بازی کہتے تھے) نقالی، دلالی اور وکالت (جس میں جھوٹ فریب سے کام لیا جاتا ہو) امامت، اذان اور خدمت مسجد کی اجرت اور قرآن کی تلاوت و تعلیم کا معاوضہ لینا وغیرہ یہ سب پیشے مکرمہ ہیں۔ (شاہ عبدالعزیزؒ)

معنی الطالب میں لکھا ہے کہ کسب اور کسب کرنے والے کی فضیلت احادیث میں بہت منقول ہے، اسی طرح جو شخص کسب پر قادر ہونے کے باوجود ازراہ کسل و سستی کسب نہ کرے بلکہ اپنی گذر اوقات کے لئے دوسروں سے مانگتا پھرے اس کے حق میں بڑی وعید بیان کی گئی ہے۔ لیکن جو شخص خدا کی رزاقی پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور نہ ہی اپنی دینی مصروفیات اور عبادت و اذکار میں خلل پڑنے کی وجہ سے کسب وغیرہ کرے تو اس وعید میں داخل نہیں بشرطیکہ اپنی امداد کے لئے دوسرے لوگوں کی طرف نہ تو اس کا دل متوجہ ہو اور نہ وہ کسی سے اپنی امداد و فروخت کی توقع رکھتا ہو کیونکہ اسے سوال دلی کہتے ہیں جو سوال زبانی سے کہیں بدتر چیز ہے۔

جو شخص اتنا مال وزر رکھتا ہو جو اس کی معاشی ضروریات کے لئے کافی ہو یا اوقات وغیرہ سے اسے بقدر ضروریات روپیہ پیسہ مل جاتا ہو (مطلب یہ کہ گھر میٹھے اسے کسی بھی جائز وسیلے سے بقدر ضروریات آمدنی ہو جاتی ہو) تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عبادت وغیرہ میں مشغول رہے، اپنے اوقاف کو کسی کسب وغیرہ میں صرف نہ کرے، اسی طرح دینی علوم کی تعلیم دینے والے مفتی، قاضی اور اسی زمرہ کے دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہی حکم ہے اگر یہ لوگ بقدر کفایت ضروریات آمدنی رکھتے ہوں تو ان کو اپنے امور ہی میں مصروف رہنا چاہئے کسب وغیرہ میں مصروف نہ ہوں۔

جو شخص کسی کسب مثلاً تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ صرف حلال اور جائز مال کمائے، حرام سے کلیۃً اجتناب کرے اور اپنے پیشے و ہنر میں احکام شرعی کی رعایت ہر صورت ملحوظ رکھے، نیز اپنے پیشے میں تمام تر محنت و جدوجہد کے باوجود اللہ کی ذات پر توکل و اعتماد رکھے کہ رزاق مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کسب، محض ایک ظاہری وسیلہ کے درجہ کی چیز ہے، اپنے پیشے و کسب کو رزاق ہرگز نہ سمجھے کیونکہ یہ شرک خفی ہے۔ حرام کسب کے ذریعے حاصل ہونے والے مال وزر سے مکمل پرہیز کرے کیونکہ اس کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ وعید منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص حرام مال سے صدقہ و خیرات کرتا ہے تو اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا“ اور مال حرام اپنے پیچھے یعنی مالک کی موت کے بعد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتا کہ وہ (اپنے مالک کے لئے ایسا برا) زادِ راہ بن جاتا ہے جو اسے (یعنی مالک کو) دوزخ کی آگ میں پہنچا دیتا ہے۔

بعض لوگ حرام مال کی بڑی تعداد سے تو پرہیز کرتے ہیں لیکن قلیل مقدار میں احتیاط نہیں کرتے، حالانکہ حرام مال کی قلیل ترین مقدار سے بھی اسی طرح اجتناب کرنا چاہئے جس طرح بڑی سے بڑی مقدار سے اجتناب ضروری ہے اس بارے میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ حرام مال کی وہ قلیل ترین مقدار بقیہ تمام حلال مال میں مل کر سارے مال کو مشتبہ بنا دے گی اور مشتبہ مال و مشتبہ پیشے کے بارے میں بھی یہ مسئلہ ہے کہ اس سے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو بطور ہدیہ وغیرہ کوئی ایسی چیز یا ایسا مال دے جس کی حرمت و حلت کے بارے میں شبہ ہو تو چاہئے کہ اس چیز یا اس مال کو اچھے انداز میں اور نرمی کے ساتھ دینے والے کو واپس کر دے ہاں اگر واپس کرنے سے دینے والا آزرده خاطر ہو تو پھر واپس نہ کرنا چاہئے۔ یہی حکم اس مشتبہ مال کی تحقیق کرنے کا بھی ہے کہ اگر وہ مشتبہ مال دینے والا آزرده خاطر نہ ہو تو تب اس مال کی تحقیق کی جائے اور اگر وہ تحقیق کرنے سے آزرده خاطر ہو تو پھر تحقیق بھی نہ کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کو آزرده خاطر کرنا حرام ہے جب کہ مشتبہ مال کی تحقیق کرنا ورع (تقویٰ) ہے اور اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ ورع کے لئے حرام کا ارتکاب نہ کرنا چاہئے ہاں جس مال کے بارے میں بالکل تحقیق ہو کہ یہ حرام محض ہے تو پھر اس کو واپس کر دینا ہر صورت ضروری ہے اگرچہ دینے والا آزرده خاطر ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر اس مال کو واپس کرنے میں کسی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو پھر اسے بھی واپس نہ کرے بلکہ اسے لے کر کسی مضطر کو دے دے اور اگر خود مضطر ہو تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے۔

جس بازار میں حرام مال کی تجارت ہوتی ہو اس بازار سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کہ اس میں خرید و فروخت نہ کرے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں مال حرام ہے مشتبہ ہے اس کی تحقیق و تفتیش ضروری نہیں ہے کیونکہ حرمت و شبہ کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر جگہ اور ہر چیز کی تحقیق و تجسس محض وسوسہ ہے۔

غیر مشروع کسب کی اجرت بھی حرام ہے مثلاً مردوں کے لئے ریشمی کپڑے سینا یا مردوں کے لئے سونے کے زیور بنانا اسی طرح غیر مشروع خرید و فروخت سے حاصل ہونے والا نفع و مال بھی حرام ہے جیسے محکمہ غلہ بیچنا۔ تمام تجارتوں میں سب سے بہتر تجارت بزازی ہے اسی طرح تمام پیشوں میں سب سے بہتر پیشہ مشک بنانا و سینا ہے۔ خرید و فروخت میں کھوٹے سکوں کو پھیلا نا قطعاً جائز ہے اگر کھوٹے ہاتھ لگیں تو انہیں کنویں وغیرہ میں ڈال کر ضائع کر دینا چاہئے۔

اسی طرح ہر تاجر اور دوکاندار کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملات میں مکرو فریب سے کام نہ لے، بات بات پر قسم نہ کھائے کسی چیز میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے خریدار سے پوشیدہ نہ رکھے، اپنی اشیاء کی تعریف و توصیف حقیقت سے زیادہ نہ کرے، کوئی چیز کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جو اسے حرام کام میں استعمال کرے مثلاً انگور کسی شراب ساز کو نہ بیچے، یا ہتھیار وغیرہ کسی ڈاکو کو ترقاق وغیرہ کے ہاتھ فروخت نہ کرے، دستکار و صنعت گر اپنی بنائی ہوئی چیز میں کھوٹ ملاوٹ اور غلط چیزوں کی آمیزش نہ کرے کیونکہ ایسی چیز سے حاصل ہونے والی اجرت و قیمت حرام ہوتی ہے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، غبن و دھوکہ دہی میں اپنا دامن ملوث نہ کرے، ہمہ وقت یہ تصور رکھے کہ ناجائز طریقوں اور حرام ذرائع سے حاصل ہونے والا ایک پیسہ بھی جنت میں داخل ہونے سے روک دے گا، تھوڑے منافع پر اکتفا کرے کہ یہ مستحب ہے اور جس تجارت و حرفت میں مشغول ہو اور اس سے اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہوں تو اسی پر قناعت کرے، اس کی موجودگی میں دوسری تجارتوں اور دوسرے کاروبار کے ذریعے زیادہ کمانے کی حرص نہ رکھے بلکہ اپنے بقیہ اوقات کو آخرت کی بھلائیوں کو حاصل کرنے میں صرف کرے کیونکہ صرف اس دنیا کی فانی زندگی کی راحت و تعیش کے حصول میں ہمہ وقت لگے رہنا اور آخرت کی ابدی زندگی کی سعادتوں سے بے پرواہ ہو جانا عقل و دانش سے بعید تر بات ہے۔

الفصل الأول

اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سب سے بہتر ہے

① عَنْ الْمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرَب قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكَلُ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ وَإِنْ نَبَى اللَّهُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت مقدم بن معدی کرب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمانی ہوئی روزی کھاتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے ایک جلیل القدر نبی تھے اور ساتھ ہی خدا نے انہیں دنیا کی سلطنت و حکومت بھی عطا کی تھی۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی حکومت میں لوگوں سے اپنے بارے میں تجسس کرتے رہتے تھے، چنانچہ جو شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا اس سے وہ دریافت کرتے کہ بتاؤ داؤد کیسا ہے؟ لوگوں میں اس کی سیرت و عادت کس درجے کی ہے، اور اس کے بارے میں تمہارا تاثر کیا ہے؟ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو آدمی کی صورت میں ان کے پاس بھیجا انہوں نے اس سے بھی اس قسم کے سوال کئے۔ اس نے کہا کہ داؤد علیہ السلام ہیں تو اچھے آدمی، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ بیت المال سے روزی کھاتے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل و دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی، فوراً اپنے پروردگار سے دعا کی کہ ”رب العالمین! مجھے بیت المال سے مستغنی بنادے اور مجھے کوئی ایسا ہنر عطا کر دے کہ جس سے میں اپنی روزی کماسوں“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا فرمایا، منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو ایسی خاصیت عنایت کی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں جینچتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے وہ زرہ بناتے اور جو چار چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر روز ایک زرہ بناتے اور اس کو چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے، پھر اس چھ ہزار کو اس طرح صرف کرتے کہ دو ہزار تو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کے فقراء و مساکین میں بطور صدقہ و خیرات تقسیم کر دیتے۔

بہر کیف آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کے ذریعے جہاں یہ ارشاد فرمایا کہ کسب یعنی اپنی روزی خود پیدا کرنا انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل سے معلوم ہوا اس لئے تم بھی ان کے طریقے کو اختیار کرو، وہیں گویا آپ نے اپنی روزی خود اپنی صنعت و حرفت کے ذریعے پیدا کرنے پر لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں مثلاً جو شخص اپنی صنعت

و حرمت سے کماتا ہے نہ صرف یہ کہ خود اسے منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی صنعت و حرمت سے فائدہ پہنچتا ہے پھر یہ کہ ایسا شخص اپنے پیشے میں مصروف رہنے کی وجہ سے بری باتوں اور لہو و لعب سے محفوظ رہتا ہے، نیز چونکہ اپنا کام انہی ہاتھ سے کرنے کی وجہ سے کس نفسی بھی پیدا ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے نفس کی سرکشی سے بچتا ہے اور پھر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص کسی کا محتاج نہیں رہتا، کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا، کسی کے آگے جھکتا نہیں اور اسے ایک آبرو مندانہ زندگی حاصل رہتی ہے۔

صرف حلال مال کھانے کی فضیلت اور حرام مال سے بچنے کا اثر

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ الْأَطْيَبَ وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَهُ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ بَأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يُمْدِدْ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمُطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کی اور عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات و اعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں یا در کھوا اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مومنوں کو بھی دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایہا الرسل کلو من الطیبات و اعملوا الصالحا (یعنی اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا کلو من طیبات ما رزقناکم (یعنی اے مومنو! تم صرف وہی پاک و حلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے پر آگندہ بال اور غبار آلودہ ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لئے دعا مانگتا ہے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (غذاؤں سے) ہوئی بھریو مگر اس کی دعا قبول کی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں پہلے تو حلال مال کمانے کی فضیلت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کہ خود پاک ہے اور حلال رزق کو اس کی جناب پاک میں اس وجہ سے ایک نسبت حاصل ہے کہ حلال رزق بھی حرمت کی نجاستوں سے پاک ہوتا ہے تو تقاضاء عبودیت یہی ہے کہ بندہ حلال ہی رزق کھائے تاکہ اس پاک و حلال رزق کی وجہ سے اس بندہ کو بارگاہ خداوندی میں تقرب کی دولت حاصل ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ حرام مال سے اجتناب نہ کرنے کا اثر دعا کا قبول نہ ہونا ہے، چنانچہ اس بات کو آپ ﷺ نے اس مثال کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے کہ ایک شخص حج یا اور عبادات کے لئے طول طویل سفر اختیار کرتا ہے وہ ان مقامات مقدسہ تک پہنچنے میں پوری مشقت و جدوجہد کرتا ہے جہاں مانگی جانے والی دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ اس حال میں دست سوال اٹھاتا ہے کہ سفر کی مشقت و طوالت کی وجہ سے اس کے بال پر آگندہ ہیں، پورا جسم گرد و غبار سے آلودہ ہے اور تضرع و الخاح کی پوری کیفیت اس پر طاری ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی دعا بظاہر قبول ہوئی چاہئے کیونکہ اول تو ایک عبادت گزار بندہ ہے پھر وہ مسافر بھی ہے اور مسافر کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی دعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے دوسرے یہ کہ اس جگہ دعا مانگ رہا ہے جہاں مانگی جانے والی ہر دعا کی لاج رکھی جاتی ہے، غرضیکہ قبولیت دعا کے تمام آثار موجود ہیں مگر اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ جاننے والا جانتا ہے کہ وہ حرام مال سے پرہیز نہیں

کرتا، گویا اس کی ساری محنت و مشقت اور اس کی ساری عبادت و حالت اس کی دعا کو صرف اس لئے مؤثر نہیں بنا سکی کہ وہ حرام مال کھاتا ہے، حرام لباس پہنتا ہے اور کمائی کے حرام ذرائع سے اجتناب نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت حلال رزق پر موقوف ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ دعا کے دو بازو ہیں (جن کے سہارے وہ دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے) ایک تو اکل حلال دوسرا صدق مقال یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔

آنے والے زمانہ کے بارے میں ایک پیش گوئی

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔“ (بخاری)

تشریح: قیامت کے قریبی زمانہ میں جہاں عام گمراہی کی وجہ سے افکار و اعمال کی اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی وہیں ایک بڑی خرابی یہ بھی پیدا ہوگی کہ لوگ حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرنا چھوڑ دیں گے جس کو جو بھی مال ملے گا اور جس ذریعہ سے بھی ملے گا اسے یہ دیکھے بغیر کہ یہ حلال ہے یا حرام مضمم کر جائے گا۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ پیش گوئی آج کے زمانہ پر پوری طرح منطبق ہے۔ آج ایسے کتنے لوگ ہیں جو حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرتے ہیں؟ ہر شخص مال و زر بٹورنے کی ہوس میں مبتلا ہے مال حلال ہے یا حرام ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی۔ بس ہاتھ لگنا چاہئے کسی نے سچ کہا ہے ۔

ہر چہ آمد بدبان شال خورند و آنچه آمد بزبان شان گفتند
یہ اس دور کی عام وبا ہے جس سے کوئی طبقہ اور کوئی جماعت محفوظ نہیں ہے۔

مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے

④ وَعَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزِّهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالزَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنْ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنْ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمَهُ أَلَا وَإِنْ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ثعمان بن بشیرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے، اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، لہذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک و محفوظ کر لیا۔ (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے نہ تو دین میں کسی خرابی کا خوف رہیگا، اور نہ کوئی اس پر طعن تشنیع کریگا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں۔ جان لو! ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں۔ اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست حالت میں رہتا ہے یعنی جب وہ ایمان و عرفان اور یقین کے نور سے منور رہتا ہے تو (اعمال خیر اور حسن اخلاق و احوال کی وجہ سے) پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”حلال ظاہر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو وہ ہیں، جن کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے۔ نیک کلام، اچھی باتیں وہ مباح چیزیں ہیں جن کو کرنا یا جن کی طرف دیکھنا درست ہے، شادی بیاہ کرنا اور چلنا پھرنا وغیرہ وغیرہ! اسی طرح حرام ظاہر ہے ”کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حرام ہونا نص کے ذریعہ بالکل واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے۔ جیسے شراب، خنزیر، مردار، جانور، جاری خون، زنا، سود، جھوٹ، غیبت، چغلی خوری، امر اور اجنبی عورت کی طرف بہ نظر بد دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت یا حلت کے بارہ میں دلائل کے تعارض کی بناء پر کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حرام ہیں یا حلال ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کے حلال ہونے کی دلیلیں بھی ہیں اور حرام ہونے کی بھی، اس صورت میں کوئی واضح فیصلہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کی حقیقت بہت سے لوگ نہیں جان پاتے البتہ وہ علماء جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوتے ہیں یا جن کا علم بہت وسیع و گہرا ہوتا ہے ایسی چیزوں کے بارہ میں دونوں طرف کی دلیلوں میں سے کسی ایک طرف کی دلیل کو اپنی قوت اجتہاد اور بصیرت نظر کے ذریعہ راجح قرار دیکر کوئی واضح فیصلہ کر لیتے ہیں۔ بہر کیف مشتبہ چیز کے بارہ میں علماء کے تین قول ہیں۔

- ① ایسی چیز کو نہ حلال سمجھا جائے نہ حرام اور نہ مباح یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے ایسی چیز سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔
- ② ایسی چیز کو حرام سمجھا جائے۔
- ③ ایسی چیز کو مباح سمجھا جائے۔

اب ان تینوں اقوال کو ذہن میں رکھ کر مشتبہ کو بطور مثال اس طرح سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ ایک دوسری عورت نے آکر کہا کہ میں نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے، اس صورت میں وہ منکوحہ عورت اس شخص کے حق میں مشتبہ ہو گئی کیونکہ ایک طرف تو عورت کا بیان ہے کہ میں نے چونکہ ان دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہونے اور ظاہر ہے کہ رضاعی بھائی بہن کے درمیان نکاح درست نہیں ہوتا لہذا اس دلیل کا تو یہ تقاضا ہے کہ اس نکاح کو قطعاً ناجائز کہا جائے مگر دوسری طرف نکاح کے جائز رہنے کی یہ دلیل ہے کہ صرف یہ ایک عورت کی بات ہے جس پر کوئی شرعی گواہی نہیں ہے اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ عورت صحیح ہی کہہ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص بدعتی کی وجہ سے یہ بات کہہ کر ان دونوں کے درمیان افتراق کرانا چاہتی ہے، اس صورت میں کہا جائے گا نکاح جائز اور درست ہے دلائل کے اس تعارض کی وجہ سے لامحالہ یہی حکم ہو گا کہ یہ ایک مشتبہ مسئلہ ہو گیا ہے اس لئے اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہو گا کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں نہ رکھے کیونکہ مشتبہ چیز سے اجتناب ہی اولیٰ ہے مشتبہ چیز کی دوسری مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس کچھ روپے ہیں جن میں سے کچھ تو جائز آمدنی کے ہیں اور کچھ ناجائز آمدنی کے اس صورت میں وہ سب روپے اس شخص کے حق میں مشتبہ ہیں لہذا اس کو ان روپیوں سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔

ارشاد گرامی میں حرام چیزوں کو ممنوعہ چراگاہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی حاکم کسی خاص چراگاہ کو دوسروں کے لئے ممنوع قرار دے دیتا ہے جس کے نتیجے میں لوگوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو اس ممنوعہ چراگاہ سے دور رکھیں۔ اسی طرح جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں وہ لوگوں کے لئے ممنوع ہیں کہ ان کے ارتکاب سے اجتناب و پرہیز واجب و ضروری ہے اور مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہونے کو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ (منڈیر) پر عام جانور چرانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ سے دور رکھ کر چرائے تاکہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں نہ گھس جائیں اور اگر وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چرائے گا۔ تو پھر اس بات کا ہر وقت احتمال رہیگا کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں گھس جائیں جس کے نتیجے میں اسے مجرم قرار دے دیا جائیگا اسی طرح انسان کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے دور رہے تاکہ محرمات (حرام چیزوں) میں مبتلا نہ ہو جائے اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تشبیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جان لو کہ ہر بادشاہ کا ایک

ایسا ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے جس میں جانور چرانا جرم سمجھا جاتا ہے (یہ گویا زمانہ جاہلیت کے بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے یا یہ کہ مسلمانوں میں سے ان بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے جو غیر عادل ہیں کیونکہ کسی علاقہ کی گھاس کو جانوروں کے چرنے سے روک کو ممنوعہ چراگاہ قرار دینا درست نہیں ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ حرام چیزیں ہیں کہ جن میں مبتلا ہونا لوگوں کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے لہذا جو کوئی اس ممنوعہ علاقہ میں داخل ہو گا یعنی حرام چیزوں کا ارتکاب کرے گا اسے مستوجب عذاب قرار دیا جائے گا اور پھر ان حرام چیزوں میں بھی بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے مرتکب کی بخشش ہی نہیں ہوگی جیسے شرک اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ چاہے ان کے مرتکب کو بخشے چاہے نہ بخشے البتہ سچے دل کے ساتھ توبہ استغفار سے ہر چیز بخش جاسکتی۔

حضرت شیخ علی متقیؒ نے اس موقع پر یہ ترتیب ضروری، مباح، مکروہ، حرام، کفر، قلم کر کے لکھا ہے کہ جب بندہ اپنی معاشی تمدنی اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں اس قدر ضرورت پر اکتفا کر لیتا ہے جس سے اس کا وجود اور اس کی عزت باقی رہے تو وہ اپنے دین میں ہر خطرہ سے سلامت رہتا ہے مگر جب حد ضرورت سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو حد مکروہات میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حرص و ہوس حد مکروہات سے نکال کر محرمات کی مد میں داخل کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اگلا قدم کفر میں پہنچ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حدیث کے آخر میں انسانی جسم میں گوشت کے اس ٹکڑے کی اہمیت بیان کی گئی ہے جسے دل کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ ٹکڑا بگڑ جاتا ہے یعنی انکار، شک اور کفر کی وجہ سے اس پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں ارتکاب گناہ و مصیبت کی وجہ سے پورا جسم بگڑ جاتا ہے، لہذا ہر عاقل و بالغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کی طرف متوجہ رہے اور اس کو خواہشات نفسانی میں مہمک ہونے سے روکے تاکہ وہ آگے بڑھ کر مشتبہ چیزوں کی حد میں داخل نہ ہو جائے کیونکہ جب دل خواہشات نفسانی کی طرف چل پڑتا ہے تو پھر خدا کی پناہ، وہ تمام حدود کو پھلانگتا ہوا ظلمت کی آخری حدوں تک پہنچ جاتا ہے۔

آخر میں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بدن کی بھلائی و بہتری حلال غذا پر موقوف ہے کیونکہ حلال غذا سے دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور دل کی صفائی ہی سے تمام بدن اچھی حالت میں رہتا ہے بایں طور کہ اس کے ایک ایک عضو سے اچھے اعمال ہی صادر ہوتے ہیں اور تمام اعضاء کا برائی کی طرف میلان ختم ہو جاتا ہے۔

اور اب ایک بات یہ جان لیجئے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث علم و مسائل کے بڑے وسیع خزانے کی حامل ہے نیز جن حدیثوں پر اسلامی شرائع و احکام کا مدار ہے وہ تین ہیں ایک تو اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ دوسری مِنْ حُسْنِ اسْلَامِ الْمُزْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ اور تیسری يَكِي هِيَ الْحَلَالُ يَبِيْنُ الْخ۔

زانیہ کی اجرت مال حرام ہے

⑤ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَمَهُوَ الْبَغْيِ خَبِيثٌ وَكَسْبُ الْحَبَّامِ خَبِيثٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرات رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کئے کی قیمت ناپاک مال ہے، زنا کار عورت کی اجرت، حرام مال ہے۔ سیگنی پھینچنے والے کی کمائی ناپسندیدہ مال ہے۔“ (مسلم)

تشریح: پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ ”خبیث“ کے لغوی معنی ”ناپاک اور برا“ کے ہیں لیکن فقہی طور پر اس کے کوئی معنی نہیں ہیں ائمہ مجتہدین اور فقہاء حسب موقع و محل اس کے معنی کبھی حرام، کبھی ناپاک اور کبھی مکروہ وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے ”ثمن الکلب خبیث“ میں ”خبیث“ کے معنی حرام مراد لیتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال حرام ہے اس لئے کتے کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ کتا خواہ معلم (یعنی سدھایا ہوا) ہو خواہ غیر معلم (یعنی سدھایا ہوا نہ ہو)۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت امام محمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ ان کتوں، چیتوں اور درندوں کی خرید و فروخت جائز ہے، جن سے فائدے حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ معلم ہوں یا غیر معلم۔ ان حضرات نے ”ثمن الکلب خبیث“ کے بارے میں یہ کہا ہے کہ لفظ ”خبیث“ محض حرمت ہی پر دلالت نہیں کرتا جس کی واضح مثال اس حدیث کے الفاظ ”و کسب الحجام خبیث“ ہیں۔ اگر لفظ ”خبیث“ سے حرام ہی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ سیٹھی کھینچنے والے کو جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی حرام ہے حالانکہ متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ حرام نہیں ہے لہذا ”ثمن الکلب خبیث“ میں لفظ خبیث کے معنی ”ناپاک“ مراد لیتے ہوئے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال ناپاک یعنی مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔

”کسب الحجام خبیث“ میں لفظ خبیث کے معنی ”نا پسندیدہ“ مراد لئے گئے ہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ نے سیٹھی کھینچوانے کی اجرت ادا کی ہے اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ خود کیوں دیتے؟ لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سیٹھی کھینچنے والے کو اپنی اجرت کے طور پر جو مال ملتا ہے وہ ناپسندیدہ یعنی مکروہ تشریبی ہے۔

کتے کی قیمت کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ - (تفق علیہ)

”اور حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی اجرت اور کاہن کے حلوان یعنی اس کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو استعمال کرنے) سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کتے کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے سلسلہ میں تفصیلی بحث اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں کی جا چکی ہے چنانچہ اس حدیث میں کتے کی قیمت کے ممنوع ہونے کا جو حکم بیان کیا گیا اس کے بارے میں حنفی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ نیز آپ نے کتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی بھی ممانعت کر دی تھی مگر پھر بعد میں آپ نے یہ اجازت دے دی تھی کہ کتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک شکاری کتے کو مار ڈالا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ کتے کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک ریوڑ کے نگہبان کتے کو مار ڈالا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ مالک کو اس کتے کے بدلہ میں ایک دنبہ دے۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نہ تو کتے کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کسی کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے کتا خواہ معلم ہو یا غیر معلم ہو، اسی طرح خواہ اس کتے کا پالنا جائز ہو یا ناجائز ہو لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس کتے کی خرید و فروخت جائز قرار دی ہے جس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو مثلاً گھرباری نگرانی یا ریوڑ گلوں کی نگہبانی وغیرہ نیز حضرت امام اعظمؒ نے ایسے کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔

بدکار عورت کے اس مال کا حکم جو اس نے اپنی بدکاری کی اجرت کے طور پر حاصل کیا ہو، گذشتہ حدیث کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا

”کاہن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو آنے والے زمانہ کی خبریں بتایا کرتا ہے، اسی طرح ”حلوان“ کے لغوی معنی اگرچہ ”شیرینی اور مٹھائی“ لیکن اصطلاحی طور پر عربی میں ”حلوان“ اس اجرت کو کہتے ہیں جو کاہن آئندہ کی خبریں معلوم کرنے والے سے وصول کرتا ہے، خواہ وہ مٹھائی اور کھانے وغیرہ کی صورت میں ہو یا کپڑے، زیور اور نقدی وغیرہ کی شکل میں، کاہن کی اجرت کو حلوان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح شیرینی اور مٹھائی کھانے سے طبیعت کو فرحت محسوس ہوتی ہے اسی طرح کاہن کو اپنی یہ اجرت ملے کر بہت ہی فرحت محسوس ہوتی ہے کیونکہ بغیر کسی محنت و مشقت کے وہ اچھا خاصا مال بٹور لیتا ہے۔

یہ بات تو معلوم ہی ہوگی کہ جس طرح کاہن کے پاس جانا اور ان سے آئندہ کی خبریں معلوم کرنا حرام ہے اسی طرح پوشیدہ باتوں کو معلوم کرنے کے لئے نجومی اور پامسٹ وغیرہ کے پاس جانا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنا حرام ہے اس بارہ میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ”باب السحر والکھانہ“ میں آئے گی۔

خون بیچنا حرام ہے

(۷) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدِّمِّ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعْنِ أَكْلَ الزَّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَالْوَأْشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے استعمال سے منع فرمایا ہے نیز آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے گودنے والے اور گودوانے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: خون کی قیمت سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے خون کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے کیونکہ خون نجس ہوتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت ناجائز ہوتی ہے اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال بھی ناجائز ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے ”ثمن الدم“ (خون کی قیمت) کو سبکی کھینچنے والے کی اجرت پر محمول کیا ہے اس صورت میں ممانعت کا تعلق مکروہ تنزیہی سے ہوگا۔ کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت کے بارہ میں گزشتہ احادیث بیان کی جا چکی ہیں۔

”گودنے“ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جسم کے کسی حصہ پر یا پورے جسم پر سوئی سے گود کر سرمہ یا تیل بھردیتے ہیں جس سے سرمی یا نیلے داغ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے گودنے والے پر بھی اور گودوانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ فاسقوں اور غیر مسلموں کا کام ہے، نیز اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ جسم کی اصل خلقت میں تغیر بد نمائی ہوتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کے جسم پر گودنے کے داغ ہوں تو اس کے بارہ میں تعلیق القرار میں لکھا ہے کہ اسے کسی بھی تدبیر سے مٹا دیا جائے اور اگر زخم و خراش پیدا کئے بغیر کسی بھی تدبیر سے اس کو مٹانا ممکن نہ ہو تو پھر چھوڑ دیا جائے ان کو مٹانے کے لئے زخم و خراش کی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم بہر صورت اس قبیح فعل پر ندامت کے ساتھ توبہ کی جائے، توبہ کے بعد گناہ گار نہیں رہے گا۔

آپ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی ہے، لیکن مصور سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور کا فوٹو کھینچے یا جاندار کی تصویر بنائے یا تصویر گاڑھے، غیر جاندار چیزوں مثلاً مکانات، درخت اور پہاڑ وغیرہ کی تصویریں کھینچنا، بنانا اور گاڑھنا درست ہے۔

خطابیؒ نے لکھا ہے کہ تصویر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنائی جاتی ہے وہ چیز تصویر کی ایک ضمنی شے ہوتی ہے اور تصویر مقصود بالذات ہوتی ہے مثلاً جب فوٹو کھینچا جاتا ہے یا کاغذ پر تصویر بنائی جاتی ہے تو اس فوٹو یا تصویر کے کاغذ کی حیثیت محض ضمنی ہوتی ہے اصل مقصد کا تعلق تصویر سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے وہ چیز مقصود بالذات ہوتی ہے اور تصویر اس چیز کا ایک ضمنی وصف ہوتا ہے مثلاً برتن، دیواروں، چھتوں، قالینوں اور پردوں وغیرہ پر بنی ہوئی تصویریں۔ لہذا دوسری

قسم کی خرید و فروخت جائز ہے جب کہ بنانا دونوں ہی کا ناجائز ہے۔

حرام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْجَنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ تَطْلَى بِهَا الشُّفْنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبَحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذَلِكَ قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللَّهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهَا فَكُلُوا ثَمَنَهُ. (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے جب آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتائیے جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے نیز اس سے چھڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ (گھروں میں) اس سے چراغ جلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدہ اٹھانے جائز نہیں۔ پھر آپ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ) چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے نیز اگر کوئی شخص کسی بابے کو تلف کر دے تو اس پر ضمان یعنی مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مردار کی چربی کی خرید و فروخت تو جائز نہیں ہے لیکن اس چربی سے فائدہ اٹھانا یعنی اس کو کھانے اور آدمی کے جسم پر ملنے کے علاوہ اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے خواہ کشتی پر ملے، خواہ چراغ میں جلائے اور خواہ کسی اور کام میں لائے اسی طرح ان کے مسلک کے مطابق جو گھی یا زیت یا اور کوئی تیل نجاست پڑ جانے کی وجہ سے نجس ہو گیا ہو تو اس کو چراغ میں جلانے یا اس کا صابون بنانا جائز ہے جب کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح مردار کی خرید و فروخت ناجائز ہے اسی طرح اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا یعنی اس کی کسی بھی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ مردار کی حرمت بطریق عموم ثابت ہے البتہ دباغت کیا ہوا چمڑا اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا جواز خصوصی طور پر ثابت ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین علماء نے نجس زیت کو بیچنے کی اجازت دی ہے البتہ ان کے نزدیک نجس تیل کو چراغ میں جلانا بالخصوص مسجد میں جلانا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخر میں یہودیوں کی ایک خاص عیاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کے لئے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پگھلا کر اس کو بیچ دیتے تھے اور پھر اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لے آتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ نے تو چربی کھانے سے منع کیا ہے اور ہم چربی نہیں کھاتے بلکہ اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتے ہیں گویا وہ جاہل چربی کو پگھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے چربی کی حقیقت کو بدل دیا ہے کہ پکھلنے کے بعد وہ چربی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس صورت میں حکم الہی کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس عیارانہ چال کی وجہ سے ان کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا حیلہ اختیار کرنا کہ جس کے سبب سے حرام کار تکاب ہوتا ہو بالکل غلط ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی چیز کی قیمت حکم کے اعتبار سے اسی چیز کے تابع ہے کہ اگر وہ چیز حرام ہوگی تو اس کی قیمت بھی حرام ہوگی اور جو چیز حلال ہوگی اس کی قیمت بھی حلال ہوگی۔

یہودیوں کی ایک عیاری

⑨ وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتِلِ اللَّهَ الْيَهُودَ حَزَمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا قَبَاغُوهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر (مرداری) چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے اس کو پگھلایا (تاکہ چربی کا نام باقی نہ رہے) اور پھر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی (اس کی وضاحت حدیث بالا میں کی جا چکی ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

بلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالْبِئْثُورِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت (کو استعمال میں لانے) سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: علامہ طہیؒ کہتے ہیں کہ بلی کی قیمت کو استعمال میں لانے کی یہ ممانعت نبیؐ کی تشریح کے طور پر ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام علماء نے بلی کی خرید و فروخت، بہرہ کرنے اور عاریتہ دینے کو جائز کہا ہے۔ البتہ حضرت ابوہریرہؓ اور تابعینؓ میں سے کچھ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

بچھنے لگانے کا پیشہ حلال ہے

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ حَجَّم أَبُو طَيْبَةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَزَائِجِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو طیبہؓ نے رسول کریم ﷺ کے بچھنے لگائے تو آپ نے اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ ابو طیبہ کی کمائی میں سے کم لیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو مختلف پیشوں میں لگادیتے تھے اور ان سے یہ طے کر دیتے تھے اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال میں سے اتنا حصہ ہمارا ہوگا اور باقی کے تم حقدار ہوگے، چنانچہ ابو طیبہؓ نے جو نبیؐ یا ضہ کے غلام تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کی تو آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے مالکوں سے کہا کہ تم لوگ ابو طیبہ کی کمائی میں جو کچھ روزانہ لیا کرتے ہو اس میں کمی کر دو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بچھنے لگانے کا پیشہ ایک حلال پیشہ ہے اور اس کی اجرت دینا جائز ہے نیز اس حدیث سے چند اور مسائل ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ علاج کرنا اور علاج کرانے کی اجرت دینا مباح ہے، دوم یہ کہ مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے غلام کو کمائی پر لگا دے اور اس کے کمائے ہوئے مال میں سے اپنا کوئی حصہ مقرر کرے، سوم یہ کہ صاحب حق اور صاحب مطالبہ سے سفارش کرنا جائز ہے۔

الفصل الثانی

اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے

⑫ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَطْلَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنْ أَوْلَادُكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالدَّارِمِيِّ أَنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَإِنْ وَلَدَهُ مِنْ كَسْبِهِ۔

”حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو تمہیں کمائی سے حاصل ہوئی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ابوداؤدؓ اور دارمیؓ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”انسان جو کچھ کھاتا ہے اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو اسے اس کی کمائی سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے“

تشریح: اولاد کو کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے آپس کے نکاح کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوتی ہے گویا اس ارشاد کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ماں باپ اگر خود کمانے کے قابل نہ ہوں تو ان کے لئے اپنی اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے ہاں اگر ماں باپ اپنے دست و بازو کی محنت سے اپنے رزق کی راہیں خود بنا سکتے ہوں تو پھر ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اولاد پر بار بنیں، البتہ اولاد کی خوشنودی و مرضی اگر یہی ہو کہ ماں باپ اس کی کمائی کھائیں تو پھر ہر صورت اولاد کی کمائی کھانا جائز ہوگا چنانچہ حنفی علماء کا یہی قول ہے۔

علامہ طہیؒ کہتے ہیں کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کی ضرورت زندگی کی کفالت لڑکے پر واجب ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس وجوب کی شرط یہ ہے کہ وہ کمانے سے معذور بھی ہوں، جب کہ دوسرے علماء کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

مال حرام کا حکم

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ فَيَقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يَنْفَعُ مِنْهُ فَيُبَارِكُ لَهُ فِيهِ وَلَا يَنْتُرِكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَكَذَلِكَ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ و خیرات کرتا ہو اور اس کا وہ صدقہ قبول کر لیا جاتا ہو (یعنی اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے کمایا ہو مال صدقہ و خیرات کرے تو اس کا صدقہ قطعاً قبول نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی ثواب ملتا ہے) اور نہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس حرام کو (اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہو اور اس میں اسے برکت حاصل ہوتی ہو) یعنی حرام مال میں سے جو بھی خرچ کیا جاتا ہے اس میں بالکل برکت نہیں ہوتی) اور جو شخص اپنے (مرنے کے بعد) حرام مال چھوڑ جاتا ہے اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی کہ وہ مال اس شخص کے لئے ایک ایسا توشہ بن جاتا ہے جو اسے دوزخ کی آگ تک پہنچا دیتا ہے اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ دور نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتا ہے، اسی طرح ناپاک مال ناپاک کو دور نہیں کرتا (یعنی حرام مال برائی کو دور نہیں کرتا بلکہ حلال مال برائی کو دور کرتا ہے)۔“ (احمد، شرح السنۃ)

تشریح: خدا کی پناہ! مال و زر کی ہوس انسان کو کتنا اندھا بنا دیتی ہے کہ وہ اس چند روزہ دنیا کی جائز و ناجائز آسائشوں کی خاطر عاقبت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ جس مال و زر کی خاطر وہ اپنی زندگی کو عزت و آبرو کی بڑی سے بڑی نیلام گاہ میں لاکھڑا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں کبھی جھوٹ بولتا ہے، کبھی کمرو فریب سے کام لیتا ہے، کبھی دوسروں کا حق غصب کرتا ہے کبھی غریبوں کا خون چوستا ہے یہاں تک کہ اپنے دین و ایمان کا سودا کرتا ہے۔ اپنے ضمیر کو گروں رکھتا ہے، اپنی عزت کو داؤ پر لگاتا ہے اور انسانی شرف و عظمت کی ساری حدود کو پار کر جاتا ہے آخر کار ان تمام ذرائع اور حرام طریقوں سے کمایا ہوا وہی مال و زر اپنے کمانے والے کے لئے بعد

مرگ ایک ایسا توشہ اور ذریعہ بن جاتا ہے جو اسے جہنم کی آگ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اول تو حرام ذرائع سے کمانے اور پھر اس کمائی سے فائدہ اٹھانے کا گناہ اس پر ہوتا ہے اس کے علاوہ مرنے کے بعد وہ جو کچھ حرام مال و زر چھوڑ جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارثوں کی ملکیت میں جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے وہ سب گناہ و معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور انجام کار اس حرام مال کے ذریعہ قیامت تک صادر ہونے والے گناہوں کی سیاحتی اس کے نامہ اعمال کو داغدار کرتی رہتی ہے۔

ان اللہ لا یمحو السنیٰ یہ جملہ مستانقہ یعنی ایک علیحدہ جملہ ہے جو بمنزلہ تعلیل عدم قبول یعنی مال حرام کے صدقہ کے قبول نہ ہونے کی علت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام مال میں سے صدقہ دینا ثواب کا ذریعہ تو کیا ہوتا یہ خود ایک برائی اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ برے اعمال کو برائیوں کے ذریعہ دور نہیں کرتا یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنے حرام مال میں سے کچھ خدا کے نام پر صدقہ دے کر اپنے گناہوں میں تخفیف کا سامان کرے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حرام مال میں سے صدقہ دینا خود گناہ ہے بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی حرام مال میں سے صدقہ و خیرات کرے اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھے تو وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے نیز اگر کسی فقیر و محتاج کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے صدقہ دینے والا بطور صدقہ جو مال دے رہا ہے وہ حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے اور اس کے باوجود وہ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے تو وہ بھی کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

”وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَاتِ بِالْخَيْرَاتِ“ کا تعلق ماقبل کے جملہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں میں تخفیف یا گناہوں کی بخشش تو نیک اعمال اور اچھے کاموں کے ذریعہ ہوتی ہے مثلاً حلال مال میں سے صدقہ کرنا ایک نیک عمل ہے۔ جو شخص اپنے حلال مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرے گا۔ اسے اس کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے گناہ بھی دور کئے جائیں گے۔ گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ بِالشَّيْءِ نِكَايَا بِرَأْيِ يَوْمٍ كَرْتِي هُنَّ

اور یہ سب جملے اصل حدیث کی آخری عبارت ”ان النجیث“ کی تہدید و مقدمہ کے طور پر ہیں۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ الشَّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الشَّحْتِ كَأَنْتِ النَّارُ أُولَىٰ بِهِ۔ وَآهَ أَحْمَدُ وَالْدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا“ اور جو گوشت یعنی جو جسم حرام مال سے نشوونما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے۔“ (احمد، دارمی، بیہقی)

تشریح: حرام مال سے نشوونما پانے والے جسم کے دوزخ میں داخل ہونے سے مراد یا تو یہ ہے کہ ایسا شخص شروع میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس نے جتنا حرام مال کھایا ہوگا اس کے بقدر جب سزا بھگت لے گا تو اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ ایسا شخص جنت کے اعلیٰ درجات میں داخل نہیں ہو سکے گا یا یہ مراد ہے کہ وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جو حرام مال کو حرام مال سمجھ کر نہیں بلکہ حلال مال یقین کر کے کھاتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد حرام مال کھانے کی برائی بیان کرنا ہے اور اس سے مراد زجر و توبیخ، تہدید اور سخت وعید ہے۔

جو شخص حرام مال کھانے کمانے کے بعد اپنے اس قبیح فعل پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ سچے دل سے توبہ کرے، یا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر توبہ کے محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے اور اس نے جن لوگوں کا مال حرام طریقوں سے کمایا ہوگا ان کو راضی کر دے اور یا اسے کسی کی شفاعت حاصل ہو جائے تو وہ شخص اس وعید سے مستثنیٰ ہوگا۔

شبہات میں پڑنے سے بچو

(۱۵) وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا مَائِرِئِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيئُكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ ظَمَانِيَّةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيَّةٌ۔ رواه أحمد وأحمد والتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَزَوْي الدَّارِمِيُّ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ۔

”اور حضرت حسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو (خود سنا ہے اور اسے یاد رکھا ہے کہ ”جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان رکھو جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک و تردد کا موجب (احمد، ترمذی، نسائی اور دارمی نے حدیث کا صرف پہلا حصہ یعنی دعایہ الیہ مالا یریک نقل کیا ہے۔“

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ شبہات میں پڑنے سے بچو اور جو چیزیں شبہات میں مبتلا کرنے والی ہوں۔ ان سے اجتناب کرو بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ از قسم اقوال و اعمال جس چیز کی حلت و حرمت کے بارہ میں تمہارا ضمیر شک میں مبتلا ہو جائے تو اس چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر لو جس کے بارہ میں تمہارا ضمیر کسی شک میں مبتلا نہ ہو کیونکہ انسان کا ضمیر چونکہ غلط راہنمائی نہیں کرتا اس لئے کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا شک میں مبتلا ہونا اس چیز کے غلط اور باطل ہونے کی علامت ہے اور کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا مطمئن ہو جانا اس چیز کے صحیح اور حق ہونے کی علامت ہے گویا کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کی پہچان کے لئے یہ ایک قاعدہ اور کسوٹی ہے تاہم یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر شخص کو حلال نہیں ہوتی بلکہ یہ وصف خاص ان صالح انسانوں کو نصیب ہوتا ہے، جن کے ذہن و فکر اور جن کے دل و دماغ تقویٰ و ایمان داری اور راستبازی و حق پسندی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں۔

اچھائی اور برائی کی پہچان

(۱۶) وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبُدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا وَابِصَةُ جِئْتُ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ أَصَابِعَهُ فَضَرَبَ بِهَا صَدْرَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرْ نَفْسَكَ اسْتَغْفِرْ قَلْبَكَ ثَلَاثًا الْبِرُّ مَا أَظْمَأَتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَأَظْمَأَتْ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْثَاكَ النَّاسُ۔ (رواه احمد و الدارمی)

”اور حضرت وابصہؓ ابن معبد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”وابصہ! تم یہی پوچھنے آئے ہو ناں کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں“ ان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ) اپنے آپ سے دریافت کرو۔ اپنے دل سے دریافت کرو آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے اور پھر فرمایا کہ ”نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے، اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا وجود غلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل و سینہ میں شک و تردد پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ اسے صحیح کہیں۔“ (احمد، دارمی)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں نیکی و بدی اور اچھائی و برائی کو پہچاننے کی ایک ایسی واضح علامت بتائی گئی ہے جسے ہر صالح انسان اپنے ہر قول و فعل کی کسوٹی بنا سکتا ہے، جس قول اور جس عمل پر اپنا بی مطمئن ہو جائے اور دل سکون محسوس کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ قول یا عمل، نیک اور اچھا ہے اور جس قول یا عمل پر طبیعت میں غلش و جھجھن اور دل میں شک و تردد کی کک پیدا ہو جائے، سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قول یا فعل غلط اور برا ہے۔ چنانچہ حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ہر قول و فعل کے بارہ میں خود اپنے ضمیر کی راہنمائی حاصل کرو۔ جس چیز سے خاطر جمعی حاصل ہو اور دل میں یہ خلجان نہ ہو کہ یہ بری ہے سمجھو کہ وہی نیکی ہے اور جس چیز سے خاطر جمعی حاصل نہ ہو اور دل میں تردد و خلجان پیدا ہو جائے سمجھو کہ وہی گناہ ہے اگرچہ لوگ اس چیز کے بارہ میں یہی کیوں نہ کہیں کہ یہ صحیح اور اچھی ہے اور کوئی مفتی اس کے صحیح ہونے کا

فتویٰ ہی کیوں نہ دے دے لہذا ان کے کہنے پر عمل نہ کرو۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بارہ میں تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام مال بھی، اور وہ شخص تمہیں اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہتا ہے تو اگر تمہارا دل اس پر مطمئن ہو کہ وہ تمہیں جو مال دے رہا ہے وہ وہی مال ہے جو اس نے صرف حلال ذرائع سے کمایا ہے تو تم لے لو اور اگر تمہارا دل مطمئن نہ ہو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ کہیں یہ وہ مال نہ ہو جو اس نے حرام ذرائع سے کمایا ہے تو تم اس سے ہرگز کچھ نہ لو اگرچہ وہ خود یہ کہے کہ میں تمہیں اپنے حلال مال میں سے دے رہا ہوں اور کوئی مفتی یہ فتوے بھی دے رہا ہو کہ تمہارے لئے یہ مال لینا جائز ہے کیونکہ فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے، تقویٰ پر عمل کرنا فتویٰ پر عمل کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

گزشتہ حدیث کی تشریح میں بھی یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ضمیر کی صحیح راہنمائی کا جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا اور اب اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ حدیث میں اپنے دل سے دریافت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق ان صاحب لوگوں سے ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی کدورت سے صاف اور تقویٰ و خدا ترسی کے جوہر سے معور ہوتے ہیں کیونکہ ان کے طبائع اور ان کے قلوب صرف خیر و بھلائی کی طرف مائل اور برائی سے بیزار رہتے ہیں جبکہ برے لوگ نفسانی خواہشات میں گرفتار رہتے ہیں اور نیکی و بھلائی سے بے اعتنائی اختیار کئے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں انہیں ضمیر کی صحیح راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اپنے دل سے دریافت کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کسی چیز کے بارہ میں کوئی واضح شرعی فیصلہ سامنے نہ ہو، چنانچہ جب کسی چیز کے حکم کے بارہ میں قرآن کی آیتوں میں تعارض نظر آئے تو واجب ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کیا جائے حدیث جس آیت کے مطابق فیصلہ کرے اسی آیت پر عمل کیا جائے۔ اگر حدیثوں میں بھی تعارض ہو تو پھر علماء کے اقوال کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اگر علماء کے اقوال میں بھی تعارض ہو تو پھر اس کے بعد اپنے دل کی راہنمائی حاصل کرے اور ان اقوال میں سے اس قول کے مطابق عمل کرے جس کو اپنا دل صحیح و راجح تسلیم کرے اور اس پر مطمئن ہو جائے۔

آخر میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ جب حضرت وابصہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی حاضری کا مقصد خود بیان نہیں کیا تھا بلکہ یہ اعجاز نبوت تھا کہ آنحضرت ﷺ نے از خود ازراہ مکاشفہ ان کے دل کی بات بیان فرمادی نیز آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں اٹھا کر ان کے سینہ پر اس لئے ماریں تاکہ آپ کے مبارک ہاتھوں کی برکت کی وجہ سے ان کو آپ کے کلام کی پوری سمجھ حاصل ہو جائے، دوسرے ان کے دل کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود تھا کہ دل یہاں ہے اس سے دریافت کرو۔

کامل پر ہیزگاری کا درجہ

(۱۷) وَعَنْ عَطِيَّةِ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرُ الْمَا بِهِ بَأْسٌ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت عطیہ سعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بندہ اس وقت تک (کامل) پر ہیزگاروں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت نہیں ہے تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: شرعی نقطہ نظر سے متقی یعنی پر ہیزگار وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے دور رکھے جنہیں اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا سبب ہو۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تقویٰ یعنی پر ہیزگاری کے تین درجے ہیں اول شرک سے اجتناب۔ چنانچہ جو بندہ شرک سے بچتا ہے وہ دائمی عذاب سے نجات پاتا ہے، اس آیت کریمہ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی (اور اللہ نے ان (مومنوں) کو پر ہیزگاری کی بات (یعنی توحید) پر قائم کیا) میں یہی درجہ مراد ہے۔ دوم ہر گناہ یہاں تک کہ صغیرہ گناہوں سے بھی اجتناب۔ چنانچہ بعض علماء کے

نزدیک تقویٰ کی جو مشہور شرعی اصطلاح ہے اس کا اطلاق اسی درجہ پر ہوتا ہے اور اس آیت کریمہ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا (اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے) میں بھی یہی درجہ مراد ہے۔ سوم ہر چیز میں پوری احتیاط ملحوظ رکھنا یہاں تک کہ بعض مباح چیزوں کو بھی احتیاط اور مصلحت کے پیش نظر ترک کر دینا، اپنا دل غیر اللہ میں نہ لگانا، اور غیر اللہ سے اپنا دھیان ہٹا کر صرف اسی کی طرف متوجہ رکھنا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (اے مؤمنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) میں تقویٰ کے یہی معنی مراد ہیں اور مذکورہ بالا حدیث میں بھی تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا یہی کامل درجہ مراد ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک پورا متقی و پرہیزگار نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس خوف کی وجہ سے مباح چیزیں بھی نہیں چھوڑ دیتا کہ مبادیہ مباح چیز کسی حرام یا مکروہ یا مشتبہ چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے مثلاً اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو شہوت کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا ہے اسی طرح خوشبو وغیرہ نہ لگائے اور نہ کوئی ایسی مباح چیز استعمال کرے جس سے جذبات میں یحجان پیدا ہوتا ہو۔ بہر کیف حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے بعد احتیاط کے پیش نظر بعض مباح چیزوں سے بھی بچنا تقویٰ و پرہیزگاری کا کامل ترین درجہ ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے دس حلال حصوں میں سے نو حصے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بارے میں منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے از قلم مباح شے ترک کر دیتے تھے۔

متعلقین شراب پر لعنت

⑱ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةَ عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ شَارِبَهَا وَ حَامِلَهَا وَ الْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَ سَاقِيَهَا وَ بَائِعَهَا وَ أَكَلَ ثَمَنِهَا وَ الْمُشْتَرَى لَهَا وَ الْمُشْتَرَى لَهُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شراب کے معاملہ میں ان دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے ① شراب کشید کرنے والا ② شراب کشید کرانے والا ③ شراب پینے والا ④ شراب اٹھانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا کر دے ⑤ شراب اٹھوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا لے کر حکم دے ⑥ شراب پلانے والا ⑦ شراب بیچنے والا ⑧ شراب کی قیمت کھانے والا ⑨ خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے پینے کے لئے یا اس کی تجارت کے لئے بطریق وکالت یا بطریق ولایت شراب خریدے ⑩ خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے سے اپنے پینے یا اپنی تجارت کے لئے شراب خرید منگوائے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”کشید کرنے والے“ سے مراد وہ شخص ہے جو شراب بنانے کے لئے انگور کا شیرہ کشید کرے خواہ اپنے لئے کشید کرے خواہ دوسرے کے لئے اسی طرح کشید کرانے والا خواہ اپنے لئے کشید کرانے والا دوسرے کے لئے بہر صورت وہ لعنت کا مستحق ہے۔ ”بیچنے والے“ سے مراد وہ شخص بھی ہے جو خود اپنی تجارت کے طور پر شراب بیچتا ہو اور وہ شخص بھی مراد ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے بطور دلال یا بطور وکیل بیچتا ہو۔ نیز جو شخص شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ انگور بیچتا ہے اور اس انگور کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے وہ بھی اس لعنت کا مستحق ہے۔

⑲ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللَّهُ الْخَمْرَ وَ شَارِبَهَا وَ سَاقِيَهَا وَ بَائِعَهَا وَ مُبْتَاعَهَا وَ عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ حَامِلَهَا وَ الْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، شراب پینے والے پر، شراب بیچنے والے پر، شراب خریدنے والے پر، شراب کشید کرنے والے پر، شراب کشید کرانے والے پر، شراب اٹھانے والے پر، شراب اٹھوانے والے پر، شراب خریدنے والے پر۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: شراب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اس لئے فرمائی ہے کہ شراب ام الحباثت یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں ”شراب“ سے مراد وہ شخص ہو جو شراب کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے۔

پچھنے لگانے والے کی کمائی کا حکم

(۲۰) وَعَنْ مُحَبِّصَةَ أَنَّ اسْتَاذَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَجْزَةِ الْحَجَّامِ فَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَاذِنُهُ حَتَّى قَالَ أَغْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَاطْعِمَهُ زَيْفَكَ۔ (رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت محبصہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ سے پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں منع کر دیا چنانچہ جب وہ آپ ﷺ سے بار بار اجازت مانگتے رہے تو آپ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اس کمائی کا مال اپنے اونٹ کو کھلاؤ، یا اپنے بردہ (غلام، لونڈی) کو کھلاؤ۔“ (مالک، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اکثر صحابہؓ کی ملکیت میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ جن میں سے کچھ غلاموں کو وہ پچھنے لگانے کے کام پر مامور کر دیتے تھے، اور پھر ان کی اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی حضرت محبصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ جاننا چاہا کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی آیا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ اجازت مانگی کہ میرا غلام پچھنے لگانے کی جو اجرت حاصل کرتا ہے چونکہ اس میں سے کچھ حصہ میری ملکیت میں آتا ہے اس لئے میں اپنے اس حصہ کو اپنے استعمال میں لاؤں یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی، چونکہ صحابہؓ اپنے بعض غلاموں سے پچھنے لگانے کی حاصل ہونے والی اجرت میں سے اپنا حصہ لیکر اسے اپنی ضروریات میں صرف کرتے تھے اور اسے وہ پسند بھی کرتے تھے اس۔ آنحضرت ﷺ کے اس کی اجازت نہ دینے سے محبصہؓ کو اس بارہ میں دشواری محسوس ہوئی اور اس امید کی بناء پر کہ آپ اجازت دے دیں وہ بار بار اجازت طلب کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اتنی اجازت دے دی کہ وہ اس اجرت کو اپنے اونٹوں کے گھاس اور چارے میں اور اپنے غلاموں، لونڈیوں پر صرف کر لیں، اور اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو اشارہ فرمایا کہ پچھنے لگانے سے جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ اگرچہ جائز مال ہے مگر چونکہ وہ خون نکلانے کی کمائی ہے اس لئے اس کو شرفاء کے لئے استعمال کرنا مکروہ اور انکی شان پر کے خلاف ہے اور لونڈی غلام چونکہ آزاد لوگوں کے برخلاف ایسا شرف نہیں رکھتے جو اس پیشہ کی دنائت کے منافی ہو اس لئے پچھنے لگانے کی کمائی کھانا اس کی شان سے فروتر نہیں ہے۔ دوسری طرف آپ ﷺ نے اس کے ذریعہ گویا اولوالعزمی اور عالی ہمتی کی ترغیب بھی دی ہے کہ شرفاء کو باوقار پیشہ اور اپنے دست و بازو کی محنت کی ہی کمائی کھانی چاہئے۔

بہر کیف آنحضرت ﷺ نے حضرت محبصہؓ کو جو اجازت نہیں دی وہ محض نبی تنزیہی کے طور پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت، مال حرام ہے کیونکہ اگر یہ مال حرام ہوتا تو آپ ﷺ ان کو اسے اپنے جانور اور اپنے غلام لونڈی پر خرچ کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ آقا کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جانوروں یا اپنے غلام لونڈی کو حرام مال کھلائے لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

مغنیہ کی کمائی کھانے کی ممانعت

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّوْمَارَةِ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ الْمُسْنَدِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ”کئے کی قیمت اور گانے والیوں کی کمائی کھانے سے منع فرمایا ہے۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ”زمارۃ“ سے مراد (مغنیہ یعنی گانے والی عورت کی بجائے) وہ خوب صورت عورت ہے جو بدکاری کراتی ہے۔ اسی طرح بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ لفظ ”زمارۃ“ مشتق ہے ”زمر“ سے جس کے معنی ہیں ”چشم وابرو کے ذریعہ اشارہ کرنا“ اور بدکار عورتیں چونکہ مردوں کو اپنے چشم وابرو کے اشاروں سے فریفتہ کر کے انہیں اپنے چنگل میں پھنساتی ہیں اس لئے ارشاد گرامی میں ”بدکار عورت“ کو ”زمارۃ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم

(۲۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْنِعُوا لَقَيْنَاتٍ وَلَا تَشْتَرُوا هُنَّ وَلَا تَعْلَمُوهُنَّ وَتَمْنَهُنَّ حَرَامٌ وَفِي مِثْلِ هَذَا أَنْزَلْتُ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهُوَ الْحَدِيثُ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعَلِيُّ بْنُ يَزِيدَ الرَّائِزِيُّ يُضَعِّفُ فِي الْحَدِيثِ وَسَدَّ كُزَّ حَدِيثِ جَابِرٍ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهَرِّ فِي بَابِ مَا يَحِلُّ أَكْلُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”گانے والی لونڈیوں کو نہ بیچو، نہ ان کو خریدو اور نہ لونڈیوں کو گانا سکھاؤ اور ان (گانے والی لونڈیوں) کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے“ اور اسی سلسلہ میں (یعنی گانے والیوں کو خریدنے کی مذمت میں) یہ آیت نازل کی گئی ہے۔ ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهُوَ الْحَدِيثُ“ یعنی اور انسانوں میں بعض ایسے (نادان و غلط کار) لوگ بھی ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی علی ابن یزید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“

تشریح: بعض علماء نے حدیث کے ظاہری الفاظ وَتَمْنَهُنَّ حَرَامٌ (یعنی ان کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے) کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ گانے والی لونڈیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے جبکہ بقیہ تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کو بیچنا جائز ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے جس کی بناء پر اس کو کسی مسلک کی دلیل قرار دینا مناسب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وَتَمْنَهُنَّ حَرَامٌ کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب صرف ان کے گانے کی اجرت کی حرمت کو بیان کرنا ہے یعنی ان کے گانے سے حاصل ہونے والی اجرت مال حرام ہے۔ جیسا کہ کسی شراب فروش یا شراب بنانے والے کے ہاتھ جو انگور فروخت کئے جاتے ہیں کہ اس کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام کے حکم میں ہوتی ہے نہ کہ فی نفسہ انگور کی قیمت حرام ہوتی ہے اسی طرح گانے والی لونڈیوں کی وہ اجرت جو ان کے گانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس لئے مال حرام ہے کہ وہ ایک حرام ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس لئے حرام ہے کہ ان لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

آیت کریمہ میں ”کھیل کی بات“ سے مراد ہیں وہ گانے، گیت اور حرام آوازیں جو ذکر اللہ سے باز رکھیں اور گناہ و معصیت کا سبب بنیں۔ چنانچہ کہانیاں، جھوٹی باتیں، خرافات، بکنا، ٹھٹھے کی باتیں، موسیقی سیکھنا اور اسی قسم کی اور تمام فضول و لغو چیزیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نصر ابن حارث تھا جو گانے والی لونڈیاں اس مقصد سے خریدتا تھا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے، چنانچہ اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نصر ابن حارث نے عجیوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں خریدی تھیں جن کی جھوٹی سچی کہانیاں پڑھ کر قریش کو سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ۔ تو تمہارے سامنے قوم عاد و ثمود کے قصص بیان کرتے ہیں اور میں تمہارے سامنے رستم و اسفندیار اور بادشاہوں کی کہانیاں سناتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت بالا کے ذریعہ اس کی مذمت بیان فرمائی۔

وَسَدَّ كُزَّ حَدِيثِ جَابِرٍ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهَرِّ فِي بَابِ مَا يَحِلُّ أَكْلُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

اور حضرت جابرؓ کی روایت نہی عن اكل الهر الخ انشاء الله ہم باب ما يحل اكله میں ذکر کریں گے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

حلال روزی کمانا ایک فرض ہے

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ۔

(رواہ ابیہی فی شعب الایمان)

”حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”حلال روزی کمانا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے اپنے دست و بازو کی محنت سے کمانا فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ پہلے ان کا درجہ ہے کہ ان فرائض کی تکمیل کے بعد حلال روزی کمانا فرض ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ کمانا اس شخص پر فرض ہے جو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال (کہ جن کی کفالت اس کے ذمہ ضروری ہے) کی ضروریات زندگی کی کفالت کے لئے کمائی کا محتاج ہو۔

حدیث میں مذکور ”کسب حلال“ یعنی حلال کمائی سے مراد وہ روزی ہے جس کا حرام نہ ہونا یقینی ہو، گویا یہاں حلال روزی کا اطلاق اس مال پر بھی ہو سکتا ہے جو مشتبہ ہو، کیونکہ احادیث میں مشتبہ سے پرہیز کرنے کا حکم محض احتیاط کے طور پر ہے۔ فرض ہونے کے طور پر نہیں ہے۔ نیز ایک بات یہ بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس حدیث میں حلال روزی کمانے کو جو فرض کہا گیا ہے اس کا مخاطب ہر شخص بذاتہ نہیں ہے کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی ضروریات زندگی کی کفالت دوسروں پر واجب ہوتی ہے جس کی وجہ سے خود انہیں کمانا ضروری نہیں ہوتا۔

کتابت قرآن کی اجرت جائز ہے

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أَجْرَةِ كِتَابَةِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَأْسَ إِنَّمَا هُمْ مُصَوِّرُونَ وَإِنَّهُمْ إِنَّمَا يَكْمُلُونَ مِنْ

عَمَلِ آيِدِيهِمْ۔ (رواہ رزین)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے کتابت قرآن کی اجرت کا حکم دریافت کیا گیا (کہ کتابت قرآن کی اجرت کھانا جائز ہے یا نہیں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کاتب لوگ تو صرف نقش کھینچنے والے ہیں جو اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے ہیں۔“ (رزین)

تشریح: سائل نے گویا کتابت قرآن کی اجرت لینے اور اس کے کھانے کو ایک بعید سی بات جانی اس لئے اس نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا حکم دریافت کیا، چنانچہ ابن عباسؓ نے اسے جواب دیا کہ کاتب تو کاغذ پر الفاظ کا نقش بناتے ہیں۔ یعنی ان کا کام صرف کتابت کرنا اور لکھنا ہے جس کی وہ اجرت حاصل کرتے ہیں خواہ وہ قرآن کی کتابت کریں یا کسی اور کتاب کی اور یہی ان کا ہنر و پیشہ ہوتا ہے جو ان کی حلال روزی کا ذریعہ ہے۔

کون سا کسب افضل ہے؟

(۲۵) وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ۔

(رواہ احمد)

اور حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ کونسا کسب پاکیزہ (یعنی افضل ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر وہ تجارت جو مقبول (یعنی شرعی اصول و قواعد کے مطابق) ہو۔“ (احمد)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ کسب و پیشہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو جیسے زراعت اور کتابت وغیرہ اور اگر کوئی شخص ہاتھوں کی محنت والا کسب اختیار نہ کر سکے تو پھر ایسی تجارت کے ذریعے اپنی حلال روزی پیدا کرے جس میں دیانت و امانت کی روح بہر صورت کار فرما رہے کیونکہ ایسی تجارت بھی ایک پاک و حلال کسب ہے۔

دودھ کی قیمت کا حکم

(۲۶) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي مَرْزُومٍ قَالَ كَانَتْ لِمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرَبَ جَارِيَةٍ تَبِيعُ اللَّبَنَ وَيَقْبِضُ الْمُقْدَامَ ثَمَنَهُ فَقِيلَ لَهُ سُبْحَانَ اللَّهِ اتَّبِعِ اللَّبَنَ وَتَقْبِضِ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَا بَاسٌ بِذَلِكَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِبَايَتَيْنِ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالْدِّرْهَمُ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو بکر ابن مریم (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت مقدم ابن معدی کرب (صحابی) کی ایک باندی (ان کے گھر کے جانوروں کا) دودھ بیچا کرتی تھی اور مقدم اس سے دودھ کی حاصل ہونے والی قیمت لے لیا کرتے تھے چنانچہ ایک روز مقدم سے کسی نے کہا کہ سبحان اللہ! (کتنی عجیب بات ہے کہ) باندی دودھ بیچتی ہے اور تم اس کی قیمت لے لیتے ہو؟ مقدم نے کہا کہ ٹھیک تو ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں درہم و دینار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔“ (احمد)

تشریح: گویا لوگوں نے حضرت مقدم کو طعنہ دیا کہ آپ کی باندی آپ کے جانوروں کا دودھ بیچتی ہے اور آپ اس دودھ کی قیمت لے کر کھاتے ہیں حالانکہ دودھ کے بارے میں تو بہترین یہی ہے کہ اسے فقراء و مساکین میں صدقہ و خیرات کے طور پر تقسیم کر دیا جائے یا اسے اپنے دوستوں اور متعلقین پر صرف کیا جائے، دودھ کو بیچنا اور ان کی قیمت وصول کرنا آپ جیسوں کی شان کے لائق نہیں ہے، اس کا جواب حضرت مقدم نے یہ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں کوئی شرعی نقصان ہو۔ دودھ بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا نہ ہی حرام ہے اور نہ مکروہ ہے، اور پھر میرا یہ فعل کسی لالچ کی بناء پر یا مال و زر کی ہوس میں نہیں ہے بلکہ دراصل میں اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے اس کا محتاج ہوں، اس کے بعد حضرت مقدم نے آنے والے زمانے میں مال و زر کی طرف لوگوں کے شدید میلان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی بیان کی کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں لوگوں کی تمام تر توجہ اور کوششوں کا مرکز صرف مال و زر بن جائے گا۔ چونکہ لوگ اپنی ضروریات کا دائرہ وسیع کریں گے اور اسباب معیشت کی قلت و گرانہی ہمہ قسم کی پریشانیوں اور نقصانات میں مبتلا کر دے گی۔ اس لئے نہ علم و ہنر کی طرف توجہ ہوگی اور نہ اہل علم و کمال کی قدر و منزلت، بلکہ صرف مال و زر کی طرف توجہ ہوگی اور مالداروں کی قدر و منزلت۔

منقول ہے کہ صحابہؓ آپس میں فرمایا کرتے تھے کہ تجارت و محنت کے ذریعے اتنا مال و زر ضرور کما لیا کرو جس سے آبرو مندانه زندگی کا تحفظ ہو سکے، اور یاد رکھو کہ ایک ایسا بھی دور آنے والا ہے کہ جب تم میں سے کوئی محتاج و تنگ دست ہوگا تو سب سے پہلے اپنے دین و ایمان ہی کو کھاجائے گا۔

مقررہ ذریعہ معاش کو بلا سبب ترک نہ کرو

(۲۷) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ أَجْهَرُ إِلَى الشَّامِ وَالْإِمْرُؤُا فَجْهَرْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَاتَيْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا

أَمَ الْمُؤْمِنِينَ كُنْتُ أَجْهَظُ إِلَى الشَّامِ فَجَهِزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَا لَكَ وَلِمَتَجَرَّكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَبَّ اللَّهُ لَا حَدَّ لَكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهِهِ فَلَا يَدْعُهُ حَتَّى يَتَغَيَّرَ لَهُ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ۔

(رواہ احمد وابن ماجہ)

”اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں (اپنی تجارت کا) مال واسباب تیار کر کے (اپنے ملازموں اور وکیلوں کی سپردگی میں) شام اور مصر بھیجا کرتا تھا، پھر بعد میں (ایک مرتبہ) میں نے اپنا تجارتی سامان عراق کی طرف بھیجے گا ارادہ کیا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اُم المؤمنین میں (پہلے تو) اپنا تجارتی سامان شام بھیجا کرتا تھا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ اپنا تجارتی سامان لے کر عراق کی طرف جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، تمہیں اور تمہاری تجارت کو کیا ہوا ہے؟ کہ تم شام کے سلسلہ تجارت کو منقطع کرتے ہو میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے رزق کا کوئی سبب کسی صورت میں پیدا کر دے تو اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے حتیٰ کہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے یا نقصان پہنچنے لگے۔“ (احمد، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے رزق کا جو بھی جائز ذریعہ ہو مثلاً وہ سامان تجارت کہیں باہر بھیجتا ہو جس کے نفع سے اسے رزق حاصل ہوتا ہو تو وہ اس کو بلا سبب چھوڑے نہیں، ہاں اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے جس کی بنا پر اس ذریعے کو ختم کرنا ہی ضروری ہو مثلاً نفع ہونا بند ہو جائے یا اصل مال میں نقصان واقع ہونے لگے تو ایسی صورت میں اسے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص از قسم مباح کسی اچھی چیز کو حاصل کر لے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو اللہ کی ایک نعمت سمجھ کر اس پر قائم و برقرار رہے اور بغیر کسی قویٰ عذر کے اسے چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف مائل نہ ہو۔

حضرت ابو بکرؓ کا وصف احتیاط و تقویٰ

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ غُلَامٌ يَخْرُجُ لَهُ الْخَوَاجُ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَوَاجِهِ فَجَاءَ يَوْمًا بِشَيْئٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَذَرِينِي مَا هَذَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكْهَنُ لِنَاسٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أَحْسَنُ الْكُهَانَةَ إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقِينِي فَأَعْطَانِي بِذَلِكَ فَهَذَا الَّذِي أَكَلْتُ مِنْهُ قَالَتْ فَادْخُلْ أَبُو بَكْرٍ يَدُهُ فَنَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ایک غلام تھا جو اپنی کمائی میں سے ایک مقررہ حصہ حضرت ابو بکرؓ کو دیا کرتا تھا، (جیسا کہ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو کمائی پر لگا دیتے تھے اور ان کو حاصل ہونے والی اجرت میں سے کوئی حصہ اپنے لئے مقرر کر لیتے تھے) چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اس غلام کی لائی ہوئی چیز کو کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کوئی چیز لایا جس میں سے حضرت ابو بکرؓ نے کھی کھایا، ان کے کھانے کے بعد غلام نے کہا کہ آپ جانتے بھی ہیں یہ کیسی چیز ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم، تم ہی بتاؤ یہ کیسی چیز ہے؟ غلام نے کہا کہ میں ایام جاہلیت میں (یعنی اپنی حالت کفر میں) ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا حالانکہ میں کہانت کا فن (یعنی پوشیدہ باتیں بتانے کا فن) اچھی طرح نہیں جانتا تھا بلکہ میں اس کو (غلط سلط باتیں بنا کر) فریب دیا کرتا تھا (اتفاقاً آج) اس شخص سے میری ملاقات ہو گئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، یہ وہی چیز ہے جو آپ نے کھائی ہے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سنتے ہی) حضرت ابو بکرؓ نے اپنے منہ (یعنی طلق) میں ہاتھ ڈال کر فے کر دی اور جو کچھ پیٹ میں تھا (ازراہ احتیاط) سب باہر نکال دیا۔“ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دینی احتیاط اور ان کے کمال تقویٰ کی واضح مثال ہے کہ انہیں جیسے ہی معلوم ہوا کہ ان کے پیٹ میں ایک چیز ایسی چل گئی ہے جو ایک حرام سلسلے میں حاصل ہوئی تھی، انہوں نے فوراً فے کر کے اسے باہر نکال دیا، بلکہ وہ چیز چونکہ کہانت

اور اس کے ساتھ ہی فریب کی آمیزش کی وجہ سے بڑی شدید حرمت کی حامل تھی اس لئے انہوں نے بے فکر کے صرف اسی چیز کو نکال دینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو نکالنا ضروری سمجھا جو پیٹ کے اندر اس کے علاوہ تھی کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اس چیز کے کسی بھی جزء نے پیٹ میں دوسری چیزوں کو بھی ملوث کر دیا ہوگا۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس فعل سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی حرام چیز کھالی ہو اور وہ اس نے اس کی حرمت کے علم کے باوجود کھائی ہو یا لاعلمی میں کھائی ہو اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وہ حرام چیز تھی تو اس پر لازم ہے کہ فوراً اے کر کے اس چیز کو پیٹ سے نکال دے۔

حضرت امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ فعل، ورع یعنی تقویٰ و پرہیزگاری کی قسم سے ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ورع کا حکم یہ ہے کہ تم کسی سے کوئی چیز اس وقت تک نہ لو جب تک کہ اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ کر لو، پھر تحقیق کے بعد یہ یقین بھی حاصل کر لو کہ اس چیز میں کسی بھی درجے کا کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ اگر اس چیز کے بارے میں پوری تحقیق اور یہ یقین حاصل نہ ہو سکے تو اس چیز کو نہ لو اور اگر لے لی ہو تو اسے واپس کر دو۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۲۹) عَنْ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غَدِيَ بِالْحَرَامِ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور جزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (بیہقی)

حضرت عمرؓ کے تقویٰ اور احتیاط کی ایک مثال

(۳۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّهُ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا وَأَعْجَبَهُ وَقَالَ لِلَّذِي سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ لَكَ هَذَا اللَّبَنُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَإِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُونَ فَحَبَسُوا لِي مِنَ اللَّبَنِهَا فَجَعَلْتُهُ فِي سِقَانِي وَهُوَ هَذَا فَادْخُلْ عُمَرُ يَدُهُ فَاسْتَقَاءَهُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت زید ابن اسلم (جو حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے) کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا جو ان کو عجیب معلوم ہوا، انہوں نے اس شخص سے کہ جس نے دودھ لا کر پلایا تھا، پوچھا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اس نے ان کو بتایا کہ وہ (یعنی میں) پانی کے ایک چشمے یا کنوئیں پر گیا تھا، اس نے چشمے یا کنوئیں کا نام بھی بتایا، وہاں میں نے دیکھا کہ زکوٰۃ کے کچھ جانور (یعنی اونٹ و بکری وغیرہ) پانی پینے کے لئے آئے ہوئے ہیں اور ان جانوروں کے نگران ان کا دودھ نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے میرے لئے بھی دودھ دوہا۔ جسے میں نے لے کر اپنی مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ تھا (یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے (اپنے حلق میں) ہاتھ ڈال کر قے کر دی (اور اس دودھ کو پیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ زکوٰۃ کا مال تھا جو ان کے لئے جائز نہیں تھا) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: حضرت سید جمال الدینؒ محدث نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس موقع پر مذکور نہیں ہے چنانچہ ہم نے مشکوٰۃ کے جس نسخے میں اپنے استاد سے حدیثیں سماعت کی ہیں اس میں بھی یہاں یہ حدیث نہیں ہے البتہ اس کے حاشیے میں لکھی ہوئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ حدیث اس باب سے محذوف رکھی جائے (ویسے بھی یہ حدیث چونکہ مشکوٰۃ کی کتاب الزکوٰۃ میں چند الفاظ کی

کی بیشی کے ساتھ نقل کی جا چکی ہے اس لئے یہاں دوبارہ نقل کرنا مشکوٰۃ کی ترتیب کے مطابق موزوں نہیں ہے۔
لہذا جن نسخوں میں اس موقع پر یہ حدیث نقل نہیں کی گئی ہے ان میں پہلی حدیث یعنی حضرت ابو بکرؓ کی روایت کے بعد یہ عبارت
”رواہما البیهقی“ لکھا ہوا ہے۔

حرام مال کا قلیل ترین جز بھی عبادت کے نتیجے پر اثر انداز ہو جاتا ہے

(۳۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ
أَدْخَلَ أَصْبَعِيهِ فِي أُذُنَيْهِ وَقَالَ صُمْنَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْنَاهُ يَقُولُهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي هَاشِمٍ فِي
شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس
وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک کہ آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اپنی (شہادت کی)
دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔
(احمد، بیہقی) اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر حرام مال کا قلیل ترین جزء بھی جسم پر موجود ہو تو اس سے عبادت کا نتیجہ اثر پذیر ہو جاتا ہے، چنانچہ
اس بات کو بطور مثال بیان کیا گیا کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان دس درہم میں ایک درہم ہو جو اسے کسی بھی حرام
ذریعے سے حاصل ہوا تو وہ کپڑا جب تک کہ اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اگرچہ اس شخص کے ذمہ سے فرضیت ساقط
ہو جائے گی، مگر اس کی نماز اس لائق نہیں ہوگی کہ اسے ثواب سے نوازا جائے جس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی غضب کردہ زمین پر نماز پڑھتا
ہے تو اگرچہ اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے مگر اسے نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ کوئی میری اپنی بات نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد
گرای ہے جسے خود میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، اگر میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے نہ سنی ہو اور میں یہ غلط کہہ رہا ہوں تو خدا کرے
میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔

بَابُ الْمُسَاهَلَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ

معاملات میں نرمی کرنے کا بیان

باہمی لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات میں نرمی اور مسامحت اختیار کرنا معاشرتی تعلقات کے استحکام اور آپس کے تعاون
و ہمدردی کے نقطہ نظر سے انتہائی ضروری ہے، چنانچہ اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

معاملات میں نرمی کرنے والے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء رحمت

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمِعَ إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى۔

(رواہ البخاری)

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں خریدنے میں اور تقاضہ کرنے میں نرمی کرتا ہے۔“ (بخاری)

تم دوسروں کے معاملہ میں نرمی کرو اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ میں نرمی کرے گا

② وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَا هُ الْمَلِكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أَنْظِرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أَتَابِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأَنْظُرُوا الْمُؤَسِّرَ وَاتَّجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ اللَّهُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي۔

”اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے اس نے کہا کہ مجھے قطعاً یاد نہیں آ رہا ہے ہاں (اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید و فروخت کے) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کی وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا ہاں طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اسی عمل سے خوش ہو کر) اس کو جنت میں داخل کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلمؓ کی ایک اور روایت میں جو عقبہؓ ابن عامر اور ابو مسعود انصاریؓ نے اسی کے مثل (یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے، یہ الفاظ ہیں کہ (جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا (یعنی معاف کرنے کا) حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہوں، (اور پھر فرشتوں سے کہا کہ) میرے اس بندہ سے درگزر کرو۔

تشریح: ”اتاہ الملک“ سے مراد یا تو یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی اس کی روح قبض کرنے آئے تھے یا پھر یہ کہ ان فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آیا ہو گا جو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے مددگار و ماتحت ہیں، لیکن اغلب یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی آئے ہوں گے کیونکہ قبض روح کے سلسلے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ارواح قبض کرنے کا کام حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی انجام دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ۔

”کہہ دیجئے کہ تمہیں وہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) مارتا ہے جو تم پر (اس کام کے لئے) متعین ہے۔“

چنانچہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب روح قبض کر لیتے ہیں تو جو اچھی یعنی پاک باز روح ہوتی ہے اسے رحمت کے فرشتے لے لیتے ہیں اور جو بری روح ہوتی ہے وہ عذاب کے فرشتوں کی نگرانی (CUSTODY) میں چلی جاتی ہے لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ ملک الموت (خواہ وہ عزرائیل ہوں یا کوئی اور فرشتہ) روح قبض کرنے کا صرف ایک ظاہری ذریعہ بنتا ہے ورنہ حقیقت میں تو روح قبض کرنے والا اور موت طاری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ خود اسی کا ارشاد ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔

”ہر نفس کو اس کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی مارتا ہے۔“

فَقِيلَ لَهُ (تو اس سے پوچھا گیا) اس کے بارے میں بھی دونوں احتمال ہیں، یا تو اس سے یہ سوال اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا یا فرشتوں نے یہ بات پوچھی، نیز وقت سوال کے سلسلے میں زیادہ واضح بات تو یہ ہے کہ اس شخص سے یہ سوال روح قبض کرنے سے پہلے کیا گیا تھا جیسا کہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سوال روح قبض ہونے کے بعد قبر میں کیا گیا ہو گا جیسا کہ شیخ مظہر کا قول ہے اور علامہ طبری نے ایک یہ احتمال بھی بیان کیا ہے کہ دراصل یہ سوال قیامت میں کیا جائے گا۔ بہر کیف، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مطالبات کی وصولی میں مستطیع کو مہلت دینا اور نادار شخص کو معاف کر دینا بڑے ثواب کی چیز ہے۔

خرید و فروخت میں زیادہ قسم نہ کھاؤ

③ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يَنْفَقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اپنی تجارتی زندگی میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانا (پہلے تو) کاروبار کو رواج دیتا ہے مگر پھر رکت کو کھودیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانے کی وجہ سے وقتی طور پر کاروبار میں وسعت ہوتی ہے باس طور کہ لوگ قسم پر اعتبار کر کے زیادہ خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں لیکن انجام کار زیادہ قسمیں کاروبار میں خیر و برکت کو ختم کر دیتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ قسمیں کھانے کی عادت ہوگی اس سے جھوٹی قسموں کا بھی صدور ہونے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک تو باطنی طور پر اس کی تجارت سے خیر و برکت کی روح نکل جائے گی دوسرے اس کا اعتبار آہستہ آہستہ اٹھنے لگے گا اور لوگ اس سے لین دین کرنے میں تامل کرنے لگیں گے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلْفُ مُنْفَقَةٌ لِلْمَسْلُوعَةِ مُمَحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ”قسم (شروع میں تو) مال و اسباب میں منفعت کا سبب بنتی ہے لیکن (انجام کار) برکت کے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”قسم سے مراد قسم کی کثرت و زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی قسم بھی مراد لی جاسکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے اگرچہ وہ قسمیں سچی ہوں یا جھوٹی قسم کھاتا ہے تو اس کی وجہ سے شروع میں اور وقتی طور پر اس کے مال و اسباب میں وسعت و زیادتی ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس سے لین دین کثرت سے کرتے ہیں لیکن آخر کار یہی چیز اس کے مال و اسباب میں برکت ختم ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے باس طور کہ یا تو اس کا مال و اسباب تلف ہو جاتا ہے یا وہ ایسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ تو اسے دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور نہ اخروی طور پر اسے کچھ اجر و ثواب ملتا ہے۔

جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے کے لئے وعید

⑤ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ أَبُو ذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَثَانُ وَالْمُنْفِقُ سَلَعْتَهُ بِالْحَلْفِ

الْكَاذِبِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے

(مہربانی و عنایت کا کلام کرے گا نہ) بنظر رحمت و عنایت) ان کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان تینوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! خیر و بھلائی سے محروم اور اس ٹوٹے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک تو پانچے لٹکانے والا، دوسرا کسی کو کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کما کر اپنی تجارت بڑھانے والا۔ ”اسلم“

تشریح: ”پانچے لٹکانے والے“ سے مراد وہ شخص ہے جو ازراہ تکبر ٹخنوں سے نیچا جامہ پہنتا ہے، چنانچہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو ٹخنوں سے نیچا کرتے ہیں۔

”احسان جتانے“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کر کے مثلاً کسی کو کوئی چیز دے کر یا کسی کے ساتھ ہمدردی کا کوئی معاملہ کر کے اسے زبان پر لایا جائے، چنانچہ جو شخص کسی کے ساتھ ہمدردی و اعانت کا کوئی معاملہ کر کے پھر اس پر احسان جاتا ہے تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔

”جھوٹی قسمیں کھاکر تجارت بڑھانے والے“ سے مراد وہ تاجر ہے جو زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے یا اپنا مال تجارت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے مثلاً اس نے کوئی چیز نوے روپے میں خریدی ہو مگر اپنے خریدار سے اس کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے یا اس کی مالیت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ خدا کی قسم میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے۔

الفصل الثانی

امانت دار کاروباری شخص کی فضیلت

⑥ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ التَّيِّبِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالدَّارِ قُطْنِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ (قول و فعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، دارمی، دارقطنی) اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”کاروباری“ سے مراد وہ شخص ہے جو تجارتی کاروبار اور اجارہ داری کرتا ہو اور یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سب سے بہتر کاروبار کپڑے کی تجارت ہے اس کے بعد عطاری ہے۔

ارشاد گرامی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جو کاروباری شخص سچائی، دیانت داری اور امانت کے اوصاف سے متصف ہوگا۔ گویا اس کی زندگی تمام صفات کمالیہ سے مزین ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یا تو میدان حشر میں نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، کہ جس طرح وہاں کی ہولناکیوں کے وقت یہ تینوں طبقے رحمت الہی کے سایہ میں ہوں گے اسی طرح وہ شخص بھی رحمت خداوندی کی خاص پناہ میں ہوگا یا یہ کہ اسے جنت میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا، چنانچہ اسے انبیاء کی رفاقت تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ صدیقیوں کا ساتھ ان کی صفت خاص یعنی صدق کی موافقت کی وجہ سے ہوگا۔ اور شہیدوں کی رفاقت کی سعادت اسے اس لئے نصیب ہوگی کہ شہداء اس شخص کے وصف صدق و امانت کی شہادت دیں گے۔

تجارت کے ساتھ صدقہ و خیرات کا حکم

⑦ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَزَّوَةَ قَالَ كُنَّا نُسَمِّي فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاوَةَ فَمَرَّ بِنَا رَسُولُ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمِهِ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَامَعْشَرَ التَّجَارِ إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشَوْبُوهُ بِالصَّدَقَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور قیس بن غرزہ (جو سوداگری کرتے تھے) کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگوں کو (یعنی سوداگروں کو) ”سامرہ“ کہا جاتا تھا، چنانچہ (ایک دن کا ذکر ہے کہ) نبی کریم ﷺ کا گذر ہماری طرف ہوا تو آپ ﷺ نے ہمارے طبقے کو ایک ایسا نام عطا کیا جو ہمارے پہلے نام سے کہیں بہتر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے طبقہ تجارت میں اکثر بے فائدہ باتیں اور (بہت زیادہ) قسم (یا کبھی کبھی جھوٹی قسم) کھانے کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس لئے تم تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملائے رکھو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”سامرہ“ دراصل لفظ ”سمسار“ کے جمع کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں ”دلال، یا کسی چیز کا مالک و منتظم“، چنانچہ پہلے زمانے میں تجارتی کاروبار کرنے والے کو ”سمسار“ ہی کہتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اس سے بہتر نام یعنی تجارت جو لفظ تاجر کے جمع کا صیغہ ہے، عطا کیا۔ اس نام کے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خرید و فروخت کے کاروبار کو مدحیہ طور پر لفظ ”تجارت“ کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے ایک آیت کی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ (کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے) یا ایک اور آیت میں ہے تِجَارَةٌ عَنْ تَوَاضِعٍ (سوداگری آپس کی رضامندی سے) یا ایک آیت کے یہ الفاظ تِجَارَةٌ فَلَنْ تَبُورَ (تجارت کرو، ہلاکت میں نہ پڑو)۔

”فَشَوْبُوهُ بِالصَّدَقَةِ“ (تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملائے رکھو) کا مطلب یہ ہے کہ تجارتی زندگی میں عام طور پر بے فائدہ باتیں اور جھوٹی جی قسموں کا صدور ہوتا رہتا ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں پروردگار کے غضب و غصہ کا باعث ہیں، اس لئے تم ان دونوں چیزوں کے کفارہ کے طور پر اپنا کچھ مال صدقہ و خیرات کرتے رہا کرو، کیونکہ صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ کو دور کرتا ہے۔

تاجروں کے لئے وعید

⑧ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّجَارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى وَبَرَّ وَصَدَّقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنِ الْبَرَاءِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت عبید بن رفاعہ (تلمیذ) اپنے والد محترم (حضرت رفاعہ ابن رافع انصاری صحابی) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن تاجر لوگوں کا حشر، فاجروں (یعنی دروغ گو اور نافرمان لوگوں) کے ساتھ ہوگا، ہاں (وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہوں گے) جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (یعنی خیانت اور فریب دہی وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے) اور نیکی کی (یعنی اپنے تجارتی معاملات میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا یا یہ کہ عبادت خداوندی کرتے رہے) اور سچ پر قائم رہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت براءؓ سے نقل کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

بَابُ الْخِيَارِ

خيار کا بیان

”خيار“ لفظ ”اختیار“ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ”دو چیزوں میں سے کسی ایک اچھی چیز کا انتخاب کرنا“ چنانچہ کسی تجارتی معاملے کو صحیح کر دینے یا اس کو باقی رکھنے کا وہ اختیار جو خریدار اور تاجر کو حاصل ہوتا ہے، اصطلاح فقہ میں ”خيار کہلاتا ہے“ تجارتی معاملات میں اس اختیار کی کئی قسمیں ہیں جن کے تفصیل احکام اور فقہی اختلاف فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، تاہم اس موقع پر ان قسموں کے نام اور

تعریفات ذکر کر دینا ضروری ہے۔

خیار شرط اجو تجارتی معاملے طے ہو جانے کے بعد، تاجر یا خریدار یا دونوں کو اس معاملے کے ختم کر دینے یا باقی رکھنے کا حق دیا جاتا ”خیار شرط“ کہلاتا ہے، مثلاً تاجر نے ایک چیز فروخت کی جسے خریدار نے خرید لی مگر اس خرید و فروخت کے بعد تاجر نے یا خریدار نے یہ کہا کہ باوجود بیع ہو جانے کے مجھ کو ایک روز، یا دو روز یا تین روز تک یہ اختیار حاصل ہو گا کہ خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے خواہ ختم کر دیا جائے۔ خرید و فروخت میں یہ صورت جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اختیار میں بیع کو فسخ کیا جائے تو وہ فسخ ہو جائے گی۔ اور اگر اس مدت کے ختم ہونے تک بیع کو برقرار رکھا یا سکوت کیا تو بعد ختم مدت، بیع پختہ ہو جائے گی، یہ بات ذہن میں رہے کہ ”خیار شرط“ کی مدت حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔

خیار عیب: بیع ہو جانے کے بعد خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہونے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے، اسے ”خیار عیب“ کہتے ہیں، مثلاً تاجر نے ایک چیز بیچی جسے خریدار نے خرید لی اب اس بیع کے بعد اگر خریدار کو پتہ چلے کہ میں نے جو چیز خریدی ہے اس میں یہ فلاں عیب ہے تو اسے اختیار ہو گا کہ چاہے تو وہ اس چیز کو رکھ لے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر کے اپنی دی ہوئی قیمت لوٹالے البتہ اگر بیچنے والے نے اس چیز کو بیچنے کے وقت خریدار سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس چیز میں جو کچھ عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تم اس وقت اسے خریدو یا نہ خریدو اور اس کے باوجود بھی خریدار رضامند ہو گیا تھا تو خواہ کچھ ہی عیب اس میں نکلے خریدار کو واپسی کا اختیار حاصل نہیں ہو گا۔

خیار رؤیت: بے دیکھی ہوئی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے ”خیار رؤیت“ کہتے ہیں، مثلاً کسی خریدار نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو یہ بیع جائز ہو جائے گی لیکن خریدار کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اس چیز کو جس وقت دیکھے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر دے۔

خیار تعین: چند چیزوں میں بعض کو رکھ لینے اور بعض کو واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے ”خیار تعین“ کہتے ہیں۔ مثلاً خریدار کسی تاجر سے کپڑے کے چند تھان لایا ان میں سے ایک کو لے لینے کی بات طے کر لی، اب اسے اختیار ہو گا کہ وہ ان میں سے جس تھان کو پسند کرے اسے لے لے اور بقیہ کو واپس کر دے۔

ان اقسام کے علاوہ اس باب میں خیاری کی ایک اور قسم ذکر ہوگی جسے ”خیار مجلس“ کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر و خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کر سکتا ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا۔ لیکن خیاری کی اس قسم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے علماء اس خیاری کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب و قبول ہو گیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیاری کی شرط طے پاگئی ہو جسے ”خیار شرط“ کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔ تین دن کے بعد خیاری کی صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

خیار مجلس کا مسئلہ

① عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم

يَنْفَرَقَا إِلَّا بَيْنَ الْخِيَارِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ إِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْنَهُمَا مَالٌ يَنْفَرَقَا أَوْ يَكُونُ يَنْفَعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَإِذَا كَانَ يَنْفَعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ التَّبَايُعَانِ بِالْخِيَارِ مَالٌ يَنْفَرَقَا أَوْ يَخْتَارَا وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ أَوْ يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِلصَّاحِبِ اخْتَرْ بَدَلًا أَوْ يَخْتَارَا -

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بیچنے والا خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر (اس بات کا) اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو وہ خرید و فروخت کے معاملے کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔ جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں (یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہو گا جب وہ ختم ہو جائے گی یاں طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا)۔ ہاں بیع خیار اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی بیع میں خریدار نے اس اختیار کی شرط طے کر لی ہوگی کہ اگر میں چاہوں تو اس خریدی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کر دوں گا، اس بیع میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

اور مسلمؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جب بیچنے والا اور خریدنے والا خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کو (معاملے کو باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا) اختیار حاصل ہو گا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا یہ کہ ان کی خرید و فروخت کا معاملہ بشرط خیار ہو، چنانچہ اگر وہ خیار شرط کے ساتھ کوئی تجارتی معاملہ کریں گے تو اس صورت میں (جدائی کے بعد بھی) اختیار کا حق حاصل رہے گا۔“

ترمذیؓ کی روایت میں یوں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہے الا یہ کہ وہ (اپنے تجارتی معاملے میں) خیار کی شرط طے کریں (یعنی اگر وہ اپنا تجارتی معاملہ مذکورہ بالا خیار شرط کے ساتھ طے کریں گے تو انہیں جدائی کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا)۔ لیکن بخاریؓ و مسلمؓ کی ایک روایت میں (ترمذیؓ کی اس روایت کے آخری الفاظ) اَوْ يَخْتَارَا (الا یہ کہ وہ خیار کی شرط طے کریں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ الا یہ کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ سے یہ کہہ دے کہ اختیار کی شرط طے کر لو (اور وہ دوسرا کہہ دے کہ مجھے یہ منظور ہے)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر ”خیار مجلس“ کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن جو حضرات ”خیار مجلس“ کے قائل نہیں ہیں (جیسے امام ابو حنیفہؒ) وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ”ایک دوسرے سے جدا ہونے“ کا مطلب مجلس کا ختم ہو جانا نہیں ہے، بلکہ ”جدا ہونے“ سے مراد دونوں کی اس تجارتی معاملے کی گفتگو کا پایہ تکمیل کو پہنچ کر منقطع ہو جانا ہے، یعنی جب تک کہ وہ دونوں اس معاملے سے متعلق گفتگو کر رہے ہوں اور ایجاب و قبول پورا نہیں ہوا ہو اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ چاہے تو زیر گفتگو معاملہ کو فسخ کر دے چاہے اسے باقی رکھے لیکن جب ایجاب و قبول پورا ہو جائے گا یعنی بیچنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی اور خریدنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز خرید لی تو اب اس کے بعد ان میں سے کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ ان حضرات نے ”جدا ہونے“ کے یہ معنی مراد لینے کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَإِنْ يَنْفَرَقَا يَنْفَعِ اللَّهُ كَلَامًا مِنْ سَعْتِهِ -

”اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان میں سے ہر ایک کو بے پروا کر دے گا۔“

چنانچہ اس آیت میں ”جدا ہونے“ کا مطلب مجلس سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ ”خاوند و بیوی کے درمیان طلاق کے ذریعے جدائی مراد

ہے۔

② وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِرَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّبَايُعَانِ بِالْخِيَارِ مَالٌ يَنْفَرَقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَّا

نُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كُنْتُمْ وَكَذَبَا مُحِقَّتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کو (اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار حاصل رہتا ہے۔ (لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے) جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں اور (یاد رکھو) جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانے والی چیز اور اس کی تعریف میں) سچ بولتے ہیں اور (اس چیز و قیمت میں جو عیب و نقصان ہوتا ہے اس کو) ظاہر کر دیتے ہیں (تاکہ کسی دھوکہ اور فریب کا دخل نہ رہے) تو ان کے تجارتی معاملے میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ختم کر دی جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

خرید و فروخت میں فریب نہ کرو

۳۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَخْذَعُ فِي الْبَيْعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُولُهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”میں خرید و فروخت کے معاملے میں فریب کھا جاتا ہوں“ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”تم (جب) خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ کہہ دیا کرو کہ (دین میں) فریب (کے لئے کوئی گنجائش) نہیں ہے“ چنانچہ وہ شخص اسی طرح کہہ دیا کرتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ارشاد گرامی فقہ لا خلابۃ (تم یہ کہہ دیا کرو کہ فریب نہیں ہے) کے بیان مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کسی نے اس کا مطلب کچھ بیان کیا ہے اور کسی نے کچھ۔ ان اقوال کی تفصیل دیگر شروع میں مذکور ہے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف وہ مطلب بیان کیا جاتا ہے جو تورپشتی کے قول پر مبنی ہے اور جسے علامہ طہی نے بھی پسند کیا ہے۔ چنانچہ تورپشتی کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم کسی شخص سے خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو پہلے اس کو آگاہ کر دیا کرو کہ دیکھو بھائی، مجھے خرید و فروخت کے معاملات سے زیادہ واقفیت نہیں ہے، تم کوئی ایسی چیز اختیار نہ کرنا جس سے میں دھوکہ کھا جاؤں اور مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے اور چونکہ ہمارے دین میں اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کیا جائے اس لئے مہربانی کر کے تم میرے ساتھ کوئی دھوکہ فریب نہ کرنا۔

چنانچہ یہ اس پر خیر دور کی بات ہے جبکہ عام طور پر لوگ دیانتداری، امانت اور پرہیزگاری کے حامل تھے۔ مخلوق خدا کی ہمدردی و بھلائی کا جذبہ فداواں تھا۔ ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرتا تھا جو اپنی ذات کے لئے پسندیدہ ہوتی، خصوصاً اگر کوئی کسی کو آگاہ کر دیتا کہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرنا جس سے مجھے نقصان و تکلیف پہنچے تو وہ اس کا بطور خاص خیال و کوشش رکھتا کہ میں کسی نادانستگی میں بھی اس کو نقصان پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جاؤں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اسے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اگر وہ اپنے بارے میں اس طرح آگاہ کر دیا کرے گا تو لوگ اس کی خیر خواہی بہر صورت ملحوظ رکھیں گے۔

الفصل الثانی

تجارتی معاملات میں فریقین کی رضامندی و طمانیت ضروری ہے

۳۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَذَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَفَقَةً خِيَارًا وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةً أَنْ يَسْتَقْبِلَهُ۔ (رواه الترمذی والبوداد والنسائی)

”حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”بیچنے والا اور خریدنے والا

دونوں (اسی وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کر دینے کا) اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں الا یہ کہ ان کی بیع بشرط خیار ہو (تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے) اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے (از روئے تقویٰ) یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فرق معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے (یعنی جب تک کسی معاملے میں دونوں فرق پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں ایجاب و قبول میں ان میں سے کوئی شخص اس لئے جلد بازی نہ کرے کہ مبادا فرق ثانی معاملے کو فسخ کر دے یا معاملہ طے کرتے ہی ان میں سے کوئی شخص اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فرق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہنے لگے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ اثنان الا عن تراضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں۔“

(ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحب معاملہ کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بعد اس وقت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں جب تک کہ قیمت کی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی حوالگی، دونوں میں برضا و رغبت طے نہ پا جائے یا عمل میں نہ آجائے کیونکہ اس کے بغیر ایک دوسرے کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا احتمال رہے گا، جو شریعت میں ممنوع ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور دونوں صاحب معاملہ میں سے کوئی ایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دوسرے فرق سے پہلے یہ پوچھ لے کہ اب تمہیں کوئی اشکال و اعتراض تو نہیں ہے؟ اور کیا اس معاملے پر تم راضی ہو گئے ہو؟ اس کے بعد اگر وہ دوسرا فرق معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو وہ بھی معاملے کو فسخ کر دے اور اگر وہ معاملے کی برقراری پر رضامند ہو تو پھر تکمیل کے بعد اس سے الگ ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث معنی کے اعتبار سے پہلی حدیث کے موافق ہوگی۔ نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ممانعت بھی تنزیہی کے طور پر ہے کیونکہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر جدا ہونا حلال ہے۔

الفصل الثالث

عقد بیع کے بعد فسخ کا اختیار

⑥ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو خرید و فروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد دوسرے فرق کی رضامندی سے اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

باب الربوا

سود کا بیان

”سود“ ایک معاشرتی لعنت و عفریت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی غربت گئے ہوئے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غریب کے سکتے وجود سے سرمایہ داری کی ہوس کو غذا بخشی ہے، چنانچہ اس لعنت میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں تنبیہ کی ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ (البقرہ: ۲۷۹)

”پھر اگر تم اس (سود خوری چھڑنے کے حکم) پر عمل نہ کرو تو پس اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔“

اسلام نے تجارت اور قرض دونوں میں سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ جو مسلمان سود کے حرام ہونے کا قائل نہ ہو اسلامی قانون کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

یہ لعنت بہت پرانی ہے، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ قریش مکہ اور یہود مدینہ میں اس کا عام رواج تھا اور ان میں صرف شخصی ضرورتوں مثلاً قرض وغیرہ ہی کے لئے نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ اسی طرح سود کی تباہ کاریاں بھی ہمیشہ ہی تسلیم شدہ رہی ہیں اور اس کو اختیار کرنے والے بھی کبھی اس کے مضر اثرات کے منکر نہیں رہے ہیں، البتہ ایک نئی بات یہ ضرور ہوئی ہے کہ جب سے یورپ کے دلال دنیا کی مسند اقتدار و تجارت پر چھائے ہیں انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے اس خاص کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نام دے کر اس کا دائرہ اتنا عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہی سود جو پہلے انسان کی معاشرتی زندگی کا ایک گھن سمجھا جاتا تھا آج معاشیات، اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے اور سطحی ذہن و فکر رکھنے والوں کو یقین ہو گیا ہے کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام سود کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، اگرچہ آج بھی اہل یورپ ہی میں سے وہ لوگ جو تقلید فحش اور عصیت ہے بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لیتے ہیں اور جو معاشیات (ECONOMICS) کا وسیع علم ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے عملی پہلوؤں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں خود ان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ سود، معاشیات اور اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک ایسا کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے اور جب تک اس کیڑے کو نہ نکالا جائے گا دنیا کی معیشت میں جو اضطراب و بھجان ہے وہ ختم نہیں ہوگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج دنیا میں سود کا لین دین جتنا وسیع ہو گیا ہے اور دنیا کے اس کونہ سے لے کر اس کونہ تک تمام ہی تجارتوں میں اس کا جال جس طرح بچھا دیا گیا ہے، افراد و اشخاص کی کیا حیثیت، اگر کوئی پورا طبقہ و جماعت بلکہ کوئی پورا ملک بھی اس سے ٹکنا چاہے تو اس کو اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ یا تو اپنی تجارت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے یا نقصان برداشت کرتا رہے یہی وجہ ہے کہ اب تو عام مسلمان تاجر الگ رہے وہ دیندار و پرہیزگار مسلمان تاجر جن کی اعتقادی و عملی زندگی بڑی پاکیزہ اور مثالی ہے اب انہوں نے بھی یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں جس کا نتیجہ یہ ہے ان دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں اور ایک خالص دیندار مہاجن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

لہذا سود کی ہمہ گیری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اس عام مجبوری کا سہارا لے کر اتنی بڑی لعنت سے بالکل بے پرواہ ہو کر بیٹھ جائیں اور ان کے دل میں ذرہ برابر کھٹک بھی پیدا نہ ہو کہ وہ کتنی بڑی حرام چیز میں مبتلا ہیں، آج سود کے بارے میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں یا اس کو جو نئی نئی شکلیں دی جاتی ہیں یاد رکھئے وہ سب اسی درجے میں حرام ہیں جس درجے میں خود سود کی حرمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی معاملات کو اس انداز میں استوار کریں جس سے حق الامکان اس لعنت سے نجات مل سکے، اگر موجودہ معاشی نظام میں اس حد تک تبدیلی ان کے بس میں نہیں ہے کہ جس میں سود کا دخل نہ ہو تو کم سے کم اپنی زندگی اور نجی معاملات ہی کو درست کریں تاکہ سود کی لعنت سے اگر بالکل نجات نہ ملے تو کم از کم اس میں کمی ہی ہو جائے اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضہ تو پورا ہو کہ وہ حتی الامکان حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔

بہر کیف اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث ذکر ہوں گی جن کے ضمن میں حسب موقع سود کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے لیکن یہ ضروری ہے کہ پہلے اس موضوع سے متعلق چند بنیادی باتیں بتادی جائیں۔

ربا کی تعریف: لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی ”زیادتی، بڑھوتری بلندی“ کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایسی زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

ربا اور سود میں فرق: قرآن کریم میں جس چیز کو لفظ ”ربا“ کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے اس کا ترجمہ اردو میں عام طور پر ”سود“ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ربا اور مروجہ سود، دونوں عربی اور اردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی جس چیز کو عربی میں ربا کہتے ہیں اسی کو اردو میں سود کہا جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ”ربا“ ایک عام اور وسیع مفہوم کا حامل ہے، جبکہ مروجہ سود ربا کی ایک قسم یا اس کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ مروجہ سود کے معنی ہیں ”روپیہ کی ایک متعین مقدار، ایک متعین میعاد کے لئے قرض دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینا“۔ بلاشبہ یہ بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے مگر صرف اسی ایک صورت یعنی قرض و ادھار پر نفع و زیادتی لینے کا نام ربا نہیں ہے بلکہ ربا کا مفہوم اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے وحی الہی کی روشنی میں ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات کی بعض ایسی صورتیں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں چیزوں کے باہم لین دین یا ان کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی کرنا بھی ربا ہے اور ان میں ادھار لین دین کرنا بھی ربا ہے اگرچہ اس ادھار میں اصل مقدار پر کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر سراسر لیا دیا جائے۔

ربا کی قسمیں اور ان کے احکام: ربا کے مذکورہ بالا وسیع مفہوم کے مطابق فقہانے ربا کی جو قسمیں مرتب کی ہیں ان میں سے عام طور پر یہ پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ① ربا قرض ② ربا رہن ③ ربا شراکت ④ ربا نسیہ ⑤ ربا فضل۔

ربا قرض: کا مطلب ہے ”قرض خواہ کا قرض دار سے بحسب شرط، متعین میعاد کے بعد اپنے اصل مال پر کچھ زائد مقدار لینا“۔ اس کی مثال مروجہ سود کی صورت ہے یعنی ایک شخص کسی کو اپنے روپیہ کی ایک متعین مقدار ایک متعین میعاد کے لئے اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود کے حساب سے دینا ہوگا اور اصل روپیہ بدستور باقی رہے گا۔ ربا کی یہ صورت کلیہً حرام ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ربا رہن: کا مطلب ہے ”بلا کسی مالی معاوضہ کے وہ نفع جو مرتن کو رہن سے یا شے مرہونہ سے حاصل ہو“۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی راہن) اپنی کوئی ملکیت مثلاً زیوریا مکان کسی دوسرے شخص (یعنی مرتن) کے پاس بطور ضمانت رکھ کر اس سے کچھ روپیہ قرض لے لے اور وہ مرتن اس رہن کی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھائے مثلاً اس مکان میں رہے یا اسے کرایہ پر چلائے اور یا یہ کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ راہن سے نفع حاصل کرے بایں طور کہ قرض دی ہوئی رقم پر سود حاصل کرے۔ رہن کی یہ دونوں ہی صورتیں حرام ہیں۔

ربا شراکت: کا مطلب ہے ”کسی مشترک کاروبار میں ایک شریک اپنے دوسرے شریک کا نفع متعین کر دے“ اور جملہ نقصانوں اور فائدوں کا خود مستحق بن جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔

ربا نسیہ: کا مطلب ہے ”دو چیزوں کے باہم لین دین یا دو چیزوں کے باہم خرید و فروخت“ میں ادھار کرنا خواہ اس ادھار میں اصل مال پر زیادتی لی جائے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک من گیہوں دے اور دوسرا شخص اس کے بدلہ میں اسے ایک ہی من گیہوں دے مگر ایک دودن یا ایک دو ماہ بعد دے۔ یہ اس صورت کی مثال ہے کہ دو چیزوں میں باہم تبادلہ ہو اگر یہ تبادلہ دست بدست نہیں ہوا بلکہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار معاملہ ہوا نیز اس ادھار میں اصل مال پر کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ کمی بیشی کے ساتھ ادھار لین دین کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک من گیہوں دے گا۔ ربا نسیہ کی یہی وہ صورت ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور اب بھی مروجہ سود کی شکل میں موجود ہے اور ایک اعتبار سے یہ ”ربا قرض“ کی قسم میں بھی داخل ہے۔

رباء فضل: کا مطلب ہے دو چیزوں میں باہم کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لین دین ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کو ایک من گیہوں دے اور اس سے اسی وقت اپنے ایک من گیہوں کے بدلہ میں سوا من گیہوں لے۔ رباء کی یہ دونوں قسمیں یعنی نسیہ اور فضل چونکہ باہم لین دین کی دو بنیادی صورتیں ہیں نیز لاعلمی کی بناء پر عام طور پر لوگ ان میں سود کے پیدا ہونے والے حکم سے نااہل ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ان کے احکام بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بطور تمہید و قاعدہ بیان کر دی جائیں تاکہ ان احکام کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

① لین دین اور تجارت کا معاملہ جن چیزوں سے متعلق ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں ① یا تو ان کا لین دین وزن سے ہوتا ہے ② یا کسی برتن سے ناپی جاتی ہے ③ یا نہ تو وزن کی جاتی ہیں اور نہ کسی برتن سے ناپی جاتی ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کی مثال غلہ ہے کہ کہیں تو غلہ کو تول کر بیچنے کا دستور ہے اور کہیں برتن میں بھر کر ناپنے کا۔ لین دین اور خرید و فروخت میں جو چیزیں تولی جاتی ہیں ان کو ”موزون“ کہتے ہیں اور جو چیزیں ناپی جاتی ہیں ان کو ”مکیل“ کہتے ہیں۔ کسی چیز کے موزون یا مکیل ہونے کی صفت کو اصطلاح فقہ میں ”قدر“ کہتے ہیں اس مختصر سے لفظ ”قدر“ کو ذہن میں رکھئے۔

② ہر چیز کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے، مثلاً گیہوں کا گیہوں ہونا، چاندی کا چاندی ہونا اور کپڑے کا کپڑا ہونا، اسی حقیقت کو ”جنس“ کہتے ہیں۔ اور اس لفظ ”جنس“ کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

③ جن چیزوں کا باہم لین دین ہوتا ہے وہ کبھی تو ”قدر“ میں متحد اور مشترک ہوتی ہیں اور ”جنس“ میں مختلف ہوتی ہیں مثلاً گیہوں اور چنا، یہ دونوں چیزیں قدر میں مشترک یعنی یکساں ہیں کیونکہ دونوں موزون ہیں یا مکیل ہیں۔ مگر جنس میں مختلف یعنی یکساں نہیں ہیں کیونکہ ایک کی حقیقت گیہوں ہے اور دوسرے کی حقیقت چنا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس تو متحد و یکساں ہوتی ہے مگر قدر میں یکسانیت نہیں ہوتی مثلاً ململ کا ململ سے تبادلہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ دونوں موزون اور مکیل نہیں (کیونکہ ململ کی خرید و فروخت نہ تو تول کر ہوتی ہے اور نہ کسی برتن سے ناپ کر) اس لئے جب یہ دونوں قدر ہی نہیں تو قدر میں ایک کیسے ہوں گی، یا بکری کا بکری سے تبادلہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ موزون اور مکیل نہیں اس لئے نہ قدر ہے اور نہ اتحاد قدر اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس بھی ایک ہوتی ہے اور قدر میں بھی یکسانیت ہوتی ہے جیسے گیہوں کا گیہوں سے تبادلہ کہ ان دونوں کی جنس بھی ایک ہے اور قدر بھی ایک ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان میں نہ تو جنس کی یکسانیت ہوتی ہے اور نہ قدر کی جیسے روپیہ اور کپڑا یا روپیہ اور غلہ (گویا آج کل لین دین اور تجارت کی جو عام شکل ہے) کہ نہ تو ان کی جنس ایک ہے اور نہ قدر ایک ہے۔ لہذا باہم لین دین اور تجارت کی جانے والی چیزیں چار قسم کی ہوں گی۔ ① متحد القدر و الجنس (یعنی دونوں کی جنس بھی ایک اور قدر بھی ایک) ② متحد القدر غیر متحد الجنس (یعنی دونوں کی قدر تو ایک مگر جنس الگ الگ) ③ متحد الجنس غیر متحد القدر (یعنی دونوں کی جنس تو ایک مگر قدر الگ الگ) ④ غیر متحد الجنس و القدر (یعنی دونوں کی نہ تو جنس ایک اور نہ قدر ایک)۔

اس تمہید کو جان لینے کے بعد چیزوں کے باہم لین دین اور تجارت کے سلسلے میں وہ قاعدہ کلیہ سمجھ لیجئے جو اگر ذہن میں رہے تو نہ صرف اس باب کے احکام و مسائل سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی رہا اور سود جیسے گناہ سے بچنا آسان ہوگا۔ وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو دو چیزیں متحد القدر و الجنس ہوں ان کے باہم تبادلہ و تجارت میں شرعی طور پر دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ وہ دونوں چیزیں وزن یا پیمانے میں برابر ہوں دوسرے یہ کہ دونوں دست بدست ہوں مثلاً اگر باہم دو شخص آپس میں گیہوں کو گیہوں سے بدلنا چاہیں تو اس میں کمی بیشی درست نہیں ہے یعنی یہ درست نہیں کہ ہم میں سے ایک تو سیر بھر گیہوں دے اور دوسرا سوا سیر دے بلکہ دونوں ہی کو سیر سیر بھریا سوا سوا سیر ہی دینا ضروری ہے اور نہ یہ درست ہے کہ ایک تو سیر دست لے لے اور دوسرا کل یا پیرسون یا تھوڑی دیر کے بعد، بلکہ ایک ہی مجلس

میں اور ایک ہی وقت میں دونوں کو اپنا اپنا حق لینا واجب ہے اور جو چیزیں متحد القدر غیر متحد الجنس ہوں یا متحد الجنس غیر متحد القدر ہوں ان دونوں کا حکم ایک ہے وہ یہ کہ ان کے باہم لین دین میں کمی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں مثلاً گھوڑوں کو چنے سے بدلنا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو الگ الگ ہے مگر قدر ایک ہے اس لئے ان دونوں کے تبادلہ میں کمی بیشی تو جائز ہوگی کہ ایک شخص ایک سیر گھوڑوں دے اور دوسرا اس کے بدلے میں سوا سیر چن دے مگر ان کے تبادلہ میں ادھار جائز نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح ایک بکری کو دوسری بکری سے بدلنا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر قدر ایک نہیں کیونکہ قدر تو موزون یا مکمل ہونے کو کہتے ہیں اور بکری نہ مکمل ہے اور نہ موزون، لہذا ان میں بھی کمی بیشی جائز ہے کہ ایک شخص تو ایک بکری دے اور دوسرا اس کے بدلے میں دو بکریاں دے مگر ان کے تبادلہ میں بھی ادھار جائز نہیں ہوگا۔ اور جو چیزیں نہ متحد الجنس ہوں اور نہ متحد القدر ہوں ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور نقد و ادھار کا فرق بھی جائز ہے مثلاً روپیہ اور غلہ کی باہم تجارت (جیسا کہ آج کل رائج ہے کہ اشیاء کا لین دین روپیہ کے ذریعہ ہوتا ہے) کہ ان دونوں کی نہ تو جنس ایک ہے اور نہ ان کی قدر ایک ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص روپیہ دے کر غلہ خریدنا چاہے تو اس صورت میں کمی بیشی بھی جائز ہے کہ چاہے تو ایک روپیہ کے بدلے میں ایک سیر غلہ لیا دیا جائے اور چاہے ایک روپیہ کے بدلے میں دو سیر غلہ لیا دیا جائے اس طرح اس صورت میں ادھار لین دین بھی جائز ہے کہ چاہے تو دست بدست لین دین ہو چاہے ادھار کی صورت میں اب اس قاعدہ کلیہ کا حاصل چار قاعدے ہوتے۔

① اشیاء متحد القدر و متحد الجنس کے لین دین میں برابری اور دست بدست ہونا واجب ہے۔

② اشیاء متحد القدر و غیر متحد الجنس کے لین دین میں نہ برابری واجب ہے اور نہ دست بدست ہونا واجب ہے۔

③ اشیاء متحد الجنس غیر متحد القدر کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔

④ اشیاء متحد القدر غیر متحد الجنس کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔

ان تمام بنیادی اور تمہیدی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب رہا کی ان دونوں اقسام یعنی نیہ اور فضل کے احکام کی جانب آئیے جن کا تذکرہ شروع میں کیا گیا تھا چنانچہ اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں اتحاد جنس بھی پایا جائے اور اتحاد قدر بھی یعنی وہ دونوں متحد الجنس ہوں اور متحد القدر بھی (جیسے گھوڑوں) تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس لین دین میں رہبانسیہ بھی حرام ہے اور بفضل بھی۔ اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ ”جنس“ سے مراد ہے اس چیز کی حقیقت اور قدر سے مراد ہے اس چیز کا مکمل یا موزون ہونا، کیونکہ لین دین اور تجارت کے معاملات میں شرعی معیار یہی کیل ہے یا وزن۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ شارع نے جس چیز کو مکمل (یعنی پیمانہ سے ناپی جانے والی) کہا ہے وہ موزون (یعنی تولی جانے والی) نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ موزون ہی ہوں، اسی طرح جس چیز کو موزون کہا ہے وہ مکمل نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ مکمل ہو، مثلاً گھوڑوں کو شارع نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جن کا لین دین پیمانہ سے ناپ کر ہوتا ہے اگرچہ آج کل عام طور پر گھوڑوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے (گو بعض علاقوں میں اب بھی اس کا لین دین ناپ کر ہی ہوتا ہے) اس لئے گھوڑوں کا لین دین کرنا وزن کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اسی طرح چاندی اور سونے کو شارع نے چونکہ موزون کہا ہے اس لئے چاندی کا چاندی کے ساتھ، یا سونے کا سونے کے ساتھ لین دین کیل کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ کسی معاملے میں شارع کا واضح حکم، عرف عام اور رواج سے کہیں قوی اور برتر ہوتا ہے۔ ہاں جن چیزوں کو شارع نے نہ مکمل کہا ہے اور نہ موزون، ان کے لین دین میں عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ نے مطلق طور پر عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے جائز ہے جن کو شریعت نے مکمل کہا ہے۔ بشرطیکہ عرف عام اور رواج، ان کے ذریعے ہی اس کے لین دین کا ہو۔ چنانچہ کمالؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر انہوں نے

گواہوں پر سب ہی پر لعنت فرمائی ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں (اگرچہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں۔) (مسلم)

تشریح: سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت اس لئے فرمائی کہ ایک غیر مشروع اور حرام کام میں یہ معاون ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ سود و بیاج کا تمسک لکھنا اور اس کا گواہ بننا حرام ہے۔

ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ و تجارت میں ربا کی صورت

② وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِصَّةُ بِالْفِصَّةِ وَالنَّبْتُ بِالنَّبْتِ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبَيْعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے اور گیہوں، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں مثل بمثل یعنی برابر برابر و دست بدست ہونا چاہئے، اگر یہ قسمیں مختلف ہوں (مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ کھجور کے ساتھ ہو) تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو (یعنی برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا دست بدست ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے۔“ (مسلم)

تشریح: یہی وہ حدیث ہے جس نے ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر خرید و فروخت اور لین دین کے بعض معاملات کو ربا اور سود قرار دیا ہے چنانچہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کا باہمی تبادلہ یا ان کی باہمی خرید و فروخت کی جائے تو یہ ضروری ہے کہ لین دین برابر برابر بھی ہو اور دست بدست بھی ہو، برابر برابر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا گیہوں بطور تبادلہ بیچ دے تو اس سے اتنا ہی گیہوں لے جتنا خود دے۔ دست بدست کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں معاملہ طے ہو اس مجلس میں دونوں فریق اپنا اپنا حق ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہی اپنے قبضے میں لے لیں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا یہ وعدہ کرے کہ میں بعد میں دے دوں گا۔ اگر اس حکم کے برخلاف ہو گا کہ یا لین دین برابر برابر نہ ہو یا دست بدست نہ ہو تو اس صورت میں وہ معاملہ ربا یعنی سود کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا ربا کا حکم انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور دوسری کچھ اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

چنانچہ ائمہ مجتہدین کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض مثال کے طور پر ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے کچھ اور چیزوں مثلاً لوہے، چوئے اور دیگر اجناس کو ان چیزوں پر قیاس کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک ضابطہ بنانے کے لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں میں ربا کی علت الگ الگ متعین کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ان چیزوں میں سے سونے اور چاندی میں ربا کی علت تو ثمنیت (یعنی کسی چیز کی قیمت ہونے کی صلاحیت) ہے اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت، قوت مذخر (یعنی محفوظ رہنے والی غذا) ہونا ہے۔ اس اعتبار سے ان چیزوں کے علاوہ بھی جن چیزوں میں ثمنیت پائی جائے گی یا جو چیزیں ”قوت مذخر“ ہوں گی ان سب میں ربا حرام ہو گا۔ لہذا حضرت امام مالکؒ کے مسلک میں ترکاریاں، پھل اور کھانے کی ایسی اشیاء جو (کافی عرصے تک) محفوظ نہ رہ سکتی ہوں وہ چیزیں ہیں جن کے باہمی تبادلہ اور خرید و فروخت میں ربا یعنی کمی بیشی کے ساتھ لینا دینا جائز ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی سونے اور چاندی میں توربا کی علت ثمنیت ہے، لیکن باقی چار چیزوں میں ربا کی علت محض قوت (یعنی صرف غدا یت) ہے۔ لہذا ان کے مسلک میں ترکاریوں، پھلوں اور ادویات کی چیزوں میں ربا کا حکم جاری ہوگا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلہ میں برابر سرا بر لینا دینا تو جائز ہوگا مگر کمی بیشی کے ساتھ لین دین کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ کے ہاں لوہا، تانبہ، پتیل، دھلت، چونا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء وہ چیزیں ہیں جن کے باہم تبادلہ میں ربا کا حکم جاری نہیں ہوگا مثلاً ایک پتہ پانے کے بدلے میں دو پتہ پانے چونے کا لینا دینا درست ہے۔ اسی طرح ایک سیر لوہے یا ایک سیر تانبے کے بدلے میں دو سیر لوہا یا دو سیر تانبہ لینا دینا جائز ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں اصولی طور پر ربا کی علت ”قدر مع الجنس“ ہے اس اعتبار سے حنفی مسلک میں سونے اور چاندی میں ربا کی علت چونکہ ”وزن“ ہے اس لئے ہر اس چیز کے یا بھی لین دین میں ربا کا حکم جاری ہوگا جو موزون (یعنی وزن کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے لوہا، تانبہ وغیرہ۔ اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت چونکہ ”کمیل“ ہے اس لئے ہر اس چیز کے یا بھی لین دین میں ربا کا حکم جاری ہوگا جو کمیل (یعنی پتہ پانے کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے چونا وغیرہ۔ اور یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ شریعت نے جس چیز کے کمیل یا موزون ہونے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں تبدیلی روا نہیں ہے مثلاً سونے اور چاندی کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ دونوں ”موزون“ کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو، اسی طرح گہیوں، جو، کھجور اور نمک کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو کمیل یعنی پتہ پانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ چیزیں ”کمیل“ کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو۔ لہذا سونے یا چاندی کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں وزن اور کمیل ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے لیا دیا جائے تو وزن کا برابر سرا بر ہونا ضروری ہے وزن میں کمی بیشی قطعاً جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح باقی چار چیزوں کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں کمیل کا اعتبار ہوگا کیونکہ اگرچہ عام رواج کے مطابق ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے لیکن شرعی طور پر یہ چیزیں کمیل ہی کے حکم میں ہوں گی۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گہیوں کے بدلے میں ایک ہی من گہیوں دے تو یہ لین دین جائز نہ ہوگا تا وقتیکہ دونوں طرف کے گہیوں پتہ پانے کے اعتبار سے برابر سرا بر نہ ہوں (لیکن یہ بات بھی پہلے صاف کی جا چکی ہے کہ حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً ہر چیز کے کمیل یا موزون ہونے میں عام رواج کا اعتبار ہے اور حنفیہ کے ہاں اس پر عمل ہے) جو، کھجور اور نمک کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں چیز کا موزون یا کمیل ہونا شریعت نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں عام رواج ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر وہ چیز عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہوگی تو وہ شرعی طور پر بھی موزون ہی کے حکم میں ہوگی کہ اس کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرا بر ہونا ضروری ہوگا۔ اس لئے لوہا اور تانبہ چونکہ عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لیا دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرا بر ہونا ضروری ہے اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربا کے حکم میں داخل ہوگا۔

﴿وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالنَّبْتُ بِالنَّبْتِ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالشَّمْرُ بِالشَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدَا يَدًا فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرٰبَىٰ. إِلَّا خِذَ وَالْمَغْطَىٰ فِيهِ سَوَاءٌ﴾۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے، اور گہیوں، گہیوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور کھجور، کھجور کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے میں اگر دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرا بر دست بدست ہونا چاہئے۔ لہذا جس نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اور لیا تو گویا اس نے سود لیا اور سود دیا اور لینے دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔“ (مسلم)

سونے یا چاندی کے باہم لین دین کا حکم

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تَشْفُوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تَشْفُوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِشَايٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

”اور حضرت ابوسعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو الا یہ کہ دونوں وزن میں برابر برابر ہوں لہذا دونوں میں کی بیشی نہ کرو، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو الا یہ کہ دونوں برابر برابر ہوں، لہذا دونوں میں کی بیشی نہ کرو نیز ان (سونے اور چاندی) میں سے کسی کا باہم لین دین اس طرح نہ کرو کہ ایک تو نقد دے اور دوسرا ادھار۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کے زیور کا سونے کے ساتھ، یا چاندی کے زیور کا چاندی کے ساتھ تبادلہ کرے تو اس صورت میں بھی دونوں کا وزن میں برابر برابر ہونا ضروری ہے۔ زیور کی بنوائی جتنی جائز نہیں ہے کیونکہ پھر اس طرح کی بیشی لازم آئے گی جو سود کے حکم میں ہو جائے گی۔

ہم جنس چیزوں کا تبادلہ برابر برابر کرو

⑤ وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت معمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ غذا کے بدلے میں (یعنی غلہ کو ہم جنس غلہ کے بدلے میں) اگر لیا دیا جائے تو یہ لین دین برابر برابر ہونا چاہئے۔“ (مسلم)

متحد القدر چیزوں کے باہمی تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے

⑥ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رَبًّا الْأَهَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرِقَ بِالْوَرِقِ رَبًّا الْأَهَاءَ وَهَاءَ وَالنَّبِيَّ بِالنَّبِيِّ رَبًّا الْأَهَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ رَبًّا الْأَهَاءَ وَهَاءَ وَالشَّمْرَ بِالشَّمْرِ رَبًّا الْأَهَاءَ وَهَاءَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونے کا سونے کے ساتھ (برابر برابر بھی) تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو (یعنی اگر دونوں طرف سے برابر برابر اور دست بدست لین دین ہو تو پھر سود نہیں ہے)۔ اسی طرح چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، گہیوں کا گہیوں کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، جو کا جو کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، کھجور کا کھجور کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ہم جنس چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تبادلے کے معاملے میں تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ① یا تو دونوں طرف موزون ہوں یا مکمل ہوں ② دونوں طرف اشیاء نقد ہوں یا دونوں طرف ادھار ہوں ③ ایک طرف نقد ہو اور دوسری طرف کچھ دنوں کے لئے یا زیادہ دنوں کے لئے ادھار ہو، ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت کے مطابق تو لین دین جائز ہو گا بشرطیکہ دونوں طرف مقدار برابر برابر ہو کہ اگر وہ دونوں چیزیں موزون ہیں تو وزن میں برابر ہوں اور اگر مکمل ہوں تو پیمانہ میں برابر ہوں اور یہ کہ دونوں طرف کی اشیاء نقد ہوں اور بعد کی دونوں صورتوں کے مطابق یعنی دونوں طرف ادھار یا ایک طرف ادھار ہونے کی صورت میں لین دین

کا معاملہ جائز نہیں ہوگا۔ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے دونوں ہم جنس چیزیں برابر برابر ہوں۔

اچھی اور خراب ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں بھی کمی بیشی کے ساتھ لین دین جائز نہیں

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرٍ فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ أَكُلْ تَمْرَ خَيْبَرٍ هَكَذَا قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بَعِ الْجَمْعُ بِالذَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَغِ بِالذَّرَاهِمِ جَنِيبًا وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلُ ذَلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

”حضرت ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا چنانچہ جب وہ شخص وہاں سے واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے وہ کھجوریں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی اچھی ہوتی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم سب کھجوریں ایسی نہیں ہوتیں، بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ دو صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے میں ایک صاع اچھی کھجوریں اور تین صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے دو صاع اچھی کھجوریں لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ایسا نہ کرو، بلکہ پہلے تمام کھجوروں کو ملا کر درہموں کے عوض فروخت کرو اور پھر ان درہموں کے عوض اچھی کھجوریں خریدو۔“ اور پھر فرمایا جو چیزیں ترازو (یعنی وزن) کے ذریعے لی دی جاتی ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور اور ان چیزوں کے بارے میں کہ جوکیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں یہ حکم بیان کیا گیا ہے اسی طرح ان چیزوں کے بارے میں بھی کہ جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں جیسے سونا اور چاندی وغیرہ۔ یہی حکم ہے کہ اگر ان میں سے ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جن میں سے ایک اچھی ہو اور دوسری خراب، تو اس صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اچھی چیز کم وزن میں دی جائے اور اس کے بدلے میں خراب چیز زیادہ وزن میں لی جائے، بلکہ اس صورت میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پہلے تو خراب چیز کو درہم یا روپیہ کے عوض فروخت کر دیا جائے اور پھر اس درہم یا روپیہ سے اچھی چیز خرید لی جائے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرَنِيٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ هَذَا قَالَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبَعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوْهَ عَيْنِ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعِ أَخْوَرِ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت بلالؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اچھی قسم کی کھجور لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”یہ کہاں سے لائے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں، اس میں سے میں نے دو صاع کھجوریں دے کر اس کے بدلے میں ایک صاع یہ (اچھی) کھجوریں لے لی ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اوہ! یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرو، البتہ جب تم (اچھی کھجوریں) بدلنا چاہو تو (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے) اپنی (خراب) کھجوریں (درہم یا روپے کے عوض) فروخت کرو پھر ان درہموں یا روپیوں کے ذریعے اچھی کھجوریں خرید لو۔“ (بخاری و مسلم)

ایک غلام کے بدلے میں دو غلام

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدُ قَبَايِعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهَجْرَةِ وَلَمْ يَشْعُرْ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ بِرِئْدُهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثِيهِ فَأَشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يَبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ عَبْدُهُ هُوَ أَوْ خَرٌّ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک غلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کی (یعنی اس نے آپ ﷺ سے عہد کیا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہوں گا)۔ اور آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے (کچھ دنوں کے بعد) جب اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اس غلام کو میرے ہاتھ لے دو“ چنانچہ آپ ﷺ نے اس غلام کو دو سیاہ رنگ کے غلاموں کے بدلے میں خرید لیا اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی شخص سے بیعت نہ لی جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیا کہ وہ غلام ہے یا آزاد۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں لینا دینا جائز ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں ”مال ربا“ میں داخل نہیں ان کا لین دین اس طرح کرنا کہ ایک طرف کم ہو اور دوسری طرف زیادہ ہو جائز ہے، چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے اسی بنیاد پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک جانور کو دو جانوروں کے بدلے میں دست بدست لینا دینا جائز ہے خواہ دونوں طرف سے ایک ہی جنس کے جانور ہوں یا دو جنس کے۔ البتہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اس کے عدم جواز کی قائل تھی نیز حضرت عطاء ابن ابی رباح بھی اسی کے قائل تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن بعض صحابہؓ اس کے جواز کے قائل تھے اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں بھی یہ جائز ہے۔

ہم جنس چیزوں کا تفاوت کے ساتھ لین دین جائز نہیں

⑩ وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ الثَّمْرِ لَا يَغْلَمُ مَكِيلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ الثَّمْرِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے کسی ایسے ڈھیر کو کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو، ایک معین پیمانے کی کھجوروں کے بدلے میں لینے دینے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ نے لین دین کی اس صورت سے منع فرمایا ہے کہ ایک طرف تو کھجوروں کی غیر معین مقدار کا ڈھیر ہو اور دوسری طرف کھجوروں کی ایک معین مقدار مثلاً دس یا بیس پیمانے (یا دس یا بیس من) ہو کیونکہ ایسی صورت میں اس ڈھیر کی کھجوروں کی مقدار غیر معلوم ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ڈھیر دوسری طرف کی معین مقدار سے کم رہ جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے اس کی وجہ سے ان دونوں ہی صورتوں میں سود کی شکل ہو جائے گی۔ تاہم یہ ملحوظ رہے کہ لین دین کی یہ صورت باہم تبادلہ کی جانے والی ایسی دو چیزوں کے درمیان ممنوع ہے جو ایک ہی جنس سے ہوں جیسا کہ اوپر کھجور کی مثال دی گئی ہے، ہاں مختلف الجنس چیزوں کے لین دین میں یہ صورت ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف الجنس چیزوں کا باہمی لین دین کی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔

سونے کی خرید و فروخت کا مسئلہ

⑪ وَعَنْ فَصَّالَةَ بِنِ ابْنِ عُيَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِانْتَى عَشْرَ دِينَارًا فَبِهَا ذَهَبْتُ وَخَرَزْتُ فَقَفَضَلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَبَاغُ حَتَّى تَقْضَلَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے سال ایک بار بارہ دینار میں خرید ا جو سونے کا تھا اور اس میں گینے جڑے ہوئے تھے، پھر جب میں نے انہیں الگ الگ کیا (یعنی گینوں کو سونے سے نکال ڈالا) تو وہ سونا بارہ دینار سے زائد قیمت کا نکلا، میں نے اس کا ذکر

رسول کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (ایسا ہار) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے تا وقتیکہ سونا اور گینہ الگ الگ نہ کر لئے جائیں۔ ”(مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مال رہا میں سے دو ایسی ہم جنس چیزوں کا ایک دوسرے کے عوض لین دین کیا جائے کہ ان میں سے ایک طرف کی چیز میں کوئی اور غیر جنس کی چیز بھی شامل ہو تو یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً سونے کا جزاؤ زیور، سونے کے عوض میں خرید و فروخت کرے، خواہ وہ اشرفیوں کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں تو لازم ہے کہ پہلے اس زیور میں سے نگینے وغیرہ الگ کر دیئے جائیں اور پھر اس زیور کا خالص سونا دوسری طرف کے سونے کے برابر سراہر وزن کے ساتھ لیا دیا جائے۔ یہی حکم چاندی کے بارے میں بھی ہے کہ اگر چاندی کا کوئی ایسا زیور وغیرہ کہ جس میں کوئی اور غیر جنس چیز مخلوط ہو، چاندی ہی کے بدلے میں خواہ وہ روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں خرید و فروخت کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس زیور وغیرہ کی چاندی کو الگ کر کے دوسری طرف کی چاندی کے برابر سراہر وزن کے ساتھ خرید اجائے یا فروخت کیا جائے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ ہم جنس چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ باہمی لین دین ہونے کی وجہ سے سود کی صورت پیدا نہ ہو جائے، ہاں اگر سونے کا جزاؤ زیور وغیرہ چاندی کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے خواہ وہ چاندی روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں، یا اس کا برعکس ہو کہ چاندی کا جزاؤ زیور، سونے کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے خواہ وہ سونا اشرفی وغیرہ کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں، تو اس صورت میں اس جزاؤ زیور سے نگینے وغیرہ اکھاڑ کر الگ کر دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ مختلف الجنس چیزوں کا باہمی لین دین کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے، اس میں کمی زیادتی سے سود کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

الفصل الثانی

سود کے بارے میں آپ کی ایک پیش گوئی

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَتَفَقَهُ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الزَّيْفَانِ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَةٌ مِنْ بَخَارِهِ وَيُزَوَّى مِنْ غُبَارِهِ۔ (رواہ احمد والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور اگر کوئی شخص ایسا باقی بھی رہے گا۔ تو وہ سود کے بخار میں مبتلا ہوگا۔ نیز (بعض کتابوں میں لفظ من بخرارہ کی بجائے) من غبارہ (یعنی وہ سود کے غبار میں مبتلا ہوگا) نقل کیا گیا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”بخار“ یا ”غبار“ سے مراد سود کا اثر ہے، مطلب یہ ہے کہ سود کے عام ابتلاء کے زمانے میں اگر کوئی شخص براہ راست سود کے لین دین سے بچ بھی جائے گا تو وہ کسی نہ کسی صورت میں سود کے زیر اثر ضرور ہوگا۔ مثلاً وہ کسی سود خور کا ملازم ہوگیل ہوگا، یا تمسک لکھنے والا ہوگا۔ یا کسی سودی معاملے کا گواہ ہوگا یا سودی کاروبار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والا ہوگا، یا اس کے اپنے دوسرے ذاتی تجارتی معاملات سود خوروں کے ساتھ استوار ہوں گے اس طرح ایسا شخص بھی بالواسطہ طور پر سود کے مال سے اپنے مال کو ملوث کرے گا یا یہ کہ جب سود کا دائرہ وسیع ہو کر تجارت و معیشت کے ہر گوشہ پر حاوی ہوگا (جیسا کہ آج کل ہے) تو پھر سود کا مال ہر شخص تک کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور پہنچے گا۔ مثال کے طور پر اپنے ہی زمانے کو لے لیجئے، آپ ایک متقی شخص کو دیکھتے ہیں جو اتنا دیندار اور اتنا پرہیزگار ہے کہ اس کی اعتقادی و عملی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں ذرا سا بھی جھول نظر آئے اور واقعہً اس شخص کی پاکبازی و پرہیزگاری ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر جب وہی شخص اپنے بچوں کے لئے ایک آنے کی سوئگ پھلی خرید کر لاتا ہے تو کیا وہ شخص بھی اس کا تصور کرتا ہے کہ میں جو یہ ایک کمتری چیز اپنے بچوں کو کھلا رہا ہوں یا خود کھارہا ہوں نہ معلوم یہ کتنے سودی ذرائع اور کتنے سودی لین دین کے مراحل سے گذر کر

میرے ہاتھوں تک پہنچی ہے؟ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ آنے والے زمانہ میں سود کی لعنت اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہوگی کہ ہر شخص شعوری و غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہوگا کوئی بلا واسطہ سود کھائے گا کوئی بالواسطہ اس کا مرتکب ہوگا اور کوئی بالکل ہی غیر شعوری طور پر اس کے زیر اثر ہوگا۔

مختلف الجنس چیزوں کے دست بدست باہمی لین دین میں کمی بیشی جائز ہے

(۱۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبْتَغُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ وَلَا النَّبْرَ بِالنَّبْرِ وَلَا الشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ وَلَا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَلَا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عِثْنَا بَعَيْنَ يَدَا بَيْدٍ وَلَكِنْ يَنْتَعِلُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ وَالنَّبْرَ بِالشَّعِيرِ وَالشَّعِيرَ بِالنَّبْرِ وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ يَدَا بَيْدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ۔ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہ تو سونا، سونے کے بدلے میں پیچو، نہ چاندی، چاندی کے بدلے میں، نہ گیہوں، گیہوں کے بدلے میں، نہ جو، جو کے بدلے میں، نہ کھجور، کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک، نمک کے بدلے میں، ہاں برابر برابر، نقد بہ نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا، چاندی کے بدلے میں اور چاندی، سونے کے بدلے میں گیہوں، جو کے بدلے میں، اور جو گیہوں کے بدلے میں، اور کھجور، نمک کے بدلے میں اور نمک، کھجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کرو جو ہم جنس ہوں (جیسے گیہوں، گیہوں کے بدلے میں تو اس صورت میں برابر برابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے اور اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کیا جائے جو ہم جنس نہ ہوں بلکہ الگ الگ جنس کی ہوں (جیسے گیہوں، جو کے بدلے میں) تو اس صورت میں صرف دست بدست ہونا ضروری ہے برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔

خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کا مسئلہ

(۱۳) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطْبِ فَقَالَ يَنْتَفِضُ الرُّطْبُ إِذَا بَيْسَ فَقَالَ نَعَمْ فَتَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مالک والترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ سے جب تازی کھجور کے بدلے میں (خشک) کھجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ ”جی ہاں اچنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا۔“ (مالک، ترمذی، البوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ نے خشک اور تازہ کھجوروں کے باہم لین دین سے اس لئے منع فرمایا کہ اس صورت میں برابر برابر ہونے کی شرط فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ سودی معاملہ ہو جائے گا، چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور دیگر اکثر علماء کے علاوہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہے، جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ہم جنس خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ دونوں طرف کے پھل مقدار یا وزن میں برابر برابر ہوں، انہوں نے اس حدیث کو نسیہ کی صورت پر محمول کیا ہے یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک حدیث میں مذکورہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا فریق بعد میں دینے کا وعدہ کرے چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے امام اعظمؒ نے جو مراد اختیار کی ہے اس کی تائید

ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے تازہ کھجور کے بدلے میں خشک کھجور کا لین دین ادھار کی صورت میں ممنوع قرار دیا ہے، نیز اس مسئلہ میں جو حکم خشک و تازہ کھجوروں کا ہے وہی حکم دیگر پھلوں مثلاً انگورو وغیرہ کا بھی ہے، نیز خشک و تازہ گوشت کا معاملہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

گوشت اور جانور کے باہمی تبادلہ کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ - (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت سعید ابن مسیب بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز حضرت سعد کا بیان ہے کہ جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے تھا۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: ”زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم“ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جوئے کی صورت میں غلط ذرائع سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ طریقہ کے اعتبار سے دونوں صورتیں مختلف ہیں کیونکہ اس میں جو اکھلا جاتا ہے اور اس میں لین دین کا ایک معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور کے عوض گوشت کے لین دین کا معاملہ حرام ہے۔ خواہ گوشت اس جانور کی جنس کا ہو یا کسی دوسری جنس کے جانور کا ہو نیز چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو چاہے نہ کھایا جاتا ہو جبکہ حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے میں ایک موزون چیز (یعنی گوشت) کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز (یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعے نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے اس لئے حدیث میں مذکورہ بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لین دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔

دو جانوروں کا باہمی تبادلہ ادھار کی صورت میں ناجائز ہے

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً -

(رواہ الترمذی، ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت سمرہ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا مسئلہ

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهَّزَ جَيْشًا فَتَهْدَتِ الْإِبِلُ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى فَلَانِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَأْخُذُ الْبُعِيزَ بِالْبُعِيزِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لشکر کا سامان درست کر لو۔ (یعنی لشکر میں شامل ہونے کے لئے سواری اور ہتھیار وغیرہ تیار رکھو) چنانچہ جب اونٹوں کی کمی ہوئی (یعنی جتنے اونٹ تھے وہ اکثر لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور کچھ لوگ کہ جن میں حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص بھی شامل تھے) اونٹ حاصل نہ کر سکے تو

آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ کو حکم دیا کہ ”وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ (قرض) لے لیں“ چنانچہ حضرت عبد اللہ زکوٰۃ کے اونٹ آنے تک (کے وعدے پر) دو اونٹ کے عوض ایک اونٹ لے لیا کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا مطلب سمجھنے سے پہلے قرض کے سلسلے میں یہ ایک بنیادی بات جان لیجئے کہ صرف اسی چیز کا قرض لینا درست ہے جو اپنی مثل رکھتی ہو یا جس میں مٹی کی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کی جاسکتی ہو جیسے اناج، انڈا، گوشت اور روپیہ وغیرہ، ایسی چیز کو ”مثلی“ کہا جاتا ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ اسی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کرنا مشکل ہو تو اس کا قرض درست نہیں ہے جیسے پھل اور جانور وغیرہ، ایسی چیز کو ”غیر مثلی“ کہتے ہیں۔

اب حدیث کی طرف آئیے، حضرت عبد اللہ کو آنحضرت ﷺ کے اس حکم کہ ”وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ لے لیں“ کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی شخص سے اس شرط پر بطور قرض اونٹ لے لیں کہ جب زکوٰۃ میں حاصل ہونے والے اونٹ آجائیں گے تو وہ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ”غیر مثلی چیز کا قرض لینا جائز نہیں ہے اور اونٹ بھی ”غیر مثلی“ ہے اس لئے اس حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہؓ کو یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ غیر مثلی چیز کا قرض لینا بھی جائز تھا مگر بعد میں غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا جواز چونکہ ختم کر دیا گیا تھا اس لئے یہ حدیث گویا منسوخ ہے۔

لیکن شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کے حکم کو بیع پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے جبکہ ہمارے (یعنی حنفی) علماء نے حضرت سمرہؓ کی حدیث (جو اس سے پہلے گزری ہے) کے مطابق اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ تور پٹسٹیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ ابن عمروؓ کی یہ روایت ضعیف ہے جبکہ حضرت سمرہؓ کی روایت اس سے کہیں زیادہ قوی ہے اس لئے حنفیہ نے حضرت سمرہؓ کی حدیث پر عمل کیا ہے، یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ دوہم جنس چیزوں کا باہمی ادھار لین دین و باقی قسم میں داخل نہیں تھا، لیکن جب لین دین کی یہ صورت ”ربا“ قرار پائی تو اس حدیث کا یہ حکم بھی منسوخ قرار پا گیا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ

(۱۸) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّيْفُ فِي النَّسِئَةِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ لَا رِبَا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔

(متفق علیہ)

”حضرت اسامہؓ ابن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ادھار لین دین میں سود ہو جاتا ہے“ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ”اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ادھار لین دین میں سود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی صورت ایسے معاملے میں پیدا ہوتی ہے جس میں دوہم قدر چیزوں کا باہمی تبادلہ ادھار کی شکل میں ہو کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا بعد میں دینے کا وعدہ کرے اگرچہ دونوں چیزوں کی جنسیں مختلف ہوں اور برابر سراسر ہوں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو جو دے کر اس سے گےہوں لے تو اس لین دین میں کمی بھی جائز ہے بشرطیکہ دست بدست لین دین ہو۔ اگر کسی ایک طرف سے بھی ادھار ہو گا تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہو گا اور سود کی صورت ہو جائے گی اسی طرح ”اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جو ایک جنس کی ہوں اور برابر سراسر ہوں، نیز دونوں بقی اپنی اپنی چیز اسی مجلس میں اپنے اپنے قبضے میں کر لیں تو یہ جائز ہو گا اور سود کی صورت نہیں ہوگی اور اگر دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں

تو پھر کمی بیشی کے ساتھ لین وین میں بھی یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اور سووی صورت نہیں ہوگی بشرطیکہ لین وین دست بپوست ہو۔

سود کھانے پر وعید

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلَابِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَرَّهْمٌ رَبًّا يَأْكُلُهُ الرَّحْلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِنَةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِ قُطَيْبِيُّ وَزَوَى النَّبِيهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَادَ وَقَالَ مَنْ نَبَتْ لِحُمْهُ مِنَ الشَّحْبِ فَالْتَأَزَّ أَوَّلَى بِهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن حنظلہ غسیل ملائکہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود کا ایک درہم، یہ جاننے کے باوجود کھانا کہ یہ سود ہے، چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے“ (احمد، دارقطنی) اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، نیز بیہقی نے اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو (یعنی جس شخص کی جسمانی نشوونما حرام مال مثلاً سود و رشوت وغیرہ سے ہوئی ہو) وہ شخص دوزخ ہی کے لائق ہے۔“

تشریح: جس طرح مذکورہ بالا وعید اس شخص کے بارے میں فرمائی گئی ہے جو سود کا مال یہ جاننے کے باوجود کھائے کہ یہ مال سودی ذریعے سے حاصل شدہ ہے اسی طرح اس وعید کا تعلق اس شخص سے بھی ہے جس نے لاعلمی میں سود کا مال کھایا بشرطیکہ اس لاعلمی میں خود اس کی اپنی کوتاہی یا لاپرواہی کا دخل ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ سود کھانے کے گناہ کو زنا کے گناہ سے بھی زیادہ سخت اور بڑا گناہ اس لئے کہا گیا ہے کہ سود کھانے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ فرمائی ہے اتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ، زنا کیا کسی بھی گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی ہے چنانچہ سود کھانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں متنبہ کیا ہے۔

فَاذْنُوبُ بِحُزْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ (البقرہ ۲: ۲۷۹)

”اعلان جنگ سن لو، اللہ اور اس کے رسول کا۔“

یہ بات ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ کسی کے خلاف ”اعلان جنگ“ کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرے یا جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ جنگ ہو، اس کی محرومی، شقاوت، بدبختی اور دنیا و آخرت کی مکمل تباہی و بربادی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ سود کھانے والے کے حق میں اتنی سخت وعید اور اتنی شدید غضب ناک تنبیہ کا سبب یہ ہے کہ سود کے بارے میں عملی طور پر ہی گمراہی کا صدور نہیں ہوتا بلکہ سود کی پہچان مشکل ہونے کی وجہ سے عموماً اعتقادی گمراہی میں بھی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ سود کو حرام بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ پر گمراہی و کجروی کی اتنی ظلمت چھائی ہوئی ہے کہ وہ سود کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ سود کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کا مرتکب ہونا عملی گمراہی یعنی گناہ کبیرہ ہے جس پر معافی بھی ممکن ہے مگر سود کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھنا بلکہ اس کو حلال سمجھنا اعتقادی گمراہی و کجروی ہے جس کا آخری نتیجہ کفر ہے، اور اس کی معافی و بخشش ناممکن ہے۔ جبکہ زنا ایک فعل ہے جس کی حرمت و برائی سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا، جو شخص اس فعل میں مبتلا ہوتا ہے وہ بھی اس کی برائی کا ہر صورت اعتقاد رکھتا ہے یہاں تک کہ اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب و فرقے میں ”زنا“ ایک برائی ہی تصور کی جاتی ہے کوئی بھی اسے جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔

اب رہی یہ بات کہ چھتیس کا عدد بطور خاص کیوں ذکر کیا گیا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصد محض سود کی حرمت کی اہمیت جتانے، یا

اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَشْكِيَ الرَّجُلُ أَقَمَّهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود کے گناہ کے شتر درجے ہیں، اور ان میں جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے صحبت کرے۔“

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيرُ إِلَى قُلَيْ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالتَّبَهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى أَحْمَدُ الْإِسْخَرِيُّ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود (سے حاصل شدہ مال) خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر آخر کار اس میں کمی (یعنی بے برکتی) آجاتی ہے“ ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہؒ نے اور شعب الایمان میں بیہقیؒ نے نقل کیا ہے نیز دوسری روایت کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔“

تشریح: سودی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال بظاہر تو بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے مگر چونکہ سودی مال میں خیر و برکت کا کوئی جز نہیں ہوتا اس لئے انجام کار وہ مال اس طرح تباہ و برباد اور ختم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا، یہ محض ایک وعیدی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ۔ (البقرہ ۲۷۶:۲)

”اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔“

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو مال سود کے ذریعے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ مگر انسان اپنی جائز محنت و حلال ذریعہ سے جو مال کماتا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔ گویا اس آیت میں سود اور صدقہ کو ایک ساتھ ذکر کر کے جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد ہے وہیں ان دونوں کے متضاد نتائج کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، چنانچہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر کسی معاوضے اور بغیر کسی لالچ کے انسان اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کو دیتا ہے جبکہ سود میں بغیر کسی معاوضہ کے انسان محض مال و زر کی ہوس اور دولت کی فراوانی کے جذبے کے تحت دوسرے سے مال حاصل کرتا ہے، اس طرح دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بالکل جدا جدا ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لئے اپنے مال کو ختم کرنے یا کم کرنے کا فیصلہ کر کے ایک زبردست ایثار کرتا ہے اور سود لینے والا محض دنیاوی حرص و طمع کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ و ناراضگی سے بالکل بے پروا ہو کر اپنے موجودہ مال میں ناجائز زیادتی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ تو سود اور صدقہ کی حقیقت کا تضاد تھا۔ دونوں کے نتائج کا تضاد یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقے یعنی سود سے حاصل کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے یا اس میں سے برکت اٹھا لیتا ہے اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے بایں طور کہ اس کے موجودہ مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں دونوں کے نتائج میں تضاد کا مطلب مفسرین نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ ”سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ بھی نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ عذاب ہی کا موجب بنے گا۔ جبکہ صدقہ کرنے والے کا مال آخرت میں اس کے لئے ابدی سعادتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔“ پھر سود کا مٹایا جانا اور صدقہ کا بڑھایا جانا

آخرت سے تو تعلق رکھتا ہی ہے۔ مگر اس کے کچھ آثار دنیا ہی میں مشاہدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سود، جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات وہ مال اس طرح تباہ و برباد ہو جاتا ہے کہ اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ سود اور سٹہ کے بازاروں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصانات کے احتمال ضرور ہیں اور اسی وجہ سے بعض مرتبہ بے سود کی تجارت کرنے والوں کو بھی کسی تجارت میں نقصان ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کی بھیک کا محتاج ہے۔ یہ صرف سود اور سٹہ کے بازاروں ہی میں نظر آتا ہے۔

بہر کیف، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سودی مال کا وقتی طور پر بڑھنا اور آخر میں تباہ و برباد ہو جانا، محض ایک شرعی وعید کے درجے کی بات نہیں ہے بلکہ اہل تجربہ کے بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ سود کا مال فوری اور وقتی طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً ایسا دیر پا نہیں ہوتا کہ اس کا فائدہ نسلوں تک پہنچے، اکثر ایسی کوئی نہ کوئی صورت پیش آ جاتی ہے جو سودی مال کو ختم یا کم کر دیتی ہے۔

سود خوروں کی ظاہری خوشحالی سے دھوکہ نہ کھائیے۔ آج کل سود کا کاروبار عام ہے، چپہ چپہ پر سود خوروں کا لین دین جاری ہے۔ ان کے یہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی ریل پیل نظر آتی ہے، اسباب عیش و عشرت کی فراوانی ہر طرف رقصاں دیکھی جاتی ہے۔ اسی لئے عام سطح میں لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج کل تو سود خواروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے۔ وہ کوٹھیوں، بنگلوں اور عالیشان عمارتوں کے مالک ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں، اس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سود خواروں کو دنیا میں بھی راحت حاصل نہیں ہوتی اور ان کا مال و زر ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ حالانکہ غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے۔ سامان راحت تو آپ کارخانوں اور فیکٹریوں اور بازاروں سے حاصل کر سکتے ہیں وہ سونے چاندی اور سکوں کے عوض مل سکتا ہے لیکن جس چیز کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی بازار سے دستیاب ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ایسے روحانی اطمینان اور قلب و دماغ کے ایک ایسے سکون کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صورت میں براہ راست انسان کو عطا ہوتا ہے جو بعض اوقات بالکل بے سرو سامان انسان اور جانوروں تک کو میسر آ جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ہزاروں اسباب عیش و عشرت اور سامان راحت رکھنے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک نیند کو لے لیجئے، یہ نیند کیا ہے؟ ایک راحت و سکون کا نام ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ ایک اعلیٰ قسم کی خواب گاہ بنوائیں جس میں ہوا، روشنی کا پورا انتظام ہو، عمدہ قسم کے اور آرام دہ بینگ ہوں، دلفریب و دل کش گدیوں بستر اور ملائم تکیے ہوں لیکن آپ خود بتائیے کیا ان سامانوں کے مہیا ہو جانے پر نیند کا آجانا لازمی ہے؟ اگر آپ کو خود اس کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ہزاروں آدمی اس کا جواب نفی میں دیں گے جنہیں کسی عارضے کی وجہ سے نیند نہیں آتی ان کے لئے یہ سامان دھرے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ خواب آور دوائیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، چنانچہ نیند کے سامان تو بازار سے آگئے لیکن نیند کسی بازار سے کسی بھی قیمت پر نہیں لائی جاسکتی۔ اسی طرح دوسری لذتوں اور راحتوں کا حال ہے۔ ان کے اسباب تو روپیہ پیسہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر ان راحتوں اور لذتوں کا حاصل ہونا ان اسباب کے باوجود بھی ضروری نہیں ہے، یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خواروں کے حالات کا جائزہ لیجئے، تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت اور اطمینان کا نام نہ پائیں گے۔ وہ اپنی حرص و ہوس میں اپنی تجوریوں کو بھرنے اور اپنے ایک کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ و کروڑوں کے لئے مست نظر آتے ہیں کہ نہ ان کو اپنے کھانے پینے کا ہوش رہتا ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا خیال، ایمان داری سے بتائیے کیا اطمینان و راحت اسی طرح حاصل ہوتا ہے، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مال و دولت کو بڑھانے کی ادھیڑ میں اپنے آپ کو فدا کر دینے کا نام راحت ہے؟ کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسباب راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے اور جو حقیقی راحت ہے اس سے کوسوں دور ہیں۔

سود خوروں کو حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی: ایک دنیا دار انسان مال و دولت کے انبار اسی لئے جمع کرتا ہے کہ اسے دنیا کا اطمینان و سکون اور راحت حاصل ہو اور وہ سماج و معاشرہ میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکے لیکن سود خوروں کی راحت کا حال تو معلوم ہوا کہ ان

کے ہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی فراوانی، اور عیش و عشرت اور راحت و آرام کے تمام تر اسباب کی موجودگی کے باوجود ان بد نصیبوں کو حقیقی راحت و اطمینان کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اور سکون قلب و دماغ جیسی اعلیٰ نعمت میں مسلسل مبتلا رہنے کی وجہ سے طبعی طور پر بھی بے رحم اور سنگ دل بن جاتا ہے اور اس کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور افلاس کے مارے لوگوں کی مصیبت و مفلسی سے اور کم مایہ انسانوں کی کم مائیگی سے فائدہ اٹھائے اور ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو سیم و زر سے پالے، اس مقصد کے لئے وہ بھوک سے بلکتے معصوم بچوں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا ٹکڑا چھیننے اور افلاس زدہ کی ستانی ہوئی باجیا عورت کے جسم پر لپٹے ہوئے کپڑے کا آخری چیتھڑا اتار لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا، اس شقاوت اور سنگ دلی کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سود خوار کی عزت و وقار کے لئے کوئی گوشہ ہو۔ آپ اپنی آبادی کے کسی بھی بڑے سے بڑے سود خوار پر نظر ڈالئے۔ اس کی تجوریاں سونے چاندی اور روپیوں کے کتنے ہی بڑے ذخیروں سے بھری پڑی ہوں۔ اس کے گھر میں مال و دولت کے کتنے ہی خزانے محفوظ ہوں۔ لیکن کیا لوگوں کی نظروں میں اس کی ادنیٰ بھی وقعت ہوتی ہے بے کس و مجبور لوگ بھلے ہی اپنی ضرورت و احتیاج کی بناء پر اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں مگر ان کے دلوں میں بھی اس کے لئے عزت و احترام کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ میں اس کی حیثیت اس درندے کے برابر نہیں ہوتی جو اپنے پنجوں سے انسانوں کے جسم سے گوشت کے ٹکڑے نوچ کر انہیں ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے ہر طبقہ میں اس انسانی شرف و احترام سے بھی محروم رہتا ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے عزت و وقار کا پیکر بنا کر پیش کرتا ہے۔

آج کی بین الاقوامی بے چینی اور اقتصادی بد حالی سود خوروں ہی کی مسلط کی ہوئی ہے: بات جب چل نکلی ہے تو پھر سود خواری کے ایک اور پہلو پر بھی نظر ڈال لیجئے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ سائنسی ارتقاء اور مادی عروج نے انسان کو ”جی لینے کا سلیقہ“ کیا بخشتا ہے کہ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ تک بدل گئے، آج کا انسانی ذہن علم و دانش کی فراوانی اور فہم و فراست کی پختگی کے دعوے کے باوجود غور و فکر کے ایک مخصوص منہج سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، آج کی دنیا نے انسان کے گرد خالص مادی سانچے میں ڈھلے ذہن جدید کے مصنوعی نظریات کا جو حصار کھینچ دیا ہے اس نے سوجھ بوجھ کی تمام صلاحیتوں کو سیم و زر کے ایک خالص ماحول میں مقید کر دیا ہے اور اجسامات فکر و نظر کو حقیقی اچھائی اور برائی کی قوت امتیاز سے محروم کر کے صرف دنیا کے وقتی اور ظاہری فائدوں اور تن آسانیوں کا اسیر بنادیا ہے۔ اسی لئے آج ہمیشہ کی تسلیم شدہ صداقتیں قابل انکار ہو گئی ہیں اور ہزاروں سال پرانے اٹل اور حقیقی نظریات قابل شکست و ریخت سمجھے جانے لگے ہیں۔ اسلام کی یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سود حرام ہے ہر فرد کے لئے ہر طبقہ کے لئے ہر زمانہ کے لئے اور ہر حالت میں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ بظاہر پڑھے لکھے ہیں لیکن عہد حاضر کے مصنوعی افکار و نظریات نے انہیں دین و شریعت کے حقیقی راستے سے دور کر رکھا ہے اور ان کے ذہن و فکر پر موجودہ دور کی مخصوص چھاپ نے انہیں ”جہالت“ کی وادیوں میں بھٹکار کھا ہے ان کے نزدیک نہ صرف حرمت سود جیسی مسلمہ حقیقت آج کے زمانہ میں ایک ناقابل عمل چیز ہے بلکہ مادی خوشحالی اور تجارتی کامیابیوں کی راہ میں ایک رکاوٹ بھی ہے ان کے نقطہ نظر سے آج کا معاشی نظام جو سود کی جکڑ بند یوں میں محصور ہے صرف ایک فرد ایک قوم ملک ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے اقتصادی استحکام اور بنی نوع انسان کی معاشی خوشحالی کا ضامن ہے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ملک جنہوں نے سود کی شکل میں غریب قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادیات و معاشیات کی روح کھینچ کر ان کو دنیا کا دیوڑھ گریبا دیا ہے ان دیوانوں کی نظر میں بنی نوع انسان کی معاشی فلاح و بہبود اور ان کے اقتصادی اطمینان کے واحد سہارے ہیں یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سرمایہ دار طاقتوں نے غریب ملکوں اور اقتصادی بد حالی کی شکار قوموں کے لئے اپنے خزانوں کے جو منہ کھول رکھے ہیں وہ درحقیقت عالمی بھائی چارگی اور بین الاقوامی اقتصادی خوشحالی کے تئیں ان کے حقیقی جذبات ایشاور ہمدردی کا مظہر ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ یہ سب کچھ اسی ہوس و عیاری کا ترقی یافتہ راستہ ہے جس پر چلی کر پہلے تو ایک

انسان نے دوسرے انسان کا خون چوسا ہے اور اب اسی راستہ پر گامزن ایک قوم اور ایک ملک دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کا خون چوس رہے ہیں بس فرق اتنا ہی ہے کہ پہلے ایک فرد یا ایک طبقہ سود کی اقتصادی تباہ کاری کا شکار ہوا کرتا تھا اور اسے چھپوس بھی کرتا تھا لیکن آج پورے پورے ملک اور پوری قومیں سود کی اقتصادی تباہ کاری کا غیر محسوس طور پر شکار ہو کر اپنے باوقار وجود کو سود خواروں کے پاس رہن رکھ چکی ہیں۔ جن دانشوروں کی نظر دنیا کے ان اقتصادی منصوبوں پر ہے جن کے تحت سرمایہ دار ممالک پسماندہ قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال اربوں ڈالر کے امدادی قرض دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ممالک کس طرح سود کی شکل میں ان غریب ملکوں کی اقتصادی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنے ملک کے خزانے بھر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے کون باخبر اور باہوش انسان انکار کر سکتا ہے کہ ان سود خور ملکوں کی سود خوری نے دنیا کے ان تمام غریب ملکوں کے اقتصادی نظام میں جو شومی قسمت سے اپنے وسائل اور اپنے دست و بازو کی قوت محنت پر بھروسہ نہ کر کے سرمایہ دار ملکوں کے جال فریب میں پھنس گئے ہیں، غربت و افلاس اور مادی بد حالی کا ایسا زہر گھول دیا ہے کہ ان کا تمام تر معاشی ڈھانچہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے اور اقتصادی موت کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اس صورت حال نے دنیا کے امن و سکون کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا ہے آج آپ کو کتنے ہی ایسے ملک نظر آئیں گے جو ان کی سیاحت اور ملکی پالیسیوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں کہ ان کی اقتصادی زندگی کا تمام دار و مدار انھیں سود خوروں کے امدادی اور سودی قرضوں پر ہے ان مسائل کا حل چونکہ ان کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کے خلاف ہے اس لئے وہ ان کو دنیا پر اس طرح معلق کئے ہوئے ہیں کہ آج ان کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک اپنی داخلی بے چینیوں اور اطمینانیوں اور مایوسیوں کا شکار ہو کر موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج پوری دنیا پر سیاسی بے اطمینانی اور اقتصادی بے چینی کا جو مہم بادل چھایا ہوا ہے وہ دراصل سود خوروں کا مسلط کیا ہوا ہے جس سے کوندے والی برق کسی بھی لمحہ بنی نوع انسان کے پورے وجود کو بھسم کر سکتی ہے۔

سود کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب: بعض پڑھے لکھے لوگ اس شبہ میں بھی مبتلا ہیں کہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ایک خاص قسم کا ربا تھا جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے کسی سے قرض لے لیتا تھا اور قرض خواہ اس پر ایک متعین نفع (سود) لیا کرتا تھا یہ بے شک ایک سنگدل کی بات تھی کہ کوئی شخص کسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کی بجائے الٹا اس کی مصیبت سے فائدہ اٹھائے قرآن نے سود کی اس صورت کو حرام قرار دیا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حرمت کا اطلاق آج کے زمانہ میں بھی سود کی اس صورت پر ہو سکتا ہے جو مہاجنوں اور دوسرے سود خوروں کے ہاں شخصی اور انفرادی طور پر رائج ہے۔ کہ کوئی ضرورت مند و غریب اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے (خواہ کوئی چیز رہن و گروی رکھ کر یا اور کسی اعتماد پر) ان سے قرض لیتا ہے اور اس پر حسب شرط و تعین سود ادا کرتا ہے لیکن آج کل تجارتوں، بینکوں، کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کے ذریعہ جو سودی کاروبار ہوتا ہے اس کی صورت بالکل مختلف ہے جس کی وجہ سے اب سود دینے والے مصیبت زدہ لوگ نہیں رہے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تجارتیں جو غریبوں سے سود لینے کی بجائے خود ان کو دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غریبوں کا ہی فائدہ ہے کہ بہت سے قلیل سرمایہ والے لوگ مذکورہ بالا ذرائع سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ لہذا موجودہ دور کے تجارتی سود پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے جواب کے سلسلہ میں پہلے تو ایک بنیادی بات یہ جان لینی چاہئے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کا تعلق اصول اور کلیہ سے ہوتا ہے جو نیات اور اقسام کے اختلاف سے اس حکم کے نفاذ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ شریعت نے جس چیز کو اصولی طور پر حرام قرار دیا ہے وہ چیز اپنے تمام اجزاء اور اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہوگی۔ یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس چیز کے کسی جز یا کسی قسم کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کر دے یا اس حکم کے اطلاق کو بلا کسی شرعی دلیل کے مقید و محدود کر سکے اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ اس حرمت کا تعلق اس شراب سے ہے جو پہلے زمانہ میں خراب قسم کے برتنوں میں سزا کر بنائی جاتی تھی۔ اب تو چونکہ صفائی تھرائی کا بڑا

اہتمام ہے مشینوں کے ذریعہ سب کام ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی شرابیں بنتی ہیں لہذا موجودہ دور کی شراب پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اسلامی شریعت کا ذرا سا بھی علم نہ رکھتا ہو یا اسلامی شریعت کے مزاج سے قطعاً واقف ہو۔ اس کے علاوہ اس پر بھی غور کیجئے کہ اس طرح احکام قرآن کو اپنے خیالات کے تابع کرنے کا دروازہ کھل جائے تو پھر کس چیز کی حرمت باقی رہ جائے گی قمار جو اچوری ڈاکہ زنا فواحش ان میں سے کون سی برائی ایسی ہے جس کی موجودہ صورت پہلے زمانہ کی صورت سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ان سبھی برائیوں کو جائز کہنا پڑے گا۔ لہذا جب محض چولہ بدلنے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلا کرتی تو کوئی بھی برائی خواہ وہ کتنی صورت اختیار کرے اس کا حکم بھی کسی حال میں نہیں بدلے گا۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب ربا کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا۔ قرآن کریم میں ربا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی کئی آیتوں میں آیا ہے اور چالیس سے زائد احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی ہے ان میں سے کسی ایک جگہ کسی ایک لفظ میں بھی یہ اشارہ نہیں ہے کہ حرمت کا یہ حکم کسی خاص صورت یا کسی خاص مصلحت کے پیش نظر ہے۔ حرمت ربا کی کسی بھی آیت یا کسی بھی حدیث سے یہ اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حرمت صرف اس ربا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے بلکہ اگر اس مسئلہ پر تاریخی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرے سے یہ خیال ہی غلط ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سود کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی مصیبت زدہ شخص یا غریب آدمی اپنی ضرورت پوری کرے کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرتا تھا، اور تجارتی معاملات کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہیں تھا بلکہ آیات ربا کا نشان نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت ربا کا جب نزول ہوا ہے تو اس وقت شخصی اغراض کے لئے سودی لین دین کے علاوہ تجارتی معاملات کے لئے بھی سود کا لین دین رائج تھا کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ لوگ تھے جو تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت خالدؓ ابن ولید کے بارہ میں امام بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شرکت میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا لین دین طائف کے بنو ثقیف کے ساتھ تھا حضرت عباسؓ کی ایک بڑی رقم سود کے طور پر بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی انہوں نے بنو ثقیف سے اپنی سابقہ رقم کا مطالبہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے قرآن کے اس حکم کے تحت کہ ربا حرام قرار دے دیا گیا ہے، اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اپنی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دے دیا جس کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی یوں فرمایا کہ۔

وَرَبَّنَا الْجَاهِلِيَّةَ مَوْضِعُ وَأَوَّلُ رَبَّنَا أَصْغَرُ مِنْ رَبَّنَا رِبَا عِبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔

”زمانہ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں اپنے سودوں میں سے چھوڑتا ہوں عباسؓ ابن عبدالمطلب کا سود ہے“

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ کے ساتھ اور ایک خاندان کے ساتھ سودی لین دین تھا پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ جن قبائل یا خاندان کے باہمی سودی لین دین کا ذکر منقول ہے وہ کسی فوری ضرورت یا مصیبت کے تحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ اس انداز سے تھا کہ ان کے درمیان یہ لین دین کاروباری اور تجارتی حیثیت سے مسلسل جاری تھا جیسے ایک تاجر دوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، بلکہ سودی کاروبار کرنے والے لوگ ”ربا“ کو بھی ایک قسم کی تجارت ہی سمجھا کرتے تھے جس کی تردید قرآن کو کرنی پڑی اور خرید و فروخت کے معاملات کو سود ہی کی ایک قسم سمجھنے والوں کے لئے سخت تہدید و وعید نازل ہوئی۔

اب رہی یہ بات کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں اپنی رقموں پر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ تو یاد رکھئے کہ یہی وہ حسین فریب ہے جس کی بنیاد پر یورپین اقوام نے سود جیسی بدی اور ہمیشہ کی مسلم لعنت کو کاروبار کا ایک خوب صورت جامہ پہنایا اور عوام نے اس فریب میں مبتلا ہو کر سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی پونجی کو بینکوں کے حوالہ کر دیا اس طرح پوری قوم کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آگیا، اور ادھر اس سرمایہ کو بڑے بڑے تاجروں اور بیوپاریوں نے بینکوں سے بطور قرض لیکر اپنے اپنے کاروبار کو وسعت دی

اور اس سے جو عظیم الشان نفع حاصل ہوا اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنی تجویروں میں بھر لیا بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ پوری قوم کے ان لوگوں کو بانٹ دیا جنہوں نے اپنی پونجی بینک کے حوالہ کی تھی اس طرح سرمایہ دار نے تو اپنے دس ہزار روپیہ سے ایک لاکھ روپیہ کمالیا اور بے چارے غریبوں کے حصہ میں کیا آیا؟ صرف چند ٹکے اب بتائیے کہ ان بینکوں سے بھی اصل فائدہ کسے حاصل ہوا سرمایہ دار کو یا غریب کو؟ فریب خوردہ غریب تو اس موقع فائدہ سے بھی محروم رہا جو وہ اپنی پونجی کو بینک کے حوالے کر دینے کی بجائے کسی چھوٹی موٹی تجارت میں لگا دینے سے حاصل کرتا اسے تو اتنی بھی سہولت نہ ملی کہ وہ بینک سے کوئی بڑی رقم قرض لے کر کاروبار کر سکتا کیونکہ بینک تو کسی غریب کو پیسہ دینے سے ربا، وہ تو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ساکھ والوں کو قرض دیتا ہے لیکن اس کے برخلاف سرمایہ دار نے بینک سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس نے بینک سے بڑی بڑی رقمیں قرض کے نام پر لیں ان رقموں سے تجارت و صنعت کی بڑی بڑی منڈیوں پر اپنا اجارہ، جمایا اور ہر قسم کے کاروبار پر قابض ہو گیا۔ کسی کم سرمایہ والے کو مقابلہ و مسابقت (competition) کے ذریعہ تجارت کے کسی میدان میں جمنے نہیں دیا۔ اور انجام کار تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے فائدہ مند اور ترقی کا ذریعہ تھا چند مخصوص لوگوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اور پھر آخر میں جا کر اس سودی کاروبار کی تان غریبوں ہی پر اس طرح ٹوٹی کہ جب تجارت کے اڈوں پر مخصوص سرمایہ دار ناگ بن کر بیٹھ گئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم و کرم پر رہ گئے، جس کا نتیجہ وہ ہے جو آج ہر جگہ سامنے آرہا ہے کہ سامان معیشت میں روز بروز گرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے اور اشیاء کی قیمتیں اس طرح چڑھ رہی ہیں کہ حکومتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود قابو میں نہیں آ رہی ہیں۔ اور انجام کار فریب خوردہ عوام کو سود کے نام پر جو چند ٹکے ملے تھے ان کے نتیجہ میں سامان معیشت دو گنی تنگی قیمتوں تک پہنچا تو ان غریبوں کی جیب سے سود کے وہ چند ٹکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے لہذا بینکوں اور تجارتی اداروں کے سودی کاروبار کے اس فریب کا پردہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ سودی کاروبار کا عام نتیجہ کسی بھی طرح غریبوں کے حق میں مفید نہیں ہوتا بلکہ یہ درحقیقت پوری قوم کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں بے پناہ اضافہ کا ذریعہ ہے اور یہی وہ معاشی بے اعتدالی اور اقتصادی تباہ کاری ہے۔ جو پوری قوم اور پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے اس لئے اسلام نے سود کے ہر طریقہ اور ہر ذریعہ پر قدغن لگائی ہے خواہ وہ انفرادی و شخصی اغراض کے لئے قرض لینے کی صورت میں ہو یا اجتماعی تجارت اور بینکوں کے کاروبار کی شکل میں کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں غریب کا خون سود خواروں کی غذا بنتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرَى بَيْنَ عَلِيٍّ قَوْمٍ يُظْطَوْنَهُمْ كَالْبَيْوُتِ

فِيهَا الْحَيَاتُ تُتْرَى مِنْ خَارِجٍ يُظْطَوْنَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ گھروں مکانوں کی مانند (بڑے بڑے) تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے بھی نظر آ رہے تھے، میں نے انہیں دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ جبریل علیہ السلام! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔“ (احمد، ابن ماجہ)

سود خور پر آپ ﷺ کی لعنت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ أَكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَمَنَاعِ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهَى

عَنِ النَّوْحِ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سارے سود لینے والے سود دینے والے سود کا تمسک لکھنے والے، سود کا حساب کتاب لکھنے والے، اور صدقہ سے منع کرنے والے پر لعنت فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ نوحہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: صدقہ سے منع کرنے والے سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کو صدقہ و خیرات کرنے سے منع کرے اور روکے چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے یا پھر اس سے وہ شخص مراد ہے جو واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو۔ کسی مردہ شخص کے اوصاف بیان کر کے اور چلا چلا کر رونا ”نوحہ“ کہلاتا ہے چونکہ یہ ایک انتہائی نازیبا اور خلاف وقار و دانش فعل ہے اس لئے شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔

ربا کی تشریح کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد

(۲۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ أَخْرَجَ مَا تَرَكْتُ آيَةَ الرِّبَا وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِضَ وَلَمْ يَفْسَرْهَا لَنَا فَدَعَا الرِّبَا وَالرِّبَاةَ - (رواہ ابن ماجہ و الداری)

”اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو چیز نازل ہوئی ہے یعنی قرآن کریم اس کا معاملات سے متعلق جو حصہ سب سے آخر میں نازل ہوا ہے وہ ربا کی آیت ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی لہذا سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شک و شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔“ (ابن ماجہ و الداری)

تشریح: یہ بات ابتداء میں بتائی جا چکی ہے کہ سود کی مروجہ شکل یعنی قرض و ادھار پر متعین نفع لینا اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور لوگوں میں اس طرح کے سود کا بہت زیادہ رواج تھا چنانچہ قرآن کریم نے جب ربا کی حرمت بیان کی اور آیت ربا نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حرمت کے اس حکم کو نہ صرف اس وقت کے رائج و متعارف سود پر نافذ کیا بلکہ ربا کے مفہوم کو وسعت دیکر اشیاء کے باہمی لین دین اور خرید و فروخت کی بعض صورتوں کو بھی ربا کے حکم میں داخل فرمایا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے لیکن صورت یہ ہوئی کہ آیت ربا نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اس دنیا میں بہت کم عرصہ تشریف فرما رہے اس تھوڑی مدت میں دیگر دینی و ضروری مصروفیات میں اتنا انہماک رہا کہ آپ ﷺ نے لین دین کی ان صورتوں کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ واصل جی ہو گئے چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد میں تفصیل سے مراد انہیں صورتوں کی تشریح و تفصیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گہیوں، جو، کھجور، نمک) کے باہمی لین دین کی بعض صورتوں کو ربا کے حکم میں داخل فرمایا تھا۔ آیا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائیں اور بقیہ چیزوں کو قیاس و اجتہاد پر موقوف رکھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ ابن حنبلؒ نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بنایا اور دوسری چیزوں کو بھی اس ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا، اس کی تفصیل بھی گذشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے۔

حاصل یہ کہ نزول قرآن سے سود کا ایک مخصوص معاملہ یعنی قرض دے کر اس پر نفع لینا عربی زبان میں لفظ ”ربا“ کے ساتھ متعارف چلا آ رہا تھا اور پورے عرب میں اس کا رواج تھا چنانچہ اہل عرب صرف اسی خاص معاملہ کو ”ربا“ کہتے اور سمجھتے تھے اسی ”ربا“ کو قرآن کریم نے حرام فرمایا۔ لہذا ”ربا“ کی اس صورت میں نہ کوئی ایہام تھا نہ اجمال اور اسی لئے جب قرآن کریم نے ”ربا“ کی حرمت کا ذکر کیا تو نہ کسی کو اس کے سمجھنے میں دقت ہوئی اور نہ کسی کو اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا بھی تاثر و تردد ہوا۔ البتہ جب رسول ﷺ نے

بشارات وحی الہی ”ربا“ کے مفہوم میں اور چند معاملات کا اضافہ فرمایا تو چونکہ وہ معاملات اہل عرب کے متعارف مفہوم سے الگ اور ان کے مروجہ سود سے ایک زائد چیز تھی اور پھر اتفاق کی بات کہ آنحضرت ﷺ ربا کے اس وسیع مفہوم کی تفصیلات پوری تشریح کے ساتھ بیان فرمانے سے پہلے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروق اعظمؓ کو کچھ اشکالات پیش آئے بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ربا کی جو صورتیں بالکل واضح اور متعین ہیں جیسے مروجہ سود یا اشیاء کے باہمی لین دین کی وہ صورتیں جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادی ہیں ان کو بھی ترک کر دو اور ان سے مکمل اجتناب کرو اور جس چیز میں سود کا شبہ اور شائبہ بھی محسوس ہو جائے ازراہ ورع و احتیاط اسے بھی چھوڑ دو اور اس سے پرہیز کرو۔

ایک شبہ اور غلط فہمی: سود کے بارے میں بعض لوگوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد کو اڑھنایا جو سود کی اس خاص قسم کے بارہ میں تھا جس کا مروجہ سود کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں یعنی چھ چیزوں کا باہمی بیع و شراء اور لین دین ان لوگوں نے اس ارشاد کا یہ نتیجہ نکالا کہ ”ربا“ کی حقیقت ہی مبہمہ رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق علماء اور فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ان کا اپنے اجتہاد تھا۔ لیکن جیسا کہ ابھی اوپر بتایا گیا حضرت فاروق اعظمؓ کو ربا کی صرف اس قسم کے بارہ میں تردد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ سے ثابت نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ اس کی حرمت کو بیان فرمایا تھا اور وہ چھ چیزوں کی آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ تھا جو سود آج کل رائج ہے اور جو ایام جاہلیت میں بھی عام تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ زمانہ جاہلیت ہی سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے۔ پھر اس ارشاد کہ ان چھ چیزوں کے سود کے بارہ میں حضرت عمرؓ کو جو اشکال پیش آیا وہ بھی اس بات میں نہیں تھا کہ انہیں ان چھ چیزوں کے لین دین میں سود کو حرام سمجھنے میں تردد تھا بلکہ اشکال صرف یہ تھا کہ یہ حکم شاید ان چھ چیزوں (یعنی سونا، چاندی اور گہیوں وغیرہ) تک ہی محدود نہ ہو۔ بلکہ اس کے حکم کا دائرہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء تک بھی وسیع ہو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم فرمایا ہے دیگر اشیاء کے لین دین میں وہی صورتیں اختیار کر کے سود میں مبتلا ہو جائیں جنہیں آپ ﷺ نے چھ چیزوں کے لئے واضح طور پر ربا کہا ہے اس تردد کے پیش نظر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سود کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو بھی قطعاً چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ تک نہ پایا جائے لہذا یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اشکال کا نتیجہ تو یہ ظاہر فرمایا کہ مخصوص چیزوں میں بھی ایسے معاملات سے پرہیز کیا جائے جن میں سود کا شبہ بھی پایا جائے اور ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا تعلق اس سود کی اس مخصوص قسم سے منقطع کر کے عام سود و ربا کے معاملات سے جوڑ دیا اور پھر اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مزید ستم یہ کیا کہ محض اپنی نا فہمی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی روشنی میں سرے سے سود کی حرمت ہی کو ایک مشتبہ مسئلہ قرار دے دیا۔

قرض خواہ، قرض دار کا کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے

(۲۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْذَى إِلَيْهِ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّائِبَةِ فَلَا يَزِرْ كِتْبَهُ وَلَا يَقْبَلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرَى يَنْتَهَى وَيَنْتَهَى قَبْلَ ذَلِكَ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ بَيْهَقٍ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس قرض دینے والے کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے کوئی جانور دے تو وہ قرض دینے والا نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے ہاں اگر قرض دینے والا اور قرض لینے والا دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ یا سواری کے جانور کا لینا دینا جاری ہو تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اپنے قرض دار سے تحفہ و ہدیہ کے طور پر کوئی بھی چیز قبول نہ کرے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس

صورت میں سود کا اشتباہ ہو سکتا ہے کیونکہ قرض خواہ کو قرض کے ذریعہ جو بھی منفعت حاصل ہوتی ہے وہ سود کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر قرض کے لین دین سے پہلے ہی سے دونوں کے تعلقات کی نوعیت یہ ہو کہ ان کا آپس میں تحفہ تحائف لینے دینے کے رسوم جاری ہوں تو پھر اس صورت میں قرض لینے کے بعد بھی قرض دار کوئی چیز قرض خواہ کے پاس بھیجے تو قرض خواہ اسے قبول کر سکتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں قرض دار اگر کوئی چیز بطور تحفہ و ہدیہ قرض خواہ کو دے گا تو اس کا وہ دینا قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہیں ہو گا بلکہ اپنے سابقہ تعلقات اور پہلے سے جاری رسوم کی بنیاد پر ہو گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کچھ قرض دے رکھا تھا چنانچہ ایک دن جب وہ اپنے قرض دار کے ہاں تقاضہ کے لئے گئے تو اس وقت بڑی سخت دھوپ اور گرمی کی شدید پیش تھی انہوں نے چاہا کہ جب تک قرض دار گھر میں سے نکل کر آئے میں اس کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑا ہو جاؤں مگر معاف انہوں نے سوچا کہ اگرچہ شرعی طور پر اس کی ممانعت نہیں ہے مگر تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ میں اس کی دیوار کے سایہ سے بھی فائدہ حاصل نہ کروں چنانچہ وہ قرض دار بہت دیر کے بعد گھر میں سے نکلا اور حضرت امام صاحبؒ اس وقت تک دھوپ ہی میں کھڑے رہے یہ گویا ان کی احتیاط کا درجہ کمال تھا کہ انہوں نے اپنے قرض دار کی دیوار کے سایہ سے بھی اجتناب کیا۔

مالا بدمنہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو قرض قرض خواہ کو نفع پہنچانے کا سبب بنے وہ ”ربا“ ہے لہذا قرض خواہ اپنے قرض دار کی دعوت بھی قبول نہ کرے ہاں اگر قرض سے پہلے سے دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی دعوت میں آنے جانے کا معمول چلا آ رہا ہو تو پھر اس صورت میں دعوت قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے قرض خواہ کے لئے اپنے قرض دار کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

(۲۶) وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَأْخُذْ هَدِيَّةً - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ هَكَذَا فِي الْمُنْتَقَى -

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے قرض دار سے بطور تحفہ بھی کوئی چیز قبول نہ کرے امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے نیز المنتقی میں بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔“

(۲۷) وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ إِنَّكَ بَارِضٌ فِيهَا الزَّيْبَ فَاشْ فَإِذَا كَانَ لَكَ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْدِي إِلَيْكَ جَمْلَ بَيْنٍ أَوْ جَمْلَ شَعِيرٍ أَوْ حَبْلَ قَتٍ فَلَا تَأْخُذْهُ فَإِنَّهُ رِبَا - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو بردہؒ ابن ابی موسیٰ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہؓ ابن سلام (صحابی) سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسی سرزمین پر ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے لہذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو یعنی کوئی تمہارا قرض دار ہو اور وہ تمہیں بھوسے کا ایک گھڑ یا جو کی ایک گٹھری، یا گھاس کا ایک گٹھا بھی تحفہ کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ کُلُّ قَرْضٍ جَوْ نَفْعًا فَهُوَ رِبَا (یعنی ہر قرض جس میں نفع لیا جائے سود ہے) کے اصول کے تحت ہر وہ قرض جس میں کوئی نفع مشروط ہو ”ربا“ ہے اسی طرح قرض دینے والے کو قرض لینے والے سے قرض کے دباؤ یا قرض کی رعایت سے جو بھی نفع حاصل ہو گا وہ سود ہو گا۔

مسئلہ: اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے قرض کی ادائیگی سے پہلے کوئی نفع حاصل کرے تو دیکھا جائے گا کہ وہ نفع موعود و مشروط ہے یا نہیں؟ اگر وہ نفع موعود و مشروط ہو گا تو اس صورت میں اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں یعنی وہ نفع سود کے حکم میں ہو گا اور اگر وہ نفع موعود و مشروط نہیں ہو گا تو پھر اس کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام محمدؒ تو جواز کے قائل ہیں مگر ایک جماعت

ممانعت کی طرف مائل ہے مگر بات یہی ہے کہ اگر وہ نفع قرض کے دباؤ قرض کی رعایت کی وجہ سے ہو گا یا مہلت و تسامح کی بناء پر حاصل ہو گا تو بہر حال ناجائز ہے ہاں اگر مروت و احسان یا سابقہ تعلقات و مراہم کے تحت ہو گا تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

قرض میں لزوم مدت سے منع فرمایا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تعین مدت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض ایک متعین مدت کی شرط کے ساتھ لیا یا جائے گا تو وہ مدت بحیثیت شرط تو لازم ہوگی مگر بحیثیت قرض لازم نہیں ہوگی۔ اگر قرض خواہ اس مدت سے پہلے اپنا قرض طلب کرے تو اسے یہ حق ہے اور قرضدار کو چاہئے کہ وہ حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرے۔

اگر کوئی شخص کسی کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کر دے کہ میرا یہ قرض فلاں شہر میں ادا کرنا تو یہ شرط بطریق لزوم ناجائز ہوگی۔

بعض لوگ سودی بنکوں میں اپنا روپیہ بطور امانت جمع کر دیتے ہیں اور اس کا نفع و سود نہیں لیتے چونکہ جو روپیہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے وہ یقینی طور پر بعینہ محفوظ نہیں رہتا بلکہ کاروبار میں لگا رہتا ہے اس لئے وہ امانت نہیں رہتا بلکہ قرض ہو جاتا ہے گو اس شخص نے سود نہیں لیا مگر اس نے ایک طرح سے قرض کے ذریعہ سود لینے والوں کی اعانت کی اور سود لینے والوں کی اعانت بھی گناہ ہے اس لئے اپنے روپیہ کو بینک میں داخل کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوعِ جن بیعوں سے منع کیا گیا ہے ان کا بیان

شریعت اسلامی نے خرید و فروخت کے بعض معاملات اور لین دین کی کچھ صورتوں سے منع کیا ہے اسی طرح کچھ چیزیں اور اشیاء ایسی ہیں جن کی خرید و فروخت شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہے پھر بعض معاملات اور بعض چیزوں کی ممانعت و نہی بطریق حرمت (یعنی ان معاملات اور ان چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ سے) ہے جیسے بیع باطل اور بیع فاسد کی ممانعت اور بعض ممانعت کا تعلق محض کراہت سے ہے جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ممانعت۔

چنانچہ خرید و فروخت کے جن معاملات یا جن چیزوں کی خرید و فروخت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ معاملات یا وہ چیزیں شریعت کی نظر میں حرام ہیں ان کی حنفی مسلک کے مطابق دو قسمیں ہیں ① بیع فاسد ② بیع باطل۔

بیع فاسد! خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو اصول بیع کے پائے جانے کی وجہ سے تو یہ صحیح ہو جاتا ہے مگر بیع کے صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں ان میں سے بعض شرطوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ معاملہ جائز نہیں رہتا اس لئے ایسے معاملہ کو ختم کر دینا ہی ضروری ہوتا ہے اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مشروع بنفسہ اور ممنوع بوصفہ کہا جاتا ہے یعنی ایسی بیع باعتبار اصول مشروع و صحیح ہے اور باعتبار مشروع و اوصاف ممنوع ہے۔

بیع باطل! خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ معاملہ نہ تو اصول بیع کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے اور نہ باعتبار شروط و اوصاف جائز ہوتا ہے۔

مناسب ہے کہ اس ضمن میں کچھ مسائل ذکر کر دیے جائیں جن سے نہ صرف مذکورہ بالا اقسام کی تعریفات سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ باب کے موضوع کے اعتبار سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

اگر بیع (یعنی بیچی اور خریدی جانے والی چیز) شرعی اعتبار سے ”مال“ نہ ہو جیسے خون، مردار، آزاد شخص، اُم الولد، مکاتب، پیشاب اور بالکل نکی چیز تو ایسی کسی بھی چیز کی بیع ”باطل“ ہے اسی طرح بیع مال تو ہو مگر مقوم نہ ہو جیسے شراب اور سور (خنزیر) تو اس کی بیع اس صورت میں تو باطل ہوگی جبکہ اسے روپے کے عوض فروخت کیا جائے اور اگر اس کی بیع اسباب کے عوض کی جائیگی تو اس صورت میں

اسباب کی بیع تو فاسد ہوگی اور اس مال غیر مقوم کی بیع باطل ہوگی۔

”بیع باطل“ اور ”بیع فاسد“ میں فرق یہ ہے کہ بیع باطل میں تو بیع (بیچی جانے والی چیز) شرعی نقطہ نظر سے مشتری یعنی خریدار کی ملکیت میں سرے سے آتی ہی نہیں جبکہ بیع فاسد میں بیع قبل قبضہ تو کوئی حکم نہیں رکھتی مگر بعد قبضہ بطور حرام مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور نقد سے اس کی قیمت کی ادائیگی اس کے ذمہ ضروری ہوتی ہے لیکن قبضہ کے بعد بھی اس بیع کو فسخ کر دینا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ بیع بعینہ خریدار کے پاس موجود ہو۔

جانور کے تھن میں دودھ کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ مشکوک الوجود ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ جانور کے تھن کی ظاہری حالت دیکھ کر اس میں دودھ کی موجودگی کا یقین کرایا جائے اور اس دودھ کی بیع کر دی جائے مگر بعد میں پتہ چلے کہ تھن میں سرے سے دودھ تھا ہی نہیں بلکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے تھن پھولا ہوا تھا ایسی صورت میں یہ فریب اور دھوکہ دہی کا معاملہ ہو جائے گا۔

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی بیعتنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ جانور ایسا نہ ہو، جو لوٹ پھر کر آجاتا ہو جیسے کبوتر تو اس کو ہوا میں اڑتے ہوئے بھی بیعتنا درست ہے اسی طرح اس مچھلی کی بیع بھی ناجائز ہے جو ابھی پکڑی نہ گئی ہو بلکہ پانی مثلاً دریا وغیرہ ہی میں ہو یا پکڑی جا چکی ہو مگر پھر اسے کسی ایسے حوض وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو جس میں سے اسے بغیر جال وغیرہ کے پکڑنا ممکن نہ ہو ایسے ہی لونڈی یا جانور کا حمل، وہ موتی جو سیپ میں ہو اور جانور کے ذبح ہونے اور کٹنے سے پہلے اس کے گوشت کی بیع کرنا جائز نہیں ہے سور (خنزیر) کے بالوں کی بیع کرنا بھی جائز نہیں ہے البتہ ان بالوں سے فائدہ اٹھانا مثلاً گون یعنی غلہ وغیرہ بھر کر جانور کی پیٹھ پر لادے جانے والے تھیلے اور بورے کو سینے کے مصرف میں لانا جائز ہے۔ لیکن آدمی کے بالوں کی بیع بھی ناجائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ہے۔

جو بیع آپس کے نزاع کا باعث بنتی ہو وہ فاسد ہے جیسے بکری وغیرہ کی پیٹھ پر اس کی چشم کی بیع، یا چھت میں لگی ہوئی کڑی کی بیع، یا ایک بڑے کپڑے میں سے ایک گز کپڑے کی بیع، یا ایسی بیع کرنا جس میں ادائیگی قیمت کی مدت کو مجہول رکھا جائے مثلاً یوں کہے کہ جس روز بارش برے گی یا جس روز تیز ہوا چلے اس روز اس کی قیمت ادا کروں گا۔ لیکن اگر ان تمام صورتوں میں خریدار نے بیع کو فسخ نہ کیا اور بیچنے والے نے خریدار کو دینے کے لئے چھت میں سے کڑی کو جدا کر دیا یا بڑے کپڑے میں سے گز بھر کپڑا جدا کر دیا خریدار نے ادائیگی قیمت کی مدت مجہول کو موقوف کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

شرط فاسد کے ساتھ کی جانے والی بیع فاسد ہوتی ہے اور شرط فاسد اسے کہتے ہیں جو اقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں یا بیچنے والے کا فائدہ ہو جیسے بیچنے والا یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ مکان بیچا مگر ایک ماہ تک میں اسی مکان میں رہوں گا یا خریدار کا فائدہ ہو جیسے خریدار یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ کپڑا خرید لیا لیکن یہ کپڑا مجھے سی کر دے (بیچی جانے والی چیز) کا فائدہ ہو جب کہ انسان یعنی غلام و لونڈی ہو اور وہ نفع کا مستحق ہو جیسے بیچنے والا خریدار سے کہے کہ اس غلام کو آزاد کر دینا یا اس غلام کا نکاح کر دینا، اس قسم کی شرطیں فاسد ہیں ان کی وجہ سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

خریدار کی ملکیت کی شرط کرنا چونکہ اقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہے اس لئے فاسد نہیں اسی طرح اگر کوئی تاجر مثلاً کوئی کپڑا بیچتے ہوئے خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس کپڑے کو فروخت نہ کرنا تو یہ شرط اگرچہ اقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس شرط میں کسی کی بھی منفعت نہیں ہے اس لئے یہ شرط فاسد نہیں ہوگی، نیز گھوڑا بیچنے والا اگر خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس گھوڑے کو فروغ کرنا اگرچہ اس شرط میں بیع کی منفعت ہے لیکن بیع چونکہ انسان نہیں کہ وہ نفع کا مستحق ہو اس لئے یہ شرط بھی فاسد نہیں یہ شرط لغو و ساقط ہوگی اور بیع صحیح ہو جائے گی۔

بیع فاسد و باطل کی مزید تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے ان کو جاننا چاہئے تاکہ خرید و فروخت کے ان معاملات سے جو شریعت کی نظر

میں ناقابل اعتبار ہیں اور جن کا آج کل بہت رواج ہے اجتناب کیا جاسکے۔ اس موقع پر چند دیگر مسائل کی وضاحت بھی ضروری ہے مثلاً: بیچنے والے کی طرف سے بیع کے ناپ تول میں کمی یا خریدار کی طرف سے قیمت میں کثوتی حرام ہے جس طرح بیچنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیع کو پورا پورا ناپ تول کر دے اسی طرح خریدار کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو قیمت طے ہو چکی ہے اس میں ادائیگی کے وقت کمی نہ کرے جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کے بارہ میں قرآن کریم نے یوں تنبیہ فرمائی ہے۔

وَالَّذِينَ يَمْتِطِفِينَ بَرِّی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی انج۔

بیع کی قیمت دیون معجلہ اور مزدوروں کی ادائیگی میں بلاعذر تاخیر کرنا حرام ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”غنی (صاحب استطاعت) کی طرف سے (ادائیگی مطالبہ میں) تاخیر ظلم ہے لہذا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔“ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی کا دین (مطالبہ) ادا کرتے تو مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے مقدار واجب اگر آدھا وسق ہوتی تو اس کی بجائے ایک وسق دیتے اور اگر ایک وسق واجب ہوتا تو اس کی بجائے دو وسق عطا کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ تو تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے (عطاء) ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس طرح مقدار واجب سے زیادہ دینا سود کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ سود تو اس وقت ہوتا ہے جب اس زیادتی کو پہلے سے مشروط کر دیا گیا ہو، بغیر شرط زیادہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔

معاملات میں عہد شکنی مکرو فریب اور جھوٹ کی آمیزش کسب حلال کو بھی حرام کو دیتی ہے لہذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے بازار میں ایک دوکان پر رکھے ہوئے گہیوں کے ایک ڈھیر کو دیکھا اور جب آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں اپنا دست مبارک ڈالا تو اندر سے گہیوں تر معلوم ہوئے، آپ ﷺ نے دکاندار سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ان گہیوں تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے پاندر کی جانب سے گیلے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر تم نے ان گیلے گہیوں کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا (تاکہ کوئی لاعلم شخص ان کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جائے) یاد رکھو جو شخص مسلمانوں کو فریب دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بیع مباحثت (قیمت خرید پر نفع لے کر بیچنے کی صورت) اور بیع تولیت (قیمت خرید پر بلا نفع بیچنے کی صورت) میں خریدار کے سامنے پہلی قیمت، (یعنی جس قیمت پر خود بیچنے والے نے خرید اہو) کو بلا کم و بیش ظاہر کر دینا واجب ہے۔ اگر بیچنے والے نے بیع پر قیمت کے علاوہ کچھ اور مثلاً مزدوری، ڈھلائی اور چنگی وغیرہ کا خرچ برداشت کیا ہو تو اس کو بھی قیمت کے ساتھ ملا لے اور خریدار سے یوں کہے کہ اس چیز پر میرے اتنے روپے خرچ ہوئے ہیں یہ نہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے روپے میں خریدی ہے تاکہ جھوٹا نہ بنے۔

اگر کسی شخص نے ایک کپڑا مثلاً دس روپے میں بیچا اور هنوز خریدار نے بیچنے والے کو وہ دس روپے ادا نہیں کئے تھے کہ بیچنے والے نے پھر وہی کپڑا خریدار سے پانچ روپے میں خرید لیا اس کپڑے کو ایک اور کپڑے کے ساتھ دس درہم میں خرید اتو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ سود کے حکم میں آجائے گی۔ بیع پر قبضے سے پہلے تصرف جبکہ بیع منقول ہو حرام ہے، چنانچہ منقول چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

کسی شخص نے ایک کیلی چیز (جو بیٹانہ میں ناپ کر لی جاتی ہو) بشرطیکہ کیلی خریدی اور بیچنے والے سے وہ چیز بیٹانہ میں نپوا کر لے لی، اور پھر اسی چیز کو اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ بشرط کیلی بیچی تو اب اس دوسرے خریدار کے لئے ضروری ہے کہ جب تک وہ خود بھی اس پہلے خریدار سے اس چیز کو بیٹانہ میں نپوانے لے، نہ تو اس چیز کو اپنے تصرف میں لائے اور نہ کسی اور کے ہاتھ بیچے کیونکہ پہلا ناپ کافی نہیں ہے۔ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو پھر ناپ لیا جائے کہ مبادا وہ چیز بیٹانہ میں کچھ زائد نکلے اور وہ بالغ کامل نہ ہو۔

اگر ایک مسلمان کسی چیز کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہوئے ایک نرخ متعین کرتا ہے یا ایک مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو تاوقتیکہ اس کا معاملہ طے یا موقوف نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا معاملہ کرے یا اپنا

پیغام بھیجے۔ بوقت اذان جمعہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سچی واجب (یعنی نماز جمعہ کی ضروری تیاریوں) میں خلل آتا ہے اگر متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو جس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اس کی اذان سے بیع ترک کرے۔ اگر دو بڑے چھوٹے غلام آپس میں محرمیت کی قرابت رکھتے ہوں تو ان کی علیحدہ علیحدہ بیع کرنا مکروہ و ممنوع ہے اسی طرح اگر ایک ان میں سے چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تب بھی مکروہ و ممنوع ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ بیع ہی جائز نہیں ہوگی۔

مردار کی چربی بیچنا جائز نہیں ہے نجس کا تیل بیچنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں تو جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے ہاں جائز نہیں ہے، انسان کی غلاظت کی بیع جب کہ اس میں کچھ ملانہ ہو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر راکھ وغیرہ ملی ہوئی ہو تو جائز ہے حضرت امام اعظمؒ کے ہاں گوبر کا بیچنا بھی جائز نہیں اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔

بادشاہ و حاکم کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کر دیں۔ ہاں اگر تاجر غلہ و دیگر اشیاء کی گرانی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور عوام پریشانی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ تجربہ کار اور ماہرین کے مشورہ سے نرخ متعین کر دے۔

الفصل الاول

وہ بیوع جن سے منع کیا گیا ہے

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُرَابَنَةِ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرُ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا يَتَمَرُ كَيْلًا وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بَزْبِيبٍ كَيْلًا أَوْ كَانَ - وَعِنْدَ مُسْلِمٍ وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلٍ طَعَامٍ، نَهَى عَنْ ذَلِكَ كُلِّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا نَهَى عَنِ الْمُرَابَنَةِ قَالَ وَالْمُرَابَنَةُ أَنْ يَبِيعَ مَا فِي زَوْسِ النَّخْلِ يَتَمَرُ بِكَيْلٍ مُسْتَمْسَى إِنْ زَادَ قَلْبِي وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيْ - (بخاری و مسلم)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا میوہ (تازہ پھل) اگر وہ کھجور ہو تو خشک کھجوروں کے بدلے پیتانہ کے ذریعہ (مثلاً دس پیتانے کے بقدر) بیچے یعنی ایک شخص کے باغ میں تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں اور ایک دوسرے شخص کے پاس خشک کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو باغ والا شخص اس دوسرے شخص سے دس پیتانے بھر کر خشک کھجوریں لے لے اور اس کے عوض اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں اسی پیتانے کے مطابق اندازہ کر کے بیچ دے اور اگر میوہ انگور ہو تو اس کو خشک انگور کے بدلے پیتانہ کے ذریعہ بیچے (حاصل یہ کہ بیع مزابنہ کا مطلب ہے درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ کھجور ہو یا کوئی اور پھل، رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنا) اور مسلم میں یہ بھی ہے کہ اگر کھیتی ہو تو اس میں بیع مزابنہ کی شکل یہ ہے کہ اس کو غلہ کے عوض پیتانہ کے ذریعہ بیچے (یعنی کھیت میں کھڑی ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس گہوں رکھا ہوا ہے تو پہلا شخص اپنے کھیت میں کھڑے ہوئے گہوں کا اندازہ کر کے اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور اس کے عوض اس شخص سے وہ رکھا ہوا گہوں اپنے اندازے کے مطابق پیتانہ بھر کے لے لے) آنحضرت ﷺ نے بیع کی ان تمام قسموں سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے نیز فرمایا کہ بیع مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کو کسی شخص کو ہاتھ اس کے پاس رکھی ہوئی خشک کھجوروں کے عوض پیتانہ معین کرنے کے بیچے اور خریدار سے کہہ دے کہ اگر درخت کی کھجوریں (معین پیتانہ سے) زائد ہوں گی تو میری ہیں (یعنی میں اسے لے لوں گا) اور اگر کم نکلیں تو اس کا میں ذمہ دار ہوں (کہ اس کی کو میں پورا کر دوں گا)

تشریح: ”مزابنہ“ لفظ ”زبن“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”دفع کرنا“ دور کرنا بیع مزابنہ سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس بیع کی بنیاد قیاس اور اندازے پر ہوتی ہے اس میں فریقین کے لئے زیادتی اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے اس کی وجہ سے دونوں (یعنی بیچنے

والے اور خریدار کے درمیان نزاع و فساد بھی پیدا ہو سکتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے (دفعیہ اور دوری کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ یہاں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں مزانبہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جو عمومیت لئے ہوئے ہے۔ دوسری روایت میں مزانبہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیج مزانبہ کا تعلق صرف کھجور سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں بھی عمومیت ہی مراد ہے خاص طور پر کھجور کا ذکر محض تمثیل ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ أَنْ يَبْنَعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرْقٍ حَنْظَلَةٍ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يَبْنَعَ الثَّمَرُ فِي زُرُوسٍ التَّخْلُ بِمِائَةِ فَرْقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَاءُ الْأَرْضِ بِالْقُلْتِ وَالزُّبُعِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مخابرة، محاقلة اور مزانبہ سے منع فرمایا ہے اور محاقلة یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کو سو فرق گیہوں کے بدلے میں بیج دے اور مزانبہ یہ ہے کہ کوئی شخص درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو سو فرق رکھی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں بیج دے اور مخابرة یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کو ایک معین حصہ جیسے تہائی یا چوتھائی پر کاشت کے لئے دے دے۔“ (مسلم)

تشریح: ”فرق“ راء کے زبر کے ساتھ ایک پیانہ کا نام تھا جس میں سولہ رطل یعنی تقریباً سات سیر غلہ آتا تھا اور ”فرق“ راء کے ۱۰ رطل کے ساتھ اس پیانے کو کہتے تھے جس میں ایک سو بیس رطل غلہ آتا تھا، حدیث میں سو۱۰۰ فرق کا ذکر محض تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ کتنے سے پہلے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کو رکھے ہوئے گیہوں کے عوض بیچنا، محاقلة، کہلاتا ہے۔

یہی مفہوم گذشتہ حدیث میں ”مزانبہ“ کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے لیکن ”مزانبہ“ وسیع و عام کا حامل ہے کہ اس کا اطلاق میوؤں اور پھلوں پر بھی آتا ہے اور کھیتی اور غلوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ ”محاقلة“ کا استعمال صرف کھیتی اور غلوں ہی کے لئے کیا جاتا ہے اگرچہ بعض مواقع پر ”مزانبہ“ بھی صرف میوؤں اور پھلوں ہی کے بارہ میں استعمال ہوتا ہے۔

”مخابرة“ کا مطلب ہے کہ ”اپنی زمین کو تہائی پر کاشت کے لئے کسی دوسرے کو دیدینا“ مثلاً کوئی شخص اپنی زمین کسی دوسرے کو اس شرط کے ساتھ دے دے کہ اس زمین کو جو تالو بنا اور جو کچھ اس میں پیدا ہو اس میں سے تہائی یا چوتھائی مجھے دیدینا۔

حدیث بالا میں اس کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ اول تو یہ اجرت کی ایک شکل ہوتی ہے اور اس میں اجرت مجہول رہتی ہے۔ دوسرے حاصل ہونے والی چیز معدوم ہوتی ہے اور جو چیز معدوم ہوتی ہے اس کا کوئی معاملہ مقرر نہیں ہوتا۔ ”مخابرت“ کو ”مزارعت“ بھی کہتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”مخابرت“ کی صورت میں تو تخم و بیج کاشت کرنے والے کا ہوتا ہے اور ”مزارعت“ میں زمین کے مالک کا، مزارعت (اور مخابرت بھی) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حکم ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک درست ہے، حنفی مسلک میں فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع اور بہت زیادہ احتیاج کی چیز ہے اس کو جائز نہ رکھنے کی صورت میں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الشُّبَا وَرَخَّصَ فِي الْعَوَايَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محاقلة، مزانبہ، مخابرت، معاومت اور عوا یا سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عوا یا کی اجازت دی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: محاقلة، مزانبہ اور مخابرت کے معنی تو بیان کئے جا چکے ہیں ”معاومت“ کے معنی یہ ہیں کہ درختوں کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے ایک سال، دو سال، تین سال یا زیادہ مدت کے لئے فروخت کر دیا جائے اور ”عوا یا“ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر موجود (پھلوں

کو بیچا جائے لیکن ان میں سے ایک غیر معین مقدار مستثنیٰ کر لی جائے یعنی اسے نہ بیچا جائے۔

”عرایا“ جمع ہے ”عریت“ کی اور ”عریت“ کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک کسی محتاج و فقیر کو پھل کھانے کے لئے عاریتاً دیدے۔ ”عرایا کی اجازت دی ہے“ کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے باغ میں سے ایک درخت یا دو درخت کسی محتاج کو پھل کھانے کے لئے دیدیا کرتے تھے پھر جیسا کہ معمول تھا وہ (باغ کا مالک) اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب باغ میں آتا اور ان سب لوگوں کی موجودگی میں وہ محتاج آجاتا تو اپنے باغ میں ایک شخص کے آجانے کی وجہ سے ان کو کچھ کبیدگی ہوتی اس لئے اس محتاج کو وہ اس درخت کی بجائے اپنے پاس سے کچھ پھل دے کر رخصت کر دیتے اور اس درخت کا پھل خود رکھ لیتے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو روکا رکھا لیکن یہ پانچ وسق سے کم میں تو جائز ہے اس سے زیادہ میں درست نہیں جیسا کہ آگے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آجائے گا۔

(۴) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالثَّمَرِ إِلَّا أَنَّهُ رَخِصَ فِي الْغَرِيَّةِ أَنْ يُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطْبًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت سہل ابن ابی حاتمہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عریہ (کسی محتاج کو دیئے گئے درخت) کے متعلق یہ اجازت دی کہ اس درخت پر لگے ہوئے پھل کو اس کے خشک ہونے (کے بعد) مقدار (کا) اندازہ کر کے بیچا جائے (یعنی یہ اندازہ کر لیا جائے کہ اس درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی اور پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں اس محتاج کو دے کر اس درخت پر لگی ہوئی کھجوریں لے لی جائیں) اس طرح اس کے مالک اس درخت کا تازہ پھل کھائیں۔“ (بخاری و مسلم)

بیع عرایا کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَخَصَ فِي بَيْعِ الْغَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ الثَّمَرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ شَكَّ دَاوُدُ بْنُ الْحَصَنِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عاریتاً (محتاجوں کو عاریتاً دیئے گئے درختوں کے پھلوں) کو خشک کھجوروں کے ساتھ ۱۰ اندازہ کر کے بیچنے کی اجازت دے دی ہے۔ یعنی اگر عرایا پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں سے بدلنا

ہو تو پہلے یہ اندازہ کر لیا جائے کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں لیکر وہ تازہ کھجوریں دیدی جائیں مگر اس اجازت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ وہ پانچ وسق سے کم ہوں۔ یہ حدیث کے ایک راوی داؤد ابن حصینؓ کا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں پانچ وسق سے کم کا تذکرہ تھا یا پانچ وسق کا تذکرہ تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”پانچ وسق سے کم“ کی قید اس لئے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور ضرورت سے ہے اور احتیاج و ضرورت پانچ وسق سے کم ہی ہوتی ہے، چنانچہ عرایا کے پھلوں کی مذکورہ بالا بیع و تبادلہ پانچ وسق سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے پانچ وسق سے زیادہ میں جائز نہیں ہے البتہ پورے پانچ وسق کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں زیادہ صحیح قول عدم جواز ہی کا ہے۔ کیونکہ بیان مقدار میں راوی نے شک کا اظہار کیا ہے، لہذا ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ پانچ وسق سے کم مقدار پر عمل کیا جائے جو بہر حال متعین ہے۔ اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا انبیاء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں، چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لئے ہے۔

”وسق“ ایک پیانا کا نام ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے پیانا میں تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ آتا ہے (انگریزی سیر کے اعتبار سے پانچ وسق تقریباً چھبیس من کا ہوتا ہے۔)

بیع شمرخام کی ممانعت

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صِلَاحُهَا. نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ وَعَنْ الشَّنْبَلِ حَتَّى يَبْيَضَ وَيَا مَنْ الْعَاهَةِ. (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے یہ ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لئے ہے۔“ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”آپ ﷺ نے کھجور کے پھل اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سرخ و زرد نہ ہو جائیں، نیز آپ ﷺ نے کھیتی کے خوشوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ پختہ نہ ہو جائیں اور کسی آفت سے محفوظ نہ ہوں۔“

تشریح: بیچنے والے کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ خریدار کا مال بغیر کسی چیز کے عوض کے حاصل نہ کرے اور خریدار کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ اپنے مال کے نقصان و تباہی میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غیر پختہ و غیر تیار پھل خرید لے اور اس کی قیمت ادا کر دے مگر پھل تیار و پختہ ہونے سے پہلے ہی کسی آفت مثلاً آندھی اور بارش وغیرہ کی وجہ سے ضائع ہو جائیں۔

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى تَزْهُوَ قِيلَ وَمَا تَزْهُوُ قَالَ حَتَّى تَحْمَرَّ وَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَا لَ أَخِيهِ. (بخاری و مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو درختوں پر اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائیں۔ عرض کیا گیا کہ خوش رنگ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تک وہ سرخ نہ ہو جائیں یعنی پک نہ جائیں“ اور پھر فرمایا تم ہی بتاؤ جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو (پکنے سے) روک دے تو تم میں سے کوئی کیونکر اپنے بھائی کا مال لے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پختہ و تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی بیج میں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ شاید کوئی آفت مثلاً آندھی وغیرہ آجائے اور پھل درختوں سے جھڑ کر ضائع ہو جائیں۔ اس صورت میں بیچنے والا خریدار سے پھلوں کی قیمت کے طور پر جو کچھ لے گا وہ اسے بلا عوض اور مفت مل جائے گا لہذا یہ ضروری ہے کہ پھلوں کے پختہ و تیار ہونے تک صبر و انتظار کیا جائے۔ جب وہ پک کر تیار ہو جائیں تو اس وقت خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا جائے۔

پھلدار درختوں کو کئی سالوں کے لئے پیشگی بیج ڈالنے کی ممانعت

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِينِ وَأَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَانِحِ. (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چند سالوں کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے (یعنی ایک سال یا دو سال یا تین سال اور یا اس سے زائد سالوں کے لئے درختوں کا پھل پیشگی نہیں بیچنا چاہئے) نیز آپ ﷺ نے آفت زدہ کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے درخت پر لگے ہوئے پھل پختہ و تیار ہونے کے بعد خرید لئے مگر سوء اتفاق سے قبل اس کے کہ خریدار پھلوں کو اپنے تصرف میں آتا کسی بھی وجہ سے وہ پھل جھڑ گئے اور ضائع ہو گئے اس صورت میں بیچنے والے کو چاہئے کہ اگر اس نے ابھی تک قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس میں کچھ کمی کر دے اور اگر قیمت وصول کر لی ہے تو اس میں سے کچھ خریدار کو واپس کر دے اگرچہ بیج ہو چکی ہے اور قاعدہ کے اعتبار سے وہ اس کے لئے مجبور نہیں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا اس بارہ

میں مذکورہ بالا حکم صرف استحباب کے لئے ہے اور اس کا مقصد آفت زدہ خریدار کے ساتھ ممکنہ رعایت کے لئے بیچنے والے کو ایک اخلاقی توجہ دلانا ہے، ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات بالکل صاف ہے کہ خریدار کے قبضہ و ملکیت میں آجانے کے بعد میع (خریدی ہوئی چیز) کے ہر نفع و نقصان کا ذمہ دار خریدار ہی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں آجانے کے بعد اگر میع کسی آفت کی وجہ سے ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو وہ خریدار ہی کا نقصان ہوتا ہے بیچنے والے پر اس کا کوئی بدلہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔

ضائع ہو جانے والی میع کا ذمہ دار کون ہے؟

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بَعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَانِحَةٌ فَلَا يَجِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمِ تَأْخُذُ مَالِ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تم نے اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ پھل بیچا اور کوئی ایسی آفت آئی کہ وہ پھل ضائع ہو گیا تو تمہارے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہے (تم خود سوچو کہ ایسی صورت میں) ایک بھائی کا مال ناحق کیسے لوگے۔“ (مسلم)

تشریح: فَلَا يَجِلُّ لَكَ ”اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے“ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ میع بالکل ہی اور مطلقاً ضائع ہو جائے اور اگر کوئی ایسی آفت آئے کہ جس سے میع کا کچھ حصہ نقصان ہو تو اس صورت میں قیمت میں کچھ کمی کر دینی چاہئے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث کی تشریح میں بتایا گیا، اس حدیث کے بارے میں بھی وہی تشریح سامنے رہنی چاہئے جو گذشتہ حدیث کے سلسلے میں گذری ہے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ابن مالکؓ نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ اگر میع خریدار کی سپردگی میں جانے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان بیچنے والے کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس صورت میں حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر میع خریدار کی سپردگی و قبضہ میں جانے کے بعد ضائع ہو تو پھر کہا جائے گا کہ حدیث گرامی کے الفاظ ”اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ ازر وئے تقویٰ و ورع اور ازراہ اخلاق و احسان خریدار سے کچھ بھی لینا حلال (مناسب) نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے

⑩ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوا يَبْتَاعُونَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى الشُّوقِ فَيَبِعُونَهُ فِي مَكَانِهِ فَتَهَا هُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهِ فِي مَكَانِهِ حَتَّى يَنْقُلُوهُ زَوَاهُ أَبُو ذَاؤُدَّ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ بازار کے اس حصے میں جو جانب بلندی واقع تھا لوگ غلہ خریدتے اور پھر اس کی اسی جگہ قبضہ میں لینے سے پہلے بیچ ڈالتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس بات سے منع فرمایا کہ جب تک غلہ کو (خریدنے کے بعد) وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اس کو اسی جگہ فروخت نہ کیا جائے۔“ ”اس روایت کو ابو ذؤد نے نقل کیا اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے“

تشریح: ”وہاں سے منتقل نہ کیا جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لیا جائے“ اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیمانے یا وزن کے ذریعے لیا ہے تو پیمانے میں نوا کر یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھائے اور اگر بلا پیمانہ و وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے۔ اس کے بعد اسے فروخت کرے کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے ”مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے“ کے ذریعے دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہ روایت نہ تو بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں بلکہ ابوداؤد میں ہے اس لئے یہ روایت قاعدہ کے اعتبار سے دوسری فصل میں نقل کی جانی چاہئے تھی۔

⑪ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ابْتِغَا طَعَامًا فَلَا يَبِغُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتَّى يَكْتَالَهُ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک اس کو ناپ نہ لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”جب تک کہ اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔“ اس کی وضاحت گذشتہ حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ اس موقع پر اس بارے میں یہ فقہی اختلاف بھی جان لیجئے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کو خرید کر پھر اسے کسی دوسرے کے ہاتھ قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ اشیاء منقولہ میں سے ہو جیسے غلہ وغیرہ یا عقار یعنی زمین ہو۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قبل قبضہ صرف غلے کا بیچنا تو جائز نہیں ہے اور سب چیزوں کا بیچنا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے ہاں قبل قبضہ عقار یعنی زمین کا بیچنا تو جائز ہے لیکن اشیاء منقولہ میں سے کسی بھی چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی بظاہر یہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ ”جب تک کہ اس کو ناپ نہ لے“ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بیچنے والا خریدار کے سامنے غلہ کو ناپ کر یا وزن کر کے دے تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ خریدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنے قبضے میں لے لینے کے بعد پھر دوبارہ خود بھی ناپے یا وزن کرے، لیکن اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا کافی ہے کیونکہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود خریدار ناپے یا وزن کرے۔

⑫ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِي نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يَبَاعَ حَتَّى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا أَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا مِثْلَهُ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جس چیز کو منع کیا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضے میں لانے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ میرا گمان ہے کہ اس بارے میں ہر چیز غلہ کی مانند ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے۔ یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا گمان و خیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں غلے پر غیر غلے کو قیاس کیا ہے۔

⑬ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلْقُوا الزُّكَّانَ لِيَبِيعَ وَلَا يَبِيعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تَصْرُوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ ابْتِغَاهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا إِنَّ رِضْيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمَرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنْ اشْتَرَى شَاةً مُصْرَاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے خرید و فروخت کے لئے نہ ملو

اور تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش نہ کرو اور شہر کا آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے اور اونٹ و بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو، اور اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اس جانور کو رکھ لینے یا پھیر لینے کا اختیار ہوگا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو اس جانور کو رکھ لے اور اگر مرضی ہو تو اس کو پھیر دے اور اس کے ساتھ ہی صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں دے دے۔“ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو اس بکری کو رکھ لینے یا پھیر دینے کا تین دن تک اختیار رہتا ہے چنانچہ اگر وہ (ان تین دنوں میں) اس بکری کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دے دے مگر گھوڑوں نہ دے۔“

تشریح: پہلی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً تمہیں معلوم ہو کہ بیوپاریوں کا کوئی گروہ غلہ وغیرہ لے کر شہر آ رہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ بیوپاری شہر میں پہنچیں اور وہاں بازار کا بھاؤ وغیرہ معلوم کر سکیں تم راستے میں جا کر ان سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہ کر لو یا یہ حکم آپ نے اس لئے دیا ہے تاکہ ان بیوپاریوں اور تاجروں کو فریب دینے یا ان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع پیدا نہ ہو جائے۔

”تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے“ یعنی دو شخصوں میں خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ہو رہا ہو تو تم اس میں دخل نہ دو یا اس طور کہ نہ تو چیز کے دام بڑھا کر یا کسی اور ذریعے سے اس کو خریدنے کا اظہار کہ اس میں خریدار کا نقصان ہو گا اور نہ اپنا مال دکھا کر کم قیمت پر اسے بیچو کہ اس میں بیچنے والے کو نقصان ہوگا، یا مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بشرطِ خیاری خریدے تو تم اس خریدار کے پاس جا کر یوں کہو کہ تم اس معاملے کو ختم کر کے اسے واپس کر دو میں ایسی ہی چیز تمہیں اس سے سستے داموں دے دوں گا۔ اس طرح اپنے فائدے کے لئے کسی کا معاملہ بگاڑنا برا ہے اگر مقصد خود خریدنا یا خود بیچنا نہ ہو بلکہ محض معاملہ بگاڑنا ہی منظور ہو تو یہ بہت ہی برا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مخالفت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اور اگر کسی چیز میں کوئی شرعی قباحت ہو جیسے کوئی شخص کسی کو غبن یا چوری کا مال بیچتا ہو تو اس صورت میں معاملہ کو ختم کر دینا جائز ہے۔

”نجش“ کے معنی ہیں ”رغبت دلانا اور فریب دینا“ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان معاملہ ہو رہا ہو تو تیسرا شخص اگر اس چیز کی تعریف کرنے لگے جس کا معاملہ ہو رہا ہے یا اس چیز کی قیمت زیادہ لگا دے اور اس سے اس کا مقصد خریداری نہ ہو بلکہ منظوریہ ہو کہ خریدار میری دیکھا دیکھی اس چیز کی خریداری کی طرف زیادہ راغب ہو جائے یا اس چیز کی قیمت اور زیادہ لگا دے، آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اصل خریدار کو فریب میں مبتلا کرنے کی ایک بدترین صورت ہے۔

”شہری آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے“ مثلاً کوئی دیہاتی اپنا مال جیسے غلہ وغیرہ بازار کے بھاؤ فروخت کرنے کے لئے شہر لائے اور کوئی شہری اس سے آکر یہ کہے کہ تم اپنا یہ مال میرے پاس چھوڑ جاؤ میں اس کو بڑی آسانی کے ساتھ گراں نرخ پر بیچ دوں گا! اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں مخلوق خدا کو نفع سے باز رکھنا ہے، چنانچہ یہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے اور حنفی مسلک کے مطابق مکروہ ہے۔

”اونٹ و بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو“ مثلاً ایک شخص کے پاس دودھ والا کوئی جانور جیسے بکری و بھینس وغیرہ ہے۔ وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے اس جانور کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے وہ یہ کرتا ہے کہ بیچنے سے دو تین دن یا دو تین وقت پہلے اس جانور کا دودھ دوہتا نہیں بلکہ اس کے تھن میں چھوڑے رکھتا ہے تاکہ تھن میں زیادہ دودھ جمع ہو جائے اور خریدار یہ سمجھ کر کہ یہ جانور بہت زیادہ دودھ دینے والا ہے اس کی زیادہ قیمت دے دے! اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ فریب دہی کا معاملہ ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے جو مسئلہ بیان فرمایا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر اور کوئی شخص ایسا جانور خرید لائے جس کا کئی دن یا کئی وقت کا دودھ اس کے تھن میں جمع رکھا گیا اور پھر اس کا دودھ دوہنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ جانور کم دودھ دیتا ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو اس

جانور کو واپس کر دے اور چاہے رکھ لے، مگر جب جانور کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں اس دودھ کے عوض میں دے جو اس نے دوبا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجوروں کا تعین کیوں کیا گیا ہے جب کہ اس دودھ ہی کو واپس کر دینے یا اس دودھ کی قیمت دے دینے کا حکم بھی دیا جاسکتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خریدار نے اس جانور کا جو دودھ دوبا ہے اس میں کچھ حصہ تو وہ ہو گا جو خریدار کی ملکیت میں آنے کے بعد جانور کے تھن میں پیدا ہوا ہے اور کچھ حصہ وہ ہے جو جانور کی خریداری کے وقت اس کے تھن میں تھا اور جانور کے ساتھ اس دودھ کی بھی بیع ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں دودھ کے ان دونوں حصوں کا تعین و امتیاز ناممکن ہونے کی وجہ سے نہ تو دودھ واپس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی قیمت ہی متعین کر کے دی جاسکتی ہے لہذا شارع نے اس کا حل یہ نکالا کہ طرفین میں فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے ایسے دودھ کا عوض ایک صاع کھجوریں متعین کر دیں اور اس سلسلے میں دودھ کی کمی بیشی کو بنیاد نہیں بنایا، چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ شارع نے خون ناحق کی دیت یعنی قتل کا مالی معاوضہ ایک سواونٹ مقرر کیا ہے۔ حالانکہ مراتب و حیثیت کے اعتبار سے ہر جان اور ہر خون یکساں نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں شریعت نے اس تفاوت کو بنیاد نہیں بنایا۔

اس حدیث پر امام شافعیؒ نے عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کے جانور کی بیع میں خیار (یعنی بیع کو فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار) حاصل ہوتا ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس میں خیار نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حدیث میں مذکور ہوا بالا حکم متروک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ربا کے حرام ہونے سے پہلے تھا جب کہ معاملات میں اس قسم کی چیزیں جائز تھیں اب یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

حدیث کے آخری جملے ”ایک صاع غلہ دے دے مگر گہیوں نہ دے“ کے بارے میں علامہ ابن حجر شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جانور واپس کرتے ہوئے اس کے دودھ کے عوض میں کھجوروں کے علاوہ اور کچھ دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ بیچنے والا کوئی بھی چیز لینے پر راضی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی غذا کا زیادہ تر تعلق کھجور اور دودھ ہی سے تھا اس لئے دودھ کی بجائے کھجور دینا مقرر کیا گیا۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بیچنے والا راضی ہو تو کھجور کے علاوہ اور کوئی چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

(۱۴) وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْقُوا الْجَلْبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرِ مِنْهُ فَإِذَا أَنَّى سَبْدُهُ الشَّوْقُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے نہ ملو، اگر کوئی شخص جا کر ملا اور کچھ سامان خرید لیا اور پھر سامان کا مالک بازار میں آیا تو اس کو اختیار ہو گا (کہ چاہے بیع کو قائم رکھے چاہے فسخ کر دے)۔“ (مسلم)

تشریح: لفظ جلب اور لفظ رکبان جو گذشتہ حدیث میں منقول تھا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ان کی وضاحت گذشتہ حدیث کی تشریح میں کی جا چکی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ آنے والے بیوپاریوں سے راستے ہی میں خریداری کرنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان و ضرر پہنچے اور خریدار شہر و بازار کے نرخ کو پوشیدہ رکھ کر بیوپاریوں کو فریب دے، اور اگر اہل شہر کو نقصان و ضرر نہ پہنچے، نیز نہ تو خریدار بیوپاریوں سے شہر کا نرخ چھپائے اور نہ ان کو فریب میں مبتلا کرے تو اس صورت میں یہ ممانعت نہیں ہوگی۔

حدیث میں جس ”اختیار“ کو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب مالک (یعنی باہر سے مال لانے والا بیوپاری) شہر میں آئے اور اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے اس شہر کی بہ نسبت سستا لیا ہے تو اس صورت میں اسے اختیار ہو گا کہ چاہے تو بیع کو فسخ کر کے اپنا مال واپس لے لے اور چاہے بیع کو باقی رکھے۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے شہر کے بھاؤ سے گراں لیا ہے یا شہر کے بھاؤ کے مطابق لیا ہے تو پھر اس صورت میں بیوپاری کو اختیار حاصل نہیں ہو گا۔

اس مسئلے میں فقہ حنفی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوپاری کو یہ اختیار اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اسے شہر میں آنے کے بعد معلوم ہو کہ خریدار نے اس سے کھلا ہوا فریب کیا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْقُوا الْبَيْعَ حَتَّى يُبَيِّنَ بِهَا إِلَى السُّوقِ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سامان (الانے والوں سے) ان کے شہر پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں جا کر نہ ملو اور اس وقت تک ان سے کوئی معاملہ نہ کرو جب تک کہ ان کا سامان بازار میں آکر نہ اتر جائے۔“ (بخاری و مسلم)

کسی کے معاملہ میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الزَّوْجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى أَخِيهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنے نکاح کا پیغام بھیجے الایہ کہ اس کو اس کی اجازت دے دی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے“ کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر (۱۳) کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی عورت کے پاس اس سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ تو اب کسی دوسرے مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی اس عورت کے پاس اپنا پیغام بھیج دے، مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ طرفین ہر ایک ایک معین مقدار پر راضی ہو گئے ہوں، تمام معاملات طے ہو چکے ہوں اور صرف نکاح ہونا باقی رہ گیا ہو۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے معاملات خرید و فروخت یا پیغام نکاح میں مداخلت نہ کرنے کا حکم اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ فریقین معاملے کو ترک نہ کروں مثلاً اگر صاحب معاملہ یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز نہیں خرید رہا ہوں نیز تم خرید لو، یا اس عورت سے میں نکاح نہیں کروں گا تم اپنا پیغام بھیج دو تو اس صورت میں اس چیز کو خریدنا یا نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہوگا۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْمِ الْزَّوْجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے (یعنی کسی سے خرید و فروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کرے اور چیز کے زیادہ دام نہ لگائے۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں کسی ایک قیمت پر راضی ہو گئے ہوں، لہذا اب کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو لینے کا ارادہ کرے اور زیادہ دام لگا کر ان کا معاملہ خراب کرے، ایسا کرنا مکروہ ہے اگرچہ بیع صحیح ہو جائے گی۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ”مسلمان“ کے حکم میں ذمی (غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے) منابہ (جس سے کسی مسلمان کا معاہدہ ہو) اور متامن (جو کسی مسلمان کے زیر پناہ ہو) بھی داخل ہیں۔

شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَايَ دَعَا النَّاسَ يَزُوقُ اللَّهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ

اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ کسی کو رزق پہنچاتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ باہر سے غلہ لاکر شہر میں سستے داموں فروخت کریں اور اس طرح وہ اہل شہر کے رزق میں وسعت و فراخی کا باعث بنیں۔ بقیہ حدیث کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (نمبر ۱۱۳) کی تشریح میں کی جا چکی ہے۔

بیع بلا صورت و منابذت کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْسَتَيْنِ وَعَنْ يَنْعَتَيْنِ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لِمُسِّ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يَقْلِبُهُ إِلَّا بِذَلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بَثْوَبِهِ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهُ وَيَكُونُ ذَلِكَ بَيْنَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ وَاللَّيْسَتَيْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَاءِ وَالصَّمَاءِ أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى أَحَدٍ عَاثِقِيهِ فَيَبْدُو أَحَدًا شَقِيهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللَّيْسَةُ الْآخَرَى احْتِبَاءُ ثَوْبِهِ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دو طرح کے پہناوے سے اور دو طرح کی بیع سے منع کیا ہے وہ ملامت اور منابذت ہیں۔ ملامت یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی خریدار) دوسرے شخص (یعنی تاجر) کے کپڑے کو (جسے وہ لینا چاہتا ہے) دن میں یا رات میں صرف ہاتھ سے چھو لے اسے کھول، الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھونا بیع کے لئے ہو۔ اور منابذت یہ ہے کہ معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اظہار رضامندی کے بیع ہو جائے۔ اور جن دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک کپڑے کو صمّاء کے طور پر پہننا ہے اور صمّاء کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈھے پر اس طرح کپڑا اڑالے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہو ظاہر و برہنہ رہے اور دوسرا پہناوہ (جس سے منع کیا گیا ہے) یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ میٹھے تو اس کی شرم گاہ اس کپڑے سے بالکل عاری ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”لامت“ کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلاً کپڑا خریدنے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگا دیتا، کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہو جاتی تھی نہ تو آپس میں قولی ایجاب و قبول ہوتا تھا کہ دوکاندار تو یہ کہتا کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور خریداریہ کہتا کہ میں نے تم سے یہ چیز خرید لی اور نہ فعلی لین دین (جسے اصطلاح فقہ میں توامی کہتے ہیں) ہوتا تھا کہ دوکاندار برضاء و رغبت خاموشی کے ساتھ وہ چیز دیتا اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا بلکہ خریدار کا اس چیز کو ہاتھ سے چھو دینا کافی سمجھا جاتا تھا۔

علامہ طیبیؒ نے حدیث کے الفاظ لا یقلبہ الا بذالک (اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں اس) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”کپڑے کو علاوہ چھونے کے نہ الٹے نہ کھولے“ یعنی چاہئے تو یہ کہ کپڑے کو کھولا جائے اور اچھی طرح دیکھا بھالا جائے مگر بیع ملامت کرنے والا نہ کھولتا تھا نہ اسے دیکھتا بھالتا تھا، البتہ صرف اسے چھولیتا تھا، ظاہر ہے کہ کسی چیز کو محض چھول لینا اس کو الٹ کھول کر دیکھنے بھالنے کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

بہر کیف ”لامت“ ایام جاہلیت میں خرید و فروخت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ جہاں ایک نے دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگایا، پس بیع ہو گئی نہ وہ اس کو دیکھتے بھالتے تھے اور نہ شرط خیار کرتے تھے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اگر چاہیں گے تو رکھ لیں گے نہیں تو واپس کر دیں گے۔ چونکہ یہ ایک بالکل غلط طریقہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

منابذت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا ڈالا پس بیع ہو گئی۔ بیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہذا اس کی ممانعت بھی فرمائی گئی۔

صَّمَاء کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں ظاہر کئے گئے لیکن اس کا زیادہ واضح اور مشہور مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑا لے کر اسے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر لپٹے رہیں اور جسم کہیں سے کھلا نہ رہے، ظاہر ہے کہ اس طرح آدمی بالکل مفلوج و ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

دوسرا پہناؤ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا یہ ہے کہ کوئی شخص کو لہوں پر بیٹھ جائے اور دونوں زنانوں کو کھڑا کرے اور پھر اپنے زنانوں اور کمرے کے گرد کوئی کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ ستر کھلا رہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں ستر کی پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا صورت میں اس طرح کپڑا لپیٹے کہ اس کا ستر چھپا رہے تو پھر یہ ممانعت نہیں رہے گی۔

بطور نکتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ زنانوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا مسنون ہے۔

بیع حصاة اور بیع غرر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”بیع حصاة“ کی صورت یہ ہے کہ خریدار دو کاندار سے کہے کہ جب میں تیری اس چیز (یعنی بیع) پر کنکری مار دوں تو مجھ لینا کہ بیع واجب ہوگی، یا دو کاندار خریدار سے کہے کہ میں نے اپنی چیزوں میں سے وہ چیز تمہیں بیچی جس پر تمہاری پھینکی ہوئی کنکری اگر گرے، یا میں نے یہ زمین وہاں تک تمہارے ہاتھ فروخت کی جہاں تک تمہاری پھینکی ہوئی کنکری جا کر گرے! بیع کا یہ طریقہ ایام جاہلیت میں رائج تھا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

”بیع غرر“ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بیع (یعنی بیج جانے والی چیز، مہول یا بیچنے والے کے قبضہ و قدرت سے باہر ہو جیسے اس مچھلی کو بیچنا جو دریا میں ہو، یا ہوا میں اڑتے ہوئے جانور اور مفروز غلام کو بیچنا۔

بیع جبل الحبلہ کی ممانعت

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ وَكَانَ يَبْعَا يَبْنَا يَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْنَا الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجِ الثَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجِ التَّنِي فِي بَطْنِهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع جبل الحبلہ (یعنی جانور کا حمل) بیچنے سے منع فرمایا ہے (حضرت ابن عمرؓ) کہتے ہیں کہ بیع جبل الحبلہ ایام جاہلیت میں رائج ایک بیع تھی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص اس وقت تک کے وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا جب تک کہ اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو اور پھر اس بچے کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو (یعنی وہ اس وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا کہ جب اس اونٹنی کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو گا تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جانور کے حمل کے حمل کی بیع کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک اونٹنی کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اب اس کا مالک اس طرح خریدار سے معاملہ کرے کہ اس اونٹنی کے پیٹ سے جو اونٹنی پیدا ہوگی اور وہ اونٹنی جو بچہ دے گی اس کی بیع کرتا ہوں! اس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک معدوم چیز یعنی اس بچہ کی بیع ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے ظاہر ہے کہ جب کسی جانور کے حمل ہی کو بیچنا جائز نہیں ہے تو اس بچہ کی بیع کیسے جائز ہو سکتی ہے جو اس حمل کے حمل سے پیدا ہو گا۔

بعض حضرات کے نزدیک ”بیع جبل الحبلہ“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حاملہ اونٹنی کو اس وعدے پر بیچے کہ اس کی قیمت اس وقت ادا ہوگی جب وہ بچہ جنے گی۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہی مطلب مراد لیا ہے جیسا کہ روایت کے آخر میں وکان مبیعا الخ سے انہوں

نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت

(۲۲) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غَسْبِ الْفَحْلِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: نر جانور خواہ اونٹ ہو خواہ گھوڑا اور خواہ کوئی اور جانور اس کو مادہ پر چھوڑنے کے لئے کسی کو دینا اور اس کی اجرت وصول کرنا منع ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے کام کی اجرت وصول کرنا لازم آتا ہے جس کا وقوع پذیر ہونا یقین نہیں ہوتا۔ بایں طور کہ نر جانور کبھی توجست کر جاتا ہے اور کبھی جست نہیں کرتا اسی طرح مادہ کبھی توبار آور ہوتی ہے اور کبھی نہیں، اسی لئے اکثر صحابہؓ اور فقہاء نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں نر جانور کو مادہ پر جست کرنے کے لئے عاریۃ دینا مستحب ہے۔ البتہ عاریۃ دینے کے بعد اگر مادہ کا مالک اپنی طرف سے اسے کچھ بطریق انعام دے تو اس کو قبول کر لینا درست ہے۔

پانی بیچنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ لِشُعْرَثٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اونٹ کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینے اور پانی و زمین کو کاشت کے لئے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”زمین و پانی کو کاشت کے لئے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین اور وہ پانی جو اس زمین سے متعلق ہو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دے کہ یہ زمین پانی تو میرا ہے اور تخم اور محنت تمہاری ہے زمین کو جو تو لوہو اس میں سے جو کچھ پیدا ہوگا اس کا اتنا حصہ مثلاً تہائی یا چوتھائی میں لے لوں گا اس کو ”مخابت“ کہتے ہیں۔ مخابت کے بارے میں تفصیلی حکم حضرت جابرؓ کی گزشتہ روایت (نمبر ۲) کی تشریح میں بیان کی جا چکا ہے۔

ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت

(۲۴) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں اتنا پانی ہو جو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ جائے اور دوسرے لوگ اس کے حاجت مند ہوں تو اس بچے ہوئے پانی کو روکنا اور ضرورت مند لوگوں کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ پانی انہیں مفت ہی دے دینا چاہئے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان لوگوں کی ضرورت کا تعلق اس پانی کو خود پینے یا جانوروں کو پلانے سے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے کھیتوں یا درختوں کو سیراب کرنے کے لئے وہ پانی چاہے تو پھر مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اس پانی کو بغیر معاوضے کے نہ دے۔

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِبَيْعِ الْكَلَاءِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ بیچو کہ اس کی وجہ سے گھاس کا بکنا لازم آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: پانی کے بیچنے سے گھاس کا بکنا اس طرح لازم آتا ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پانی کے گرد اپنے جانوروں کو

چرائے اور ظاہر ہے کہ وہ جانور چرنے کے بعد پانی ضرور پیئیں گے لیکن چونکہ پانی کا مالک کسی دوسرے کے جانوروں کو بلا قیمت پانی پینے نہیں دیتا اس لئے لاحالہ وہ شخص اس بات کے لئے مجبور ہوگا کہ پانی خریدے اور اپنے جانوروں کو پلائے اس طرح پانی کا بیچنا دراصل گھاس کا بیچنا ہوگا اور یہ معلوم ہی ہے کہ گھاس بیچنی جائز نہیں ہے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت آیا تحریمی ہے یا تنزیہی؟ بعض تو تحریمی کے قائل ہیں اور بعض تنزیہی کے، لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔

فریب دہی کے بچو

(۲۶) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَتَالَتْ أَصَابِعُهُ بِلَلًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ - مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا اے غلے کے مالک! یہ تری کیسی ہے یعنی ڈھیر کے اندر یہ تری کہاں سے پہنچی اور تم نے غلہ کو تریوں کیا؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا (جس کی وجہ سے غلہ کا کچھ حصہ تر ہو گیا ہے میں نے قصداً تر نہیں کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تم نے غلہ کو اوپر کی جانب کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے (اور کسی فریب میں مبتلا نہ ہوتے) یاد رکھو! جو شخص فریب دے وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرے طریقہ پر نہیں ہے)۔“ (مسلم)

الفصل الثانی

بیع ثنیاء کی ممانعت

(۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الثَّنِيَاءِ إِلَّا أَنْ يُعْلَمَ - (رواہ الترمذی)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع ثنیاء یعنی استثناء کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ مقدار متعین کر دی جائے۔“

(ترمذی)

تشریح: کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کو بیچتے وقت یہ کہے کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ بیچی مگر اس میں سے کچھ حصہ میں نے نہیں بیچا۔ پس بیع میں سے کچھ حصہ کا استثناء کرنا ثنیاء کہلاتا ہے، شارع نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں مقدار معین نہیں ہوتی۔ ہاں اگر بیع کی کوئی مقدار معین کر کے مستثنیٰ کی جائے مثلاً بیچنے والا اس طرح کہے کہ میں نے تمہیں یہ چیز فروخت کی مگر اس کی اتنی مقدار جیسے چوتھائی یا تہائی اور یا اتنے سیر اتنے من میں نے اپنے لئے مستثنیٰ کر لیا ہے جو فروخت نہیں کر رہا ہوں تو یہ جائز ہے۔

پھل اور کھیتی پکنے کے بعد ہی فروخت کی جائے

(۲۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعَنْبِ حَتَّى يَسْوَدَ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ هَكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ

عَنْ أَنَسٍ وَالزِّيَادَةُ النَّبِيُّ فِي الْمَصَابِيحِ وَهِيَ قَوْلُهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتَّى تَرْهُوَ إِنَّمَا ثَبَتَتْ فِي رِوَايَتِهِمَا عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى تَرْهُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ

حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے انکو رو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سیاہ نہ ہو جائے (یعنی پک نہ جائے) اسی طرح آپ ﷺ نے غلہ کو بھی اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سخت نہ ہو جائے (یعنی قابل انتفاع نہ ہو جائے) اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور صاحب مصابیح نے اس روایت میں یہ الفاظ ”آپ ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے۔“ جو مزید نقل کئے ہیں وہ ترمذیؒ و ابوداؤد میں (حضرت انسؓ سے منقول نہیں ہیں بلکہ) حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں اور وہ بھی اس طرح ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے“ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: روایت کے آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف نے مصابیح کے مؤلف حضرت امام بغویؒ پر دو اعتراض وارد کئے ہیں اول تو یہ کہ روایت میں مذکورہ بالا مزید الفاظ کا نقل انہوں نے حضرت انسؓ کو بتایا ہے جب کہ یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں۔ دوم یہ کہ انہوں نے ان مزید الفاظ میں بیع التمر نقل کیا ہے جب کہ اصل روایت میں بیع النخل ہے۔

ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے کی ممانعت

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ بِالْكَالِيِّ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: لفظ ”کالی“ ہمزہ کے ساتھ بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور بغیر ہمزہ یعنی ”کالی“ بھی استعمال ہوتا ہے دونوں ”کلاء“ سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں ”تاخیر یا ادھار“۔

”ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے“ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز ایک متعین مدت کے وعدے پر خریدے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار اس چیز کی قیمت جب اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو ادا کرے گا تو بیچنے والا وہ چیز اسے دے دے گا مگر جب وہ متعین تاریخ آجائے اور اس وقت بھی خریدار قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بیچنے والے سے یہ کہے کہ اب اس چیز کو ایک اور مدت کے لئے کچھ زیادہ قیمت پر فروخت کر دو مثلاً اس نے وہ چیز دس روپے میں خریدی تھی اب یہ کہے کہ اسی چیز کو گیارہ روپے میں بیچ دو میں اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو گیارہ روپے ادا کر دوں گا۔ بیچنے والا کہے کہ میں نے بیچ دی، اس طرح یہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہو جائے کہ نہ تو بیچنے والا بیع دے اور نہ خریدار اس کی قیمت ادا کرے بلکہ بیع بیچنے والے کے پاس رہے اور قیمت خریدار کے پاس اور خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے۔ اس طرح کی بیع کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس میں قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے اس کی ایک دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ مثلاً عمرو کے پاس زید کا ایک کپڑا ہے اور عمرو ہی کے ذمہ بکر کے دس روپے ہیں اب زید بکر سے یہ کہے کہ عمرو کے پاس میرا جو کپڑا ہے اسے میں تمہارے ہاتھ ان دس روپوں کے عوض کہ جو تمہارے عمرو کے ذمہ ہیں بیچتا ہوں میں عمرو سے دس روپے لے لوں گا تم اس سے کپڑا لے لینا اور بکر کہے کہ مجھے یہ منظور ہے۔ یہ بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بھی قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بیعانہ یا سائی کا مسئلہ

(۳۰) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعَرَبَانِ۔

(رواہ مالک و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع عریان سے منع فرمایا ہے۔“
(مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”بیع عریان“ کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بیچنے والے کو کچھ رقم پیشگی دے دے اور یہ طے کر دے کہ اگر یہ معاملہ مکمل ہو گیا تو یہ رقم قیمت میں مجرا ہو جائے گی اور اگر معاملہ نہ ہو اباس طور کہ میں پوری قیمت ادا کر کے اس چیز کو اپنے قبضے میں نہ لے سکا تو پھر یہ رقم تمہارے ہی پاس رہے گی میں اسے واپس نہ لوں گا۔ اسے ہماری زبان میں بیعنا یا سائی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ شرعی طور پر یہ بیع باطل ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ اور امام احمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، حنفیہ کے ہاں یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ یہ طے ہو کہ اگر معاملہ مکمل ہو جائے تو وہ رقم بیچنے والے کا حق ہو اباس طور کہ وہ قیمت میں مجرا ہو جائے اور اگر معاملہ مکمل نہ ہوا تو پھر وہ خریدار ہی کا حق رہے کہ وہ رقم اسے واپس مل جائے۔

بیع مضطر کی ممانعت

③۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَضِ وَعَنْ بَيْعِ الشَّمْرِ قَبْلَ أَنْ تُذْرَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع مضطر سے، بیع غرض سے اور پختہ ہونے سے پہلے پھلوں کی ”بیع“ سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”بیع مضطر“ میں ”بیع“ سے مراد خریدنا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی سے زبردستی کچھ خریداجائے، کسی سے زبردستی خریدنا بیع فاسد کے حکم میں ہے جو منعقد و نافذ نہیں ہوتی۔

یا پھر ”مضطر“ سے مراد ”محتاج“ ہے جو کسی مصیبت کی وجہ سے اپنا سامان بیچنے پر مجبور ہو، مثلاً زید کسی کا قرض دار ہے اور قرض کی ادائیگی کے لئے اسے روپے چاہئیں یا اس پر کوئی مصیبت آ پڑی ہے جس کی وجہ سے اسے روپیوں کی شدید ضرورت ہے اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے کوئی چیز سستے داموں فروخت کر رہا ہو تو کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے اور اس کا سامان سستے داموں خریدے بلکہ مروت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مجبور و مضطر کی مجبوری کا خیال کیا جائے۔ اس کا مال سستے داموں نہ خریداجائے اور ایسے موقع پر اس کی اس طرح مدد کی جائے کہ یا تو اسے کچھ رقم بطور قرض دے دی جائے یا اس کا مال اصل قیمت کے عوض خریداجائے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صحیح ہوگی لیکن کراہت کے ساتھ صحیح ہوگی، بیع غرض کی وضاحت اسی باب کے گذشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔ اسی طرح پختہ ہونے سے قبل پھلوں کی بیع کا مسئلہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا ممنوع ہے

③۲ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نُنْظِرُ الْفَحْلَ فَتُكْرَمُ فَرَحْصَ لَهُ فِي الْكِرَامَةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ کلاب میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے مادہ پر چھوڑنے کے لئے نر کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا (کہ اجرت نہ لو پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ) ہم نر کو عاریہ دیتے ہیں اور ہمیں اس سلسلے میں بطور انعام کچھ دیا جاتا ہے (یعنی ہم کوئی اجرت مقرر کر کے اپنا نر جانور نہیں دیتے بلکہ عاریہ دیتے ہیں مگر جانور لے

جانے والا بلا طلب ہمیں بطور انعام کچھ دیتا ہے تو کیا ہم پھر بھی نہ لیں (آنحضرت ﷺ نے اسے انعام لے لینے کی اجازت عطا فرمائی۔“
(ترمذی)

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيعَ مَالِيَسَ عِنْدِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ - وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا بَيِّنَ دَاوُدَ وَالتَّسَائِي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيُرِيدُ مِنِّي الْبَيْعَ وَلَيْسَ عِنْدِي فَأَبْتَاعَ لَهُ مِنْ الشُّوقِ قَالَ لَا تَبِيعَ مَالِيَسَ عِنْدَكَ -

”اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو نہ بیچوں جو میرے پاس نہیں۔“

(ترمذی)

”ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیمؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں (یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالے کر دیتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر فرمایا کہ ”تم کسی ایسی چیز کو نہ بیجو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہئے، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو (اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہوگی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جائے گی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی، اگر منظوری دے دے گا تو صحیح ہو جائے گی، نہیں تو کالعدم ہو جائے گی، لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگی مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چرگم ہو گئی ہو، یا مفروز ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ مچھلی جو ابھی پانی (یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو) لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت ”بیع السلم“ کے علاوہ صورت میں ہے کیونکہ بیع السلم متعینہ و معروف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے، بیع السلم اور اس کی شرائط کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ باب السلم میں کیا جائے گا۔

ایک بیع میں دو بیع نہ کرو

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ - (رواہ مالک و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)
”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”ایک بیع میں دو بیع“ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ مثلاً میں اپنی بھینس ایک ہزار روپیہ کے عوض تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنا گھوڑا پانچ سو روپے کے عوض میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس طرح کی بیع درست نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ پانچ سو روپے نقد میں اور سات سو روپے ادھار

میں بیچتا ہوں۔ یہ بھی ناجائز ہے بشرطیکہ کوئی ایک امر طے نہ ہو اور خریدار کو اختیار حاصل رہے کہ چاہے تو اسی وقت پانچ سو روپے دے کر گھوڑا لے لے اور چاہے بعد میں سات سو روپے دے۔ اور اگر ایک امر طے ہو جائے اور معاملہ جمل نہ رہے یعنی یہ اسی وقت طے ہو جائے کہ نقد لیا یا ادھار لیا تو پھر یہ معاملہ درست ہوگا۔

(۳۵) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد (شعیبؓ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک معاملے میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: یہ حدیث اور اوپر کی حدیث ہم معنی ہیں جو تشریح اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے وہی اس حدیث کی بھی ہے۔

بیع کو قرض کے ساتھ نہ ملاؤ

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ سَلْفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانٌ فِي بَيْعٍ وَلَا رِبْحٌ مَالٌ يُضْمَنُ وَلَا بَيْعٌ مَالَيْنِ عِنْدَكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَانِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ ناقل ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے)

تشریح: ”قرض اور بیع حلال نہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ قرض اور بیع کے دو الگ الگ معاملوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک نہ کرنا چاہئے مثلاً کوئی شخص کسی کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ کوئی چیز بیچے کہ تم مجھے اتنے روپے قرض دینا۔ یہ جائز نہیں ہے یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کسی کو کچھ روپے بطور قرض دے اور اسی کے ساتھ اپنی کوئی چیز اس قرض دار کے ہاتھ اصل قیمت سے زائد پر بیچے۔ یہ حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ خریدار اس چیز کی زائد قیمت محض اس لئے ادا کرے گا کہ اس نے بیچنے والے سے قرض لیا ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ جو بھی قرض کوئی نفع حاصل کرے وہ حرام ہے، چونکہ یہ سود خواروں کا نکالا ہوا ایک حیلہ ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

”بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک بیع میں دو بیع نہ کرے جس کی وضاحت اوپر کی حدیث میں کی جا چکی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا اپنی کوئی چیز دو شرطوں کے ساتھ نہ بیچے مثلاً وہ خریدار سے یوں کہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ دس روپے میں بیچا بایں شرط کہ میں اس کپڑے کو دھلو ابھی دوں گا۔ یہ ناجائز ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ حدیث میں دو شرطوں کی قید محض اتفاقی ہے ویسے بیع میں ایک شرط بھی جائز نہیں ہے۔

”اس چیز سے نفع اٹھانا جو ابھی اپنے ضمان میں نہیں آئی“ کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز خریدی مگر وہ چیز ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں آئی ہے اس عرصے میں بیچنے والے نے اس چیز کا کرایہ وصول کیا، اب اگر خریدار چاہے کہ یہ چیز چونکہ میں نے خریدی ہے، اس لئے میری خریداری کے بعد اس چیز کو جو کرایہ بیچنے والے کی ذمہ داری میں ہے فرض کیجئے اگر وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا نقصان بیچنے والے ہی کو برداشت کرنا ہوگا۔ خریدار کا کچھ بھی نہ جائے گا۔ اسی طرح اگر اس چیز سے کوئی نفع حاصل ہوا ہے تو وہ بھی بیچنے والے ہی کا حق ہے خریدار کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

ادائیگی قیمت میں سکہ کی تبدیلی جائز ہے

(۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَيْبَعُ الْإِبِلَ بِالنَّقِيعِ بِالدَّنَانِيرِ فَأَخَذْتُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَأَيْبَعُ بِالْدَّرَاهِمِ فَأَخَذْتُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسَعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِ قَا وَيَنْكُحُ مَا شِئْنِي ۚ (رواه الترمذی والبوداذؤ والنسائی والدارمی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نقیع میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) اونٹوں کو دیناروں کے عوض بیچا کرتا تھا اور دیناروں کے بدلے درہم لے لیا کرتا تھا اسی طرح جب اونٹوں کو درہم کے عوض بیچا تو درہم کے بدلے دینار لے لیا کرتا تھا۔ پھر (جب) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کہ تم دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار لے لو) جب کہ نرخ اس دن کے مطابق ہو اور تم دونوں ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہو کہ تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”درہم اور دینار“ دو سکوں کے نام ہیں۔ درہم چاندی کا ہوتا ہے اور دینار سونے کا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز روپے کے عوض خریدے اور روپے کے بدلے اشرفیاں دے دے یا کوئی چیز اشرفیوں کے عوض خریدے اور اشرفیوں کے بدلے روپے دے دے تو جائز ہے۔

”اس دن کے نرخ“ کی قید استحبائی ہے یعنی مستحب و مناسب یہ ہے کہ اس دن کے نرخ کا لحاظ رکھا جائے ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ جائز ہے کہ جس نرخ سے چاہے لے۔

”تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو“ میں، کوئی چیز سے مراد بیع یا قیمت اور یا دونوں پر قبضہ نہ ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ درہم و دینار کو آپس میں بدلنا بایں شرط جائز ہے جس مجلس میں خرید و فروخت کا معاملہ ہو اسی مجلس میں فریقین اپنی اپنی چیز پر قابض ہو جائیں تاکہ اس کے برخلاف ہونے کی صورت میں نقد کی بیع اذہار کے ساتھ لازم نہ آئے جو ربوہ کی ایک شکل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، چنانچہ حضرت شیخ علی متقیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب مکہ معظمہ میں اپنے خادم کو بازار بھیجتے تو اسی حدیث کے پیش نظر اسے بطور خاص یہ نصیحت کرتے کہ خبردار! ابھی قبضہ کرنے میں معاملہ دست بدست کرنا، درمیان میں فرق واقع نہ ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ درہم (سکہ خلقی ہونے کی وجہ سے) چونکہ غیر متعین ہے اس لئے اگر کوئی شخص دو کاندار کو ایک درہم دکھا کر کہے کہ اس کے عوض فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو اور پھر جب دو کاندار وہ چیز اسے بیچ دے تو اس درہم کی بجائے دوسرا درہم دے دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں درہم مالیت میں یکساں ہوں۔

آپ ﷺ سے متعلق ایک بیعانہ کا ذکر

(۳۸) وَعَنِ الْعَدَاءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هُوْذَةَ أَخْرَجَ كِتَابًا هَذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هُوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْهُ عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خَبْنَةَ يَبِيعُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک تحریر نکال کر دکھائی جس میں یہ لکھا تھا کہ ”یہ بیع نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور عداء بن خالد بن ہوذہ کی خریداری سے متعلق ہے۔ عداء نے محمد ﷺ سے ایک غلام یا لونڈی خریدی، جس میں کوئی بیماری نہیں ہے کوئی بدی نہیں ہے اور کوئی برائی نہیں ہے، عداء نے اس کو اس طرح خریدا ہے جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدا ہے۔“ (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: ”ایک غلام یا لونڈی خرید کی“ میں لفظ ”یا“ راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس بیع نامہ میں غلام لکھا ہوا تھا یا لونڈی؟

”جس میں کوئی بیماری نہیں ہے“ میں بیماری سے مراد جنون، جذام اور کوڑھ جیسے موذی امراض ہیں۔ اسی طرح ”کوئی بدی نہیں ہے“ میں بدی سے مراد وہ عیب ہے جو خریدار کے مال کے نقصان و ہلاکت کا باعث بنے جیسے غلام کا چور ہونا یا بھگورنا ہونا۔

”اور کوئی برائی نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خلقت و جبلت میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے جس سے بڑے اور غلط اخلاق و افعال پیدا ہوں جیسے اس کا ولد الزنا ہونا یا فاسق یا جھوٹا اور یا جوارى ہونا۔

آخری جملے ”ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے“ سے رعایت و خیر خواہی اور حقوق اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا یہ تقاضہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ ہر معاملہ و عقد میں رعایت و خیر خواہی، مروت و ہمدردی اور ان حقوق کا جو ایک مسلمان کے تئیں دوسرے مسلمان پر عائد ہوتے ہیں پورا پورا لحاظ رکھے، بہر کیف مذکورہ بالا تحریر کا حاصل یہ ہوا کہ یہ غلام اچھا ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور خرید و فروخت کے اس معاملہ میں فریقین نے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی دغا اور فریب نہیں کیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عباد ابن لیث کی سند کے علاوہ کسی سند سے ثابت نہیں ہے، نیز محدثین کے نزدیک عباد، روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کوئی بیع نہیں کی ہے اور اگر آپ ﷺ نے کوئی بیع کی ہے تو وہ شاذ و نادر کے درجے کی چیز ہے ہاں ہجرت سے پہلے آپ ﷺ بیع و شراء دونوں کرتے تھے۔

بخاری میں یہ حدیث یوں ہے۔ هَذَا مَا اشْتَرَى مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَدَاءِ ابْنِ خَالِدٍ (یعنی یہ بیع نامہ ہے جو عدا بن خالد سے محمد رسول اللہ ﷺ کی خریداری سے متعلق ہے) گویا بخاری کی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ خریدار تو آنحضرت ﷺ تھے اور بیچنے والے عدا بن خالدؓ جب کہ یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدا بن خالدؓ خریدار تھے اور آنحضرت ﷺ بیچنے والے۔

بطریق نیلام بیع جائز ہے

(۳۹) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ جِلْسًا وَقَدْ خَافَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْجِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذَهُمَا بِدَرَاهِمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَرِيدُ عَلَى دَرَاهِمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دَرَاهِمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی والبوداذ و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنے لگے تو فرمایا کہ اس ٹاٹ اور پیالہ کا خریدار کون ہے؟ (جو خریدنا چاہتا ہو وہ اس کی قیمت لگائے) ایک شخص نے عرض کیا کہ ”میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم کے عوض لے سکتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ”ایک درہم سے زیادہ قیمت دینے والا کوئی ہے؟ چنانچہ ایک دوسرے شخص نے آپ ﷺ کو دو درہم پیش کئے اور آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کے ہاتھ دو درہم کے عوض فروخت کر دیں۔“ (ترمذیؒ، البوداذؒ، ابن ماجہؒ)۔

تشریح: اس بیع کا اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمادیں تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ سامان بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ”جی نہیں میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے ہاں ٹاٹ کا ایک ٹکڑا اور ایک پیالہ ضرور پڑا ہوا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

پھر ان دونوں چیزوں کو بیچ دو اور اس کی قیمت کے طور پر جو کچھ وصول ہو اس سے اپنا پیٹ بھرو اس کے بعد جب تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے تب صدقہ و خیرات مانگو، چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لے آیا اور آپ ﷺ نے مذکورہ بالا طریقے پر (گویا بصورت نیلام) ان چیزوں کو فروخت فرمایا۔ بیع کی صورت کو عربی میں ”بیع من یزید“ اور ”حراج“ کہتے ہیں شرعی طور پر یہ بیع درست ہے۔

اب رہی یہ بات کہ شارع نے چونکہ اس سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے دام نہ لگائے جس کے دام کسی دوسرے شخص کی جانب سے لگ رہے ہوں، تو بیع کی یہ صورت کیسے جائز ہوگی؟ تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ دام پر دام لگانے کی ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں ہی کسی ایک دام پر راضی ہو گئے ہوں اور معاملہ طے پا گیا ہو، ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بیع میں مداخلت کرے اور اپنی طرف سے بھی دام لگانے لگے، لیکن یہاں بیع کی جو صورت ذکر کی گئی اس کی نوعیت بالکل دوسری ہے، اس بیع میں تو بیچنے والے کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جو سب سے زیادہ دام لگائے گا اسی کو چیز دی جائے گی چنانچہ نیلام میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر دام لگاتے رہتے ہیں، جس شخص کی آخری بولی ہوتی ہے اسی کے ہاتھ چیز بیچ دی جاتی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات یعنی بیچنے والے کا چیز دینا اور خریدار کا قیمت دے دینا کافی ہے اگرچہ وہ دونوں منہ سے کچھ نہ کہیں یعنی زبانی ایجاب و قبول نہ ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عیب دار چیز دھوکہ سے بیچنے والے کے لئے وعید

(۴۰) عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يَنْبَهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ

اللَّهِ أَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلَانِكَةُ تَلْعَنُهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت وائلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس طرح بیچے کہ ”اس کے عیب سے خریدار کو مطلع نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔“ (ابن ماجہ)

باب

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

پھلدار درخت کی بیع کا مسئلہ

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تَوَبَّرَ فَشَمَرُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا يَشْتَرِطَ الْمُشْتَاةُ وَمَنْ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُشْتَاةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَعْنَى الْأَوَّلَ وَخَدَهُ۔

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص نے تابیر کے ہوئے کھجور کا درخت خرید لیا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا پھل مشروط کر دے، اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسا غلام خرید لیا جس کے پاس مال ہو تو اس کا وہ مال بیچنے والے

کا ہے۔ (مسلم) بخاری نے اس حدیث کا صرف پہلا جزو یعنی من ابتاع نخلا نقل کیا ہے۔

تشریح: ”تاہیر“ کی صورت یہ ہے کہ کھجور کے زردخت کا پھول، کھجور کے مادہ درخت میں رکھ دیتے ہیں، عربوں کا اعتقاد تھا کہ اس وجہ سے زیادہ پھل پیدا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں ایسے ہی درخت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تاہیر کیا ہو اور درخت خریدے اور خریداری کے وقت اس درخت پر پھل لگے ہوئے ہوں تو وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں ہاں اگر خریدار خریداری کے وقت یہ طے کرے کہ میں اس درخت کو اس کے پھل سمیت خریدتا ہوں تو پھر وہ پھل خریدار کے ہوں گے۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر تاہیر کئے ہوئے درخت کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تاہیر کئے ہوئے درخت کا پھل بیع میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ میرے ہوں گے تو پھر اس صورت میں وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں۔

غلام چونکہ کسی مال کا مالک نہیں ہوتا اس لئے حدیث میں اس کی طرف مال کی ملکیت کی نسبت ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ اگر بیع کے وقت اس کے ہاتھ میں کوئی مال ہو تو وہ مال بیچنے والے کا ہے۔ ہاں اگر خریدار اس مشروط طریقہ پر اسے خریدے کہ غلام کی خریداری میں یہ مال بھی شامل ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں وہ مال خریدار کا ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کی بیع کے وقت وہ کپڑے جو اس کے جسم پر ہوں بیع میں داخل نہیں ہوتے الا یہ کہ خریدار ان کپڑوں سے بیع کو مشروط کر دے، حنفیہ کے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کپڑے بیع میں داخل ہوتے ہیں، بعض علماء کا یہ قول ہے کہ صرف اسی قدر بیع میں داخل ہوتے ہیں جو ترپوشی کے لئے کافی ہوں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے ظاہر مفہوم کے مطابق اس کا کوئی بھی سامان اور سامان (یعنی کپڑے وغیرہ) کا کوئی بھی حصہ بیع میں داخل نہیں ہوتا۔

مشروط بیع کا مسئلہ

② وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ فَصَرَبَهُ فَسَارَ سَيْرَ الْبَيْتِ يَسِيرٌ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بَعْثَنِي بِوَقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهُ فَأَسْتَنْبَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِالْحِمَلِ وَنَقْدِي ثَمَنَهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِبَلَالٍ أَقْضِهِ وَرَدَّهُ فَأَعْطَاهُ وَرَدَّاهُ قَبِيرَ أَطَا۔

”اور حضرت جابرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ (ایک سفر کے دوران جب کہ وہ مدینہ آرہے تھے) اپنے اونٹ پر سوار چل رہے تھے اور وہ (اتنا) تھک گیا تھا کہ چلنے سے معذور ہو رہا تھا (چنانچہ رسول کریم ﷺ جب جابرؓ کے قریب سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کے اونٹ کو لکڑی سے یا اس چاک سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھا) مارا پھر تو وہ (آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے) اتنی تیز رفتاری سے چلا کہ پہلے کبھی اتنی تیز رفتاری سے نہ چلا تھا، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ تم اس اونٹ کو میرے ہاتھ ایک وقیعہ کے عوض بیچ دو! حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے یہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن میں اپنے گھرنیک اس پر سواری کو مستحق کرتا ہوں یعنی میں اس شرط کے ساتھ اس کو فروخت کرتا ہوں۔ کہ اپنے گھرنیک اسی اونٹ پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ چنانچہ (حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ) جب میں مدینہ آیا تو وہ اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھے اس کی قیمت عطا فرمادی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرمائی اور اونٹ واپس کر دیا یعنی اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی عطا فرمادیا (بخاری و مسلم)۔ بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جب حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کو اونٹ دیا تو“ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جابرؓ کو اونٹ کی قیمت دے دو کچھ زیادہ بھی دے دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے انہیں اونٹ کی قیمت بھی دی اور

ایک قیراط (جو درہم کا چھٹا حصہ ہوتا تھا) زیادہ بھی دیا۔“

تشریح: وہ کہ جسے اوقیہ بھی کہا جاتا ہے چالیس ۴۰ درہم یعنی ساڑھے دس تولہ (۴۷۲۲ گرام) چاندی کے بقدر ہوتا ہے۔ فاسٹینٹ حملانہ الی اہلی سے حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس اونٹ کو آپ ﷺ کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ مدینہ تک اسی اونٹ پر سوار چلوں گایا اپنا سامان لاد کر لے چلوں گا۔

لہذا اس کے ظاہر مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی جانور کو اس شرط کے ساتھ بیچے کہ یہ جانور فلاں مدت تک میرے زیر سواری رہے گا تو جائز ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام مالکؒ کے ہاں اتنی قید ہے۔ کہ اگر مسافت نزدیک ہو تو اس شرط کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے چنانچہ یہاں یہی صورت پیش آئی کہ حضرت جابرؓ کو صرف مدینہ تک جانا تھا اس لئے اس کم مسافت کی وجہ سے انہوں نے سواری کی شرط رکھی اور ان کی یہ شرط منظور کی گئی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں ایسی کسی بھی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے جس میں بیچنے والے کا یا خریدنے والے کا نفع ہو خواہ مسافت قریب ہو یا بعید: ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے مشروط بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ایک وقتی رعایت تھی کہ حضرت جابرؓ کو اس مشروط بیع کی بطور خاص اجازت دے دی گئی تھی کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں ہے، یا پھر یہ کہ حضرت جابرؓ نے مدینہ تک اپنی سواری کو بیع کرنے کے بعد مشروط کیا ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اونٹ کی بیع کر دی اور آنحضرت ﷺ نے اسے خرید لیا تو اس کے بعد حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ سے یہ رعایت چاہی کہ مجھے مدینہ تک اس پر سوار چلنے یا اپنا سامان لادنے کی اجازت دیدی جائے جسے آنحضرت ﷺ نے منظور کر لیا۔

حق و لاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيرَةُ فَقَالَتْ إِنَّي كَاتَبْتُ عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ غَامٍ وَفِيَّةٍ فَأَعْيَبَنِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنَّ أَحَبَّ أَهْلِكَ أَنْ أَعِدَّهَا لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً وَأُعْطِكَ فَعَلْتُ وَيَكُونُ وَلَاءُكَ لِي فَذَهَبَتْ إِلَى أَهْلِهَا فَأَبْوَأَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَذْنَهَا وَأَعْيِفْنَهَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرُطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ مکاتب کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا کروں گی، لہذا آپ میری مدد کیجئے! حضرت عائشہؓ (کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں) نے کہا کہ ”اگر تمہارے مالکوں کو یہ پسند ہو کہ میں سب کے سب اوقیہ ایک ہی مرتبہ میں انہیں دیدوں اور پھر تجھے آزاد کر دوں تو ایسا کر سکتی ہوں لیکن اس صورت میں حق و لاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ (یہ سکر) اپنے مالکوں کے پاس گئی (اور ان کے سامنے یہ صورت رکھی) مگر انہوں نے اسے نامنظر کر دیا اور کہا کہ ہم صرف اس شرط کے ساتھ (تجھے) بیچ سکتے ہیں کہ حق و لاء ہمیں حاصل ہو، آنحضرت ﷺ (کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تم اسے لیکر آزاد کر دو اس کا حق و لاء تمہیں ہی حاصل ہوگا“ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں (یعنی مشروط نہیں ہیں) جو شرط کتاب

اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگرچہ وہ سوشلٹیں ہوں (یعنی جو شرط ناجائز و نامشروع ہے اسے چاہے کوئی سوۓ۰۰ بار ہی کیوں نہ عائد کرے وہ باطل ہی رہے گی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی) اور خدا ہی کا حکم سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی شرط سب سے زیادہ مضبوط ہے (یعنی بیع و شراء کے معاملات میں خدا نے جو احکام دیئے ہیں ہر صورت ان ہی کی تعمیل ضروری ہے اور خدا نے جو شرائط مقرر کی ہیں صرف انہی کا لحاظ ضروری ہے اپنی طرف سے عائد کردہ کوئی شرط بھی قابل عمل نہیں ہوگی، جان لو، حق و لاء اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے۔)۔ “بخاری و مسلم”

تشریح: ”مکاتبت“ غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک خاص نوعیت کے معاہدہ کا اصطلاحی نام ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام کا مالک اسے اس شرط پر آزاد کرتا ہے کہ روپیہ کی اتنی مقدار اتنی مدت میں دینی ہوگی غلام اسے قبول و منظور کر لیتا ہے چنانچہ غلام اگر روپیہ کی وہ مقدار اس متعینہ مدت میں ادا کر لیتا ہے تو اپنے مالک کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر وہ مقدار ادا نہیں کر پاتا تو پھر جوں کا توں اس کی غلامی میں رہتا ہے! اس معاملہ کو مکاتبت یا کتابت اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔

”ولاء آزاد کرنے کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا ہے“ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کر دے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مرجائے اور اپنے پیچھے کچھ مال و اسباب چھوڑ جائے تو اس کے عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے تمام مال و اسباب کا حق دار وہی آزاد کرنے والا شخص ہوتا ہے ایسی حق و لاء کہلاتا ہے۔

بریرہ، حضرت عائشہؓ کی لونڈی کا نام ہے، یہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آنے سے پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں جب انہوں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ کتابت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ (جو چالیس درہم کا ہوتا ہے) دیا کروں گی، اب میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اتنا دے دیں جو میں بدل کتابت کے طور پر اپنے مالکوں کو دیدوں، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو پسند ہو تو میں یہ کر سکتی ہوں کہ انہیں یہ نو اوقیہ یک مشت (تمہاری قیمت کے طور پر) انہیں دے دوں اور تمہیں خرید کر آزاد کر دوں (اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے بیچنا خریدنا جائز ہے) ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہاری طرف سے حق و لاء مجھے ہی حاصل ہوگا۔ لیکن جب یہ بات بریرہ کے مالکوں کو پہنچی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ بریرہ کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرنا چاہتے تھے کہ بریرہ کا حق و لاء ان کو حاصل ہو، چونکہ ان کی یہ شرط کہ بریرہ کو خرید کر آزاد تو کریں عائشہؓ اور حق و لاء پہنچے ان کو بالکل نادانی کی بات تھی اور شرعی طور پر مطلقاً ناجائز، اس لئے جب حضرت عائشہؓ نے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور حدیث میں مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔

حق و لاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هَبْتِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا جس کی وجہ سے حق و لاء اس کے لئے ثابت ہو گیا، اب اگر وہ یہ چاہے کہ اس حق و لاء کو کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں ہے کہ اس کو بیچا یا ہبہ کیا جاسکے، اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔

الفصل الثانی

جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا بھی حق دار ہے

⑤ عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ ابْتِغْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهُ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلَى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَضَى لِي بِرَدِّهِ وَقَضَى عَلَيَّ بِرَدِّ عَلَيْهِ فَاتَيْتُ عَزْرَةَ فَقَالَ أَرْوُحُ إِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَأَجْبِرُهُ أَنْ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي مِثْلِ هَذَا أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَأَحَ إِلَيْهِ عَزْرَةُ فَقَضَى لِي أَنْ أَخْذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِي قَضَى بِهِ عَلَيَّ لَهُ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ۔

”حضرت مخلد ابن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا پھر مجھے اس کے ایک ایسے عیب کا علم ہوا جو اس میں خریداری سے پہلے تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز (خلیفہ وقت) کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ ابن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا (جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا حضرت عروہ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ ”منفعت“ ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے چنانچہ حضرت عروہ، حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے (اور ان کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے مطلع کیا، حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے (یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد) پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لئے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”منفعت“ ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے ”کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام، خریدنے والے کے پاس مرجاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا اسی طرح غلام سے کوئی منفعت حاصل ہوگی تو اس کا حقدار خریدار ہی ہو گا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہو گا۔“

بائع و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالْذَاوَانِي قَالَ الْبَيْعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِيعُ قَائِمٌ بَعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالِ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَدَّدَانِ الْبَيْعُ۔ (ترمذی)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو بیع فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا“ (ترمذی) ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جب خریدار بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور بیع (بیچنے خریدی جانے والی چیز) جوں کی توں باقی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔“ (ترمذی)

تشریح: خریدار بیچنے والے کے درمیان بسا اوقات اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف و نزاع قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ میں اس

نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے، شرط خیار یا تعین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورتوں میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائے گا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار بتا رہا ہے۔ پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیع کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتا رہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات کو تسلیم کر لے گا، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فریق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا تو پھر آخری درجہ پر قاضی و حاکم کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بیع و معاملہ کو فسخ کرادے خواہ بیع (فروخت شدہ چیز) بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ ہو جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر بیع باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

حدیث کے الفاظ اَلْمَبِيعُ قَائِمٌ ان دونوں کے قول کی تائید کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت (جسے ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے) کے الفاظ فالقول ما قال البائع (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہ ہی ہے کہ اگر بیع بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے سے قسم کھلائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کر دے اور چاہے خود بھی قسم کھائے یا پھر دونوں فریق بیع کو فسخ کر دیں اور اگر اختلاف و نزاع کے وقت بیع بعینہ باقی نہ ہو تو پھر اس صورت میں قسم کے ساتھ خریداری کا قول معتبر ہوگا بیچنے والے سے قسم نہ کھلائی جائے۔

یہ مسئلہ یہاں اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں اسے بہت وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اہل علم ہدایہ میں یہ تفصیل دیکھ سکتے ہیں۔

اقالہ بیع کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَ اللَّهُ عَشْرَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي شَرْحِ السُّنَنِ بَلْفُظِ الْمَصَانِيحِ عَنْ شَرِيحِ الشَّامِيِّ مُرْسَلًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا“ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور شرح السنۃ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصانح میں شرح شامی سے بطریق ارسال منقول ہیں۔“

تشریح: ”اقالہ کا مطلب ہے“ بیع کو واپس کر دینا یعنی فسخ کر دینا۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ بیع اور سلم میں قبل قبضہ بھی اور بعد قبضہ بھی اقالہ جائز ہے۔

اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے متصل نقل کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے متصل ہی نقل کیا ہے لیکن مصانح میں یہ روایت بطریق ارسال ان الفاظ میں منقول ہے مَنْ أَقَالَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ صَفْقَةً كَرِهَهَا أَقَالَ اللَّهُ عَشْرَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جو شخص مسلمان کی کسی ناپسندیدہ بیع کو واپس کر دے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دیگا) چنانچہ مؤلف مشکوٰۃ نے روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ گویا مصانح کے مصنف علامہ بغویؒ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مصانح میں اولیٰ کو ترک کیا ہے بایں طور کہ ابوداؤد و ابن ماجہ کی نقل کردہ یہ متصل روایت تو نقل نہیں کی بلکہ حدیث مرسل نقل کی ہے۔

الفصل الثالث

ایک سبق آموز واقعہ

⑧ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ عَقَارًا مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَزْءَ فِيهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ عَنِّي إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ الْعَقَارَ وَلَمْ أَتَّبِعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ بَانِعُ الْأَرْضِ إِنَّمَا بَعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا فَتَحَا كَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِي تَحَا كَمَا إِلَيْهِ الْكُمَا وَلَدَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِي غُلَامٌ وَقَالَ الْآخَرُ لِي جَارِيَةٌ فَقَالَ أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَأَنْفِقُوا عَلَيْهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقُوا۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اس کو اپنے تصرف میں لایا اتفاق کی بات کہ جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا گھڑ پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا، اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ تم اپنا یہ سونا لے لو کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا۔ بیچنے والے نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے ”اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو مگر خریدا اس پر تیار نہیں ہوا) یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حکم و ثالث کے پاس لے گئے اس حکم نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میرے ہاں لڑکی ہے۔ حکم نے یہ (سن کر) کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو اور اس سونے کو اس دونوں پر خرچ کر دو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کو اپنا حکم و ثالث بنایا تھا وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے صدور فیصلہ میں کمال ذہانت و ذکاوت کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل و معقول فیصلہ دیا کہ جو نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان صلح صفائی کرانے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ..... مخالف اشخاص میں صلح کرنا قاضی و حاکم کے لئے اسی طرح مستحب ہے جس طرح غیر قاضی کے لئے مستحب ہے۔

بَابُ السَّلَمِ وَالرَّهْنِ

بیع سلم اور رهن کا بیان

”سلم“ ایک بیع کا نام ہے جس میں بیع موجد اور ثمن معجل ہوتا ہے، یعنی خریدی جانے والی چیز بعد میں لی جاتی ہے اور اس کی قیمت پہلے ہی دی جاتی ہے۔

اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے مثلاً ایک سو ۱۰۰ روپے کے عوض دو من گھیہوں کی خریداری کا معاملہ کیا، بایں طور کہ زید نے بکر کو ایک سو ۱۰۰ روپے دیدے اور اس سے طے کر دیا کہ میں اتنی مدت کے بعد اس کے عوض فلاں قسم کے دو من گھیہوں تم سے لے لوں گا، اس بیع و معاملہ کو عربی میں ”سلم“ کہتے ہیں، بعض مواقع پر ”سلف“ بھی کہا جاتا ہے، اپنی زبان میں اسے ”بدھنی“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس بیع کے مشتری یعنی خریدار کو عربی میں ”رب سلم“ ثمن یعنی قیمت کو ”راس المال“ بائع یعنی بیچنے والے کو ”مسلم الیہ“

اور بیع یعنی خریدی جانے والی چیز کو ”مسلم فیہ“ کہتے ہیں۔

یہ بیع شرعی طور پر جائز و درست ہے بشرطیکہ اس کی تمام شرائط پائی جائیں اور تمام شرائط کی تعداد سولہ ۱۶ ہے اس طرح کہ چھ شرطوں کا تعلق تو اس المال یعنی قیمت سے ہے اور دس شرطوں کا تعلق مسلم فیہ یعنی بیع سے ہے۔

اس المال سے متعلق چھ شرطیں یہ ہیں:

- ① جنس کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا اشرفیاں ہیں۔ اور یا روپے ہیں۔
- ② نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے چاندی کے ہیں یا گلت کے ہیں یا نوٹ ہیں۔
- ③ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ روپے گھرے ہیں یا کھوٹے ہیں۔
- ④ مقدار کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے سو ۱۰۰ ہیں یا دو سو ۲۰۰ ہیں۔
- ⑤ روپے نقد دینا وعدہ پر نہ رکھنا۔

⑥ اور جس مجلس میں معاملہ طے ہوا اس مجلس میں بیچنے والے کا اس المال پر قبضہ کر لینا۔
مسلم فیہ سے متعلق دس شرطیں یہ ہیں:

- ① جنس کو بیان کرنا مثلاً یہ واضح کر دینا کہ مسلم فیہ گیسو ہے یا جو ہے اور یا چٹا ہے۔
- ② نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ گیسو فلاں قسم یا فلاں جگہ کے ہیں۔
- ③ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ مثلاً گیسو اچھے ہیں یا خراب ہیں۔
- ④ مسلم فیہ کی مقدار کو واضح کرنا کہ مثلاً ایک من ہیں یا دو من ہیں۔
- ⑤ مسلم فیہ کا وزنی یا کیلی یا ذری یا عددی ہونا تاکہ امن کا متعین و اندازہ کیا جاسکے۔

⑥ مدت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ چیز اتنی مدت کے بعد مثلاً ایک مہینہ یا دو مہینہ میں یا چار مہینے میں لیں گے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ کم سے کم مدت ایک مہینہ ہونی چاہئے۔

⑦ مسلم فیہ کا موقوف و معدوم نہ ہونا یعنی یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں برابر مل سکے تاکہ معدوم کی بیع لازم نہ آئے۔

⑧ بیع مسلم کا معاملہ بغیر شرط خیال کے طے ہونا، یعنی اس بیع میں خیال بیع کو برقرار رکھنے یا فسخ کر دینے کے اختیار کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔
⑨ اگر مسلم فیہ ایسی وزن دار چیز ہے جس کی بار برداری دینا پڑے تو اس کے دینے کی جگہ کو متعین کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ میں یہ چیز فلاں جگہ یا فلاں مقام پر دوں گا۔

⑩ مسلم فیہ کا ایسی چیز ہونا جو جنس، نوع اور صفت بیان کرنے سے متعین و معلوم ہو جاتی ہو، جو چیز ایسی ہو کہ جنس، نوع اور صفت بیان کرنے سے معلوم و متعین نہ ہوتی ہو جیسے حیوان یا بعض قسم کے کپڑے تو اس میں بیع مسلم جائز نہیں۔

بیع مسلم کی شرائط صحت

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَاوِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔ (متن علیہ)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال دو سال، تین سال کی بیع مسلم کیا کرتے تھے (یعنی بیگنی قیمت دیکر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد پھل پہنچا دینا)

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ”کہ جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ معین پیمانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ سلم کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی بیع سلم کی جارہی ہو اگر وہ پیمانہ سے ناپ کر لی دی جاتی ہے تو اس کا پیمانہ متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس پیمانے ہوگی یا پندرہ پیمانے اور اگر وہ چیز وزن کے ذریعہ لی دی جاتی ہے تو اس کا وزن متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس سیر ہوگی یا پندرہ سیر، اسی طرح سلم میں خریدی جانے والی چیز کی ادائیگی کی مدت کا تعین بھی ضروری ہے کہ یہ چیز مثلاً ایک ماہ بعد دی جائے گی یا ایک سال بعد۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیع سلم میں مدت کا تعین بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تعین مدت ضروری اور شرط نہیں ہے۔

ادھار خریدنا اور گروی رکھنا جائز ہے

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهْنَهُ دِرْعَالَهُ مِنْ حَدِيدٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک متعین مدت کے ادھار پر خریدا اور اپنے لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے اول یہ کہ کوئی چیز ادھار قیمت پر خریدنا اور اس ادھار قیمت کے بدلے اپنی کوئی چیز رہن رکھنا جائز ہے۔ دوم یہ کہ سفر کے علاوہ حضر (یعنی اپنے شہر و مسکن) میں بھی رہن رکھنا جائز ہے اگرچہ قرآن کریم نے جس آیت میں رہن رکھنے کی اجازت دی ہے اس میں سفر کی قید ہے اور وہ آیت یہ ہے وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ۔ (البقرہ ۲۸۳:۲) (یعنی اگر تم کہیں سفر میں ہو اور وہاں دستاویز لکھنے کے لئے) کوئی کاتب نہ پاؤ تو (اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو (صاحب حق کے) قبضہ میں دے دی جائیں۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں سفر کی قید محض اتفاقی ہے، رہن رکھنا جس طرح سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے اور سوم یہ کہ (اہل ذمہ) اسلامی سلطنت میں جزیہ دے کر رہنے والے، اہل کتاب جیسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاملات کرنے جائز ہیں چنانچہ تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اہل ذمہ اور کفار سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کے پاس جو مال ہے اس کا حرام نہ ہونا ثابت و معلوم ہو، لیکن اہل حرب کے ساتھ مسلمانوں کا ہتھیار یا سامان جنگ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح مطلقاً کسی بھی کافر کے ہاتھ ایسی کوئی چیز بیچنی جائز نہیں ہے جو اس کے دین و مذہب کی تقویت کا باعث ہو، نیز کفار کے ہاتھ مسلمانوں کا مصحف شریف (قرآن کریم) اور غلام بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ دنیا کا مال و اسباب نہیں رکھتے تھے اور یہ تنگ دستی و قلت مال آپ کی شان استغناء توکل علی اللہ اور مال و زر سے آپ کی کلیۃً بے رغبتی کی ایک واضح مثال ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اہل ذمہ کے پاس مسلمانوں کا سامان جنگ گروی رکھنا جائز ہے نیز آپ ﷺ کے اس عمل یعنی گروی رکھنے کا یہ معاملہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے کیا صحابہؓ سے نہیں کیا۔ کے بارہ میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شاید بیان جواز کی خاطر تھا یعنی اپنے اس عمل کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ واضح کیا کہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی اپنے معاملے کرنا جائز ہے، اور بعض علماء

یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہودی کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا کہ اس وقت اپنی حاجت و ضرورت سے زائد غلہ یہودیوں کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھا۔

(۳۰) وَعَنْهَا قَالَتْ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَرَّغَهُ مَرْهُونَهُ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ۔

(رواہ البخاری)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا اس حال میں وصال ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس ۳۰ صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔“ (بخاری)

انتفاع رہن کا مسئلہ

(۳۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّهْرُ يَرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَيْسَ الدَّرُّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الذِّي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر سواری کی جائے تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے میں اس پر سواری کی جاسکتی ہے اور اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی اس کے مصارف کا ذمہ دار ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت کے ضمن میں ملا علی قاری نے جو مسئلہ لکھا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کوئی جانور کسی کے پاس رہن رکھے تو اس جانور کے مصارف مثلاً دانہ و چارہ وغیرہ کا بار چونکہ رہن پر ہوتا ہے۔ اسے بار برداری کے کام میں لائے چنانچہ حضرت امام عظیمؒ ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت شیخ عبدالحقؒ نے حدیث کے آخری جملہ ”وَعَلَى الذِّي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ“ (اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی مصارف کا ذمہ دار ہے) کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو شخص گروی رکھے ہوئے جانور پر سوار ہو گا یا اس کا دودھ پئے گا وہی اس کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہو گا خواہ وہ رہن ہو یا مرتن، گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرتن اپنے پاس گروی رکھے ہوئے جانور کا گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو وہ اس جانور کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر رہن اس جانور کا (کہ جسے اس نے مرتن کے پاس گروی رکھا ہے) گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے استعمال میں لائے اور اس کا دودھ پئے۔

حضرت شیخؒ کی اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا یہ مطلب ہو گا کہ مرتن کو گروی رکھے ہوئے جانور سے نفع اٹھانا اور اس کے مصارف برداشت کرنا جائز ہے حالانکہ اکثر علماء اس کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مرتن کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے اور یہ کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا نفقہ (جیسے جانور کا گھاس دانہ) رہن کے ذمہ ہے، مرتن کے لئے رہن سے نفع حاصل کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بالکل کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جو قرض نفع لائے وہ حرام ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث آگے آنے والی حدیث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

الفصل الثانی

شے مرہون، رہن کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی

(۵) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلُقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهْنَهُ لَهُ

عَنْهُ وَعَلَيْهِ غَزْمُهُ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ مُرْسَلًا وَرَوَى مِثْلُهُ أَوْ مِثْلُ مَعْنَاهُ لَا يُخَالِفُهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا۔

”حضرت سعید ابن مسیب (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی چیز کو گروی رکھنا مالک کو کہ جس نے وہ چیز گروی رکھی ہے (ملکیت سے) نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھ دینے سے راہن کی ملکیت ختم نہیں ہوتی) اس لئے اس گروی رکھی ہوئی چیز کے ہر نفع و بڑھوتری کا حقدار راہن ہے اور وہی اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس روایت کو امام شافعیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ اور اس قسم کی ایک اور حدیث (یعنی ہم معنی بھی اور ہم لفظ بھی) حضرت سعید ابن مسیبؒ سے روایت کی گئی ہے جسے سعید ابن مسیبؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے یا وہ روایت ہم معنی ہے اور اس کے الفاظ مختلف ہیں مگر الفاظ کا یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جو اس کے ہم معنی ہونے کے منافی ہو۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس راہن رکھ دے تو اس کا یہ راہن رکھنا اس چیز کی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جو اس کی ملکیت میں رہتی ہے اس لئے حدیث نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس راہن رکھی ہوئی چیز سے اگر کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا اس میں کوئی بڑھوتری ہوتی ہے تو وہ راہن ہی کا حق ہے یاں طور کہ اگر اس چیز کا کرایہ آتا ہے تو راہن وہ کرایہ وصول کر سکتا ہے اگر وہ کوئی جانور ہے تو اس پر سوار ہو سکتا ہے یا اسے اپنی بار برداری میں استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی اگر اس جانور کے بچے پیدا ہوں تو وہ بچے بھی راہن ہی کا حق ہوتے ہیں، پھر جس طرح راہن راہن رکھی ہوئی چیز کے منافع کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے یاں طور کہ اگر وہ چیز مرتن کے ہاں ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا نقصان راہن ہی برداشت کرتا ہے اس کی وجہ سے مرتن کے حق (یعنی جو قرض وغیرہ اس نے راہن کو دیا ہے) میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ راہن کو پورا پورا قرض واپس کرنا ہوتا ہے۔

لفظ رَوَى مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں صیغہ معروف کے ساتھ یعنی رَوَى منقول ہے اس صورت میں اس کے فاعل امام شافعیؒ ہوں گے اور لفظ مثله اور مثل منصوب ہی رہیں گے۔

حقوق شرعیہ میں پیمانہ اور وزن کا اعتبار

⑥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالْمِيزَانُ مِيزَانُ أَهْلِ مَكَّةَ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (پیمانہ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے)۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ حقوق شرعیہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں لین دین کے لئے پیمانہ میں اہل مدینہ کے پیمانہ کا اعتبار ہے اور وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ کے پیمانوں اور اوزان میں کچھ فرق و اختلاف تھا۔ مدینہ کے پیمانہ اور وزن کی مقدار کچھ اور تھی اور مکہ کے پیمانہ اور وزن کی کچھ اور اس کی وجہ سے حقوق شرعیہ یعنی زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ میں لین دینا خلیجان کا باعث بنتا ہوگا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا ہدایت جاری فرمائی، گویا اس کا حاصل یہ تھا کہ مثلاً درہموں میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ مکہ کے وزن کے مطابق دو سو ہوں گے اور صدقہ فطر دیگر صدقات واجبہ میں اہل مدینہ کا صاع معتبر ہوگا۔ مدینہ کے وزن کے مقابلہ میں مکہ کے وزن کو اور مکہ کے پیمانہ کے مقابلہ میں مدینہ کے پیمانہ کو ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں وہاں غلہ کا لین دین پیمانہ ہی کے ذریعہ ہوا کرتا تھا اور اہل مدینہ چونکہ زراعت پیشہ تھے اس لئے انہیں پیمانوں کے بارہ میں زیادہ واقفیت رہا کرتی تھی اور اوزان کا استعمال چونکہ تجارت میں زیادہ ہوتا ہے اور اہل مکہ تجارت پیشہ تھے اس لئے وہ اوزان کی واقفیت زیادہ

رکھتے تھے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے وعید

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وَلِيتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتَ فِيهِمَا الْأُمَمُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ۔ (الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے ذمہ ایسے دو کام ہیں (یعنی ناپنا اور تولنا) جن کے سبب تم سے پہلی امتیں ہلاک کی جا چکی ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: امت محمدیہ سے قبل کچھ ایسی قومیں گذری ہیں جن کے افراد اس بدترین خصلت میں مبتلا تھے کہ جب وہ کوئی چیز لوگوں سے لیتے تھے تو اسے پورا پورا ناپتے تولتے تھے مگر جب کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو اس کی ناپ تول میں کمی کر دیتے تھے۔ ان کی اس عام برائی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور وہ تیس تیس کر دیئے گئے ایسی قوموں میں سرفہرست حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا نام آتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو متنبہ کیا کہ تم ناپنے تولنے میں کمی کرنے سے پوری طرح اجتناب کرو تاکہ اس لعنت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہیں تم بھی خدا کے قہر و غضب کا شکار نہ ہو جاؤ۔

الفصل الثالث

بیع سلم کی بیع کو قبل قبضہ فروخت کرنے کی ممانعت

⑧ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلَا يَصْرِفُهُ إِلَى غَيْرِهِ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی چیز کے لئے بیع سلم کا معاملہ کرے تو اس چیز کو قبضہ میں کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ چیز اپنے قبضہ میں نہ آجائے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے اور نہ ہیہ کرے، یا یہ مطلب ہے کہ اس چیز کو کسی دوسری چیز سے نہ بدلے یعنی جس چیز کی بیع سلم ہوئی ہے معاملہ کے مطابق اسی کو لے، قبل قبضہ اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز نہ لے۔

بَابُ الْإِحْتِكَارِ

احتکار کا بیان

احتکار کے معنی: لغوی طور پر ”احتکار“ کے معنی ہیں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں احتکار کا مفہوم ہے ہر ایسی چیز کو مہنگا بیچنے کے لئے روک رکھنا جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت میں کام آتی ہو۔ مثلاً گراں بازاری کے زمانہ میں جب کہ مخلوق خدا کو غلہ وغیرہ کی زیادہ ضرورت ہو کوئی شخص غلہ خرید کر اس نیت سے اپنے پاس روک رکھے کہ جب اور زیادہ گرانی ہوگی تو اسے بیچوں گا یہ احتکار کہلاتا ہے۔

احتکار کا حکم: شرعی نقطہ نظر سے احتکار حرام ہے اس قابل نفیس فعل میں مبتلا ہونے والا شخص شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی زمین سے پیدا شدہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے یا ارزانی کے زمانہ میں غلہ خرید کر رکھ چھوڑے اور پھر اسے گرانی کے وقت بیچے تو یہ حرام نہیں ہے اسی طرح ان اشیاء کو روک رکھنا جو غذائی ضروریات میں استعمال نہ ہوتی ہوں حرام نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی غذائی چیزوں کا احتکار مکروہ ہے بشرطیکہ یہ احتکار ایسے شہر میں ہو جہاں اس کی وجہ سے شہر والوں کو تکلیف و نقصان پہنچے، یعنی اگر کوئی چھوٹا شہر ہو تو وہاں احتکار کی وجہ سے چونکہ غلہ کی قلت پیدا ہو جائے گی جس کی بناء پر غلہ کی گرانی بڑھ جائے گی اور لوگوں کو نقصان پہنچے گا اس لئے ایسے شہر میں احتکار ممنوع ہوگا، ہاں اگر بڑا شہر ہو اور وہاں کسی کے احتکار کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان نہ پہنچ سکتا ہو تو پھر ایسے شہر میں احتکار ممنوع نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین کے غلہ کا احتکار کرے یا کسی اور شہر سے غلہ خرید کر لائے اور اس کو احتکار کرے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر احتکار کرنے والا نہیں کہیں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

احتکار کرنے والا گنہگار ہے

① عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اخْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِيٌّ ؕ (رواہ مسلم)

”حضرت معمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص احتکار کرے وہ گنہگار ہے۔“ (مسلم)

وَسَنَدُ كُنْ حَدِيثُ عُمَرَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ فِي بَابِ الْفَنَى إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى اور حضرت عمرؓ کی روایت ”كانت اموال بني النضير“ کو ہم انشاء اللہ باب الفی میں نقل کریں گے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

احتکار کرنے والے کے لئے وعید

② عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُخْتَكِرُ مُلْعُونٌ ؕ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْذَاوَرِيّ ؕ

”حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جالب کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔“ (ابن ماجہ، ذاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہیں باہر سے شہر میں غلہ وغیرہ لاتا ہے کہ اسے موجودہ اور رائج نرخ پر فروخت کرے اور گراں فروشی کی نیت سے اس کی ذخیرہ اندوزی نہ کرے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے یعنی اسے بغیر گناہ کے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اسکے رزق میں برکت عطا کی جاتی ہے اس کے خلاف مخلوق خدا کی پریشانیوں اور غذائی قلت سے فائدہ اٹھا کر غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے اور خیر و بھلائی سے دور رہتا ہے جب تک کہ وہ اس لعنت میں مبتلا رہتا ہے اس کو برکت حاصل نہیں ہوتی۔

حاکم اپنی طرف سے نرخ مقرر نہ کرے

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السَّعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعِرْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَا زُجْوَانَ أَلْفَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَظْلِمُنِي

بِمَظْلَمَةٍ بَدِمَ وَلَا مَالٍ (رواہ الترمذی، ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ مہنگا ہو گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے یعنی تاجروں کو حکم دیدیجئے کہ وہ اس نرخ سے غلہ فروخت کیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا“ اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا ہے اللہ ہی فراخی دینے والا ہے اور اللہ ہی رزق دینے والا ہے میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر تم میں سے کسی کے خون اور مال کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے کا مطلب یہ ہے کہ گرائی اور ارزانی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ میں ہے۔ نرخ جس کا ظاہری سبب بنتا ہے، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کبھی تو نرخوں میں کمی اور ارزانی کے ذریعہ لوگوں کے رزق میں وسعت و فراخی پیدا کر دیتا ہے اسی کو بعض لوگ ”نرخ آسانی“ سے تعبیر کرتے ہیں لہذا جب گراں بازاری کا دور ہو اور نرخوں میں اضافے ہو جائیں تو اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے، اپنے عقائد و اعمال میں دوستی اور اصلاحی کر کے خدا کی رضا و خوشنودی کا سامان کیا جائے تاکہ وہ اپنے بندوں سے خوش ہو اور ان پر ارزانی وسعت رزق کی رحمت نازل فرمائے،

حدیث کے آخری جز میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں سے دراصل اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سرکار و حکومت کی طرف سے نرخ مقرر کیا جانا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کے معاملات میں بیجا دخل اندازی ہوتی ہے۔ اور ان کے مال میں ان کی اجازت و مرضی کے بغیر تصرف کرنا لازم آتا ہے جو ظلم کی ایک صورت ہے، پھر نرخ مقرر کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ کاروبار بند کر دیتے ہیں اور تجارتی زندگی میں اضطلال پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قحط و قلت تک کی نوبت آ جاتی ہے، انجام کار جو چیز مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے اختیار کی جاتی ہے وہی ان کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

لہذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نرخ مقرر کر کے لوگوں کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور تاجروں پر کوئی نرخ لازم نہ کیا جائے بلکہ اس کی بجائے تاجروں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کریں اور ان کے ضمیر و احساس کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ دراز و جزو نرخوں میں کمی کر کے لوگوں کی پریشانی و مصیبت دور کریں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غلہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے موعظت و عبرت

④ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ اخْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللَّهُ بِالْجَذَامِ وَالْإِفْلَاسِ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَزَقْنِي فِي كِتَابِهِ -

(ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

”حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص غلہ روک کر گراں نرخ پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جذام و افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔“ (ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق خدا اور خاص طور پر مسلمانوں کو تکلیف و نقصان میں ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جسمانی و مالی بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے اور جو شخص انہیں نفع و فائدہ پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم و مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اخْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ يَوْمًا يُرِيدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللَّهِ وَبَرِئَ اللَّهُ مِنْهُ - (رواه رزین)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے چالیس دن تک گرانی کے خیال سے غلہ کو روک رکھا گویا وہ خدا سے بیزار ہوا اور خدا اس سے بیزار ہوگا“ (زرین)

تشریح: ”وہ خدا سے بیزار ہوا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد توڑ ڈالا جو اس نے احکام شریعت کی بجا آوری اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و شفقت کے سلسلہ میں باندھا ہے۔

اسی طرح اور خدا اس سے بیزار ہوا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اس بدترین عمل کے ذریعہ مخلوق خدا کی پریشانی و تکلیف کا سامان کیا تو خدا نے اس پر سے اپنی حفاظت اٹھالی اور اس کو اپنی نظر کرم و عنایت سے دور کر دیا۔

① وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَنَسُ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ أَنْزَلَ خَصَّ اللَّهُ الْأَسْعَارَ حَزَنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرَحَ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَزِينٌ فِي كِتَابِهِ -

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ برا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نرخوں میں ارزانی کرتا ہے تو وہ سنجیدہ ہوتا ہے اور اگر نرخوں کو گراں کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔“ (بیہقی، زرین)

② وَعَنْ أَبِي هَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اخْتَكَرَ طَعَامًا أَنْ يَبْعِنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةٌ - (رواه زرین)

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو چالیس روز تک روک رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرت کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا۔“ (زرین)

تشریح: یہ گویا اس شخص کے لئے وعید و سزا ہے جو چالیس دن تک گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو روک رکھے کہ نہ تو اسے بازار میں الاکم بیچے اور نہ اس کے ذریعہ مخلوق خدا کی غذائی ضروریات کو پورا کرے، اور جو شخص اس سے کم مدت کے لئے احتکار کرے اس کے لئے بھی سزا ہے مگر اس سے کم درجہ کی۔

بَابُ الْإِفْلَاسِ وَالْإِنْظَارِ

افلاس اور مہلت دینے کا بیان

انسانی زندگی میں کسی ایک حالت کو قرار دوام نہیں ہے آج کچھ ہے کل کچھ، یہ روزانہ کے مشاہدہ کی بات ہے، انسان کی اقتصادی و مالی زندگی ہی کو دیکھ لیجئے جس طرح ایک مفلس اور فلاش شخص راتوں رات رحمت خداوندی کے نتیجہ میں مال و زر کے خزانوں کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح بڑے بڑے کاروباری دیکھتے ہی دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں جو لوگ ہر وقت لاکھوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔ مال و زر ہی جن کا اوڑھنا، بچھونا ہوتا ہے چشم زدن میں وہ پانی پانی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ یہی کائنات کا نظام ہے اور یہی تقدیر کا کھیل ہے۔ حالات کو کسی ایک راستے پر برقرار رکھنا نہ کبھی کسی کے بس میں رہا ہے اور نہ کبھی کسی کے بس میں رہے گا۔ یہ سارے کھیل قدرت خداوندی کے پابند رہے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح پابند رہیں گے۔ لیکن بدلے ہوئے حالات کو متوازن بنانا اور متوازن بنانے میں مدد دینا انسان کے بس میں ہے جسے وہ اختیار کر کے ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹ بھی سکتا ہے اور بدلے ہوئے حالات کو سنوارنے میں مدد بھی دے سکتا ہے چنانچہ یہاں جو باب قائم کیا گیا ہے اس کے تحت نقل کی جانے والی احادیث کا یہی حاصل ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی تبدیلی کا شکار ہو جائے بایں طور کہ افلاس و تنگدستی اسے اپنی پلیٹ میں لے لے تو دوسرے انسانوں کا نہ صرف یہ فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں بلکہ اگر اس شخص پر کسی کا کوئی حق و مطالبہ ہو اور وہ مفلس ہو جانے کی وجہ سے اس کی ادائیگی سے وقتی طور پر عاجز ہو تو

صاحب حق اسے اتنی مہلت دیدے کہ جب بھی اس کے حالات سدھریں وہ اس کا حق ادا کر دے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مفلس ہو جانے والے کے بارے میں ایک مسئلہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَارَ جُلِّ أَفْلَسَ فَأَذَرَكَ رَجُلٌ مَالَهُ بَعِينَهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔ (تفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے اور وہ شخص (کہ جس نے اس کے ہاتھ اپنے مال بچا تھا اس کے پاس) اپنا مال بعینہ پائے تو وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے کوئی مال خریدا، مگر اس کی قیمت ابھی ادا نہیں کر پایا تھا کہ مفلس ہو گیا اور حاکم وقاضی نے بھی اس کے مفلس و دیوالیہ ہو جانے کا فیصلہ کر دیا، اب بکر (یعنی بیچنے والے) نے دیکھا کہ زید کے پاس اس کا بچا ہوا مال جوں کا توں موجود ہے یعنی نہ تو وہ ظاہری طور پر ضائع ہوا ہے اور نہ تصرفات شرعیہ مثلاً ہبہ و وقف کے ذریعہ معنوی طور پر ختم ہوا ہے تو اس صورت میں بکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کی ہوئی بیع کو فسخ کر دے اور زید سے اپنا مال واپس لے لے کیونکہ دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ مقدم ہے لہذا بجائے اس کے کہ وہ مال دوسرے قرض خواہ زید سے لیں بکر اس کے لینے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر زید نے مال کی خریداری کے وقت قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو اور بقیہ حصہ ادا کرنے سے پہلے مفلس و دیوالیہ ہو گیا ہو تو اس صورت میں بکر اس مال کی اتنی ہی مقدار لے جو قیمت کے بقیہ حصہ کے بقدر ہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں بیچنے والے کو نہ تو بیع فسخ کر دینے کا اختیار ہے اور نہ وہ مال واپس لے لینے کا حق اسے پہنچتا ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو عقد بالخیار پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیع اس شرط کے ساتھ ہوئی ہو کہ بیچنے والے کو فلاں مدت تک اس بیع کو فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ بیع کے بعد اگر خریدار مفلس و دیوالیہ ہو جائے اور مدت خیار کے اندر بائع کو معلوم ہو گیا کہ خریدار مفلس و دیوالیہ ہو گیا ہے تو اب اس کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور اپنا مال واپس لے لے۔

مفلس ہو جانے والے کی امداد کرنے کا حکم

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَمَارٍ ابْتِاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَتْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُغْرَ مَالُهُ خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص پھلوں کے سخت نقصان میں مبتلا ہو گیا جو اس نے خریدے تھے اور اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرضدار ہو گیا“ اس کی حالت دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کرنا کہ یہ قرض کے بوجھ سے ہلکا ہوا لوگوں نے صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کی، مگر لوگوں کی مدد بھی اس کے قرض کی پوری ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو سکی اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو بس وہ لے لو، اس سے اس کے علاوہ اور کچھ تمہیں نہیں ملیگا۔“ (مسلم)

تشریح: اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک پھل دار درخت خریدا، درخت پر لگے ہوئے پھل ابھی اس کے تصرف میں نہیں آئے تھے سوء اتفاق سے ان پر آفت نازل ہوئی اور وہ سب جھڑ گئے ادھر اس نے اس کی قیمت بھی ادا نہیں کی تھی، چنانچہ جب بیچنے والے نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے لوگوں سے قرض لے کر وہ قیمت ادا کی، اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرض دار ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس کی پریشان حالی دیکھی تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ وہ صدقہ و خیرات کے ذریعہ ہی اس کی مدد کر دیں تاکہ وہ قرض کے بارے سے ہلکا ہو جائے۔ لوگوں نے اس کی مدد کی مگر ان کی مدد بھی اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہو سکی، لوگوں کی مدد سے جتنا قرض وہ ادا کر سکتا تھا اتنا ادا کر دیا بقیہ قرض کی ادائیگی سے جب وہ بالکل ہی عاجز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے قرض خواہوں سے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو حدیث کے آخر میں نقل کئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرض خواہوں سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جب اس شخص کا افلاس بالکل ظاہر ہو گیا ہے اور اس کی خستہ حالی عیاں ہو چکی ہے تو اب تمہارے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ تم اسے پریشان کرو، اسے ڈراؤ دھمکاؤ یا اسے قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کرو، بلکہ اس صورت میں تم لوگوں پر واجب ہے کہ اسے مہلت دے دو، جب دیکھو کہ اس کے پاس ادائیگی قرض کا کچھ سامان فراہم ہو گیا ہے اس وقت اپنا مطالبہ کرنا اور اس سے اپنا قرض واپس لے لینا، آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ قرضدار کے ذمہ سے قرض خواہوں کا حق ہی سہرے سے ساقط ہو گیا ہے بلکہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا اس سے آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرض دار کو مہلت مل جائے۔

وصولی قرض میں درگزر کرنے کا اجر

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ إِذَا آتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنْكَ قَالَ فَلَقِيَ اللَّهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک شخص تھا جو لوگوں سے قرض لین دین کا معاملہ کرتا تھا (یعنی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا) اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس (قرض وصول کرنے جاؤ) تو اس سے درگزر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کیا (اور اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا)۔“ (بخاری و مسلم)

④ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنَجِّيهُ اللَّهُ مِنْ كُزْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيَنْفَسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَصْغُ عَنْهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مفلس و تنگ دست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کر دے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کر دے)۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو فرض اعمال، نفل اعمال سے ستر درجے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن بعض مسائل و معاملات میں نفل اعمال فرض اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، انہیں میں سے ایک تو تنگ دست و مفلس کو اپنا حق (مثلاً قرض وغیرہ) معاف کر دینا ہے کہ یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مفلس و تنگ دست کو قرض وغیرہ ادا کرنے میں مہلت دینے سے افضل ہے جو واجب ہے دوسرے سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے لیکن یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو فرض ہے، تیسرے وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے لیکن یہ افضل ہے وقت شروع ہوجانے کے بعد وضو کرنے سے جو فرض ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَنْجَاهُ اللَّهُ مِنْ كُتْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص (اپنا مطالبہ وصول کرنے میں) مفلس کو مہلت دے یا اس کو اپنا پورا مطالبہ یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا۔“ (مسلم)

⑥ وَعَنْ أَبِي الْيَسْرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظْلَهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو اليسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا (یعنی قیامت کے دن اسے گرمی کی تپش اور اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔“ (مسلم)

تشریح: امام احمدؒ، ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس و تنگ دست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہردن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے اور اس کی ادائیگی کا دن آنے تک ہردن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اس مہلت دے دے تو اس کو ہردن کے بدلے اس کے قرض کی دگنی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

اس روایت کو تیشلی طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدے پر ایک سو روپے قرض دیئے اور دو مہینے کے بعد اس کی مفلسی و تنگ دستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی مہلت دے دی تو اسے پورے مہینے اس طرح ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہردن ایک سو روپیہ صدقہ و خیرات کرتا ہے، اسی طرح ایک مہینے کی مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہردن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہردن دو سو روپے صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

خوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے والا بہترین شخص ہے

⑦ وَعَنْ أَبِي زَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ أَبُو زَافِعٍ فَأَمَرَنِي أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا أَحْذِلُ إِلَّا جَمَلًا حَيًّا زَارِبًا عَيْنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ فَإِنْ خَيْرَ النَّاسِ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو زافعؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور پھر جب آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آئے تو ابو زافعؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو کہ جس سے آپ ﷺ نے اونٹ قرض لیا تھا ایسا ہی ایک اونٹ دے دوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ایسا ہی اونٹ کوئی نظر نہیں آ رہا ہے البتہ ایک اونٹ ہے جو اس کے اونٹ سے اچھا ہے اور ساتویں برس میں لگا ہے (لہذا میں اس کے اونٹ سے اچھا اونٹ کیسے دے دوں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اے اچھا ہی اونٹ دے دو کیونکہ لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا قرض لینا جائز ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور اکثر علماء کا مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے واضح ہوا کہ جو چیز قرض لی ہے اس کی واپسی میں اس کی بہ نسبت اچھی چیز دینا مستحب بھی ہے اور عالیٰ بہر بھی بشرطیکہ قرض لیتے وقت اس کی شرط نہ کی گئی ہو۔

قرض خواہ تقاضہ کر سکتا ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْلَظَ لَهُ فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا فَاشْتَرَوْا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ قَالُوا لَا تَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِتْبِهِ قَالَ اشْتَرَوْهُ فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے ”اس اونٹ کا تقاضہ کیا (جو آپ ﷺ نے اس سے بطور قرض لیا تھا) اور تقاضہ بھی بڑی سخت کلامی کے ساتھ کیا، آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جب اس کو ”اس سخت کلامی اور آداب نبوت کے خلاف اس کی حرکت پر) سزا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے کچھ نہ کہو، کیونکہ جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے البتہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دے دو (تاکہ اس کا مطالبہ ادا ہو جائے اور اسے پھر کچھ کہنے کا حق نہ رہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”اس نے آپ ﷺ کو بطور قرض جو اونٹ دیا تھا) اس کی عمر کا کوئی اونٹ نہیں مل رہا ہے بلکہ اس سے زیادہ عمر کا مل رہا ہے (یعنی اس کا اونٹ چھوٹا اور کمتر تھا اور ہمیں جو اونٹ مل رہا ہے وہ اس کے اونٹ سے بڑا اور اچھا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا (جو اونٹ تمہیں مل رہا ہے) اسی کو خرید لو (اگرچہ وہ اس کے اونٹ کی بہ نسبت بڑا اور اچھا ہے) اور اسے دے دو، یاد رکھو، تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضہ کرنے والا اور پھر تقاضہ میں سخت کلامی کرنے والا کوئی کافر رہا ہو گا خواہ وہ یہودی ہو یا کوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ شاید کوئی اجدگنوار و دیہاتی ہو گا جو مجلس نبوت اور مقام نبوت کے آداب سے مطلقاً بہرہ تھا، جسے یہ سلیقہ بھی نہیں تھا کہ کس سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی باتوں کو جس عالی ظرفی اور خوش اخلاقی کے ساتھ برداشت کیا وہ صرف نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

”جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے“ کے بارے میں ابنِ ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ”حق“ سے مراد قرض ہے، یعنی اگر کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض میں تاخیر کرے تو قرض خواہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس سے سختی کے ساتھ تقاضہ کرے، اس پر اظہارِ ناراضگی کرے اور اگر وہ پھر بھی قرض ادا نہ کرنے تو حاکم و عدالت کی طرف رجوع کرے۔

ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے

⑨ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَظْلُ الْغَنِيِّ ظَلَمٌ فَإِذَا أَتَيْتُمْ عَلَى مَلِيئَةٍ فَلْيَتَّبِعْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”صاحب استطاعت کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے تو اسے اس حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی چیز خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت ادا نہ کرے یا کسی کا قرض دار ہو اور ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود (قرض ادا کرنے میں تاخیر کرے تو یہ ظلم ہے)۔ بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ فسق ہے اور اس کی وجہ سے ایسے شخص کی گواہی رد ہوتی ہے، اگرچہ یہ نادہنگی ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ظاہر ہوئی ہو، لیکن بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ اس شخص کی گواہی قابل رد ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بار بار نادہنگی میں مبتلا ہو اور ادائیگی میں تاخیر کرنا اس کی عادت بن چکی ہو۔

حدیث کے دوسرے جزء ”اور جب تم سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مالدار شخص سے یہ کہے کہ تم میرا قرض ادا کر دینا تو قرض خواہ کو چاہئے

کہ وہ قرضدار کی اس بات کو فوراً قبول کر لے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو، یہ حکم استحباب کے طور پر ہے، لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے جب کہ کچھ علماء اس حکم کو بطریق اباحت کہتے ہیں۔

قرض خواہ و قرض دار کا تنازعہ ختم کرانا جائز ہے

⑩ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنُ أَبِي حَذْرَةَ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَرْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَشَفَ سَجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادَى كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَيْتَكَ يَارَسُولَ اللَّهِ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ قُمْ فَأَقِضْهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں (ایک دن) انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ابن ابی حذرہ سے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضہ کیا یہاں تک کہ جب دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں کی آوازیں سنیں تو حجرہ سے باہر آنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”کعب ابن مالکؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حاضر ہوں“ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ذریعے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کر دو۔ کعبؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے معاف کیا“ اس کے بعد آپ ﷺ نے ابن ابی حذرہ سے فرمایا کہ ”اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کر دو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کسی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز ہے، نیز حقدار سے سفارش کرنا جھگڑنے والوں میں صلح صفائی کرنا اور کسی کی سفارش قبول کرنا بشرطیکہ اس سفارش کا تعلق کسی معصیت و برائی سے نہ ہو، جائز ہے۔

ادائیگی قرض میں تاخیر کرنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ

⑪ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْبَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِجَنَازَةٍ فَقَالُوا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا لَا فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أَتَى بِجَنَازَةٍ أُخْرَى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا ثَلَاثَةٌ دَنَانِيرُ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أَتَى بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا ثَلَاثَةٌ دَنَانِيرُ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى دَيْنِهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں! چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس پر قرض تو نہیں ہے؟“ عرض کیا گیا کہ ”ہاں“ ہے! آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”تین دینار اس نے چھوڑے ہیں“ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی! پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”اس پر قرض تو نہیں ہے؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟“ عرض کیا گیا کہ ”کچھ نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو“ ابو قتادہؓ نے (جب یہ سنا تو) کہا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ (اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا“ تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔“ (بخاری)

تشریح: ہو سکتا ہے کہ تینوں جنازے ایک ہی دن اور ایک ہی مجلس میں لائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الگ الگ دن اور الگ الگ

جلس میں یہ جنازے لائے گئے ہوں۔

دوسرے شخص پر جو قرض تھا اس کی مقدار انہیں تین دینار کے برابر ہی ہوگی جو وہ چھوڑ کر مرا تھا اس لئے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس شخص پر جتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے بقدر اثاثہ چھوڑ کر مرا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔

تیسرا چونکہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر نہیں مرا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا، اس انکار کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض سے پرہیز کریں اور اگر بدرجہ مجبوری قرض لیں تو اس کی ادائیگی میں تاخیر و تقصیر سے باز رہیں۔ یا پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ میں اس کے لئے دعا کروں اور دعا قبول نہ ہو کیونکہ اس پر لوگوں کا حق تھا جس سے بری الذمہ ہوئے بغیر وہ مر گیا تھا۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضامن ہونا جائز ہے خواہ میت نے ادائیگی قرض کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بخلاف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حنفی علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہؒ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث سے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ اس میت کی طرف سے کفالت جائز ہے جس نے کچھ بھی مال نہ چھوڑا ہو اور اس پر قرض ہو۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف سے کفالت جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس تیسرے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مفلس میت کی طرف سے کفالت دراصل دین ساقط کی کفالت ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ دین ساقط کی کفالت باطل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت ابو قتادہؓ نے میت کی طرف سے اس کے قرض کی کفالت کی اور آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہؓ کی کفالت کو تسلیم کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی، تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ ابو قتادہؓ نے اس شخص کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے کفالت کر لی ہوگی، اس موقع پر تو انہوں نے صرف آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا اقرار و اظہار کیا کہ میں اس کی کفالت پہلے ہی کر چکا ہوں اب میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس اقرار و اظہار پر نماز جنازہ پڑھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابو قتادہؓ نے اس وقت میت کی طرف سے کفالت کی نہیں تھی بلکہ ازراہ احسان و تبرع یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا۔

قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَنْ يَدَّهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ أَنْ يُلَاقِهَا أَتَلَّفَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی ضرورت و احتیاج ہی کی بناء پر قرض لے اور قرض کی ادائیگی کا ارادہ بھی رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہو) تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کر دیتا ہے (یعنی قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے) بایں طور کہ یا تو دنیا میں قرض ادا کرنے کی استطاعت دے دیتا ہے یا آخرت میں حقدار کو راضی کر دیتا ہے (اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو) (یعنی

احتیاج و ضرورت کے بغیر کسی سے قرض لے اور پھر اس قرض کی ادائیگی کی نیت بھی نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے (یعنی جو شخص کسی سے قرض لے اور اس قرض کو نہ ادا کرے اور نہ ادا کرنے کی نیت رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ادائیگی قرض پر اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے رزق میں وسعت و فراخی عطا نہیں کرتا بلکہ اس کا مال تلف و ضائع بھی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ایک مسلمان کا مال ضائع کرنے کی نیت رکھتا ہے)۔ “(بخاری)

اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا

(۱۳) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُذْبِرٍ يَكْفُرُ اللَّهُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا أَذْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ إِلَّا الدِّينَ كَذَلِكَ قَالَ جَبْرِئِيلُ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اس حال میں کہ میں صبر کرنے والا اور ثواب کا خواہش مند ہوں (یعنی میں دکھانے سنانے کی غرض سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر اور ثواب کی طلب میں جہاد کروں) اور اس طرح جہاد کروں کہ میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤں بلکہ ان کے سامنے سینہ سپر ہوں (یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے مارا جاؤں) تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ”ہاں! پھر جب وہ شخص (اپنے سوال کا جواب پا کر) واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے آواز دی اور فرمایا کہ ”ہاں! اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ یقیناً معاف کر دے گا مگر قرض کو معاف نہیں کرے گا، مجھ سے جبریل نے یہی کہا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت اور کٹھن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق یعنی عبادات و طاعات میں کوتاہی اور گناہ و معصیت کو معاف کر دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق یعنی قرض وغیرہ کو معاف نہیں کرتا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ تک اللہ تعالیٰ کا صرف وہی پیغام نہیں پہنچاتے تھے جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی دیگر ہدایات و احکام پہنچاتے رہتے تھے۔

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدِّينَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”شہید کے تمام (صغیرہ اور کبیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر دین (یعنی حقوق) کی معافی نہیں ہوتی۔“ (مسلم)

تشریح: ”دین“ سے مراد حقوق العباد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر بندہ کا کوئی حق ہو یعنی خواہ اس کے ذمہ کسی کا مال ہو، یا اس نے کسی کا ناحق خون کیا ہو، یا کسی کی آبروریزی کی ہو، یا کسی کو برا کہا ہو، یا کسی کی غیبت کی ہو تو اگر وہ شخص شہید بھی ہو جائے تب بھی یہ چیزیں معاف نہیں کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق کسی حال میں معاف نہیں کرتا۔

لیکن ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس حدیث کا تعلق ”شہداء بر“ یعنی بری جنگ میں شہید ہونے والوں سے ہے، بجز جنگ میں شہید ہونے والے اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ابن ماجہؓ نے ابو امامہؓ کی یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بجز جنگ میں شہید ہونے والوں کے تمام گناہ حق کہ دین (یعنی حقوق العباد) بھی بخشے جاتے ہیں۔

قرض دار کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُؤْتِي بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدِّينَ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدِينِهِ قِضَاءً فَإِنْ

حَدَّث أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّيْ وَالْأَقَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْفَتْوحَ قَامَ قَالَ أَنَا أَوَّلِي
بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوْفِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دِينًا فَعَلَى قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لَوَرُثَتِهِ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ پہلے پوچھتے کہ کیا یہ شخص اپنا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑ کر مرا ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ شخص اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے، اور اگر (یہ معلوم ہوتا کہ) کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرا ہے تو پھر آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ خود نہ پڑھتے بلکہ مسلمانوں سے فرماتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے (اور مشرکین و کفار سے جنگ کے بعد غنیمت کی صورت میں مال و زر میں وسعت و کشادگی نصیب ہوئی) تو آپ ﷺ (ایک دن) خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور (مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں (دین و دنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں لہذا جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض ہو (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے) تو اس کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں اور جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے (تو اس مال سے اس کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں (دین و دنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب رکھیں، آپ ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی خواہش کو اپنے نفس کے حکم اور اپنے نفس کی خواہش پر مقدم رکھیں، آپ ﷺ کے حق کو اپنی جانوں کے حق سے مقدم جانیں اور ان کے قلوب اپنی جانوں کی شفقت و محبت سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی شفقت و محبت سے لبریز ہوں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی شان رحمت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان اپنی ذات پر جتنا شفیق و مہربان ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کے حق میں اس سے کہیں زیادہ شفیق و مہربان ہیں، ایک مسلمان کی جان، اس کی عزت و آبرو اور اس کا دین آنحضرت ﷺ کو جتنا زیادہ عزیز و محبوب ہے اتنا خود اس کو نہیں ہے، چنانچہ مسلمانوں پر یہ آپ ﷺ کی بے پناہ شفقت ہی کا پر تو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات جنگ میں حاصل ہونے والی غنیمت کے ذریعے آپ ﷺ پر مال و زر کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہوا کہ اس مال و زر کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں بلکہ آپ ﷺ نے خود تو سختی و تنگدستی کی سابقہ حالت پر ہی قناعت کی اور سارا مال و زر مسلمانوں ہی کے لئے وقف رکھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اب جب کہ خدا نے مال و زر کے خزانے میرے تصرف میں دے دیئے ہیں تو میں اس بات کا زیادہ حقدار ہوں کہ مسلمانوں کی مال عزت و آبرو کا تحفظ کروں لہذا مسلمانوں کے قرض کی ادائیگی کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے کہ اس پر قرض ہے اور وہ قرض کی ادائیگی کے بقدر مال نہیں چھوڑ گیا ہے تو اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ مردوں کے قرض کی ادائیگی بیت المال سے فرمایا کرتے تھے اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے لیکن بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کا قرض اپنے مال میں سے ادا کرتے تھے۔

اسی طرح بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مردوں کی طرف سے قرض کی ادائیگی آنحضرت ﷺ پر واجب تھی اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ان کا قرض ادا کرنا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ تبرعاً یعنی ازراہ احسان و شفقت ان کے قرض کی ادائیگی کرتے تھے۔

الفصل الثانی

دیوالیہ کا حکم

(۱۶) عَنْ أَبِي خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ قَالَ جِئْنَا أَبَاهُ زَيْدَةَ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ فَقَالَ هَذَا الَّذِي قَضَى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّمَا رَجُلٍ مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِمَتَاعِهِ إِذَا وَجَدَهُ بِعَيْنِهِ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔
حضرت ابی خلدہ زرقی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس اپنے ایک ساتھی کا معاملہ لے کر آئے جو مفلس ہو گیا تھا (مگر اس کے پاس لوگوں کا وہ سامان موجود تھا جس کی قیمت اس نے ادا نہیں کی تھی) ہم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص کا معاملہ بالکل اس شخص جیسا ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ جو شخص مرجائے یا مفلس ہو جائے (اور اس کے ذمے لوگوں کے مطالبات ہوں) تو جس شخص کا مال اس کے پاس ہے وہی شخص اس مال کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ مال جوں کا توں موجود ہو۔ ”اس کی وضاحت کے لئے اسی باب کی پہلی فصل میں حدیث نمبر ادیکھئے۔“

(شافعی، ابن ماجہ)

قرض دار کی روح قرض کی ادائیگی تک معلق رہتی ہے

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ۔

(رواہ الشافعی و احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”مؤمن کی روح اپنے قرض کی وجہ سے اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے (یعنی جب کوئی شخص قرضدار مرتا ہے تو اس کی روح اس وقت تک بندگان صالح کی جماعت میں داخل نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔“ (شافعی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جو قرض اپنی ادائیگی کے وقت تک مؤمن کی روح کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے روکتا ہے وہ قرض وہ ہے جو بلا ضرورت واقعی مال و زر کی صورت میں کسی سے لیا گیا ہو اور وہ مال و زر و روایات اور فضول کاموں میں خرچ کیا گیا ہو اور اسے اسراف کے طور پر لٹایا گیا ہو۔ ہاں جس شخص نے اپنی واقعی ضرورت کے لئے مثلاً حقوق واجبہ کی تکمیل یا کسی کے مالی مطالبہ کی ادائیگی کے بعد ضرورت روپیہ یا مال قرض لیا ہو اور پھر قرضدار اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو ایسا قرض اس کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے انشاء اللہ نہیں روکے گا، مگر ایسے قرض کے بارے میں سلطان وقت یعنی حاکم (یا قرض دار کے متعلقین میں سے مستطیع لوگوں) کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کا قرض ادا کر دیں اور اگر کوئی بھی اس کا قرض ادا نہیں کرے گا تو پھر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قرض خواہوں کو راضی کر دے گا تاکہ وہ اس قرض دار سے آخرت میں کوئی مطالبہ نہ کریں۔

(۱۸) وَعَنْ النَّوَّاسِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدِّينِ مَأْسُورٌ بِدَيْنِهِ يَشْكُوكُ إِلَى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ وَرَوَى أَنْ مُعَاذًا كَانَ يَدَّ أَنْ فَاتَتْهُ غَرْمَاوُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ كُلَّهُ فِي دَيْنِهِ حَتَّى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ مُرْسَلٌ هَذَا لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الْأَصُولِ إِلَّا فِي الْمُتَنَقِّهِ، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابًا سَخِيًّا وَكَانَ لَا يَمْسِكُ شَيْئًا فَلَمَّ يَزَلْ يَدَّ أَنْ فَاتَتْهُ غَرْمَاوُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ لِيَكَلِّمَ غَرْمَاءَهُ فَبَلَّوْهُ تَرَكَوْا الْمُعَاذَ لِأَجْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهُ حَتَّى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ۔ رَوَاهُ سَعِيدٌ فِي سُنَنِهِ مُرْسَلًا۔

”اور حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے محبوس کر دیا جائے گا (یعنی جنت میں داخل ہونے اور بندگان صالح کی صحبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا۔“ (شرح السنہ)

”منقول ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ قرض لیا کرتے تھے (ایک مرتبہ) ان کے قرض خواہ (اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے معاذؓ کا سارا مال و اسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذؓ مفلس ہو گئے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ مصاحح کے نقل کردہ ہیں۔ (مشکوٰۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے، البتہ یہ روایت منتقی میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ ”حضرت عبدالرحمن ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ ایک نخی جوان تھے اور (اپنی سخاوت کی وجہ سے) کوئی مال و اسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دے دیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال و اسباب قرض کی نذر کر دیا۔ پھر وہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اس بات کی خواہش کی کہ) آپ ﷺ ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں (کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا، اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت ﷺ کی وجہ سے معاذؓ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہذا جب انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو) آنحضرت ﷺ نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذؓ کا سارا مال و اسباب بیچ دیا یہاں تک کہ ”(اس کی وجہ سے) معاذؓ مفلس ہو گئے اسعدؓ نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو نہ توجہت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی اور نہ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں اسے جانے دیا جائے گا اور اس طرح جب وہ یہ دیکھے گا کہ تمام ہی نیک بخت لوگ توجہت میں جا رہے ہیں اور میں ایسا بد بخت ہوں کہ ان کی رفاقت و صحبت کی سعادت سے بھی محروم ہوں، نیز اسے کوئی ایسا سفارشی بھی نظر نہیں آئے گا جو اسے اس قید تنہائی سے نجات دلائے تو وہ اپنی تنہائی اور اس قید کی وحشت سے مضطرب ہو کر بارگاہ خداوندی میں شکوہ کرے گا۔ چنانچہ جب تک وہ قرض کی وجہ سے چھٹکارا نہ پا جائے گا۔ بایں طور کہ یا تو وہ اس قرض کے عوض میں اپنی نیکیاں قرض خواہوں کو دے دے، یا قرض خواہوں کے گناہوں کو ان کے قرض کے عوض اپنے اوپر لا دے، یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے اور وہ اپنا حق معاف کر دیں، اس وقت تک وہ اسی تنہائی میں رہے گا، گویا یہ تنہائی بھی اس کے لئے ایک عذاب کے درجے کی چیز ہوگی جس سے وہ سخت رنج و اذیت محسوس کرے گا۔

ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے اپنی قبر میں قید کیا جائے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی قید تنہائی کا شکوہ کرے گا۔

”اصول“ ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں حدیثیں سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔ ”منتقی“ ابن تیمیؒ کی ایک کتاب کا نام ہے۔ لہذا مشکوٰۃ کے مؤلف روایت کے الفاظ لم اجد الخ کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصاحح کے مصنف نے یہ روایت وروی ان معاذ اکان الخ جن الفاظ میں نقل کی ہے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے اصول کی کتابوں میں نہیں ملی ہے بلکہ یہ روایت منتقی میں منقول ہے اور وہ بھی ان الفاظ میں وعن عبد الرحمن الخ۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ منتقی کے ہیں اور ان کو یہاں مؤلف مشکوٰۃ نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث اگرچہ اصول کی ان کتابوں میں نہیں ہے جنہیں مؤلفؒ نے دیکھا ہے لیکن منتقی میں موجود ہے لہذا یہ روایت اگر اصول کی کتابوں میں نہ ہوتی تو صاحب منتقی اس کو اپنی کتاب میں نقل نہ کرتے۔

بلاعذر قرض ادا نہ کرنے والا مستطیع شخص قابل ملامت ہے

(۱۹) وَعَنِ الشَّرِيدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْتَ الْوَاحِدُ يُحِلُّ عِزَّهُ وَغَفْوَتَهُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ

يُجَلُّ عِزُّهُ يُغْلَظُ لَهُ وَ عَقُوبَتُهُ يُحْبِسُ لَهُ - (رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت شریفؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مستطیع شخص کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا، اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو حلال کرنا ہے“، ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی بے آبروئی کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسے ملامت کی جائے اور اسے سزا دینا یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت اور مالدار ہونے کے باوجود بلا عذر اسے قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی بھی مباح ہے اور اس کو سزا دینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی طرف سے بلا عذر ادائیگی قرض میں ٹال مٹول اور تاخیر ایک طرح کا ظلم ہے۔ آبروریزی کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے سرزنش کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے۔ اور اس کو سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وعدالت سے چارہ جوئی کر کے اسے قید خانہ میں ڈلوادیا جائے۔

قرض دار مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

②۰ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكْ لَهُ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيَّ دَيْنُهُ يَارَ سَوَّلَ اللَّهُ فَقَدَّمَ فَصَلَّى عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ مَعْنَاهُ وَقَالَ فَكَ اللَّهُ رَهَانَكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَكَتَ رِهَانُ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقْضِي عَنْ أَخِيهِ دَيْنَهُ إِلَّا فَكَ اللَّهُ رِهَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے (جنازہ لانے والوں سے) دریافت فرمایا کہ ”کیا تمہارے اس ساتھی پر قرض بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ”ہاں!“ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ”کیا یہ شخص اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر (مال) چھوڑ گیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ”نہیں!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھوں گا) حضرت علیؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ ”یا رسول اللہ! اس کے قرض کی ادائیگی میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ایک اور روایت میں جو اسی مضمون کی منقول ہے (مگر اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں) یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے (حضرت علیؓ سے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جان کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح نجات دے جس طرح تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی جان کو (قرض کے بوجھ سے) نجات دی، (یاد رکھو) جو بھی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کا قرض ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جان کو نجات دے گا“ (شرح السنہ)

قرض کے بوجھ سے ہلکا ہو کر مرنے والے کے لئے بشارت

②۱ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيٌّ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُولِ وَالذَّنْبِ دَخَلَ الْجَنَّةَ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ تکبر، خیانت اور قرض سے پاک ہو تو وہ (مقبول بندوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہوگا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنا ایک بڑا گناہ ہے

②۲ وَعَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ يَلْقَاهَا عَبْدٌ بَعْدَ الْكِبَارِ الَّتِي نَهَى اللَّهُ عَنْهَا أَنْ يَمُوتَ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَدْعُ لَهُ قَضَاءً - (رواہ احمد والبوداؤد)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”کبیرہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ جس کا مرتکب ہو کر بندہ خدا سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: بالکل مفلسی کی حالت میں قرض کا بوجھ لے کر مرنے کے گناہ کو ”گناہ کبیرہ“ کے بعد کا درجہ اس لئے دیا گیا ہے کہ ”گناہ کبیرہ“ تو بذات خود ممنوع ہے لیکن قرض لینا بذات خود ممنوع نہیں ہے کہ وہ گناہ کبیرہ ہو بلکہ بعض احادیث میں تو اپنی واقعی ضروریات کی تکمیل کے لئے قرض لینے کو مستحب کہا گیا ہے، چنانچہ بعض مواقع پر قرض کی جو ممانعت منقول ہے وہ اس عارض کی بناء پر ہے کہ بسا اوقات قرض لینے میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں یعنی قرض لینے والا جب قرض کی ادائیگی نہیں کرتا تو قرض خواہ کا مال بلاوجہ ضائع ہو جاتا ہے اس صورت میں قرض لینا گناہ بن جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں منقول ”گناہ کبیرہ“ کی اگر یہ وضاحت کر دی جائے کہ ایسے گناہ کبیرہ جو مشہور ہیں۔ جیسے شرک اور زنا وغیرہ تو مطلب یہ ہو گا کہ بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنے کے گناہ کا درجہ مشہور کبیرہ گناہ جیسے شرک وغیرہ کے بعد ہے، اس صورت میں یہ بھی (مشہور کبیرہ گناہوں کے علاوہ) دوسرے کبیرہ گناہوں کے زمرہ میں آجائے گا۔

حرام چیزوں میں صلح ناجائز ہے

(۲۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْبُرَيْئِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا ضَلَحَ حَازِمٌ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرُوطًا حَرَمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَأَبُو دَاوُدَ وَانْتَهَتْ رَوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ عَلَى شُرُوطِهِمْ۔

”اور حضرت عمرو ابن عوفؓ مزنیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے ہاں وہ صلح جائز نہیں ہے جو حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کر دے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں (یعنی مسلمان صلح و جنگ یا ان کے علاوہ دوسرے معاملات میں آپس میں جو شرطیں یعنی عہد و پیمان کرتے ہیں ان کی پاسداری و پابندی ضروری ہے) ہاں اس شرط کی پابندی جائز نہیں ہے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، ابوداؤد نے اس روایت کو لفظ علی شرطہم تک نقل کیا ہے

تشریح: ناجائز صلح کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اس بات پر صلح کرے کہ میں بیوی کی سوکن سے جماع نہیں کروں گا یہ صلح درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا لازم آتا ہے جو بالکل جائز اور حلال ہے اسی طرح وہ صلح بھی جائز نہیں ہے جو حرام چیز کو حلال کر دے مثلاً کوئی اس بات پر صلح کرے کہ میں شراب پیوں گا یا سونگھوں گا اس میں ایک چیز کو اپنے لئے حلال سمجھ لینا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

جس طرح کی پاسداری و پابندی جائز نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ شرط و عہد کر لے کہ میں اپنی لونڈی سے جماع نہیں کروں گا، اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی شرط ہے جو حلال ہے، یا مثلاً کوئی اس بات کی شرط کرے کہ میں اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے شادی کر لوں گا اس شرط و عہد کی پاسداری بھی درست نہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے لئے حلال قرار دے لینا لازم آتا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

بظاہر یہ حدیث اس باب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن چونکہ مؤلف کتاب نے اس حدیث کو یہاں نقل کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ خرید و فروخت کے معاملات میں مفلس و دیوالیہ ہو جانے کے وقت اکثر صلح و شرائط کی نوبت آتی ہے اس لئے اس مناسبت سے اس

حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کا پانچامہ خریدنا

(۲۴) عَنْ سُؤَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمُخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَرًّا مِنْ هَجَرَ فَاتَيْنَاهُ بِمَكَّةَ فَجَاءَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيلَ فَبَعَّاهُ وَتَمَّ رَجُلٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِنْ وَأَرْجِعْ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

”حضرت سويد ابن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدیؓ نے مقام ہجر سے (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) بیچنے کے لئے کپڑا لیا اور اسے لے کر مکہ میں آئے، رسول اللہ ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم بیچنے کے لئے کپڑا لے کر مکہ آئے ہیں تو آپ ﷺ) بہ نفس نفیس چل کر (بغیر سواری کے) ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے ایک پانچامہ خریدا، چنانچہ جب ہم نے وہ پانچامہ آپ ﷺ کو بیچا تو آپ ﷺ نے اس شخص سے کہ جو اس جگہ اجرت پر لوگوں کے اسباب تولا کرتا تھا فرمایا کہ تم (میرے چاندی کے یہ ٹکڑے) تول دو (تاکہ میں یہ ٹکڑے اس پانچامہ کی قیمت کے طور پر دے دوں) اور (جتنے ٹکڑوں کی بات طے ہوئی ہے اس سے) کچھ زیادہ ہی تول دینا۔“ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ابوبیلی نے اپنی سند میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ پانچامہ چار درہم کے عوض خرید فرمایا تھا۔ احادیث سے صرف آپ ﷺ کا پانچامہ خریدنا ثابت ہوتا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وہ پانچامہ پہنا بھی تھا۔ اس حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ کی تواضع و انکساری کا بیان ہے کہ آپ ﷺ پانچامہ خریدنے کے لئے خود بہ نفس نفیس چل کر تشریف لائے وہیں اس حدیث سے آپ ﷺ کے کمال اخلاق و کرم فرمائی کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پانچامہ بیچنے والے کو طے شدہ قیمت سے زائد مال عنایت فرمایا۔

یہ حدیث بھی بظاہر اس باب کے موضوع سے متعلق نہیں ہے الٰہیہ کہ یہ کہا جائے کہ بعض وقت بیچنے والے کے افلاس اور اس کی خستہ حالت کی وجہ سے اس کو ازراہ احسان و بھلائی متعینہ قیمت سے کچھ زائد بھی دے دیا جاتا ہے اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں نقل کی گئی ہے۔

قرض کی واپسی میں غیر مشروط زیادتی جائز ہے

(۲۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ نے وہ قرض واپس کیا تو مجھے کچھ زیادہ دیا۔“

(ابوداؤد)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کا کوئی مطالبہ (مثلاً قرض وغیرہ) ادا کرے اور اپنی طرف سے کچھ زیادہ بھی دے دے بشرطیکہ وہ زیادتی سرے سے مشروط نہ ہو تو یہ درست ہے۔ اس زیادتی کو سود نہیں کہیں گے۔ کیونکہ سود تو اس زیادتی کو کہتے ہیں جو قرض خواہ قرض دیتے وقت مشروط کر دے مثلاً ایک سو روپیہ ایک متعین مدت کے وعدے سے بطور قرض کسی کو دے اور یہ شرط عائد کر دے کہ اس قرض کی واپسی کے وقت دس روپیہ مزید لوں گا یہ قطعاً حرام ہے۔

ادائیگی قرض کا جلد انتظام کرو

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ مِنِّي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ أَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ تَعَالَى فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی ربیعہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے ایک موقع پر چالیس ہزار (درہم) قرض لئے تھے، پھر جب آپ ﷺ کے پاس ایک بڑی مقدار میں مال آیا تو آپ ﷺ نے مجھے (وہ سب مال یا اس مال میں سے میرے قرض کے بقدر) دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور تمہارے اموال میں برکت عطا فرمائے قرض کا بدلہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ (جب قرض مل جائے تو) شکر و ثنا کی جائے اور (جلد سے جلد) اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔“ (نسائی)

مہلت دینے والے کو ثواب ملتا ہے

(۲۷) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَصَنَ آخِرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص کا کسی پر کوئی حق (یعنی قرضہ وغیرہ) ہو اور وہ اس (کو) وصول کرنے میں تاخیر کرے (یعنی قرض دار کو مہلت دے) تو اسے (دی ہوئی مہلت کے) ہر دن کے بدلے صدقہ کا ثواب ملے گا۔“ (احمد)

دین میراث پر مقدم ہے

(۲۸) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْأَطْوَلِ قَالَ مَاتَ أَخِي وَتَرَكَ ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ وَتَرَكَ وَلَدًا صَغِيرًا فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْفِقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكَ مَحْبُوسٌ بِدَيْنِهِ فَأَقِضْ عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقِ إِلَّا امْرَأَةٌ تَدْعُنِي دِينَارَيْنِ وَلَيْسَتْ لَهَا بَيْتَةٌ قَالَ اعْطِهَا فَإِنَّهَا صَادِقَةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت سعد ابن اطولؓ کہتے ہیں کہ جب میرا بھائی مرا تو اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑے تھے، چنانچہ میں نے چاہا کہ ان تین سو دیناروں کو اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کر دوں (اور اس کا قرض ادا نہ کروں) لیکن رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے (عالم برزخ میں) محبوس کر دیا گیا ہے (جس کے سبب وہ وہاں کی نعمتوں اور صلحاء کی صحبت سے محروم ہے) لہذا تم اس کا قرض ادا کر دو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) میں گھر آیا اور اپنے بھائی کا قرض ادا کیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی ہمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے بھائی کا قرض ادا کر دیا ہے، اب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے ہاں ایک عورت باقی رہ گئی ہے جو دو دینار کا دعویٰ کر رہی ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو بھی دو دینار دے دو وہ سچی ہے۔“ (احمد)

تشریح: یا تو آپ ﷺ کو سعدؓ کے بھائی کے قرض کا حال بغیر وحی کے کسی اور ذریعے سے معلوم ہوا ہو گا اس لئے آپ ﷺ نے سعدؓ کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا کیونکہ حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے حکم جاری کر دے یا پھر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کے قرض کا حال معلوم ہوا ہو گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین، میراث پر مقدم ہے، یعنی مرنے والے کے مال و زر میں سے پہلے لوگوں کے وہ مطالبات ادا کئے جائیں جو اپنے ذمہ چھوڑ گیا ہو اس کے بعد جو کچھ بچے وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے

باربازی شہادت بھی قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی

(۲۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا بِفَنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُؤْضَعُ الْحَنَائِزُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاطَأَ بَصَرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَنْبَيْهِ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيدِ قَالَ فَسَكَنَّا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرِ إِلَّا خَيْرًا حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نَزَلَ قَالَ فِي الدِّينِ وَالْدِينِ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ وَغَلِيهِ ذَنْبٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَقْضَى ذَنْبُهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ نَحْوُهُ۔

”اور حضرت محمد بن عبد اللہ ابن محشؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ کے قریب اس صحن میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے تھے، ہمارے درمیان رسول کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے، اچانک آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ادھر دیکھا پھر اپنی نظر جھکا لی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر (انتہائی تعجب کے عالم میں) فرمایا کہ ”سبحان اللہ! سبحان اللہ! کس قدر سختی نازل ہوئی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ”ہم خاموش رہے (یعنی ہم نے آپ ﷺ سے کوئی سوال نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ پورا دن گزرا، پوری رات گزری اور ہمیں اچھائی کے علاوہ کوئی سخت بات نظر نہیں آئی (یعنی صحابہؓ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ شاید اسی وقت کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے یا کوئی سخت مصیبت آنے والی ہے مگر وہ پورا دن گزرا، پوری رات گزری نہ کوئی عذاب نازل ہوا اور نہ کوئی مصیبت پیش آئی تا آنکہ صبح ہو گئی۔ حدیث کے راوی محمد ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ”اس کے بعد میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ وہ کیا سختی ہے جو نازل ہوئی ہے“ (اور جس کا اظہار آپ ﷺ نے اتنے تعجب کے ساتھ کل فرمایا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا (دین) یعنی قرض وغیرہ کے بارے میں وہ سختی نازل ہوئی ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کرتے ہوئے) مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے (یعنی اگر کوئی قرض دار بار بار بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے تو یہ بار بار کی شہادت بھی اس کے قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی) اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح کی حدیث منقول ہے۔“ (جس کا مضمون تو یہی ہے مگر الفاظ دوسرے ہیں)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر دوسری جگہ پڑھتے تھے۔

بَابُ الشَّرِكَةِ وَالْوَكَالَةِ

شرکت اور وکالت کا بیان

لغت میں ”شرکت“ کے معنی ہیں ”ملانا“ لیکن اصطلاح شریعت میں ”شرکت“ کہتے ہیں ”دو آدمیوں کے درمیان ایک ایسا (مثلاً تجارتی) عقد و معاملہ ہونا جس میں وہ اصل اور نفع دونوں میں شریک ہوں

”شرکت“ کی دو قسمیں ہیں، ”شرکت ملک“ اور ”شرکت عقد“ شرکت ملک اسے کہتے ہیں کہ دو آدمی یا کسی آدمی بذریعہ خرید یا بیہ یا میراث کسی ایک چیز کے مالک ہوں، یا دو شخص مشترک طور پر کسی مباح چیز کو حاصل کریں، مثلاً دو آدمی مل کر شکار کریں اور وہ شکار دونوں کی مشترک ملکیت ہو۔ یا دو آدمیوں کا ایک ہی جنس کا الگ مال ایک دوسرے میں اس طرح مل جائے کہ ان دونوں کے مال کا امتیاز نہ

ہوسکے۔ مثلاً زید کا دودھ بکر کے دودھ میں مل جائے یا وہ دونوں اپنے اپنے مال کو قصداً ایک دوسرے کے مال میں ملا دیں۔ یہ سب شریک ملک کی صورتیں ہیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ ہر شریک اپنے دوسرے شریک کے حصے میں اجنبی آدمی کی طرح ہے، اور ہر شریک اپنا حصہ اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس شریک کو یا کسی (دوسرے شخص (یعنی غیر شریک کو فروخت کر سکتا ہے البتہ آخری دونوں صورتوں میں (یعنی ایک دوسرے کے مال کے آپس میں مل جانے یا اپنے اپنے مال کو ایک دوسرے کے مال میں قصداً ملا دینے کی صورت میں) کوئی بھی شریک اپنا حصہ کسی دوسرے شخص (یعنی غیر شریک) کو اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا۔

”شرکت عقد“ کا مطلب ہے ”شرکاء کا ایجاب و قبول کے ذریعے اپنے اپنے حقوق و اموال کو متحد کر دینا“ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے اپنے فلاں حقوق اور فلاں معاملات یعنی تجارت وغیرہ میں تمہیں شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس طرح ”شرکت عقد“ کا رکن (یعنی اس کی بنیاد) تو ایجاب و قبول ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ معاہدہ شرکت میں ایسی کوئی دفعہ مطلقاً شامل نہ ہو جو شرکت کے بنیادی اصولوں کو فوت کر دے جیسے شرکاء میں سے کسی ایک کا فائدے میں سے کچھ حصے کو اپنے لئے متعین و مخصوص کر لینا مثلاً کسی تجارت میں دو آدمی شریک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک یہ شرط عائد کر دے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والے فائدے میں سے پانچ سو روپے ماہوار لیا کروں گا۔ یہ شرط مشترک و متحد معاملات کے بالکل منافی ہے۔ جو شرکت کے بنیادی اصول و مقاصد ہی کو فوت کر دیتی ہے، اس لئے معاہدہ شرکت میں ایسی کسی دفعہ کا شامل نہ ہونا شرکت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

پھر شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں۔ ① شرکت مفاوضہ ② شرکت عنان ③ شرکت صنائع و التعلیل ④ اور شرکت وجوہ۔ ”شرکت مفاوضہ“ تو یہ ہے کہ دو شخص یہ شرط کریں یعنی آپس میں ٹھہرائیں کہ مال میں تصرف میں مفاوضہ میں دونوں شریک رہیں گے لیکن اس شرکت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں دین و ذہب میں بھی یکساں اور برابر ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت اور کفالت کو لازم کر دیتی ہے، یعنی شرکت مفاوضہ میں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں۔ لہذا یہ شرکت مسلمان اور ذمی کے درمیان جائز نہیں ہوتی کیونکہ دین و ذہب کے اعتبار سے دونوں مساوی اور یکساں نہیں ہیں، اسی طرح غلام اور آزاد کے درمیان اور بالغ و نابالغ کے درمیان بھی یہ شرکت جائز نہیں کیونکہ یہ تصرف میں مساوی و یکساں نہیں ہیں۔

اس شرکت کے معاہدہ و شرائط میں لفظ ”مفاوضت“ یا اس کے تمام مقتضیات کو بیان و واضح کر دینا ضروری ہے۔ اس شرکت میں عقد و معاہدہ کے وقت شرکاء کا اپنا اپنا مال دینا یا اپنے اپنے مال کو ملانا شرط نہیں ہے۔ اس شرکت میں شرکاء چونکہ ایک دوسرے کے کفیل و وکیل ہوتے ہیں اس لئے اگر اس میں سے کوئی بھی اپنے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے علاوہ جو کچھ خریدے گا وہ تمام شرکاء کی ملکیت ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک شرکت مفاوضت اور عنان صرف ایسے سرمایہ اور مال میں صحیح ہو سکتی ہے جو روپے، اشرفی اور رائج الوقت سکوں کی شکل میں ہو۔ ہاں سونے اور چاندی کے ڈلوں اور ٹکڑوں میں بھی جائز ہے بشرطیکہ ان کے ذریعے لین دین ہوتا ہو اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک وارث یا کسی اور ذریعے سے کسی ایسے مال کا مالک ہو جس میں مفاوضت درست ہو سکتی ہے چھپے روپے اور اشرفی وغیرہ تو شرکت مفاوضت باطل ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک کسی ایسے مال کا وارث ہو گیا جس میں شرکت مفاوضت نہیں ہو سکتی جیسے اسباب، مکان اور زمین وغیرہ تو شرکت مفاوضت باقی رہے گی۔

”شرکت عنان“ یہ ہے کہ دو آدمی ایک خاص طور کے معاملہ مثلاً تجارت میں شریک ہوں اور وہ دونوں مذکورہ بالا چیزوں یعنی تصرف اور دین و ذہب وغیرہ میں یکساں و برابر ہوں یا یکساں و برابر نہ ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت کو تو لازم کرتی ہے مگر کفالت کو لازم نہیں کرتی۔ ہاں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ کفیل و امین بھی ہوتے ہیں مگر اسی کام میں جس میں وہ شریک

ہوں۔

”شرکت صنائع و تہنات“ یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگر یا اس شرط پر شرکت میں کام کریں کہ دونوں شریک کام لیں گے اور دونوں اس کام کو مل جل کر کریں گے اور پھر جو اجرت حاصل ہوگی اسے دونوں تقسیم کریں گے۔ اگر ان کے معاہدہ شرکت میں یہ شرط ہو کہ کام تو دونوں آدھوں آدھ کریں گے مگر نفع میں سے ایک تو دو تہائی لے گا اور دوسرا ایک تہائی تو یہ شرط جائز ہے۔ دونوں شرکاء میں سے جو بھی کسی کام لے گا اس کو کرنا دونوں کے لئے ضروری ہوگا یہ نہیں کہ جس شریک نے کام لیا ہو وہی اسے کرے بھی، اسی طرح ان کے یہاں کام کرانے والا دونوں شرکاء میں سے کسی سے بھی اپنا کام طلب کر سکتا ہے ایسے ہی دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو مساوی طور پر یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی کام کی اجرت حاصل کر لے اور ان میں سے کسی ایک کو اجرت دینے والا بری الذمہ ہو جائے گا۔ کام کے منافع اور کمائی میں دونوں شریک حصہ دار ہوں گے خواہ کام دونوں کریں یا صرف ایک کرے۔

”شرکت وجہ“ یہ ہے کہ ایسے دو آدمی جن کے پاس اپنا کوئی سرمایہ اور مال نہ ہو اس شرط پر مشترک کاروبار کریں کہ دونوں اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے اعتبار پر قرض سامان لاکر فروخت کریں گے اور اس کا نفع آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر ان دونوں کی شرکت میں مفاوضت کی شرط ہوگی تو وہ صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ شرکت کو بلا شرط مفاوضت یعنی مطلق رکھیں گے تو ان کی یہ شرکت بطور عمان ہوگی، یہ شرکت تجارت کے لئے خریدے گئے مال میں وکالت کو لازم کرتی ہے، یعنی وہ اپنے یہاں فروخت کرنے کے لئے جو مال خرید کر لائیں گے اس میں وہ ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے، لہذا اگر دونوں میں یہ شرط طے پائی ہو کہ تجارت کے لئے جو مال خرید اجائے گا وہ دونوں کا آدھوں آدھ رہے گا تو اس کے نفع میں بھی دونوں آدھوں آدھ کے حقدار ہوں گے اور اگر یہ شرط طے پائے کہ جو مال خرید کر لایا جائے گا اس میں سے ایک کا تو ایک تہائی ہوگا اور دوسرے کا دو تہائی ہوگا اور دوسرے کا ایک تہائی تو اس کا نفع بھی اسی اعتبار سے تقسیم ہوگا نفع میں کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی یعنی یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ مال کو تو آدھوں آدھ رکھیں اور نفع میں کمی بیشی کریں بایں طور کہ ایک تو نفع میں دو حصے لے لے اور دوسرا ایک حصہ لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا استحقاق ضمان یعنی ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضمان اس خریدی ہوئی چیز کی ملک کے تابع ہے مثلاً اگر ان میں سے کوئی مال کے نصف حصہ کا مالک بنا ہے تو اسے نصف قیمت ادا کرنی ہوگی اور جو دو حصوں کا مالک بنا ہے اسے دو حصوں کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے نفع بھی ملکیت کے مطابق ہی قرار پائے گا جو جتنے حصہ کا مالک بنے گا اسے اتنا ہی نفع ملے گا۔ اور اس چیز میں شرکت جائز نہیں ہے جس میں وکالت صحیح نہ ہوتی ہو جیسے لکڑی کا ٹٹا، گھاس کھودنا، شکار کرنا اور پانی لانا۔ دونوں میں سے جو شخص پانی لائے گا وہی اس کا مالک ہوگا، اگر دوسرا اس میں اس کی مدد کرے گا تو وہ رائج اجرتوں کے مطابق اپنی اجرت پانے کا مستحق ہوگا۔

”وکالت“ کے معنی ہیں اپنے حقوق و مال کے تصرف (یعنی لینے دینے) میں کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا۔ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ موکل (یعنی کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنانے والا) تصرف (یعنی لین دین) کا مالک ہو اور جس شخص کو وکیل بنایا جا رہا ہو وہ اس معاملہ کو جانتا ہو جس میں وہ وکیل بنایا گیا ہے۔

اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز ہے اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز نہیں ہے اس میں وکیل کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص شراب یا سور وغیرہ حرام چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے کسی کو وکیل کر دے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ تمام حقوق کو ادا کرنے اور ان کے حاصل کرنے میں وکیل کرنا جائز ہے اسی طرح حقوق پر قبضہ کرنے کے لئے بھی وکیل کرنا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی انجام دہی پر باوجود موکل کے اس جگہ موجود نہ ہونے کے وکالت درست نہیں ہوتی۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے ہاں اگر

کل بیمار ہو یا تین منزل کی مسافت یا اس سے زائد کی دوری پر ہو تو جائز ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔
شرکت اور وکالت کے بارے میں یہ چند اصول و مسائل فقہ کی کتابوں سے تلخیص کر کے لکھ دیئے ہیں مزید تفصیل کے لئے اہل علم فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

الفصل الأول

عقود میں شرکت جائز ہے

① عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبُدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيُلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُولَانِ لَهُ أَشْرَكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَاكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشِيرُ كُفَّهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَنْعُثُ بِهَا إِلَى الْمَبْنَى وَكَانَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ۔ (رواه البخاری)

”حضرت زہرہ ابن معبدؒ (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کو ان کے دادا حضرت عبد اللہ ابن ہشامؒ بازار لے جایا کرتے تھے جہاں وہ غلہ خریدا کرتے تھے چنانچہ (جب وہ غلہ خرید لیتے تو وہاں انکو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ ملتے اور وہ دونوں ان سے کہتے کہ ہم کو اپنا شریک بنا لو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (حضرت زہرہؒ کہتے ہیں کہ میرے دادا انکو شریک کر لیا کرتے تھے اور) آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے انکو بلا کسی نقصان و خسارہ کے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ کا فائدہ ہوتا تھا جسے وہ اپنے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ اور انکے حق میں آنحضرت ﷺ کے دعا کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ہشامؒ کی والدہ انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں تو آپ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی۔“ (بخاری)

انصار کے مال میں مہاجرین کی شرکت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتْ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسِمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا التَّحْنِيلِ قَالَ لَا تَكْفُونَنَا الْمُؤْنَةَ وَنُشِرْ كُفُّكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوا أَسْمِعْنَا وَأَطْعْنَا۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو) انصار (یعنی مدینہ کے لوگوں) نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں درختوں کو تقسیم نہیں کروں گا تم ہی لوگ ہماری (یعنی مہاجرین کی) طرف سے بھی محنت کر لیا کرو ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔ انصار نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کی اس بات کو سروسچشم قبول کرتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: جب مکہ کے مسلمانوں پر ان کے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی اور خدا اور خدا کے رسول کے حکم پر وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو چونکہ انہوں نے اپنا سارا سامان و اسباب اور مال و متاع مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا اس لئے یہاں مدینہ میں ان کی معاشی زندگی کا تکفل مدینہ کے مسلمانوں نے کیا جنہیں ”انصار“ کہا جاتا ہے اپنے ذمہ لیا اس کی شکل یہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان ”بھائی چارہ“ کرایا چنانچہ انصار مدینہ نے اپنے تمام مال و اسباب میں مہاجرین کو برابر شریک بنا لیا۔ اسی موقع پر انصار نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو بھی ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے مگر ہم اپنے اپنے حصہ کے درختوں میں محنت مشقت کریں اور ان سے پھل پیدا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ میں درختوں کی تقسیم

نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں لوگ ان درختوں کی دیکھ بھال کرو اور ان میں پانی وغیرہ دینے کی محنت و مشقت خود گوارہ کر لو کیونکہ تمہارے ان بیچارے مہاجرین بھائیوں سے یہ محنت و مشقت برداشت نہیں ہوگی۔ پھر جب پھل تیار ہو جائے گا تو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ آپ کے اس فیصلہ کو انصار نے برضاء و رغبت اور بسرو چشم قبول کر لیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی طرف سے محنت و مشقت کرنا مستحب ہے نیز یہ حدیث بھی شرکت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

معاملات میں وکیل بنانا جائز ہے

(۳) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ أَحَدَهُمَا بِدِينَارٍ وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِيعَهُ بِالْبَزْكَةِ فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى ثَرَابًا لَبِيعَ فِيهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عروہ ابن الجعد باریقیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں اور پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے عوض (کسی کے ہاتھ) بیچ دیا، اس طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک بکری دی اور ایک دینار بھی دیا۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس ذہانت سے خوش ہو کر ان کے خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی خرید لیتے تو آپس بھی انہیں فائدہ ہوتا۔“

(بخاری)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارتی معاملات میں وکالت جائز ہے اسی طرح ان تمام چیزوں میں بھی کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے جن میں نیابت اور قائم مقامی چلتی ہو۔

اگر کوئی شخص کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر بیچ تو بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اس کا صحیح ہونا مال کے مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اگر مال کا مالک اجازت دے دے گا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ یہ خفیہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے اگرچہ بعد میں مالک کی اجازت بھی حاصل کیوں نہ ہو جائے۔

الفصل الثانی

امانت دار شرکاء کا اللہ تعالیٰ محافظ رہتا ہے

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَدُرَرِيُّ بْنُ زَيْنٍ وَجَاءَ الشَّيْطَانُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان ایک تیسرا (نگہبان) ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے دوسرے شریک کے ساتھ خیانت نہیں کرتا“ اور جب وہ خیانت و بددیانتی پر اتر آتے ہیں تو میں ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں (ابوداؤد) اور زرینؒ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”اور پھر ان کے درمیان شیطان آجاتا ہے۔“

تشریح: ”میں دو شریکوں کے درمیان ایک تیسرا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء جب تک دیانت، امانت اور ایمانداری کے ساتھ باہم شریک رہتے ہیں میری محافظت و برکت کا سایہ ان پر رہتا ہے بایں طور کہ میں انہیں ہر نقصان و تباہی سے محفوظ رکھتا ہوں، ان کے مال پر

کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیر و بھلائی برقرار رکھتا ہوں، ان کے مال پر کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیر و بھلائی برقرار رکھتا ہوں اور ہر موقع پر ان کی مدد نصرت کرتا ہوں۔

ان کے درمیان سے ہٹ آتا ہوں۔ کامطلب یہ ہے کہ جب شرکاء میں بددیانتی کے جرائم پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کرنے لگتے ہیں تو میری محافظت و برکت کا سایہ ان پر سے ہٹ جاتا ہے اور اس کے بجائے شیطان اپنا تسلط جمالیتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ شرکاء مکمل نقصان و تباہی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مال و رزق سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات بطور خاص تجارت وغیرہ میں شرکت مستحب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کاروبار اور مال و سرمایہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ برکت نازل ہوتی ہے جو تنہا کاروبار کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کہ جب کسی کاروبار میں دو آدمی شریک ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے دوسرے شریک کے مال کی حفاظت و نگرانی میں کوشاں رہتا ہے، اور یہ معلوم ہی ہے کہ کوئی بندہ جب تک اپنے مسلمان بھائی کی مدد اور خیر خواہی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہتی ہے۔

خائن سے انتقام کا جذبہ تمہیں خیانت پر نہ اکساوے

⑤ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَأَمَانَةٌ إِلَى مَنْ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ۔

(رواہ الترمذی، ابوداؤد، والدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے تمہیں امان بنایا ہے اس کی امانت اس تک پہنچا دو جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: قاضیؒ کہتے ہیں کہ حدیث کی آخری ہدایت سے مراد یہ ہے کہ خائن نے تمہارے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہی معاملہ تم اس کے ساتھ نہ کرو یعنی اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تو تم بھی اس کے ساتھ خیانت نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی خیانت کرو گے تو پھر جس طرح وہ خائن ہے اسی طرح تم بھی خائن قرار دیئے جاؤ گے۔ ہاں اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو ظالم (کسی کا مال لیکر مکر جانے والے) سے اپنے حق کے بقدر اس کا مال لے لے، کیونکہ وہ تو اپنا حق اس سے لیتا ہو جو کوئی عدوان یعنی ظلم و زیادتی نہیں ہے جب کہ خیانت ایک صریح عدوان (ظلم) ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی حق مثلاً مال کسی کے ذمہ واجب ہو اور اس کا مال اس صاحب حق کی دسترس میں ہو تو وہ اپنے مال کے بقدر اس کے مال میں سے لے لے بشرطیکہ جو مال کی دسترس میں ہے وہ اس مال کی جنس سے ہو جو مال والے کے ذمہ ہے مثلاً زید کے دس روپے بکر کے ذمہ واجب ہیں اور.... بکر کے کچھ روپے زید کی دسترس میں ہیں تو اب زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان روپوں میں سے اپنے دس روپے لے لے۔

آنحضرت ﷺ کا وکیل

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ إِنِّي أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ إِذَا أَتَيْتَ وَكَيْلِي فَخُذْ مِنْهُ خَمْعَةً عَشْرًا وَسَقَا فَإِنِ ابْتَغَى مِنْكَ آيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلَى تَرْفُوتِهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو (رخصت ہونے کے ارادہ سے) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہو میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں نے خیر جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خیر میں میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق (کھجوریں) لے لینا اگر وہ تم سے کوئی نشانی مانگے تو اپنا ہاتھ اس کے حلق پر رکھ دینا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جس شخص کو خیر میں اپنا وکیل مقرر کر رکھا تھا اسے یہ ہدایت دے رکھی ہوگی کہ اگر کوئی شخص میری طرف سے کچھ مانگنے آئے اور تم اس سے میرا فرستادہ ہونے کی کوئی نشانی و علامت طلب کرو اور وہ اپنا ہاتھ تمہارے حلق پر رکھ دے تو سمجھ لینا کہ اس شخص کو میں نے بھیجا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کو یہی نشانی سکھا کر بھیجا تا کہ وکیل اس نشانی کے ذریعہ ان کو پندرہ ۱۵ وسق کھجوریں دیدے۔

الفصل الثالث

شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی ہے

④ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبِرْكَةُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ وَالْمَقَارَضَةُ وَاخْتِلَافُ الْبَرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ - (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جن میں برکت (یعنی بہت زیادہ خیر و بھلائی) حاصل ہوتی ہے“ ① وعدہ پر بیچنا یعنی خریدار کو ادائیگی قیمت میں مہلت دینا ② مضاربت ③ (گیہوں میں جو ملانا گھر کے خرچ کے لئے بیچنے کے لئے نہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا مال تجارت کے لئے دے اور وہ اپنی محنت سے کاروبار کرے پھر اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہو وہ دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔

گھر کے خرچ کے لئے گیہوں میں جو ملانا ایک فائدہ مند چیز ہے کیونکہ اس طرح گھر کی غذائی ضرورت کی تکمیل کفایت کے ساتھ ہو جاتی ہے، البتہ بیچ جانے والے گیہوں میں جو ملادینا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ یہ گناہ و فریب ہے۔

ایک واقعہ

⑧ وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بَدِينًا لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ أَصْحِيَّةً فَاشْتَرَى كَبْشًا بِدِينَارٍ وَبَاعَهُ بِدِينَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرَى أَصْحِيَّةً بِدِينَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّينَارِ الَّذِي اسْتَفْضَلَ مِنَ الْآخَرَى فَتَصَدَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّينَارِ فَدَعَا لَهُ أَنْ يُبَارَكَ لَهُ فِي تِجَارَتِهِ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیکر بھیجا تا کہ وہ اس دینار سے آپ ﷺ کے لئے قربانی کا جانور خرید لیں، چنانچہ انہوں نے اس دینار کے عوض ایک میٹھا یا دنبہ خریدا اور پھر اسے دودنیار میں بیچ دیا، اس سے فارغ ہو کر انہوں نے قربانی کا جانور ایک دینار میں خریدا اور اس جانور کے ساتھ وہ دینار بھی لا کر آنحضرت ﷺ کو دیدیا جو پہلے خریدے گئے جانور کی وصول شدہ قیمت میں سے بیچ گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس دینار کو تو صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

شرکت و وکالت کے کچھ مسائل: شرکت و وکالت کے بارہ میں کچھ اصولی باتیں باب کی ابتداء میں اور پھر کچھ مسائل احادیث کی تشریحات میں بیان ہو چکے ہیں، چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موضوع سے متعلق کچھ اور ضروری مسائل یکجا طور پر

ذکر کردیے جائیں۔

شرکتی جماعت: کسی تجارتی کاروبار یا معاملہ میں جو لوگ شریک و حصہ دار ہوتے ہیں ان کی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کاروبار یا معاملہ کا ہر شریک مالک و متصرف یا صرف متصرف ہوتا ہے اس طرح اس کاروبار یا معاملہ میں جملہ شرکاء کے باہمی مشورے پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ اسی شکل کی وہ چار قسمیں، شرکت مفادہ، شرکت عثمان، شرکت صنائع والتجارت اور شرکت وجوہ ہیں جن کا بیان باب کی ابتداء میں ہو چکا ہے۔

شرکاء کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ چند افراد کی ایک جماعت کسی تجارتی معاملہ میں شریک و حصہ دار ہو اور وہ تمام افراد کسی قانونی نظام اور مقررہ قواعد و ضوابط کے پابند و ماتحت ہوں اور ان میں سے ہر ایک شریک اپنے آپ کو مالکانہ حیثیت سے علیحدہ تصور کرے۔ اس شکل کو موجودہ دور کے مشترک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ:

- ① ایسے کسی بھی مشترک تجارتی ادارے یا کمپنی کا نظم و نسق چلانے، قانون پر عملدرآمد کرنے اور اجرائے کار کے لئے شرکاء ہی میں سے یا ان کے علاوہ لوگوں میں سے ایک شخص یا کئی آدمیوں کو جملہ شرکاء کے مشورہ سے منتخب کیا جائے۔
- ② کوئی بھی شریک بانصر اور تصرف کا حق نہیں رکھتا البتہ حق ملک ہر شریک کو حاصل ہوتا ہے۔
- ③ جملہ شرکاء کی جماعت، ہیئت مجموعی مالک و متصرف ہوگی اور یہ ہیئت مجموعی خواہ باتفاق کل حاصل ہو یا بکثرت آراء۔
- ④ کوئی بھی شریک اپنے مشترک تجارتی ادارہ کا اجرو ملازم بن سکتا ہے۔
- ⑤ کوئی بھی شریک علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا البتہ اپنا حصہ بذریعہ بہ یا بذریعہ بیع منتقل کر سکتا ہے۔
- ⑥ جب تعداد شرکاء محدود و مکمل ہو جائے اور کوئی شریک اپنا حصہ بیچے تو دوسرے شرکاء مقدم سمجھے جائیں گے۔
- ⑦ اگر کوئی حصہ میراث یا بیع وغیرہ کے ذریعہ تقسیم ہو جائے تو کارکنان کمپنی اس بات پر مجبور ہوں گے کہ اس حصہ کے جملہ ورثاء یا حقداروں سے لین دین کرنے میں جو کچھ زحمت ہو اسے برداشت کریں اس حصہ کے جملہ ورثاء یا شرکاء خواہ مل کر داد و ستد (لین دین) کریں یا کسی ایک کو وکیل بنادیں، ایسے حصہ کے جملہ شرکاء کا مجموعہ ایک ذات کے برابر سمجھا جائے گا۔
- ⑧ شرکاء کمپنی کاروبار چلانے کے لئے جو قانون مرتب و نافذ کریں گے ان کی پابندی مقام شرکاء پر ضروری ہوگی البتہ خلاف شرع قانون بنانا معصیت و گناہ اور اس کی پابندی ناجائز ہے۔

ایسے جملہ قانون جو کسی نظم و نسق کی حالت کے لئے وضع کئے جائیں صرف مباحات سے متعلق رہیں گے، منصوصات شرعیہ میں اثر انداز نہیں ہوں گے۔

- ⑨ یہ شرط کہ شرکاء ذاتی طور پر کسی دین اور نقصان کے ذمہ دار نہیں صرف اس صورت میں معتبر ہے جب کہ اس کا اعلان کیا جا چکا ہو۔
- ⑩ نسخ شراکت: جو تجارتی کاروبار یا کوئی معاملہ دو فریق کے زیر شرکت ہو اس کو نسخ کر دینے یعنی شرکت کو ختم کر دینے کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ شرکت کو ختم کر دینے پر دونوں فریق راضی ہیں۔

دوم یہ کہ ایک فریق علیحدگی چاہے جیسے وہ مرگیا یا مجنوں ہو گیا یا کسی مطالبے میں مال دینا پڑا جس سے سرمایہ قائم نہیں رہ سکتا یا علیحدگی کی کوئی اور وجہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں شرکت ختم ہو کر تقسیم عمل میں آجائے گی اگرچہ میت کے ورثاء اور مجنوں کے اولیاء شراکت کھاتی رکھنا چاہیں۔

نسخ شراکت میں فقہی ہدایت یہ ہے کہ:

- ① پہلے تمام مطالبات ادا کئے جائیں۔

۱۲ ان معاہدوں کی تکمیل کا انتظام بھی ہو جائے جو شراکت کے ذمہ تھے۔
 ۱۳ وہ تمام حقوق جو ”اصل و ہم“ میں معتبر سمجھے گئے ہیں مثل اموال قیمتی کے تقسیم ہوں گے۔
 ۱۴ جو مطالبات دوسروں پر واجب ہیں اور جن کا وصول ہونا باقی ہے وہ بوقت وصول بقدر حصہ ملا کریں گے اور ہر شریک دوسرے کا وکیل سمجھا جائے گا تاکہ تقاضہ اور وصول کرتا رہے۔

۱۵ فتح شراکت کی دوسری صورت میں ان دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہے اول یہ کہ شراکت سے علیحدگی اختیار کرنے والا فریق یا اس کے قائم مقام ذمہ داروں کے بارے میں سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ دوم یہ کہ جملہ حقوق معتبرہ مثل دوکان و نام وغیرہ میں فریق خارج کو کوئی حق نہیں دیا جائے گا۔

۱۶ شراکتی جماعتوں یعنی مشترک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر اس ادارہ یا کمپنی کے مقررہ قانون کے حکم یا حاکم کے حکم کے بغیر ایسے انفساخ کا اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ کسی شریک کی موت و جنون کا افلاس وغیرہ اس کا تعلق نہیں ہے۔

۱۷ فتح شرکت کی صورت میں تقسیم کی ترتیب: جب شراکت ختم ہو جائے اور فریقین کے درمیان سرمایہ و اموال کی تقسیم ہونے لگے تو ان امور کی ترتیب اور ان کا لحاظ ضروری ہے۔

- ۱ جو مطالبات شراکت کے ذمہ ہوں ان کی ادائیگی یا جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی تکمیل کا انتظام پیش نظر رہے۔
- ۲ جملہ حقوق معتبرہ اور اموال قیمتی کی قیمت متعین کر دی جائے اور در صورت اختلاف و نزاع قرعہ سے فیصلہ کرنا شرعاً جائز ہے۔
- ۳ فریق خارج کو کوئی حق آئندہ نہ دلایا جائے گو ذمہ داری کے بارے میں وہ سبکدوش نہیں ہے۔
- ۴ شراکت کے جو مطالبات دوسروں کے ذمہ ہوں ان میں حسب دستور و کالت رہے گی، وصول ہونے پر بقدر حصہ تقسیم کرنا چاہئے۔

وکالت کے احکام:

۱ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وکیل اور موکل، مجنون، نابالغ، غلام اور مجبور نہ ہوں۔
 ۲ کسی ایسی شے میں وکیل بنانا جائز نہیں جو کسی کی ملوک نہ ہو جیسے جنگل کی گھاس یا لکڑیاں جمع کرنا، دریا سے پانی لانا، غوطہ لگا کر موتی نکالنا، یا صدقہ لینے کے لئے وکیل بنانا۔

۳ جائز ہے کہ وکیل چاہے تو مفت خدمات انجام دے، چاہے اپنی اجرت وصول کر لے اور چاہے نفع میں شریک ہو۔
 ۴ ہر ایسے تصرف میں جس کی نسبت اپنی اور موکل دونوں کی طرف کر سکتا ہے، وکیل مثل اصل کے مدعی اور مدعا علیہ بن سکتا ہے جیسے خرید و فروخت، اور ہر ایسے امر میں جس کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا وکیل کو حقوق عقد سے کوئی واسطہ نہیں جیسے نکاح، طلاق۔
 ۵ وکیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی ذات کے لئے مالکانہ تصرف کرے کیونکہ وہ صرف امین ہے۔
 ۶ موکل اپنے وکیل کو تصرف سے پہلے معزول کر سکتا ہے، تصرف کے بعد اسے وکیل کے انجام دیئے ہوئے کام کو قبول و تسلیم کر لینے کے علاوہ اور کوئی حق حاصل نہیں۔

۷ وکیل کو حق ہے کہ وہ موکل کے لئے جو مال لایا ہے اس کے دام وصول کئے بغیر اس کے حوالے نہ کرے مگر دے کر واپس نہیں کر سکتا۔

۸ جب تک وکیل دام وصول کرنے کے لئے مال نہ روکے امین ہے اور روکنے کے بعد ضامن ہو جائے گا۔
 ۹ وکیل کو جائز نہیں کہ جس چیز کے لئے وکیل بنایا گیا ہے اس کا معاملہ اپنی ذات کے لئے کرے۔

مسئلہ: ۱ زید نے اپنے نوکر سے کسی دوکان سے کوئی چیز منگوائی اور نوکر وہ چیز دوکاندار سے ادھار لے آیا تو وہ دوکاندار زید سے قیمت کا

تقاضہ نہیں کر سکتا بلکہ اسی نوکر سے تقاضہ کرے اور وہ نوکر زید سے تقاضا کرے۔ بشرطیکہ زید نے قیمت اسے نہ دی ہو۔ اسی طرح اگر زید نے اپنی کوئی چیز اپنے نوکر سے بکوائی تو زید کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ خریدار سے تقاضہ کرے یا اس سے قیمت وصول کرے، کیونکہ خریدار نے جس شخص سے وہ چیز حاصل کی ہے اسی کو قیمت ادا کرے گا، ہاں اگر خریدار زید کو از خود قیمت دیدے تو یہ جائز ہے مطلب یہ ہے کہ اگر خریدار زید کو قیمت نہ دے تو زید زبردستی نہیں کر سکتا۔

۲ زید نے اپنے نوکر سے ایک من گیہوں منگوایا تھا مگر وہ ڈیڑھ من اٹھالایا تو زید کو پورا ڈیڑھ من لینا واجب نہیں ہے بلکہ اگر وہ نہ لے تو آدھ من نوکر کو لینا پڑے گا۔

۳ زید نے کسی سے کہ فلاں بکری جو فلاں کے یہاں ہے تم جا کر اس کو پنڈرہ روپے میں لے آؤ تو اب وہ شخص وہی بکری خود اپنے لئے نہیں خرید سکتا، مطلب یہ ہے کہ جو چیز خاص کر کے وکیل کو بتادی جائے اس وقت وکیل کو خود اپنے لئے اس کو خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ موکل نے جو دام بتائے ہیں اس سے زیادہ میں اگر وکیل اپنے لئے خریدے تو جائز ہے اور اگر موکل نے کچھ دام نہ بتائے ہوں صرف خریدنے کے لئے کہا ہو تو پھر کسی صورت میں بھی وہ چیز وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

۴ زید کے وکیل نے زید کے لئے ایک بکری خریدی پھر ابھی وکیل زید کو دینے نہ پایا تھا کہ بکری مر گئی یا چوری ہو گئی تو اس بکری کے دام زید ہی کو دینا پڑیں گئے، اگر زید وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری میرے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے خریدی تھی تو زید کی اس بات کا اعتبار نہیں ہوگا بشرطیکہ زید نے اس بکری کے دام وکیل کو پہلے ہی دے دیئے ہوں، ہاں اگر اس نے دام پہلے نہیں دیئے تھے تو اس صورت میں اگر زید قسم کھا کر وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری اپنے لئے خریدی تھی تب اس کی بات کا اعتبار ہوگا اور اس بکری کا نقصان وکیل کو برداشت کرنا ہوگا، اور اگر زید قسم نہ کھاسکے تو پھر وکیل ہی کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا۔

۵ زید کا نوکر اگر کوئی چیز گراں خرید لائے تو اگر تھوڑا ہی فرق ہو تب تو وہ چیز زید کو ملنی پڑے گی اور اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اگر بہت زیادہ گراں خرید لاتا ہے کہ وہ چیز اتنی قیمت میں کوئی نہیں خرید سکتا تو اس کا لینا واجب نہیں ہے۔ اگر زید وہ چیز نہ لے تو خود نوکر اس چیز کا ذمہ دار ہوگا۔

۱ زید نے اپنی کوئی چیز بکر کو دی کہ وہ اسے فروخت کر دے تو بکر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو خود لے لیوے اور اس کے دام زید کو دیدے، اسی طرح اگر زید نے بکر سے کہا کہ فلاں کی چیز مجھے خرید لاؤ تو بکر کو یہ اجازت نہیں ہوگی۔ کہ وہ اپنی چیز زید کو لا کر دیدے اور اس سے اس کی قیمت وصول کر لے، اگر بکر اپنی چیز دینا یا خود لینا چاہے تو زید سے صاف صاف کہہ دے کہ یہ چیز میں لیتا ہوں مجھ کو دے دو یا یوں کہہ دے کہ یہ میری چیز ہے لو اور اتنی قیمت مجھے دیدو بغیر بتائے ہوئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

۲ زید نے اپنے نوکر سے بکری کا گوشت منگوایا اور وہ بھیئس کا لے آیا تو زید کو اختیار ہوگا کہ چاہے لے چاہے نہ لے اسی طرح زید نے نوکر سے آلو منگوائے اور بھنڈی لے آیا تو اس کا لینا ضروری نہیں اگر زید لینے سے انکار کر دے تو نوکر کو خود لینا پڑے گا۔

۳ زید نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ بازار جا کر فلاں چیز لے آؤ تو اس چیز کی خریداری کے وقت ان دونوں آدمیوں کو موجود رہنا ضروری ہے۔ صرف ایک آدمی کو خریدنا جائز نہیں ہے اگر ایک ہی آدمی خریداری کرے تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر زید صرف ایک آدمی کی خریداری کو منظور کر لے گا تو صحیح ہو جائے گا۔

۴ زید نے کسی شخص سے کہا کہ بازار سے فلاں چیز خرید لاؤ مگر اس شخص نے وہ چیز خود نہیں خریدی بلکہ کسی دوسرے سے خریدنے کے لئے کہہ دیا تو اب اس چیز کو لینا زید پر واجب نہیں رہے گا۔ چاہے وہ لے لے چاہے لینے سے انکار کر دے دونوں اختیار ہیں البتہ اگر وہ شخص خود خریدے تو پھر زید کو لینا پڑے گا۔

وکیل کی برطرفی: وکیل کو قبل تصرف برطرف کر دینے کا ہر وقت اختیار ہے مثلاً زید نے کسی سے کہا تھا کہ مجھے ایک بکری کی ضرورت ہے

کہیں مل جائے تو لے لینا پھر منع کر دیا کہ میں نے تم سے جو بکری خریدنے کے لئے کہا تھا اب نہ خریدنا، اس کے باوجود وہ شخص بکری خرید لے تو زید کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ بکری لے لے کیونکہ منع کرنے کے بعد اس شخص کو زید کے لئے بکری خریدنے کا اختیار نہیں رہا تھا۔ ہاں اگر اس نے بکری خرید لی اور پھر اس کے بعد زید نے منع کیا تو اس صورت میں زید پر واجب ہوگا کہ وہ بکری لے لے اور اس کی قیمت ادا کرے۔

اور اگر یہ صورت ہو کہ زید نے خود اس کو منع نہیں کیا بلکہ خط لکھ کر بھیجا یا آدمی بھیج کر اطلاع دی کہ اب میرے لئے بکری نہ خریدنا تب بھی وہ شخص وکالت سے برطرف ہو گیا، اور اگر زید نے برطرفی کی اطلاع نہیں دی بلکہ کسی اور آدمی نے اس سے کہہ دیا کہ زید نے تمہیں وکالت سے برطرف کر دیا ہے اب اس کے لئے نہ خریدنا، تو اس صورت میں اگر اطلاع دینے والے دو آدمی ہوں یا ایک ہی آدمی نے اطلاع دی مگر وہ معتبر اور پابند شرع ہے تو اس اطلاع پر بھی برطرفی عمل میں آجائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ شخص وکالت سے برطرف نہیں ہوگا اگر اس نے بکری خرید لی تو زید کو ملنی پڑے گی۔

بَابُ الْغَضَبِ وَالْعَارِيَةِ

غضب اور عاریت کا بیان

”غضب“ کے معنی چھیننے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ”غضب“ کہتے ہیں چوری کے بغیر ازراہ ظلم و جور کسی کا مال زبردستی چھین لینا۔ ایسے شخص کو کہ جو کسی کی کوئی چیز زبردستی چھین لے یا ہڑپ کر لے ”غاصب کہتے ہیں“ اور معصوب اس چھین ہوئی یا ہڑپ کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ کچھ ہو۔

”عاریت“ کے معنی ہیں مانگی ہوئی۔ چیز اصطلاحی طور پر بغیر کسی عوض کے کسی دوسرے شخص کو اپنی کسی چیز کے نفع و فائدہ کا مالک بنادینا عاریت کہلاتا ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

غضب کرنے والی کی سزا

① عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ۔ (مشق علیہ)

”حضرت سعید ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی ازراہ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی کی کوئی بھی چیز خواہ وہ زیادہ ہو یا کتنی کم ہو، اور راہ زور زبردستی چھین لینا یا ہڑپ کر لینا نہ صرف سماجی طور پر ایک ظلم اور اخلاقی طور پر ایک بھیانک برائی ہے بلکہ شرعی طور پر بھی انتہائی سخت جرم اور گناہ ہے۔ اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ کا جو اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اسلامی شریعت نے حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو جن سخت سزاؤں اور عقوبتوں کا مستوجب گردانا ہے، یہ حدیث گرامی اس کا ایک نمونہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی زمین کا ایک بالشت بھر حصہ بھی زبردستی تھمیا لے گا اسے اس کے ظلم و جور کی یہ سزا دی جائے گی کہ قیامت کے دن زمین کا صرف وہی حصہ نہیں جو وہ غصب کرے گا بلکہ ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین لے کر اس کے گلے میں بطور طوق ڈال دی جائے گی، العیاذ باللہ۔

شرح السنۃ میں ”طوق ڈالنے کا مفہوم یہ بیان کیا“ گیا ہے جو شخص کسی کی زمین کا باشت بھر حصہ بھی غصب کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسائے گا چنانچہ زمین کا وہ قطعہ جو اس نے غصب کیا ہو گا اس کے گلے کو طوق کی مانند جکڑ لے گا۔

کسی جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر نہ دو ہو

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُبَنَّ أَحَدٌ مَا شِئَ امْرَأَةٌ بِغَيْرِ إِذْنِهِ أَيْحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يُؤْتِيَ مَشْرُوبَهُ فَتَكْسِرَ خِزَانَتَهُ فَيَنْشَلُ طَعَامَهُ وَأَنْمَا يَخْزُنُ لَهُمْ ضَرْفُ عُمَاشِيْنِهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جانور کا دودھ اس کی اجازت (یعنی اس کے حکم و رضا) کے بغیر نہ دو ہے اکیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ کوئی شخص اس کے خزانہ (یعنی اس کے غلہ کو گودام میں) آئے اور اس کا خزانہ (گودام) کھول دے یہاں تک کہ اس کا غلہ اٹھالیا جائے؟ اسی طرح (جان لو کہ) دوسروں کے جانوروں کے تھن ان کی غذائی ضرورت (یعنی دودھ) کی حفاظت کرتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: جانوروں کے تھن کو غلہ وغیرہ کے گودام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح تم اپنے غلوں کو گوداموں میں بھر کر محفوظ رکھتے ہو اسی طرح دوسرے لوگوں کے جانور اپنے تھنوں میں اپنے مالک کی غذائی ضرورت یعنی دودھ کو محفوظ رکھتے ہیں لہذا جس طرح تم اس بات کو کبھی بھی پسند و گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی دوسرا شخص تمہارے گوداموں اور تمہارے خزانوں کو غیر محفوظ بنا کر وہاں سے غلہ یا دوسری محفوظ اشیاء نکال لے اسی طرح تمہارا یہ فعل بھی جانوروں کے مالکوں کو کیسے گوارہ ہو سکتا ہے کہ تم ان جانوروں کے تھنوں سے دودھ نکال لو۔

حاصل یہ کہ تم دوسروں کے مال پر بری نگاہ نہ ڈالو اور دوسروں کے حقوق کو غصب نہ کرو تاکہ کوئی دوسرا تمہارے مال کو غصب نہ کرے۔ اور جس طرح تم اپنا مال غصب کیا جانا گوارہ نہیں کر سکتے اسی طرح کسی دوسرے کا مال خود غصب کرنا بھی گوارہ نہ کرو۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اکثر علماء نے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بھوک سے بے حال ہو رہا ہو تو اس کے لئے اتنی اجازت ہے کہ وہ بقدر ضرورت کسی کے جانور کا دودھ پی لے مگر پھر اس کی قیمت ادا کرے۔ اگر اس کے پاس موجود ہو تو اسی وقت یہ قیمت دے دے ورنہ بعد میں جب بھی قادر ہو قیمت کی ادائیگی کر دے۔

ایک واقعہ

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أَمَهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصَحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَأَنفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَّ الصَّحْفَةَ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أَتَى بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى النَّبِيِّ كَسَرَتْ صَحْفَتُهَا وَافْسَكَ الْمَكْسُورَةَ فِي بَيْتِ النَّبِيِّ كَسَرَتْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ) کے ہاں قیام فرماتے تھے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے (یعنی حضرت زینبؓ یا حضرت صفیہؓ اور یا حضرت ام سلمہؓ نے) ایک رکابی بھیجی جس میں کھانے کی کوئی چیز تھی (اسے دیکھتے ہی) ان زوجہ مطہرہ نے کہ جن کے ہاں آپ ﷺ قیام فرماتے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) خادم کے ہاتھ پر (اس طرح) مارا کہ وہ رکابی گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے رکابی کے (ٹوٹے ہوئے) ٹکڑے اکٹھا کئے اور پھر ان ٹکڑوں میں کھانے کی وہ چیز جمع کی جو

رکابی میں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی“ بہر کیف آپ ﷺ نے (کچھ دیر) خادم کو روکے رکھا یہاں تک کہ جن زوجہ مطہرہ کے گھر آپ ﷺ قیام فرماتے (یعنی حضرت عائشہؓ اگلے ہاں سے دوسری رکابی مہتیا کی گئی اور پھر آپ ﷺ نے) (ایسی خادم کے ذریعہ) ان زوجہ مطہرہ کے ہاں کہ جن کی رکابی ٹوٹ گئی تھی وہ صحیح و سالم رکابی بھیج دی اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی ان زوجہ مطہرہ کے گھر رکھی جنہوں نے اس رکابی کو توڑا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: ”خادم“ غلام کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی۔ چنانچہ یہاں ”خادم“ سے مراد لونڈی ہی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ہاں لونڈی ہی وہ رکابی اور اس میں کھانے کی کوئی چیز لے کر آئی تھی۔

جب وہ رکابی گر کر ٹوٹ گئی اور اس میں سے کھانے کی وہ چیز بھی زمین پر گر گئی جو اس رکابی میں تھی تو آنحضرت ﷺ نے نہ صرف رکابی کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا بلکہ کھانے کی اس چیز کو بھی نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کیا، اس فعل سے آپ ﷺ کے کمالِ تحمل، انتہائی تواضع اور ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش مزاجی اور عفو و درگزر کے عالی جذبات ہی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

”تمہاری ماں کو غیرت آگئی“ یہ دراصل اس واقعہ کو سننے پڑھنے والوں سے آپ ﷺ کا خطاب عام ہے، اس ارشاد کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف سے عذریاں کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے جو یہ اضطراری فعل صادر ہوا وہ درحقیقت اس غیرت کی بناء پر تھا جو ہر عورت کی جبلت و سرشت میں داخل ہے کہ کوئی بھی عورت خواہ وہ کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں فائز ہو اپنی سوکن کے تئیں مخصوص رقیبانہ اور رشتہ آمیز جذبات و احساسات سے عاری نہیں ہو سکتی اور نہ کسی بھی عورت کے بس کی یہ بات ہے کہ وہ اپنی طبیعت اور اپنے نفس کو اس طبعی اور جبلی جذبہ سے محفوظ رکھ لے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ لوگ حضرت عائشہؓ کے اس فعل کو برائی پر محمول نہ کریں بلکہ یہ جان لیں کہ ان سے یہ فعل بقضائے بشریت سرزد ہو گیا تھا جس میں ان کے مقصد و ارادے یا کسی برائی کا قطعاً دخل نہیں تھا۔

قاضیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رکابی تو زدن یا ایک طرح کا غضب تھا کیونکہ اس سے ایک دوسرے کا مال تلف ہوا اگرچہ اس کا سبب خواہ کچھ ہی رہا ہو۔
یا پھر یہ کہ کھانے کی جو چیز بھیجی گئی تھی وہ تو تحفہ کے طور پر تھی لیکن جس رکابی میں وہ چیز بھیجی گئی تھی وہ بطریق عاریت کے تھی اس لئے اس مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی گئی۔

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْيَدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ التَّهْنِئَةِ وَالْمُثْلَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مریدؒ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوٹنے اور شلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ غیر مسلم کا مال لوٹنا حرام نہیں ہے بلکہ مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مال کو ناحق طور پر اور زور و بردستی سے لوٹ مار لیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حقوق العباد کی پامالی ہی سے نہیں ہے بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے امن و سکون کی مکمل تباہی سے بھی ہے، لہذا امن و سلامتی کے سرچشمہ ”اسلام کا تابع اور ہونے کے ناطے ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ، اپنی قوم اور اپنے ملک کے نظام امن و امان کو درہم برہم ہونے اور لاقانونیت پھیلنے سے بچائے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ دوسرے کے مال، دوسرے کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق کی پامالی اور لوٹ مار کو اسی طرح ناقابل برداشت سمجھا

جائے جس طرح اپنے مال، اپنی جائیداد اور اپنے حقوق پر کسی کی دست درازی قطعاً برداشت نہیں ہو سکتی۔
 ”مثلاً“ جسم کے کسی عضو مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کو کہتے ہیں، اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح خدا کی تخلیق میں بگاڑ اور بد نمائی پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

حاجیوں کا سامان چرانے والے کا عبرتناک حشر

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اَبْرَاهِيْمُ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِارْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ اَصْبَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوَعَّدُونَهُ اِلَّا قَدَرْتُمْ اَيْتُهُ فِي صَلَاتِي هَذِهِ لَقَدْ جِئْتُ بِالنَّارِ وَذَلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُونِي تَأْخُزْتُمْ مَخَافَةَ اَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْجِهَا وَحَتَّى رَاَيْتُ فِيهَا صَاحِبَ الْمُحْجَنِ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمُحْجَبِهِ فَاِنْ فُطِنَ لَهُ قَالَ اِنَّمَا تَعْلُقُ بِمُحْجَبِي وَاِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهِ وَحَتَّى رَاَيْتُ فِيهَا صَاحِبَةَ الْهَرَّةِ الَّتِي رِبَطْنَهَا فَلَمْ تَنْظِعْهَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَاْكُلْ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَنَّةِ وَذَلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُونِي تَقْدَمْتُ حَتَّى قُمْتُ فِي مَقَامِي وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَاَنَا اُرِيدُ اَنْ اَتَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لَتَنْظُرُوا اِلَيْهِ ثُمَّ بَدَأَ اِلَى اَنْ لَا اَفْعَلَ (رواه مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو (سورج گرہن کی) نماز چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھائی (یعنی دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج پہلے کی طرح روشن ہو چکا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کا یعنی جنت اور دوزخ کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ میں نے آج اپنی اس نماز میں دیکھ لی ہے، چنانچہ دوزخ کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب (نماز کے دوران) تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا اور میں اس خوف سے پیچھے ہٹ گیا تھا کہ کہیں اس کی گرمی مجھ تک نہ پہنچ جائے، میں نے ”اس وقت“ دوزخ میں خمدار لکڑی والے (یعنی عمرو بن لُحی) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اس میں اپنی انتڑیوں کو کھینچ رہا تھا، یہ شخص اپنی خمدار لکڑی کے ذریعہ حاجیوں کا سامان چرایا کرتا تھا (جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ چلتے چلتے کسی کی کوئی چیز اپنی خمدار لکڑی میں الجھا لیتا تھا) اگر کوئی اس کی یہ حرکت دیکھ لیتا تو وہ یہ کہہ دیتا کہ یہ چیز اپنے آپ میری لکڑی میں الجھ آئی ہے اور اگر کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس چیز کو غائب کر دیتا تھا۔ نیز میں نے اس وقت دوزخ میں اس بلی والی عورت کو بھی دیکھا جس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی جسے نہ وہ کچھ کھلاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ حشرات الارض یعنی چوہے وغیرہ کھالے یہاں تک کہ وہ بلی مارے بھوک کے مر گئی۔ پھر میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا مگر پھر میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ میں اس کے پھل توڑ لوں جسے تم بھی دیکھ لو لیکن میں نے سوچا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے (تاکہ تمہارے ایمان بالغیب میں رخنہ نہ پڑے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جنت اور دوزخ عالم وجود میں آچکی ہیں اور موجود ہیں چنانچہ اہل سنت کا یہی مسلک ہے، دوم یہ کہ عذاب اور ہلاکت کی جگہ سے ہٹ جانا سنت ہے، سوم یہ کہ بعض لوگ اس وقت بھی دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں اور چہارم یہ کہ تھوڑا سا غفل نماز کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نماز کے دوران جنت اور دوزخ کو دیکھ کر آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے۔

جانور کا عاریۃ مانگ لینا جائز ہے

⑥ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُولُ كَانَ فَرْعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ ابْنِي

طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمُنْدُوبُ فَكَيِّبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا أَرَأَيْتُمْ شَيْءًا وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا - (تفہیم علیہ)

”اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک (ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہو گئی ہے۔ (یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہؓ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی مسست کہا جاتا تھا، عاریہ مانگا اور اس پر سوار ہو کر تحقیق حال کے لئے مدینہ سے باہر نکلے پھر جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف و گھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے، نیز میں نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابو طلحہؓ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور مسست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی ”مندوب“ یعنی مسست رکھ دیا گیا تھا مگر جب آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہوئے تو آپ ﷺ کی برکت سے وہی گھوڑا بڑا چاق و چوبند اور تیز رفتار ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریہ مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح سامان جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی شجاعت و بہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے مدینہ کے قریب آ جانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب و گھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہو گئی تھی تو آپ ﷺ بالکل بے خوف ہو کر تحقیق حال کے لئے تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لینی اور ان کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے سنی کرنا ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف و اضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

بنجر زمین کا آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہے

④ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَحْبَبِي أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِزْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَزْرَةَ مَرْسَلًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”حضرت سعید بن زیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مردہ زمین کو زندہ کرے یعنی بنجر و ویران زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے“ اس روایت کو احمد، ترمذی، ابوداؤد نے (بطریق اتصال) نقل کیا ہے جب کہ مالک نے اس روایت کو عروہ سے بطریق ارسال کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ویران و بنجر پڑی ہوئی ہو اور کوئی شخص اپنی محنت و مشقت سے اس زمین کو قابل کاشت بنائے یا اس کو آباد کرے تو وہ زمین اسی شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کسی مسلمان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ شہر و گاؤں کی کسی ضرورت و مصلحت سے متعلق ہو جیسے وہ جانوروں کے بٹھنے کی جگہ ہو، کھلیان کے کام آتی ہو، یا دھوبی کپڑے دھو کر وہاں پھیلاتے ہوں اور یا اس سے کسی بھی عوامی فائدہ کا تعلق ہو، حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بنجر و ویران زمین کو قابل کاشت یا قابل آبادی کر کے اپنی ملکیت بنانے کی ایک شرط، امام (یعنی حکومت وقت) کی اجازت بھی ہے اگر اسے سرکاری طرف سے اجازت مل جائے تب وہ اس کا مالک ہو سکتا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے ہاں یہ اجازت شرط نہیں ہے، ان سب کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

”اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی آباد کی ہوئی زمین میں کاشت کرے یا

اس میں کوئی درخت لگائے تو وہ اس کی وجہ سے اس زمین کا مالک نہیں بن جائے گا۔

کسی دوسرے کا مال بغیر اجازت حلال نہیں ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي حُزَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَنْظِلُمُوا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ زَوَاهِ الْبَيْهَقِيِّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَالذَّارِقُطْنِيِّ فِي الْمُجْتَبَى -

”اور حضرت ابو حرہ رقاشی (تابعی) اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا! جان لو کہ کسی بھی دوسرے شخص کا مال (لینا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی و خوشی کے بغیر حلال نہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور دارقطنی نے مجتبىٰ میں نقل کیا ہے۔“

کسی کا مال لوٹنے والا اسلامی برادری کا فرد بننے کے قابل نہیں

⑨ وَعَنْ عُمَرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا جَلْبَ وَلَا جَنْبَ وَلَا شِعَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَنْ انْتَهَبَ نَهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا - (رواه الترمذی)

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہ ”جلب“ (جائز) ہے اور نہ جنب اور نہ شعار اسلام میں (جائز) ہے اور یاد رکھو جو شخص (کسی کو) لوٹا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ ہماری) جماعت میں سے نہیں ہے یا ہمارے طریقہ پر نہیں ہے حاصل یہ کہ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسے اسلامی برادری کا ایک فرد سمجھا جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: جلب اور جنب یہ دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان کا تعلق ”سباق“ سے بھی ہے اور ”صدقہ“ سے بھی سباق و مسابقت یعنی گھوڑ دوڑ کے مقابلہ کو کہتے ہیں مثلاً آدمی اس شرط کے ساتھ آپس میں گھوڑے دوڑائیں کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، لہذا سباق میں جلب یہ ہے کہ گھوڑا دوڑانے والا ایک آدمی اپنے گھوڑے کے پیچھے رکھے جس کا کام یہ ہو کہ وہ گھوڑے کو مارے، آوازیں لگائے اور اس کو دوڑائے۔ اور جنب یہ ہے کہ گھوڑا اپنے ساتھ رکھے تاکہ سواری کا گھوڑا اگر تھک جائے تو اس دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے نکل جائے۔

”صدقہ“ میں جلب کی صورت یہ ہے کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے والا جب صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے لوگوں کے پاس جائے تو آبادی سے باہر یا ان لوگوں سے دور کہیں بھی دوسری جگہ ٹھہر جائے اور کسی دوسرے آدمی کو ان لوگوں کے پاس یہ کہلا کر بھیجے کہ جن جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے وہ اپنی زکوٰۃ کا مال لے کر یہاں آجائیں۔

اسی طرح ”جنب“ یہ ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو وہ اپنا مال لے کر اپنے مکان سے کہیں دور چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے سے کہے کہ وہ اس کے پاس وہیں پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے، اس کا بیان کتاب زکوٰۃ میں گذر چکا ہے چنانچہ یہاں بھی جلب و جنب سے منع فرمایا گیا ہے خواہ ان کا تعلق سباق سے ہو یا صدقہ سے۔

”شعار“ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی سے اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دے اور ہر کچھ نہ مقرر ہو بلکہ یہ شرط ہی مہر کے قائم مقام ہو۔ حدیث میں اس قسم کے عقد کو اسلام کے طریقہ کے خلاف فرمایا گیا ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس عقد فاسد ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ کے نزدیک یہ عقد نہ کرنا چاہئے۔

کسی کی کوئی چیز ہنسی مذاق میں لیکر ہرپ نہ کر جاؤ

⑩ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَا عِبًّا جَادًّا

فَمَنْ أَخَذَ عَصَاً أَحْبَبَهُ فَلْيَرْدِّهَا إِلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ إِلَى قَوْلِهِ جَدًّا۔

”اور حضرت سائب ابن یزیدؓ اپنے والد کرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا عصا (لاٹھی) ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا جو شخص اپنے کسی بھائی سے عصا لے تو اسے واپس کر دینا چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد،) لیکن ابوداؤد کی روایت لفظ جاد تک ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے اس کی لاٹھی یا چمڑی بظاہر تو ہنسی مذاق میں لے مگر مقصد یہ ہو کہ اسے ہرپ کر لوں گا جیسا کہ آج کل اس کا بہت رواج ہے کہ ایک دوسرے کی چیز ہنسی مذاق میں چھپادی جاتی ہے اگر مالک کو اس کا علم ہو جاتا ہے تو وہ چیز اسے واپس دیدی جاتی ہے اگر اسے علم نہیں ہو پاتا تو پھر ہمیشہ کے لئے غائب کر دی جاتی ہے اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں بطور خاص عصا کا ذکر بطریق مبالغہ ہے جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب اتنی حقیر اور کم تر چیز کا لینا منع ہے تو اس سے زیادہ حیثیت کی چیز کا لینا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

اپنا چوری کا مال جس کے پاس دیکھو اس سے لے لو

⑪ وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَبَّعُ الْبَيْعَ مَنْ بَاعَهُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس دیکھے تو وہ ”اس کو لے لینے کا“ حقدار ہے اور اس کو خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اسے بیچا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حدیث کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کا کوئی مال غصب کیا، یا کسی کی کوئی چیز چوری کی یا کسی شخص کی کوئی گمشدہ چیز اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے وہ چیز کسی دوسرے شخص کو بیچ دی تو اب اگر مالک اپنی وہ چیز خریدنے والے کے پاس دیکھے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز اس سے لے لے اور خریدنے والے نے وہ چیز جس سے خریدی ہے اس کا پیچھا کر کے اس سے اپنی قیمت واپس لے لے۔

جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو

⑫ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذْتَ حَتَّى تُؤَدِّيَ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی سے لی گئی چیز (لینے والے کے) ہاتھ کے اوپر ہے جب تک کہ وہ واپس نہ کر دی جائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے کوئی چیز لی ہے وہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک کہ وہ چیز اس کے مالک کو واپس نہ کر دی جائے۔ حاصل یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی کی کوئی چیز چھین رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز چر رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز مستعار لے رکھی ہے اور یا کسی کی کوئی چیز اپنے پاس بطور امانت رکھ چھوڑی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کو مالک کے حوالے کر دے، لہذا جیسا کہ مالک اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے اگرچہ مالک اس کا مطالبہ نہ کرے، اسی طرح عاریتہ لی ہوئی چیز وہ مدت پوری ہو جانے کے بعد مالک کو واپس کر دینا ضروری ہے اگر کوئی مدت مقرر کی گئی ہو یا جو چیز بطور امانت اپنے پاس رکھی ہوئی ہو اس کو اسی وقت واپس کرنا لازم ہوگا جب کہ مالک مطالبہ کرے مالک کے مطالبہ سے پہلے واپس کرنا واجب نہیں ہے۔

کسی کے باغ وغیرہ کو جانور کے نقصان پہنچانے کا مسئلہ

(۱۳) وَعَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدٍ بْنِ مُحَيْصَةَ أَنَّ نَافَةَ لِبَنِي عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطًا فَافْسَدَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَلَى أَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَأَنَّ مَا أَفْسَدَتِ الْمَوَاشِي بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلَى أَهْلِهَا۔

(رواہ مالک والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت براء ابن عازبؓ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی اور باغ کو خراب کر ڈالا جب یہ معاملہ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ دن کہ دن میں باغات کی حفاظت باغ والوں کے ذمہ ہے اور جو جانور رات میں باغات کو خراب کریں تو اس کا ضمان یعنی تاوان جانوروں کے مالکوں پر ہے۔“ (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور دن میں کسی کے باغ کو خراب کر دے تو اس کا تاوان جانور کے مالک پر نہیں آتا کیونکہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والے کی ذمہ داری ہے لہذا یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس نے اپنے باغ کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور کسی جانور کو باغ میں کیوں گھسنے دیا۔ اور اگر کوئی جانور رات میں کسی کے باغ کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان اس جانور کے مالک پر واجب ہو گا کیونکہ یہ جانور کے مالک کا قصور ہے کہ جب رات میں اپنے جانوروں کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے تو اس نے اپنے جانور کو آزاد چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے نقصان کا باعث کیوں بنا۔

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اگر مالک جانور کے ساتھ ہو گا خواہ وہ جانور پر سوار ہو یا اسے کھینچ کر لے جا رہا ہو تو پھر دن میں بھی جانور کے پہنچانے ہوئے نقصان کا تاوان جانور کے مالک پر ہو گا چاہے وہ جانور اپنے ہاتھ پاؤں سے نقصان پہنچائے چاہے منہ سے۔

یہ تو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، اس بارہ میں حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہوتا خواہ وہ جانور دن میں نقصان پہنچائے خواہ رات میں۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّجُلُ جُبَارٌ وَقَالَ النَّارُ جُبَارٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا پاؤں کا روندنا ہوا معاف ہے اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا جلایا ہوا معاف ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر کوئی جانور کسی کی چیز کو پاؤں سے روند کچل کر تلف و ضائع کر دے تو اس کی وجہ سے اس جانور کے مالک پر تاوان واجب نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی برے مقصد مثلاً ایذا رسانی وغیرہ کے بغیر محض اپنی ضرورت یا کسی اور وجہ سے آگ جلائی اور اس کی کوئی چکاری ہو یا اس اڑ کر کسی دوسرے کے سامان پر جا پڑی جس سے وہ سامان جل گیا تو اس صورت میں آگ جلانے والے پر نقصان کا تاوان نہیں واجب ہو گا۔ بشرطیکہ اس نے جس وقت آگ جلائی ہو اس وقت ہوا ٹھہری ہوئی ہو اور آگ جلنے کے بعد چلی ہو، اور اگر اس نے ایسے وقت آگ جلائی جب کہ ہوا چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے آگ سے نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا تو پھر اس پر تاوان واجب ہو گا۔

حالت اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَلْيَصَوِّثْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَصْتَلِبْ

وَلَيْشَرْبَ وَلَا يَحْمِلَ - (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت حسن حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دودھ کے جانوروں کے پاس آئے تو اگر وہاں ان جانوروں کا مالک موجود ہو تو اس سے دودھ پینے کی اجازت مانگے اور اگر وہاں مالک موجود نہ ہو تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ تین مرتبہ آواز دے اس کی آواز سن کر اگر کوئی جواب دے تو اس سے پوچھ لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو وہ بقدر ضرورت دودھ دہ کر پی لے مگر دودھ اپنے ساتھ بالکل نہ لے جائے۔“ (البوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں مذکور ہدایت کا تعلق اس شخص سے ہے جو حالت اضطرار کو پہنچ چکا ہو یعنی بھوک کے مارے مر جا رہا ہو، ایسے شخص کے لئے یہ اجازت ہے کہ اگر وہ دودھ کے جانور کے پاس ہو اور وہاں ان کا مالک موجود نہ ہو جس سے وہ اجازت لے کر دودھ پی سکے تو وہ مذکورہ ہدایت کے مطابق ان جانوروں کا بقدر ضرورت دودھ دہ کر پی لے۔

دوسرے کے باغ کا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی دوسرے شخص کے باغ میں جائے تو اسے چاہئے کہ وہ وہاں کے پھل کھالے، جیب اور جھولے میں پھر کر نہ لے جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)“ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مقصد اس بات کی عام اجازت دینا نہیں ہے کہ جو بھی چاہے کسی غیر شخص کے باغ میں جا کر پھل توڑے اور کھالے کیونکہ کسی دوسرے کی کوئی بھی چیز اس کی اجازت و مرضی کے بغیر لینا اور کھانا مطلقاً درست نہیں ہے بلکہ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح یا تو حالت اضطرار پر محمول ہے یا اس کا تعلق ایسے مقامات سے ہے جہاں کسی کے باغ میں پہنچ کر باغ والے کی اجازت کے بغیر پھل کھا لینا ممنوع نہیں ہوتا۔

مستعار لی ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے

(۱۷) وَعَنْ أُمِّةِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ اِذْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ اَعْصَبَا يَا مُحَمَّدٌ قَالَ بَلَى عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ - (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت امیہ ابن صفوان اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں عاریہ لیں انہوں نے پوچھا کہ اے محمد ﷺ کیا آپ ﷺ یہ زرہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریہ لے رہا ہوں جو واپس کر دی جائیگی۔“ (البوداؤد)

تشریح: غزوہ حنین کے موقع پر جب کہ آپ ﷺ نے کچھ زرہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لئے انہوں نے آپ ﷺ کو زرہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گذرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔

حضرت شریح، حضرت نخعی، حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا، ہاں اگر مستعار

لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے والے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونہ (جو واپس کر دی جائیں گی) کے یہ معنی ہیں (تلف ہو جانے کی صورت میں) ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔

مستعار چیز کو واپس کر دینا واجب ہے

(۱۸) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْغَارِيَةُ مُؤَدَّةٌ وَالْمِنْحَةُ مَزْدُودَةٌ وَالِدَيْنِ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سار رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ مستعار چیز واپس کی جائے (یعنی کسی کی کوئی چیز مستعار لینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے پاس واپس پہنچا دے) منحہ کا واپس کرنا ضروری ہے، قرض کو ادا کیا جائے (یعنی قرض کو ادا کرنا واجب ہے) اور ضمان ضمانت پوری کرنے پر مجبور ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی کے قرض وغیرہ کا ضامن ہو تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے)۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ”منحہ“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو اپنا جانور دودھ پینے کے لئے دے دے، یا کسی کو اپنی زمین یا اپنا باغ پھل وغیرہ کھانے کے لئے دے دے، لہذا منحہ میں چونکہ صرف منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے نہ کہ اصل اس چیز کا اس لئے اس چیز (مثلاً جانور سے) فائدہ اٹھانے کے بعد اسے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے۔

درخت سے گرے ہوئے پھل اٹھانے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْغَفَارِيِّ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَرْمِي نَخْلَ الْأَنْصَارِ فَأَتَانِي بِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِي النَّخْلَ قُلْتُ أَكُلُ قَالَ فَلَا تَزِمُ وَكُلْ مِمَّا سَقَطَ فِي أَسْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ اشْبِعْ بَطْنَهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت رافع ابن عمرو غفاریؓ کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو انصار کے کھجوروں کے درختوں پر پتھر پھینکا کرتا تھا (ایک دن) انصار مجھے پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”لڑکے! تو کھجوروں پر پتھر کیوں پھینکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجوریں کھاتا ہوں (یعنی کھجوریں کھانے کے لئے ان کے درختوں پر پتھر مارتا ہوں) کسی اور مقصد سے پتھر نہیں پھینکتا آپ ﷺ نے فرمایا ”پتھر نہ پھینکا کرو ہاں جو کھجوریں درخت کے نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھالیا کرو۔“ پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا کہ ”اے اللہ! تو اس کا پیٹ بھر۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے رافعؓ کو درخت کے نیچے گری پڑی کھجوریں کھالینے کی اجازت اس لئے عطا فرمائی کہ عام طور پر درختوں پر سے گرے ہوئے پھلوں کو کھانے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ خاص طور پر بچے چونکہ کچے کچے اور گرے پڑے پھلوں کی طرف بہت راغب ہوتے ہیں اس لئے ان کو اس سے کوئی بھی منع نہیں کرتا کہ وہ درخت کے نیچے گرے پڑے پھل اٹھا کر کھالیں۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ اگر رافعؓ حالت اضطراب میں ہوتے یعنی بھوک کی وجہ سے مجبور ہوتے تو آنحضرت ﷺ انہیں گرے پڑے پھلوں ہی کے کھانے کی اجازت دینے پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ درخت پر سے کھجوریں توڑ کر کھالینے کی بھی اجازت دے دیتے۔

وَسَنَدُ كَثْرَ حَدِيثِ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ فِي بَابِ اللَّقْظَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ کی حدیث کو ہم انشاء اللہ باب لقطہ میں ذکر کریں گے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

زمین غصب کرنے کی سزا

(۲۰) عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ - (رواہ البخاری)

”حضرت سالمؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ ”جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا۔ (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ ازراہ ظلم و زبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسیا جائے گا۔“ (بخاری)

(۲۱) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ مَرْثَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كَلَّفَ أَنْ يَحْمِلَ ثَرَابَهَا الْمَحْشَرُ - (رواہ احمد)

”اور حضرت یحییٰ ابن مرثہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ”جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (یعنی ازراہ ظلم) لے گا، اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔“ (احمد)

تشریح: ازراہ ظلم کسی کی زمین غصب کرنے والے کی مختلف سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی فصل میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے دن ایسے شخص کے گلے میں زمین کا وہ قطعہ طوق بنا کر ڈالا جائے گا جو اس نے کسی سے زبردستی، تھپایا ہو گا، اوپر کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنے والا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسیا جائے گا۔ یہاں اس حدیث میں یہ سزا ذکر کی گئی ہے کہ کسی کی زمین پر ناجائز طریقہ سے قبضہ کرنے والا حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اس زمین کی ساری مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔ آنے والی حدیث اس بارے میں سزا کی ایک اور قسم کو بیان کر رہی ہے۔

گویا عذاب و سزا کی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں، چنانچہ کسی کو اس طرح عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور کسی کو اس طرح سزا دی جائے گی۔

(۲۲) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَيَّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ كَلَّفَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَحْفِزَهُ حَتَّى يَبْلُغَ آخِرَ سَبْعِ أَرْضِينَ ثُمَّ يُطَوَّقَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت یحییٰ ابن مرثہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (کسی کی) بالشت بھر بھی زمین ازراہ ظلم لے گا اسے ”اس کی قبر میں“ اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ زمین تک کھودتا رہے پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا حتیٰ کہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔“ (احمد)

بَابُ الشَّفْعَةِ

ملانے کا بیان

”شفعہ“ مشتق ہے ”شفع“ سے، جس کے لغوی معنی ہیں ”ملانا اور جفت کرنا“ شفعہ اصطلاح فقہ میں اس ہمسائیگی یا شرکت کو کہتے ہیں

جس کی وجہ سے کسی ہمسایہ یا کسی شریک کو اس کے دوسرے ہمسایہ یا دوسرے شریک کے فروخت ہونے والی زمین یا فروخت ہونے والے مکان کو خریدنے کا ایک مخصوص حق حاصل ہوتا ہے اور یہ حق صرف زمین یا مکان کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جس شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اسے ”شفیع“ کہتے ہیں۔ اس حق کا نام ”شفعہ“ اس لئے ہے کہ یہ خاص حق فروخت ہونے والی زمین یا مکان کو شفیع کی زمین یا مکان سے ملاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک حق شفیع صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے ہمسایہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حق شفیع جس طرح شریک کے لئے ثابت ہے اسی طرح ہمسایہ کے لئے بھی ثابت ہے۔

ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ہمسایہ کے حق شفیع کے ثبوت میں احادیث منقول ہیں جو بالکل صحیح درجے کی ہیں ان کی موجودگی میں ہمسایہ کو حق شفیع دینے سے انکار ایک بے دلیل بات ہے۔
حنفی مسلک کے مطابق شفیع کے تین درجے ہیں اول ”خلیط فی النفس البیع“ یعنی فروخت ہونے والے مکان کی ملکیت میں کئی آدمی شریک ہوں خواہ وہ مکان ان سب شرکاء کو وراثت میں پہنچا ہوا یا ان سب نے مشترک طور پر اسے خریدا ہو اور یا کسی نے ان سب کو مشترک طور پر ہبہ کیا ہو۔

دوم ”خلیط فی حق البیع“ یعنی اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک نہ ہو بلکہ اس زمین یا مکان کے حقوق میں شریک ہو جیسے حق مرور (یعنی آمد و رفت کا حق) حق سیل (یعنی پانی کے نکاس کا حق) اور حق شرب (یعنی کھیت وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے پانی لے جانے کی نالی وغیرہ کا حق)۔

سوم ”جار“ یعنی ہمسایہ جس کا مکان فروخت ہونے والے مکان سے متصل ہو اور ان دونوں مکانوں کی دیواریں ملی ہوئی ہوں، نیز دونوں کے دروازوں کا راستہ ایک ہو۔

ان تینوں کے علاوہ اور کوئی شفیع نہیں ہو سکتا لہذا سب سے پہلے تو حق شفیع اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک ہو۔ اس کی موجودگی میں حق شفیع نہ تو حقوق میں شریک کو حاصل ہوگا اور نہ ہمسایہ کو، اگر یہ شریک حق شفیع سے دست کشی اختیار کرے تو پھر حق شفیع اس شخص کو پہنچے گا جو حقوق میں شریک ہو اور یہ بھی دست کشی اختیار کر لے تب حق شفیع ہمسایہ کو حاصل ہوگا اور اگر یہ ہمسایہ بھی اپنے اس حق سے دست کش ہو جائے تو اس کے بعد کسی کو بھی حق شفیع حاصل نہیں ہوگا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حق شفیع صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے یا ہمسایہ کو بھی

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشَّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالٍ يُقَسَّمُ فَإِذَا وَقَعَتِ الْخُدُودُ وَضُرِبَتِ الظُّرُوفُ فَلَا شَفْعَةَ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس (غیر منقول) چیز میں حق شفیع ثابت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے جو شرکاء میں (ہو) اور شرکاء کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو، لہذا جب حدود مقرر ہو جائیں (یعنی مشترک ملکیت کی زمین یا مکان، باہم تقسیم ہو جائے) اور (ہر ایک حصہ کے) راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفیع باقی نہیں رہتا (یعنی اس صورت میں چونکہ شرکت باقی نہیں رہتی اس لئے کسی کو بھی حق شفیع حاصل نہیں ہوتا۔“ (بخاری)

تشریح: جب کسی زمین یا کسی مکان کے مشترک طور پر کئی مالک ہوں تو اس کے شرکاء کو ہر ایک کے حصہ میں حق شفیع اسی وقت تک

حاصل رہتا ہے جب تک کہ اس زمین یا اس مکان کی باہم تقسیم نہ ہو۔ اگر وہ زمین یا مکان شرکاء آپس میں تقسیم کر لیں، اور سب کے حصے الگ ہو جائیں اور سب حصوں کے راستے بھی جدا جدا ہو جائیں تو اس صورت میں کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں رہتا۔ اس طرح یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوگی کہ حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے، ہمسایہ کو حاصل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں ہمسایہ کو بھی حق شفعہ حاصل ہوتا ہے ان کی دلیل دوسری احادیث ہیں، ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ اس زمین یا مکان کی تقسیم کے بعد شرکت کا شفعہ باقی نہیں رہتا، لہذا حدیث کا یہ مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہمسائیگی کے شفعہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

حق شفعہ صرف زمین اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شُرْكَاءَةٍ لَمْ تَقْسَمْ رُبْعَةً أَوْ حَانِطًا لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبْنَعَ حَتَّى يُوْذَنَ شَرِيكُهُ فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَإِذَا بَاعَ وَلَمْ يُوْذَنَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر ایسی مشترک زمین میں شفعہ ثابت ہے۔ جو تقسیم نہ کی گئی ہو خواہ وہ گھر ہو یا باغ ہو۔ نیز ایسی مشترک زمین کے کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے دوسرے شریک کو مطلع نہ کر دے (اطلاع کے بعد) وہ دوسرا شریک چاہے تو وہ حصہ خود خرید لے اور چاہے چھوڑ دے (یعنی کسی دوسرے کو بیچنے کی اجازت دے دے) اور اگر کسی شریک نے اپنے دوسرے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اپنا حصہ بیچ دیا تو وہ دوسرا شریک اس (بات) کا حقدار ہے (کہ وہ اس فروخت شدہ حصہ کو خرید لے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد (یعنی زمین، مکان اور باغ کے ساتھ مخصوص ہے اشیاء منقولہ جیسے اسباب اور جانور وغیرہ میں شفعہ کا حق نہیں ہوتا، چنانچہ تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے پھر حق شفعہ صرف مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مسلمان اور ذمی کے درمیان بھی شفعہ کا حق جاری ہوتا ہے (ذی اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو جزیہ یعنی اپنے جان و مال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا ایک مخصوص ٹیکس ادا کر کے اسلامی سلطنت کا اطاعت گزار شہری ہو)۔

مشترک زمین یا مکان کے کسی حصہ کے فروختگی کے وقت دوسرے شریک کو اطلاع دینا ضروری ہے

ارشاد گرامی کے الفاظ لَا يَحِلُّ لَهُ الْبَيْعُ (کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے الخ) سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی مشترک زمین یا مکان کا کوئی حصہ دار اپنا حصہ بیچنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فروختگی کے ارادے کے وقت ہی اپنے دوسرے حصہ دار کو اس کی اطلاع دے دے تاکہ اگر وہ خریدنا چاہے تو اس حصہ کو خرید لے ورنہ عدم اطلاع کی صورت میں اس دوسرے حصہ دار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بذریعہ شفعہ اس حصہ کو حاصل کرے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہونے کی دلیل

③ وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَازِ أَحَقُّ بِشُفْعِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حق دار ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شفعہ کا حق صرف اسی ہمسایہ کو ہوتا ہے کہ جو نزدیک

اور متصل ہو۔

یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ حقیقہ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ حق شفعہ صرف شریک ہی کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہمسایہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

ہمسائیگی کا حق

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: منع نہ کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ لکڑی گاڑنے کی وجہ سے کوئی نقصان و ضرر نہ پہنچتا ہو۔ حضرت امام احمدؒ اور محدثین کے نزدیک مذکورہ بالا حکم وجوب کے طور پر ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

راستے کے سلسلے میں ایک ہدایت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ أَذْرُع۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب راستہ کی بابت تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کر دو۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی افتادہ زمین پر راستہ بنا ہوا ہو اور وہاں کچھ لوگ عمارت بنانا چاہیں تو بہتر یہی ہے کہ آپس کے اتفاق و اتحاد (سے) مناسب راستہ کے لائق زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر اس کے ارد گرد عمارت بنائی جائے لیکن اگر راستہ کے لئے زمین کی کسی مقدار پر اتفاق نہ ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں واضح ہدایت یہ ہے کہ راستہ کے لئے چوڑائی میں سات ہاتھ زمین متعین کر دی جائے اور اس سات کے اندر کوئی کچھ نہ بنائے۔

مذکورہ بالا حدیث کی مراد تو یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اگر کوئی چلتا ہوا راستہ سات ہاتھ سے زائد چوڑا ہو تو اس صورت میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اس پورے زائد حصے یا اس میں سے کچھ پر قابض ہو جائے اور یہ کہے کہ راستہ کی سات ہاتھ چوڑائی کافی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

غیر منقولہ جائداد کو بلا ضرورت بیچنا مناسب نہیں ہے

⑥ عَنْ سَعِيدِ بْنِ حُزَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عَقَارًا قَمِينًا أَنْ لَا يَبَارَكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي مِثْلِهِ۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

”حضرت سعید ابن حریثؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”تم میں سے جو شخص اپنا مکان یا زمین

فروخت کرے تو مناسب یہ ہے کہ اس (کی قیمت) میں برکت نہ ہو الا یہ کہ وہ اس (قیمت) کو اس ہی جیسی جائیداد کی خریداری میں صرف کرے۔“ (ابن ماجہ، داری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ غیر منقولہ جائیداد (مثلاً مکانات اور زمین کو بلا ضرورت بیچنا اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت سے منقولہ اشیاء خریدنا غیر مستحب اور غیر مناسب ہے کیونکہ غیر منقولہ جائیداد میں منافع بھی بہت ہیں اور اس کے اتلاف و نقصان کے خطرات بھی کم ہوتے ہیں، جیسے اسے کوئی چور چرائیں سکتا اور کوئی لٹیرالوٹ کر لے نہیں جاسکتا، بخلاف اشیاء منقولہ کے کہ ان کی چوری کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔ لہذا عقل و دانش کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ بلا ضرورت غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہ کیا جائے، اگر فروخت ہی کیا جائے تو اس کی قیمت کو دوسرے مکانات و زمین کی خریداری میں صرف کیا جائے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَازِ أَوْ حَقُّ بِشَفْعَتِهِ يَنْتَظِرُ لَهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ ظَرِيفَهُمَا وَاحِدًا۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے (اور ہمسایہ شفعہ کا اس صورت میں حق دار ہے) جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔“
(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

شفعہ کا تعلق ہر غیر منقول جائیداد سے ہے

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيكَ شَفِيعٌ وَالشَّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْسَلًا وَهُوَ أَصَحُّ۔
”اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (وہ شخص جو فروخت کی جانے والی جائیداد میں) شریک ہو، شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ کا تعلق ہر (اس) چیز سے ہے (جو غیر منقولہ جائیداد ہو جیسے زمین اور باغ وغیرہ) اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن ابی ملیکہؓ نے بھی نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کی ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے۔“

بیری کا درخت کاٹنے پر وعید

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةَ صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ هَذَا الْحَدِيثُ مُخْتَصَرٌ يَعْنِي مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِي فَلَاةٍ يَسْتَقِيلُ بِهَا ابْنُ السَّبِيلِ وَالْبَهَائِمُ غَشْمًا وَظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ يَكُونُ لَهُ فِيهَا صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن حبیشؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹے سردوزخ میں ڈالے گا امام ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے جس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جنگل میں بیری کے کسی ایسے درخت کو کہ جس کے سایہ میں مسافر اور جانور پناہ حاصل کرتے ہیں، ازراہ ظلم و زیادتی اور بغیر حق کے کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اٹے سردوزخ میں ڈالے گا۔“

تشریح: جملہ غشما و ظلما بغیر حق میں لفظ ”ظلم“ اور ”بغیر حق“ لفظ ”غشما“ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے یا پھر یہ کہ

لفظ ”ظلم“ تو غشماً کی تاکید کے طور پر ہے لیکن ”بغیر حق“ سے مراد شفعہ ہے۔

ابوداؤد کی کتاب ”مرقات الصعود“ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اپنی کتاب ”اوسط“ میں یہ وضاحت کی ہے کہ جو شخص حدود حرم میں بیری کا درخت کاٹنے گا اس کے لئے یہ وعید ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں مدینہ کی بیری کا درخت مراد ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جنگل کی وہ بیری کا درخت مراد ہے جس کے سائے میں مسافر اور جانور راحت پاتے ہیں، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق اس شخص سے ہے جو کسی دوسرے شخص کا بیری کا درخت ازراہ ظلم و زیادتی کاٹ ڈالے۔

الفصل الثالث

ہر غیر منقول جائیداد میں شفعہ ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے یا ناقابل تقسیم ہو

(۱۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ إِذَا وَقَعَتِ الْخُدُودُ فِي الْأَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا وَلَا شُفْعَةَ فِي بَنِيهِ وَلَا فِخْلِ النَّخْلِ۔

(رواہ مالک)

”حضرت عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ جب زمین میں حدیں قائم ہو جائیں (یعنی مشترک زمین شرکاء میں باہم تقسیم ہو جائے اور ہر ایک کے حصے الگ الگ ہو جائیں) تو (شرکت کا) شفعہ باقی نہیں رہتا اور نہ کنویں میں شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ زکھجور کے درخت میں۔“

(مالک)

تشریح: کنواں ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا اور چونکہ شفعہ کا حق اسی زمین میں حاصل ہوتا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس لئے کنویں میں شفعہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک شفعہ ہر زمین میں ثابت ہے خواہ وہ تقسیم کا احتمال رکھے جیسے مکانات اور باغات وغیرہ یا تقسیم کا احتمال نہ رکھے جیسے کنواں، حمام اور چکی وغیرہ حنفیہ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ واضح ارشاد گرامی ہے کہ الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ یعنی شفعہ ہر (غیر منقول) چیز میں ہے۔

”اور نہ زکھجور کے درخت میں“ یعنی مثلاً چند لوگوں کو کھجور کے کچھ درخت مشترک طور پر وراثت میں حاصل ہوئے۔ جنہیں انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا لیکن ان میں ایک زردخت بھی تھا۔ جس کے پھول لے کر سب ہی لوگ اپنے اپنے کھجور کے درختوں پر ڈالتے تھے، اب ان ہی میں کا ایک شخص اپنے حصہ کے کھجور کے درختوں کے ساتھ اس زردخت کے اپنے حقوق بھی فروخت کرے تو شرکاء کو اس فروخت میں شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ کوئی زمین ہے اور نہ اس کو تقسیم کر لینا ممکن ہے۔

بَابُ الْمَسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ

مساقات اور مزارعت کا بیان

”مساقات“ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید اپنا باغ یا اپنے کچھ درخت بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کر تم ان درختوں کو سیراب کرنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، پھر ان پر جو پھل آئیں گے ان کو آدھوں آدھ یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ ”مزارعت“ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اپنی زمین بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کر تم اس کو جو تالو بنا، اس کی جو پیداوار ہوگی اسے آدھوں آدھ یا تہائی اور یا چوتھائی (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

گویا ”مساقات“ اور ”مزارعت“ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی ”بنائی پر دینا“ فرق صرف اتنا ہے کہ مساقات کا تعلق تو درختوں سے ہوتا ہے اور مزارعت کا تعلق زمین سے ہے، ان دونوں کا فقہی حکم بھی ایک ہی ہے، مساقات اور مزارعت یعنی اپنے درختوں یا زمین

نکو بٹائی پر دینا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز دوسرے علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اجارہ ہے جس میں اجر مجہول اور معدوم ہوتا ہے پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ سے منابر (مزارعت) کی نہیں ثابت ہے، لیکن فتویٰ چونکہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے اس لئے حنفیہ کے ہاں بھی مساقت اور مزارعت جائز ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

خیبر کی زمین کا بندوبست

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا إِلَى أَنْ يَغْتَمِلُوا هَامِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَغْتَمِلُوا هَامًا وَيَزْرَعُوا هَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا -

”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کی کھجوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اس کا آدھا پھل رسول کریم ﷺ کے لئے ہوگا۔“ (مسلم)

”اور بخاریؒ کی روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کو (یعنی وہاں کی زمین اور درخت کو) اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پھر اس کی پیداوار کا آدھا حصہ یہودیوں کا حق ہوگا اور آدھا حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے لیں گے۔“

تشریح: خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً (۶۰) میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے۔ پہلے یہ ایک مشہور مقام رہ چکا ہے جہاں یہودیوں کی بودوباش تھی، لیکن اب یہ بستی چند گاؤں کا مجموعہ ہے، چونکہ اس کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے اس لئے یہاں لوگ اقامت اختیار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اس کے علاقہ میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

بہر حال یہ حدیث علاوہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تمام علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ مساقت و مزارعت جائز ہے حضرت امام اعظمؒ یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساقت و مزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ ﷺ بطور مساقت و مزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی املاک کو انہیں کے حوالے کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لئے مقرر فرمایا، چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ ① خراج موظف ② خراج مقاسمت۔

خراج موظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لینا مقرر کر لیتا ہے جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو طے یعنی جوڑے لئے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت ﷺ کے لئے لیتے تھے۔

مناہر کی ممانعت

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَخَابِرُ وَلَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا حَتَّى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

پیش نظر ہے اس لئے حنفی مسلک میں بھی فتویٰ اسی بات پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

مزارعت کی ایک ممنوع صورت

④ وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلًا وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِئُ أَرْضَهُ فَيَقُولُ هَذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهَذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ فَتَنَاهَا هُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (متفق علیہ)

”اور حضرت زافع ابن خدیجؓ کہتے ہیں کہ ہم اکثر مدینہ والے کاشتکاری کیا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ اپنی زمین کو بٹائی پر کاشت کرنے کے لئے (کسی دوسرے کو) دے دیا کرتے تھے اور اس سے یہ کہہ دیتے تھے (کہ تم اس پوری زمین پر کاشت کرو، اس کے عوض میں) اس زمین کا یہ قطعہ میرے لئے ہے (یعنی اس قطعہ کی پیداوار میں لے لوں گا) اور یہ قطعہ تمہارے لئے ہے (یعنی اس دوسرے قطعہ کی پیداوار تم لے لینا) اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک قطعہ میں پیداوار ہو جاتی تھی لیکن دوسرے قطعہ میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (مزارعت کی اس صورت سے) منع فرما دیا۔ (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک شخص کو تو زمین کی پوری پیداوار مل جاتی تھی اور دوسرے شخص کا حق بالکل ضائع ہو جاتا تھا۔)“ (بخاری و مسلم)

کسی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے بطور رعایت دینا بہتر ہے

⑤ وَعَنْ عُمَرَ وَقَالَ قُلْتُ لِبَطْوَسٍ لَوْ تَزَكَّتِ الْمُخَابِرَةُ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهُ قَالَ أَيْ عَمْرُو إِنِّي أُعْطِيهِمْ وَأُعْطِيكُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي يَعْْنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلَكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُومًا. (متفق علیہ)

”اور حضرت عمرو ابن دینارؓ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بطاوسؓ (تابعی) سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ”بطاوسؓ نے کہا کہ عمرو! میں (اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے) لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباسؓ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی لگان وغیرہ متعین کر کے لے لیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مزارعت میں تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے، یعنی اپنی زمین دی جاتی ہے اور اس کے عوض اس کی پیداوار میں سے کچھ حصہ متعین کر کے لیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے باس طور کہ اسے اپنی زمین بغیر کچھ لئے بطور رعایت دی جائے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ بہتر ہے۔

اپنی زمین کو بے کار نہ چھوڑو

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيُزِرْ عَلَيْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنِ ابْنِي فَلْيَمْسِكْ أَرْضَهُ. (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا (خود) کاشت نہ کر سکے تو) اپنے کسی بھائی کو رعایت دے دے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے، لہذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تاکہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو، اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃً دے دے تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے، اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہوگا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے، یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر اصرار تبہہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃً دے کہ اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے، نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے، کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃً قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے، اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہوگا۔

زراعت میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد ترک کرنے پر وعید

④ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَرَأْيِ سَكَنَةَ وَشَيْئَانِ مِنَ آلَةِ الْحَرْبِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ هَذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ الدَّلَّ - (رواہ البخاری)

”منقول ہے کہ حضرت ابو امامہؓ نے (ایک جگہ) اہل اور کھیتی باڑی کا کچھ دیگر سامان دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ سامان جس گھر میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلت داخل کر دیتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک زراعت کا پیشہ ناپسندیدہ یا معیوب تھا یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد کھیتی باڑی کرنے والوں کی مذمت کرنا تھا بلکہ درحقیقت اس ارشاد گرامی کا منشاء جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ آگاہ کرنا ہے کہ زراعت میں مشغول ہو کر جہاد کو ترک نہ کر دیا جائے، اگر کوئی شخص اپنی معاشی ضروریات کی جائز و حلال تکمیل کے لئے زراعت کے پیشے کو اختیار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی غیر پسندیدہ بات نہیں ہے اور نہ ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو دشمنان دین کے قریب یا ان کے ملک کی سرحدوں سے متصل اقامت پذیر ہوں کہ اگر ایسے لوگ اپنی تمام تر توجہ زراعت کی طرف مبذول کر کے جہاد کی ضرورت و اہمیت کو فراموش کر دیں گے تو دشمن ان پر غالب آجائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

الفصل الثانی

کسی کی زمین میں بلا اجازت کاشت نہ کرو

⑤ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”حضرت رافع ابن خدیجؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر (یعنی مالک کی رضا اور حکم کے بغیر) کاشت کرے تو اس کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے علاوہ اس کے کہ جو اس نے خرچ کیا ہے اور

کچھ نہیں ہوگا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین میں مالک کی اجازت و مرضی کے بغیر اگر کوئی شخص کاشت کرے تو اس زمین کی ساری پیداوار زمین کے مالک ہی کو ملے گی ہاں کاشت کرنے والے نے اپنا جو تخم اس کاشت میں لگایا ہو گا وہ اسے مل جائے گا اس کے علاوہ اور کچھ اسے نہیں ملے گا۔ چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے ہی کو ملے گی البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ زمین کا نقصان اس کے مالک کو ادا کرے۔ حنفیہ کے بعض علماء نے بھی اسی قول کو ذکر کیا ہے اور ابن مالکؒ نے یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر زمین پر قبضہ کے دن سے اس کی کاشت کے دن سے زمین خالی ہونے کے دن تک اس زمین کا معاوضہ واجب ہوگا اور اس کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ اس شخص کی ہوگی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مزارعت کا ثبوت

⑨ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِينَةِ أَهْلُ بَيْتِ هَجْرَةَ إِلَّا يَزْعُونَ عَلَى الثَّلْثِ وَالرُّبْعِ وَزَارَعَ عَلِيُّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْقَاسِمُ وَعُزْرَةُ وَالْأَبِيُّ الْبَكْرُ وَالْعَلِيُّ وَابْنُ سِيرِينَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ كُنْتُ أَشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدٍ فِي الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى أَنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّظْوَانُ جَاءُوا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذًا۔ (رواہ البخاری)

”حضرت قیسؒ ابن مسلم، حضرت ابو جعفرؒ یعنی امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی (کی بٹائی پر) کھیتی نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علیؑ حضرت سعد ابن مالکؒ یعنی سعد ابن ابی وقاصؒ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، قاسم، عروہ، حضرت ابوبکرؒ کی اولاد، حضرت عمرؒ کی اولاد، حضرت علیؑ کی اولاد اور ابن سیرینؒ یہ سب کھیتی کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن ابن اسودؒ، تابعی کا بیان ہے کہ میں حضرت عبدالرحمن ابن یزیدؒ کی شرکت میں مزارعت کیا کرتا تھا، نیز حضرت عمرؒ نے لوگوں سے اس شرط پر (مزارعت کا) معاملہ کیا تھا کہ اگر عمرؒ تخم اپنے پاس سے دیں گے تو (پیداوار کا) نصف حصہ ان کا ہوگا اور اگر وہ لوگ بیج دیں گے تو پیداوار میں اس کے مطابق ان کا حصہ ہوگا (یعنی نصف، یا تہائی یا چوتھائی جو بھی مقرر ہوتا ہو)۔“ (بخاری)

تشریح: میرک شاہؒ نے کہا ہے کہ خود بخاری کی عبارت اور اس کی شرحوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو جعفرؒ کی عبارت لفظ والرابع پر ختم ہوگئی ہے اس کے آگے وزارع سے آخر تک ساری عبارت خود بخاری کی ہے، اور یہ سب آثار (یعنی صحابی یا تابعی کے اقوال) ہیں جن کو بخاریؒ نے چونکہ بغیر اسناد کے نقل کیا ہے اس لئے معلق ہیں، چنانچہ مؤلف مشکوٰۃ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ روایت کے آخر میں رواہ بخاری تعلیقاً (اس روایت کو بخاری نے بطریق تعلیق نقل کیا ہے) لکھتے۔

بَابُ الْإِجَارَةِ

اجارہ کا بیان

”اجارہ“ کے معنی ہیں ”کسی چیز کو کرایہ پر دینا“ اور اصطلاح شریعت میں اجارہ کا مفہوم ہے ”اپنی کسی چیز کی منفعت کا کسی کو مالک بنا دینا“۔

فقہی طور پر قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اجارہ میں چونکہ منفعت معدوم ہوتی ہے اس لئے اجارہ جائز ہونا چاہئے لیکن شریعت نے لوگوں کی احتیاج و ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ اجارہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

اجارہ کا جواز

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَمَرَ بِالْمُؤَجَّرَةِ وَقَالَ لَا بَأْسَ بِهَا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبد اللہ ابن مغفل کہتے ہیں کہ حضرت ثابت ابن ضحاکؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مزارعت سے منع فرمایا ہے“ میں مزارعت سے مراد مزارعت کی وہ صورتیں ہیں جس کا عدم جواز معلوم و متعین ہے اور جن کا تذکرہ گذشتہ باب کی حدیث نمبر (۳) میں (جو حضرت حنظلہ ابن قیسؓ سے منقول ہے) کیا گیا ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ فَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعْطَ۔ (تقریباً)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بھری ہوئی سیگی کھجوائی اور سیگی کھینچنے والے کو اجرت عطا فرمائی، نیز آپ ﷺ نے اپنی ناک میں دو اڈالیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاخ کشی (سیگی کھینچنے) کا پیشہ اور اجارہ مباح ہے اور علان کرنا جائز ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَى عَلَى قَرَارِ يَنْظُرُ لِأَهْلِ مَكَّةَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں“ یہ سن کر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے پوچھا کہ ”کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟“ فرمایا ”ہاں میں چند قیراط کی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی جن اوصاف و خصوصیات کی حامل ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ نبی کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معاشرہ اور سماج سے جو قریبی ربط و تعلق رکھنا پڑتا تھا اس کے لئے چونکہ یہ ضروری تھا کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح اور رہنمائی کے کسی بھی موڑ پر پورے معاشرے کے افراد اور نبی کے درمیان اجنبیت اور غیریت کی دیوار حاصل نہ رہے اس لئے قدرت کی طرف سے ابتداء میں نبی کو ایک ایسے تربیتی اور آزمائشی دور سے گذاراجاتا تھا جس کے بعض مرحلے بظاہر تو بہت غلیظ کے معلوم ہوتے تھے لیکن نتائج و اثرات کے اعتبار سے وہی مرحلے بہت ہی دور رس اور کارآمد ثابت ہوتے تھے، ایسا ہی ایک مرحلہ بکریوں کا چرانا بھی ہے جو اگرچہ بہت معمولی درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بکریوں کا چرانا محبت و شفقت، محنت و مشقت، باہمی ربط و تعلق اور عام خیر خواہی و نگہداشت کا ایک بہترین سبق ہے جو کسی رہبر و مصلح کی حیات کا ایک بنیادی وصف ہے، چنانچہ ہر نبی اسی لئے بکریاں چراتا تھا تاکہ اس تجربہ سے گزرنے کے بعد امت کی نگہبانی و شفقت اور معاشرے سے ربط و تعلق کا حقیقی جذبہ

پوری زندگی میں سرایت کئے رہے اور قوم کی طرف سے پیش آنے والی ہر سختی و مشقت پر صبر و تحمل کی قوت حاصل رہے۔ نیز اس ذریعے سے وہ حقیقی خلوت و تنہائی بھی حاصل ہو جاتی تھی جو نبی کی ابتدائی زندگی کا ایک مطلوب ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا نکتہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے اگر یہ تجزیہ پیش نظر ہو کہ ایک رہبر اور ایک بادشاہ اپنی قوم یا اپنی رعایا کے ساتھ وہی نسبت و تعلق رکھتا ہے جو ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ساتھ رکھتا ہے۔

مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے والے کے لئے وعید

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصَصْتُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بَنِي ثَمٍّ عَذْرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری سوغند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا شخص وہ ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے، ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد و معاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد و معاہدہ کی پاسداری ہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت و انسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد و معاہدہ کرے اسے پورا کرے، کسی معاہدہ کو بلا عذر ختم کر دینا انسانی شرف کے خلاف بھی ہے اور انسانیت کی توہین بھی، لیکن اگر کوئی عہد و معاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے، اس لئے جو شخص اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد و معاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے، شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اس کی خرید و فروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں ”اس کا مول کھانے“ کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہو گا اور اس وعید میں داخل ہو گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے، یہ ایک انتہائی قابل نفیس فعل ہے۔ کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے۔ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرے مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے، چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

جھاڑ پھونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ فِيهِمْ لَدَيْغٌ أَوْ سَلِيمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ

رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَاقٍ إِنَّ فِي الْمَاءِ لَدِينًا أَوْ سَلِيمًا فَأَنْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ فَكُفِرَ هَذَا ذَلِكَ وَقَالُوا أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا حَتَّى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابَ اللَّهِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ أُصْنِبْتُمْ أَفْسِمُوا وَاصْبِرُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا -

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک ایسے گاؤں سے گذری جس میں کسی شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس رکھا تھا، چنانچہ اس بستی کا ایک شخص ان صحابہؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا بھی ہے؟ کیونکہ ہماری بستی میں ایک شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا ہے؟ (اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ میرے ساتھ چل کر اس شخص پر دم کر دے)۔ چنانچہ ان میں سے ایک صحابیؓ تشریف لے گئے اور انہوں نے بکریوں کے عوض سورۃ فاتحہ پڑھی۔ یعنی انہوں نے کہا کہ میں اس شخص پر اس شرط کے ساتھ جھاڑ پھونک کروں گا کہ میں اس کے عوض اتنی بکریاں لوں گا، اسے بستی والوں نے منظور کر لیا لہذا ان صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا کیونکہ منقول ہے کہ فاتحۃ الكتاب شفاء من السم یعنی سورۃ فاتحہ زہر کے لئے شفاء ہے۔ لہذا وہ شخص اچھا ہو گیا، پھر جب وہ صحابیؓ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان ساتھیوں نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ (بڑے تعجب کی بات ہے کہ) تم نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے یہاں تک کہ وہ سب صحابہؓ مدینہ پہنچے اور (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! فلاں صحابیؓ نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جن چیزوں کی اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے۔“ (بخاری)

”ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”تم نے اچھا کیا، ان بکریوں کو (اپس میں) تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ۔“

تشریح: لفظ سلیم اور لفظ لدینغ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی سانپ کا ڈسا ہوا۔ چنانچہ روایت کے الفاظ لدینغ اَوْ سَلِيم میں اَوْ سلیم راوی کے لفظی شک کو ظاہر کرتا ہے یعنی راوی نے یہ دونوں لفظ نقل کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے یہ صحیح یاد نہیں ہے کہ اس موقع پر لفظ ”لدینغ“ کہا گیا تھا یا لفظ ”سلیم“ اور علامہ طبریؒ یہ کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لفظ لدینغ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے بچھو کاٹ لے اور ”سلیم“ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے سانپ ڈس لے، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس موقع پر راوی کو معنی کے اعتبار سے شک ہوا ہے یا تو وہ شخص بچھو کاٹا ہوا تھا یا سانپ کا ڈسا ہوا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جن صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پر پڑھ کر دم کیا تھا وہ حضرت ابوسعید خدریؓ تھے اور صحابہؓ کی وہ جماعت تیس نفوس پر مشتمل تھی، اسی اعتبار سے سورۃ فاتحہ پڑھنے والے صحابیؓ نے تیس بکریاں لی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان بکریوں میں اپنا حصہ لگانے کے لئے اس واسطے فرمایا تا کہ وہ صحابہؓ خوش بھی ہوں اور یہ بھی جان لیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض حاصل ہونے والی بکریاں بلا شک و شبہ حلال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیتوں اور ذکر اللہ کے ذریعے جھاڑ پھونک کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے، چنانچہ عامل روحانیت یعنی قرآن کریم کی آیتوں اور دیگر منقول دعا و عملیات کے ذریعے علاج کرنے والے اپنے عمل یعنی تعویذ گندوں اور جھاڑ پھونک کی جو اجرت لیتے ہیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ تلاوت قرآن کی اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ تلاوت قرآن ایک عبادت ہے۔ اور عبادت کی قیمت لینا قطعاً جائز نہیں ہے اور کسی مریض و کھنچے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اس کی برکت سے شفا حاصل ہو جانا عبادت نہیں ہے لہذا اس کی اجرت لینا جائز ہے۔

اس سے گویا یہ بھی ثابت ہوا کہ مصحف (یعنی قرآن کریم کو کتابی صورت میں) بیچنا، اس کو خریدنا، اجرت پر اس کی کتابت کرنا اور دین

کی دوسری کتابوں کو مزدوری پر لکھنا جائز ہے۔ اسی طرح متاخرین (یعنی بعد کے علماء) نے قرآن کریم کی تعلیم کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہے جب کہ متقدمین (یعنی پہلے زمانے کے علماء) جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو حرام کہا ہے۔

الفصل الثانی

جس طرح غیر شرعی جھاڑ پھونک ناجائز ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی حرام ہے

⑥ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْنَا عَلَى حَتَّى مِنَ الْعَرَبِ فَقَالُوا إِنَّا أَنْبِئُكَ أَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هَذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ زُقْيَةٍ فَإِنْ عِنْدَنَا مَعْتُوهُمَا فِي الْقَيْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَجَاءُوا بِمَعْتُوهُ فِي الْقَيْدِ فَقَرَأَتْ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ غَدُوقَةً وَعَشِيَةً أَجْمَعُ بَرَأَقِي ثُمَّ اتَّقَلُ قَالَ فَكَأَنَّمَا انْشِطَ مِنْ عَقَالٍ فَأَعْطُونِي جُعَلًا فَقُلْتُ لَا حَتَّى أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَعَلْتُ كُلُّ فَلَعُمْرِي لَمَنْ أَكَلَ بِزُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتُ بِزُقْيَةٍ حَقٍّ - (رواه احمد والبوداذ)

”حضرت خارجہ ابن الصلتؓ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ (انہوں نے کہا کہ) جب ہم لوگ رسول کریم ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ہمارا گزر عرب کے ایک قبیلے پر ہوا جس (کے کچھ لوگوں) نے ہم سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تم اس شخص (یعنی رسول کریم ﷺ) کے پاس سے بھلائی (یعنی قرآن کریم اور ذکر اللہ) لے کر آئے ہو، تو کیا تمہارے پاس کوئی (دوا یا جھاڑ پھونک بھی) ہے کیونکہ ہمارے ہاں ایک شخص پاگل ہو گیا ہے جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں (ہمارے پاس ایسا عمل ہے جس سے ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں) چنانچہ وہ اس پاگل کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے، پاس لائے، اور میں نے اس پر تین دن تک صبح و شام سورۃ فاتحہ اس طرح پڑھی کہ (پڑھتے وقت) اپنا تھوک جمع کرتا رہتا اور پھر (پڑھنے کے بعد) اس پر تھوک دیتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے چچا نے فرمایا کہ اس کے بعد (وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا) گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو پھر انہوں نے مجھے اس کی اجرت (کے طور پر کوئی چیز) دی تو میں نے کہا کہ یہ چیز اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے نہ پوچھ لوں، چنانچہ (میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ) ”جو کچھ تمہیں ملا ہے اسے کھا لو کیونکہ قسم ہے! اپنی زندگی کی، جو شخص باطل منتر کی اجرت کھاتا ہے وہ برا کرتا ہے تم نے توحق اور سچے منتر کی اجرت کھائی ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: ”باطل منتر“ ایسی جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں جس میں ستاروں، اور ارواح خبیثہ، جنات اور اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کا ذکر ہو اور ان میں سے مدد مانگی جاتی ہو چنانچہ ایسے عملیات جو غیر اللہ کے ذکر یا غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے غیر شرعی ہوں جس طرح ان کو اختیار کرنا ناجائز ہے اسی طرح ان کی اجرت کھانا بھی حرام ہے۔

”حق منتر“ ایسی جھاڑ پھونک اور عملیات کو کہتے ہیں جن میں ذکر اللہ اور قرآن کریم کی آیتیں ہوں خواہ ان کا تعلق پڑھ کر دم کرنے سے ہو یا تعویذ وغیرہ لکھ کر دینے سے ہو۔

حدیث کے الفاظ فلعمری (یعنی قسم ہے اپنی زندگی کی) سے یہ اشکال واقع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم کھانا منع ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی قسم کس طرح کھائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ”فلعمری“ سے قسم مراد نہیں ہے بلکہ دراصل یہ اہل عرب کے کلام کا ایک خاص لفظ ہے جو اکثر و بیشتر دوران گفتگو ان کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور علامہ طبریؒ یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس قسم کی قسمیں کھانے کی اجازت حاصل ہو لہذا اس کا تعلق ان چیزوں

سے ہو گا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے تو جائز تھیں دوسروں کے لئے جائز نہیں ہیں۔

مزدور کو اس کی مزدوری دینے میں تاخیر نہ کرو

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَمْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرْقُهُ۔

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو (یعنی جب مزدور اپنا کام پورا کر چکے تو اس کی مزدوری فوراً دے دو اس میں تاخیر نہ کرو)۔“ (ابن ماجہ)

⑤ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَفِي الْمَصَابِيحِ مُرْسَلٌ۔

”اور حضرت حسین ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سائل کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ (بہر صورت دیئے جانے کا) مستحق ہے اگرچہ گھوڑے پر آئے۔“ (احمد، ابوداؤد) اور مصابیح میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا چاہئے اگرچہ وہ گھوڑے پر چڑھ کر بھی مانگنے آئے تو اس کا سوال پورا کیا جائے۔ چنانچہ قاضی نے کہا ہے کہ سائل کو خالی نہ پھیرو اگرچہ ایسی حالت میں تمہارے پاس مانگنے آئے جو اس کے مستغنی ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اسے سوال کرنے کی حاجت نہ ہوتی تو وہ اپنا دست سوال دراز کر کے تمہارے آگے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیوں کرتا۔

یہ حدیث بظاہر اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ سائل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ گویا اس کے سوال کی اجرت ہے لہذا اس مناسبت سے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں علماء نے نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور کہا ہے کہ یہ بازار میں گشت کرتی ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے البتہ اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل استدلال ہے۔ مصابیح میں اس حدیث کو مرسل کہا گیا ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ مسند ہے چنانچہ مصابیح کے بعض نسخوں میں لفظ ”مرسل“ مذکور بھی نہیں ہے۔

الفصل الثالث

مزدوری کے سلسلے میں حضرت موسیٰ کا ذکر

⑥ عَنْ عُثْبَةَ بْنِ الْمُنْذِرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طَيْسَمٌ حَتَّى بَلَغَ قِصَّةَ مُوسَى قَالَ إِنَّ

مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِ سِنِينَ أَوْ عَشْرًا عَلَى عَقَّةٍ فَرَجَّهَ وَطَعَامٍ بَطْنِيهِ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”حضرت عتبہ ابن منذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے طیسمؓ پڑھی اور جب آپ ﷺ حضرت موسیٰؑ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ موسیٰؑ نے اپنی شرم گاہ کو بچانے کے لئے اور پیٹ بھرنے کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال تک مزدوری میں دے رکھا تھا۔“ (احمد، ابن ماجہ)

تشریح: طیسم یعنی سورہ قصص میں حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین پہنچے وہاں حضرت شعیبؓ سے کہن کی ملاقات ہوئی، پھر ان کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰؑ کا نکاح ہوا اور حضرت موسیٰؑ نے اس سے عوض میں

اپنے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی مزدوری میں دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کی تلاوت کے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس تذکرہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا۔

”شرم گاہ بچانے“ سے مراد نکاح ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے اس معاہدہ پر نکاح کیا کہ میں آٹھ یا دس سال تک تمہاری بکریاں چراؤں گا گویا اتنی مدت تک بکریاں چرانے کو انہوں نے اپنی بیوی کا مہر قرار دیا۔ چنانچہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ آزاد شخص کی خدمت کو اس کی بیوی کا مہر قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معاملے میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کا مہر تو کچھ اور مقرر کیا ہوگا اور بکریاں چرانے کی یہ خدمت بطریق احسان قبول کی ہوگی۔

خاوند کی خدمت بیوی کا مہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں علماء کا فقہی اختلاف ہے۔ چنانچہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی عورت کا نکاح اس چیز کے عوض کیا جائے کہ اس کا آزاد خاوند مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ ہاں یہ جائز ہے کہ عورت کا نکاح اس چیز کے عوض میں کیا جائے کہ اس کے خاوند کا غلام مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ شافعی علماء کے نزدیک بعض کاموں کی مزدوری و خدمت کے عوض نکاح کرنا درست ہے۔ جب کہ مستاجر لہ (وہ کام جو اجیر و مزدور انجام دے) اور مخدوم فیہ (وہ خدمت جو انجام دی جائے) معلوم و متعین چیز ہو۔

دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ أَهْدَى إِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ أَعْلَمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَارْزَمِي عَلَيْهِمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تَطْلُقَ طَلُوقًا مِنْ نَارٍ فَأَقْبِلْهَا - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ایک شخص نے مجھے بطور تحفہ ایک کمان بھیجی ہے اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہیں میں کتاب و قرآن کی تعلیم دیا کرتا تھا، اور (میں سمجھتا ہوں کہ اس کمان کو قبول کر لینے میں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ) کمان کوئی مال نہیں ہے۔ چنانچہ اس کمان کے ذریعے راہ خدا (یعنی جہاد) میں تیر اندازی کروں گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہارے گلے کو آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لو۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”کمان کوئی مال نہیں ہے“ سے حضرت عبادہ کی یہ مراد تھی کہ کمان ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے مال یا اجرت شمار کیا جائے بلکہ یہ تو لڑائی کا ایک سامان ہے جسے میں خدا کی راہ میں استعمال کروں گا بایں طور کہ جہاد میں اس کے ذریعے تیز اندازی کروں گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متنبہ فرمایا کہ یہ کمان اگرچہ تمہیں کلام اللہ کی تعلیم کی اجرت کے طور پر نہیں ملی ہے اور نہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جسے اجرت شمار کیا جاسکے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمہارے اس اخلاص کو ختم کر دے گی۔ جو تمہاری خدمت تعلیم کا محور تھا جس سے سرشار ہو کر تم نے ان لوگوں کو قرآن و دین کی تعلیم دی تھی، لہذا تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تم اسے قبول نہ کرو۔ جو علماء قرآن و دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں وہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔

بَابُ أَحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالشَّرْبِ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور پانی پلانے کے حق کا بیان

نہایت میں لکھا ہے کہ ”موات“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے

کہ ”موات“ اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو، لہذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین ”موات“ ہے۔

”احیاء موات“ سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے، یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلادیا جائے۔ اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

شرب کے لغوی معنی ہیں ”پینے کا پانی“ پانی کا حصہ، گھاٹ اور پینے کا وقت، اصطلاح شریعت میں اس لفظ کا مفہوم ہے ”پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے، برتنے، اپنی کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لئے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے“۔ چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن (یعنی دریا اور تالاب وغیرہ) میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، اس سے بلا تخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں دریا، نہروں، نالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو، فرق ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے، چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور نالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے کھیت و باغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں روکا جاسکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے، چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا، چاند، سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ خدا نے ان نعمتوں کو بلا تخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع و فائدہ کسی خاص شخص یا کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں، اسی طرح کنوئیں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنوئیں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرنے یعنی افتادہ زمین میں زراعت کرے تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے افتادہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنوئیں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنوئیں یا اس نہر کے ہونے کی وجہ سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے۔ اور جو پانی کسی برتن یا ٹنگی وغیرہ میں بھر لیا جاتا ہے وہ اس برتن و ٹنگی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مار لے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بقیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود ملکیت میں پانی کے طلب گار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے، بشرطیکہ وہ پانی کا طلب گار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے پانی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریبی جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اسی مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنوئیں سے پانی لا کر دے دے یا اسے اجازت دے دے کہ وہ وہاں آکر پانی لے سکے لیکن اس شرط

کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنے والے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آگئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اس کے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑائی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آجائے۔

کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے، بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھریا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جا رہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاس کو یہ حق ہو گا کہ وہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کر لے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اس کو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کئے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر (سزا) کے قائم مقام ہوگا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

افتادہ و ہجر زمین کو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے

① عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ قَالَ غَزْوَةُ قُضَىٰ بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی ایسی (افتادہ و ہجر) زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنے والا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے؟“ حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت عروہؓ کے یہ الفاظ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

کسی چہرہ آگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کی ممانعت

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الصُّعْبَ بْنَ جَثَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت صعب ابن جثامہؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی

چراگاہ کو مخصوص کر لینے کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔“ (بخاری)

تشریح: جمی (حاء کے زیر کے ساتھ) اس زمین (چراگاہ) کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روکی جاتی ہے اور اس میں کسی دوسرے کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کسی چراگاہ کو صرف اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور اس میں دوسرے کے جانوروں کے چرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

اس حکم کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جس زمین میں گھاس اور پانی ہوتا اسے عرب کے سردار اپنے جانوروں کے لئے اپنی مخصوص چراگاہ بنا لیتے تھے جس میں ان کے علاوہ دوسروں کے جانوروں کو چرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاہم آپ ﷺ نے جہاد میں کام آنے والے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے ایسی مخصوص چراگاہیں قائم کرنے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ لیکن اب آنحضرت ﷺ کے بعد کسی بھی حاکم و سردار کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چراگاہ کو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے مخصوص کر دے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کسی فرد کے لئے نہیں بلکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کرنا بھی ناجائز ہے یا یہ جائز ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے چراگاہ کو مخصوص کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن بعض دوسرے حضرات اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں بشرطیکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کر دینا اہل شہر کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہو۔

کھیتوں میں پانی لے جانے کے سلسلے میں ایک تنازعہ اور آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

③ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصِمَ الزُّبَيْرِ زُجْلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحِوَرَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ قَتْلَوْنَ وَجْهَهُ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اخْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرْيَحِ الْحُكْمِ حِينَ أَحْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرِ لَهُمَا فِيهِ سَعَةٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) پیہڑی زمین سے (کھیتوں میں) پانی لے جانے والی نالیوں کے سلسلے میں (میرے والد) حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا جب وہ معاملہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”زبیر! پہلے تم اپنے کھیتوں میں پانی لے جاؤ پھر اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیتوں میں پانی چھوڑ دو۔“ (یہ فیصلہ سن کر) اس انصاری نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ زبیرؓ آپ ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں (یہ سنتے ہی) آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”زبیر! (اپنے کھیت میں) پانی لے جاؤ اور پھر پانی کو روکے رکھو (یعنی پانی کو اس انصاری کے کھیت میں نہ جانے دو) تاکہ (تمہارا پورا کھیت اچھی طرح سیراب ہو جائے) اور پانی کھیت کی منڈیر تک پہنچ جائے اس کے بعد نالی کا رخ اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیت کی طرف کر دو۔“ گویا آپ ﷺ نے اس صریح حکم کے ذریعے حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلویا اس لئے کہ اس انصاری نے آپ ﷺ کو غضب آمیز کر دیا تھا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں ان دونوں کے بارے میں جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں دونوں ہی کے لئے آسانی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عروہ ابن زبیر بن العوام جلیل القدر اور بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اس وقت مدینہ میں جو سات فقیہ تھے جن کا علم و فضل سب پر حاوی تھا ان میں سے ایک حضرت عروہؓ بھی ہیں، ان کی والدہ محترمہ مشہور صحابیہ حضرت اسماءؓ ہیں جو

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں اور ان کے والد حضرت زبیرؓ مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ حضرت زبیرؓ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ قدیم الاسلام ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور ہی میں مشرف باسلام ہو گئے تھے جب کہ ان کی عمر صرف سولہ سال کی تھی، ایک طرف تو یہ ان کی سعادت تھی کہ انہوں نے اتنی چھوٹی سی عمر ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا دوسری طرف ان کے ظالم چچا کی شقاوت تھی کہ اس نے ان کو اسلام لانے کے ”جرم“ میں طرح طرح کی سزا اور اذیتوں میں مبتلا کیا یہاں تک کہ وہ بد بخت ان کو راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے دھویں میں ڈال دیا کرتا تھا، گھر یہ نو خیز جان ساری اذیتیں برداشت کرتی، تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتی مگر اسلام کی راہ میں جو قدم اٹھ چکا تھا وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتا رہا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات (جنگوں) میں شرکت کی اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے رسول کریم ﷺ نے جن دس خوش نصیب صحابہؓ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور جنہیں ”عشرہ مبشرہ“ کہا جاتا ہے ان میں سے ایک حضرت زبیرؓ بھی ہیں۔

انہی حضرت زبیرؓ کا واقعہ ہے کہ یہ اور ایک انصاری ایک ہی نالی کے ذریعے اپنے اپنے کھیتوں میں پانی لے جاتے تھے۔ سو اتفاق کہ ایک مرتبہ اسی نالی سے پانی لے جانے کے بارے میں ان دونوں میں یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ انصاری تو کہتا تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت میں پانی لے جاؤں گا اور حضرت زبیرؓ یہ کہتے تھے کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا جب یہ بات زیادہ الجھ گئی اور وہ آپس میں کوئی تصفیہ نہ کر سکے تو اپنا معاملہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کا فیصلہ حاصل کریں۔

موقع کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت زبیرؓ کی زمین بلندی پر بھی تھی اور نالی کے قریب بھی تھی جب کہ اس انصاری کی زمین نیچے تھی اور نالی سے دور تھی، قاعدہ کے مطابق پانی پہلے حضرت زبیرؓ ہی کے کھیت میں جانا چاہئے تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس صورت حال کے پیش نظر یہ منصفانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ پہلے زبیرؓ اپنے کھیت میں پانی لے جائیں بعد میں ان کا ہمسایہ یعنی وہ انصاری اپنے کھیت میں پانی لے جائے۔ حق و صداقت کا صحیح شعور کھودینے والے انسان کی جبلت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں حق پر نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے فیصلہ اس کی خواہش کے برخلاف ہوتا ہے تو وہ بجائے اس کے کہ قبول کر کے انصاف کی برتری کو تسلیم کر لے، کرتا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والے پر فیصلہ میں جانب داری کا الزام عائد کر دیتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی یہی ہوا وہ انصاری چونکہ حق پر نہیں تھا اس لئے جب بارگاہ رسالت سے اس کی خواہش کے برخلاف فیصلہ صادر ہوا تو اس فیصلے کو برضا و تسلیم قبول کرنے کی بجائے اس نے یہ کہا کہ زبیرؓ چونکہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لئے یہ فیصلہ کیا ہے، اسی طرح گویا اس نے آپ ﷺ پر جانب داری کا الزام عائد کیا ظاہر ہے کہ کسی منصف و عادل کے لئے ذہنی اذیت و کوفت کا اس سے بڑا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے کسی منصفانہ فیصلے پر جانب داری اور عصیت کا الزام عائد کر دیا جائے۔

اسی لئے جب اس انصاری نے یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ کی جبین پر بل پڑ گئے اور غصے کے شدید ترین جذبات نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے اس فیصلے نے (جس میں تھوڑی بہت رعایت اس انصاری کی بھی تھی) اس صریح حکم کی صورت اختیار کر لی کہ ”زبیر! اب تم اپنا حق پورا پورا لو، اور وہ یہ کہ نہ صرف پہلے تم اپنے کھیت میں پانی لے جاؤ بلکہ کھیت کو پوری طرح سیراب کرو، اس میں اچھی طرح پانی دو، جب تمہارا کھیت منڈیروں تک بھر جائے تب نالی کا رخ اس انصاری کے کھیت کی طرف کرو۔“

چنانچہ روایت کے آخری جملوں کا مطلب یہی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں حضرت زبیرؓ کو یہ اشارہ بھی تھا کہ اپنا کچھ حق ازراہ احسان اپنے ہمسایہ کے لئے چھوڑ دو، تاکہ تمہارا کام بھی ہو جائے جو انصاف کا تقاضہ ہے اور اس انصاری کے ساتھ بھی کچھ رعایت ہو جائے جو اگرچہ تم پر واجب نہیں ہے مگر آپس کے معاملات میں بہتری و بھلائی پیدا کرنے کے نقطہ نظر

مناسب ہے۔ مگر جب اس انصاری نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حق پورا پورا حاصل کرنے کا حکم دیا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں اس انصاری کی اس گستاخی کا کیا سبب تھا؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ انصاری دراصل منافق تھا اور منافقوں کا یہ رویہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گستاخی اور آپ ﷺ کو ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ منافق تھا تو اسے ”انصاری“ کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو انصاری اس مناسبت سے کہا گیا کہ وہ انصار کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ انصار کے قبیلوں میں بعض منافق بھی تھے مثلاً عبد اللہ ابن ابی وغیرہ۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، یہاں پہنچ کر ایک یہ نیا سوال سر اُبھارتا ہے کہ جب وہ منافق تھا اور اس نے شان رسالت میں اتنی بڑی گستاخی کی تھی تو اسے سزا کیوں نہیں دی گئی، اسے تو فوراً قتل کر دینا چاہئے تھا؟ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسے ہزاء قتل نہ کرنے کا سبب یا تو اس کی تالیف یعنی ازراہ الفت و رعایت اس کو راہ حق لگانا تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ کے اس صبر و تحمل نے اس کو قتل کرنا گوارا نہ کیا جو ہمیشہ ہی منافقوں کی ایذا رسانیوں پر ظاہر ہوتا تھا، پھر اگر اسے قتل کر دیا جاتا تو مخالفین اسلام طعن کرتے کہ محمد ﷺ تو اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں کیونکہ منافق بہر حال ظاہر طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور آپ ﷺ کا ساتھی ہونے کا نظارہ کرتے تھے۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ وہ انصاری مؤمن ہی تھا مگر غصہ اور جھنجھلاہٹ نے اس کے دل و دماغ کو اس طرح مآؤف کر دیا تھا کہ وہ اضطرابِ آپ ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کر بیٹھا۔ واللہ اعلم

جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو پلانے سے نہ روکو

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَاءِ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے (جانوروں کو پلانے سے) منع نہ کرو تاکہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس سے منع کرنا لازم نہ آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عام طور پر جانوروں کو گھاس وہاں چرائی جاتی ہے جہاں پانی ہوتا ہے، اس لئے اگر جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے تو کوئی وہاں اپنے جانور کا بے کو چرائے گا؟ اس طرح پانی پلانے سے روکنے کا مطلب یہ ہو گا کہ تم بالواسطہ طور پر گھاس چرانے سے روک رہے ہو، اور گھاس چونکہ جانوروں کی عام غذا ہونے کی وجہ سے جانوروں کے لئے بہت زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے منع کرنا درست نہیں ہے، لہذا آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ جانوروں کو پانی پلانے سے کسی کو نہ روکو تاکہ اس کی وجہ سے گھاس چرانے سے باز رکھنا لازم نہ آئے۔ ”ضرورت سے زائد“ کی قید اس لئے ہے کہ اگر پانی اور گھاس اپنی اور اپنے جانوروں کی ضرورت کے بقدر رہی ہو تو اس صورت میں اپنی ضرورت کو مقدم رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو پھر دوسرے کو منع کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ

عَلَى سَلْعَةٍ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا أَكْثَرُ مِمَّا أُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْطَعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُولُ اللَّهُ الْيَوْمَ أَفْتَعَلَكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (رحم و کرم کی) بات

نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف (منظر عنایت) دیکھے گا، ایک تو وہ (تاجر) شخص ہے جو قسم کھا کر (خریدار سے) کہتا ہے کہ اس چیز کے چودام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ دام اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص (اپنی قسم میں) جھوٹا ہے (کیونکہ درحقیقت اس سے زیادہ قیمت اسے نہیں مل رہی تھی) اور سراسر شخص وہ ہے جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اور اس (جھوٹی قسم کھانے) کا مقصد کسی مسلمان شخص (یا ذی) کا کوئی مال لینا ہو، اور تیسرا شخص وہ ہے جو فاضل پانی (پینے پلانے) سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح تو نے (دنیا میں) اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا باوجود یہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا۔“ (بخاری)

تشریح: ”عصر کے بعد“ کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ مغلطہ قسمیں اسی وقت کھائی جاتی ہیں، یا یہ تخصیص اس لئے ہے کہ عصر کے بعد کا وقت چونکہ بہت ہی بافضیلت اور بابرکت ہے اس لئے اس وقت جھوٹی قسم کھانا بہت ہی زیادہ گناہ کی بات ہے۔
”باوجود یہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا“ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر طعن کرے گا کہ اگر وہ پانی تیری قدرت کا ریتین منت ہوتا تو اسے پیدا کرتا تو ایک طرح سے تیرا یہ عمل موزوں بھی ہوتا مگر اس صورت میں جب کہ وہ پانی محض میری قدرت سے پیدا ہوا تھا اور اسے میں نے ایک عام نعمت کے طور پر تمام مخلوق کے لئے مباح کر دیا تھا تو پھر تیری یہ مجال کیسے ہوئی کہ تو نے مخلوق خدا کو میری اس نعمت سے باز رکھا۔

اگرچہ کنواں اور نہرو وغیرہ انسان کی مشقت و محنت سے وجود میں آتے ہیں مگر اس کی اصل چیز یعنی پانی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کنواں بنوائے، نہر کھدوائے یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوائے اور اس میں پانی نہ آئے تو اس کنواں یا نہرو وغیرہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی، اس لئے محض کنواں بنوا دینا یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کو دوسروں پر پانی استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دینے کا حق مل گیا ہے۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ جَابِرٍ فِي بَابِ الْمَنْهِي عَنْهَا مِنَ الْبَيْعِ۔

”اور حضرت جابرؓ کی روایت باب المنہی عنہا من البیوع میں ذکر کی جا چکی ہے۔“

یعنی حضرت جابرؓ کی یہ روایت نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل الماء (رسول کریم ﷺ نے اپنی ضروریات سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے) صاحب مصابح نے یہاں نقل کی تھی لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اسے ”باب المنہی عنہا من البیوع“ میں نقل کیا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے۔

الْفُضْلُ الثَّانِي

افتادہ زمین کی دیوار کے ذریعے حد بندی کر دینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے یا نہیں؟

⑥ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت حسن بصریؒ، حضرت سرہؒ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (افتادہ) زمین پر دیوار گھیر دے تو وہ اس کی ہو جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ وغیر آباد) زمین پر دیوار گھیر دے گا وہ زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے جیسا

کہ مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ تینوں آئمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے۔ جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جا چکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا، احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہذا تینوں آئمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے ”سکونت کے لئے دیوار کھینچنا“ مراد ہے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے صحابہؓ کو افتادہ زمین کا جاگیر عطیہ

④ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزَّيْبِرِ نَحِيْلًا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے لئے کھجوروں کے درخت جاگیر کر دیئے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس بارے میں ایک احتمال یہ ہے کہ کھجور کے جو درخت حضرت زبیرؓ کو بطور جاگیر عطا کئے گئے تھے وہ دراصل جنس میں سے تھے جو ان کا حق تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ درخت اس موات (افتادہ وغیر آباد) زمین میں تھے جسے حضرت زبیرؓ نے آباد کیا ہوگا۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزَّيْبِرِ حُضْرَ فَرْسِهِ فَأَجْرِي فَرْسَهُ حَتَّى قَامَ ثُمَّ زَمِي بِسَوْطِهِ فَقَالَ أَعْطُوهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کے بقدر زمین بطور جاگیر (یعنی ایک دوڑ میں گھوڑا جہاں تک پہنچ کر ٹھہر جائے وہاں تک کی زمین عطا کر دی چنانچہ (اس مقصد کے لئے) حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور وہ گھوڑا (ایک جگہ پہنچ کر) ٹھہر گیا پھر حضرت زبیرؓ نے اپنا کوڑا پھینکا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زبیرؓ کا کوڑا جہاں جا کر گرا وہاں تک کی زمین زبیرؓ کو دے دی جائے۔“ (ابوداؤد)

⑥ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ عَنِ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ أَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتٍ قَالَ فَأَرْسَلَ مَعِيَ مُعَاوِيَةَ قَالَ أَعْطَاهَا إِيَّاهُ - (رواہ الترمذی والداری)

”اور حضرت علقمہ ابن وائلؓ اپنے والد (حضرت وائل ابن حجرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان (وائیل ابن حجرؓ) کو حضرموت میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی، چنانچہ حضرت وائلؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو میرے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ اس زمین کی پیمائش کر دیں، اور معاویہؓ نے فرمایا کہ وہ زمین (ناپ کر) وائلؓ کو دے دو۔“ (ترمذی والداری)

تشریح: موجودہ جغرافیائی نقشے کے مطابق جبل السراة کا ایک سلسلہ یمن سے گذر کر جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی گوشے سے مشرق کی طرف مڑ گیا ہے پھر جنوبی ساحل کے قریب قریب دور تک چلا گیا ہے، جبل السراة کا یہی سلسلہ جن علاقوں پر مشتمل ہے انہیں ”حضرموت“ کہا جاتا ہے۔ یوں تو حضرموت کا پورا علاقہ عموماً بنجر اور غیر شاداب پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ جو نہ زیادہ بلند ہیں اور بارش کم ہونے کی وجہ سے ناقابل زراعت ہیں، لیکن ان سلسلوں میں کچھ وادیاں ہیں جو نسبتاً شاداب ہیں، ان میں سے ایک وادی کا نام وادی حضرموت ہے۔

حضرت وائلؓ ابن حجرؓ اسی علاقے کے قدیم شاہی خاندان کے ایک فرد تھے ان کے والد وہاں کے بادشاہ تھے۔ یہ جب پیغمبر اسلام کی دعوت سن کر اپنے ملک کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے حضرموت سے روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کی آمد سے پیشتر صحابہؓ کو مطلع کر دیا تھا، اور وہ بقیۃ ابناء الملوک (اور وہ شاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں) کے ذریعے ان کا تعارف کرایا تھا، پھر جب وہ مدینہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی حیثیت کے مطابق

ان کا استقبال کیا، انہیں اپنے قریب بٹھایا اور ان کے لئے اپنی مبارک چادر بچھادی، اور پھر آپ ﷺ نے ان کو حضرموت کے علاقہ کا حاکم مقرر فرمایا اور وہاں کی کچھ زمین انہیں بطور جاگیر عطا فرمائی۔

(۱۰) وَعَنْ أَبِيضِ بْنِ حَمَّالٍ الْمَارَبِيِّ أَنَّهُ وَقَدْ أَلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقَطَعَهُ الْمَلِخَ الَّذِي بِمَارَبَ فَاقْطَعَهُ إِيَّاهُ فَلَمَّا وَلِيَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا أَقْطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَوَجَّعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ مَاذَا أَيْخَمِي مِنَ الْأَزَالِكِ مَا لَمْ تَنْلَهُ أَخْفَافُ الْإِبِلِ - (رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت ابیض ابن حمال ماربیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست پیش کی کہ مارب میں نمک کی جو کان ہے وہ ان کے لئے جاگیر کر دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں نمک کی وہ کان بطور جاگیر عطا فرمادی۔ جب ابیض واپس ہوئے تو ایک شخص (یعنی اقرع ابن حابس تمیمیؓ) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے تو ابیضؓ کو تیار پانی (یعنی کان میں بالکل تیار نمک) دے دیا ہے؟“ راوی کہتے ہیں کہ (جب آپ ﷺ کو حضرت اقرعؓ سے یہ معلوم ہوا کہ ابیضؓ کو ایک ایسی کان دے دی گئی ہے جس میں نمک بالکل تیار ہے تو) آپ ﷺ نے وہ کان ابیضؓ سے واپس لے لی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی حضرت اقرعؓ) نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ پیلو کے درختوں کی کون سی زمین گھیری جائے؟ یعنی کون سی افتادہ وغیرہ آباد زمین کو آباد کر کے اپنی ملکیت بنایا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”مارب“ یمن کے ایک شہر کا نام ہے جو صنعاء سے ۶۰ میل مشرق میں تقریباً چار ہزار فٹ بلند سطح زمین پر واقع ہے یمن میں پہلی صدی عیسوی تک سبانی نسل کے اقتدار کے زمانے میں ”مارب“ یمن کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے نہ صرف ایک بڑا شہر تھا بلکہ ایک عظیم تجارتی مرکز بھی تھا، حضرت ابیضؓ اسی شہر کے رہنے والے تھے اسی لئے انہیں ماربی کہا جاتا ہے۔

الماء العِدّ یعنی تیار پانی کا مطلب ہے بالکل تیار بیشہ رہنے والا کہ اس کا مادہ منقطع نہ ہو۔ اس سے کان میں نمک کی بالکل تیار حالت کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شروع میں تو سمجھا تھا کہ ابیضؓ نے نمک کی جس کان کی فرمائش کی ہے وہ بالکل ابتدائی حالت میں ہے جس سے محنت و مشقت اور سخت جدوجہد کے بعد نمک نکلے گا، مگر جب حضرت اقرعؓ کی توجہ دلانے سے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ کان ابتدائی حالت میں نہیں ہے بلکہ اس میں نمک تیار ہو چکا ہے۔ جو بغیر کسی محنت و مشقت کے تیار پانی اور گھاس کی طرح حاصل کیا جاسکتا ہے تو آپ ﷺ نے وہ کان واپس لے لی، کیونکہ اس صورت میں اس کان اور اس میں تیار شدہ نمک پر سب لوگوں کا حق تھا اسے کسی فرد واحد کی ملکیت بنا دینا مناسب نہیں تھا، اس لئے آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے حقوق کی رعایت کے پیش نظر اس کان کو واپس لے لینا ہی بہتر سمجھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام (یعنی حکومت وقت) کی طرف سے کوئی کان کسی شخص کو بطور جاگیر عطا ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ کان زیر زمین پوشیدہ ہو اور اس سے محنت و مشقت اور جدوجہد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ ہاں جو کانیں برآمد ہو چکی ہوں اور ان سے نکلنے والا مال کسی محنت و مشقت اور جدوجہد کے بغیر حاصل ہو سکتا ہو تو انہیں کسی فرد واحد کی جاگیر بنا دینا جائز نہیں ہے بلکہ گھاس اور پانی کی طرح ان کی منفعت میں بھی تمام لوگ شریک ہوں گے اور ان پر سب کا استحقاق ہوگا۔ اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حاکم کسی معاملے میں کوئی حکم و فیصلہ صادر کرے اور پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ یہ حکم و فیصلہ حقیقت کے منافی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس فیصلے و حکم کو منسوخ کر دے اور اس سے رجوع کر لے۔

”وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں“ سے مراد وہ زمین ہے جو چراگاہ اور عمارات سے الگ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس موات (افتادہ) زمین کا احیاء (یعنی اسے آباد کرنا) جائز نہیں ہے جو عمارات کے قریب ہو کیونکہ وہ جانوروں کو چرانے اور اہل مستی کی دیگر ضرورت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

خدا کی تین عام نعمتیں

⑪ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالتَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں یعنی پانی، گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں خدا کی ان تین عام نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے، ان میں کسی کی ذاتی ملکیت و خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

”پانی“ سے مراد دریا، تالاب اور کنویں وغیرہ کا پانی ہے، وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن باس میں بھرا ہوا ہو، چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے، اسی طرح ”گھاس“ سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔

”آگ“ سے مراد یہ ہے کہ اگر کھسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے، یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کروے وغیرہ ذالک۔ ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لکڑی لینا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اس کو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آجائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے ”سنگ چھٹاق“ (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات (یعنی افتادہ) زمین میں ہو۔

کسی مباح چیز کو جو شخص پہلے حاصل کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی

⑫ وَعَنِ اسْمَرْئِيلَ مَضْرُوسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ إِلَى مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت اسمٰر بن مضرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بیعت ہوا (یعنی اسلام قبول کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی ایسے پانی کی طرف سبقت کرے (یعنی اس پانی کو حاصل کرے) جسے کسی مسلمان نے حاصل نہ کیا ہو تو وہ اسی کا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مباح پانی یعنی دریا یا تالاب وغیرہ میں سے کوئی مقدار لے لیتا ہے تو پانی کی وہ لی ہوئی مقدار اس شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور جو پانی اس جگہ یعنی دریا و تالاب وغیرہ میں باقی رہ جاتا ہے وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا، بلکہ وہ جو کاتوں مباح رہتا ہے، اسی طرح دوسری مباح چیزیں مثلاً گھاس اور لکڑی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

جس قوم میں کمزور انسانوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں وہ برائیوں سے پاک نہیں ہوتی

⑬ وَعَنْ طَاوُسٍ مَرْسَلًا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَا مَوَاتًا مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ عَادِي الْأَرْضِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ مِتْنِي۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَزَوَى فِي شَرْحِ السُّنَنِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ الدُّوْرَ بِالْمَدِينَةِ وَهِيَ بَيْنَ ظَهْرَانِي عِمَارَةَ الْأَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالتَّخْلُفِ فَقَالَ بَنُو عَبْدِ بْنِ زُهْرَةَ نَكَبَ عَنَّا ابْنُ أُمِّ عَبْدِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَيْنِي اللَّهُ إِذَا إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْدَسُ أُمَّةٌ لَا يُؤْخَذُ لِلضَّعِيفِ فِيهِمْ حَقٌّ۔

”اور حضرت طاہسؑ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”افتادہ و بنجر زمین کو جو شخص آباد کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے (شافعیؒ) اور شرح السنۃ میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مدینہ میں جو مکانات دیئے وہ انصار کی آبادی (یعنی ان کے مکان اور ان کے کھجور کے درختوں) کے درمیان واقع تھے، چنانچہ عبدالبن زہرہ کے بیٹوں نے کہا کہ آپ اُمّ عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ) کو ہم سے دور رکھئے (اس کے جواب میں) رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی عطا نہیں کرتا جس میں کمزور کے حق کو تحفظ حاصل نہ ہو۔“

تشریح: عادی الارض (قدیم زمین) سے مراد وہ افتادہ و بنجر زمین ہے جس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو، اس میں زمین کی لفظی نسبت ”عاد“ یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی طرف محض ایسی زمین کی قدامت کے اظہار میں مبالغہ کئے لئے ہے کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کی مدت قدامت بہت زیادہ ہے۔

”اور اس کے رسول کے لئے ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تمام افتادہ و بنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں ہے، میرے تسلط میں ہیں، اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہوں کہ جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں اور اس کو آباد کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ قاضی کہتے ہیں کہ ”ثم ہی لکم منی“ (اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے) سے معلوم ہوا کہ اس جملے ”اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں“ میں ”اللہ“ کی عظمت شان کے پیش نظر آپ ﷺ کے ذکر کی تمہید کے طور پر ہے ورنہ بظاہر ”اللہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ کا حکم و فیصلہ گویا اللہ کا حکم و فیصلہ ہے۔“

عبدالبن زہرہ کے بیٹوں نے اپنے مکانات اور کھجوروں کے درختوں کے درمیان حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مکان دیئے جانے کی جو مخالفت کی اس کا ایک جذباتی پس منظر تھا اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے والد یعنی مسعود زمانہ جاہلیت میں عبدالبن زہرہ کے بیٹوں کے حریف (مقابل) تھے، نیز حضرت عبداللہؓ کی والدہ یعنی اُمّ عبد ان کے خدمت گاروں میں سے تھیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ایسی جگہ مکانات دیئے جو عبدالبن زہرہ کے بیٹوں کے مکانات اور ان کے کھجوروں کے باغات کے درمیان واقع تھے تو یہ ان کو گوارا نہیں ہوا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا مکان ان کے مکانات کے درمیان واقع ہو، گویا اس طرح انہوں نے اپنے ان جذبات و حقارت کا اظہار کیا جو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تئیں رکھتے تھے۔

لہذا آنحضرت ﷺ نے ان کے غلط جذبات پر برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر حقوق العباد اس قسم کے احساسات سے متعلق ہوتے اور کمزور انسانوں کے تئیں یہ جذبات و حقارت جائز ہوتے تو میں اللہ کا رسول بن کر اس دنیا میں کیوں آتا؟ اگر میں کمزور و ناتوانوں اور مسکینوں کی تقویت کا باعث اور ان کا مددگار نہ بنوں تو میری بعثت کا ایک بڑا مقصد کیسے پورا ہوگا، اور میری بعثت میں اللہ کی کیا حکمت رہ جائے گی؟ تمہیں نہ بھولنا چاہئے کہ میرے بنیادی مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ میں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ اور معاشرتی فرق و امتیاز کی خود ساختہ دیواروں کو ڈھا دوں، جو لوگ اپنے آپ کو طاقتور و بڑا سمجھتے ہوں انہیں راہ اعتدال پر لاؤں اور جو کمزور و ناتواں ہوں انہیں اپنی مدد و نصرت سے طاقت بخشوں پھر آپ نے قوموں کے کیر کو کردار کے ایک بڑے نازک گوشے کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو قوم اپنے کمزور افراد کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتی اور جن قوم میں کمزور انسانوں کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہوتی وہ قوم نہ صرف یہ کہ کائنات انسانی کا ایک بدترین حصہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو گناہوں اور برائیوں سے پاکیزگی عطا نہیں کرتا، جس قوم کے طاقتور لوگ کمزور لوگوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں، ان کی سماجی و معاشرتی زندگی پر، بد عنوانیوں اور گناہ و معصیت کی دبیز تہیں جم جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم نہ تو معاشرہ میں کوئی باوقار اور صالح کردار انجام دیتی ہے اور نہ خدا کی طرف سے ان پر رحمت و برکت نازل ہوتی ہے، لہذا آپ ﷺ نے عبدالبن زہرہ کے بیٹوں کو آگاہ فرمایا کہ یہ مت سمجھو کہ عبداللہ ابن مسعودؓ چونکہ دنیاوی طور پر تم سے کمتر ہیں اور وہ

ایک کمزور انسان ہیں۔ اس لئے تم ان کا یہ جائز حق کہ وہ جس موزوں جگہ پر چاہیں اپنی سکونت اختیار کریں، غضب کر لو گے، میں ان کا مددگار و معین ہوں اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں ان کی حمایت کروں۔

نہر وغیرہ سے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي السَّيْلِ الْمَهْزُورِ أَنْ يُمَسَّكَ حَتَّى يَبْلُغَ كَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلَ الْأَعْلَى عَلَى الْأَسْفَلِ - (رواه ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مہزور کے پانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ (جب اس کا پانی کھیت وغیرہ میں) ٹخنوں تک بھر جائے تو اسے بند کر دیا جائے اور پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے (اس کا پانی) چھوڑ دے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”مہزور“ مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جو بنی قریظہ کے علاقے میں واقع تھی، بنی قریظہ کے کھیتوں اور باغوں میں اسی وادی سے پانی آتا تھا، اسی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس وادی سے پانی لانے والی نالی کے قریب جس شخص کی زمین ہو اس کا حق مقدم ہے کہ پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لے جائے جب اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے یعنی پوری طرح سیراب ہو جائے تب وہ اس پانی کو چھوڑ دے تاکہ اس کے بعد وہ اس زمین میں جائے جو اس کی زمین سے نیچے ہے۔

چنانچہ ہر اس نہر کے بارے میں یہی ضابطہ ہے جو کسی شخص کی ذاتی محنت و مشقت کے بغیر از خود جاری ہو کہ جس شخص کی زمین اس نہر کے قریب اور بلندی پر ہو پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لا کر روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی بھر جائے پھر وہ پانی کا رخ اپنی زمین سے موڑ دے تاکہ وہ اس زمین میں چلا جائے جو اس کی زمین سے متصل اور اس سے نیچے ہو۔

اپنی جائیداد کے ذریعے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

(۱۵) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ عَصَدٌ مِنْ نَخْلٍ فِي حَاطِطٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ أَهْلُهُ فَكَانَ سَمُرَةٌ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَأَذَّى بِهِ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَطَلَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبْعَهُ فَأَبَى فَطَلَبَ أَنْ يُنَاقِلَهُ فَأَبَى قَالَ فَهَبْهُ لَهُ وَلَكَ كَذَا أَمْرًا رَغْبَةً فِيهِ فَأَبَى فَقَالَ مُضَارٌّ فَقَالَ لِلْأَنْصَارِيِّ أَذْهَبَ فَأَقْطَعُ نَخْلَهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَكَرَّ حَدِيثُ جَابِرٍ مِنْ أَحْمَنِ أَرْضًا فِي بَابِ الْغَضَبِ بِرَوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ۔

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے کھجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے مالک ابن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے، چنانچہ جب سمرہؓ (اپنے ان درختوں کی وجہ سے) باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی (ایک دن) وہ انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے سمرہؓ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تاکہ (ان سے یہ فرمائیں کہ) وہ (اپنے کھجور کے ان درختوں کو) انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں (تاکہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں) لیکن سمرہؓ نے (اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے) انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سمرہؓ اپنے ان درختوں کو انصاری کے (ان) درختوں سے بدل لیں (جو کسی دوسری جگہ واقع تھے) مگر سمرہؓ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے، تب آپ ﷺ نے سمرہؓ سے یہ فرمایا کہ اچھا اپنے درخت انصاری کو بطور ہدیہ دے دو تمہیں اس کا اجر (بہشت کی نعمتوں کی صورت میں) مل جائے گا۔ گویا آپ ﷺ نے (بطور سفارش) اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا یا امر ارغبه کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سمرہؓ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو

بطور ہدیہ دے دینے کا ثواب ذکر فرمایا لیکن سمرہؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے سمرہؓ سے فرمایا کہ ”اس کا یہ مطلب ہے کہ تم (واقعی) اس انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہو“ اور جو شخص کسی کو ضرور تکلیف پہنچائے اس کا دُفعیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ ﷺ نے انصاری سے فرمایا کہ ”تم جاؤ! اور سمرہؓ کے درختوں کو کاٹ پھینکو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت سمرہؓ کو اپنے درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دینے یا تبادلہ کر لینے اور بہہ کرنے کا جو حکم دیا اور انہوں نے وہ حکم نہیں مانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے وہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا کہ اس کا ماننا ضروری ہوتا، بلکہ بطور سفارش تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو آخری صورت حضرت سمرہؓ کے سامنے رکھی اس میں ثواب کی ترغیب دلائی تھی۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اس حکم کا تعلق وجوب سے ہوتا کہ جس کو ماننا حضرت سمرہؓ کے لئے ضروری ہوتا تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت سمرہؓ اتنی صفائی کے ساتھ انکار کر دیتے بلکہ وہ ایک فرمانبردار و مطیع صحابی ہونے کے ناطے فوراً مان لیتے۔

اب رہی یہ بات کہ اگر آپ ﷺ نے یہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا بلکہ اس کا تعلق سفارش سے تھا تو پھر آپ ﷺ نے انصاری کو حضرت سمرہؓ کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ نے سفارش کے ذریعے اخلاقی طور پر حضرت سمرہؓ کو اس بات پر تیار کرنا چاہا کہ وہ اپنے درختوں سے دست کش ہو جائیں مگر جب سمرہؓ نے دست کشی سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ سمرہؓ نے انصاری کے باغ میں عاریتہ درخت لگائے تھے مگر اب نہ وہ ان درختوں کو بیچتے ہیں نہ تبادلہ کرتے ہیں اور نہ بہہ کرتے ہیں تو گویا وہ واقعہ انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں، اس صورت میں یہ ضروری تھا کہ انصاری کو اس ضرور تکلیف سے نجات دلائی جائے اس لئے اس کی آخری صورت یہی رہ گئی تھی کہ آپ ﷺ ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیں۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ جَابِرٍ مِّنْ أَحِبِّي أَرْضَ فَيْ بَابِ الْغَضَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَدُ كُرْ حَدِيثُ ابْنِ صِرْمَةَ مِّنْ صَارَ أَصَرَّ اللَّهُ بِهِ فِي بَابِ مَا يَنْهَى مِنَ التَّهَاجُرِ۔

اور حضرت جابرؓ کی حدیث مِّنْ أَحِبِّي أَرْضَ فَيْ بَابِ الْغَضَبِ میں نقل کی جا چکی ہے اور حضرت ابی صرمہ کی حدیث مِّنْ صَارَ أَصَرَّ اللَّهُ بِهِ الخ باب ما ينهى من التهجر میں نقل کی جائے گی۔ (یہ دونوں حدیثیں صاحب مصابیح نے یہاں نقل کر رکھی تھیں۔“

الفصل الثالث

پانی، نمک اور آگ دینے سے انکار نہ کرو

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَارَ سَوَّلَ اللَّهُ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنَعُهُ قَالَ الْمَاءُ وَالْمِلْحُ وَالتَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَارَ سَوَّلَ اللَّهُ هَذَا الْمَاءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالتَّارِ قَالَ يَا حُمَيْرُاءُ مَنْ أَعْطَى نَارًا فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقُ بِجَمِيعِ مَا انْصَحَتْ بِتِلْكَ النَّارِ وَمَنْ أَعْطَى مِلْحًا فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقُ بِجَمِيعِ مَا طَيَّبَتْ تِلْكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقَى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ حَيْثُ يَوْجَدُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقَى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ حَيْثُ لَا يَوْجَدُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا أَحْيَاهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کونسی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا درست نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”پانی، نمک اور آگ“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! پانی کا معاملہ تو مجھے معلوم ہے (کہ یہ خدا کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے اور چونکہ کیا انسان

اور کیا حیوان ساری ہی مخلوق کی ضرورتیں اس سے وابستہ ہیں اس لئے اس سے منع کرنا بہت زیادہ تکلیف و ضرر کا باعث بن سکتا ہے) لیکن نمک اور آگ کی بات سمجھ میں نہیں آتی (کہ یہ دونوں چیزیں پانی کے مثل نہیں ہیں اور بظاہر بالکل حقیر و کمتر چیزیں ہیں جن کا دیا جانا اور نہ دیا جانا کیا حیثیت رکھ سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”حمیراء! (یہ مت سمجھو کہ ان دونوں چیزوں کے دینے یا نہ دینے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ) جس شخص نے کسی کو آگ دی تو گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جو اس آگ پر پکائی گئیں۔ اسی طرح جس نے کسی کو نمک دیا گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جنہیں اس نمک نے ذائقہ دار بنایا اور پانی کی اہمیت تو تم جانتی ہو۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی ملتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا اور جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی دستیاب نہ ہوتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے اس کو (یعنی ایک مسلمان کو) زندہ کر دیا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے چونکہ پانی اہمیت اور اس کی کیفیت حال کو جاننے کا دعویٰ کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے ان کے دعویٰ کو روکنے کے لئے آخر میں پانی دینے اور پلانے کا ثواب اور اس کی فضیلت کو ذکر کرتے ہوئے گویا یہ ظاہر فرمایا کہ تمہیں صرف یہ تو معلوم تھا کہ پانی ایک عام ضرورت کی چیز ہونے کی وجہ سے ایک بڑی اہم نعمت ہے لیکن اس کے بارے میں یہ تفصیل کہ پانی دینے والے کا کیا درجہ ہوتا ہے اور اسے کتنا زیادہ ثواب ملتا ہے تم نہیں جانتی تھیں۔

بَابُ الْعَطَايَا

عطایا کا بیان

”عطایا“ لفظ عطیہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ”بخشش“ یعنی اپنی کسی چیز کی ملکیت اور اس کے حق تصرف کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دینا یا کسی کو اپنی کوئی چیز بلا کسی عوض دے دینا۔ چنانچہ اس باب میں عطایا و بخشش کی تمام قسموں مثلاً وقف، ہبہ، عمری اور رقبی کا ذکر کیا جائے گا۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ”عطایا“ سے مراد ”امراء و سلاطین اور سربراہان مملکت کی بخششیں اور ان کے انعام ہیں۔“ امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ امراء و سلاطین کی بخششوں اور سرکاری انعامات کو قبول کرنے کے سلسلے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بخشش و انعام کسی ایسے مال کی صورت میں ہو جس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول کر لینا درست ہے، لیکن بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ جب تک اس مال کے حلال ہو جانے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں سلاطین کے پاس اور سرکاری خزانوں میں اکثر و بیشتر غیر شرعی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال و زر ہوتا ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ غنی اور فقیر (یعنی مستطیع و مفلس) دونوں کے لئے امراء و سلاطین کے صلے (تحفے و ہدایا) حلال ہیں جب کہ ان کا مال حرام ہونا تحقیقی طور پر ثابت نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کا تحفہ قبول فرمایا تھا، اور ایب یہودی سے قرض لیا تھا و جو دیہ کہ یہودیوں کے بارے میں قرآن نے اكالون للسحت (حرام مال کھانے والے) فرمایا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جس مال کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو وہ فقیر (مفلس) کے لئے تو حلال ہے لیکن غنی (مستطیع) کے لئے حلال نہیں ہے۔

آخر میں خلاصہ کے طور پر یہ مسئلہ جان لیجئے کہ جو شخص مفلس و نادار ہو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ سلاطین کا مال قبول کرے کیونکہ اگر وہ مال سلطان کی ذاتی ملکیت میں سے ہے تو اس کو لے لینا بلاشبہ درست ہے، اور اگر وہ مال فی (مال غنیمت) خراج

یا عشر میں سے ہے تو پھر مفلس اس کا حقدار ہی ہے۔ اسی طرح ایسے مال میں (جو فی اور خراج عشر میں حاصل ہوا ہو) اہل علم کا بھی حق ہے کہ اسے وہ مال لے لینا چاہئے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوا اور اس نے قرآن یاد کیا تو وہ بیت المال سے ہر سال دو سو درہم لینے کا حق دار ہے، اگر وہ اپنے اس حق کو دنیا میں نہیں لے گا تو وہ (یعنی اس کا اجر) اسے عقی میں مل جائے گا۔

لہذا ثابت ہوا کہ مفلس اور عالم دین کو بیت المال سے اپنا حق لے لینا چاہئے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی خیر کی زمین کا وقف نامہ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ أَصَابَ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أَصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَا يَبَاغُ أَصْلُهَا وَلَا يُؤْهَبُ وَلَا يُؤْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الزَّكَاةِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لِاجْتِنَاحِ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُنْظِعَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا - (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ خیر کی کچھ زمین کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو (مال غنیمت کے حصے کے طور پر) ملی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے خیر میں (اپنے حصے کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر و عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں دے دوں اس لئے) آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیے (کہ میں اس بارے میں کیا کروں) آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کر دو اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کر دو۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دے دیا (یعنی اسے وقف کر دیا) کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ بہہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں، قراہداروں کو نفع پہنچایا جائے، غلاموں کی مدد کی جائے (یعنی جس طرح مکاتب کو زکوٰۃ دے دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مالک کو بدل کتابت دے کر آزاد ہو جائے اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کی جائے) اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے، مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں (باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال و زر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے، اور اس زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل و عیال کو (کہ جو مستطیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کے زیر کفالت ہوں) کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے (یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو نہ کورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی معمور کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اسے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعے مالدار و متمول بن جائے چنانچہ ابن سیرینؒ نے (غیر متمول کا مطلب) یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال و زر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائیداد مثلاً زمین و مکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ

وقف کرنے والا بیشتر اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف جائیداد نہ فروخت کی جاسکتی ہے نہ بہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی میراث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث وقف کی فضیلت کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب وقف کرنے والے کو برابر ملتا رہتا ہے۔

”خیبر“ ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۶۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے اس علاقے میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس بستی پر مسلمانوں نے ”عنوة“ یعنی بزور طاقت فتح اور غلبہ حاصل کیا تھا، اسی موقع پر غامنین (یعنی مال غنیمت لینے والے) اس کی زمین و باغات کے مالک قرار پائے اور انہوں نے اسے آپس میں تقسیم کیا جس کا ایک حصہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی ملا، اپنے اسی حصے کی زمین کو انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس وقف سے بقدر ضرورت نفع حاصل کرے یاں طور کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پر خرچ کرے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ وقف نامہ کی شرائط کی گویا توثیق فرما کر وقف کی آمدنی میں سے بقدر ضرورت حصہ اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اس کا متولی ہو اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وقف کرنے والا اپنے وقف کا متولی ہوتا ہے۔

نیز اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک موقع پر) یہ فرمایا کہ ایسا کوئی شخص ہے جو بیرومہ (مدینہ کا ایک کنواں جو ایک یہودی کی ملکیت تھا) خریدے؟ (جو شخص اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو اس کنویں میں اس شخص کا ذول مسلمانوں کے ذول کی طرح ہوگا) (یعنی جس طرح عام مسلمان اس کنویں سے پانی حاصل کریں گے اسی طرح وہ شخص بھی اس سے پانی حاصل کرتا رہے گا) چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

عمری جائز ہے

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُمَرَى جَائِزَةٌ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”عمری جائز ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپس کا لین دین معاشرۂ انسانی کے باہمی ربط و تعلق کے استحکام کا ذریعہ ہے، آپس کے تعلقات، ایک دوسرے سے محبت اور باہمی ارتباط کی خوشگوار و پائیداری آپس کے ہدایا و تحائف پر بھی منحصر ہوتی ہے کیونکہ اس ذریعہ فطرت انسانی ایک خاص قسم کی محبت و مسرت اور جذبہ ممنونیت سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ آپس کا لین دین کئی طریقوں سے ہوتا ہے، ہدیہ و تحفہ اور بہہ کے ساتھ ساتھ ایک صورت ”عمری“ بھی ہے جو بظاہر بہہ کی ایک شاخ ہے، چنانچہ حدیث بالا اسی کے جواز کو ظاہر کر رہی ہے۔

عمری کیا ہے؟

ابتداءً باب کے حاشیہ میں ”عمری“ کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں، چنانچہ اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں تمہاری زندگی تک کے لئے دیا۔ یہ جائز ہے، اس صورت میں جب تک وہ شخص (جس کو مکان دیا گیا ہے) زندہ ہے، اس سے وہ مکان واپس نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ مکان واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمری کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ کوئی شخص مثلاً اپنا مکان کسی کو دے اور یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں دے دیا، جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہاری

ملکیت میں رہے گا، تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں اور اولاد کا ہو جائے گا۔ اس صورت کے بارے میں تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ یہ بہہ ہے، اس صورت میں مکان مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جس شخص کو دیا گیا ہے اس کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس مکان کے مالک ہو جاتے ہیں، اگر ورثاء نہ ہوں تو بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے۔

عمری کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دینے والا بلا کسی قید و شرط کے یعنی مطلقاً یہ کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے۔ اس صورت کے بارے میں علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے۔ چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ مکان اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا حق نہیں ہو تا بلکہ اصل مالک (یعنی جس نے اس شخص کو دیا تھا) کی ملکیت میں واپس آجاتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا یوں کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے، تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا۔ اس صورت کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط کہ ”تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا“ فاسد ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے بہہ فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعیؒ کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ عمری کی یہ صورت ایک فاسد شرط کی وجہ سے فاسد ہے۔

عمری کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ اس کی تمام صورتوں میں بنیادی مقصد دی جانے والی چیز کی منفعت کا مالک کرنا ہوتا ہے۔

عمری معمرلہ، کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعُمْرَى مِيرَاثٌ لَأَهْلِهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”عمری اپنے مالک (یعنی معمرلہ) کے ورثاء کی میراث ہو جاتا ہے۔“

(مسلم)

تشریح: ”معمرلہ“ اس شخص کو کہتے ہیں جسے بطور عمری کوئی چیز دی جاتی ہے، چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو مثلاً کوئی مکان بطور عمری دیا جاتا ہے۔ وہ مکان اس کی زندگی تک تو اس کی ملکیت رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے، گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے جمہور علماء کے مسلک کی دلیل ہے۔

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتِمَارُ جُلٍّ اَعْمَرُ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَإِنَّهَا لِلَّذِي أُعْطِيَهَا لَا يَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أُعْطَاهَا لِأَنَّهُ أُعْطِيَ عِظَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِثُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص اور اس کے ورثاء کو کوئی چیز بطور عمری دی جاتی ہے تو وہ عمری اسی شخص کا ہو جاتا ہے جسے وہ دیا گیا ہے (یعنی وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے) عمری دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتا کیونکہ دینے والے نے اس طرح دیا ہے کہ اس میں میراث جاری ہو جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز کسی شخص کو بطور عمری دی جاتی ہے وہ اس شخص کی ہو جاتی ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلی جاتی ہے دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت (۵) اوپر گزری ہے اس کی تشریح کے ضمن میں عمری کی تین صورتیں بیان کی گئی تھیں۔ اس حدیث میں انہیں سے پہلی صورت کا بیان ہے۔ اس بارے میں جو

فقہی اختلاف ہے اس کی تفصیل وہاں ذکر کی جا چکی ہے۔

مسلمک جمہور کے خلاف حضرت جابرؓ کی روایت مآور اس کی تاویل

⑤ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّمَا الْعُمَرَى النَّبِيُّ أَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُولَ هِيَ لَكَ وَلِعَقَبِكَ فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ

لَكَ مَا عَشَتْ فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمریؓ کی جس صورت کو جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مالک (یعنی دینے والا) یوں کہے کہ ”یہ چیز (تمہاری زندگی تک) تمہاری ہے اور (تمہارے مرنے کے بعد) تمہارے ورثاء کی ہے! اور اگر صرف یوں کہے کہ ”یہ عمریؓ تمہاری زندگی تک تمہارے لئے ہے“ تو اس صورت میں (اس شخص کے مرنے کے بعد) وہ عمریؓ مالک (یعنی دینے والے) کی ملکیت میں واپس آجائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث بظاہر جمہور علماء کے مسلک کے خلاف ہے اور جمہور علماء کا مسلک حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ لہذا جمہور علماء اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت جابرؓ کا اپنا قول ہے جو ان کی اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس صورت میں اس قول کا جمہور علماء کے مسلک پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

عمریؓ اور رقبیؓ سے آنحضرت ﷺ کی ممانعت اور اس کی وضاحت

⑥ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْقِبُوا وَلَا تَعْمُرُوا فَمَنْ أَرْقَبَ شَيْئًا أَوْ أَعْمَرَ فَهُوَ لَوْزِثٌ۔

(رواہ ابوداؤد)

”حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”رقبیؓ کرو اور نہ عمریؓ کرو، کیونکہ جو چیز (یعنی مثلاً مکان یا زمین) بطور رقبیؓ یا بطور عمریؓ دی جاتی ہے وہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عمریؓ کی طرح ”رقبیؓ“ بھی بہہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس کی وضاحت بھی ابتداء باب کے حاشیہ میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ رقبیؓ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں اپنا مکان تمہیں اس شرط کے ساتھ دیتا ہوں کہ اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہ مکان تمہاری ملکیت میں رہے گا اور اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو پھر یہ میری ملکیت میں آجائے گا۔ رقبیؓ مشتق ہے ”ارقاب“ سے جو مراقبہ کے معنی میں ہے گویا رقبیؓ میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

اس حدیث میں عمریؓ اور رقبیؓ سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو چیز بطور عمریؓ یا رقبیؓ کسی کو دیتے ہو وہ اس شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور تمہاری ملکیت چونکہ کلیۃً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس شخص کے مرنے کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے، لہذا تم اپنے مال کو بطور عمریؓ یا رقبیؓ اپنی ملکیت سے نکال کر اپنا نقصان نہ کرو۔

اب رہی یہ بات کہ جب پہلے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمریؓ اور رقبیؓ جائز ہیں تو پھر اس ممانعت کا محمول کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ممانعت اس وقت فرمائی گئی ہوگی جب یہ دونوں جائز نہیں تھے، اس صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمریؓ اور رقبیؓ اگرچہ مصلحت کے خلاف ہیں لیکن جب یہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور عمریؓ یا رقبیؓ دے دی جاتی ہے) تو شرعی طور پر یہ صحیح ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز نہ صرف اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے کہ جس کو دی گئی ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت میں پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت میں اس

حدیث کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

عمری کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ خفیہ کے ہاں جائز ہے لیکن رقبی کے بارے میں ملا علی قاریؒ یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے۔

حنفی علماء میں سے بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ نہی (ممانعت) ارشادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا مال کسی مدت متعینہ تک کے لئے ہبہ نہ کرو۔ کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اپنا مال واپس لے لو، کیونکہ جب تم اپنی کوئی چیز کسی کو دے دو تو وہ تمہاری ملکیت سے نکل گئی اب وہ تمہاری ملکیت میں نہیں آئے گی خواہ تم وہ چیز ہبہ کی صراحت کر کے دو یا عمری و رقبی کے طور پر دو۔

عمری اور رقبی جائز ہے

④ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغَنَمُ جَانِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالزُّقْنَى جَانِزَةٌ لِأَهْلِهَا (رواه احمد والترمذی والبوداؤ)

”اور حضرت جابرؓ بنی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”عمری، عمری والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جس شخص کو کوئی چیز بطور عمری دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے اور رقبی، رقبی والوں کے لئے جائز ہے) (یعنی جو چیز بطور رقبی کسی کو دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

الفصل الثالث

جواز عمری کی بظاہر مخالف ایک اور حدیث

⑧ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكُوا أَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ لَا تَنْفُسِدُوهَا فَإِنَّهُ مِنْ أَعْمَرٍ عُمَرَىٰ فَهِيَ لِلَّذِي أَعْمَرَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقِبِهِ۔ (رواه مسلم)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم اپنے مال اپنے پاس رکھو ان میں نقصان پیدا نہ کرو، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنی کوئی چیز عمری کے طور پر دیتا ہے تو وہ چیز (یعنی مکان یا زمین) کہ جو بطور عمری دی گئی ہے زندگی و موت دونوں حالت میں اس شخص کی ملکیت رہتی ہے جسے وہ چیز بطور عمری دی گئی ہے (بایں طور کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو خود اس چیز کا مالک رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد پھر اس کی اولاد مالک ہو جاتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر عمری کے جواز میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے لیکن دوسری فصل کی حدیث نمبر ۶ کی وضاحت اگر پیش نظر رہے تو یہ اشکال ختم ہو جائے گا کیونکہ اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہے جو اس حدیث کی بیان کی گئی ہے۔

باب

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الفصل الأول

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَرِضَ عَلَيْهِ زَيْنَحَانٌ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَفِيفٌ

الْمُحْمَلِ طَيْبُ الرِّيحِ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو خوشبودار پھول (تحفہ کے طور پر) دیا جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ (اول تو) وہ بکسار (یعنی بہت بلکا احسان) ہے اور (دوسرے یہ کہ) وہ ایک اچھی خوشبو ہے۔“ (مسلم)

تشریح: یہی حکم کہ اسے واپس نہ کیا جائے ہر اس تحفہ کا ہے جو بظاہر کم تر ہونے کی وجہ سے زیادہ احسان نہ رکھتا ہو مگر نفع و خوشگوار کی اعتبار سے بہت مفید اور نافع ہو، تاکہ جس شخص نے وہ تحفہ دیا ہے اس کی دل شکنی نہ ہو۔

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَزِدُّ الطَّيِّبَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ خوشبو (کے تحفے) کو واپس نہیں کیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا ایک بری مثال ہے

(۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعَانِدُ فِي هَيْبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَغْوُذُ فِي قَيْبِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوءِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے ہبہ کو واپس لینے والا (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر پھر اسے واپس لے لینے والا) اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی بری مثال سے تشبیہ دیئے جائیں۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملت اور ہماری قوم جس عز و شرف کی حامل ہے اور اسے انسانیت کے جن اعلیٰ اصول اور شرافت و تہذیب کے جس بلند معیار سے نوازا گیا ہے اس کے پیش نظر ہماری ملت و قوم کے کسی بھی فرد کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام کرے جو اس کے ملی شرف اور اس کی قومی عظمت کے منافی ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی بری مثال چسپاں کی جائے۔

اس سے گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر واپس لینا چونکہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتابی قے چاٹ لیتا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر اسے واپس لے لے اور اس طرح اس پر یہ بری مثال چسپاں کی جانے لگے۔

یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس سے پیدا ہونے والا ایک اخلاقی اور نفسیاتی پہلو تھا۔ لیکن اس کا فقہی اور شرعی پہلو یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق کسی کو کوئی چیز بطور ہبہ یا بطور صدقہ دینا اور پھر لینے والے کے قبضے میں اس چیز کے چلے جانے کے بعد اس کو واپس لے لینا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے البتہ بعض صورتوں میں جائز نہیں ہے۔ جس کی تفصیل دوسری فصل کی پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کی جائے گی اور اس بارے میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔

یہاں مذکورہ حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کراہت پر محمول ہے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لے لینا بے مروتی اور غیر پسندیدہ بات ہے لیکن یقیناً تینوں ائمہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چونکہ یہ حدیث حرمت پر محمول ہے اس لئے ان تینوں کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس لے لینا جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے اور آگے آنے والی بعض احادیث بھی ان پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان احادیث کے جو معنی حنفیہ نے مراد لئے ہیں وہ بھی آگے مذکور ہوں گے۔

کوئی چیز دینے میں اولاد کے درمیان فرق و امتیاز نہ کرو

④ وَعَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غَلَامًا فَقَالَ أَكُلْ وَلَدَكَ نَحَلْتُ مِثْلَهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيْسُرُكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبَرِّ سِوَاءَ قَالَ بَلَى قَالَ فَلَا إِذَا وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عُمَرَةُ بِنْتُ زَوَاحَةَ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهَدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عُمَرَةَ بِنْتُ زَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرْتَنِي أَنْ أَشْهَدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا ابْنَيْنِ أَوْلَادَكُمْ قَالَ فَارْجِعْ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرِ - (مشق علیہ)

”اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے والد (حضرت بشیرؓ) انہیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمانؓ) کو ایک غلام عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر (نعمان سے بھی) اس غلام کو واپس لے لو“۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (نعمانؓ کے والد سے) فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں) (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں اور سب ہی تمہاری فرمانبرداری اور تمہاری تعظیم کریں؟ انہوں نے کہا کہ ”ہاں!“ آپ ﷺ نے عرض کیا کہ ”اس صورت میں (جب کہ تم نے اپنے تمام بیٹوں سے اپنے تئیں یکساں اچھے سلوک کے خواہشمند ہو تو) صرف اپنے ایک بیٹے (نعمانؓ) کو غلام نہ دو۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے (میرے والد حضرت بشیرؓ سے) کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس (ہبہ) پر رسول کریم ﷺ کو گواہ نہ بناؤ، چنانچہ حضرت بشیرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے (نعمانؓ) کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ ﷺ کو گواہ بناؤں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ”جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو!“ حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ میرے والد (آپ ﷺ) کا یہ ارشاد گرامی سن کر واپس آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی۔“

”ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ”آپ ﷺ نے (حضرت بشیرؓ کی یہ بات سن کر) فرمایا کہ ”میں ظلم پر گواہ نہیں بتا“۔ (بخاری)

”مسلم“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے درمیان فرق و امتیاز کرنا انتہائی نامناسب بات ہے، چنانچہ ارشاد گرامی کی روشنی میں یہ تعجب ہے کہ کوئی چیز اپنے کسی ایک بیٹے، بیٹی کو نہ دی جائے بلکہ وہ چیز برابری کے طور پر سب بیٹے بیٹیوں کو دی جائے۔

حضرت بشیرؓ کو آنحضرت ﷺ کا یہ حکم کہ ”اس غلام کو واپس لے لو“ اولویت پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کو واپس لے لینا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں بعضوں کو کچھ دے تو اس کا ہبہ صحیح ہو گا مگر کراہت کے ساتھ۔

اس کے برعکس حضرت امام احمدؒ، ثوریؒ اور اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک یہ حرام ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرِ

(میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا) ان حضرات کی دلیل ہے جب کہ اول الذکر یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ ﷺ کے ان الفاظ مبارک سے استدلال کرتے ہیں جو ایک روایت میں منقول ہیں کہ فَاشْهَدْ عَلٰی هَذَا غَيْرِيْ یعنی آپ ﷺ نے بشیرؓ سے کہا کہ تم اس بارے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا لو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بہہ (یعنی حضرت بشیرؓ کا اپنے ایک بیٹے کو غلام دینا) حرام یا باطل ہوتا تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ کسی اور کو گواہ بنا لو۔ کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بشیرؓ کا یہ بہہ ہر حال صحیح اور جائز تھا لیکن چونکہ غیر پسندیدہ اور مکروہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے خود گواہ بننا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فرمادیا کہ کسی اور کو گواہ بنا لو۔

الفصل الثانی

بہہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے

⑤ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْجَعُ أَحَدٌ فِيْهِ هَيْبَتُهُ إِلَّا الْوَالِدَ مِنْ وَلَدِهِ۔

(رواہ النسائی وابن ماجہ)

”حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنا بہہ واپس نہ لے (یعنی بہہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے) ہاں باپ بیٹے سے (بہہ واپس لے سکتا ہے۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے ہاں بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے لیکن باپ اپنے بیٹے سے اپنا بہہ واپس لے سکتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ”باپ اپنے بیٹے سے اپنا بہہ واپس لے سکتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی باپ ضرورت و حاجت کے وقت اپنی اولاد کے مال و زر میں سے کچھ لے کر اپنے اوپر صرف کر سکتا ہے اسی طرح جو چیز اس نے اپنے بیٹے کو بطور بہہ دی ہے بوقت ضرورت اس کو لے کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔

سات صورتوں میں بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں بہہ واپس لے لینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے، چنانچہ جن احادیث سے بہہ واپس لے لینے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ ان کو کراہت پر محمول کرتے ہیں، ہاں بہہ کی سات صورتیں ایسی ہیں جن میں امام اعظمؒ کے نزدیک بھی اپنا بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ فقہ کی بعض کتابوں میں سات حرفوں کے اس مجموعہ مخ فزقہ سے ان ساتوں صورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بایں طور کہ اس مجموعہ کا ہر حرف ایک صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تفصیلی وضاحت یہ ہے کہ حرف دال سے مراد ”زیادتی متصل“ ہے۔ یعنی جس بہہ میں کسی چیز کا اضافہ ہو گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس بہہ کی واپسی درست نہیں۔

مثال کے طور پر اس صورت کو یوں سمجھئے کہ زید نے بکر کو زمین کا ایک ایسا قطعہ بہہ کیا جس میں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے اب بکر نے اس زمین میں کوئی عمارت بنالی یا اس میں کوئی درخت وغیرہ لگائے تو اس صورت میں بہہ کرنے والے یعنی زید کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنا بہہ یعنی اس زمین کو واپس لے لے۔

حرف میم ”واہب یا مہوب لہ کی موت“ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے حسن نے نعیم کو اپنی کوئی چیز بہہ کر دی اور پھر حسن مر گیا، تو اب حسن کے ورثاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مہوب لہ یعنی نعیم سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کریں جو حسن

نے اس کو بہہ کی تھی یا اگر نعیم مر جائے تو واہب یعنی حسن کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ نعیم کے ورثاء سے اس چیز کے بارے میں کسی قسم کا کوئی مطالبہ کرے جو اس نے نعیم کو بہہ کر دی تھی۔

حرف ع سے اشارہ ہے ”بہہ بالعوض“ کی طرف یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی کوئی چیز کسی چیز کے عوض میں بہہ کرے تو واہب کو اپنے اس بہہ کو واپس لے لینے کا حق نہیں پہنچتا۔

حرف خ سے اشارہ ہے ”خروج کی طرف یعنی اگر موہوب، موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی باس طور کہ اس نے وہ چیز یا تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دی یا کسی کو دے ڈالی تو اس صورت میں واہب، موہوب لہ سے اس چیز کا تقاضہ کر کے نہیں لے سکتا۔

حرف ز سے ”زوہین“ کی طرف اشارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو کوئی چیز بہہ کر دے تو وہ ایک دوسرے سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے۔

حرف ق سے قرابت (رشتہ داری) کی طرف اشارہ ہے اور قرابت بھی وہ جس میں محرمیت ہو۔ یعنی اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بیٹا اپنے باپ کو، یا ماں کو، یا دادا کو، یا نانا کو، یا بھائی کو، یا بہن کو اور یا کسی بھی ایسے عزیز کو کہ جس سے محرمیت کی قرابت ہو، اپنی کوئی چیز بہہ کر دے تو اس بہہ کو واپس لے لینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

اور حرف ہ سے موہوب کے ہلاک و ضائع ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر موہوب (وہ چیز جو بہہ کی گئی تھی) موہوب لہ کے پاس سے ہلاک یا ضائع ہو گئی تو واہب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ موہوب لہ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا مروت کے خلاف ہے

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلزَّحْلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ وَمِثْلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمِثْلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و محمد الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے (یعنی ازراہ مروت یہ بات مناسب نہیں ہے) کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز دے اور پھر اس کو واپس لے لے، البتہ باپ اپنی اس چیز کو واپس لے سکتا ہے جو وہ اپنے بیٹے کو دے! اور جو شخص کسی کو کچھ دے کر پھر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جس نے (پیٹ بھر کر) کھایا اور جب اس کا پیٹ بھر گیا تو تے کر ڈالی اور پھر اس تے کو چاٹنے لگا۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

تحفہ کا بدلہ تحفہ

⑦ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَهْدَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهُ مِنْهَا سِتَّ بَكْرَاتٍ فَتَسَخَّطَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنْ فَلَانًا أَهْدَى إِلَيَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكْرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ أَوْ أَنْصَارِيٍّ أَوْ ثَقَفِيٍّ أَوْ دَوْسِيٍّ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ ایک جوان اونٹنی لے کر آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اس دیہاتی کو اس ایک اونٹنی کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں لیکن وہ دیہاتی بھر بھی خوش نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پہلے خدا کی حمد و ثنایاں کی (جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا) آپ ﷺ جب خطبہ دیتے یا کوئی بات شروع کرتے تو پہلے خدا کی حمد و ثنایاں فرماتے) بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص بطور ہدیہ میرے لئے ایک اونٹنی لایا تھا، میں نے بھی اس کے

بدلے میں اس کو چھ اونٹنیاں دیں مگر وہ پھر بھی ناخوش رہا، چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب میں قریشی، ثقیفی اور دوسے کے علاوہ اور کسی کوئی ہدیہ قبول نہ کروں۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر آپ کسی کو اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دیں تو اس کے عوض و بدلہ کی توقع رکھنا آپ کے خلوص کے منافی ہو گا لیکن اگر آپ کو کوئی شخص اپنی کوئی چیز بطور تحفہ و ہدیہ دے تو کسی بھی صورت میں آپ کی طرف سے اس کے بدلے کی ادائیگی آپ کی عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور آپ کے احساس مروت و محبت کے عین مطابق ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی صحابی اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ دیتے تھے تو اس کا بدلہ ملنے کی ہلکی سی خواہش بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان کا ہدیہ سراپا خلوص اور ہمہ تن نیاز مندی کا ایک اظہار محبت ہوتا تھا جو اپنے دامن میں کسی مادی خواہش کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ کسی نہ کسی صورت میں اس کو اس کا بدلہ اس سے کہیں زیادہ کر کے عطا فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا یہ معمول صرف آپ ﷺ کے جذبہ سخاوت و فیاضی اور آپ ﷺ کی عالی ہمتی نیز اہم رابطہ و تعلق کے ایک عظیم جذبہ کا مظہر ہوتا تھا۔

چنانچہ جب ایک دیہاتی آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک اونٹنی لے کر آیا تو آپ ﷺ نے حسب معمول اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ بدلہ یعنی چھ جوان اونٹنیاں اسے دیں، مگر اس پر بھی وہ خوش نہیں ہوا یہ بات یقیناً بڑی عجیب تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ بظاہر وہ اپنے ہدیہ میں گویا مخلص نہیں تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹنی اس لئے لے کر آیا تھا کہ آپ ﷺ اسے بدلہ دیں اور بدلہ بھی ایسا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو چنانچہ جب آپ ﷺ نے اسے چھ اونٹنیاں دیں تو وہ اس پر خوش نہیں ہوا اور اس طرح اس نے دنیاوی مال میں اپنے جذبہ حرص کا اظہار کیا، چنانچہ اس کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ میں نے قریشی، انصاری، ثقیفی اور دوسے کے علاوہ اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ قریشی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے اور ”انصاری“ سے مراد انصار مدینہ ہیں۔ ثقیفی اور دوسے دو قبیلوں کے نام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان قبیلوں کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا اور ان کا استثناء کیا کہ یہ قبیلے عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور سخاوت و فیاضی میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُشِنْ فَإِنَّ مَنْ أَتَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يَعْطَ كَانَ كَلَابِيسَ ثَوْبَيْنِ زُورٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو کوئی چیز (بطور ہدیہ) دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اور جو شخص بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف و توصیف کرے (اور اس کے دیئے ہوئے ہدیہ کا اظہار کرے) کیونکہ جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکر ادا کیا (یعنی فی الجملہ اس کا بدلہ اتارا) اور جس شخص نے کسی کا احسان چھپایا (یعنی نہ تو اس نے کچھ دے کر اور نہ تعریف کر کے اس کا بدلہ اتارا) تو اس نے کفران نعمت کیا اور (یاد رکھو) جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اسے نہیں دی گئی ہے تو اس کی مثال جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی سی ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: محسن کی تعریف کرنے کو اس کا شکر ادا کرنے کا قائم مقام اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ تعریف دراصل شکر ہی کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ شکر کا مفہوم ہے ”دل میں محبت رکھنا، زبان سے تعریف کرنا اور ہاتھ پاؤں سے خدمت کرنا۔“

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر کسی ایسے دینی یا دنیاوی کمال و صفت کا اظہار کرے جو درحقیقت اس میں نہیں ہے تو وہ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے سے مراد وہ شخص ہے جو علماء

اور صلحاء کا لباس پہن کر اپنے آپ کو عالم و صالح ظاہر کرے حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے نہ وہ عالم ہو اور نہ صالح ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسا پیراہن پہنے جس کی آستینوں کے نیچے مزید دو آستینیں لگائے تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس نے دو پیراہن پہن رکھے ہیں۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عرب میں ایک شخص تھا جو انتہائی نفیس قسم کے دو کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت دار اور باحیثیت سمجھیں اور جب وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو اس کی اس ظاہری پوشاک کو دیکھ کر اسے جھوٹا نہ سمجھیں۔ آپ ﷺ نے اسی شخص کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے آپ کو کسی ایسے کمال کا حامل ظاہر کرے جو اس کے اندر نام و نشان کو بھی موجود نہ ہو۔

محسن کے لئے دعاء اجر و خیر

⑨ وَعَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ احسان کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرے جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ تجھے اس کا بہتر بدلہ دے) تو اس نے اپنے محسن کی کامل تعریف کی۔“ (ترمذی)

تشریح: ”کامل تعریف کی“ یعنی اس نے اپنے محسن کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر گویا اس کے تئیں ادائیگی شکر کا حق ادا کر دیا کیونکہ اس نے اپنے محسن کا بدلہ اتارنے اور اس کی تعریف کرنے میں اپنے قصور و کوتاہی کا اعتراف اور اپنے عاجز ہونے کا اقرار کر کے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیا کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے اجر سے بہتر اجر کون دے سکتا ہے۔

راہ استقامت کا سنگ میل

جلیل القدر بزرگ اور شیخ باکمال حضرت عبدالوہاب متقیؒ فرمایا کرتے تھے کہ صوفی کو چاہیے کہ وہ مخلوق خدا کے دینے یا نہ دینے دونوں ہی صورتوں میں دائرہ استقامت سے نہ نکلے اور نہ راہ حق سے قدم کو ہٹکنے دے۔ اگر کوئی فاسق و نااہل شخص اسے کچھ (بطور ہدیہ) دے تو وہ اس کی اتنی تعریف نہ کرے کہ اسے صالح اور ولی کی صف میں کھڑا کر دے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ ”اللہ تعالیٰ اسے جزاء خیر عطا کرے“۔ اور اگر اسے کسی صالح و متقی شخص سے کوئی رنج و تکلیف پہنچے تو محض اس کی وجہ سے اس کے صلاح و تقویٰ کی نفی نہ کرے اور اسے برا بھلا نہ کہے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَلَنَا (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اور ہمیں مغفرت و بخشش سے نوازے) اہل استقامت کا یہی طریقہ ہے اور یہی ان کی راہ عمل ہے۔

انسان کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ - (رواه احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کا شکر نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

(احمد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کی تکمیل اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے یاں طور کہ اس نے ان

انسانوں کا جو کہ اس تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہنچنے کا ظاہری واسطہ اور وسیلہ بنے ہیں، شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کی جائے لہذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری نہیں کی اور اس کے حکم کی پیروی نہیں کی بایں معنی کہ اس نے ان لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا جن کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اسے دی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔

یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے محسن کا شکر ادا نہیں کرتا اور اپنے ساتھ کئے گئے احسان اور اچھے سلوک کا اقرار نہیں کرتا وہ کفرانِ نعمت کی اپنی اس عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

شکر ان نعمت کی اہمیت

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُونَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا آتَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَّ مِنْ كَثِيرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُونَا فِي الْمَهْنَةِ حَتَّى لَقَدْ خَفْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَادَعَوْهُمْ اللَّهُ لَهُمْ وَاتَّيْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ زَوَاهِ التَّزْمِدِيِّ وَصَحَّحَهُ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو) ایک دن) مہاجرین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو زیادہ مالداری میں بہت زیادہ خرچ کرنے اور کم مالداری میں بہت اچھی خدمت اور مدد کرنے کے وصف میں اس قوم سے بہتر ہو جس میں ہم آکر اترے ہیں، انہوں نے (یعنی انصار نے) ہمیں محنت سے سبکدوش کر دیا، اور تمام تر منفعت میں ہمیں شریک کر لیا ہے، اور اب (اگلے اس جذبہ سخاوت و ایثار کو دیکھتے ہوئے) ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ تمام تر ثواب کہیں انہی کے حصہ میں نہ آجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں (تمام تر ثواب انہی کے حصہ میں نہیں آئے گا) جب تک کہ تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف (یعنی شکرانہ نعت ادا) کرتے رہو گے۔“ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔“

تشریح: جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اقامت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مدینہ میں اقامت گزری ہوئی تو مدینہ کے رہنے والوں (یعنی انصار نے) ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اور ایثار و سخاوت نیز اخوت و محبت کی جو عظیم روایت قائم کی، بلابالغہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے لئے اپنے دیدہ و دل ہی فرش راہ نہیں کئے بلکہ اپنے خون پسینہ کی گاڑھی کمائی بھی ان کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے اپنی زمین اپنے باغات اور اپنے مکانات آدھوں آدھوں ان میں تقسیم کر دیئے، ان کی خدمت گزاری اور خاطر تواضع میں شرافت انسانی کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا، چنانچہ ان کے اسی طرز عمل اور ان کے بے پایاں احسانات نے مہاجرین کو اتنا متاثر کیا کہ وہ باقاعدہ بارگاہ رسالت میں اپنا یہ اندیشہ لے کر حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! یہ انصار کہیں سارا ثواب ہی نہ لے بیٹھیں، کیونکہ ہم نے تو آج تک ان سے زیادہ ایثار پسند مخیر و نخی اور احسان کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی ہے، انہوں نے مال و زر کی کمی بیشی سے بے نیاز ہو کر ہماری خاطر داری کی ہے، جس کے پاس زیادہ مال تھا اس نے ہم پر اتنا ہی زیادہ خرچ کیا جس کے پاس کم مال تھا اس نے اسی کے مطابق ہماری اعانت کی، گویا جس کی جتنی استطاعت تھی اس نے اسی حیثیت سے ہماری مہمانداری و غم خواری کی، یہاں تک کہ انہوں نے حصول معاش میں ہمیں محنت و مشقت سے بھی باز رکھا بایں طور کہ کھیتی باڑی کی محنت، باغات اور درختوں کی دیکھ بھال کی صعوبت اور مکانات بنانے کی مشقت انہوں نے خود اپنے ذمہ لی مگر منفعت و پیداوار میں ہمیں برابر کا شریک رکھا ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے باغات میں اپنی محنت سے جو کچھ کرتے ہیں آدھا ہمیں تقسیم کر دیتے ہیں، چنانچہ اب تو ڈرنے لگے ہیں کہ یہ ہمارا سارا ثواب خود ہی حاصل نہ کریں اور یہ اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت اور ہماری عبادتوں کا اجر اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اعانات کی بے پناہ زیادتی کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ دے۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہت وسیع ہے، اس کے ہاں اجر کی کمی نہیں ہے، تمہیں تمہاری عبادت کا ثواب ملے گا اور انصار کو ان کی مددگاری اور ان کے ایثار و سخاوت کا اجر دیا جائے گا، تاوقتیکہ تم ان کے لئے بھلائی کی دعا کرتے رہو، کیونکہ ان کے حق میں تمہاری یہی دعا ان کے احسان کا بدلہ ہو جائے گی اور تمہاری عبادتوں کا ثواب تمہیں ہی ملتا رہے گا۔

آپس میں بطور تحفہ لین دین عداوتوں کو دور کرتا ہے

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادُّوا فَإِنَّ الْهَدْيَةَ تَذْهَبُ الصَّغَائِرَ - (رواہ الترمذی)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”آپس میں تحفہ کا لین دین کیا کرو، کیونکہ تحفہ کا لین دین کینوں کو دور کرتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپس میں تحفہ کے لین دین سے باہمی بغض و عداوت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بجائے آپس کی الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے مآخذ کا علم نہیں ہو سکا تھا چنانچہ بعد میں کسی نے الترمذی بڑھادیا۔

کمتر چیز کے تحفہ کا لین دینا حقیر نہ سمجھو

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادُّوا فَإِنَّ الْهَدْيَةَ تَذْهَبُ وَحَزْرُ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً

لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَ فَرْسِنِ شَاةٍ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”آپس میں تحفہ دیا لیا کرو کیونکہ تحفہ سننے کی کدورت کو دور کرتا ہے اور (یاد رکھو) کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کے واسطے (کسی کمتر چیز کے) تحفہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسایہ کو کسی کمتر اور تھوڑی سی چیز کے بطور تحفہ بھیجنے کو اس ہمسایہ کے حق میں حقیر نہ سمجھے بلکہ جو بھیجنا چاہے اسے بھیج دے خواہ وہ کتنی ہی کمتر اور تھوڑی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جس ہمسایہ کو تحفہ بھیجا گیا ہو۔ اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے ہمسایہ کے کسی تحفہ کو حقیر سمجھے بلکہ اس کے پاس جو بھی تحفہ آئے اسے رغبت و بشاشت کے ساتھ قبول کر لے اگرچہ وہ کتنی ہی تھوڑی اور کیسی ہی خراب چیز کیوں نہ ہو۔

(۱۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تَرُدُّ الْوَسَائِدُ وَاللَّهْنُ وَاللَّبَنُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ قِيلَ أَرَادَ بِاللَّهْنِ الطَّيْبَ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے ① تکیہ ② تیل ③ دودھ۔“ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ ”تیل“ سے آنحضرت ﷺ کی مراد خوشبو تھی۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مہمان کو تواضع کے طور پر تکیہ دے یا تیل دے اور یا پینے کے لئے دودھ دے تو اس مہمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ”دھن“ یعنی تیل سے مراد خوشبو

ہے جیسا کہ ترجمہ میں ذکر کیا گیا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ”دہن“ سے مراد تیل ہی ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی اہل عرب اپنے سروں میں عمومیت کے ساتھ تیل لگایا کرتے تھے۔

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ أَبِي عُمَانَ التَّهْدِي قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الزَّيْحَانِ فَلَا يَزِدَّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا -

”اور حضرت ابو عثمان تہدیؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو خوشبودار پھول (بطور تحفہ و ہدیہ) دیا جائے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرے کیونکہ وہ پھول جنت سے آیا ہے“ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”وہ پھول جنت سے آیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ خوشبودار پھول کی ایک فضیلت و خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جڑ جنت سے آئی ہے، اس طرح اس میں سے جو خوشبو آتی ہے وہ گویا جنت کی خوشبو ہے، پھر یہ کہ پھول کا تحفہ بہت بکسار یعنی بہت کم احسان رکھتا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی وضاحت بیان کی جا چکی ہے۔ لہذا جب کسی کو خوشبودار پھول دیا جائے تو اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

الفصل الثالث

اولاد میں سے کسی ایک کے ساتھ ترجیحی سلوک مناسب نہیں ہے

(۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتْ امْرَأَةٌ بَشِيرٌ أَنْحَلَ ابْنِي غَلَامًا وَأَشْهَدُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَأَلَتْنِي أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غَلَامًا وَقَالَتْ أَشْهَدُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهُ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفَكُلُّهُمْ أَعْطَيْنَهُمْ مِثْلَ مَا أُعْطِيْتُهُ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هَذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى حَقٍّ - (رواه مسلم)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) حضرت بشیرؓ کی بیوی نے ان سے کہا کہ تم ”میرے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام بہہ کر دو اور اس پر میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لو، چنانچہ بشیرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں کی بیٹی (یعنی عمرہ بنت رواد) نے (جو میری بیوی ہے) مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام بہہ کر دوں، نیز اس نے یہ بھی کہا ہے کہ (اس بارہ میں) میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لوں آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”کیا اس بیٹے کے اور بھائی بھی ہیں؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے ان سب کو اسی طرح (ایک ایک غلام) دیا ہے جس طرح اس بیٹے (نعمان) کو دیا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ مناسب نہیں ہے اور میں صرف حق بات پر گواہ بنتا ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: ”حق“ سے مراد یہ تو یہ ہے کہ میں صرف اسی معاملہ میں گواہ بنتا ہوں جو بلا شک و شبہ اور بلا کراہت خالص طور پر حق اور صحیح ہو، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے عمومی طور پر یہ فرمایا کہ میں حق پر گواہ بنتا ہوں باطل پر گواہ نہیں بنتا۔ بہر کیف اس سلسلہ میں تفصیلی بحث پہلی فصل کی حدیث نمبر ۴ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے پھل کا ہدیہ کس طرح قبول کرتے تھے

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى بِكَوْزَةِ الْفَاكِهَةِ وَضَعَهَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَعَلَى شَفَتَيْهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ كَمَا أَرَيْتَنَا أَوَّلَهُ فَأَرِنَا آخِرَهُ ثُمَّ يُعْطِيهَا مَنْ يَكُونُ عِنْدَهُ مِنَ الصَّبِيَّانِ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكُبْرَى -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جب کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو (پہلے) اس پھل کو (قبول فرما کر) اپنی آنکھوں اور ہونٹوں پر رکھتے پھر یہ فرماتے ”اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس پھل کی ابتداء دکھائی اسی طرح اس کی انتہا بھی دکھا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ وہ پھل کسی اس بچے کو دے دیتے جو آپ ﷺ کے پاس ہوتا۔“ (بخاری)

تشریح: تازہ پھل کو اپنی آنکھوں پر رکھنے سے آپ ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ایک تازہ نعمت کی تعظیم ہوتا تھا۔ ”انتہا“ کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو پھر یہ دعا درازی عمر کے لئے ہوگی اور اگر اس کا تعلق عقبی سے ہے تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگا کہ آخرت کے آگے دنیا کی کیا حقیقت ہے، بڑی نعمت تو آخرت کی نعمت ہے، اس طرح اس دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس دنیا کی نعمت عطا کی ہے اسی طرح آخرت کی نعمت بھی کہ حقیقی نعمت وہی ہے، عطا فرما۔

بَابُ اللَّقْطَةِ

لقطہ کا بیان

لقطہ کے معنی اور اس کا مفہوم

”لقطہ“ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زیر کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ مشہور ہے۔

”لقطہ“ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔ اس بارہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے بشرطیکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جائے گا، اگر اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے، لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی بٹا رہے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھالینا واجب ہوگا۔ اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا! یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے، اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

لقطہ، اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے بشرطیکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں، اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا بشرطیکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کر دے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی اٹھالے والا کہتا پھرے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا، لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدت تشہیر

ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لفظ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے لیا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لفظ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لفظ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کا کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے۔ اس صورت میں لفظ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کر دے وہ لفظ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم وقاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لفظ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لفظ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جیسے جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دے دے اور یہ ملے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا۔ وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو، اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا تو پھر اس چیز کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تاکہ جب مالک آجائے تو اسے دے دی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لفظ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ لفظ اسے دے دینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لفظ اسے نہیں دینا چاہئے۔ اگر لفظ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروغ یعنی بیٹائیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لفظ دے دے بشرطیکہ یہ لوگ مفلس و ضرورت مند ہوں۔

بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو، اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لیا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی وجہ سے بھٹک رہا ہو۔

اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگرچہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تاکہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے، اور

اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے کسی کو گواہ نہ لیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہو گا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی۔ بلکہ اس پر تاوان بھی واجب ہوگا۔

بے وارث بچے کو اٹھانے کا مسئلہ

لقیط (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لیتا سبب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھانا واجب ہوگا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک (غلام) ہونا ثابت نہ ہو حریعی آزاد ہے، لقیط کا فقہ اور اس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھا لیا ہے اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر دو آدمی ایک ساتھ اس کا دعویٰ کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو اس بچہ کے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے پر وہ علامت موجود پائی جائے مثلاً وہ یہ بتائے کہ اس کی پیٹھ پر مسہ ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی پیٹھ پر مسہ موجود ہو۔ اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح تسلیم کیا جائے گا، لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں کی آبادی یا مسلمانوں کے محلہ میں ملا ہو۔ اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلہ یا ان کے گرجا و مندر میں ملا ہو گا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقیط کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط ہی پر خرچ کیا جائے اگرچہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ ور کے سپرد کر دے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح کر دے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت و مزدوری کرائے۔

لقطہ کے کچھ متفرق مسائل

مسئلہ: فرض کیجئے ایک شخص نے کسی جگہ اپنے جوتے اتار کر رکھے، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی اپنے جوتے اتار کر وہیں رکھ دیئے۔ اب پہلا شخص جب وہاں سے چلا تو اپنے جوتے پہننے کی بجائے اس دوسرے شخص کے جوتے پہن لئے اور چلا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرا شخص کیا کرے؟ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شخص کے جوتے لے لے؟ اس بارہ میں مختار مسئلہ یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس پہلے شخص کے جوتے کی مانند ہوں یا اس کے جوتے سے بہتر ہوں، ہاں اگر وہ جوتے اس کے جوتے سے خراب ہوں، تو پھر ان کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔

مسئلہ: جو شخص کسی دوسرے کی گری پڑی چیز پاتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چیز اتنی کمتر ہوتی ہے جس کے بارہ میں پانے والا یہ جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ جیسے ادھر ادھر پڑی ہوئی گٹھلیاں وغیرہ یا متفرق جگہوں پر پڑے ہوئے انار کے ٹھکے وغیرہ، ایسی چیز کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اٹھانے والا اس کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے باوجودیکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی اور اس کے مالک کو لینے کا حق پہنچتا ہے لیکن شیخ الاسلام کا قول یہ ہے کہ ایسی چیز لینے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ گری پڑی ملنے والی چیز کی دوسری قسم ایسا مال ہے جس کے بارہ میں پانے والا جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے گا۔ جیسے سونا چاندی وغیرہ اور دیگر تمام اشیاء ایسی چیز کے بارہ میں یہ حکم ہے اگر اس قسم کی کوئی چیز گری پڑی نظر آئے تو اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا جائے اور اس کی تشہیر کرائی جائے یہاں تک کہ وہ چیز اس کے مالک کے پاس پہنچادی جائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک روٹی یا ایک روٹی کے بقدر کھانے کی کوئی چیز اور یا اس سے کم پائے تو اسے فراخی کی حالت میں بھی کھا لینا جائز

ہے۔

مسئلہ: اگر کسی چکی میں گہیوں پسوایا جائے اور اس کے آٹے میں وہ آٹا مل جائے جو عام طور پر چکی میں باقی رہ جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی جھاڑو میں سے کوئی تنکادانتوں میں خلال کرنے کے لئے لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ: سرائے میں مسافروں کے جو جانور لیدروغیرہ کرتے ہیں وہ ان جانوروں کے مالک کے چلے جانے کے بعد اس شخص کی ملکیت ہو جاتے ہیں جو انہیں پہلے اٹھائے، سرائے کے مالک یا تنظیم کی ملکیت میں نہیں آتے۔

الفصل الاول

کوئی شخص گری پڑی چیز پائے تو وہ کیا ہے؟

① عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللَّقْظَةِ فَقَالَ أَعْرِفْ عِفَا صَهَا وَوَكَاءَ هَاتِمَ عَرَفَهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَالْأَفْشَانُكَ بِهَا قَالَ فَصَالَةُ الْغَنِيمِ قَالَ هِيَ لَكَ أَوْ لَأَخِيكَ أَوْ لِلدَّيْنِ قَالَ فَصَالَةُ الْإِبِلِ قَالَ مَالِكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاءُهَا وَجَذَاءُهَا تَرُدُّ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرَفَهَا سَنَةً ثُمَّ أَعْرِفْ وَكَاءَ هَا وَ عِفَا صَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ۔

”حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے لفظ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو (یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو (ایک سال کی مدت میں) اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیے کی ہے“ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ ”گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہو جانے والی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جاسکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ”(جب اس شخص نے لفظ کے بارے میں پوچھا تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف (تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو) اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کی وہ چیز (بشرطیکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دے دو (اور نہ اس کی قیمت ادا کر دو۔“

تشریح: ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تاکہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی وجہ سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لفظ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لفظ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لفظ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لفظ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لفظ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لفظ کا وزن یا عدد بتا دے، نیز لفظ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا

ہے تب وہ لفظ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لفظ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ ”ظرف اور سربندی پچان رکھنے“ کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وہ لفظ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح غلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لفظ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال و اسباب اور اس لفظ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثُمَّ عَزَّوْفَهَا (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لفظ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں میں، مسجدوں میں اور ان تمام مقامات پر کہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو، اس لفظ کی بابت لوگوں میں یہ اعلان کرو اور کرواؤ کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو وہ فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل و علامات بیان کر کے لے جائے۔ مدت تشہیر کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لفظ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ”ایک سال“ کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے۔ تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لفظ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے، اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک کی تشہیر کی جائے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ لفظ کی اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئے گا اور اس مدت کے بعد اس لفظ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے جس میں لفظ سَنَۃً (ایک سال) کی قید کے بغیر صرف عَزَّوْفَهَا (اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔

لفظ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو۔ اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جیسے کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ اس کی تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو۔ اور اگر لفظ کوئی بہت ہی حقیر و کتر چیز ہو جیسے گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا۔ کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔

فان جاء صاحبها والافشانك بها كا مطلب یہ ہے کہ لفظ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ لفظ دے دیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعویٰ کی ملکیت کی گواہی دیں تو لفظ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لفظ دے دے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اسی کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لفظ کا مالک نہ آئے تو پھر لفظ اٹھانے والا اس لفظ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لفظ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لفظ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو، چنانچہ اکثر صحابہؓ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہؓ کا قول یہ ہے کہ اگر لفظ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لفظ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لفظ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دے دے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سفیان ثوریؒ ابن المبارکؒ اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارہ میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے لفظ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لفظ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے بشرطیکہ وہ چیز ہلاک و ضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر

لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک و ضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے، گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا۔ جب کہ وہ لقطہ ہلاک و ضائع ہو گیا ہو۔ اور اگر وہ ہلاک و ضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔ شرح وقایہ کے بعض حاشیوں میں نہایت یہ کہ یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔ ہلی لک (وہ تمہاری ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجے میں اس کا مالک آگیا تو وہ تم سے لے لے گا، لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح اولاً خبیث۔ الاخ (یا تمہارے بھائی کی ہے اس) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑ لی اور اس کا مالک آگیا تو وہ اسے لے لے گا۔ اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا، گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھالے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارہ میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں بھیڑیے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

”اونٹ کی مشک“ سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ اونٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں مشہور ہے کہ اونٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

”اونٹ کے موزے“ سے مراد اس کے مضبوط و قوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر وہ جانور اونٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں (بھیڑیے وغیرہ کے جنگل میں پھنس کر) ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جیسے گھوڑا، گائے اور گدھا وغیرہ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہوجانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔ خفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف (یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اس کی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی۔ حضرت زیدؒ کی اس روایت کے بارہ میں خفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس زمانہ میں تھا جب کہ اماندار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ کو بغیر تشہیر اپنے پاس رکھنا خیانت ہے

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا لَمْ يُعْرِفْهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت زیدؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی کی) کوئی گم شدہ چیز اٹھا کر رکھ لے تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ وہ اس کی

تشریح: ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر و مفلس ہے کہ اگرچہ وہ حالت اضطرار میں نہ ہو اور یا اس سے مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند درخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گنہ گار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے، یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ”اور اس پر دو گنا تاوان ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دو گنی قیمت وصول کی جائے گی لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق تنبیہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دو گنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جاسکتی ہے۔ اگرچہ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ”اور سزا ہے“ میں ”سزا“ سے مراد ”تقدیر“ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں بطور تعزیر کوئی سزا دی جاسکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج و پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سیر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سیر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے۔ چنانچہ شافعیؒ نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سیر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لفظ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے گزر گاہ عام و خاص ہو تو اس کی تشہیر و اعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو۔ اور جو لفظ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویرانہ گاؤں یا قدیم و غیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر دیا جائے۔ اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لفظ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان و زیورات کی شکل میں ہو، اسی طرح کسی ویرانہ قدیم سے اگر کوئی دینہ وغیرہ برآمد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لفظ استعمال میں آجانے کے بعد اس کا مالک طلب کرے تو اس کا بدل دینا چاہئے

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَجَدَ دِينَارًا فَأَتَى بِهِ فَاطِمَةَ فَسَأَلَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا رِزْقُ اللَّهِ فَأَكْلَ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآكَلَ عَلَيْهِ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَتْ امْرَأَةً تَنْشُدُ الدِّينَارَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أَدَّ الدِّينَارَ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے (کسی راستہ میں بطور لفظ) ایک دینار پایا حضرت علیؓ اسے حضرت فاطمہؓ کے پاس لائے اور پھر جب حضرت علیؓ نے اس کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے“ پھر اس دینار (سے خریدی ہوئی چیز) کو آنحضرت ﷺ نے بھی کھایا اور حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ نے بھی کھایا اس کے بعد جب ایک عورت اپنا دینار ڈھونڈتی ہوئی آئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ”علی! اس عورت کو دینار دے دو۔“

(ابو داؤد)

تشریح: روایت کے مفہوم سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ نے تشہیر و اعلان کے بغیر اس دینار کو صرف کیا بلکہ احتمال یہی ہے

کہ پہلے انہوں نے اس کی تشہیر کی پھر بعد میں اسے خرچ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جو اس عورت کے محض کہنے پر اس کو دینار دلوایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس عورت نے اس دینار کی علامت بیان کی ہوگی یا آنحضرت ﷺ کو کسی اور ذریعہ سے علم ہو گیا ہو گا کہ وہ دینار اسی عورت کا تھا۔

لقطہ بری نیت سے نہ اٹھاؤ

⑥ وَعَنِ الْجَارُودِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرْقُ النَّارِ - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت جارودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلمان کی گم شدہ چیز (دورخ کی) آگ کا ایک شعلہ ہے۔“ (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی لقطہ کو اس بد نیتی کے ساتھ اٹھائے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں گا۔ نیز وہ ان احکام کو پورا نہ کرے۔ جو لقطہ کے سلسلہ میں از قسم تشہیر وغیرہ شریعت نے نافذ کئے ہیں تو وہ لقطہ اس شخص کو دورخ کی آگ کے حوالہ کر دے گا۔

جب لقطہ اٹھاؤ تو کسی کو گواہ بنا لو

⑦ وَعَنْ عِيَّاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقْطَةً فَلْيُشْهَدْ ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوِي عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمُ وَلَا يَغْتَبِ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيُرِدْهَا عَلَيْهِ وَالْأَفْهُوَ مَا لِلَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ - (رواہ احمد و ابوداؤد و الدارمی)

”اور حضرت عیاض ابن حمارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہئے کہ وہ کسی عادل شخص کو۔ یا فرمایا کہ۔ دو عادل شخصوں کو گواہ بنالے اور (اس کی تشہیر و اعلان نہ کر کے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے (کسی دوسری جگہ بھیج کر) غائب کر دے۔ پھر اگر مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالہ کر دے اور اگر مالک ہاتھ نہ لگے تو پھر وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے (غیب سے) مال دیتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص (مثلاً مالک) نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کی بیشی کا دعویٰ کر سکے گواہ بنالینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس، حرص و طمع میں مبتلا نہیں ہو گا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بد نیتی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنالینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنالینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے“ جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے ”اللہ کا دیا ہوا رزق ہے“ کہا گیا ہے لہذا ان دونوں سے مراد ”حلال“ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے خدا نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہو گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

لقطہ کی وہ مقدار جس میں تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسُّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِمْ يَلْتَقِطُهُ

لَرَجُلٍ يَنْتَفِعُ بِهِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں، لائچی کوڑے رسی اور اسی کی مانند ان چیزوں کے بارہ میں (کہ جو عام طور پر کم تر سمجھی جاتی ہیں) یہ اجازت دی تھی کہ جو شخص چاہے اٹھالے اور اسے اپنے کام میں لے آئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر لفظ ان میں سے کسی چیز کا ہو تو اسے اٹھانے والا جب کہ وہ خود مالدار نہ ہو بغیر تشہیر و اعلان اس کو اپنے استعمال میں لے آئے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لفظ کسی کمتر مال کی صورت میں ہو تو اس کی تشہیر نہ کی جائے لیکن اس قول پر تنقید کی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ”کمتر مال“ کی حد کیا ہے تو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ لفظ دس درہم سے کم مالیت کا ہو وہ کمتر مال ہے اور بیش حصہ ات کہتے ہیں کہ جو لفظ ایک دینار یا ایک دینار سے کم مالیت کا ہو وہ ”کمتر مال“ ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول حدیث سے معلوم ہوا۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ الْمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ الْأَلَا يَجِلُّ فِي بَابِ الْأَعْتَصَامِ

اور حضرت مقدم ام ابن معدی کرب کی روایت الّا یجِلُّ الخ باب الاعتصام بالكتاب والسنة میں نقل کی جا چکی ہے۔

بَابُ الْفَرَائِضِ فِرَائِضُ كَابِيَانِ

”فرائض“ جمع ہے ”فریضہ“ کی جو ”فرض“ سے مشتق ہے۔ فرائض میراث کے ان حصوں کو کہتے ہیں جو قرآن یا حدیث میں متعین و مقرر ہیں۔ گویا اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو شخص مر جائے اس کے کون کون عزیز و اقارب اس کے وارث ہوں گے اور اس کا چھوڑا ہوا مال و اسباب ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہو گا۔ یہ باب چونکہ ایک بڑے اہم موضوع سے متعلق ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتدائی طور پر چند اصولی باتیں اور کچھ ضروری مسائل یکجا کی انداز میں نقل کر دیئے جائیں۔

ورثاء کی ترتیب

علماء لکھتے ہیں کہ میت کے ترکہ (یعنی اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب) کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں جس کی ترتیب یہ ہے کہ ① پہلے تو میت کی تجہیز و تکفین کی جائے یعنی اسے غسل دیا جائے، پھر کفن دیا جائے، اس کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھو کر قبرستان لے جایا جائے اور پھر قبر میں دفن کیا جائے، ان چیزوں میں جو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہ اس کے ترکہ میں سے اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ تنگی کی جائے اور نہ اسراف کیا جائے۔

② اس کے بعد اگر میت کے ذمہ کوئی قرض و مطالبہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جائے۔ پھر قرض و مطالبہ کی ادائیگی کے بعد۔

③ جو مال و اسباب بچے اس میں سے تہائی حصہ میں وصیت جاری کی جائے بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو ان تین مرحلوں کے بعد۔

④ اس کا بقیہ تمام مال و اسباب اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیئے جائیں اور ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصباء نسبی کو دے دیا جائے کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ عصباء نسبی کا حق ہوتا ہے اور اگر میت کے وارثوں میں ذوی الفروض موجود نہیں ہوتے تو پھر اس کا تمام ترکہ عصباء نسبی کو ملتا ہے اور اگر اس کے وارثوں میں عصباء نسبی نہیں ہوتے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ آزاد کرنے والے کو ملتا ہے بشرطیکہ میت غلام رہا ہو اور اس کو آزاد کیا گیا ہو اور اگر آزاد کرنے والا موجود نہ ہو تو پھر اس آزاد کرنے والے کے مرد عصباء کو دیا جاتا

ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی وہ بچا ہوا ترکہ ذوی الفروض کی طرف لوٹ جائے گا علاوہ زوجین کے کیونکہ اس دوبارہ تقسیم میں ذوی الفروض میں سے زوجین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور اگر میت کے ورثاء میں نہ تو ذوی الفروض میں سے کوئی ہو اور نہ عصبائ نسبی و سببی ہوں تو اس کا ترکہ ذوی الارحام کو دیا جائے اور اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولیٰ مولات کو دیا جائے اور اگر کوئی مولا مولات بھی نہ ہو تو پھر وہ تمام ترکہ اس غیر شخص کو ملے گا جس کے نسب کا میت نے اقرار کیا ہو مثلاً اس نے زید کے بارہ میں کہا ہو کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ زید کا یہ نسب (یعنی اس میت کے باپ کا بیٹا ہونا) اس اقرار کے علاوہ اور کسی صورت میں ثابت نہ ہو لیکن پھر بھی وہ میت کے ترکہ کا حقدار قرار پائے گا۔ اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو تو پھر وہ ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا۔ جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال کی وصیت کی ہو، اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال و اسباب کی وصیت کی ہو تو پھر اس کا سارا مال و اسباب بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور اگر بیت المال بھی نہ ہو تو پھر آخر میں بیت المال کے مصرف میں صرف کیا جائے یعنی مدارس و مساجد یا فقراء و مساکین وغیرہ کو دے دیا جائے۔

ذوی الفروض کی تفصیل

ذوی الفروض بارہ ہیں۔ ① باپ۔ ② دادا خواہ اوپر کے درجہ کے ہوں جیسے پڑدادا اور سکڑدادا وغیرہ۔ ③ اخیانی بھائی (اخیانی ان بھائیوں کو کہتے ہیں جن کے باپ الگ الگ ہوں اور ماں ایک ہو)۔ ④ بیوی۔ ⑤ خاوند۔ ⑥ ماں۔ ⑦ جدہ (یعنی دادی یا نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادی اور سکڑدادی یا پڑنانی اور سکڑنانی)۔ ⑧ بیٹی۔ ⑨ پوتی۔ ⑩ حقیقی بہن۔ ⑪ سوتیلی بہن۔ اور ⑫ اخیانی بہن۔

ذوی الفروض کے حصے

میت کے ترکہ میں باپ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا اور یا پڑپوتا بھی موجود ہو، اور اگر یہ نہ ہوں بلکہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی موجود ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور وہ عصبہ بھی ہو گا اور اگر نہ تو بیٹا یا پوتا اور پڑپوتا ہو اور نہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی ہو تو باپ صرف عصبہ ہو گا۔ حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو باپ صرف صاحب فرض ہوتا ہے اور دوسری صورت میں صاحب فرض بھی اور تیسری صورت میں صرف عصبہ ہوتا ہے۔ اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اس کا دادا باپ کی مانند ہو گا، اور اگر میت کے باپ اور دادا دونوں زندہ ہوں تو پھر دادا محروم ہو گا یعنی اسے میت کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اخیانی بھائی اور اخیانی بہن کو میراث کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ ایک ہو، اور اگر وہ دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے تہائی حصہ ہے جو مرد و عورت پر برابر تقسیم ہو گا، اور اگر میت کا باپ یا دادا زندہ ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو پھر اخیانی بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر بیوی مر جائے اور اس کا بیٹا یا بیٹی نہ ہو اور بیٹی کی اولاد بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر بیٹا یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا۔

اگر خاوند مر جائے اور نہ تو اس کے بیٹے بیٹی ہوں اور نہ بیٹی کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ میں سے بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر میت کے بیٹا یا بیٹی یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر میت کی ایک ہی بیوی ہو تو اس کو بھی وہی حصہ ملے گا جو ذکر کیا گیا ہو اور اگر ایک سے زائد یعنی دو یا تین اور چار بیویاں ہوں تب بھی یہی حصہ ملے گا فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک بیوی ہوگی تو مذکورہ بالا حصہ کی وہ تہا حق دار ہوگی اور ایک سے زائد بیویاں ہوں گی تو وہ اس حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی۔

میت کے ترکہ میں سے ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کے بیٹا یا بیٹی یا پوتا یا اس کی اولاد یا ایک بہن یا دو بھائی اور دو بہن یا دو سے

زائد بھائی اور بہن (خواہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلیے اور اخیانی ہوں) موجود ہوں، اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوگا تو ماں کو کل ترکہ میں سے تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر ماں کے ساتھ باپ اور خاوند یا بیوی بھی ہو تو اس صورت میں باپ اور خاوند یا بیوی کا حصہ دے کر جو باقی بچے گا اس میں سے ماں کو تہائی حصہ ملے گا اور اگر مذکورہ بالا صورت میں بیوی یا خاوند کے ساتھ باپ کے بجائے دادا موجود ہو تو پھر ماں کو تمام ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں دادا، باپ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔

دادی اور نانی کا چھٹا حصہ ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا کئی ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف ایک دادی یا صرف ایک نانی ہوگی تو وہ میت کے ترکہ کے چھٹے حصہ کی تہا حق دار ہوگی اور اگر ایک سے زائد ہوں گی مثلاً ایک دادی اور ایک نانی ہو یا دو دادی یا دو نانی ہوں تو وہ سب اس چھٹے حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی بشرطیکہ وہ سب درجہ میں برابر ہوں اور اگر درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ درجہ میں متفاوت ہوں (جیسے ایک دادی ہو اور ایک پڑدادی ہو یا ایک نانی ہو اور ایک پڑنانی ہو) تو دور کے درجہ والی (یعنی پڑنانی) قریب کے درجہ والی (یعنی نانی) کے سامنے محروم ہوگی، اسی طرح ماں کی موجودگی میں تمام ہی جدات (یعنی دادی و نانی وغیرہ) محروم ہوتی ہیں، نیز دادا کی موجودگی میں باپ کی دادیاں محروم ہوتی ہیں لیکن دادا کی بیوی یعنی باپ کی ماں محروم نہیں ہوتی۔

میت کی بیٹی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا موجود ہوتا ہے تو وہ عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذوی الفروض رہتی ہے، چنانچہ بیٹی کے میراث پانے کی دو تین صورتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اگر صرف ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی حقیقی یا سوتیلہ بھائی نہ ہو تو میت کے ترکہ میں سے اس کو نصف حصہ ملتا ہے (اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی نہ ہو تو باقی نصف حصہ بھی اسی کو مل جاتا ہے) دوم یہ کہ اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں اور ان کے ساتھ ان کا کوئی حقیقی یا سوتیلہ بھائی نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ سوم یہ کہ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا آدھا ہر ایک بیٹی کو ملے گا خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار بیٹیاں ہوں، چنانچہ اگر کسی میت کے متعدد بیٹے اور متعدد بیٹیاں ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

اگر میت کے بیٹی بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تہائی دیا جائے گا۔ جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، اگر میت کے بیٹا، پوتا یا پڑپوتا موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک بیٹی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ ایک پوتی ہو یا متعدد پوتیاں ہوں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں موجود ہوں گی تو اس صورت میں پوتی بالکل محروم رہے گی ہاں اگر پوتی کے ساتھ میت کا پوتا بھی موجود ہو (خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو یعنی پوتا اور خواہ یہ پوتا اس پڑپوتی کا حقیقی بھائی ہو یا سوتیلہ بھائی ہو اور یا چچا زاد بھائی ہو) تو پھر چاہے میت کی ایک ہی بیٹی ہو یا متعدد بیٹیاں ہوں وہ پوتی عصبہ ہو جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا یہ پوتی اور پوتا آپس میں بطور عصبوت تقسیم کریں گے یعنی پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر میت کا بیٹا موجود ہوگا تو پھر یہ پوتی ہر حال میں بالکل محروم رہے گی۔ نیز اگر نہ تو میت کی اولاد موجود ہو اور نہ میت کے بیٹے کی اولاد موجود ہو تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں میت کی پوتی اس کی پوتی کے قائم مقام ہوگی اور اگر بیٹی موجود ہے تو بیٹی کی اولاد محروم رہے گی اور اگر پوتی موجود ہے تو پوتی کی اولاد محروم قرار پائے گی۔

اگر میت کی اولاد موجود ہو یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو (خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کی کیوں نہ ہو) تو اخیانی بہن بھائی محروم قرار پاتے ہیں، اسی طرح اگر میت کا باپ یا دادا موجود ہو تو اخیانی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔

اگر میت کے کوئی بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی اور یا پڑپوتا پڑپوتی موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک حقیقی بہن ہو تو وہ ہر حال میں بیٹی کے قائم مقام ہوگی یعنی

اگر ایک بہن ہوگی تو اسے میت کے کل ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں گی تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، مذکورہ بالا صورت میں سوتیلی بہن کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ حقیقی بہن موجود نہ ہو۔

اگر میت کی بیٹی یا پوتی اور سکر پوتی موجود ہو (خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں) تو اس صورت میں حقیقی بہن (اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو سوتیلی بہن) عصبہ ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس بہن کو مل جائے گا۔

اگر میت کے حقیقی بھائی (ایک یا زیادہ) موجود ہو تو حقیقی بہن اس کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے گی اور اگر بھائی حقیقی نہ ہو بلکہ سوتیلے ہو تو حقیقی بہن اس سوتیلے بھائی کی موجودگی میں ذوی الفروض میں شامل ہو جائے گی۔

اگر میت کے ایک حقیقی بھائی ہو اور اس کے ساتھ ہی سوتیلے بھائی بہن بھی ہوں تو اس حقیقی بھائی کی موجودگی میں وہ سوتیلے بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر میت کی ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کی موجودگی میں سوتیلی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں اور اگر حقیقی بہنیں ایک سے زائد ہوں تو پھر سوتیلی بہن ساقط ہو جائے گی اسے کچھ نہیں ملے گا ہاں اگر سوتیلی بہن کے ساتھ سوتیلے بھائی ہو تو پھر یہ سوتیلی بہن محروم نہیں ہوگی بلکہ خواہ ایک حقیقی بہن ہو ایک سے زائد ہوں اور خواہ ایک بھی نہ ہو ہر صورت میں سوتیلی بہن سوتیلے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد میت کے ترکہ میں سے جو کچھ بھی بچے گا وہ سب ان سوتیلے بہن بھائی کے درمیان بطور عصبہ تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر میت کی حقیقی بہن، میت کی بیٹی یا پوتی یا سکر پوتی اور یا سکر پوتی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی تو اس صورت میں سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہن بالکل محروم رہیں گے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر میت کے بیٹا یا پوتیا یا سکر پوتیا اور یا سکر پوتیا موجود ہو گا تو میت کا حقیقی بھائی، حقیقی بہن اور سوتیلے بھائی بہن محروم رہیں گے اسی طرح میت کے باپ یا دادا کی موجودگی میں بھی میت کے حقیقی اور سوتیلے بہن بھائی محروم رہیں گے۔

عصبات کی تفصیل

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا، گویا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں۔ چنانچہ عصبات کے بھی چار درجے ہیں۔ اول بیٹا، پوتا، پڑپوتا، سکر پوتا (یا اس کے نیچے کے درجہ کے) دوم باپ، دادا، پڑدادا، (یا اس کے اوپر کے درجہ کے) سوم۔ حقیقی اور سوتیلے بھائی اور ان کے لڑکے (اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں) چہارم میت کے چچا میت کے باپ کے چچا، میت کے دادا کے چچا اور ان چچاؤں کے بیٹے، پوتے پڑتے اور سکر توتے۔ اب ان چاروں درجوں کی ترتیب یہ ہوگی، ان چاروں درجوں میں مقدم بیٹے ہیں پھر پوتے پھر پڑپوتے پھر سکر توتے، پھر باپ پھر دادا پھر پڑدادا پھر سکر دادا، پھر بھائی پھر بہن پھر بیٹے (اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں) پھر چچا پھر چچا کی اولاد۔ لہذا جب ان چاروں درجوں میں سے پہلے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہو گا تو باقی تینوں درجوں کے عصبات بالکل محروم قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر پہلے درجہ کا کوئی عصبہ یعنی بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا یا سکر توتا موجود نہ ہو گا اور دوسرے درجہ میں کا کوئی عصبہ موجود ہو گا تو باقی دو درجوں کے عصبات بالکل محروم ہو جائیں گے اور اگر نہ تو پہلے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو اور نہ دوسرے درجہ کے عصبات میں سے بلکہ تیسرے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو پھر چوتھے درجہ کے عصبات بالکل محروم رہیں گے۔ ایسے ہی ان چاروں درجوں میں سے ہر درجہ میں قریب کا عصبہ بعید کے عصبہ پر مقدم ہو گا یعنی قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کے عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً میت کے بیٹا بھی موجود ہو اور پوتا بھی موجود ہو اور یہ دونوں ہی درجہ اول کے عصبہ ہیں مگر اس صورت میں قریب کا عصبہ یعنی بیٹا مقدم ہو گا کہ اسے میت کا ترکہ ملے گا اور بعید کا عصبہ یعنی پوتا محروم ہو جائے گا، اسی طرح حقیقی عصبہ سوتیلے عصبہ پر مقدم ہو گا اور میت کے چچاؤں کے پوتے

میت کے باپ کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔ اور میت کے باپ کے چچاؤں کے پوتے میت کے دادا کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔

ذوی الارحام کی تفصیل

جیسا کہ پہلے بتایا گیا تھا کہ میت کے وارثوں میں سب سے پہلا درجہ ذوی الفروض کا ہے اور دوسرا درجہ عصبات کا ہے، اب یہ سمجھئے کہ اگر کسی میت کے وارثوں میں نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات ہوں تو پھر اس کا ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا، گویا ذوی الارحام کے وارثوں کا تیسرا درجہ ہے، چنانچہ جس طرح عصبات کے چار درجے ہیں اسی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اول۔ میت کی بیٹی، پوتی اور پڑوتی (خواہ اس سے نیچے کے درجہ کی اولاد یعنی میت کے نواسہ، نواسی، میت کے بیٹے کا نواسہ، نواسی، میت کے نواسے کا بیٹا، بیٹی کی نواسی کا بیٹا بیٹی اور میت کے پوتے کے نواسہ نواسی وغیرہ۔

دوم۔ دادا فاسد، دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ (خواہ یہ سب اوپر کے درجہ کے ہوں) اس موقع پر یہ سمجھ لیجئے کہ دادا فاسد اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو جیسے میت کا نانا اور میت کی دادی یا نانی کا باپ۔ اور دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو جیسے نانا کی ماں اور دادی یا نانی کے باپ کی ماں۔ یہ سب ذوی الارحام ہیں جب کہ دادا صحیح اور دادی و نانی صحیحہ ذوی الفروض ہیں چنانچہ دادا صحیح اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو جیسے دادا اور پڑدادا (یا اس سے اوپر کے درجہ کے) اور دادی و نانی صحیحہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسد کا واسطہ ہو جیسے دادی یا پڑدادی اور نانی یا پڑنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ کی)۔

سوم۔ حقیقی بہنوں کی اولاد، سوتیلی بہنوں کی اولاد، اخیانی بہنوں کی اولاد، اخیانی بھائی کی اولاد، حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور سوتیلی بھائی کی بیٹیاں۔

چہارم۔ پھوپھیاں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی اور اخیانی ہوں۔ اخیانی چچا، ماموں اور خالائیں۔

ذوی الارحام کے یہ چار درجے ہیں اور عصبات کی طرح ان کی ترتیب بھی یہ ہے کہ اگر ان چاروں درجوں میں سے اول درجہ کے ذوی الارحام وارث موجود ہوں گے یا ان کی اولاد (خواہ وہ کتنے ہی نیچے کے درجہ کی ہو) موجود ہوگی تو باقی تینوں درجوں کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، اسی طرح درجہ دوم کے ذوی الارحام وراثت کی موجودگی میں سوم اور چہارم درجہ کے اور تیسرے درجہ کے ذوی الارحام کی موجودگی میں چوتھے درجہ کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، نیز عصبات کی طرح ذوی الارحام میں بھی اس کے ہر درجہ میں قریب کا ذی رحم بعید کے ذی رحم پر مقدم ہوگا۔

میراث پانے سے محروم کر دینے والی چیزیں

اللہ تعالیٰ نے میت کا مال و اسباب اس کے موجودہ وراثہ کو متعین حصوں اور مقررہ ضابطوں کے تحت دینے کا جو حکم دیا ہے اس میں دراصل میت اور اس کے وراثہ کے درمیان ایک خاص علاقہ، تعلق اور رشتہ داری کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے نہ صرف یہ کہ میت اور اس کے وارث کے درمیان کسی خاص علاقہ و تعلق کا اظہار نہ ہوتا ہو بلکہ وہ ایک قسم کی جدائی علیحدگی اور نفرت ثابت کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ وارث میراث میت کا حق دار نہیں ہوگا اور اسے کوئی میراث نہیں ملے گی۔ لہذا ایسی چار چیزیں ہیں جو کسی شخص کو میراث پانے سے محروم کر دیتی ہیں، ان چار چیزوں کی تفصیل یہ ہے۔

① غلامی۔ نہ تو کسی غلام کا وارث کوئی آزاد شخص ہوتا ہے اور نہ خود غلام کسی آزاد شخص کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ غلام شرعی طور پر کسی چیز کا مالک ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا اور نہ کوئی چیز اس کی ملکیت ہوتی ہے۔

۲) قتل۔ اگر کوئی بالغ وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ وارث، میراث پانے سے بالکل محروم رہے گا، لیکن یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، چنانچہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں (جن کی تفصیل انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی) ان میں سے چار قسمیں ایسی ہیں کہ کسی میں قصاص واجب ہوتا ہے اور کسی میں کفارہ اور دیت۔ لہذا ان چاروں صورتوں میں حنفی مسلک کے مطابق قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے جب کہ وہ اپنے مورث کو ناحق قتل کرے، ہاں اگر وارث اپنے مورث کو ظلماً قتل نہ کرے بلکہ دفاع کرتے ہوئے مورث پر وار کرے اور مورث مارا جائے۔ مثلاً مورث ناحق اس وارث پر حملہ کرے اور پھر وہ وارث اپنے کو بچانے کے لئے مورث پر وار کرے اور اس کے وار کے نتیجے میں مورث مارا جائے، یا مورث پر شرعاً کسی وجہ سے بطور سزا قتل واجب ہو (مثلاً قصاص کے طور پر) یا اس پر کوئی حد جاری کی جانی ضروری ہو اور بادشاہ یا قاضی کے حکم سے وارث نے اس مورث کو قتل کیا یا اس پر حد جاری کی اور وہ مر گیا تو اس صورت میں بھی وارث میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

قتل کی پانچ قسموں میں ایک قسم ”قتل بالنسب“ ہے۔ قتل کی اس قسم پر نہ قصاص لازم آتا ہے اور نہ کفارہ بلکہ صرف دیت واجب ہوتی ہے چنانچہ اس قسم کے قتل میں بھی قاتل میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ قتل بالنسب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر پتھر رکھ دے یا کنواں کھود دے اور پتھر سے ٹھوکر کھا کر یا کنویں میں گر کر کوئی شخص مر جائے تو اس شخص پر دیت واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح خفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ یا مجنون اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ نابالغ اور مجنون کے اکثر افعال پر شرعی طور پر کوئی سزا واجب نہیں ہوتی۔

۳) اختلاف مذہب۔ دو مذہبوں کا اختلاف میراث سے محروم کر دیتا ہے، یعنی اگر وارث مسلمان ہے اور مورث غیر مسلم ہے (خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی اور یہودی وغیرہ) تو اس کی میراث مسلمان کو نہیں ملے گی، اسی طرح اگر وارث غیر مسلم ہے اور مورث مسلمان ہے تو اس کی میراث غیر مسلم کو نہیں ملے گی۔

۴) اختلاف دارین۔ یعنی ممالک و وطن کا اختلاف۔ میت اور وارث کے ملک و وطن کا مختلف ہونا میراث سے محروم کر دیتا ہے مثلاً ایک شخص دارالاسلام میں رہتا ہے اور ایک شخص دارالحرب میں تو دونوں ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے۔ لیکن یہ حکم غیر مسلم کے لئے ہے۔ مسلمان مورث و وارث اگر اختلاف دارین بھی رکھتے ہوں گے تب بھی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

میت کا ترکہ اس کے ورثاء کا حق ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرَكْ وَفَاءً فَعَلَيْ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضِيعًا فَلْيَاثِمَتِي فَأَنَا مَوْلَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَلْيَاثِمَتِي۔ (متن علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”میں مسلمانوں کے حق میں خود ان سے بھی زیادہ عزیز ہوں (یعنی دین و دنیا کے ہر معاملہ میں ایک مسلمان اپنے اوپر خود جتنا شفیق و مہربان ہو سکتا ہے میں اس پر اس سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہوں) اسی لئے ان کے قرضوں کو ادا کرنے میں زیادہ حق دار ہوں (لہذا جو شخص (یعنی مسلمان) مر جائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص (اتنا) مال چھوڑ جائے (جو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کی کی ہوئی وصیت کی شرعی تکمیل کے بعد بھی بچ جائے) تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص قرض دار یا

عیال دار مر جائے (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکے یا اس کے عیال کی پرورش ہو سکے) تو اس کا وکیل یا وصی میرے پاس آئے میں اس کا انتظام کروں گا یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی نگہداشت و غم خواری کروں گا۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو بھاری چیز (یعنی قرض اور عیال) چھوڑ کر مرے تو اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شروع میں آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی شخص مرتا جس کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہ ہوتا جو اس قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوتا تو آپ ﷺ اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے احتراز فرماتے لیکن جب حق تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کو کائنات مال کی نعمت میسر ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ معمول بنالیا کہ جو شخص قرضدار مر جاتا آپ ﷺ اس کا قرض ادا کرتے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے۔ یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے مفہوم ہوتی ہے جو باب الافلاس والا نظار کی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔ اور یہ گویا آنحضرت ﷺ کے اس بے پناہ جذبہ شفقت و مہربانی اور کمال رحمت ہمدردی کا مظہر ہے جو آپ ﷺ تمام مسلمانوں کے تئیں رکھتے تھے۔

میت کا ترکہ پہلے ذوی الفروض کو دو

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَرِائِضُ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأُولَى رَجُلٍ ذَكَرَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ میراث کے حصے (جو قرآن کریم میں متعین کئے گئے ہیں) حصہ داروں کو دو پھر جو کچھ بچے وہ میت کے اس مرد وارث (عصبہ) کا حق ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ میت کا ترکہ سب سے پہلے ان لوگوں کو دو جن کے حصے قرآن کریم میں مقرر ہیں کہ جنہیں ذوی الفروض کہا جاتا ہے، ان کو معینہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات کو دو، اور پھر عصبات میں مقدم وہ عصبہ ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو، چنانچہ قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کا عصبہ میت کے ترکہ کا وارث نہیں ہوتا، ابتداء باب میں ذوی الفروض اور عصبات کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ رجل ذکر میں لفظ ”ذکر“ تاکید کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ خشیٰ سے احتراز ہو جائے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ بعض وارث بعض دوسرے وارثوں کے حق میں حاجب (یعنی میراث سے روکنے والے) ہوتے ہیں، چنانچہ جب یعنی میراث سے روکنارو طرح سے ہوتا ہے۔ اول ”جب نقصان“ دوم ”جب حرمان“ اس موقع پر اجمالی طور پر ان دونوں کی یہ تعریف جان لیجئے کہ بعض وارث ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب میت کے اولاد نہ ہو تو میت کی ماں کو ترکہ میں سے ایک تہائی ملتا ہے۔ اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو میت کی ماں کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے اس کو جب نقصان کہتے ہیں، اسی طرح بعض وارث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے بعض عزیزوں کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملتا مثلاً میت کے بیٹے کے موجودگی میں بھائی میراث سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔ اس کو جب حرمان کہتے ہیں۔

اختلاف مذہب میراث سے محروم کر دیتا ہے

③ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں ہوتا یعنی اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان مورث کے مرنے کے بعد اس کا کافر وارث میراث سے محروم رہے گا۔ لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں، چنانچہ اکثر علماء تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا، مگر صحابہ اور تابعین میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اسی طرح اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر کی طرح مرتد بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان، مرتد کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت ربیعؒ اور حضرت ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، حضرت امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنے ارتداد کی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے وہ بیت المال میں جائے گا اور حالت اسلام میں جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔

آزاد کرنے والا غلام کا وارث ہوتا ہے

④ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قوم کا مولیٰ اسی قوم میں سے ہے۔“ (بخاری)

تشریح: ارشاد گرامی میں ”مولیٰ“ سے مراد ”آزاد کرنے والا“ ہے گویا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد شدہ غلام کا وارث وہ شخص ہوتا ہے جس نے اسے آزاد کیا ہے، اس کے برخلاف آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”مولیٰ“ سے مراد ”آزاد شدہ غلام“ ہے یعنی جس قبیلہ و فرد سے کسی غلام کو آزاد کیا گیا ہو تو اس آزاد شدہ غلام کا وہی حکم ہو گا جو اس کو آزاد کرنے والے قبیلہ یا فرد کا ہوگا۔ مثلاً بنی ہاشم (سید) نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اب وہ آزاد شدہ غلام زکوٰۃ کے باب میں بنی ہاشم ہی کا سا حکم رکھے گا کہ جس طرح بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے اسی طرح اس آزاد شدہ غلام پر بھی زکوٰۃ کا مال حرام ہوگا۔

بھانجا، ماموں کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ أَخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہوتا ہے اور یہ ذوی الارحام میں سے ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث ہوتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذوی الارحام کو میت کے ترکہ میں سے میراث اسی صورت میں ملتی ہے جب کہ میت کے ذوی الفروض اور عصباء موجود نہ ہوں، ان دونوں کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

بہر کیف حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ذوی الارحام کے وارث ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وَذِكْرُ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا الْوَلَاءُ فِي بَابِ قَبْلِ بَابِ السَّلَامِ وَسَنَدُ كُرْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ الْخَالَةِ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ فِي بَابِ بُلُوغِ الصَّغِيرِ وَحَصَانَتُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت عائشہؓ کی روایت اِنَّمَا الْوَلَاءُ الْخِ بَابِ السَّلَامِ سے پہلے باب میں نقل کی جا چکی ہے اور حضرت براءؓ کی روایت الخالة بمنزلة الام الخ انشاء اللہ باب بلوغ الصغیر و حضانتہ میں ذکر کی جائے گی۔“

الفصل الثانی

مسلم، غیر مسلما کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوتا

⑥ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ الْمِلَتَيْنِ شَتَّى رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ۔

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو مختلف مذہب کے لوگوں کے درمیان وراثت قائم نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نہ تو مسلمان، غیر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، اور نہ غیر مسلمان، مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

اپنے مورث کا قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قتل کرنے والا وارث نہیں ہو سکتا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کر دے وہ اس کی میراث پانے سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ اس بارہ میں تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

جده کا چھٹا حصہ ہے

⑧ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ الشُّدُسَ إِذَا لَمْ تَكُنْ ذُوْنَهَا أُمٌّ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت بريدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جدہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جب کہ ماں اسے محبوب نہ کر دے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میت کی ماں زندہ ہوگی تو اس کی وجہ سے میت کی جدہ محروم ہو جائے گی۔ ہاں اگر میت کی ماں زندہ نہ ہوگی تو اس کے ترکہ میں سے جدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہاں جدہ کے عام معنی یعنی دادی اور نانی دونوں مراد ہیں۔

زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَهْلَ الصَّبِيُّ صَلَّى عَلَيْهِ وَوَرِثَ۔

(رواہ ابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر بچہ نے کوئی آواز نکالی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے وارث قرار دیا جائے۔“ (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”آواز نکالنے سے مراد“ علامت زندگی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائش کے وقت ماں کے پیٹ سے آدھے سے زیادہ نکلا اور اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی گئی ہاں طور کہ اس کے منہ سے آواز نکلی، یا سانس لیا، یا چھینکا اور یا اس کا کوئی عضو ہلا اور پھر وہ مر گیا تو اس بچہ کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کو وارث قرار دے کر اس کا ورثہ بھی تقسیم کیا جائے۔

اب حدیث کی اس وضاحت کی روشنی میں یہ مسئلہ جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا وارث ماں کے پیٹ میں ہو تو اس کی میراث رکھ چھوڑی جائے پھر اگر وہ زندہ پیدا ہوا تو وہ وارث قرار پائے گا اور اس کی میراث اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر وہ زندہ پیدا نہ ہوا تو پھر وارث نہیں ہوگا اور وہ میراث دوسرے وارثوں کو مل جائے گی۔

ابتداء اسلام کا ایک حکم

⑩ وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت کثیر ابن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ تابعی) اور وہ کثیر کے دادا (یعنی اپنے والد حضرت عمرو ابن عوف مزیٰ صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”کسی قوم کا مولیٰ اسی قوم میں سے ہے، کسی قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے اور کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے۔“ (دارمی)

تشریح: پہلی فصل میں حضرت انسؓ کی جو روایت (۴) گزری ہے اس کی تشریح میں ”مولیٰ کی وضاحت کی جا چکی ہے“ کسی قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں قسم و حلف کے ذریعہ یہ باہمی عہد و اقرار کر لیتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے رنج و راحت اور موت و حیات میں شریک رہیں گے ایک کا خون دوسرے کا خون ہوگا، ایک کی صلح دوسرے کی صلح ہوگی، اور ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ ہوگی، ہم میں سے کسی پر کوئی تاوان لازم ہوگا تو دوسرا ادا کرے گا، اسی طرح ایک دوسرے کی میراث کے بارے میں بھی ایک دوسرا یہ اقرار کرتا تھا کہ میں تمہارا وارث ہوں گا اور تم میرے وارث ہو گے، چنانچہ میراث کے سلسلہ میں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، مگر جب قرآن کریم میں وراثت کا ایک واضح ضابطہ نازل کیا گیا اور ورثاء اور ان کے حصے متعین و مقرر کر دیئے گئے تو یہ پرانا دستور بھی ختم ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی منسوخ ہو گیا۔ ”اور کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے“ اس کی وضاحت بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت (۵) کی تشریح کے تحت کی جا چکی ہے۔

ماموں اپنے بھانجے کا ذی رحم وارث ہوتا ہے

⑪ وَعَنْ الْمُقَدِّمِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَرَكَ دِينًا أَوْ ضَيْعَةً فَلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَأَنَا مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ أَرِثَ مَالَهُ وَأَفْلَكَ عَانَهُ وَالْخَالُ وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ يَرِثُ مَالَهُ وَيَفْلُكُ عَانَهُ وَفِي رِوَايَةٍ وَأَنَا وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ أَعْقِلُ عَنْهُ وَارِثُهُ وَالْخَالُ وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ يَفْعَلُ عَنْهُ وَيَرِثُهُ۔

(رواہ البورادری)

”اور حضرت مقدمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں ہر مؤمن کے حق میں خود اس سے زیادہ عزیز و خیر خواہ ہوں لہذا جو شخص اپنے ذمہ عیال یا قرض چھوڑ کر مرے تو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کے عیال کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ اور میں اس شخص کا کارساز (یعنی منظم) ہوں جس کا کوئی کارساز نہیں چنانچہ میں اس کے مال کا وارث ہوتا ہوں اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہوں (یعنی اس کی زندگی میں اس پر جو خون بہا لازم ہوا تھا اور وہ خون بہا ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کی وجہ سے چونکہ اس کا نفس عالم برزخ میں ایک قیدی کی طرح نختیوں میں مبتلا ہے اس لئے میں اس کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اسے نجات دلاتا ہوں) اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ میت کی میراث پاتا ہے اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہے (یعنی جس شخص کے ذوی الفروض اور عصبی وارث نہیں ہوتے اس کا ماموں کہ جو اس کے ذوی الارحام میں سے ہے اس کا وارث ہوتا

ہے چنانچہ وہ میت کا ترکہ پاتا ہے اور اس پر جو خون بہا وغیرہ لازم تھا اس کو ادا کر کے اس کی روح کو عالم برزخ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے) ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”میں اس شخص کا وارث ہوتا ہوں جس کا کوئی وارث نہیں چنانچہ میں اس کی طرف سے اس کا خون بہا ادا کرتا ہوں اور اس کا وارث ہو جاتا ہوں (یعنی اس کا ترکہ اپنی نگرانی میں لے کر بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں) اور جس شخص کا (ذوی الفروض و عصباء میں سے) کوئی وارث نہیں ہوتا تو (ذوی الارحام میں سے) اس کا ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جو اس کی طرف سے خون بہا ادا کرتا ہے اور اس کی میراث پاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

عورت کن تین آدمیوں کی میراث پاتی ہے؟

(۱۲) وَعَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْزُزُ الْمَرَأَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ عَيْنُهَا وَلَقِيطُهَا وَوَلَدُهَا الَّذِي لَا عَتَقَ عَنْهُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد)

”اور حضرت وائلہ ابن اسقع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورت تین آدمیوں کی میراث لیتی ہے، ایک تو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی، دوسرے اپنے لقیط کی اور تیسرے اپنے بچے کی جس کی وجہ سے لعان ہوا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی“ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے کسی غلام کو آزاد کیا اور وہ آزاد شدہ غلام اس حالت میں مرا کہ اس کا کوئی نسبی عصبہ نہیں تھا تو جس طرح ایک مرد اس صورت میں اپنے آزاد شدہ غلام کا وارث ہوتا اسی طرح یہ عورت بھی اپنے اس آزاد شدہ غلام کی میراث پائے گی۔

”دوسرے اپنے لقیط کی“ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی عورت نے کہیں راستہ میں پڑا ہوا کوئی بچہ پایا اور اسے پالا پوسا، تو اب یہ عورت اس کی وارث ہوگی کہ اس لقیط کے مرنے کے بعد اس کی میراث پائے گی، چنانچہ حضرت اسحاق ابن راہو کا یہی مسلک ہے۔ لیکن دوسرے علماء کا یہ مسلک ہے کہ ملقب (یعنی لقیط کو اٹھانے والا) حق ولاء نہیں رکھتا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی بچہ کو اٹھالے اور اسے پالے پوسے تو وہ اس کی وارث نہیں ہوتی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی لا ولاء لہا الا ولاء العتاقۃ کے ذریعہ لقیط کے حق ولاء کو آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص کیا ہے چنانچہ ان علماء کے نزدیک یہ حکم کہ ”عورت اپنے لقیط کی وارث ہوتی ہے“ منسوخ ہے۔

البتہ قاضیؒ نے اس حکم کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے پیش نظر اس کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ قاضیؒ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ لقیط کا چھوڑا ہوا مال و اسباب بیت المال کا حق ہے، ہاں جس عورت نے لقیط کو اٹھایا اور اسے پالا پوسا وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات کی زیادہ مستحق اور اولیٰ ہے کہ بیت المال کی طرف سے وہ مال جو اس لقیط نے چھوڑا ہے۔ اس عورت پر صرف کیا جائے۔

”لعان“ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا ہے، اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور وہ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں، اس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ باب اللعان میں آئے گا، لہذا جس بچہ کے پیدا ہونے میں لعان ہوا ہے۔ اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ وہ بچہ اور باپ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ وراثت کا تعلق نسب سے ہوتا ہے جو اس صورت میں منقطع ہوتا ہے البتہ اس بچہ کا نسب چونکہ ماں سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ بچہ اور ماں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ولد الزنا کا بھی یہی حکم ہے۔

ولد الزنا کا حکم

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيْمَارُ جُلِّ عَاهَرُ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ

فَالْوَلَدُ وَلَدُ زَيْنَا لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد حضرت شعیبؓ اور حضرت شعیبؓ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو (اس کے نتیجے میں) جو بچہ پیدا ہو گا وہ ولد الزنا (حرامی بچہ) کہلائے گا، وہ بچہ نہ کسی کا وارث ہو گا اور نہ اس کی میراث کسی کو ملے گی۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے اقرباء کی کوئی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ ولد الزنا اور زنا کرنے والے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اسی طرح زنا کرنے والا بھی اپنے ولد الزنا کا وارث نہیں ہوتا اور نہ اس کے اقرباء اس کی میراث پاتے ہیں اس کے برعکس ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ولد الزنا اپنی ماں کی میراث پاتا ہے۔

آزاد شدہ غلام کی میراث

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ مَوْلَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدْعُ حَمِيمًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْطُوا مِيرَاثَهُ وَجَلَاءَ مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ایک آزاد کیا ہو غلام مر گیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا لیکن نہ تو اس نے کوئی ناطے دار چھوڑا اور نہ فرزند جو (اس کے ترکہ کا وارث ہوتا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا چھوڑا ہوا مال اس کی بستی کے کسی آدمی کو دے دو۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: چونکہ اس آزاد شدہ غلام نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا اس لئے اس کے ترکہ کا حقدار بیت المال تھا اور بیت المال کا مصرف چونکہ فقراء و مساکین وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے مال کو اس کی بستی کے کسی محتاج و مستحق کو دے دینا مناسب سمجھا۔

انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے

یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ آزاد شدہ غلام کے اگر عصباء نسبی نہیں ہوتے تو اس کا حق ولاء اس کو آزاد کرنے والے کو پہنچتا ہے یعنی اس کے مرنے کے بعد اس کو آزاد کرنے والا اس کی میراث کا مالک بنتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ غلام مر گیا اور اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا۔ تو اس کی میراث آنحضرت ﷺ کو ملنی چاہئے تھی۔ لیکن انبیاء چونکہ کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کوئی شخص انبیاء کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس آزاد شدہ غلام کی میراث آپ ﷺ نے خود نہیں لی۔ بیت المال کے مصرف میں دے دی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کسی کے وارث کیوں نہیں ہوتے اور ان کی میراث کسی کو کیوں نہیں ملتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی بے ثباتی، دنیا کے مال و اسباب سے بے تعلقی اور دنیا کی خواہشات سے اجتناب کی صرف تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنی تعلیم پر خود عمل بھی کرتے تھے اور دنیا داری کی کوئی چیز ان کے لئے اہمیت نہیں رکھتی تھی چنانچہ ان کی حقیقت شناس نظر پر چونکہ غفلت کا پردہ نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حقیقی مالک و متصرف ہونے کا مشاہدہ اور کامل یقین ان کو حاصل ہوتا تھا، دنیا کے مال و اسباب کے مستعار ہونے اور دنیا میں انسان کی مسافرانہ حالت کا نقشہ ان کے پیش نظر رہتا تھا اس لئے انہیں نہ تو دنیا کے مال و اسباب اور یہاں کے ساز و سامان سے کوئی دلچسپی ہوتی تھی اور نہ انہیں یہ خواہش ہوتی تھی کہ ہمارے فلاں عزیز و رشتہ دار کا متروکہ ہمیں مل جائے

اور نہ ہی اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت انہیں اپنے مال و اسباب کے چھوٹنے کا کوئی افسوس ہوتا تھا کیونکہ اول تو انبیاء کے پاس دنیا کا مال و اسباب ہوتا ہی کیا تھا اور جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا بھی تھا تو اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی لہذا انبیاء کی اس شان کے پیش نظر قانون الہی نے یہ فیصلہ نافذ کیا انبیاء اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو تھوڑا بہت سامان و اسباب چھوڑ جاتے وہ بھی کسی کی وراثت نہیں ہوگا اور نہ انبیاء اپنی زندگی میں اپنے اقرباء کی میراث سے کوئی حصہ لیں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کی شان ان الفاظ میں ظاہر فرمائی:

إِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً۔

”یعنی ہم نبیوں کے مال و اسباب میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“

جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال کے مصرف میں دے دیا جائے

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنْ خُرَاعَةَ فَأَتَتْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيرَاثِهِ فَقَالَ التَّمَسُّوْا لَهُ وَارِثًا أَوْ ذَارِجِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ وَارِثًا وَلَا ذَارِجِمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَوْهُ الْكُفْرَ مِنْ خُرَاعَةَ زَوَاهُ أَبُو ذُوْدُوْفٍ رَوَايَةً لَهُ قَالَ أَنْظُرُوا أَكْبَرَ رَجُلٍ مِنْ خُرَاعَةَ۔

”اور حضرت بريدہ کہتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص مر گیا تو اس کی میراث نبی کریم ﷺ کے پاس لائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کوئی وارث تلاش کرو۔ (یعنی پہلے تو ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث ڈھونڈو اگر ان میں سے کوئی وارث نہ ملے تو چاہے کوئی ذی رحم ہی وارث ہو، چنانچہ (تلاش کے بعد) نہ تو (ذوی الفروض اور عصبات میں سے) کوئی وارث پایا گیا اور نہ ذی رحم اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی میراث قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دے دو (ابوداؤد)“ اور ابوداؤد ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے شخص کو دیکھو (اور اس کو یہ میراث دے دو)۔“

تشریح: اس حدیث کی وضاحت بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے کہ اس شخص کا چونکہ کوئی بھی وارث نہیں تھا اس لئے اس کے ترکہ کو بیت المال میں داخل کیا جاتا لہذا آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا ترکہ اس کے قبیلہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دے دیا جائے کیونکہ ایسا شخص بیت المال کا مصرف بھی ہے اور اس کے قبیلہ کا ایک فرد ہونے اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ مستحق بھی ہے۔

میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تعمیل پر مقدم ہے

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّكُمْ تَقْرَوْنَ هَذِهِ الْآيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تَوْصُونَ بِهَا أَوْ ذِينَ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالذَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَإِنَّ أَغْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ ذُوْنَ بَنِي الْعَلَاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبْنَيْهِ وَأُمُّهُ ذُوْنَ أَخِيهِ لِأَبْنَيْهِ۔ رواه الترمذی وابن ماجه وفى رواية الدارمی: قال ”الاحوة من الأم يتوارثون دون بنى العلات إلى آخره۔“

”اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ (ایک دن) انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تَوْصُونَ بِهَا أَوْ ذِينَ جب کہ نبی کریم ﷺ نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ حکم بھی صادر فرمایا ہے کہ حقیقی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے بھائی (یعنی حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں سوتیلے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا) اور یہ کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے۔ نہ کہ سوتیلے بھائی کا (یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے) (ترمذی، ابن ماجہ) اور دارمی

کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”وہ بھائی جو ماں میں بھی شریک ہوں (یعنی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں) کہ جنہیں حقیقی بھائی کہتے ہیں) وارث ہوتے ہیں نہ کہ وہ بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں (یعنی سوتیلے بھائی) آگے حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔“

تشریح: حدیث میں مذکورہ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پوری کرنے کے بعد اور اگر اس کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے ورثاء کو اس کی میراث تقسیم کی جائے گی۔ گویا آیت کریمہ میں بظاہر وصیت کی تعمیل کو قرض کی ادائیگی پر مقدم کیا گیا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ وصیت کی تعمیل سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ اسی بارہ میں حضرت علیؑ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو کیا اس کی مراد بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ گویا اس طرح حضرت علیؑ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی اس آیت اور آنحضرت ﷺ کے فعل میں کوئی تضاد نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ آیت کریمہ میں چونکہ وصیت کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے وصیت کی تعمیل قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے بلکہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آیت میں الفاظ کے اعتبار سے قرض کی ادائیگی کو اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت اور حکم کے اعتبار سے یہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حکم کے ذریعہ اس کو واضح کر دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ پھر آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے کیوں ہے؟ تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ میت کی وصیت کی تعمیل چونکہ گراں گزر سکتی ہے اور اس میں کوتاہی ہو سکتی ہے اس لئے وصیت کے ذکر کو مقدم کر کے یہ آگاہی دی گئی ہے کہ میت کی تعمیل کو آسان اور غیر ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک اہم اور ضروری چیز سمجھ کر پورا کیا جائے۔

آیت میراث کا شان نزول

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قَتَلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تَنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ فَزَلْتُ آيَةَ الْمِيرَاثِ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمَّتِهِمَا فَقَالَ اعْطِي لَابْنَتَيْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ وَأَعْطِي أُمَّهُمَا الثَّمَنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ زَوْاهُ التَّزْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التَّزْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن ربیعؓ کی زوجہ اپنی دونوں بیٹیوں کو جو حضرت سعد ابن ربیعؓ سے تھیں، لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ یہ دونوں بیٹیاں سعد ابن ربیعؓ کی ہیں، ان کا باپ جو غزوہ احد کے دن آپ کے ہمراہ تھا، میدان جنگ میں شہید ہو گیا اور ان کا مال ان کے چچا نے لے لیا ہے (یعنی ان کے باپ کا جو ترکہ ان لڑکیوں کو پہنچتا وہ زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق سعد کے بھائی نے لے لیا ہے) اور ان کے لئے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا ہے، اب تا وقتیکہ ان کے پاس مال نہ ہو ان سے کوئی نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”(کچھ دنوں کے لئے صبر کرو) ان لڑکیوں کے معاملہ کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا (یعنی ان کے بارہ میں جب کوئی وحی نازل ہوگی تو فیصلہ ہوگا) چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) آیت میراث یعنی یوحیٰ حکم اللہ فی اولاد کم الخ نازل ہوئی تو آپ نے کسی کو ان لڑکیوں کے چچا کے پاس بھیجا (اور بلا کر کہا کہ سعدؓ کی بیٹیوں کو) سعدؓ کے ترمہ میں سے) دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو کچھ باقی بچے وہ تمہارا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے اور اسلام کا اجالا پھیلنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ میت کا ترکہ صرف

وہی مرد لیتے تھے جو پورے مرد، جوان اور میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوں، عورتوں بچوں، ضعیفوں کو میراث نہیں ملتی تھی، مفلس و بے کس بیوہ، معصوم و یتیم بچے اور قابل رحم لڑکیاں روتی چلاتی رہ جاتیں مگر ان کی پرواہ کئے بغیر جوان اور قوی و مال دار بچا اور بھائی آتے اور میت کا سب مال لے جاتے، ظلم و ستم کا یہ طریقہ رائج تھا کہ آنحضرت ﷺ بیواؤں یتیموں، مسکینوں، لڑکیوں اور لاپچاروں کے ماواو ملجا اور ان کے ہمدرد و غم گسار بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور اسلام کا نور ہر ظلم، ہر ستم ہر برائی اور ہر نا انصافی کے اندھیرے کو مٹاتا رہا، یہاں تک کہ میراث کے معاملہ میں عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کو ختم کرنے کا وقت بھی آپہنچا چنانچہ عورتوں کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک صحابی حضرت اوس ابن ثابت انصاریؓ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے پسماندگان میں ایک زوجہ اُم کمحہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں (بعض روایات میں یہ ہے کہ دو بیٹیاں اور ایک چھوٹا لڑکا تھا) حضرت اوسؓ نے اپنے مال و اسباب کا جن دوا دمیوں کو کار پرداز اور وصی بنایا تھا۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت کے رائج طریقہ کے مطابق اوسؓ کا کل مال ان کے چچا زاد بھائی (یا بعض روایات کے مطابق ان کے دو حقیقی بھائیوں) خالد اور عرفطہ کو دے دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوسؓ کی یکس بیوہ اور ان کی معصوم بچیاں روتی رہ گئیں مگر انہیں کچھ نہ ملا ظاہر ہے کہ ایسے بے کس و لاپچار اور غریب مسلمانوں کا ہمدرد و مددگار اور چارہ گر رحمت دو عالم ﷺ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا وہ پریشان حال اور گھبرائی ہوئی دربار رسالت میں دوڑی آئیں اور عرض کیا کہ شوہر کے کار پردازوں نے نہ مجھ کو کچھ دیا نہ میری بیٹیوں کو جو کچھ تھا خالد اور عرفطہ کو دے کر یکسو ہو گئے، اب ہمارا کیا ہوگا؟ یہ حال زار سن کر آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا۔ مگر فوری طور پر آپ ﷺ کچھ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ خود مختار حاکم اور خدا کی خدائی میں شریک تو تھے نہیں اس لئے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کیسے فرما سکتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ نے اوسؓ کی زوجہ کو تسلی دے کر فرمایا کہ اب تو اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اس معاملہ میں جب تک خدا کی طرف سے کوئی فیصلہ صادر ہو، انتظار اور صبر کرو، چنانچہ آپ ﷺ احکم الحاکمین کے حکم و فیصلہ کے انتظار میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء: ۷)

”مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ قطعی۔“

اس آیت کے نازل ہونے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میراث کے معاملہ میں عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ آج تک جو نا انصافی ہو رہی تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے اور ترکہ و میراث میں صرف مردوں ہی کا حق نہیں ہے بلکہ عورتوں کا بھی حق ہے، لیکن بہر حال آیت مجمل تھی کہ اس میں صرف عورتوں کا حق ثابت کیا گیا تھا۔ ابھی یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ ترکہ میں مردوں کا کیا حصہ ہے اور عورتوں کو کتنا حصہ ملے گا۔ اسی لئے اس حکم الہی کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے اوسؓ کے کار پردازوں کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے میراث میں عورتوں کا بھی حق مقرر فرمایا ہے لیکن ابھی تک مقدار اور حصہ مقرر نہیں فرمایا ہے اس لئے تم اوسؓ کے مال کو حفاظت سے رکھنا اس میں سے ایک جبہ بھی خرچ نہ کرنا عنقریب ہی کوئی ایسا حکم نازل ہونے والا ہے جس میں حصوں کا تعین کیا جائے گا چنانچہ اس قصہ کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ واقعہ پیش آیا جو مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ قبیلہ خزرج کے ایک جلیل القدر انصاری صحابی حضرت سعد ابن ربیعؓ میں احد کی مشہور لڑائی میں بارہ زخم کھا کر شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے زمانہ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق حضرت سعدؓ کے کل مال پر قبضہ کر لیا اور زوجہ اور دونوں بیٹیاں محروم رہ گئیں، اس طرح حضرت سعدؓ کی زوجہ دربار رسالت میں حاضر ہوئیں اور اس نا انصافی کے خلاف مرافعہ پیش کیا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کچھ دن صبر کرو، اللہ تعالیٰ عنقریب آخری اور قطعی فیصلہ صادر فرمانے والا ہے، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی۔

يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِيْ اَوْلَادِكُمُ لِلَّذِيْكَ مِنْ حَظِّ الْاُنْثَىٰ خِ- (آخری رکوع تک، النساء ۴: ۱۱)

”یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے الخ۔“

اس آخری فیصلہ کے بعد جب تمام ورثاء کے حصوں کا تعین ہو گیا تو آپ ﷺ نے سعد ابن ربیعؓ کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ حکم الہی کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اس کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ تم لے لو۔ یعنی سعدؓ نے جو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کر لو پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو دو، تین حصے ان کی ماں کو دو اور باقی پانچ حصے تم لے لو اس طرح اس تقسیم کو یوں ظاہر کریں گے۔

میسہ ۲۳
میسہ
بنت ۸ بنت ۸ زوجہ ۳ اخ ۵

بٹی، پوتی اور بہن کے حصے

①۸ وَعَنْ هُرَيْثِ بْنِ شَرَحْبِيلٍ قَالَ سَأَلَ أَبُو مُوسَى عَنِ ابْنَةِ وَبْنَتِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبْنَتِ التَّصْفُفُ وَلِلْأُخْتِ التَّصْفُفُ وَأَبْتُ ابْنِ مَسْعُودٍ فَسَيِّئًا بِغَيْرِي فَسَيَّلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأَخْبَرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذْ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَهْتِدِينَ أَقْضَىٰ فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبْنَتِ التَّصْفُفُ وَلِلْبْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةُ الثَّلَاثِينَ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِينَكُمُ- (رواہ البخاری)

”اور حضرت ہزئل ابن شرحبیلؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ (صحابی) سے یہ سوال کیا گیا کہ (مثلاً زید مر گیا اور اس کے وارثوں میں) ایک بٹی ایک پوتی اور ایک بہن ہے (توزید کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟) حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا کہ (زید کا ترکہ) آدھا بٹی کو اور آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم رہے گی) پھر حضرت ابو موسیٰؓ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ (اور ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھو) وہ بھی میرے اس جواب سے اتفاق کریں گے (یعنی اس مسئلہ کا جو جواب میں نے دیا ہے یہی جواب وہ بھی دیں گے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا اور اس کا جو جواب حضرت ابو موسیٰؓ نے دیا تھا وہ بھی انہیں بتایا گیا، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے (مسئلہ اور حضرت ابو موسیٰؓ کا جواب سن کر) کہا کہ ایسی صورت میں (یعنی ابو موسیٰؓ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی فتویٰ اگر میں بھی دوں تو) میں گمراہ سمجھا جاؤں گا اور اپنے کوراہ ہدایت پر نہ پاؤں گا، لہذا اس مسئلہ میں، میں وہی فیصلہ دوں گا جو رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ بٹی کو آدھا ملے گا اور دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا (یعنی میت کے ترکہ میں سے دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو تہائی ملنا ہے اب چونکہ بٹی ایک ہے اور اس کو آدھا حصہ ملا ہے تو پوتی کو چھٹا حصہ دے کر دو تہائی پورا کر دیا جائے گا) اور جو کچھ باقی بچے (یعنی ایک تہائی) وہ بہن کا ہے (یعنی اس حدیث ”بیٹوں کی موجودگی میں بہن کو حصہ قرار دو“ کے مطابق بہن حصہ ہو کر باقی ماندہ ترکہ لے لے گی چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسئلہ (ہے) راوی کہتے ہیں کہ (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ جواب سن کر) ہم حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آئے اور انہیں حضرت ابن مسعودؓ کے جواب سے آگاہ کیا حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ (مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے کیونکہ ابن مسعودؓ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی صحیح اور حق ہے لہذا) جب تک تمہارے درمیان یہ عالم (یعنی ابن مسعودؓ) موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ میت کے کل ترکہ کے چھ حصے کر کے اس طرح تقسیم کرو یعنی لڑکی کو تین حصے، پوتی کو ایک حصہ اور بہن کو دو حصے دو۔

دادا کا حصہ

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي مَاتَ فَمَالِي مِنْ مِيرَاثِهِ قَالَ لَكَ الشُّدُسُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ قَالَ لَكَ شُدُسٌ آخَرَ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ قَالَ إِنَّ الشُّدُسَ الْآخَرَ طُعْمَةٌ لَكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”چھٹا حصہ“ جب وہ جواب سن کر واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ ”تمہیں چھٹا حصہ اور ملے گا“ پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے بلایا اور کہا کہ ”یہ آخر کا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: ”یہ آخر کا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ پہلا چھٹا حصہ تو تمہارے ذی فرض ہونے کی وجہ سے تمہیں ملا اور یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارے عصبہ ہونے کی حیثیت سے تمہیں ملا ہے، اس طرح اس شخص کو گویا کل ترکہ میں سے تہائی ملا مگر آپ ﷺ نے یکبارگی اسے تہائی نہیں دیا تاکہ وہ یہ گمان نہ کر لے کہ پوتے کے ترکہ میں سے دادا کا حصہ ذی فرض ہونے کی حیثیت سے تہائی ہی ہوتا ہے۔ یہ تو حدیث کی وضاحت تھی اب مسئلہ کی نوعیت سمجھئے جو یہ تھی کہ ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے وارثوں میں دو بیٹیاں تھیں۔ اور ایک یہ سائل یعنی دادا تھا، چنانچہ میت کے ترکہ میں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملا باقی ایک تہائی میں سے آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ تو دادا کو ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ملا اور جو آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ بچا وہ بھی دادا ہی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل گیا گویا ترکہ کی تقسیم یوں ہوئی۔

میراث

میراث

بنت بنت

حدیث بالغرض والعصبت

جدہ کا حصہ

(۲۰) وَعَنْ قَبِيصَةَ بِنِ ذُوَيْبٍ قَالَ جَاءَتْ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَالِكٌ فِي كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ وَمَالِكٌ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فَأَرَجَعْنِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا الشُّدُسَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مِثْلُ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتْ الْجَدَّةُ الْآخَرَى إِلَى عُمَرَ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذَلِكَ الشُّدُسُ فَإِنْ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَإِنْ تَكْتُمَا خَلَّتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا۔ (رواه مالک و احمد و الترمذی و ابوداؤد و الدارمی و ابن ماجہ)

”اور حضرت قبیصہ ابن ذویبؓ کہتے ہیں کہ (ایک متوفی شخص کی) جدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے اس سے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر کیا گیا ہے (یعنی مجھے جو حدیثیں یاد ہیں ان میں سے کسی حدیث میں جدہ کا کوئی ذکر نہیں ہے) اس لئے اب تم واپس جاؤ میں پھر لوگوں سے (یعنی علماء صحابہؓ سے) پوچھوں گا (شاید ان میں سے کسی کو جدہ کے حصہ کے بارے میں) آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد معلوم ہو) چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا کہ میں (ایک دن)

رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا (تو میں نے دیکھا) کہ آپ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلویا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت مغیرہ سے کہا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور شخص بھی تمہارے ساتھ تھا؟ (یعنی حضرت ابو بکرؓ نے بطور احتیاط ان سے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص نے بھی رسول کریم ﷺ سے یہ حکم سنایا دیکھا ہے؟) چنانچہ (ایک اور صحابی) حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے (حضرت مغیرہ کے قول کی تائید کی یعنی انہوں نے) وہی کہا جو حضرت مغیرہؓ نے کہا تھا حضرت ابو بکرؓ کو (جب اطمینان ہو گیا کہ میت کے ترکہ میں سے جدہ کا بھی حصہ ہے تو انہوں نے) اس جدہ کو (میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے جانے کا فیصلہ کر دیا۔ پھر دوسری جدہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا وہی چھٹا حصہ تمہارے لئے بھی ہے، اگر تم دو ہو تو وہ چھٹا حصہ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور اگر تم میں سے کوئی ایک ہے تو وہ چھٹا حصہ اس ایک کے لئے ہو گا۔“

(مالک، احمد، ترمذی، ابو داؤد، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: ”جدہ“ دادی کو بھی کہتے ہیں اور نانی کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ تو میت کی نانی تھی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ اس میت کی دادی تھی، جیسا کہ ایک اور روایت میں یہ وضاحت موجود ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں جدہ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے خواہ ایک ہو یا کئی ہوں، اگر ایک جدہ ہوگی تو وہ اس چھٹے حصہ کی تہا مالک ہوگی اور اگر کئی ہوں گی تو اس چھٹے حصہ کو سب آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیں گی، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے وہ چھٹا حصہ تہا ایک جدہ یعنی نانی کو دینے جانے کا حکم دیا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میت کی دوسری جدہ یعنی دادی بھی موجود ہے لیکن حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میت کی دوسری جدہ بھی ہے تو انہیں نے یہ حکم دیا کہ اس چھٹے حصہ میں دونوں جدہ شریک ہوں۔

باپ کی موجودگی میں دادی کو چھٹا حصہ دلوائے جانے کا ایک خاص واقعہ

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنَيْهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدْسًا مَعَ ابْنَيْهَا وَابْنَتَهَا حَتَّى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ضَعُفَهُ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس جدہ کے بارے میں جس کا بیٹا موجود ہو یہ کہا کہ (میراث دلوائی جانے والی) وہ پہلی جدہ تھی جسے رسول کریم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں اسے چھٹا حصہ دلویا تھا اور اس کا بیٹا زندہ تھا۔ (ترمذی، دارمی) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص دادی اور باپ چھوڑ کر مرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے ترکہ میں سے دادی کو چھٹا حصہ دلویا باوجودیکہ اس کا بیٹا یعنی میت کا باپ موجود تھا۔ حالانکہ علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو اس کے ترکہ میں سے دادی کو کچھ نہیں ملتا، گویا دادی اپنے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں پوتے کے ترکہ سے محروم رہتی ہے، مذکورہ بالا حدیث پر علماء نے اس لئے عمل نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، دلیل کے طور پر صحیح حدیث ہی اختیار کی جاسکتی ہے۔ یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک خاص صورت تھی جس میں آپ نے جدہ کو اس کے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں تبرعاً یعنی ازراہ احسان حصہ دلویا تھا، بطریق میراث نہیں دلویا تھا۔

خون بہا کا مال مقتول و رثاء کو ملتا ہے

(۲۲) وَعَنْ الصَّحَّاحِ بْنِ شَفِيَّانَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِثَ امْرَأَةً أَشِيمَ الضَّبَابِي مِنْ دِيَةِ رَوْحِهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت ضحاکؓ ابن سفیان سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خون بہا میں سے میراث دی جائے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اشیم ضبابی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قتل کر دیئے گئے تھے لیکن یہ قتل قصداً نہیں ہوا تھا بلکہ خطا ہوا تھا، چنانچہ جس شخص کی خطا اور غلطی سے وہ قتل ہو گئے تھے، اس پر خوں بہا واجب ہوا۔ اور جب اس نے خون بہا ادا کیا تو آپ ﷺ نے ضحاک کو لکھا کہ مقتول یعنی اشیم ضبابی کے خوں بہا کے طور پر جو مال حاصل ہوا ہے اس میں سے اس کی بیوی کو میراث دے دی جائے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دیت پہلے تو مقتول کے لئے واجب ہوتی ہے پھر اس دیت میں حاصل ہونے والا مال مقتول کی دوسری املاک کی طرح اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورت اپنے خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال کی وارث نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت ضحاکؓ نے ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی اور یہ ثابت کیا کہ خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال میں سے اس کی بیوی کو میراث ملتی ہے۔

موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۳) وَعَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الشُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلَى يَدَي رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ اس مشرک کے بارہ میں کیا حکم ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو (یعنی وہ مسلمان اس کو مسلم کامولی ہوتا ہے یا نہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمان (جس کے ہاتھ پر وہ مشرک اسلام لایا ہے) اس کی زندگی میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور مرنے کے بعد بھی سب سے زیادہ حقدار وہی ہے (یعنی وہ مسلمان اس کو مسلم کامولی ہے)۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، داری)

تشریح: حضرت تمیم داریؓ ایک جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں، یہ پہلے عیسائی تھے، پھر اللہ نے انہیں ہدایت بخشی اور وہ میں مشرف باسلام ہوئے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زندگی خوف خدا اور عبادت گزاری سے اس قدر معمور ہوئی کہ شب بیداری جیسے عظیم وصف میں امتیازی حیثیت کے مالک ہوئے رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے، اتفاق سے ایک رات تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے تو اپنے نفس کو اس کی اس طرح سزا دی کہ پورے ایک برس تک مسلسل سوئے نہیں۔ حضرت تمیم داریؓ کو ایک تاریخی امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسجد میں چراغ روشن کیا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ مسلمان اس کو مسلم کامولی ہو جاتا ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا کہ موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ”وہ سب سے زیادہ حقدار ہے“ کی مراد یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے پر یہ حق سب سے زیادہ ہے کہ وہ اس کو مسلم کی زندگی میں تو اس کی اعانت و خیر خواہی کرے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے۔

آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا غَلَامًا كَانَ أَعْتَقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَهُ

أَحَدٌ؟ قَالُوا لَا إِلَّا غُلَامٌ لَهُ كَانَ آعْتَقَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ لَهُ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک ایسا شخص مر گیا جس نے اپنے ایک غلام کے علاوہ کہ جسے وہ آزاد کر چکا تھا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کوئی وارث نہیں ہے، البتہ ایک غلام ہے جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اس میت کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دلا دی۔“

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والا کا وارث نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آزاد شدہ غلام کو اس کے آزاد کرنے والے کی میراث ازراہ تبرع (احسان کے طور پر) دلائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث (۱۳) میں گزرا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لاوارث میت کی میراث کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی میراث اس کی بستی کے کسی شخص کو دے دو، چنانچہ اس موقع پر جو وضاحت کی گئی تھی وہی وضاحت یہاں بھی ہے۔

حضرت شریحؒ اور حضرت طاووسؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر کہا ہے کہ جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے اسی طرح آزاد شدہ غلام بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہو سکتا ہے۔

ولاء کی وراثت کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءُ مِنْ يَرِثُ الْمَالِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِي۔

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مال کا وارث ہوتا ہے وہ ولاء کا بھی وارث ہوتا ہے“ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔“

تشریح: آزاد شدہ غلام کے مال کو ”ولاء“ کہتے ہیں۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً زید کا باپ مر گیا پھر اس کے بعد اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام یا اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام مرا تو اب یہ شخص یعنی زید اس کے مال کا وارث ہو گا کیونکہ جس طرح یہ اپنے باپ کی دیگر املاک کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اپنے باپ کے ولاء کا بھی وارث ہے۔ لیکن یہ حکم صرف عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو عصبہ وارث (مثلاً بیٹا) بنفسہ ہونے کی حیثیت سے میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی عصبہ ولاء کا وارث ہو گا لہذا آزاد کرنے والے کی بیٹی اپنے باپ کے ولاء کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اگرچہ وہ اپنے باپ کے مال کی وارث ہوتی ہے مگر عصبہ نہیں ہوتی بلکہ عصبہ بنفسہ تو صرف مرد ہوتے ہیں عورتیں عصبہ بنفسہ نہیں ہوتیں، ہاں عورت ایسے آزاد شدہ غلام کے مال کی تو وارث ہوتی ہے جسے اس نے خود آزاد کیا ہو یا اس کو اسکے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام لانے سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی ہے اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی

(۲۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلَى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ فَهُوَ عَلَى قِسْمَةِ الْإِسْلَامِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے وہ زمانہ جاہلیت ہی کی تقسیم

کے مطابق رہے گی اور جس میراث نے اسلام کا زمانہ نہ پایا وہ اسلام ہی کے مطابق تقسیم ہوگی۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی جس کو جتنا مل چکا ہے وہ اتنے ہی کا مالک رہے گا، اگر اس زمانہ میں کسی کے پاس زیادہ چلا گیا ہے تو اب اس کی واپسی ضروری نہیں ہے اور اگر کسی کو کم حصہ ملا ہے تو اسے باقی کے مطابق کا حق پہنچتا، ہاں اسلام لانے کے بعد جو بھی میراث تقسیم ہوگی، اسلامی احکام و قواعد کے مطابق ہی تقسیم ہوگی۔

پھوپھیوں کے وارث نہ ہونے کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا تعجب

(۲۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَزْمٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ كَثِيرًا يَقُولُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُورِثُ وَلَا تَرِثُ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت محمد بن ابی بکر بن حزمؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا جو اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ پھوپھی کے بارہ میں تعجب ہے کہ اس کا بھتیجا تو اس کا وارث ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی۔“ (مالک)

تشریح: حضرت عمرؓ کا یہ تعجب محض عقل و قیاس کی بنیاد پر ہے ورنہ اگر بجا آوری حکم کے نکتہ نظر سے دیکھا جائے یا یہ بات پیش نظر ہو کہ اس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی پھوپھی مر جائے تو وہ اپنی پھوپھی کا وارث ہو سکتا ہے اس کے برعکس اگر وہ شخص مر جائے تو اس کی پھوپھی اس کی وارث نہیں ہو سکتی، چنانچہ حدیث کا یہ مفہوم اور حضرت عمرؓ کا یہ تعجب ان علماء کے مسلک کے مطابق ہے جن کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث نہیں ہوتے جب کہ پھوپھی ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے ان علماء کے نزدیک اپنے بھتیجے کی وارث ہو سکتی ہے جو ذوی الارحام کو علم فرائض میں مذکورہ تفصیل کے مطابق میت کا وارث قرار دیتے ہیں۔

فرائض کا علم سیکھنے کا حکم

(۲۸) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَالْحَجَّ قَالَ فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ”فرائض کے احکام و مسائل سیکھو“ نیز حضرت ابن مسعودؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے ”طلاق اور حج کے احکام و مسائل (بھی) سیکھو“ انہوں نے کہا کہ (اس کا سیکھنا اس لئے ضروری ہے کہ) یہ علم تمہاری دینی ضروریات میں سے ہے۔“ (دارمی)

بَابُ الْوَصَايَا

وصیتوں کا بیان

”وصایا“ وصیت کی جمع ہے ”خطایا“ خطیہ کی جمع ہے: ”وصیت“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے یہ کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد یہ فلاں فلاں کام کرنا مثلاً میری طرف سے مسجد بنوادینا، کنواں بنوادینا، یاد مرہ اور خانقاہ وغیرہ میں اتنا روپیہ دے دینا، یا فلاں شخص کو اتنا روپیہ یا مال دے دینا، یا فقراء و مساکین کو طعام و غلہ یا کپڑے تقسیم کر دینا وغیرہ اور یا جو فرائض و واجبات مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ اس کی غفلت کی وجہ سے قضا ہو گئے تھے ان کے بارے میں اپنے ورثاء سے کہے کہ یہ ادا کر دینا یا ان کا کفارہ دے دینا، اسی طرح بعض مواقع پر ”وصیت“ نصیحت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

علماء ظواہر (یعنی وہ علماء جو ہر صورت قرآن و حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہیں) کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے، جب کہ

دوسرے تمام علماء کے ہاں پہلے تو وصیت واجب تھی یعنی اپنے اختیار سے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے حصے مقرر کر جانا ہر مال دار پر واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خود تمام حصے متعین و مقرر فرمادیئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اسی لئے وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے، البتہ آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار باقی رکھا گیا تاکہ اگر کوئی شخص اپنے آخری وقت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے اپنی عمر بھی کی تقصیرات مثلاً بخل وغیرہ کا کفارہ اور مکافات کرنا چاہے تو یہ سعادت حاصل کر لے یا اگر اپنے کسی دوست یا دور کے رشتہ دار یا خادم وغیرہ کو کچھ دینا چاہے تو اس تہائی میں سے دے کر اپنا دل خوش کر لے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی قرض وغیرہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی ادائیگی واپسی کی وصیت کر جائے اور اس بارہ میں ایک وصیت نامہ لکھ کر اس پر گواہیاں کرا لے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

وصیت نامہ لکھ رکھنے کا حکم

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقَّ امْرُؤٌ مُسْلِمٌ لَهُ شَيْءٌ يُوْصِي فِيهِ يَبِيتُ لِيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس مسلمان مرد کے (مال یا آپسی تعلقات کے) معاملے میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں بھی وصیت لکھ رکھے بغیر نہ گزارے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو یا لوگوں کا کوئی معاملہ اس کے سپرد ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں گزرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھ کر رکھ لے۔ ”دو راتوں“ سے مراد ”عرصہ قلیل“ ہے یعنی کم سے کم عرصہ بھی ایسا نہ گزرنا چاہئے جس میں وصیت نامہ لکھا ہو، کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ معلوم کس لمحہ زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وصیت نامہ کی عدم موجودگی میں ورثاء کے لاعلم ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا وبال اس دنیا سے اس کے ساتھ جائے۔

علماء ظواہر اسی حدیث کے پیش نظر وصیت کے واجب ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ حدیث عمومی طور پر وصیت کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص پر کسی کا قرض ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قرض یا امانت کے بارہ میں وصیت کر جائے۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس معاملہ میں (یعنی قرض اور امانت وغیرہ کے سلسلہ میں) وصیت کرنا لازم ہو اس کا وصیت نامہ جلد سے جلد مرتب کر لیا مستحب ہے۔ نیز یہ ضروری ہے کہ وصیت نامہ لکھ کر اس وصیت نامہ پر دو اشخاص کی گواہیاں ثبت کرادی جائیں۔

اپنے ترکہ کے تہائی حصہ میں وصیت کی جاسکتی ہے

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ مَرَضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ عَلَى الْمَوْتِ فَاتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْوِذُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرْتْنِي إِلَّا ابْنَتِي أَفَأُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَتُلْنِي مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ فَالْشَّظْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرُ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَأَنْتَ لَنْ تَنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِزَتْ بِهَا حَتَّى اللَّقْمَةُ تَرْفَعُهَا إِلَى فِيهِ أَمْرًا تَكُ۔ (متفق علیہ)

”اور سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس بہت مال ہے، مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارہ میں وصیت کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“ پھر میں نے عرض کیا کہ ”کیا دو تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر دوں؟“ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا نصف کے لئے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے پوچھا ایک تہائی کے لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر سکتے ہو اگرچہ یہ بھی بہت ہے۔ اور یاد رکھو، اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار و خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں، جان لو، تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خرچ کا ثواب ملے گا، یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میرا کوئی وارث نہیں ہے“ سے حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ ذوی الفروض سے میرا کوئی وارث نہیں ہے، یا یہ کہ ایسے وارثوں میں سے کہ جن کے بارہ میں مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میرا مال ضائع کر دیں گے، علاوہ ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں ہے۔ حضرت سعدؓ کے اس جملہ کی یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ حضرت سعدؓ کے کئی عصبی وارث تھے۔ یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وارثوں کے حق میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس میت کے وارث موجود ہوں تو اس کی وصیت اس کے تہائی مال سے زائد میں جاری نہیں ہوتی البتہ اگر وہ ورثہ اپنی اجازت و خوشی سے چاہیں تو ایک تہائی سے زائد میں بھی بلکہ سارے ہی مال میں وصیت جاری ہو سکتی ہے بشرطیکہ سب وارث عاقل و بالغ اور موجود ہوں۔ اور جس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں بھی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اس کی وصیت بھی ایک تہائی سے زائد میں جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ حضرت امام اعظم اور ان کے تبعین علماء اس صورت میں ایک تہائی سے زائد میں بھی وصیت جاری کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز حضرت امام احمدؒ اور حضرت اسحاقؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان کے حق میں ہمیشہ خیر خواہی کا جذبہ رکھا جائے اور وارثوں کے تین شققت و محبت ہی کے طریقے کو اختیار کیا جائے! علاوہ ازیں اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ اپنا مال غیروں کو دینے سے افضل یہ ہے کہ اس کو اپنے قربت داروں پر خرچ کیا جائے، دوم یہ کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی طلب پیش نظر ہو، اور سوم یہ کہ اگر کسی مباح کام میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی نیت کر لی جائے تو وہ مباح کام بھی طاعت و عبادت بن جاتا ہے چنانچہ بیوی اگرچہ جسمانی و دنیوی لذت و راحت کا ذریعہ ہے اور خوشی و مسرت کے وقت اس کے منہ میں نوالہ دینا محض ایک خوش طبعی ہے جس کا طاعت و عبادت اور امور آخرت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے یہ بتایا کہ اگر بیوی کے منہ میں نوالہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی طلب کی نیت ہو تو اس میں ثواب ملتا ہے لہذا اس کے علاوہ دوسری حالتوں میں تو بطریق اولیٰ ثواب ملے گا۔

الفصل الثانی

③ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ فَقَالَ أَوْصَيْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكُمْ قُلْتُ بِمَا لِي كُلُّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لَوْلَدِكَ قُلْتُ هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ فَقَالَ أَوْصِ بِالْعَشْرِ فَمَا زِلْتُ أَنْاقِصُهُ حَتَّى قَالَ أَوْصِ بِالْثُلُثِ وَالثُّلُثِ كَيْفِيٍّ۔ (رواه الترمذی)

”حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ جب میں بیمار تھا تو رسول کریم ﷺ مجھے پوچھنے آئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تم نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے؟“ میں نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کتنے مال کی وصیت کا تم نے ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ”میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے“ آپ نے فرمایا: اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا وہ خود مال دار خوشحال ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(اگر وصیت کرنا ہی چاہتے ہو تو) اپنے مال کے دسویں حصہ کے بارہ میں وصیت کر دو“ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ جب میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی اس مقدار کو بار بار کم کرتا رہا تو (میرے اصرار پر) آپؐ نے فرمایا کہ ”اچھا تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر دو اگرچہ یہ تہائی بھی بہت ہے۔“ (ترمذی)

وارث کے حق میں وصیت درست نہیں

④ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَادِعِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ ”الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ وَلِلْعَاهِرِ حَجَرٌ وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ“ وَيُرْوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَارِثَةُ مِنْقَطَعٌ هَذَا لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَفِي رِوَايَةِ الدَّارِ الْقُطَيْبِيِّ قَالَ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةُ لَوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرِثَةُ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے۔ لہذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

اور امام ترمذیؒ نے یہ مزید نقل کیا ہے کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے، اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے، نیز ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے“ اور حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ نقل کیا ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ”وارث کے لئے وصیت نہیں ہے مگر جب کہ وارث چاہیں“ یہ حدیث منقطع ہے اور یہ مصابیح کے الفاظ ہیں۔

اور دارقطنیؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ”وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہوتی مگر جب کہ وارث چاہیں۔

تشریح: ”اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ورثہ کے لئے حصے متعین و مقرر فرمادیئے ہیں خواہ وہ کسی وارث کے حق میں یہ وصیت کر بھی جائے کہ اسے دوسرے وارثوں سے اتنا زیادہ حصہ دیا جائے تو شرعی طور پر اس کا کچھ اعتبار نہیں، ہاں اگر تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور وہ برضاء و رغبت کسی وارث کو میت کی وصیت کے مطابق اس کے حصے سے زیادہ دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، آیت میراث نازل ہونے سے پہلے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کر جانا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام ورثہ کے حصے متعین و مقرر ہو گئے تو وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا۔

”فراش“ ویسے تو عورت کو کہتے ہیں لیکن یہاں الولد للفراش میں فراش سے مراد ”صاحب فراش“ (یعنی عورت کا مالک) ہے۔ حدیث گرامی کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا نسب زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ وہ صاحب فراش زنا کرانے والی عورت کا خاوند ہو یا (لوئڈی ہونے کی صورت میں) اس کا آقا ہو اور یا وہ شخص جس نے شبہ میں مبتلا ہو کر اس عورت سے صحبت کر لی تھی۔

اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے“ یہ جملہ زنا کرنے والے کی محرومی کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ ہماری عام بول چال میں کسی ایسے شخص کے بارہ میں کہ جسے کچھ نہیں ملتا، کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس خاک پتھر ملے گا، لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب چونکہ زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا اس لئے ولد الزنا کی میراث میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یا پھر یہ کہ یہاں ”پتھر“ سے مراد سنگسار کرنا ہے کہ اس زنا کرنے والے کو (اگر وہ شادی شدہ تھا) سنگسار کیا جائے گا۔

”ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بدکاری میں مبتلا ہونے والوں کا حساب و کتاب اللہ پر ہے کہ وہ ہر ایک کو ان کے کثرت کے مطابق بدلہ دے گا۔ ویسے یہ جملہ ایک دوسرے معنی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے تو یہاں ہم زنا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں بایں طور کہ ان پر حد جاری کرتے ہیں۔ اب رہا وہاں یعنی آخرت کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و نشاء پر موقوف ہے چاہے تو مواخذہ کرے اور چاہے تو اپنے بے پایاں رحم و کرم کے صدقہ میں انہیں بخش دے۔ مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص زنا کرے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہو اور اس پر کوئی حد قائم نہ ہو یعنی دنیا میں اسے کوئی سزا نہ دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

کسی دوسرے کے حق میں وصیت کر کے اپنے ورثا کا نقصان نہ پہنچاؤ

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ لِبَطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ غَيْرِ مُضَارٍّ إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى وَذَلِكَ الْفُزُؤُ الْعَظِيمُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت کے ذریعہ (وارثوں کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ لہذا ان کے لئے دوزخ ضروری ہو جاتی ہے“ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ ”وَصِيَّةٌ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ غَيْرِ مُضَارٍّ۔“ (یعنی اور ثناء اپنے حصے کی) وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔“ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت ارشاد ربانی وَذَلِكَ الْفُزُؤُ الْعَظِيمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے) تک تلاوت کی ہے۔

(ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ جو لوگ اپنی ساری زندگی عبادت الہی میں گزار دیتے ہیں مگر حقوق العباد کو نقصان پہنچانے سے اجتناب نہیں کرتے وہ اپنی تمام عبادتوں کے باوجود خدا کی ناراضگی کا مورد بن جاتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں مگر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ وبال اپنے سر لے لیتے ہیں کہ وہ اپنے مال میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کسی غیر شخص کے حق میں کر جاتے ہیں یا اپنا سارا مال کسی ایک وارث کو ہبہ کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اس طرح وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ اتنے طویل عرصہ کی اپنی عبادتوں کے باوجود اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے غیر مناسب و ناجائز ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقررہ ہدایات سے تجاوز بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کرنے کے بعد بطور تائید مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی۔ کیونکہ اس آیت سے بھی یقینی ثابت ہوتا ہے کہ مورث کو چاہئے کہ وہ اپنے مال کے تہائی حصہ سے زائد کے بارہ میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

الفصل الثالث

جائز وصیت کر جانے والے کے لئے بشارت

⑥ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلَى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلَى سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلَى نَفْقَى وَشَهَادَةٍ وَمَاتَ مَغْفُورًا إِلَهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وصیت کر کے مرا (یعنی جس شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں مثلاً فقراء کو دینے کی وصیت کی) تو وہ راہ مستقیم اور پسندیدہ طریقہ پر اور تقویٰ و شہادت پر مرا (یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوا) اور اس حال میں مرا کہ اس کی مغفرت کی گئی۔“ (ابن ماجہ)

کافروں کو اعمال نیک کا ثواب نہیں پہنچتا

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْعَاصِ بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنَهُ هِشَامَ خَمْسِينَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرُو أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَإِنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً فَأَعْتَقْتُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَّجْتُمْ عَنْهُ بَلَّغَهُ ذَلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور شعیبؓ اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ عاص ابن وائل نے یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں چنانچہ پچاس غلام تو ان کے بیٹے ہشامؓ نے آزاد کر دیئے پھر جب ان کے (دوسرے) بیٹے عمروؓ نے یہ ارادہ کیا کہ باقی پچاس غلام اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ رسول کریم ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ (کہ آیا اپنے دل میں سوچا) کہ میں یہ پچاس غلام اس وقت تک آزاد کرنا جائز اور مفید بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ عمروؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرے باپ (عاص) نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ لہذا ہشامؓ نے پچاس غلام تو آزاد کر دیئے ہیں ان پر (یعنی ہشامؓ ہی کے ذمہ یا میرے ذمہ) پچاس غلام باقی رہ گئے ہیں۔ تو کیا میں اپنے باپ کی طرف سے (وہ باقی پچاس غلام، آزاد کر دوں؟“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ (تمہارے باپ عاص) اگر مسلمان ہوتے اور تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ دیتے یا ان کی طرف سے حج کرتے تو ان کو اس کا ثواب پہنچتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عاص ابن وائل نے اسلام کا زمانہ پایا تھا لیکن بد قسمتی سے وہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان کے دو بیٹے تھے ایک حضرت ہشامؓ ابن عاصؓ اور دوسرے حضرت عمروؓ ابن عاصؓ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے راستہ پر گامزن کیا، چنانچہ یہ دونوں مشرف باسلام ہوئے اور رسول کریم ﷺ کے صحابی ہونے کا اعزاز پایا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے والد عاصؓ اگر مسلمان ہوتے اور اسلام ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کی طرف سے جو بھی عبادت دین کی جاتی اس کا ثواب انہیں پہنچتا لیکن چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے تو اب تم ان کی طرف سے کوئی بھی عبادت کرو یا کوئی بھی نیک کام کرو اس کا ثواب انہیں نہیں پہنچے گا۔ لہذا حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ کافر کے لئے فائدہ مند نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے اسے عذاب سے نجات ملتی ہے جب کہ یہ مسلمان کے لئے مفید ہے۔

وارثوں کا حق مارنے والے کے لئے وعید

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ قَطَعَ اللَّهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جنت

کی میراث کاٹ لے گا (ابن ماجہ) اور بیہقیؒ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔“
 تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو جنت کا وارث بنانے کا وعدہ بایں طور کیا ہے کہ:
 يَرْتُونَ الْفَرْدُوسَ۔

”یعنی وہ (مؤمن) بہشت کے وارث ہوں گے۔“

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی کے پیش نظر فرمایا کہ جو شخص ناجائز طور پر اپنے وارث کو میراث سے محروم کر دیگا، اللہ قیامت کے دن اس کو جنت کی وراثت سے محروم رکھے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ابتداء ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

”نکاح“ کے لغوی معنی جمع کرنا۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق ”جماعت کرنے“ اور ”عقد“ کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جماعت اور عقد دونوں ہی میں ”جمع ہونا اور ملنا“ پایا جاتا ہے لہذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی ”جماعت کرنا“ مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

علماء فقہ کی اصطلاح میں ”نکاح“ اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

نکاح کی اہمیت

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن، ایک شخصی ضرورت، ایک طبعی خواہش اور صرف ایک ”ذاتی معاملہ“ ہی نہیں ہے بلکہ یہ معاشرہ انسانی کے وجود و بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت و فضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سواء نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد و عورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد و عورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط و احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں، جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد و ضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتداء ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد و آفات

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم تولد و تامل کا جاری رہنا ہے وہیں اس میں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو پانچ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

① نکاح کر لینے سے عیجان کم ہو جاتا ہے یہ جنسی عیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب و اخلاق ہی کی نہیں شرافت و انسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا، مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتماد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

۱۲ نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے، خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان و سکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر و عمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

۱۳ نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط و زبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب و اب قائم رکھتا ہے۔

۱۴ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھربار اور اہل و عیال کی خبر گیری و نگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات و طاعات میں بھی چاق و چوند رہتا ہے۔

۱۵ نکاح ہی کے ذریعہ صالح و نیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون و اطمینان اور عزت و نیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح و سعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لئے نقصان و تکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی چھ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱ طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھربار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر و انگیر رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجرد و تنہا زندگی میں رہتا ہے۔

۲ حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب بیوی کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب تک سے گریز نہیں کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

۳ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہونا۔ اسلام نے عورتوں کو جو بلند و بالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں بیوی کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بیوی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوں، بلکہ بد قسمتی سے چونکہ بیوی کو ”زبردست“ سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے عورتوں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ بھی ایک ”ذاتی معاملہ“ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بد اخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بھی بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

۴ عورتوں کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنا عام طور پر شوہر چونکہ اپنے آپ کو بیوی سے برتر سمجھتا ہے اس لئے اگر بیوی کی طرف سے ذرا سی بھی بد مزاجی ہوئی تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور مصروف محل کا دامن ہاتھ سے فوراً چھوٹ جاتا ہے۔

۵ عورت کی ذات سے تکلیف اٹھانا بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی بد مزاجی و بد اخلاقی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے لئے تکلیف و پریشانی کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہیں اس کی وجہ سے گھریلو ماحول غیر خوشگوار اور زندگی غیر مطمئن و اضطراب انگیز بن جاتی ہے۔

۶ بیوی بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں اور گھر بار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضحکل و بے عملی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں۔ یعنی فوائد و آفات برابر، برابر ہوں۔ تو جس چیز

سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بد مزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کریگا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کے احکام

① جنسی مسلک کے مطابق نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل نہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کا برتاؤ ہوگا۔

② نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو، نیز مہر و نفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا، جب کہ مہر اور نفقہ پر قادر شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔

③ اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے "اعتدال کی حالت" سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت و جماعت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر و نفقہ کی ادائیگی پر بھی قادر ہو۔ لہذا اس صورت میں نکاح نہ کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

④ نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو، یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ میرا مزاج چونکہ بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم و زیادتی کروں گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

⑤ نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو۔ یعنی اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی سختی و تندگی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کر سکتا بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے نکاح کے بارہ میں مختلف حالات کی رعایت رکھی ہے بعض صورتوں میں تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے بعض میں واجب اور بعض میں سنت مؤکدہ ہوتا ہے جب کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ بھی ہوتا ہے اور بعض میں تو حرام ہو جاتا ہے لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

نکاح کے مستحبات

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات و اطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی، خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات، خوش سلیقی و آداب، حسن و جمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ و احباب نیز بعض علماء و صلحا بھی شریک۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت و صالح ہو اور گواہ عادل و پرہیزگار ہوں۔

ایجاب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط

نکاح، ایجاب و قبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے اور یہ ایجاب و قبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا، یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے، تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب و قبول میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کر لیا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کر لو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کر لیا۔ یا اس کا برعکس ہو، جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کر لیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں۔ اور اگر مرد، عورت سے یوں کہے کہ ”کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟“ یا کہے کہ ”کیا تم نے مجھے قبول کیا؟“ اور اس کے جواب میں عورت (ہاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ ”میں“ نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ ”ہم بیوی خاوند ہیں“ نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب و قبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب و قبول میں خاص کر نکاح اور ترویج کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ ترویج کیا۔ یا نکاح و ترویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے جو نکاح کا مطلب صراحۃً ادا کرتا ہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہو گیا۔ یا یوں کہے کہ تم میری ہو گئیں۔ اور نکاح و ترویج یا اس کا ہم معنی لفظ صراحۃً استعمال نہ کیا جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایہ نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کسی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے بہہ کا لفظ، یا صدقہ کا لفظ، یا تملیک کا لفظ، یا بیع و شراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں بہہ کر دی، یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دے دی۔ یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنادیا، یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، لیکن اس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت نہ کرتا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے متکلم کی مراد کی تصدیق کر دی ہو، نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا ہو یا بتا دینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب و قبول کے وقت عاقدین (دو لہا و دو لہن) میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے خواہ وہ بالاصالہ (یعنی خود) سنیں خواہ بالوکالۃ سنیں (یعنی ان کا وکیل سنے) اور خواہ بالولایۃ سنیں (یعنی ان کا ولی سنے)

ایجاب و قبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی، نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے، لونڈی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی، اسی طرح گواہوں کا عاقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیزگار ہوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جا چکی ہو۔ گواہوں کا بیٹا ہونا یا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سنیں اور سکر یہ سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گو ان الفاظ کے معنی نہ سمجھیں (مثلاً ایجاب و قبول کسی ایسی زبان میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ

ایجاب و قبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ سنیں بلکہ الگ الگ سنیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کر دو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْضَى لِلْبَصَرِ وَأَحْصَى لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ - (متفق علیہ)

”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اے جوانوں کے گروہ اتم میں سے جو شخص جماعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نکاح کر لے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خفی کرنے کا فائدہ دے گا (یعنی جس طرح خفی ہو جانے سے جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس خطاب عام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے دو بڑے فائدے ظاہر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی سے بچتا ہے دوسرے یہ کہ حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

جوانی کی حد

انسان، بالغ ہونے کے بعد جوان کہلاتا ہے۔ لیکن جوانی کی یہ حد کہاں تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جوانی کی حد تیس برس کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان چالیس برس کی عمر تک جوان کہلانے کا مستحق رہتا ہے۔

تبتل کی ممانعت

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ التَّبْتُلَ وَلَوْ أَدْنَى لَهُ لَا اخْتَصَيْنَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ”رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعونؓ کو تبتل (یعنی نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا، اگر آنحضرت ﷺ ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی خفی ہو جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”تبتل“ کے معنی ہیں ”عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح“ نصاریٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین) کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح عیسائیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی و تقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دیکر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت

نہیں ہے بلکہ ”رہبانیت“ ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ یہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف ”تخلی للعبادة“ (یعنی عبادت کے لئے مجرد رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے گویا امام شافعیؒ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں امام شافعیؒ کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تجرد (بغیر نکاح رہنے) کے مقابلہ میں تامل (نکاح کرنا) ہی افضل ہے۔ بہر کیف حضرت عثمان ابن مظعونؓ نے جب آنحضرت ﷺ سے بتل کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیا و موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر و باطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت حضرت عثمانؓ کو بتل کی اجازت دیدیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعدؓ یہ کہتے کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو بتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی بتل کرتے۔ مگر حضرت سعدؓ نے کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے لہذا حضرت سعدؓ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو اجازت دیدیتے تو ہم بھی بتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خسی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعدؓ کی مراد حقیقتہً خسی ہو جانا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خسی کر ڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خسی ہو جانا جائز ہے حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خسی ہو جانا انسان کے لئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا! اس موقع پر جانوروں کے بارے میں جان لینا چاہئے کہ ہر اس جانور کو خسی کرنا حرام ہے جو غیر ماکول (یعنی کھایا نہ جاتا) ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کو خسی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے لیکن بڑی عمر میں حرام ہے۔ جانوروں کو خسی کرنے کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعیؒ نے لکھی ہے جب کہ فقہ حنفی کی کتابوں اور مختار اور ہدایہ میں ”بڑی عمر اور چھوٹی عمر“ کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے۔

دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے

۳) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرُبَّتْ يَدَاكَ - (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارے میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا، دوم اس کا حسب نسب والی ہونا، سوم اس کا حسین و جمیل ہونا اور چہارم اس کا دین دار ہونا۔ لہذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو، اور خاک آلودہ ہونے والی تیرے دونوں ہاتھ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”حسب و نسب والی“ سے مراد وہ عورت ہے جو نہ صرف اپنی ذات میں شرف و بلندی اور وجاہت رکھتی ہو۔ بلکہ وہ جس خاندان و قبیلہ کی فرد ہو وہ خاندان و قبیلہ بھی عزت و وجاہت اور شرف و بلندی کا حامل ہو چنانچہ انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی عورت سے بیاہ کرے جو باحیثیت و باعزت خاندان و قبیلہ کی فرد ہو تاکہ اس عورت کی وجہ سے اپنی اولاد کے نسب میں شرف و بلندی کا

امتیاز حاصل ہو۔

بہر کیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ عورت سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں مذکورہ چار چیزوں کو بطور خاص ملحوظ رکھتے ہیں کہ کوئی شخص تو مالدار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ بعض لوگ اچھے حسب و نسب کی عورت کو بیوی بنانا پسند کرتے ہیں، بہت سے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک حسین و جمیل عورت ان کی رفیقہ حیات بنے اور کچھ نیک بندے دین دار عورت کو ترجیح دیتے ہیں لہذا دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دین دار عورت ہی کو اپنے نکاح کے لئے پسند کرے کیونکہ اس میں دنیا کی بھی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھی سعادت ہے۔

”اور خاک آلودہ ہوں تیرے دونوں ہاتھ“ ویسے تو یہ جملہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے ذلت و خواری اور ہلاکت کی بددعا کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہاں اس جملہ سے یہ بدعائد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد دین دار عورت کو اپنا مطلوب قرار دینے کی ترغیب دلانا ہے۔

نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متاع ہے

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: متاع کے معنی ہیں ”وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے پھر فنا ہو جائے۔“ لہذا پوری دنیا کو ایک متاع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا ایک ایسی چیز ہے جس کا فائدہ قلیل المدت ہے اور جس کا نفع جلد ہی فنا ہو جانے والا ہے! اس طرح ”دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس دنیا میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان میں کی بہترین چیز نیک بخت عورت ہے کیونکہ نیک بخت عورت آخرت کے کاموں میں بہت مددگار و مفید ثابت ہوتی ہے۔

قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحٌ نِسَاءٍ قُرَيْشٍ أَخْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَزْعَاهُ عَلَى رَوْحٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو چھوٹے بچوں پر بہت شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضہ میں ہوتا ہے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں“ سے مراد عرب کی عورتیں کیونکہ عرب کی عورتیں عام طور پر اونٹ کی سواری کی عادی ہوتی تھیں لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک بخت عورتیں ہیں۔

عورتوں کا فتنہ زیادہ نقصان دہ ہے

⑥ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے کو سب سے زیادہ ضرر رساں اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ اول تو مردوں کی طبائع عام طور پر عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مرد عام طور پر عورتوں کی خواہشات کے زیادہ پابند ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حرام امور میں گرفتار ہوتے ہیں اور عورتوں ہی کہ وجہ سے آپس کے لڑائی جھگڑے نفرت و عداوت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ یہ عورتیں ہی ہیں جن کی بے جا ناز برداریاں مردوں کو دنیا داری کی طرف راغب کرتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا داری سے زیادہ اور کڑا، کسی چیز ضرر رساں ہو سکتی ہے، کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ۔

”دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔“

ارشادِ گرامی ”اپنے بعد“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کے فتنے آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں کم تھے اور ان کا زیادہ ظہور آپ ﷺ کے بعد ہوا کیونکہ اس وقت حق کا غلبہ تھا اور نیکی کی طاقت تمام برائیوں کو دبائے ہوئے تھی جب کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آہستہ آہستہ باطل کی قوت بڑھتی گئی اور برائیوں کا غلبہ ہوتا گیا۔

عورت کے فتنہ سے بچو

④ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا حُلُوهٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةٍ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِسْرَائِيلُ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دنیا شیریں اور سبز (جاذبِ نظر) ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہ (ہر وقت) دیکھتا ہے کہ تم اس دنیا میں کس طرح عمل کرتے ہو، لہذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ”دنیا شیریں اور سبز ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیرینی، طبیعت کے لئے ایک مرغوب چیز ہوتی ہے اور جس طرح سبز چیز آنکھوں کو بہت بھائی ہے اسی طرح دنیا بھی دل کو بہت پیاری لگتی ہے اور آنکھوں کو بھی بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کا خلیفہ بنایا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہی اس کا حقیقی مالک و حاکم ہے تمہیں اس نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر گویا اس دنیا کے تصرفات میں تمہیں اپنا وکیل بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھتا ہے کہ تم اس زمین پر اس کے بارِ خلافت کو کس طرح اٹھا رہے ہو اور اپنی عملی زندگی کے ذریعہ تصرفات دنیا میں حق و کالت کس طرح ادا کر رہے ہو؟ یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تم سے پہلے اس دنیا سے جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا خلیفہ (وارث) بنایا ہے، لہذا ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب تمہیں دیدیا ہے اور اب وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم اپنے اسلاف کے احوال و کوائف سے کس طرح عبرت پکارتے ہو اور ان کے اموال و میراث میں کس طرح تصرف و انتظام کرتے ہو:

”دنیا سے بچو“ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کمزور و فریب کا بچھا ہوا ایک جال ہے اس جال سے حتی الامکان بچتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جال میں پھنس کر دنیا کے ظاہری مال و جاہ پر اپنی دینداری گنوا بیٹھو کیونکہ دنیا کو ثبات نہیں ہے، یہ ایک فنا ہو جانے والی چیز ہے، پھر اس فناء کے بعد کل جب تم ہمیشہ کی زندگی کے لئے اٹھائے جاؤ گے اس کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہو گا اور اس کی حرام چیزوں پر عذاب میں

بتلا کئے جاؤ گے۔ اسی طرح عورتوں کے مکرو فریب سے بھی بچتے رہو، کیونکہ ایک مشت خاک کا یہ دل فریب مجسمہ جہاں نیک عورت کی صورت میں خدا کی ایک نعمت ہے وہیں بری عورت کے روپ میں فتنہ عالم بھی ہے ایسا نہ ہو کہ بری عورتوں کی مکاریاں یا اپنی بیویوں کی بے جانانہ برداریاں تمہیں ممنوع و حرام چیزوں کی طرف مائل کر دیں اور ان کی وجہ سے تم تباہی و ہلاکت کی کھائیوں میں دھکیل دیئے جاؤ۔

بنی اسرائیل پر تباہی کے دروازے کھولنے والا پہلا فتنہ عورت

تباہیوں کے دروازے کھلنے کا پہلا سبب اور ذریعہ بنا۔ چنانچہ اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام بلعم بن باعور تھا، بہت مستجاب الدعوات تھا، اسے ام اعظم یاد تھا جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر دعا مقبول کرا لیتا تھا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”جباروں“ سے لڑنے کے لئے علاقہ شام میں واقع بنی کنعان کے ایک حصہ میں خیمہ زن ہوئے تو بلعم کی قوم کے لوگ بلعم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں کا ایک عظیم لشکر لے کر ہمیں قتل کرنے اور اس علاقہ سے نکالنے کے لئے آئے ہیں تم ان کے لئے کوئی ایسی بدعا کرو کہ وہ یہاں سے واپس بھاگ جائیں۔ بلعم نے جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم وہ نہیں جانتے بھلا میں خدا کے پیغمبر علیہ السلام اور اس کے ماننے والوں کے حق میں بدعا کیسے کر سکتا ہوں؟ اگر میں ان کے لئے بدعا کرتا ہوں تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی! جب اس قوم کے لوگوں نے بہت منت سماجت کی اور وہ بدعا کرنے پر اصرار کرتے رہے تو بلعم نے کہا کہ اچھا میں استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا حکم ہوتا ہے پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔ بلعم کا یہ معمول تھا کہ وہ بغیر استخارہ کوئی بھی کام نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس نے جب استخارہ کیا تو خواب میں اسے ہدایت کی گئی کہ پیغمبر اور مومنوں کے حق میں ہرگز بدواعت کرنا! بلعم نے اس خواب سے اپنی قوم کو مطلع کیا اور بددعا کرنے کے لئے اپنے ارادہ کا پھر اظہار کیا، قوم کے لوگوں نے غور و فکر کے بعد ایک طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ وہ لوگ اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے لے کر بلعم کے پاس آئے اور پھر اس کے سامنے بہت ہی زیادہ منت سماجت کی، روئے گز گزائے اور اسے اتنا مجبور کیا کہ آخر کار وہ ان کے جال میں پھنس ہی گیا، چنانچہ وہ بددعا کرنے کی غرض سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر جستان پہاڑ کی طرف چلا جس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر مقیم تھا، راستہ میں کئی مرتبہ گدھا گرا جسے وہ مار مار کر اٹھاتا رہا، یہاں تک کہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور بلعم بھی اپنے گدھے کو مار مار کر اٹھاتا ہوا پریشان ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے گدھے کو گویائی عطا کی چنانچہ گدھا بولا کہ ”نادان! بلعم اتھڑا ہوا ہے، کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں جا رہا ہے، تو مجھے آگے چلانے کی کوشش کر رہا ہے اور ملائکہ میرے آگے آکر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں!“ بلعم نے جب چشم حیرت سے گدھے کو بولتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اسے اسے باز آتا گدھے کو وہیں چھوڑا..... پیادہ پا پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہاں بددعا کرنے لگا، مگر یہاں بھی قدرت خداوندی نے اپنا یہ کرشمہ دکھایا کہ بلعم اپنی بددعا میں جب بھی حضرت موسیٰ اور ان کے لشکر کا نام لینا چاہتا، اس کی زبان سے بنی اسرائیل کے بجائے بلعم کی قوم کا نام نکلتا، یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ”بلعم! یہ کیا حرکت ہے؟ بنی اسرائیل کی بجائے ہمارے حق میں بددعا کر رہے ہو۔“ بلعم نے کہا کہ اب میں کیا کروں، یہ حق تعالیٰ میرے قصد و ارادہ کے بغیر میری زبان سے تمہارا نام نکلا رہا ہے۔ لیکن بلعم پھر بھی اپنی بددعا سے باز نہ آیا اور اپنی ہی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ عذاب الہی کی وجہ سے بلعم کی زبان اس کے منہ سے نکل کر سینہ پر آ پڑی، پھر تو گویا بلعم کی عقل بالکل ہی ماری گئی اور دیوانہ وار کہنے لگا کہ لو اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئی اس لئے اب ہمیں بنی اسرائیل کی تباہی کے لئے کوئی دوسرا جال تیار کرنا پڑے گا۔ پھر اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی اپنی عورتوں کو اچھی طرح آراستہ پیراستہ کر کے اور ان کے ہاتھوں میں کچھ چیزیں دے کر ان چیزوں کو فروخت کرنے کے یہانہ سے عورتوں کو بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص تمہیں اپنے پاس بلائے تو انکار نہ کرنا یاد رکھو اگر بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بھی کسی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہو گیا تو تمہاری ساری کوششیں کامیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ بلعم کی قوم نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دیا۔ وہ عورتیں جب لشکر میں پہنچیں اور

ان میں سے ایک عورت جس کا نام کسی بنت صورت تھا، بنی اسرائیل کے ایک سردار زرم بن شلوم نامی کے سامنے سے گذری تو وہ اس عورت کے حسن و جمال کا اسیر ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا آپ اس عورت کو میرے لئے حرام قرار دیتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں! اس عورت کے پاس ہرگز مت جانا، تو زرم نے کہا کہ میں اس بارہ میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور وہاں اس کے ساتھ منہ کالا کیا بس پھر کیا حکم الہی نے قہر کی شکل اختیار کر لی اور اس سرطری کی شامت عمل سے ایک ایسی وبا پورے لشکر پر نازل ہوئی کہ آن کی آن میں ستر ہزار آدمی ہلاک و تباہ ہو گئے ادھر جب فحاص کو کہ جو حضرت ہارون علیہ السلام کا پوتا اور ایک قوی بیکل آدمی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نگہبان تھا، یہ معلوم ہوا کہ ہمارے ایک سردار کی شامت عمل نے قہر خداوندی کو دعوت دے دی ہے تو فوراً اپنا ہتھیار لے کر زرم کے خیمہ میں داخل ہوا اور پلک جھپکتے ہی زرم اور اس عورت کا کام تمام کر ڈالا اور پھر بولا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک و تباہ کر دیا ہے“ چنانچہ ان دونوں کے قتل ہوتے ہی وہ وباء جو عذاب خداوندی کی صورت میں نازل ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

وہ تین چیزیں جن میں نحوست ہوتی ہے

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّومُ فِي الْمَرْأَةِ وَالِدَارِ وَالْفَرَسِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ الشُّومُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالِدَابَّةِ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورتوں میں، مکان میں اور جانور میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”شوم ضد ہے“ ”بین“ کی جس کے معنی ہیں ”بے برکتی“ اور اسی کو ”نحوست“ بھی کہتے ہیں۔ لہذا حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے تو تفصیل کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ ”نحوست“ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”گھر کی نحوست“ سے گھر کی تنگی اور بری ہمسائیگی مراد ہے، یعنی جو گھر تنگ و تاریک ہو اور اس کا پڑوس برا ہو تو وہ گھر تکلیف پریشانی کا باعث ہو جاتا ہے، ”عورت کی نحوست“ سے مہر کی زیادتی، اس کی بد مزاجی و زبان درازی اور بانجھ پن مراد ہے یعنی جس عورت کا مہر زیادہ مقرر کیا گیا ہو، وہ بد مزاجی و تند خو، زبان دراز ہو اور یہ کہ بانجھ ہو تو ایسی عورت راحت و سکون کی بجائے اذیت و کوفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح گھوڑے کی نحوست ”سے“ اس کا شوخ ہونا، مٹھا قدم ہونا، اور اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جانا، مراد ہے یعنی جو گھوڑا ایسا ہو کہ اپنی شوخی کی وجہ سے پریشان کرتا ہو، سُست رفتار ہو اور مٹھ ہو اور اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کی کبھی نوبت نہ آئی ہو تو وہ گھوڑا اپنے مالک کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں میں نحوست کے اظہار کرنے کا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست کا ہونا اپنی کوئی حقیقت رکھتا تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی۔ گویا اس تشریح سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی چیز میں نحوست کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا چنانچہ یہ کہنا کہ فلاں چیز منحوس ہے یا فلاں چیز میں نحوست ہے صرف ایک واہمہ کے درجہ کی چیز ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اگر واقعہ نحوست کسی چیز میں ہوا کرتی تو ان تین چیزوں میں ضرور ہوتی کیونکہ یہ تین چیزیں نحوست کے قابل ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ ”اگر کوئی چیز تقدیر کے دائرہ سے باہر ہوتی تو وہ نظر بد تھی“ یعنی کائنات کی ہر جنبش و حرکت اور یہاں کا ذرہ ذرہ پابند تقدیر ہے، اس عالم میں صرف وہی ظہور میں آتا ہے جو پہلے سے مقدر ہو چکا ہو کوئی چیز تقدیر سے باہر نہیں ہے اور اگر بفرض محال کوئی چیز مقدرات کے دائرہ سے باہر ہوتی تو وہ نظر بد ہے (کہ جسے عام طور پر نظر لگنا کہتے ہیں) لہذا جس طرح اس ارشاد کا مقصد یہ ظاہر کرنا نہیں ہے کہ تقدیر تقدیر کے دائرہ سے باہر ہے اسی طرح مذکورہ بالا تینوں چیزوں کے ساتھ

نحوست کا ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ دارصل اُمت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں رہنا وہ ناپسند کرتا ہو، یا کسی کی ایسی بیوی ہو جس کے ساتھ صحبت و مباشرت اسے ناگوار ہو، یا کسی کے پاس ایسا گھوڑا ہو جو اسے اچھا معلوم نہ ہوتا ہو تو ان صورتوں میں یہ چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں یعنی مکان والا اس مکان سے منتقل ہو جائے بیوی والا اس کو طلاق دیدے اور گھوڑے والا اس گھوڑے کو بیچ ڈالے۔

حدیث کی ان توضیحات کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ ارشاد گرامی طیورہ منہی عنہا (بدشگونگی لینے کی ممانعت) کے منافی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مکان منحوس ہے یا فلاں عورت یا فلاں گھوڑا سبز قدم ہے، تو یہ بات یہاں مراد نہیں ہے۔

اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيبًا مِنَ الْمَدِينَةِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي حَدِيثٌ عَهْدٌ بَعْزُ قَالَ تَزَوَّجْتُ نَعَمْ قَالَ أَيْ كَبُرَ أَمْ تَيْبٌ قُلْتُ بَلْ تَيْبٌ قَالَ فَهَلَّا يَكُونُ أَثْلًا عَلَيْهَا وَثَلَا عَلَيْكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا دَهْنًا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَهْمَلُوا حَتَّى نَدْخُلَ لَيْلًا أَيْ عِشَاءَ لَكِنِّي تَمْتَشِطُ الشَّبْعَةَ وَتَسْتَحِدُّ الْمَغْبِيَةَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم (جہاد سے) واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میری نئی شادی ہوئی تھی (کہ میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تاکہ اپنے گھر جلد سے جلد پہنچ سکوں) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں!“ آپ ﷺ نے پوچھا ”بیوی کنواری تھی یا بیوہ تھی؟ میں نے عرض کیا کہ ”بیوہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا ”تو تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تاکہ تم اس کے ساتھ کھیتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیتی“ پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ابھی ٹھہر جاؤ، ہم رات میں (یعنی شام کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جس عورت کے بال پر اگندہ ہوں وہ کنگھی چونی کر لے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا ہوا تھا) اپنے زائد بال صاف کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تم اس کے ساتھ کھیتے الخ“ سے آپ کی بے تکلفی اور کمال الفت و رغبت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کنواری عورت سے نکاح کرنے میں آپس کی زندگی زیادہ الفت و رغبت کے ساتھ گذرتی ہے اور بے تکلفی اور چاہت زیادہ ہوتی ہے، اس کے برخلاف بیوہ عورت جب کسی دوسرے کی زوجیت میں آتی ہے چونکہ اس کا دل پہلے خاوند کی یاد کی کک محسوس کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر رہن سہن اور میل ملاپ میں اس دوسرے خاوند کو اپنے پہلے خاوند کی طرح نہیں پاتی تو اس کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی زیادہ بے تکلف اور خوش مزاج ثابت نہیں ہوتی جتنی ایک کنواری عورت ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں جانے میں جلدی نہ کرو بلکہ کچھ دیر توقف کرو، تاکہ تمہاری بیویاں رات سے پہلے اپنا بناؤ سنگھار کر کے تمہاری مجامعت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں اور جب تم رات میں ان کے پاس پہنچو تو تمہیں کسی قسم کا کوئی تکدر اور کوئی بے لطفی نہ ہو۔ اس موقع پر یہ خلیجان پیدا ہو سکتا ہے کہ دوسری حدیثوں میں تو اپنے گھر واپس آنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے جب کہ یہاں رات کے وقت گھروں میں داخل ہونے کو فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گھر لوٹنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے کی جو ممانعت ہے اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بغیر اطلاع کے یکایک گھر میں چلا جائے اور اگر گھر والوں کو پہلے سے اطلاع ہو جیسا کہ اس موقع پر ہوا تو اس صورت میں رات کے وقت اپنے گھر میں

داخل ہونا ممنوع نہیں ہوگا۔

الفصل الثانی

وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے

⑩ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ حَقَّ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ الْمَكَاتِبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ وَالنَّائِجُ الَّذِي يُرِيدُ الْعُقَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو، اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔“

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے تھے جس کا آقا اس سے یہ کہہ دیتا تھا کہ اگر تم مجھے اتنا روپیہ کیا کر دیدو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اسی طرح روپیہ کی وہ مقدار جو اس غلام کا آقا آزادی کے لئے ضروری قرار دیتا تھا ”بدل کتابت“ کہلاتی تھی۔

عورت کے ولی کے لئے ایک ضروری ہدایت

⑪ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرَضَّوْنَ دِينَهُ وَخُلِقَهُ فَرَوْجُهُ إِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِضٌ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن و خوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائیگا۔“ (ترمذی)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل عورتوں کے سرپرست اور ولیوں سے ایک خطاب اور ان کے لئے ایک ضروری ہدایت ہے کہ اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق و اطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور کر لو اور اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظر انداز کر کے کسی مالدار یا ثروت دار شخص کے پیغام کی انتظار میں رہو گے جیسا کہ اکثر دینداروں کی عادت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاوند کے بیٹھی رہ جائیں گی اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بڑی بڑی قسم کی عار و غیرت میں مبتلا ہوں گے پھر جو لوگ ان کو عار و غیرت دلائیں گے وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے آخر کار اس برائی و فحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فتنہ و فساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

طبی کہتے ہیں کہ ایک طرح سے یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفایت (زوجین میں سے ایک دوسرے کا کفو ہونے) کا لحاظ صرف دین کے وصف میں کیا جائے تو کیا ان کے نزدیک ایک دوسرے کا کفو صرف دین میں ہو سکتا ہے جب کہ علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ ان چار اوصاف میں ایک دوسرے کا کفو (شریک) ہونے کا لحاظ کیا جائے ① دین، حریت، نسب، پیشہ۔ چنانچہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔ نہ کسی غیر معلوم النسب سے کیا جائے۔ اور کسی سوداگر یا اچھے پیشے والے کی بیٹی کا نکاح کسی حرام یا مکروہ پیشہ والے سے نہ کیا جائے۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر کسی عورت کا ولی اور خود وہ عورت کسی غیر کفو والے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو

(۱۲) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوُدَّ وَالْوُدَّ فَإِنَّهُ مَكَاتِرُ بِكُمْ الْأُمَمِ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“ (ابوداؤد و ترمذی)

تشریح: منکوحہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفتوں کو ساتھ ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے محبت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔ اور مطلوب اُمت محمدیہ ﷺ کی کثرت ہے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔ اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سی عورت اپنی آئندہ زندگی میں ان اوصاف کی حامل ثابت ہو سکتی ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی خاندان و کنبہ کا عام مشاہدہ اس کی کسی عورت کے لئے ان صفتوں کا معیار بن سکتا ہے چنانچہ ان اکثر لڑکیوں میں یہ صفات موجود ہو سکتی ہیں جن کے خاندان و قربات داروں میں ان صفتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوتے ہیں اور عادت و مزاج میں کسی خاندان و کنبہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہے اس لئے کسی خاندان کی لڑکی کے بارہ میں اس کے خاندان کے عام مشاہدہ کے پیش نظر ان اوصاف کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہر کیف، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے، نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد (یعنی اُمت کی زیادتی و کثرت کا فخر) حاصل ہوتا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ”نکاح کرنے“ سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں کبھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَالِمٍ بْنِ عُثْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ سَاعِدَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَغْذِبُ أَفْوَهاً وَأَنْتَقِ أَرْحَاماً وَأَرْضَى بِالْيَسِيرِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مُرْسَلاً۔

”اور حضرت عبدالرحمن بن سالمؓ ابن عتبہؓ ابن عثمٰنؓ ابن ساعدۃ انصاریؓ اپنے والد حضرت سالمؓ سے اور وہ عبدالرحمنؓ کے دادا (یعنی حضرت عتبہؓ تاہم) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ شریں دین ہوتی ہیں (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان و خوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بد زبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں نیز وہ تھوڑے پر بھی راضی رہتی ہیں (یعنی تھوڑا مال و اسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ کنواری عورتوں کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یہ وہ عورتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً

کنواری عورت زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے کیونکہ اس کے رحم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا رحم، مرد کا مادہ تولید بہت جلد قبول کر لیتا ہے لیکن یہ چیز محض ظاہری اسباب کے درجہ کی ہے جو حکم الہی کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کنواری عورتوں کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تھوڑے سے مال و اسباب پر بھی راضی و خوش رہتی ہیں ان کا شوہر انہیں جو کچھ دیدیتا ہے اسی کو برضا و رغبت قبول کر لیتی ہیں اور اس پر قانع رہتی ہیں کیونکہ وہ بیوہ عورت کی طرح پہلے سے کسی خاوند کا کچھ دیکھے ہوئے تو ہوتی نہیں کہ انہیں کمی بیشی کا احساس ہو اور وہ اپنے شوہر سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کریں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

نکاح کی ایک خصوصیت

(۱۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرِ لِمُتَحَاتَيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ۔

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”(اے شخص!) تو نے نکاح کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ جس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بغیر کسی قرابت کے بے پناہ محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کا کوئی تعلق ایسا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان، جو ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں، اس درجہ کی محبت و الفت پیدا کر دے۔

آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آزَدَ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ ظَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زنائی نجاست سے) پاکی کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔“

تشریح: اس کی وجہ عام طور پر آزاد عورتیں، لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں اس لئے ان کی پاکیزگی مخالطت و مباشرت کے ذریعہ ان کی شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جواب و سلیقہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود بھی کترو پست حیثیت ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب و تہذیب اور اخلاق سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

نیک بخت بیوی کی خصوصیت

(۱۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَقُولُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبْرَتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فَمَنْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا رَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةَ۔

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مؤمن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لئے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوشی بطنی و پاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو

اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارہ میں (یہ) خیر خواہی کرتی ہے (کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی) مذکورہ بالا تینوں حدیثیں ابن ماجہؒ نے نقل کی ہیں۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کو اور ممنوعات سے بچنے کو ”تقویٰ“ کہتے ہیں لہذا ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا نیک و صالح بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب کے بعد اپنی دینی و دنیاوی بھلائی کے لئے جو سب سے بہتر چیز پسند کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی ہے۔

”وہ اس کی تعمیل کرتی ہے“ کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو گناہ و معصیت کا باعث نہیں ہوتیں یعنی وہ اپنے شوہر کی انہیں باتوں اور انہی احکام کی تعمیل کرتی ہے جو شریعت کے خلاف اور خدا کی ناراضگی کا باعث نہیں ہوتے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ مخلوق (یعنی کسی شخص) کا کوئی بھی ایسا علم تعمیل نہ کرنا چاہئے جو خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی سے متعلق ہو۔

”وہ اس کی قسم کو پورا کرتی ہے، کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش و مرضی پر اپنے شوہر کی خواہش و مرضی کو مقدم رکھتی ہے مثلاً جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے خلاف ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کو چھوڑ کر وہ اپنے شوہر کی قسم و مرضی کے مطابق وہی کام کرتی ہے یا جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے نہ کر نیکی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہے تو وہ اپنی خواہش کی پرواہ کئے بغیر اپنے شوہر کی قسم و مرضی کی مطابق اس کام کو ترک کر دیتی ہے۔

نکاح، آدھا دین ہے

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کر لیا اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں خدا سے ڈرے۔“

تشریح: انسان کے جسم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر دین میں فساد و نقصان کا سبب بنتی ہی یعنی شرمگاہ اور پیٹ، لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے نکاح کر کے شرمگاہ کے فتنہ و فساد سے نجات پائی تو اب اسے چاہئے کہ پیٹ کے فتنے و فساد کو دور کرنے کے بارہ میں خدا سے ڈرتا رہے یعنی حلال کمائی اور حلال رزق ہی کے ذریعہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرے تاکہ دین کی بھلائی پوری حاصل ہو۔

کون سا نکاح بابرکت ہے؟

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَهَ أَيْسَرُهُ مُؤَنَّةً۔ رَوَاهُمَا النَّبِيَّهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو“ یہ دونوں روایتیں نبیؐ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔“

تشریح: ”محنت کے لحاظ سے آسان نکاح“ سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال و اسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا کیسا مل جائے برضا و رغبت اسی پر قانع رہے۔

بَابُ النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ وَبَيَانُ الْعَوْرَاتِ

منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضاء کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان

”مخطوبہ“ سے مراد وہ عورت ہے جس سے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو ”عورت“ سے مراد جسم کے وہ اعضاء ہیں جن کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

منسوبہ کو دیکھنے کا مسئلہ

حضرت امام اعظم، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد، اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو، اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تاکہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي الْأَنْصَارِ شَيْنًا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس بارہ میں آپ ﷺ کی کیا ہدایت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ بعض انصاریوں کی آنکھ میں کچھ خرابی ہے جس سے طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تم اپنی منسوبہ کو دیکھ کر یہ اطمینان کر لو کہ اس کی آنکھوں میں تو کوئی نقص نہیں ہے۔ علامہ نووی نے فی اعین الانصار شینا کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ”(بعض) انصاریوں کی آنکھیں کیری یا کرنجی ہوتی ہیں“ بہر کیف اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خیر خواہی کے نکتہ نظر سے کسی چیز کا عیب و نقصان بیان کر دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھ کر مرد سے اس کے حالات بتا دے نیز اس بارہ میں مسئلہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ اپنی منسوبہ کا صرف منہ اور اس کی ہتھیلیاں ہی دیکھنا مباح ہے اگرچہ جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو کیونکہ اس کے لئے یہ دونوں اعضاء ”ستر“ کے حکم میں نہیں ہیں۔

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو

② وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَسْتَعْتَهَا لِرُؤُوسِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ

إِنِّهَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گدازبیں وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف بے شری کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پرکشش خصوصیات سکر نفسانی ہیجان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ و رائی کی جڑ ہے۔

عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات

(۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تَقْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو ”ستر“ کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا ڈھانکنا ضروری ہے، اس بارہ میں جو فقہی تفصیل ہے وہ اس طرح ہے:

مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کے لئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کے لئے ہاں اس مرد کی بیوی یا لونڈی دیکھ سکتی ہے، مرد کے جسم کے اس حصہ کے علاوہ بقیہ حصوں کو دیکھنا مرد کے لئے بھی جائز ہے اور عورت کے لئے بھی بشرطیکہ عورت جنسی ہیجان سے مامون ہو اگر عورت جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کو مطلقاً نہ دیکھے۔ اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے، لہذا عورت کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے جب کہ عورت کا ستر اجنبی مرد کے حق میں اس کا پورا جسم ہے، یعنی مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، ہاں ایک روایت کے مطابق عورت کا چہرہ، اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اس کے ”ستر“ میں داخل نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کا ان اعضاء کا دیکھنا غیر مرد کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرد جنسی ہیجان سے مامون ہو، اگر جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر اس کے لئے ان اعضاء کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ البتہ کسی خاص ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہوگا۔ خواہ جنسی ہیجان سے مامون ہو یا مثلاً گواہ کسی معاملہ میں گواہی کے وقت یا حاکم کسی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ہر حالت میں ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت کے ان اعضاء یعنی چہرہ اور ہاتھ پیر کو چھونا غیر مرد کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ عورت جوان ہو یا اگر عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ نفسانی خواہش اس کی طرف مائل ہی نہ ہوتی ہو یا مرد اتنا بڑھا ہو کہ خود بھی اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اس عورت کے نفس کی طرف سے بھی مطمئن ہو تو اس صورت میں ان اعضاء کو چھونا جائز ہوگا۔

مرد کو اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھنا جائز ہے اسی طرح اپنی اس لونڈی کا پورا جسم دیکھنا جائز ہے جس سے مجامعت حلال ہو۔

عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ ہے۔ لہذا کسی عورت کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو دیکھنا اور چھونا اس کے محرم کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ جھٹی بیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو چونکہ عورت کا سر، پنڈلی، بازو اور سینا اس کے محرم کے حق میں ستر نہیں ہے اس لئے ان اعضاء کو محرم دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ جھٹی بیجان سے مامون ہو۔

مرد کے حق میں غیر کی لونڈی کا ستر اس کی محرمہ کے ستر کی مانند ہے یعنی پیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ لہذا غیر کی لونڈی کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو جو اس کے ستر کے حکم میں ہے دیکھنے اور چھونے کے بارہ میں وہی تفصیل ہے جو اپنی محرمہ کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے اور چھونے کی ہے۔

خوبصورت مرد کو نفسانی خواہش کے ساتھ دیکھنا یا اس کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کسی عورت کو اس سے نکاح کے ارادہ کے وقت، یا کسی لونڈی کو اس کی خریداری کے وقت نفسانی خواہش کے خوف کے باوجود دیکھنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے۔

غلام اپنی مالکہ یعنی مالک کی بیوی کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے یعنی جس طرح اس کے لئے اجنبی مرد سے پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح غلام سے بھی پردہ کرنا چاہئے، ایسے ہی بیچڑا اور خواجہ سرا بھی مرد کی مانند ہے۔ علماء فقہ لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے خواہ یہ نظر ڈالنا نفسانی خواہش کے تحت ہو یا اس کے بغیر ہو۔

”دور ہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں“ کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ دو ننگے مردوں کا ایک کپڑے میں یکجا ہونا یا دو ننگی عورتوں کا ایک کپڑے میں اکٹھا ہونا اگرچہ بحسب عادت کسی برائی کا محل نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود یہ حرام اور مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز بہر حال شرم و حیا کے منافی ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزینی کی ممانعت

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا يَبْتَغِيَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ تَيْبٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاصِحًا أَوْ ذَا مَحْزَمٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خبردار! کوئی مرد کسی تیب عورت کے ساتھ شب نہ گزارے الا یہ کہ وہ مرد منکوح یعنی خاوند ہو یا محرم ہو۔“ (مسلم)

تشریح: یہاں ”رات گزارنے سے مراد“ تنہائی میں ملنا“ ہے لہذا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد کسی اجنبی تیب عورت کے ساتھ کسی جگہ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو خواہ رات ہو یا دن ہو۔

تیب اس عورت کو کہتے ہیں جس سے جماع ہو چکا ہو۔ یا جو خاوند کر چکی ہو۔ لیکن یہاں تیب سے مراد جوان عورت ہے خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنواری ہو۔

”محرم“ سے مراد ہے جس سے نکاح کرنا ابدی طور پر ناجائز ہو جیسے بیٹا، بھائی اور داماد وغیرہ اگرچہ یہ محرمیت دودھ کے رشتہ ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

(۵) وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَاكُمْ وَالذُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْفُ قَالَ الْحَمْفُ الْمَوْتُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اجنبی) عورتوں کے نزدیک جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں یا ننگی کھلی بیٹھی ہوں) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! احمو کے بارہ میں آپ (ﷺ) کا کیا حکم ہے؟

(کیا ان کے لئے بھی یہ ممانعت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”حمو“ تو موت ہے۔۔۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حموشوہر کے قرابت داروں کو کہتے ہیں جیسے بھائی (یعنی عورت کا دیورا وغیرہ ہاں شوہر کا باپ اور شوہر کا بیٹا حمو میں داخل نہیں ہے۔

”حمو تو موت ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موت انسان کی ظاہری اور دنیوی زندگی کو ہلاک کر دیتی ہے اس طرح حمو کا تنہائی میں غیر محرم عورت کے پاس جانا اس کی دینی اور اخلاقی زندگی کو ہلاک و تباہی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ غیر محرم عورتوں کے ساتھ حمو کے خلط ملط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے ان کے عورتوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے رہتے اور ان کے ساتھ بے محابا نشست و برخاست رکھنے کی وجہ سے ان کا کسی برائی میں مبتلا ہو جانا زیادہ مشکل نہیں رہتا اس کی وجہ سے فتنے سرا بھارتے ہیں اور نفس برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ الحمو الموت (یعنی حمو تو موت ہے) لفظ ”موت“ کا ذکر دراصل اس محاورہ کی بنیاد پر ہے جو اہل عرب کے ہیں عام طور پر کسی خطرناک چیز سے خوف دلانے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ شیر مرگ ہے یا بادشاہ آگ ہے۔ چنانچہ ان جملوں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شیر کے قریب جانا، موت کی آغوش میں چلا جانا ہے یا بادشاہ کی قربت آگ کی قربت کی مانند ہے لہذا ان سے بچنا چاہئے۔

معالج عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَأَمَرَ أَبَا طَلِبَةَ أَنْ يَحْجِمَهَا قَالَ حَسِبْتُ أَنَّكَ كَأَنَّ أَخَاهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ أَوْ غُلَامًا مَالَهُمْ يَحْتَلِمُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے رسول کریم ﷺ سے سیٹگی کچھوانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو طیبہؓ کو سیٹگی کھینچنے کا حکم دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابو طیبہؓ (کو سیٹگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ) حضرت اُمّ سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت جابرؓ کا اپنے گمان کا اظہار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ کو سیٹگی کچھوانے کی ضروری حاجت نہیں تھی، کیونکہ ضرورت کے وقت اجنبی مرد کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے سیٹگی کھینچے اور فصد کھولے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی معالج، علاج معالجہ کے وقت عورت کے پورے جسم کو دیکھ سکتا ہے۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ

⑦ وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفَجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے کسی اجنبی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نظر (فوراً) پھیر لوں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا نہ رہے بلکہ فوراً اپنی نظر پھیر لے اور پھر دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھے، کیونکہ پہلی نظر جو بلا قصد و ارادہ پڑی ہو وہ معاف ہے مگر فی الفور نظر پھیر لینا چونکہ واجب ہے اس لئے پہلی نظر کے بعد اس عورت کی طرف دیکھتے رہنا گناہ کی بات ہے چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت میں بھی یہی حکم ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ - (النور ۲۴:۳۰)

”مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں پست کریں۔“

ہاں کسی ضرورت کے وقت مثلاً نکاح وغیرہ کے لئے پہلی نظر کے بعد بھی دیکھنا جائز ہے۔ اگر کسی عورت کے جسم کے کسی حصے پر زخم وغیرہ ہو، یا فصد کھلوانی ہو، اور یا جسم کا کوئی حصہ کسی مرض کی وجہ سے معالج کو دیکھانا ہو تو وہ اپنے جسم کے صرف اسی حصہ کو دکھائے جہاں زخم ہو، یا جس جگہ فصد کھلوانی ہو اور یا جس حصہ کو دکھانا ضروری ہو اور جس کے باقی حصہ کو کڑے سے چھپائے رکھے۔

کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر برا خیال پیدا ہو تو بیوی کے پاس چلے جانا چاہئے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبَلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبَرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ إِذَا أَحَدُكُمْ أَعْجَبَهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ فَلْيَتَعَمَّدْ إِلَى أَمْرِهِ فَلْيَتَوَقَّعْهَا فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ لہذا جب تم میں سے کسی کو کوئی اجنبی عورت اچھی لگے اور وہ اس کے دل میں گھر کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ فوراً اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کر لے کیونکہ یہ مباشرت اس چیز کو ختم کر دے گی جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے (یعنی جنسی خواہش)۔“ (مسلم)

تشریح: ”عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے الخ یہ دراصل گندے خیالات، برے وسوسوں اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے سلسلہ میں عورت کو شیطان کے ساتھ مشابہت دینے کا ایک اسلوب ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیطان انسانوں کے دل و دماغ میں برے خیالات ڈال کر گمراہ کرتا ہے اسی طرح عورت کا جمال مرد کی نظر کو اپنا اسیر بنا کر اس کے دل کو بری خواہشات اور گندے خیالات کی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے، لہذا اجنبی عورت کو دیکھنا فتنہ و شر کا باعث بن جاتا ہے اس سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو تو یہ چاہئے کہ وہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے تو بناؤ سنگار کر کے نہ نکلے اور مرد کو یہ چاہئے کہ وہ اجنبی عورت کی طرف نہ دیکھے اور نہ اس کے کپڑوں کی طرف نظر کرے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مباشرت کے لئے دن میں اپنے پاس بلا لے اگرچہ بیوی کسی ایسے کام میں مشغول ہو جس کو اس وقت چھوڑ دینا ممکن ہو، کیونکہ بسا اوقات مرد پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہوتا ہے کہ مباشرت میں تاخیر اس کے دل و دماغ یا جسم کی کسی تکلیف و مرض کا باعث بن جاتی ہے۔

الفصل الثانی

اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے

⑨ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَاطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا کہ اپنی منسوبہ کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر وہ عزت پسند آگئی اور

طبیعت کو بھانگی تو اس نکاح کے بعد وہ اس عورت کی وجہ سے بدکاری سے بچا رہے گا جو نکاح کا اصل مقصود ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایک موقع پر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے تو اس حکم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حسن و جمال کو ملحوظ ہی نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حسین و جمیل عورت سے نکاح کرنے میں کوئی دینی نقصان و فساد ہو تو اس دینی نقصان و کوتاہی سے بالکل صرف نظر کر کے اس سے محض اس بناء پر نکاح نہ کیا جائے کہ وہ حسن و جمال کی حامل ہے۔

⑩ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرِ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ آخِرُ مَا يُوَدُّمُ بَيْنَكُمْمَا۔ (رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے معنی کا ارادہ کیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ”کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ دیکھ لینا بہت مناسب بہتر ہے۔“ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: یعنی اگر تم اپنی منسوبہ کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس سے نکاح کرو گے تو آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت الفت بہت زیادہ ہوگی کیونکہ جب منسوبہ کو دیکھ لینے کے بعد نکاح ہوتا ہے تو عام طور پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر کوئی شرمندگی و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی بیوی سے تسکین حاصل کر لو

⑪ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ فَاتَى سَوْدَةَ وَهِيَ تَصْنَعُ طَبِيبًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَأَخْلَعَتْهُ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ رَأَى امْرَأَةً تُعْجِبُهُ فَلْيَقِمِ إِلَى أَهْلِهَا فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ آپ ﷺ کو اچھی لگی، چنانچہ آپ ﷺ (فوراً) اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، ان عورتوں نے غلوت کر دی (یعنی حضرت سودہؓ کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئیں) پھر آپ ﷺ نے اپنی ضرورت پوری کی (یعنی حضرت سودہؓ سے مجامعت فرمائی) اور فرمایا کہ ”جس مرد کی کسی ایسی عورت پر نظر پڑ جائے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (فوراً) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس کے ذریعہ جنسی تسکین حاصل کر لے تاکہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور برے خیالات میں مبتلا نہ ہو) کیونکہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔“ (دارمی)

تشریح: اس عورت پر آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ جانا ایک اتفاقی امر تھا جس پر کوئی اختیار نہیں تھا اور پھر اس عورت کا آپ ﷺ کی نظر میں اچھا لگنا انسانی طبیعت و جبلت کا تقاضا تھا جو ایک فطری لمحہ ہے۔

عورت بیگانی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے

⑫ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرِفَهَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، چنانچہ جب کوئی عورت (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: المراءۃ عورۃ کا لفظی ترجمہ ہے ”عورت، ستر ہے“ یعنی جس طرح ستر (شرمگاہ) کو عام نظروں سے چھپاتی ہے اسی طرح عورت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو ریگانے مرد کی نظروں سے چھپ کر پردہ میں رہنا چاہئے اور جس طرح سب کے سامنے ستر کو کھولنا ایک برا فعل سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورت کا بھی لوگوں کے سامنے آنا برا ہے۔

کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑ جانے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں ہے

(۱۳) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَىٰ وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت بريدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ”علی! نظر پڑ جانے کے بعد پھر نظر نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جائے تو پھر اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو) کیونکہ تمہارے لئے پہلی نظر تو جائز ہے (جب کہ اس میں قصد و ارادہ کو قطعاً داخل نہ ہو) مگر دوسری نظر جائز نہیں ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو

(۱۴) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا زَوَّجَ أَحَدُكُمْ عَبْدَهُ أَمَتَهُ فَلَا يَنْظُرَنَّ إِلَىٰ عَوْرَتِهَا وَفِي رِوَايَةٍ فَلَا يَنْظُرَنَّ إِلَىٰ مَا دُونَ الشَّرَةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعيبؓ اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دے تو پھر اس لونڈی کی (شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تو وہ (اس لونڈی کے جسم کے) اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے۔“

(ابوداؤد)

تشریح: جب اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم ہے تو پھر کسی دوسرے کے غلام کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا کہ اس لونڈی کو اپنے لئے بالکل حرام سمجھا جائے۔ لہذا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب اس لونڈی کو بیاہ دیا جائے تو پھر اس کے جسم کی اس حد کو دیکھنا حرام ہوگا جو ناف اور زانو کے درمیان ہوتا ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے۔ کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی اپنے آقا کے حق میں کسی غیر کی لونڈی کی مانند ہو جاتی ہے اور غیر کی لونڈی کے جسم کے مستور حصہ کی تفصیل اور اس کا حکم پیچھے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کی تشریح میں گذر چکا ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی کا ستر (یعنی اس کے جسم کا مستور حصہ) مرد کے ستر کی مانند ہے، دونوں کے دلائل فقہ کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ران، جسم کا مستور حصہ ہے

(۱۵) وَعَنْ جَرِّهِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت جرہدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپا ہوا ہونا چاہئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: کتاب ”اسد الغابہ“ میں یہ لکھا ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد میں حضرت جرہدؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ان کی

ران کھلی ہوئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ ران ستر ہے۔ لہذا یہ ارشاد گرامی ان علماء کے مسلک کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ران ستر نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَا تَبْرُزْ فِخْذَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فِخْذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”علیؓ اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت کھولو اور نہ زندہ شخص کی ران دیکھو اور نہ مردے کی ران دیکھو۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر کے حکم میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں، یعنی جس طرح زندہ شخص کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا منوع ہے جن کا چھپایا جانا شرعی طور پر ضروری ہے اسی طرح مردہ کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا بھی منوع ہے۔

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَعْمَرٍ وَفِخْذَاهُ مَكْشُوفَتَانِ فَقَالَ يَا مَعْمَرُ عَقِّ فِخْذَيْكَ فَإِنَّ الْفِخْذَيْنِ عَوْرَةٌ۔ (رواہ ابی ثریب)

”اور حضرت محمد ابن جحشؒ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت معمرؓ کے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”معمر! اپنی رانوں کو چھپا لو کیونکہ ران ستر ہے۔“ (شرح السنہ)

بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا اچھا نہیں ہے

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّاكُمْ وَالتَّعَرَّى فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يَفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يَقْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَاکْبُرُوا لَهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم رہنے ہونے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ پاخانہ اور اپنی بیوی سے جماعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ (فرشتے) ہوتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہذا تم ان (فرشتوں) سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم ہر وقت اپنے ستر کو چھپائے رکھو، اچھے کام کرتے رہو اور بری باتوں اور فحش اعمال سے اجتناب کرتے رہو تاکہ ان فرشتوں کی شان میں حیا سوزی نہ ہو اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مثلاً جماعت یا رفع حاجت وغیرہ کے علاوہ ستر کو کھولنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی بات ہے۔

عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۹) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِمْوْنَةُ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَبْنَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يَبْصُرُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمِيَا وَنِ انْتُمَا السُّمَمَاتُ بَصَرُ ابْنِهِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت ام المومنین ام سلمہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ ام المومنین حضرت میمونہؓ رسول کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن ام مکتومؓ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آگئے، آنحضرت ﷺ نے (ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ ”ان سے چھپ جاؤ“ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ ”کیا وہ نابینا نہیں ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے،

آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔“

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبی یعنی غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اس کی طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے لیکن علماء یہ لکھتے ہیں کہ یہ تو یہ ارشاد گرامی ورع، اور تقویٰ پر محمول ہے یا یہ کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ عورت، مرد کو بطور اختلاط نہ دیکھے یعنی ایسا ہونا چاہئے کہ دو اجنبی مرد و عورت ایک جگہ پاہم ہوں اور دونوں ایک دوسرے سے بات چیت کریں اور عورت، مرد کو شوق و دل چسپی کے ساتھ غور سے دیکھے، چنانچہ اس بارہ میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ لیکن ناف سے زانوں تک کے حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے اس مسئلہ کی دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ ”جب حبشی نیزہ بازی کر رہے تھے تو میں ان کو دیکھ رہی تھی“ حضرت عائشہؓ کی جہشوں کو دیکھنا ۹ھ کی بات ہے جب کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور پردہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ علاوہ اس کے جسم کے اس مذکورہ حصہ کے جو ستر میں داخل ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے جب کہ جنسی خواہش سے مامون ہو، اگر جنسی خواہش سے مامون نہ ہو تو پھر مرد کو بالکل نہ دیکھے۔

خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو

②۰ وَعَنْ يَهْزَبِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يَسْتَحْيِيَ مِنْهُ۔

(رواہ الترمذی والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت بہز ابن حکیمؓ اپنے والد مکرم (حضرت حکیمؓ سے اور وہ بہزؓ کے دادا (حضرت معاویہؓ ابن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم اپنا ستر چھپائے رکھو علاوہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے (کہ ان کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے) حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آدمی جب خلوت (تنہائی) میں ہو تو کیا وہاں بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ لائق تر ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اگرچہ کوئی موجود نہیں ہوتا لیکن اس وقت بھی اپنا ستر کھولنا مناسب نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو ہر صورت کو دیکھتا ہے جو انسانوں سے زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس سے شرم و حیاء کی جائے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا واجب ہے ہاں کسی ضرورت کی بناء پر کھولنا جائز ہے۔

حدیث میں ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بیوی اور لونڈی کا جو استثناء کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ملک اور نکاح، جانبدار (یعنی مرد و عورت) کے لئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح کر دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو

②۱ وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُونَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِفَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں یک جا ہوتا ہے تو وہاں ان میں کا تیرا شیطان ہوتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: جب دو اجنبی مرد و عورت کہیں خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو ہاں شیطان فوراً پہنچ جاتا ہے جو ان دونوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں یکجا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ آنے دو کہ شیطان تمہارے درمیان آجائے اور تمہیں برائی کے راستہ پر لگادے۔

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلْبِسُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْعَلُ مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْزَى الدَّمِ فَلَنَّا وَمِنْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَمَتْنِي وَلَكِنَّ اللَّهَ اعَانَنِي عَلَيْهِ فَاسْلَمَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ان عورتوں کے پاس (تنہائی میں) نہ جاؤ جن کے خاوند موجود نہ ہوں کیونکہ تمہارے جسموں میں خون دوڑنے کی جگہ شیطان دوڑتا رہتا ہے (یعنی شیطان کا بہکاوا اور اس کا تصرف انسان کے تمام رگ و پوست میں سرایت کرتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا شیطان آپ ﷺ کے جسم میں بھی دوڑتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! میرے جسم میں بھی دوڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے چنانچہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں۔“ (ترمذی)

تشریح: یوں تو کسی غیر محرم عورت کے پاس تنہائی میں جانا اس کے ساتھ اختلاط رکھنا ممنوع ہے لیکن اس حدیث میں ان عورتوں کا کہ جن نے خاوند گھر پر موجود نہ ہوں (مثلاً باہر سفر میں گئے ہوں) خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شادی کے بعد چونکہ عورتوں کے جنسی جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور ان پر نفسانی خواہش کا غلبہ رہتا ہے اس لئے ان کے خاوند کی غیر موجودگی میں ان کے پاس تنہائی میں غیر محرم مرد کا جانا برائی میں مبتلا ہو جانے کے بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔

لفظ مَجْزَى الدَّمِ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ”خون دوڑنے کی جگہ یعنی رگ“ کیا ہے جیسا کہ یہاں نقل کیا گیا ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ (تمہارے اندر شیطان اس طرح دوڑتا ہے) جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا، یعنی جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا رہتا ہے اور تم اسے دیکھ نہیں پاتے ایسے ہی تم پر شیطان اس طرح مسلط اور چھپا ہوا ہے کہ باوجودیکہ وہ تم پر اپنا تصرف کرتا رہتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں پاتے! مال کار اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

لفظ اسلم مضارع متکلم کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے اور بعض روایتوں میں صیغہ ماضی کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے اور یہ دونوں صحیح ہیں چنانچہ مضارع متکلم کا ترجمہ تو وہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا اور اگر اسے صیغہ ماضی کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے) چونکہ وہ شیطان (میرے حق میں) مسلمان (یعنی مطیع و مغلوب) ہو گیا ہے۔

غلام، اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے

(۲۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى فَاطِمَةَ بَعِيدًا قَدِ وَهَبَهُ لَهَا وَعَلَى فَاطِمَةَ ثَوْبٌ إِذَا قَتَعَتْ بِهِ رَأْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رَجُلِيهَا وَإِذَا غَطَّتْ بِهِ رَجُلِيهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا فَلَمَّا زَاى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلَقَّى قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ بَأْسٌ أَنْمَا هُوَ أَبُوكَ وَغُلَامُكَ۔ (رواہ البوراد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں وہ غلام بھی موجود تھا جو ان کو آنحضرت ﷺ نے عطا کیا تھا اور حضرت فاطمہؓ کے جسم پر ایک ایسا (چھوٹا) کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو چھپاتیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے تھے اور جب اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتیں تو ان کا سر کھلا رہ جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

فاطمہؓ کو اس پریشانی میں دیکھا (کہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں) تو فرمایا کہ ”(فاطمہ! اتنا کیوں پریشان ہوتی ہو) اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ (جس سے تم اتنا شرماری ہو) وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا غلام ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے یعنی پردہ وغیرہ کے بارہ میں جو محرم کا حکم ہے وہی اس کے غلام کا ہے، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہوتا ہے لہذا غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کے صرف انہی حصوں کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے جن حصوں کی طرف ایک اجنبی مرد نظر اٹھا سکتا ہے یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں۔ حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا یہ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ جو بات کہتے ہیں وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام جو حضرت فاطمہؓ کے پاس تھا اس وقت نابالغ ہو۔

الفصل الثالث

عورتوں میں منث کے آنے کی ممانعت

(۳۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُحَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي أُمَيَّةَ أَحْيَى أُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ لَكُمْ غَدَا الطَّائِفَ فَأَتَى أَدْلُكَ عَلَى ابْنَةِ غِيلَانَ فَإِنَّهَا تَقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِسَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ۔ (متفق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک منث (بھی موجود) تھا وہ منث حضرت عبداللہ ابن امیہ سے کہ جو حضرت ام سلمہؓ کے بھائی تھے کہنے لگا کہ ”عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے کل آپ لوگوں کو طائف پر فتح بخشی تو میں آپ کو غیلان کی بیٹی دکھاؤں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے“ رسول کریم ﷺ نے (جب اس منث کی یہ بات سنی تو) فرمایا کہ ”یہ منث تمہارے پاس نہ آیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ ”منث“ نون کے زیر کے ساتھ یعنی ”منث“ بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور نون کے زیر کے ساتھ ”منث“ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ صحیح زیر کے ساتھ یعنی ”منث“ ہی ہے جب کہ مشہور زیر کے ساتھ یعنی عام طور ”منث“ لکھا پڑھا جاتا ہے۔ منث اس شخص کو کہتے ہیں جو عادات و اطوار، بول چال اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو ہمارے ہاں زنانہ اور زرخا کہتے ہیں۔ یہ مشابہت کبھی تو خلقی طور پر ہوتی ہے اور کبھی مصنوعی طور پر اختیار کی جاتی ہے خلقی طور پر جو مشابہت ہوتی ہے اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ ایک قدرتی چیز ہوتی ہے جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جو مشابہت مصنوعی ہوتی ہے کہ بعض مرد، عورتوں کی مشابہت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے رہن سہن، عادات و اطوار اور بول چال میں اپنے آپ کو بالکل عورت ظاہر کرتے ہیں یہ بہت برائی اور گناہ کی بات ہے ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو مردوں کے مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

یہاں حدیث میں جس منث کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام بیٹ تھا بعض نے اس کا نام ماطع لکھا ہے، اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ پہلے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آیا جایا کرتا تھا کیونکہ ازواج مطہرات کا یہ گمان تھا کہ یہ خلقی طور پر اوصاف مردانگی سے عاری اور جذبات نفسانی سے خالی ہے، اسے عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و حاجت ہے اور نہ جنسیات سے اسے کوئی دلچسپی ہے بلکہ یہ ”غیر اولی الاربعہ“ میں سے ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور کہا ہے کہ ان سے پردہ کرنا عورتوں کے لئے واجب نہیں

ہے۔ مگر جب آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سنی جو جنسی معاملات میں اس کی دلچسپی کی مظہر تھی تو آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ محنت غیر اولی الاربہ میں سے نہیں ہیں بلکہ اولی الاربہ میں سے ہیں اور جنسیات کی طرف خواہش و رغبت رکھتے ہیں لہذا آپ ﷺ نے فوراً منع کر دیا کہ اب محنت گھروں میں داخل نہ ہوا کریں۔ اور عورتوں کے پاس آیا جائے نہ کریں۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ محنت کے لئے گھروں میں داخل ہونے اور عورتوں کے پاس آنے جانے کی ممانعت ہے بلکہ خصی اور مجبوب کا بھی یہی حکم ہے اور پردہ وغیرہ کے سلسلہ میں تینوں ان مردوں کی مانند ہیں جن سے پردہ کرنا عورتوں پر واجب ہے۔

”جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے“ اس بات سے اس محنت کا مقصد غیلان کی بیٹی تھی کہ جس کا نام بادیہ تھا کہ فرہی و تنومندی کو بیان کرنا تھا کیونکہ عام طور پر جس شخص کا جسم فرہی ہوتا ہے اس کے پیٹ پر چار شکن پڑے ہوتے ہیں جو سامنے سے چار ہی نظر آتے ہیں مگر پیچھے سے دیکھنے پر وہ آٹھ نظر آتے ہیں بایں طور کہ ان چاروں شکنوں کے سرے دونوں پہلوں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں، لہذا محنت نے جو یہ بات کہی تو اس کی مراد یہی تھی کہ غیلان کی بیٹی جب آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکن نظر آتے ہیں اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو پیچھے آٹھ شکن معلوم ہوتے ہیں جو دراصل پیٹ کے ان چاروں شکنوں کے وہ دونوں طرف کے سرے ہوتے ہیں جو دونوں پہلوں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں حاصل یہ ہے کہ عرب کے لوگ چونکہ فرہی جسم والی عورتوں کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لئے اس محنت نے غیلان کی بیٹی کی فرہی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ طرز تعبیر اختیار کیا۔

برہنگی کی ممانعت

(۲۵) وَعَنِ الْمُسَوِّرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجْرًا ثَقِيلًا فَبَيَّنَا أَنَا أَمْسَيْنِ سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَخْذَهُ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوا عُرَاءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت مسور ابن مخرمہ کہتے ہیں کہ (ایک دن اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بھاری پتھر اٹھایا اور اسے لے کر چلا تو (راستہ میں) میرا کپڑا (یعنی تہبند) میرے بدن سے گر پڑا (جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا) مگر میں (بوجہ کی وجہ سے فوری طور پر) اپنے کپڑے کو اٹھا نہیں سکا اور اسی دوران رسول کریم ﷺ نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (فورا) اپنا کپڑا اٹھاؤ (اور ستر پوشی کرو) اور پھر آپ ﷺ نے یہ عام حکم دیا کہ (نگے نہ چلا کرو۔“ (مسلم)

شرم و حیا کا انتہائی درجہ

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ أَوْ مَا زَأَيْتُ فَرَجَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر کی طرف کبھی نظر نہیں اٹھائی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کا ستر کبھی نہیں دیکھا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حرف ”او“ دراصل راوی کے اس شک کو ظاہر کرتا ہے کہ روایت میں مانظرت (میں نے کبھی نظر نہیں اٹھائی) کے الفاظ ہیں یا ما زایت (میں نے کبھی نہیں دیکھا) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں بہر حال ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ان کے مفہوم و مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ کے یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو آنحضرت ﷺ نے میرا ستر کبھی دیکھا اور نہ کبھی میں نے آنحضرت ﷺ کا ستر دیکھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اور شرم و حیا کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔

حسین عورت کی طرف اچانک نظر اٹھ جانے کے بعد پھر فوراً اپنی نظر پھیر لینے کا اجر

(۲۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مُحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوْ لَمَّةٍ ثُمَّ يَنْفُصُ بَصَرَهُ إِلَّا أَحَدَّثَ اللَّهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ خَلَاؤَهَا - (رواه احمد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس مسلمان کی نظر پہلی مرتبہ (بلا قصد و ارادہ) کسی عورت کے حسن و جمال کی طرف اٹھ جائے اور پھر وہ (فوراً) اپنی نظر پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک عبادت پیدا کر دے گا جس سے وہ شخص لذت حاصل کریگا۔“ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں ایک حسن و جمال کی طرف اٹھی ہوئی نظر کو فوراً پھیر لیا اور اس طرح اس نے گویا اپنے جمالیاتی ذوق کو تسکین پہنچانے کی بجائے اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنے نفس کی خواہش کو پامال کر دیا اس لئے حق تعالیٰ اس کے اس فعل (نظر پھیر لینے) کو ایک ایسی عبادت میں تبدیل کر دے گا جس کی وجہ سے وہ اپنے قلب و دماغ میں حکم خداوندی کی تعمیل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مخصوص سکون قلب کی لذت محسوس کرے گا اور یہ لذت دراصل اس تلخی کا بدلہ ہوگی جو اس نے اپنے نفس کی خواہش پر صبر و ضبط کرنے کے برداشت کی تھی۔

ممنوع النظر چیز کی طرف قصداً دیکھنے والے کے لئے وعید

(۲۸) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ النَّاطِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ زَوَاهُ النَّبِيَّهُتِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت حسن بصریؒ نے بطریق ارسال روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے (صحابہؓ سے) یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اس شخص پر کہ جس نے (بلا عذر و بغیر اضطراب) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو اس چیز کی طرف قصداً اور ارادہ دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ کوئی اجنبی عورت ہو یا کسی کاستر ہو یا اور کوئی ممنوع النظر چیز ہو۔ اسی طرح اس کو بھی لعنت قرار دیا گیا ہے جس کو دیکھا جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے بغیر عذر اور اضطراب کے قصداً اپنے آپ کو دکھایا ہو مثلاً کوئی عورت اپنے آپ کو قصداً کسی اجنبی مرد کو دکھائے تو اس صورت میں وہ بھی اس لعنت میں داخل ہوگی ہاں اگر کسی عورت کو کسی اجنبی مرد نے اس طرح دیکھا کہ اس میں اس عورت کے قصد و ارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو تو وہ بھی اس لعنت کا مورد نہیں بنے گی۔

بَابُ الْوَلِيِّ فِي التَّكَاحِ وَاسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ

نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

”ولی“ لغوی طور پر ”کار ساز منظم“ کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کام کا منظم ہو۔ لیکن یہاں ”ولی“ سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی و ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کہ اس عورت کے نکاح کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہوگا کہ نکاح کے بارے میں ولی کی اجازت کا حاصل ہونا اور عورت کی رضا معلوم کرنا ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ ولایت (یعنی کسی کے ولی ہونے کا حق) کن کن لوگوں کو حاصل ہے؟ چنانچہ جاننا چاہئے کہ نکاح کے

سلسلہ میں ولایت کے اختیار اس کے ان رشتہ دار کو حاصل ہوتے ہیں جو عصبہ بنفسہ ہوں اگر کئی عصابات بنفسہ ہوں تو انہیں مقدم وہ ہوگا جو وراثت میں مقدم ہو گیا اس بارہ میں عصبات کی وہ ترتیب رہے گی جو وراثت میں ہوتی ہے۔ اگر عصبات بنفسہ میں کوئی نہ ہو تو ماں کو ولایت حاصل ہوگی پھر دادی کو (قنیہ میں اس کے برعکس ترتیب مذکور ہے) پھر بیٹی کو پھر، پوتی کو پھر، نوای کو پھر، پوتے کی بیٹی کو، اور اگر انہیں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر نانا کو ولایت حاصل ہوگی، پھر حقیقی بہن کو، پھر سوتیلی بہن کو، پھر ماں کی اولاد کو (خواہ مرد یا عورت ہوں) پھر اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد کو، اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر زوی الارحام کو حاصل ہوگی، زوی الارحام میں سب سے پہلے چھو پھیاں ولی ہوں گی، ان کے بعد ماموں، ان کے بعد خالائیں، ان کے بعد چچا کی بیٹیاں اور ان کے بعد اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق ولایت مولی الموالات کو حاصل ہوگا (مولی الموالات کے معنی باب الفرائض میں بیان ہو چکے ہیں) اگر مولی الموالات بھی نہ ہو تو پھر بادشاہ وقت ولی ہوگا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کا کوئی نائب مثلاً قاضی جس ولی ہو سکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ اختیار دیا گیا ہو اس کے بعد قاضی کے نائبوں کو حق ولایت حاصل ہوگا بشرطیکہ اپنا نائب بنانے کی اجازت و اختیار قاضی کو حاصل ہو۔ اگر قاضی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہوگی تو پھر اس کا کوئی بھی نائب ولی نہیں ہو سکے گا۔

ولایت کا حق حاصل ہونے کے لئے آزاد ہونا۔ عاقل ہونا بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے، لہذا کوئی غلام کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، کوئی نابالغ کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، کوئی دیوانہ اور پاگل کسی کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ولی ہو سکتا ہے، اسی طرح کوئی مسلمان بھی کسی کافر کا ولی نہیں ہو سکتا الا یہ کہ کوئی عام سبب پایا جائے جیسے کوئی مسلمان کسی کافر لونڈی کا آقا ہو، یا مسلمان بادشاہ یا بادشاہ کا نائب ہو تو اس صورت میں مسلمان، کافر کا ولی ہو سکتا ہے۔

الفصل الاول

نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہئے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تُسَكَّتَ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے، اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے“ (یہ سکر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ اس کنواری عورت کی اجازت کیسے حاصل ہوگی (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم و حیا کرتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”اس طرح کہ وہ چپکی رہے یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجازت مانگے جانے پر اگر سب شرم و حیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو (پہلے کبھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو) خواہ شیب ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو چکی ہو اور پھر یا تو اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو) لیکن یہاں ایم سے مراد شیب بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالغہ ہو اور اس کا پہلا شوہر یا تو مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو۔

عورت سے اس کے نکاح کی اجازت حاصل کرنے کے سلسلہ میں حدیث نے باکرہ (کنواری) اور شیب (بیوہ) کا ذکر اس فرق کے ساتھ کیا ہے کہ شیب کے بارہ میں تو یہ فرمایا گیا کہ ”جب تک اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے“ اور باکرہ کے بارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے“ لہذا ”حکم“ اور ”اجازت“ کا یہ فرق اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ شیب یعنی بیوہ عورت اپنے نکاح کے سلسلہ میں زیادہ شرم و حیا نہیں کرتی بلکہ وہ خود کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے یا کم سے کم صریح اشارات کے ذریعہ اپنی

خواہش کا از خود اظہار کر دیتی ہے اور اس بارہ میں اسے کوئی خاص ججک نہیں ہوتی اس کے برخلاف باکرہ یعنی کنواری عورت چونکہ بہت زیادہ شرم و حیا کرتی ہے اس لئے وہ نہ تو کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے اور نہ صریح اشارات کے ذریعہ ہی اپنی خواہش کا اظہار کرتی ہاں جب اس کے نکاح کی اجازت اس سے لی جائے تو وہ اپنی رضامندی و اجازت دیتی ہے بلکہ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ طلب اجازت کے وقت وہ زبان سے اجازت دینا بھی شرم کے خلاف سمجھتی ہے اور اپنی خاموشی و سکوت کے ذریعہ ہی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی ہے۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حکم یا اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوتا، لیکن فقہاء کے یہاں اس بارہ میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام عورتوں کی چار قسمیں ہیں اول شیبہ بالغہ یعنی وہ بیوہ عورت جو بالغ ہو، ایسی عورت کے بارہ متفقہ طور پر تمام علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ عاقلہ ہو یعنی دیوانی نہ ہو، اگر عاقلہ نہ ہوگی تو ولی اجازت سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔

دوم باکرہ صغیرہ یعنی وہ کنواری لڑکی جو نابالغ ہو، اس کے بارہ میں بھی تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ اس کے نکاح کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ سوم شیبہ صغیرہ یعنی وہ بیوہ جو بالغ نہ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء کا تو یہ قول ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن شافعی علماء کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

چہارم باکرہ بالغہ یعنی وہ کنواری جو بالغہ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں لیکن شافعی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

گویا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغیر پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہو گا جب کہ وہ کس یعنی نابالغ ہو خواہ وہ باکرہ (کنواری) ہو یا شیبہ (بیوہ) ہو۔ جب کہ شافعی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اس صورت میں حاصل ہو گا جب کہ وہ باکرہ ہو۔ خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بالغہ پر محمول ہے خواہ وہ شیبہ ہو یا باکرہ ہو۔ اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی وَلَا تُنْكَحُ الْبُكَرُ حَتَّى تَسْتَأْذِنَ (کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے) شوافع کے قول کے خلاف ایک واضح دلیل ہے۔

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِثْمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبُكَرُ تَسْتَأْذِنُ فِي نَفْسِهَا وَادْنِئَهَا ضَمَاتُهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ النَّبِيُّ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبُكَرُ تَسْتَأْذِنُ وَادْنِئَهَا سَكُونُهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ النَّبِيُّ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبُكَرُ يَسْتَأْذِنُهَا اَبُوْهَا فِي نَفْسِهَا وَادْنِئَهَا ضَمَاتُهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ایم یعنی وہ عورت جو بیوہ بالغہ اور عاقلہ ہو اپنے (نکاح) کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی (جو بالغ ہو) بھی اس کی حق دار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ (یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم و حیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شیبہ (یعنی بیوہ عورت) اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی (اس کے نکاح کی) اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

۱ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شیبہ اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے

بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ عورت اپنے نکاح کی اجازت دینے یا نہ دینے کے معاملہ میں بالکل خود مختار ہے اور یہ کہ جب تک وہ خود اپنی زبان سے اجازت نہ دیدے اس کا نکاح نہیں ہوگا بخلاف کنواری عورت کے کہ اس کے لئے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ خاموشی کے ذریعہ بھی اپنی اجازت کا اظہار کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں باقی تفصیل و تشریح وہی ہے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں جو کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں ان میں صرف تھوڑا سا اختلاف ہے مفہوم، ومعنی کے اعتبار سے تمام روایتیں تقریباً یکساں ہیں۔

بیوہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے

③ وَعَنْ خَنْسَاءِ بِنْتِ خَدَّامٍ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَاتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَدَّ نِكَاحَهَا وَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نِكَاحَ ابْنِهَا۔

”اور حضرت خنساء بنت خدامؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کئے بغیر) کر دیا جب کہ وہ بیوہ (اور بالغہ) تھیں چنانچہ انہوں نے اس عقد کو ناپسند کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (اپنا معاملہ لیکر) حاضر ہوئیں، لہذا آپ ﷺ نے ان کا نکاح (یعنی ان کے والد کے نکاح کرنے کو) رد کر دیا“ (بخاری) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا نکاح جو ان کے والد نے کیا تھا، رد کر دیا۔“

آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

④ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَنَعٍ سِنِينَ وَزَفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ سِنِينَ وَلُعْبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِي عَشْرَةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب کہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ آنحضرت ﷺ کے گھر بھی گئیں تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کھیلنے کے لئے) کھلونے ان کے ساتھ تھے اور جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی ابتدائی زندگی کے تین اہم موڑ اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کی مدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آئیں، نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر آستانہ نبوت میں لائی گئیں اور نو سال کی رفاقت کے بعد جب کہ ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

نو سال کی عمر بچپن کی عمر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ساتھ وہ کھلونے بھی آئے جن سے وہ اپنے گھر کھیل کر تھیں اور یہ کھلونے بھی کیا تھے وہ گولیاں تھیں جو غام طور پر بچیوں کا سب سے محبوب کھلونا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ان گولیوں کو دیکھا تو ان پر اظہار پسندیدگی نہیں کیا لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ گولیوں کا بنانا جائز ہے اور بچیوں کو گولیوں سے کھیلنا مباح ہے، اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ گولیوں سے کھیلنا دراصل بچیوں کے لئے ایک سبق بھی ہے جس سے وہ اولاد کی پرورش سینا پر ونا اور گھر کی اصلاح و انتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں تاہم اس بارہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کا ہے اور اس وقت تک تصویر کی حرمت نازل نہیں ہوئی ہوگی۔ جب کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ساتھ گولیاں لیکر آئی تھیں ان میں صورتیں بنی ہوئی نہیں تھیں جو تصویروں میں ہوتی ہیں اور حرام ہیں بلکہ کپڑوں اور

چیتھڑوں کو پلیٹ کر بغیر صورتوں کے یوں ہی بنائی گئی تھیں۔

الفصل الثانی

کس لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا

⑤ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ - (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت ابو موسیٰؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کس لڑکی اور دیوانی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا عورت خواہ اصیلہ ہو خواہ وکیلہ ہو۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو (نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ ماننے بلکہ رکھنے کی صورت میں) جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابو حنیفہؒ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتُ نَفْسَهَا بَغِيرِ إِذْنٍ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا

بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحْلَ مِنْ فَرْجِهَا فَإِنْ اشْتَجَرُوا فَالْشُّلْطَانُ وَلِيُّ

مَنْ لَا وَلِيَ لَهُ - (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ جماعت کی تو وہ مہر کی حق دار ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”اس کا نکاح باطل ہے۔“ یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرما کر گویا ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح پر مستتبہ کیا اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت و مرضی کو بنیادی درجہ حاصل ہونا چاہئے، اس طرح یہ حدیث اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں ارشاد گرامی الْاَيُّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (ایم کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے) کے معارض و برعکس ہیں۔ اس لئے حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے یا یہ کہ جو کس لڑکی، یا لونڈی اور یا مکتبہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ حدیث اور اسے پہلے کی حدیث، یہ دونوں فنی طور پر اس درجہ کی نہیں ہیں کہ انہیں کسی مسلک کے خلاف بطور دلیل اختیار کیا جاسکے کیونکہ ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف و نزاع کرتے ہیں اور کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہو پاتے تو وہ سب کا عدم ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ وقت کو حاصل ہوتا ہے ورنہ تو یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا

④ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحُنَّ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ عورتیں زنا میں مبتلا ہوتی ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں“ اس روایت کے بارہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو۔ چنانچہ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے۔ تمام ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے اور صحابہؓ و تابعینؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَةُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهِيَ إِذْنُهَا وَإِنْ أَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي مُوسَى -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بائٹہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کی جائے اور اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر نہ کیا جائے“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی) نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: شادی بیاہ کا معاملہ انسانی زندگی کا بڑا اہم موڑ ہوتا ہے، اس موڑ پر زوجین کی مرضی و خواہش کے علی الرغم والدین اور ولی و سرپرست کا کوئی بھی فیصلہ اور اس میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی اور غیر دانشمندی زوجین کی پوری زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ہر بالغ مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت یہ حق دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی مرضی و خواہش اور اپنی پسند و ناپسند کا پورا پورا اظہار کرے۔ خاص طور پر عورتوں کے بارہ میں ان کے ماں باپ اور ولی و سرپرست پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی ذاتی پسند و ناپسند ہی کو مدار قرار نہ دیں بلکہ عورت کو خود بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیں اور اس کی اجازت و مرضی ہی کو اصل فیصلہ سمجھیں۔ پھر اس کی اجازت کے بارہ میں یہ آسانی بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت شرم و حیا کی وجہ سے اپنی اجازت و مرضی کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتی تو اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت کی خاموشی کو اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے یعنی عورت اگر اپنے ولی کی طلب اجازت کے موقع پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور اجازت طلب کرے تو اس صورت میں عورت کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ زبان سے اجابت دے۔

غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيْمًا عَبْدٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فَهُوَ عَاهِزٌ -

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و الدارمی)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، لہذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے جماعت کریگا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کا بہانہ بنائے گا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دیدے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دیدے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

الفصل الثالث

بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے

⑩ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ جَارِئَةً بَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک کنواری عورت (جو بالغ تھی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دیدیا (کہ چاہے تو وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے توبہ کر دے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نکاح کے معاملہ میں عورت پر جبر کرے اگرچہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو اور ولی خواہ باپ دادا ہو یا اور کوئی عزیز چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو عورت کنواری نہ ہو گو وہ بالغ ہو تو ولی کو اس کا نکاح کرنے کے معاملہ میں اس پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے لیکن عورت کنواری ہو اس (کی اجازت) کے بجز نکاح کر دینے کا اختیار ولی کو حاصل ہے۔ اگرچہ وہ عورت بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَوِّجِ الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ وَلَا تَزَوِّجِ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تَزَوِّجُ نَفْسَهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زانیہ بنتا رہتی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: ”عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے“ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق یا تو اس عورت سے ہے جس کو ولایت حاصل نہ ہو یا پھر یہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ اگرچہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کر لے یا کسی کو بھی اپنا وکیل بنا دے۔ لیکن اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کو سپرد کر دے چنانچہ اگر کسی عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح اسی کو کرنا مستحب ہے اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے اگر کسی کا کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

”لہذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ جس عورت کا ولی موجود ہو تو کوئی دوسری عورت اس کا نکاح نہ کرے

بلکہ وہ ولی خود کرے اور اگر ولی موجود نہ ہو تو پھر قاضی کو حق ولایت حاصل ہوگا جو اس عورت کا نکاح کرے گا۔

”نہ عورت خود اپنا نکاح کرے“ خفیہ کے نزدیک اس ممانعت کی مراد یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر گواہوں کے اور غیر کفو سے اپنا نکاح نہ کرے۔ جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے آخری جملہ کا مطلب خفیہ کی مراد کی روشنی میں تو یہ ہوگا کہ جو عورت اس شوہر سے جماعت کرے گی جس سے اس نے بغیر گواہوں کے اور اس کے غیر کفو ہونے کے باوجود نکاح کیا ہے تو اس کی جماعت زنا کے حکم میں ہوگی۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی مراد کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ جب بھی اپنے اس شوہر سے جماعت کرے گی گویا زنا کا ارتکاب کرے گی۔ کیونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح کسی عورت کو کسی دوسری عورت کا عقد کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اسی طرح کوئی عورت خود اپنا عقد نکاح کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ شوافع کے ہاں عورتوں کی عبادت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

اولاد کے تئیں باپ کے فرائض

(۱۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْنِسْ اسْمَهُ وَادَّبَهُ فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُزَوِّجْهُ فَاصْأَبْ إِنْمَا فَإِنَّمَا إِنْمَا عَلَى آيَةٍ۔

”اور حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو چاہئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے (یعنی اسے شریعت کے احکام و آداب اور زندگی کے بہترین طریقے سکھائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سربلند ہو) اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ اگر لڑکا بالغ ہو (اور غیر مستطیع ہو) اور اس کا باپ اس (اس کا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے (یعنی جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جائے) تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔“

تشریح: صالح معاشرہ کی حقیقی بنیاد وہ نوخیز ذہن ہیں جو اپنے والدین اور سرپرست کی آغوش پرورش میں اعمال و کردار کی بنیادی تربیت حاصل کرتے ہیں، اگر اس بنیادی تربیت کا فقدان ہوتا ہے تو کائنات انسانی کا ہر طبقہ بھیاں تک قسم کی برائیوں سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ آگے چل کر یہی نوخیز معاشرہ کا فعال جز بنتے ہیں اور ان کا ایک ایک فعل و عمل اپنے اثرات پیدا کرتا ہے۔

آج کے دور میں فحاشی و بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ جو بھی نئی نسل سامنے آتی ہے وہ اعمال و کردار اور ذہن و عقیدہ کی اس بنیادی تربیت سے محروم رہتی ہے جو والدین اور سرپرستوں کے زیر سایہ ملنی چاہئے۔ اسی لئے یہ حدیث اس اہم نکتہ کی طرف متنبہ کر رہی ہے اور والدین کو ان کے اس فریضہ سے آگاہ کر رہی ہے کہ جب ان کے لڑکا پیدا ہو تو پہلے وہ اس کا اچھا نام رکھیں کیونکہ اچھا نام پوری زندگی پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے، پھر جب وہ بوش سنبھالے تو اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں بایں طور کہ اسے دین کی تعلیم دلوائیں۔ اسلامی احکام و آداب سے روشناس کرائیں اور اسے زندگی کے اعلیٰ اصول اور اچھے طریقوں کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ سب سے پہلے تو اس کا قلب و دماغ نیکی و برائی کے امتیاز کو جان لے اور پھر اس کا کردار اس چشتی کے حامل ہو جائے جو زندگی کے ہر راستہ پر اسے نیکی و بھلائی ہی کی طرف لے جائے۔

جب تعلیم و تربیت کا یہ مرحلہ گزر جائے اور وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کے بعد والدین کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کی شادی کی طرف فوراً متوجہ ہوں تاکہ وہ مرد زندگی کی وجہ سے جنسی جذبات کی مغلوبیت کا شکار ہو کر برائیوں کے راستہ پر نہ لگ جائے چنانچہ اس فریضہ کی اہمیت کو بتانے اور اس بات کی تاکید کے لئے بطور زجر و تہدید یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بالغ لڑکے کی شادی نہیں کی اور وہ

لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اور وبال باپ پر ہوگا۔ اس بارے میں غلام اور لونڈی کا بھی وہی حکم ہے جو لڑکے کا ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو

(۱۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَنْسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي التَّوْرَةِ مَكْتُوبٌ مَنْ بَلَغَتْ ابْنَتُهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يَزُوجْهَا فَأَصَابَتْ إِيْمًا فَأُتِمَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ - رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ -

”اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس ابن مالکؓ جناب رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ (کھوپانے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے“ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ و شرط کا بیان

”اعلان نکاح“ نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ ”نکاح کا اعلان کرو اگرچہ دف بجا کر ہی کیوں نہ اعلان کرنا پڑے“ دف بجانے کے سلسلہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دف بجانا تو حرام ہے۔ یا مطلقاً مکروہ ہے اور بعض علماء نے اس کو مطلقاً مباح کہا ہے، زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ بعض مواقع پر جیسے ”عید کے دن، کسی معزز مسافر و مہمان کے آنے کے وقت اور نکاح کے موقع پر دف بجانا مباح ہے، ان کے علاوہ اور کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر دف بجانا حرام ہے۔“

”خطبہ“ علماء نے اسے حج کے پیش کے ساتھ (یعنی خطبہ) بھی صحیح کہا ہے اور حج کے زیر کے ساتھ (یعنی خطبہ) کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”خطبہ“ سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا اور خطبہ اس خطبے کو کہتے ہیں جو نکاح میں پڑھا یا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں عنوان میں خطبہ سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا — (کہ جسے ممکن کہتے ہیں) بھی ہو سکتا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہاں ”خطبہ“ سے وہی مراد ہے جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے۔

حقیقہ کے نزدیک عقد نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا مسنون ہے، شوافع کے نزدیک بھی مسنون ہے لیکن ان کے ہاں عقد نکاح ہی نہیں بلکہ ہر عقد مثلاً بیع و شراء وغیرہ کے وقت بھی خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

شادی بیاہ کی رسوم و بدعات

”شرط“ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ فاسد ہوں یا صحیح ہوں۔

یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ نکاح جیسا پاکیزہ معاملہ بھی غیر مسلموں کی ناپاک رسوم اور ملکی رواجوں سے محفوظ نہیں رہا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کی غیر شرعی رعیتیں جس کثرت اور شدت کے ساتھ مسلمانوں کے شادی بیاہ کے معاملات میں داخل ہو گئی ہیں اس نے نکاح کے اسلامی اور مسنون طریقے کو بالکل ہی او جھل کر دیا ہے اور اب تو جس قدر رسمیں رائج ہیں یا پہلے رائج تھیں ان سب کا احاطہ کرنا بھی ناممکن ہو گیا ہے۔ تاہم اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چہ رسوم اور بدعتوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

احرام باجوں اور مزا میر کا استعمال کرنا، نانچ گانے اور قوالی کا انتظام کرنا، سہرا باندھنا، کٹھ پتلیوں کے کھیل جیسی لغویات کرنا، گنہر باری غیر معمولی اور اسراف کی حد تک زیبائش و آرائش کرنا جیسے دیواروں کو کپڑے سے ڈھانکنا، گھوڑے پر سواری کرنا، بارات لیکر بلا ضرورت

شہر میں پھرنا، دولہا کا شہر و آبادی کے مزارات پر جانا اور ہاں کچھ نقد چڑھا کر پھر رات میں شامل ہو جانا، بارات کے ساتھ ڈھول بجا ہونا، یا گانے والوں کا اور گانے والیوں کو بارات میں شامل کرنا، آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال ضائع کرنا، اور بارات میں مردوں کے سامنے عورتوں کا جلوہ آرائی کرنا، یہ سب چیزیں بہت سی برائی کی ہیں اور حرام ہیں۔

اسی طرح یہ چیزیں بھی حرام ہیں: مثلاً نکاح کی مجلس میں مستور چیزوں کو ظاہر کرنا، دولہا کو ریشمی مسند پر بٹھانا، دولہا کی پگڑی کو ڈوری سے ناپنا اور پھر اس ڈوری کو ٹوٹا کرنے والے یا ساحر کو دیدینا تاکہ وہ اس کے ذریعہ دولہا و دلہن کے درمیان محبت کے لئے کوئی ٹوٹکا کر دے، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، باراتیوں اور دولہا کے قرابت داروں کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کرنا اور ان کی بے جا خوشامد و چاپلوسی میں ایسی باتیں کرنا جو بالکل جھوٹی ہوں۔

ایسے ہی یہ چیزیں بھی حرام ہیں: دولہا کا حریر یا زعفرانی رنگ کا یا کسبنا اور یار شمی کپڑا پہننا (مردوں کے لئے ایسے کپڑے شادی کے علاوہ بھی پہننے حرام ہیں) دولہا کے سر سے پگڑی اتار کر دلہن کے سر پر رکھ دینا، دولہا کا دلہن کے گرد سات بار چکر لگانا، اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس آنا اور اسے ہاتھ لگانا یا اس کے ناک کان پکڑنا اور اس کے ساتھ بے حیائی کی باتیں کرنا، دولہا کا انگوٹھا وودھ کے ذریعہ عورت سے دھلوانا، عورتوں کا دولہا کو شکر کھلانا اور زور زور سے پلانا، مصری کی ڈلی دلہن کے بدن پر رکھ کر دولہا سے کہنا کہ اسے اپنے منہ سے اٹھا لو اور خلوت میں جب دولہا و دلہن جمع ہوں تو عورتوں کا انہیں گھیرے رہنا۔ یہ سب چیزیں بدعت اور حرام ہیں جن کا شریعت و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔

الفصل الاول

نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے

① عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ مُعَوَّذٍ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حَيْثُ بَنِي عَلَى فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَا جَلَسْتُ مَتْنِي فَجَعَلْتُ جُؤَيْرِيَّاتٍ لَنَا يَضْرِبُنَّ بِالْأُفِّ وَيَنْدُبُنَّ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ أَحَدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدِ فَقَالَ دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتَ تَقُولِينَ۔ (رواه البخاری)

”حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرأ کہتی ہیں کہ جب میں (نکاح کے بعد) اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر آئی تو نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے بستر پر بیٹھ گئے ہو (ربیعؓ نے یہ بات حضرت خالد ابن ذکوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہی جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے) اور ہمارے خاندان کی بیٹیوں نے (جو اس وقت ہمارے گھر میں موجود تھیں) دف بجانا شروع کیا اور ہمارے آباء میں سے جو لوگ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے ان کی خویوں اور شجاعت پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں، اسی دوران ان میں سے ایک بچی نے یہ کہا کہ ”اور ہمارے درمیان وہ نبی ﷺ ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں“ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”اس بات کو چھوڑ دو (یعنی اس قسم کی باتیں نہ کہو) بلکہ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عفرأ“ حضرت معوذؓ کی والدہ کا نام ہے، حضرت معوذؓ ایک عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر حق کا پرچم سر بلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کیا اور تاریخ اسلام کی یہی وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے بھائی معاذؓ کی معیت میں اس غزوہ بدر میں ابو جہل لعین کو قتل کیا۔

”بیٹیوں“ سے انصار کی وہ چھوٹی بچیاں مراد ہیں جو ابھی بچپن کے دور سے گذر رہی تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔

اکمل الدینؒ نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقت نکاح اور زفاف کے اعلان کے لئے دف بجانا جائز ہے پھر بعض علماء

نے اس جواز میں ختم، عیدین، مسافر کی آمد اور تقریب مسرت میں احباب و اعزہ کے اجتماع کو بھی شامل کر دیا ہے یعنی نکاح کی طرح ان مواقع پر بھی دف بجانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ”دف“ سے مراد وہ دف ہے جس میں جھانج نہ ہو، کیونکہ جھانج دابر دف بجانا متفقہ طور پر مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اس وقت جب کہ وہ بچیاں اپنے آباء و اجداد کے بہادرانہ کارناموں اور حق کی راہ میں ان کے قربان ہو جانے کی پرشجاعت داستانوں کے گیت گانے لگیں تو اسی دوران ایک بچی نے جو ابھی عقائد کے نازک گوشوں سے ناواقف تھی، گویا آپ ﷺ کی توصیف میں یہ کہا کہ ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ آنے والی کل میں کیا وقوع پذیر ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ سنتے ہی اسے روک دیا کیونکہ اس نے علم غیب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی تھی جو ظاہر ہے آپ ﷺ کو کیسے گوارا ہو سکتی تھی اس لئے کہ عقائد کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ غیب کی جن باتوں کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے رسولوں پر منکشف کر دیتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جن اشعار میں شریعت کے خلاف اور عقائد کے منافی کوئی بات نہ ہو اور فحش کذب شامل نہ ہو انہیں پڑھنا اور سننا جائز ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ زَفَّتْ امْرَأَةً إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهُوَ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهُو - (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نکاح کے بعد رخصت کر کر انصار کے ایک شخص کے ہاں لائی گئی تو رسول کریم ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ ”کیا تمہارے ساتھ کھیل (یعنی دف اور گانا) نہیں ہے (یعنی شریعت نے شادی بیاہ میں جس دف کے بجانے کی اجازت دی ہے اور جس قسم کے گیت جائز قرار دیئے ہیں تمہاری شادی ان چیزوں سے خالی کیوں ہے؟ کیونکہ انصار تو ان چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔“ (بخاری)

شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ وَبَنِي فِي شَوَّالٍ فَأَيُّ نِسَاءٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَخْطَى عِنْدَهُ مِنِّي - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر (تین سال کے بعد) شوال ہی کے مہینے میں مجھے رخصت کر کر اپنے گھر لائے۔ اب (تم ہی بتاؤ) رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کون سی زوجہ مطہرہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھی۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل لوگ شوال کے ماہ میں شادی بیاہ کرنے کو جو منحوس سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے بلکہ اس مہینے میں شادی بیاہ کرنا یا دولہن کو رخصت کر کر اپنے گھر لانا مستحب ہے۔ چنانچہ عرب میں بھی زماہ جاہلیت کے لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور شوال میں نکاح کرنے اور دولہن کو گھر میں لانے کو برا سمجھتے تھے۔ اسی غلط عقیدہ کی تردید میں حضرت عائشہؓ نے یہ بات فرمائی کہ اگر شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کرنا اپنے اندر کوئی نحوست رکھتا ہے۔ تو پھر آخر میں شادی میرے حق میں منحوس کیوں نہیں رہی جب کہ شوال ہی کے مہینے میں میرا نکاح ہوا اور شوال ہی کے مہینے میں رخصت کر کر میں آپ ﷺ کے گھر آئی اور اس بات کو دونا جانتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں جو خوش نصیبی اور آپ ﷺ کی محبت مجھے نصیب ہوئی وہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

مہر ادا کرنے کی تاکید

④ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّرُوطُ أَنْ تُؤْفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جن شرطوں کا پورا کیا جانا تمہارے لئے ضروری ہے ان میں سب سے اہم شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سب سے اہم شرط“ سے مراد بیوی کا مہر ہے یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کرو۔ ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو، انہیں رہنے کے لئے مکان دو اور ان کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو اور صرف یہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میل جول اور پر محبت انداز سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو ”شرط“ کیوں کہا گیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے۔ تو اس کے ذہن میں تصور کے ہر گوشہ میں یہی عزم ہوتا ہے کہ وہ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لارہا ہے اس کے تمام حقوق کی ادائیگی پورے طور پر کریگا اور پھر وہ ان حقوق کی ادائیگی کا التزام بھی کرتا ہے لہذا اس کا یہ عزم اور پھر یہ التزام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گویا اس نے حقوق کی ادائیگی کی شرط کی ہے۔

کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی مرد اپنے نکاح کا پیغام اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر نہ بھیجے تا آنکہ وہ اس سے نکاح کر لے یا اس کو ترک کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی شخص کی منسوبہ سے نکاح کا پیغام بھیجنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں کی شادی کا معاملہ تقریباً طے ہو چکا ہو، یعنی لڑکی اور لڑکا دونوں راضی ہو گئے ہوں اور مہر متعین ہو چکا ہو، لہذا اس صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام بھیجے، اگر کوئی دوسرا شخص اس ممانعت کے باوجود کسی کی منسوبہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دے اور اس پہلے شخص کی اجازت کے بغیر نکاح بھی کر لے تو یہ نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن یہ دوسرا شخص (جس نے پہلے شخص کی منسوبہ سے نکاح کیا ہے) گناہ گار ہوگا۔

عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَفْحَتَهَا وَلِيَنْكِحَ فَإِنَّ لَهَا مَا قَدَّرَ لَهَا - (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت (کسی شخص سے) اپنی کسی (دینی) بہن کے بارہ میں یہ نہ کہے کہ اس کو طلاق دے دو اور اس عورت کو طلاق دلوانے کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے (یعنی اس کو طلاق دلوا کر اس کے

سارے حقوق خود سمیٹ لے) اور اس کے خاوند سے خود نکاح کر لے، کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: فرض کیا جائے کہ زید شادی شدہ ہے اور خالده اس کی بیوی کا نام ہے۔ اب زید کسی دوسری عورت مثلاً زہرہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن زہرہ کہتی ہے کہ میں تم سے شادی تو کر لوں گی مگر تم اپنی پہلی بیوی خالده کو طلاق دیدو! یا یہ صورت ہے کہ مثلاً زید نے دو شادیاں کر رکھی ہیں ایک بیوی کا نام خالده ہے اور دوسری کا نام زہرہ ہے، اب زہرہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی دوسری بیوی خالده کو طلاق دے دو۔ اسی بات سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کو طلاق دلوانے کے لئے نہ کہے کیونکہ اپنی اپنی تقدیر اپنے ساتھ ہے کسی دوسرے کا برا چاہنے سے کیا فائدہ۔

حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں اگر پہلی صورت کا اعتبار کیا جائے تو لتکح کا ترجمہ وہی ہو گا جو اوپر نقل کیا گیا جب کہ دوسری صورت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”اور (اس عورت کا طلاق دلوانے سے یہ مقصد ہو کہ) اس کی سوکن کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔“

شغار کی ممانعت

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارِ أَنْ تَزُوجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يَزُوجَهُمَا الْأَخْرَجَتْهُمَا صَدَاقٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شغار سے منع کیا ہے، اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہو گا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اسلام میں شغار (جائز) نہیں ہے۔“

تشریح: ”شغار“ دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دیگا۔ اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو۔ اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کر لیا کرتے تھے مگر اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔ اس بارہ میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل دینا لازم ہو گا لیکن حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہئے۔

متعہ کی ممانعت

⑤ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرٍ وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْخُمُرِ لِإِنْسِيَّةٍ - (متن علیہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ ﷺ نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے (گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور باربرداری وغیرہ کے کام آتے ہیں، جنگلی گدھا کہ جس کو گور خر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: کسی متعین مدت کے لئے ایک متعین رقم کے عوض نکاح کرنے کو ”متعہ“ کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اتنے روپے (مثلاً ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا انکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیدیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے خفی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی۔ پھر جنگ خیر کے دن جو ھ کا واقعہ ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا، چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے، اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بسبب تجرد، جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو، یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کر لے مگر جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیدیا گیا تو پھر صحابہؓ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا اسے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے، کیا صحابہؓ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہؓ میں صرف ابن عباسؓ پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی و ابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث و فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

”ہدایہ“ فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی قابل اعتماد کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے عمل و فضل اور فقہی بصیرت و نکتہ رسی کے اعتبار سے فقہاء کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالکؒ متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے، امام مالکؒ بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمامؒ نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

متعہ کے بارے میں شیعوں کا مسلک

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے، لیکن نہ معلوم شیعہ کیوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ائمہ سے متعہ کی حرمت منقول ہے، مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متعہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں، اور پھر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متعہ کو دراصل حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، حضرت عمرؓ کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متعہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا۔ ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت کہ متعہ کی حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے، لہذا حضرت عمرؓ نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم ﷺ کے ایک حکم کی تبلیغ کردی اب اگر شیعہ یہ

کہیں کہ متعہ کو حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک مضحکہ خیز الزام سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

⑨ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْحَرِ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُوطَاسٍ فِي الْمَتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهَى عَنْهَا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے (بیشہ کے لئے) منع کر دیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”اوطاس“ ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانے والے راستے میں واقع ہے اور جس کے گرد و پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو ”وادی حنین“ بھی کہتے ہیں۔ جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ شوال ۸ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت ﷺ کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے ”غزوہ حنین“ کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سر بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطا فرمائی، اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال و اسباب ہاتھ لگا، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔

بہر حال متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے، اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونے والی تحلیل و تحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں ”فتح مکہ کے دن“ سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل و تحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

الفصل الثانی

نکاح کا خطبہ

⑩ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَ نَارِسُورُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُدُ فِي الصَّلَاةِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَالتَّشَهُدُ فِي الْحَاجَةِ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ مِمَّنْ يَنْطَعِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ فَسَّرَ الْآيَاتِ الثَّلَاثِ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهِ أَنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَبَعْدَ قَوْلِهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا وَالدَّارِمِيُّ بَعْدَ قَوْلِهِ عَظِيمًا ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهِ وَرَوَى فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي خُطْبَةٍ الْحَاجَةِ مِنَ النِّكَاحِ وَغَيْرِهِ۔

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا ہے اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت جو تشہد پڑھا جائے اس کی تعلیم بھی دی ہے۔ چنانچہ نماز کا تشہد تو یوں ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

”زبان کی عبادتیں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں سب اللہ کے لئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ)! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْثُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش کے طلب گار ہیں اور ہم اپنے نفس کی ہر رائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت (کی توفیق) دیدے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (یعنی نہ شیطان بہکا سکتا ہے نہ نفس گمراہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اور گمراہی میں مبتلا کر سکتا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

پھر اس تشہد کے بعد آپ ﷺ قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھتے، ایک آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔“

دوسری آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو اور (قطع سموت) ارحام سے (بجو) بیشک خدا تمہیں دیکھ

رہا ہے۔“

تیسری آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرا کرو، اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو

شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔“

اور جامع ترمذی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”ان تینوں آیتوں کو سفیان ثوریؒ نے بیان کیا ہے۔

ابن ماجہؒ نے ان الحمد للہ کے بعد نحمدہ اور من شہرور انفسنا کے بعد و من سیئات اعمالنا کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے

اور دارمیؒ نے اپنی روایت میں ”عظیمًا“ کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ (یہ تشہد اور آیتیں پڑھنے کے بعد) اپنی حاجت (یعنی عقد کے الفاظ)

بیان کرے۔

اور شرح السنہ میں ابن مسعودؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں خطبہ حاجت کی وضاحت نکاح وغیرہ سے کی گئی ہے (یعنی شرح السنہ نے لفظ ”حاجت“ کی توضیح میں من النکاح وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے)۔ ”احمد“، ”ترمذی“، ”ابوداؤد“، ”نسائی“، ”ابن ماجہ“، ”دارمی“، ”تشریح“: ”تشہد“ کے معنی ”ایمان کی گواہی کا اظہار کرنا“ اور زین العرب نے کہا ہے کہ یہاں ”تشہد“ سے مراد وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور دونوں کلمہ شہادت کا ذکر ہو۔

”حاجت و ضرورت“ سے مراد نکاح وغیرہ ہے اور حاجت و ضرورت کے وقت پڑھے جانے والے تشہد سے مراد وہ خطبہ ہے جو نکاح وغیرہ کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف نکاح ہی میں نہیں بلکہ تمام عقود کے وقت خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

روایت میں جو دوسری آیت نقل کی گئی ہے۔ اس میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ بھی ہیں اور یہ آیت مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں اسی طرح نقل ہوئی ہے حالانکہ قرآن کریم میں یہ آیت یوں نہیں ہے بلکہ دراصل سورہ نساء کی پہلی آیت کا ٹکڑا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے بغیر اس طرح ہے وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ مَقِيبًا لِّهَذَا هُوَ سَكَنٌ لِّكُمْ قَرِيبٌ لِّمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔

ابن مسعودؓ کے پاس تھا اس میں یہ آیت اسی طرح ہو۔

حصن حصین سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد نے مذکورہ خطبہ میں لفظ ”و رسولہ“ کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا يَدِي السَّاعَةِ مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَزَقَهُ مِنْ يَعْصِيهِمَا فَلَا يَضُرُّهُ لَأَنْفُسُهُ وَلَا يَضُرُّ اللَّهَ شَيْئًا۔

جو شخص عقد کرانے میں وہ پہلے یہ خطبہ پڑھے اور پھر اس کے بعد ایجاب و قبول کرائے اور ایجاب و قبول میں ان باتوں کا لحاظ رکھے جو ضروری ہیں اور جن کا ذکر کتاب النکاح کی ابتدا میں ہو چکا ہے۔

خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس خطبہ میں تشہد (یعنی خدا کی حمد و ثناء) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے“ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کٹا ہوا ہاتھ بے فائدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ ہے کہ وہ حیر و برکت سے خالی رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں لفظ ”خطبہ“ کوخ کے زیر کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے معنی ”تزوج یعنی نکاح کرنا“ بیان کئے ہیں جب کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل دہلویؒ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کوخ کے پیش کے ساتھ یعنی خطبہ سنا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

⑫ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس اہم اور عظیم الشان کام کو خدا کی حمد و ثناء کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا هَذَا التَّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاصْبِرُوا عَلَيْهِ بِالْذَّفُوفِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم نکاح کا اعلان کیا کرو، نکاح مسجد کے اندر کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو“ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”اعلان“ سے مراد اگر گواہوں کی موجودگی ہو کہ نکاح گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ حکم بطریق وجوب ہوگا۔ اور اگر ”اعلان“ سے مراد ”تشہیر“ ہو کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کرو تو پھر یہ حکم بطریق استحباب ہوگا۔ مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے، اسی طرح جمعہ کے دن نکاح کرنا مستحب ہے کیونکہ مسجد میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضَّلْ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتِ وَالذَّفِ فِي النِّكَاحِ - (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت محمد ابن حاطبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”حلال اور حرام کے درمیان فرق، نکاح میں آواز اور دف بجانا ہے۔“ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”آواز“ سے مراد تو گانا ہے یا لوگوں کے درمیان نکاح کا ذکر و اعلان کرنا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر آواز اور دف کے نکاح ہوتا ہی نہیں کیونکہ نکاح دو گواہوں کے سامنے بھی ہو جاتا ہے بلکہ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے اب رہی یہ بات کہ تشہیر کی حد کیا ہے؟ تو وہ یہ ہے کہ اگر ایک مکان میں نکاح ہو تو دوسرے مکان میں یا پڑوس میں اس کا علم ہو جائے اور یہ چیز دف بجانے یا آواز کے ذریعہ (یعنی گوئی نظم و گیت پڑھنے گانے سے) حاصل ہو جاتی ہے، تشہیر کا مطلب قطعاً نہیں ہے کہ محلوں اور شہروں میں شہنائی، نوبت اور باجوں کے شور و شغب کے ذریعہ نکاح کا اعلان کیا جائے۔

شادی گانے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي جَارِيَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَوَّجَتْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَا تَغَيِّنِينَ فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يُحِبُّونَ الْغِنَاءَ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانٍ فِي صَحِيحِهِ -

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جب میں نے اس کا نکاح (کسی سے) کیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”عائشہ! کیا تم گانے کے لئے کسی سے نہیں کہہ رہی ہو؟ کیونکہ یہ انصاری قوم گانے کو بہت پسند کرتی ہے“ (اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)۔“

تشریح: یہ لڑکی جو حضرت عائشہؓ کے پاس رہا کرتی تھی اور جس کا نکاح انہوں نے کیا تھا تو ان کے قراہت داروں میں سے کسی کی تھی جیسا کہ آگے آنے والی حدیث وضاحت کر رہی ہے یا پھر کوئی یتیم رہی ہوگی جسے انہوں نے اپنے یہاں رکھ کر پالا پوسا تھا۔ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد کوئی عبارت نہیں لکھی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس روایت کے اصل مأخذ کا علم نہیں ہو سکا تھا، پھر بعد میں دوسرے علماء نے حاشیہ پر یہ عبارت ”ابن حبان فی صحیحہ“ یعنی اس روایت کو ابن حبان نے اپنی

عورت اسی شخص کی بیوی ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں ولی ایک ہی درجہ کے ہوں یعنی دونوں یکساں قرابت رکھتے ہوں، اگر دونوں ولی ایک درجے کے نہ ہوں تو پھر وہ ولی مقدم ہوگا۔ جو اقرب ہو یعنی قریبی قرابت رکھتا ہو لہذا اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی جس سے اس کے قریبی قرابت والے ولی نے نکاح کیا ہے چاہے اس نے پہلے نکاح کیا ہو اور چاہے بعد میں کیا ہو۔ اور اگر عورت کے یکساں درجہ والے دو ولی اس کا نکاح ایک وقت میں دو الگ الگ مردوں سے کر دیں مثلاً ایک ولی نے زید سے نکاح کیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے ولی نے بکر سے اس کا نکاح کیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ دونوں ہی نکاح باطل ہو گئے۔

الفصل الثالث

متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا

①۸ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَخْتَصِمُ فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ فَكَانَ أَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثَّوبِ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَمُوا ظِلْمًا مِمَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ۔

”حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) نہیں تھیں چنانچہ (جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو) ہم نے کہا کہ کیا ہم جنسی نہ ہو جائیں (تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم ﷺ نے ہم کو اس سے تو منع فرمایا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (یعنی متعہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَمُوا ظِلْمًا مِمَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو۔) (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرح متعہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا، اب رہی حضرت ابن مسعودؓ کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

①۹ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَتْ الْمُنْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدُمُ الْبِلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدَرِ مَا يَرَى أَنَّهُ يَقِيمُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْءٌ حَتَّى إِذَا تَرَلَّتِ الْآيَةُ الْأَعْلَى أَرْوَاهُمْ أَوْ مَمْلَكَتٍ أَيْمَانَهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ متعہ (کا جواز) صرف ابتداء اسلام میں تھا (اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی

مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں (لوگوں سے) اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی (کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام و طعام کا بندوبست کرتا) تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدت کے لئے نکاح کر لیتا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی، اور اس کا کھانا پکاتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی **الَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ**۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں (یعنی بیوی اور لونڈی) کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔ “(ترمذی)

تشریح: آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرم گاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ دراصل حلال سے گذر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کے لئے سخت ملامت ہے۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ (لونڈی) ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز (یعنی ایک متعین مدت) کے لئے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لا محالہ یہ واجب ہو گا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے مسلک و عقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علیؓ نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباسؓ متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ! ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت

(۲۰) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَىٰ قِرْظَةَ بِنْتِ كَعْبٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فِي غُرْسٍ وَإِذَا جَوَارِ يُغْبِغِبْنَ فَقُلْتُ أَيْ صَاحِبَتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُ بَدْرٍ يَفْعَلُ هَذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَا اجْلِسْ إِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَإِنْ شِئْتَ فَادْهَبْ فَإِنَّهُ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْغُرْسِ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت عامر بن سعدؓ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب ایک شادی میں شرکت کے لئے پہنچا جہاں (دو صحابی) حضرت قرظہ ابن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے، تو دیکھا کہ چند بچیاں گاری ہیں میں نے کہا کہ ”اے رسول کریم ﷺ کے صحابیوں اور جنگ رزم میں شریک رہنے والو! کیا تمہارے سامنے بھی یہ (گانا) ہو رہا ہے؟ (یہ سکر) ان دونوں صحابیوں نے کہا کہ ”بیٹھ جاؤ! اگر تمہارا جی چاہے تو تم بھی ہمارے ساتھ سنو اور چاہے چلے جاؤ، کیونکہ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں گیت (گانے سننے) کی اجازت دی گئی ہے۔“ (نسائی)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی گانے کی حرمت و کراہت ہی مشہور تھی، عیدیں اور نکاح وغیرہ کی تخصیص بعض لوگوں کو تو معلوم تھی اور بعض لوگوں کو معلوم نہیں تھی، چنانچہ حضرت عامر ابن سعدؓ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عیدیں اور شادی بیاہ وغیرہ میں گانا جائز ہے۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو، لہذا اس باب میں یہی بتایا جائے گا کہ کون کون عورتیں محرمات میں سے ہیں کہ جن سے نکاح کرنا حرام ہے! ان عورتوں کی تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتد کتاب فتاویٰ عالمگیری میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس تفصیل کو یہاں ذکر کر دیا جائے۔

محرمات کی تفصیل

جو عورتیں محرمات میں سے ہیں ان کی نو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ نکاح کے حرام ہونے کے نو سبب ہیں جن کی نمبر وار تفصیل یوں ہے۔ پہلا سبب — نسبی رشتہ: جو عورتیں نسبی رشتہ کے سبب حرام ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ۔ بھتیجی اور بھانجی۔ لہذا ان رشتوں سے نکاح کرنا جماع کرنا اور ایسے کام کرنا جو جماع کے محرک اور سبب بن جاتے ہیں۔ جیسے بوسہ لینا وغیرہ یہ سب کام ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔

”ماں“ سے اپنی ماں بھی مراد ہے اور دادی اور نانی (خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پردادی اور پر نانی وغیرہ) بھی مراد ہیں! بیٹی کے حکم میں اپنی حقیقی بیٹی، اپنے بیٹے کی بیٹی (پوتی) اپنی بیٹی کی بیٹی (یعنی نواسی) اور اس طرح نیچے تک سب شامل ہیں۔ اسی طرح ”بہن“ خواہ حقیقی ہو خواہ سوتیلی صرف باپ شریک) ہو اور خواہ اخیانی (صرف ماں شریک) ہو سب حرام ہیں۔

”بھتیجی اور بھانجی“ سے بھی تین طرح کی بھتیجیاں اور بھانجیاں یعنی حقیقی بھائی بہن کی اولاد، سوتیلی بھائی بہن کی اولاد اور اخیانی بھائی بہن کی اولاد مراد ہیں (اگرچہ نیچے درجہ کی ہوں) کہ یہ سب محرمات میں سے ہیں۔

پھوپھی بھی تینوں طرح کی مراد ہیں یعنی حقیقی پھوپھی، سوتیلی (باپ شریک) پھوپھی اور اخیانی (صرف ماں شریک) پھوپھی، اسی طرح پھوپھی کے حکم میں باپ کی پھوپھی اور دادا کی پھوپھی اور دادی کی پھوپھی بھی شامل ہیں کہ یہ سب پھوپھیاں بھی محرمات میں سے ہیں: ہاں پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ اگر مثلاً زید کی پھوپھی اس کے باپ کی حقیقی بہن ہو یا سوتیلی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو اس پھوپھی کی پھوپھی زید کے لئے حرام ہوگی اور اگر زید کی پھوپھی اس کے باپ کی اخیانی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو ایسی پھوپھی زید کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

خالہ بھی کئی طرح کی مراد ہیں تفصیل ہے، اگر مثلاً سوتیلی خالہ، اخیانی خالہ، اپنے باپ کی خالہ اور اپنی ماں کی خالہ یہ سب خالائیں حرام ہیں لیکن خالہ کی خالہ کے بارہ میں تفصیل ہے، اگر مثلاً زید کی خالہ اس کی ماں کی حقیقی بہن ہو یا اخیانی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو اس خالہ کی خالہ زید کے لئے حرام ہوگی یعنی اس سے زید کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر زید کی خالہ اس کی ماں کی سوتیلی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو ایسی خالہ حرام نہیں ہوگی۔ اس سے زید کا نکاح جائز ہوگا۔

دوسرا سبب — سسرالی رشتہ: وہ عورتیں جو سبب صریت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں۔ ایک

ساس یعنی بیوی کی ماں، دویا ساس، یعنی بیوی کی دادی، نیا ساس یعنی بیوی کی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی وغیرہ بیوی کی بیٹی اور اور بیوی کے بیٹوں کی اولاد اور اس سے نیچے کے درجہ کی مثلاً بیوی کی نواسی کی اولاد وغیرہ یہ سب حرام ہیں بشرطیکہ بیوی سے جماع کر لیا ہو، خواہ وہ (بیوی کی) بیٹی اس مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو اور حنفی علماء نے بیوی کی بیٹیوں کی حرمت کے سلسلہ میں خلوت صحیحہ کو جماع کا قائم مقام قرار نہیں دیا یعنی بیوی کی بیٹیوں کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مرد نکاح کے بعد بیوی سے جماع بھی کر لے اگر صرف خلوت صحیحہ ہوئی ہو۔! (یعنی جماع کرنے کا پورا موقع مل گیا ہو) مگر دونوں نے جماع نہ کیا ہو تو اس صورت میں اس بیوی کی بیٹی (جو دوسرے شوہر کے نطفہ سے ہو) کی حرمت ثابت نہیں ہوگی بہو یعنی بیٹی کی بیوی، پوت بہو یعنی پوتے کی بیوی اور نواسی بہو یعنی نواسے کی بیوی اور اس سے نیچے کے درجہ کی (یعنی پڑپوتے کی بیوی وغیرہ) اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں حرام ہیں۔ ہاں لے پاک کہ یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی یعنی مثلاً زید بکر کا منہ بولا بیٹا ہے تو زید کی بیوی بکر کے حق میں محرمات میں سے نہیں ہوگی اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ مرجائے تو بکر اس کی مطلقہ یا وہ بیوہ سے اپنا نکاح کر سکتا ہے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں اور دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کے یہ سب بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں نہ ان سے نکاح ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے جماع ہو سکتا ہے۔

سسرالی رشتہ سے حرمت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ نکاح صحیح ہو، فاسد نکاح سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو زنا کرنے والے کے لئے اس عورت کی ماں، دادی، نانی اور اس عورت کی بیٹی پوتی نواسی سب حرام ہو جائیں گی اسی طرح اس عورت کے لئے زنا کرنے والے کے باپ، دادا، نانا اور اس عورت کے لڑکے، پوتے نواسے سب حرام ہو جائیں گے۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے اس عورت کے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ایک ہو گیا تو اس عورت کی ماں جماع کرنے والے کے لئے حرام نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے عورت کے پیشاب کے مقام ہی میں جماع کیا ہے، ہاں اگر جماع کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے اور یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے قرار پایا ہے تو اس صورت میں اس کی ماں اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اور جس طرح یہ حرمت جماع کرنے سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح (شہوت کے ساتھ) عورت کو چھونے، بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ مذکورہ چیزیں یعنی چھونا وغیرہ خواہ نکاح کی صورت میں پیش آئیں یا خواہ ملکیت کی صورت اور خواہ فحور کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں یکساں ہیں۔ نیز حنفی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بارہ میں شبہ اور غیر شبہ برابر ہیں اور اس سلسلہ میں شہوت کے ساتھ مباشرت (مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹنا) بھی بوسہ کے حکم میں ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے، ایسے ہی اگر شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹا تو بھی یہی حکم ہے یعنی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کسی نے شہوت کے ساتھ مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور بقیہ دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنے سے اور ان کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہاں اگر یہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر بغیر کسی اختلاف کے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حرمت کے سلسلہ میں عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اندر کے حصہ کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہوا کرتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کھڑی ہوئی عورت کی شرمگاہ کو دیکھ لے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ عورت جب کھڑی ہوئی ہو تو اس کی شرمگاہ کے اندر زونی حصہ پر نظر نہیں پڑتی بلکہ شرمگاہ کے اندر زونی حصہ پر اس وقت نظر پڑے گی جب

وہ پشت سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھی ہو۔ اگر کسی مرد نے عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو اس طرح دیکھا کہ درمیان میں باریک پردہ یا شیشہ حائل تھا لیکن اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آئینہ دیکھ رہا تھا اور اس میں کسی عورت کی شرم گاہ نظر آئی اور پھر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر نہ اس عورت کی ماں حرام ہوگی اور نہ بیٹی حرام ہوگی کیونکہ اس نے شرم گاہ کو نہیں دیکھا بلکہ کہ اس کا عکس دیکھا ہے۔ اگر کوئی عورت پانی کے حوض کے کنارے پر پائل پر بیٹھی ہو اور کسی مرد نے اس کا عکس پانی میں دیکھا اور پھر اس کے بعد وہ شہوت کے ساتھ پانی ہی میں اس کی شرم گاہ کا عکس دیکھتا رہا تو اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی ہاں اگر عورت پانی میں ہو اور مرد کی نگاہ اس کی شرم گاہ پر پڑ جائے اور پھر اسے شہوت کے ساتھ دیکھے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہونے کے سلسلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قصداً چھوئے تب ہی حرمت ثابت ہوگی بلکہ چاہے قصداً چھوئے یا چاہے بھول کر چھوئے، چاہے کسی کے زبردستی کرنے سے (یا خود غلطی سے) چھوئے اور چاہے نیند کی حالت میں چھوئے ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی مرد نے جماع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کے چٹکی لی اور وہ لڑکی بھی جو ان تھی قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی مرد نے شہوت کے ساتھ عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے ملے ہوئے ہیں تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر لٹکے ہوئے بالوں کو ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی مگر ناظمی نے اس تفصیل کے بغیر مطلقاً بالوں کے چھونے کو حرمت کا باعث لکھا ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

یہ جو بتایا گیا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور ہاتھ لگانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے تو اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے اسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل نہ ہو اور اگر کپڑا حائل ہو تو وہ اس قدر باریک ہو کہ چھونے والے کا ہاتھ بدن کی حرارت محسوس نہیں ہوتی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ اس کی وجہ سے مرد کے عضو مخصوص میں استادگی ہی کیوں نہ ہو جائے، اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے موزہ کے نیچے کا حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر موزے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو جس کی وجہ سے عورت کے پاؤں کی اڑھی چھونے والے کو محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے عورت کا بوسہ لیا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں کی یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھونے کے بعد دیر تک چھوتنا ہی رہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ بیوی کی بجائے اپنی لڑکی کی ناک پر پڑ گیا اور اس کے ساتھ ہی شہوت زیادہ ہو گئی تو اس لڑکی کی ماں یعنی بیوی اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اگرچہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ لیا جائے اور وہ قابل شہوت ہو اور فتویٰ اس پر ہے کہ کم سے کم نو سال کی لڑکی قابل شہوت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، چنانچہ اگر کسی مرد نے کسی ایسی نابالغ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہیں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کے برخلاف اگر عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ قابل شہوت نہ رہے تو وہ حرمت ثابت ہونے کا باعث بن جاتی ہے کیونکہ وہ حرمت کے حکم میں داخل ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس حکم سے باہر نہیں ہو سکتی جب کہ نابالغ ابھی حرمت کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوئی۔

جس طرح حرمت ثابت ہونے کے لئے عورت کا قابل شہوت ہونا شرط ہے اسی طرح مرد کا بھی قابل شہوت ہونا شرط ہے، لہذا اگر چار سال کے بچہ نے مثلاً اپنے باپ کی بیوی (یعنی اپنی سوتیلی ماں) سے جماع کر لیا تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر جماع کرنے والا ایسا بچہ ہو جس کے ہم عمر بچے عام طور پر جماع کر سکتے ہوں تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بالغ کا ہوتا ہے اور اس بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسے بچہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہو، عورت کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہو، اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

مذکورہ بالا چیزوں یعنی چھونے اور دیکھنے کے بارہ میں شہوت (یعنی پہچان) کا ہونا شرط ہے یعنی عورت کو ہاتھ لگانے، بوسہ لینے اور شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف دیکھتے وقت اگر شہوت ہو تب حرمت ثابت ہوگی لہذا اگر یہ دونوں چیزیں بغیر شہوت کے پائی جائیں اور پھر بعد میں شہوت پیدا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور شہوت کا معیار مرد کے لئے یہ ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں استادگی ہو جائے اور اگر استادگی پہلے سے تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، لہذا اگر کسی مرد کے عضو مخصوص میں استادگی تھی ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسی دوران کسی طرح اس کا عضو مخصوص اس کی لڑکی کی دونوں رانوں کے درمیان داخل ہو گیا۔ تو اس صورت میں اگر اس کے عضو مخصوص کی استادگی میں زیادتی نہ پیدا ہوگئی ہو تو اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔ اور شہوت کا معیار اس مرد کے لئے ہے جو جوان اور جماع کرنے پر قادر ہو اور اگر مرد بوڑھا ہو تو اس کے حق میں شہوت کا معیار یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اگر پہلے سے حرکت نہیں تھی اور اگر قلب میں پہلے سے حرکت موجود تھی تو اس خواہش میں زیادتی ہو جائے اور عورت کے لئے اور اس مرد کے لئے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے وغیرہ سے جنسی لذت حاصل ہو۔ اگر خواہش وغیرہ پہلے سے موجود نہ تھی۔ اور اگر یہ پہلے سے موجود تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے، اور یہ بات ملحوظ رہے کہ مرد عورت میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے وغیرہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس میں یہ شرط اور ضروری ہے کہ انزال نہ ہو، اگر ہاتھ لگانے یا شرم گاہ کی طرف دیکھنے کے وقت انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب انزال ہونے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ چھونا وغیرہ جماع لینے کا سبب نہیں بنا۔ اگر کسی مرد نے عورت کی مقعد کی طرف دیکھا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ایسے ہی اگر مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی اسی طرح اگر مرد نکاح سے قبل زمانہ کی طرف حرمت کی نسبت کرے یعنی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرنے سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی لیکن اس عورت کا پورا مہر (جو نکاح کے وقت متعین ہوا تھا) واجب ہوگا عقد واجب نہیں ہوگا اور اس اقرار کے لئے مداومت شرط نہیں ہے یعنی صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینا کافی ہے بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر انکار کر دے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا ہاں اگر اس نے واقعہً غلط اقرار کیا تھا تو عند اللہ وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اگرچہ ظاہر اقاضی جدائی کر دے گا۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت کے بارہ میں یہ کہا کہ میری رضائی ماں ہے (یعنی اس عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے) اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں نے پہلے یہ غلط کہا تھا کہ یہ میری رضائی ماں ہے تو اس صورت میں اس کے

لئے اس عورت سے نکاح کرنا استحسانا جائز ہو گا۔

اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا، یا عورت کو چھوا اور یا اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو بوسہ لینے کی صورت میں تو فوراً حرمت کا حکم لگادیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے واقعی شہوت کے ساتھ بوسہ نہیں لیا تھا، اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا حکم فوراً لگادیا جائے گا بلکہ جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز شہوت کے ساتھ سرزد ہوئی ہے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بوسہ عام طور پر شہوت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بوسہ کی بنیاد ہی شہوت پر ہوتی ہے بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ دونوں فعل بغیر شہوت کے بھی سرزد ہوتے ہیں مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ شرم گاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوا ہو اور اگر کسی شخص نے عورت کی شرم گاہ کو چھوا اور پھر کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے عورت کی چھاتی پکڑ لی اور کہا کہ شہوت کے ساتھ نہیں پکڑی تھی تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہاں اگر عورت کی پشت پر سوار ہو کر دریا کو پار کیا اور کہا کہ اس وقت شہوت نہیں تھی۔ تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے اور ان لوگوں نے اس کے اس اقرار کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اسی طرح اگر گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تھا، یا بوسہ لیا تھا تو ان کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ شہوت ایک ایسی چیز ہے جو فی الجملہ معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے عضو میں حرکت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اور جن کے عضو میں حرکت نہیں ہوتی ان کے بارہ میں دوسری علامتوں سے شہوت کا معلوم ہو جانا ممکن ہوتا ہے۔

قاضی علی سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نقشہ میں مدہوش کسی شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر اپنے بدن سے لپٹایا اور اس کا بوسہ لیا اور پھر جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری لڑکی ہوں، یہ سکر اس شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی لڑکی کی ماں یعنی اس شخص کی بیوی اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جماع کیا ہے تو اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اگرچہ سوال کرنے والے نے مذاق میں سوال کیا ہو اور اس شخص نے بھی ازراہ مذاق ہی جواب دیا ہو، پھر اس کے بعد وہ شخص لاکھ کہے کہ میں نے یہ بات غلط کہی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں ہو، یہ کہا کہ میں نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے لڑکے کے لئے یہ جائز ہو گا کہ اپنے باپ کی اس بات کا اعتبار نہ کرے اور اس لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس سے جماع کر لے، اور اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی میراث میں کوئی لونڈی ملی تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی کے ساتھ جماع کیا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے لیکن شادی کے بعد جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے، پھر اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا پردہ بکارت کس طرح زائل ہوا ہے (یعنی تمہارے ساتھ کسی مرد نے جماع کیا ہے؟) عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے۔ اس صورت میں اگر وہ شخص (خاوند) اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور عورت مہر کی حقدار نہیں ہوگی اور اگر وہ شخص اس کی بات کا اعتبار نہ کرے اور کہے کہ تم جھوٹ بولتی ہو تو نکاح باقی

رہے گا۔

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارہ میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت کے ساتھ چھوا ہے لہذا میں اپنے شوہر کی بیوی نہیں رہی تو عورت کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا، یا کسی باپ نے اپنے لڑکے کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور شوہر نے کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اسی کی بیوی رہے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر واجب ہوگا مگر شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی ہے اس شخص سے وصول کر لے گا جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے بشرطیکہ اس نے فتنہ پھیلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو اور اگر یہ حرکت فتنہ پھیلانے کے مقصد سے نہیں تھی تو پھر کچھ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اور اگر اس مسئلہ میں بوسہ لینے کی بجائے باپ نے لڑکے کی بیوی سے یا لڑکے نے باپ کی بیوی سے) جماع کر لیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی ہوئی رقم کسی طرح بھی وصول نہیں کر سکتا کیونکہ جماع کرنے والے پر حد واجب ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ واجب نہیں ہوا کرتا۔

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اس کے قبل کہ اس کا خاوند جماع کرتا باندی نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، خاوند نے دعویٰ کیا کہ میری بیوی نے میرے لڑکے کا بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے مگر باندی کے آقائے کہا کہ یہ غلط ہے، اس صورت میں نکاح ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میری بیوی نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے، لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس باندی کے مالک نے اس کی بات کو جھٹلایا ہے اس بارہ میں لونڈی کا قول معتبر نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہذا پورا مہر زدو۔

اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے میں اپنے دادا کا عضو مخصوص پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح بالکل باطل نہیں ہو جاتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے جماع کرنا حرام ہو جاتا ہے لہذا شوہر کو چاہئے کہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر قاضی دونوں کے درمیان جدائی کرادے) چنانچہ جدائی سے پہلے اگر شوہر نے جماع کر لیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس نے جماع شبہ میں مبتلا ہو کر کیا ہو یا بغیر شبہ کے کیا ہو۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے حرام کاری کی یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے چھونا وغیرہ اور پھر توبہ کر لی تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا اس لئے کہ اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محرم، زنا سے ثابت ہوتی ہے اور ایسے ہی ان تمام چیزوں سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے چھونا وغیرہ۔

اگر مثلاً زید نے خالہ سے نکاح کیا اور زید کے لڑکے نے (جو خالہ کے پیٹ سے نہیں ہے) خالہ کی بیٹی سے (جو خالہ کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کر لیا یا خالہ کی ماں سے نکاح کر لیا تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا باریک تھا اور مرد کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس ہونے سے نہیں روکتا تھا تو وہ عورت جماع کے بعد پہلے شوہر کے لئے (جس نے اسے طلاق مغلطہ دے دی تھی) حلال ہو جائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا جس کی وجہ سے اس کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے

حلال نہیں ہوگی۔

تیسرا سبب — دودھ کا رشتہ: یعنی وہ عورتیں جو رضاعت (دودھ پلانے) کی وجہ سے حرام ہیں، چنانچہ تمام وہ رشتے جو نسبی اور سرالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام رہیں گے اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا ہے تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق پیدا ہو جائے گا لہذا دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہوگا جس کی وجہ سے رضاعی ماں اور باپ کے تمام وہ رشتے دار اس بچہ کے لئے حرام ہوں گے۔ جو حقیقی ماں اور باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

شیر خوارگی کی عمر میں مطلقاً دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ زیادہ دودھ پیا ہو خواہ کم پیا ہو اور کم کی آخری حد یہ ہے کہ دودھ کا پیٹ میں مطلقاً پہنچ جانا یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ شیر خوارگی کی عمر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق تو تیس مہینہ تک ہے اور صاحبینؒ یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق دو برس تک ہے۔

اگر کسی بچہ نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پینا بند کر دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے شیر خوارگی ہی کی عمر میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہوگا کیونکہ دودھ پلانا شیر خوارگی ہی کی مدت میں واقع ہوا ہے۔ شیر خوارگی کی مدت رضاعت گذر جانے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت کے استحقاق کے سلسلہ میں شیر خوارگی کی مدت دو برس ہی تسلیم کی گئی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس مطلقہ نے اس کے بچہ کو دو برس کی عمر کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کے باپ (یعنی اپنے سابق شوہر) سے کیا تو اس کا مطالبہ تسلیم نہیں ہوگا اور بچہ کے باپ کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی مطلقہ کو دو برس کے بعد کے عرصہ کے دودھ پلانے کی اجرت دے ہاں اس کی مطلقہ نے دو برس کے عرصہ میں جو دودھ پلایا ہے اس کی اجرت دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا۔

حرمت رضاعت جس طرح رضاعی ماں (یعنی دودھ پلانے والی) کی رشتہ داروں میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضاعی باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوتی ہے اور ”رضاعی باپ“ سے مراد دودھ پلانے والی کا وہ خاوند ہے جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترتا ہے۔ ”رضیع“ (یعنی دودھ پینے والے) پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان رضاعی ماں باپ کے اصول (یعنی ان کے باپ دادا وغیرہ) اور ان کے فروع (یعنی ان کی اولاد) خواہ وہ نسبی ہوں یا رضاعی، سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے دودھ پینے سے پہلے اس کی رضاعی ماں کے ہاں جو اولاد ہو چکی ہوگی، یا اس کے دودھ پینے کے بعد جو اولاد ہوگی اور وہ اولاد خواہ اس کے رضاعی باپ سے ہو خواہ اس کی رضاعی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو، یا اس کی رضاعی ماں نے کسی دوسرے شخص کے بچہ کو دودھ پلایا یا اس کے رضاعی باپ کی کسی دوسری بیوی کے ہاں کوئی بچہ ہوا تو یہ سب رضیع کے رضاعی بہن اور بھائی بہن کی اولاد، اس کے بھتیجے، بھتیجی اور بھانجے، بھانجی ہوں گے، اسی طرح رضاعی باپ کا بھائی اس کا چچا ہوگا، رضاعی باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی، رضاعی ماں کا بھائی اس کا ماموں ہوگا رضاعی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی اور رضاعی ماں کا دادا اور اس کی دادی و نانی رضیع کا دادا اور اس کی دادی و نانی ہوگی۔

جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اسی طرح رضاعت میں حرمت مصاہرت یعنی سرالی رشتہ کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضاعی باپ کی بیوی، اور رضیع (دودھ پینے والے) پر حرام ہے اور رضیع کی بیوی اس کے رضاعی باپ پر حرام ہے، اسی پر دوسرے رشتوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے لیکن دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کر لے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے لیکن رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو پھر یہ (یعنی اس کی

سوتیلی بیٹی) ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں چنانچہ اگر نسبی رشتہ میں بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں پائی جائے گی تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی ایسی لونڈی کے بچہ پیدا ہوا جو دو آدمیوں کی مشترک مملوکہ ہے اور وہ دونوں شریک اس بچہ پر اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بچہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گیا، ادھر ان دونوں کے ہاں اپنی اپنی عورت سے ایک ایک بیٹی ہے تو اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کر لے کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی گئی باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کرے اور دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ نسبی رشتہ میں یا تو یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں اخینی (یعنی سسرالی صرف ماں شریک) بھائی ہوں گے۔ اسی طرح دونوں کی ماں ایک ہی ہوگی یا یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں سوتیلے (صرف باپ شریک) بھائی ہوں گے اسی طرح بھائی کی ماں اپنے باپ کی بیوی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں۔

دودھ شریک بھائی کی بہن سے (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی بہن سے) نکاح کرنا جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں جائز ہے مثلاً زید کا ایک سوتیلہ بھائی ہے جس کا نام بکر ہے اور بکر کی ایک اخینی بہن ہے (یعنی دونوں کی ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ ہیں) تو بکر کی اس اخینی بہن سے نکاح کرنا زید کے لئے جائز ہوگا جو بکر کا سوتیلہ بھائی ہے۔

دودھ شریک بھائی کی ماں (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی ماں) محرمات میں سے نہیں ہے، اسی طرح رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات میں سے نہیں۔ اپنی رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ رضاعی بیٹے کی پھوپھی، اس کی بہن کی ماں، اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ، اپنے رضاعی بیٹے کے بھائی، اپنے رضاعی پوتے کے باپ اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات میں سے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دودھ اتر اہوا تھا طلاق دیدی پھر اس مطلقہ نے عدت کے دن گزار کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس بارہ میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اس دوسرے خاوند کے نطفہ سے اس کے بچہ پیدا ہوگا، تو اس عورت کے دودھ کا سبب بھی دوسرا خاوند قرار پائے گا، اس کے دودھ سے پہلے خاوند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا ہاں اگر دوسرے خاوند سے حاملہ نہیں ہوگی تو اس دودھ کا سبب پہلا ہی خاوند سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دوسرے شوہر سے حاملہ تو ہوئی مگر ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس دوسرے شوہر کا بچہ پیدا نہ ہو جائے وہ دودھ پہلے شوہر ہی کا کہلائے گا۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کبھی بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا پھر (بغیر کسی ولادت کے) اس کے دودھ اتر آیا اور وہ دودھ اس نے کسی دوسرے کے بچہ کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا کہلائے گا اس کے خاوند کا اس دودھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اس صورت میں اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی اس اولاد کے درمیان جو دوسری بیوی سے ہو، حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں اس کے ہاں ولادت ہوئی اور پھر اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو اس زنا کرنے والے، اس کے باپ دادا، اور اس کی اولاد کو اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں، ہاں زنا کرنے والے کا چچا اور اس کا ماموں نکاح کر سکتا ہے جس طرح کہ زنا کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی لڑکی سے زنا کرنا چچا اور ماموں نکاح کر سکتا

ہے۔ کسی شخص نے شبہ میں مبتلا ہو کر (یعنی کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر) ایک عورت سے جماع کر لیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور پھر اس نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو یہ بچہ اس جماع کرنے والے کا رضائی بیٹا ہوگا اس پر یہ قیاس کیا جانا چاہئے کہ جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی اس سے ثابت ہوگا اور جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت نہیں ہوتا اس صورت میں رشتہ رضاعت دودھ پلانے والی عورت سے ثابت ہوگا۔

کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ عورت نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور بعد میں دودھ خشک ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد دودھ پھر اتر آیا اور اس نے کسی دوسرے لڑکے کو دودھ پلایا تو اس لڑکے کے لئے اس شخص کی اس اولاد سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو اس دودھ پلانے والی عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہو،

کسی کنواری لڑکی کے دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ کسی بچی کو پلایا تو یہ اس بچی کی رضائی ماں ہوگی اور رضاعت کے تمام احکام دونوں کے حق میں ثابت ہوں گے لہذا اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا اور جماع سے پہلے اسے طلاق دیدی تو اس شخص کے لئے اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہوگا (کیونکہ اس صورت میں بیوی کی بیٹی کا بھی یہی حکم ہے) اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز ہوگا۔

اگر کسی ایسی لڑکی کے دودھ اتر آیا جس کی عمر نو برس سے کم تھی اور پھر اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ دودھ نو برس یا نو برس سے زائد کی عمر میں اترے۔ اسی طرح اگر کسی کنواری لڑکی کی چھاتیوں میں زرد رنگ کا پانی اتر آیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

کسی عورت نے ایک بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کر دی لیکن بچہ کا اس کی چھاتی سے دودھ چوسنا معلوم نہیں ہوا تو اس صورت میں شک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا البتہ احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ حرمت ثابت کی جائے۔ کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بننے والی پتلی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہی کہا جائے گا کہ یہ دودھ ہی ہے جس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔

اگر کسی مرد کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلایا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور حرمت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ عورت کے دودھ کا یکساں حکم ہے۔ اور اگر دو بچوں نے کسی ایک چارپائے جانور کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

رضاعت کا حکم دار الاسلام اور دار الحرب دونوں جگہ یکساں ہے، لہذا اگر کسی (کافر) عورت نے دار الحرب میں (کسی کافر) بچہ کو دودھ پلایا اور پھر وہ (دودھ پلانے والی، اس کے قرابتدار اور دودھ پینے والا بچہ) مسلمان ہو گئے یا وہ (دار الحرب میں اسلام ہی کی حالت میں تھے اور پھر) دار الحرب سے دار الاسلام میں آ گئے تو پھر رضاعت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچہ کے منہ میں دودھ ڈال دینے یا ناک میں نجوڑ دینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے البتہ کان میں ٹپکانے، عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالنے، حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے اور مقعد میں اور دماغ اور پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگرچہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ دماغ اور پیٹ میں پہنچ جائے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ مل گیا اور اسے آگ لگا کر کھانا بنالیا گیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب ہو، اور اگر دودھ ملی ہوئی چیز آگ پر پکائی نہیں گئی تو اس صورت میں بھی اس کو کھانے سے

حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ اس چیز میں دودھ غالب نہ ہو اور اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب بننے والی چیز جمی ہوئی چیز میں خلط ہوگی تو بننے والی چیز اس جمی ہوئی چیز کے تابع ہوگی اور مشروبات کی قسم سے خارج ہوگی یعنی پینے کے قابل نہیں رہی اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جس چیز میں دودھ مخلوط ہو گیا اگر وہ غالب نہ ہو اور اب بھی وہ دودھ بننے کے قابل ہو تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ (کسی جانور مثلاً بکری کے دودھ میں مخلوط ہو گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روئی بھگوئی اور روئی نے دودھ کو جذب کر لیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا اور پھر وہ روئی یا ستو کسی بچہ کو کھلادیا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر (اگر ذائقہ موجود نہ ہو) تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ پانی یا دو جانور کے دودھ میں مخلوط ہو گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی (اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتلی (سیال) چیز یا کسی بھی جمی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ اور ”غالب“ سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ ”لو“ اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں (یعنی دودھ اور وہ چیز جس میں دودھ مخلوط ہو گیا ہے) برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا ہے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ اور غالب ہو لیکن حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے اور اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہو تو متفقہ طور پر (یعنی ان تینوں ائمہ کے نزدیک) مسئلہ یہی ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاپہ یا دیہی یا پیر اور یا ماوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلادیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت (یعنی دودھ پینے) کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بستی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی کو بھی یاد و معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانے والی عورت کون تھی اور پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت کسی بچہ کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یاد رکھیں یا لکھ لیا کریں (عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دیدیتی ہیں اور انہیں دودھ پلادیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بچہ کو میں نے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی ہے لہذا اس بارہ میں احتیاط ضروری ہے)

دودھ خواہ پہلے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت ہر صورت ثابت ہو جائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہوگا لہذا اگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کر لیا اور پھر بعد میں اس شخص (یعنی خاوند) کی سببی یا رضائی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے آکر اس کو اپنا دودھ پلادیا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا۔ اسے وہ مرضعہ (یعنی دودھ پلانے والی) سے وصول کریگا بشرطیکہ اس دودھ پلانے والی نے محض شرارت (یعنی نکاح ختم کرنے

کے لئے اپنا دودھ پلا دیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ پلایا ہو (بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے ہمدردی کے جذبہ سے اسے دودھ پلا دیا) تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے اگر ان دونوں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہو جائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر (اس کے نکاح میں دو کی بجائے) تین بچیاں ہوں۔ اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو تو حرام ہو جائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر پہلے تو دو بچیوں کو ایک ساتھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے ہر ایک بچی کا نصف مہر اس پر واجب ہو گا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ پلایا ہو اور اگر (اس کے نکاح میں) چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے دودھ پلایا ہو تو چاروں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا ہو تو بھی یہی حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے تین کو ایک ساتھ اور بعد میں چوتھی کو پلایا تو چوتھی حرام نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہو جائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا۔ اور چھوٹی کو اس کا آدھا مہر دینا واجب ہو گا جسے وہ بڑی سے وصول کر لے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ پلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں پلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔

رضاعت (دودھ پلانے) کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار (یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی (یعنی گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تودہ مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔

(حرمت رضاعت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان) جو تفریق (جدائی) ہوتی ہے وہ قاضی کے حکم کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں (کسی میاں بیوی کے درمیان) رضاعت کے رشتہ کی گواہی دیں اور اس کی بنیاد پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو اور اگر جماع ہو چکا ہو گا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر خاوند پر واجب ہو گا اور نفقہ و سکنہ (یعنی کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان) واجب نہیں ہو گا۔

اگر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے نکاح ہو جانے کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی (اور کہا کہ شوہر کے ساتھ تمہارا رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے) تو اس عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں کیونکہ یہ شہادت صحیح ہے بایں طور کہ جس طرح یہ شہادت اگر قاضی کے سامنے دی جاتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی (اور وہ دونوں کے درمیان تفریق کر دیتا) اسی طرح جب یہ شہادت عورت کے سامنے آئے گی تو اس کا حکم بھی وہی ہو گا اور اگر رضاعت کی یہ خبر صرف ایک شخص دے اور اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو شوہر سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد ایک دوسری عورت نے اگر ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی۔

❶ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار کر لیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ

جماع نہ ہوا ہو۔

۱۲ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار نہ کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ عورت (جس نے رشتہ رضاعت کی خبر دی ہے) عادل ہے تو پھر احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ دے، اب اگر اس نے چھوڑ دیا تو بہتر یہ ہے کہ خاوند نصف مہر دیدے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ لے بشرطیکہ چھوڑنا جماع سے پہلے ہو، اور اگر چھوڑنے سے پہلے جماع ہو چکا ہو تو مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا پورا مہر بھی دیدے اور (عدت کے ایام پورے ہونے تک) نفقہ و سکنہ بھی دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہر مثل و مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ لے لے اور نفقہ و سکنہ نہ لے، اور اگر خاوند نے بیوی کو نہیں چھوڑا (یعنی اس نے طلاق نہیں دی) تو بیوی کو خاوند کے پاس رہنا جائز ہے، اسی طرح اگر دو عورتوں نے، یا ایک مرد اور ایک عورت نے یا دو غیر عادل مردوں نے یا غیر عادل ایک مرد اور دو عورتوں نے رضاعت کی گواہی دی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا یعنی خاوند کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

۱۳ اگر خاوند نے اس عورت کا اعتبار کیا اور بیوی نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر دنیا واجب ہوگا۔
۱۴ اگر بیوی نے اس عورت کا اعتبار کیا مگر خاوند نے اس کا اعتبار نہیں کیا تو نکاح بحالہ باقی رہیگا لیکن بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاوند سے قسم کھوائے (کہ وہ واقعہ اس عورت کی بات کو صحیح نہیں سمجھتا) اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کر دے تو دونوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔

ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعتی بہن ہے یا اس کی طرف اسی قسم کے کسی اور رضاعتی رشتہ کی نسبت کی، اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے وہم ہو گیا تھا میں نے جو کچھ کہا تھا غلط تھا تو استسنا ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائے جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی اس دوسری بات پر قائم رہے (کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) اور اگر وہ اپنی پہلی بات پر قائم رہے اور یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی پھر اس کے بعد وہ اپنی پہلی بات سے انکار کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق کر دی تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تکذیب کی تو مرد پر اس عورت کا نصف مہر واجب ہوگا (بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر اس عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہو اور وہ اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق نہ کرے تو مرد پر اس کا پورا مہر اور نفقہ و سکنہ واجب ہوگا۔

اور اگر مرد نے کسی عورت کے بارہ میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعتی بہن ہے یا رضاعتی ماں ہے اور پھر بعد میں کہنے لگا مجھے وہم ہو گیا تھا یا مجھ سے چوک ہو گئی تھی (یعنی میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر اپنی سابقہ بات پر قائم رہا یعنی بعد میں اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں اس عورت سے اس کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے باوجود نکاح کر لے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی اور اگر وہ اپنے سابقہ اقرار ہی سے مکر جائے (یعنی یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ میری رضاعتی ماں یا بہن ہے) لیکن دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا تھا تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔

اگر کسی عورت نے کسی مرد کے بارہ میں اقرار کیا کہ یہ میرا رضاعتی باپ رضاعتی بھائی یا رضاعتی بھتیجا ہے لیکن مرد نے اس کا انکار کیا اور اس کے بعد پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا اور اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا قبل اس کے کہ وہ عورت اپنے قول کی تردید کرتی تو نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے (جو اس کے نکاح میں ہو) اپنے نسبی رشتہ کا اقرار کیا یعنی یوں کہا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں ہے یا حقیقی

بہن ہے یا حقیقی بیٹی ہے اور اس عورت کا نسب کسی کو معلوم نہیں ہے نیز وہ مردیہ صلاحیت رکھتا ہے (یعنی اس کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ عورت اس کی ماں یا بیٹی ہو تو) اس مرد سے دوبارہ پوچھا جائے گا اب اگر وہ یہ کہے کہ مجھے وہم ہو گیا تھا، یا میں چوک گیا تھا، یا میں نے غلط کہا تھا تو استحساناً ان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر (دوبارہ پوچھے جانے پر) اس نے یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہی صحیح ہے تو پھر دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی۔ اور اگر مردیہ صلاحیت نہیں رکھتا (یعنی ان دونوں کی عمر میں اس قدر تفاوت ہے کہ وہ اس بات کا امکان نہیں رکھتا) کہ وہ عورت جس عمر کی ہے اس عمر کی کوئی عورت اس کی حقیقی ماں یا اس کی حقیقی بہن ہو سکے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بارہ میں کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے اور پھر بعد میں اپنی اس بات کی تردید بھی نہیں کی بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے (یعنی دنیا جانتی ہے کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ دوسرے کی ہے) تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا نسب معلوم ہے (یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ اس کی ماں نہیں ہے) تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

چوتھا سبب — جمع کرنا: یعنی وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔
 ① اجنبی عورتوں کو جمع کرنا۔ ② ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

پہلی قسم یعنی اجنبی عورتوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (شریعت نے جس قدر نکاحوں کی اجازت دی ہے ان سے زیادہ نکاح کرنا چنانچہ شریعت نے آزاد مرد کو ایک وقت میں چار نکاح تک کی اجازت اور غلام کو ایک وقت میں دو نکاح تک کی اجازت دی ہے لہذا کسی آزاد شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے (یعنی چار سے زیادہ عورتوں کو اپنی بیوی بنائے) اور غلام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں جتنی چاہے (بغیر نکاح) باندیاں رکھے باندیاں رکھنے کی تعداد کوئی قید نہیں ہے لیکن غلام کو (بغیر نکاح) باندی رکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کا آقا اجازت دے دے! آزاد شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور وہ چار عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ باندیاں ہوں خواہ باندی اور آزاد دونوں ملی جلی ہوں۔

اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار نکاح جائز اور پانچویں کا باطل ہوگا اور اگر پانچوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہوگا اسی طرح اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ہوگی (کہ ان تینوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی صورت میں تو پہلی دونوں کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور تیسری کا باطل ہوگا اور اگر تینوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہوگا۔

اگر کسی حربی کافر نے پانچ کافرہ عورتوں سے نکاح کیا اور پھر وہ سب (یعنی پانچویں بیویاں اور شوہر) مسلمان ہو گئے تو اگر یہ پانچوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تھے تو پہلی چار بیویاں جائز رہیں گی اور پانچویں بیوی سے جدائی کرا دی جائے گی اور اگر پانچوں نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو پانچوں کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان پانچوں سے شوہر کی جدائی کرا دی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے پہلے تو ایک عورت سے نکاح کیا اور پھر چار عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو صرف پہلی کا نکاح درست ہوگا بعد کی ان چاروں کا نکاح درست نہیں ہوگا۔

اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے سے چار عورتیں تھیں تو اس کا نکاح (اس) دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہوگا (جس کے نکاح میں پہلے سے چار بیویاں نہیں تھیں اور اگر ان دونوں کے نکاح میں پہلے سے چار چار بیویاں تھیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہیں تھیں تو یہ نکاح کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوگا)۔

تبع کرنے کی دوسری قسم یعنی ذوات الارحام کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھا جائے جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں چنانچہ) دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو باندی بنا کر ان سے جماع کرنا بھی حرام ہے (یعنی اگر دو بہنیں بطور باندی کسی کی ملکیت میں ہوں تو دونوں سے جماع نہ کیا جائے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) خواہ وہ دونوں نسبی (حقیقی) بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔

اس بارہ میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی (حقیقی) ہو یا رضاعی ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہذا (جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح) لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی چھو بھی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی عورت اور اس کے (پہلے) خاوند کی لڑکی کو (جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے) بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے (کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو (نکاح باطل ہوگا اور) ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کر دیا جائے گا اور پھر یہ جدائی اگر دخول (یعنی جماع) سے پہلے ہوگی تو ان دونوں کو مہر کے طور پر کچھ نہیں دلویا جائے گا اور اگر جدائی دخول کے بعد ہوگی تو مہر مثل اور ہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے مختلف عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہو جائے گا اور شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اگر وہ خود سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی علیحدگی کرا دے۔ اور پھر یہ علیحدگی اگر دخول (جماع) سے پہلے واقع ہوگی تو علیحدگی کے احکام (یعنی مہر وعدت وغیرہ) میں سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی واقع ہوگی تو مہر مثل اور ہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر مل جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی (یعنی پہلی منکوحہ) سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے دو عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کر لیا مگر یہ معلوم نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیان کرے، اگر وہ بیان کر دے (کہ فلاں بہن سے پہلے اور فلاں بہن سے بعد میں نکاح ہوا تھا) تو اس کے بیان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی پہلی کا نکاح باقی اور دوسری کا نکاح باطل قرار دیا جائے) اور اگر شوہر بھی بیان نہ کر سکے تو پھر قاضی ان دونوں ہی سے شوہر کی علیحدگی کرا دے، علیحدگی کے بعد ان دونوں کو نصف مہر ملے گا بشرطیکہ دونوں کا مہر برابر ہو اور عقد کے وقت متعین ہوا ہو اور یہ علیحدگی بھی جماع سے پہلے واقع ہوئی ہو۔ اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اگر عقد کے وقت ہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کی بجائے ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا۔ اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی ہو تو ہر ایک کو اس کا مہر پورا ملے گا۔

اور ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکور کا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ پہلے مجھ سے نکاح ہوا ہے اور گواہ کسی ایک کے بھی پاس نہ ہوں تو دونوں کو نصف مہر دلایا جائے گا لیکن اگر دونوں یہ کہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا ہے تو ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دونوں کسی ایک بات پر متفق ہو کر صلح نہ کر لیں اور دونوں کے صلح کی صورت یہ ہوگی کہ وہ دونوں قاضی کے پاس جا کر یہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور

ہمارے اس مطالبہ میں کوئی تیسرا دعویٰ وار شریک نہیں ہے (یعنی ہمارے خاوند پر مہر کی جو رقم واجب ہے اس میں ہم دونوں کے علاوہ اور کسی تیسری عورت کا کوئی حق نہیں ہے) لہذا ہم دونوں اس بات پر صلح و اتفاق کرتی ہیں کہ نصف مہر لیں، اس کے بعد قاضی فیصلہ کر دے گا، اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کئے تو مرد پر نصف مہر واجب ہوگا جو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، اس حکم میں تمام علماء کا اتفاق ہے! انیزو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایسی تمام عورتوں میں بھی جاری ہوں گے جن کا جمع کرنا (یعنی جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا) حرام ہے اور اگر یہ شخص (یعنی جس نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کر لیا تھا اور یہ نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان دونوں بہنوں اور اس کے درمیان علیحدگی کرادی تھی) ان دونوں بہنوں کے علیحدہ ہو جانے کے بعد پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ علیحدگی جماع سے پہلے ہوئی ہو اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی تھی تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی عدت گزر جانے سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر ایک عدت میں ہے اور دوسری کی عدت پوری ہوگئی ہے تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو عدت میں ہے دوسری سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جو عدت میں ہے اور اگر علیحدگی سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع ہو گیا تھا تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جس سے جماع ہو چکا تھا اور (اگر اس بہن سے نکاح کرنا چاہے جس سے جماع نہیں ہوا تھا تو) اس سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا، ہاں اگر اس بہن کی عدت پوری ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا تو پھر ان دونوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔

جس طرح بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بیک وقت دو باندی بہنوں سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی مساس و جماع وغیرہ کرنا) بھی جائز نہیں ہے (یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں بیک وقت دو بہنیں بطور باندی ہوں تو وہ ان دونوں سے جنسی تلذذ حاصل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی سے مساس و جماع وغیرہ کرے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جنسی لطف لینے کے بعد دوسری بہن حرام ہو جائے گی اس دوسری بہن سے اسی وقت جنسی لطف حاصل کر سکتا ہے جب کہ پہلی بہن کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور اس سے جماع کر لیا پھر اس کے بعد اس کی بہن کو خرید لیا تو صرف پہلی ہی سے جماع کر سکتا ہے دوسری سے جماع اس وقت تک حرام ہوگا جب تک کہ پہلی کو اپنے لئے حرام نہ کر لے اور حرام کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا کسی سے اس کا نکاح کر دے، یا اپنی ملکیت سے نکال دے، یا آزاد کر دے یا کسی کو بہہ کر دے یا فروخت کر دے، یا صدقہ کر دے، اور یا مکتب بنا دے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بعض حصہ کو آزاد کرنا، کل حصہ کو آزاد کرنے کے مرادف ہے۔ (مثلاً کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تیرا آدھا حصہ یا تیرا چوتھا حصہ آزاد کیا تو یہ کل کو آزاد کرنے کے مرادف ہوگا اور اس سے جماع کرنا ناجائز ہوگا) اسی طرح اس کے بعض حصہ کو اپنی ملکیت سے نکالنا کل کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے مرادف ہوگا۔ اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ پہلی مجھ پر حرام ہے تو اس کو کہہ دینے کی وجہ سے دوسری سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ایک کے حیض و نفاس اور احرام و روزہ کی وجہ سے دوسری حلال نہیں ہو جاتی (یعنی جس طرح اگر ایک بہن حیض وغیرہ کی حالت میں حرام ہو جاتی ہے تو محض اس کی وجہ سے اس کی دوسری بہن حلال نہیں ہو جاتی، اسی طرح فقط اتنا کہہ دینا کہ پہلی میرے لئے حرام ہے۔ دوسری کو حلال کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے)۔ اگر کسی شخص نے ان دونوں بہنوں سے جماع کر لیا جو بطور باندی اس کی ملکیت میں تھیں تو اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جماع نہیں کر سکتا تا وقتیکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق دوسری کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

اگر کسی شخص نے (ان دونوں باندی بہنوں میں سے کہ جو بیک وقت اس کی ملکیت میں تھیں) کسی ایک کو فروخت کر دیا لیکن وہ کسی عیب کی وجہ سے لوٹ کر آئی یا اس کو بہہ کر دیا تھا لیکن اپنے بہہ کو ختم کر کے اسے واپس لے لیا، یا اس کا نکاح کر دیا تھا مگر اس کے شوہر نے اس

کو طلاق دے دی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو ان صورتوں میں وہ شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی جماع نہ کرے تا وقتیکہ دوسری بہن کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

کسی شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کی بہن کو خرید لیا تو اس کے لئے خریدی ہوئی باندی سے جنسی لطف حاصل کرنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ فراش (یعنی زوجیت کا استحقاق) نفس نکاح سے ثابت ہو جاتا ہے اس لئے اگر وہ خریدی ہوئی باندی سے جماع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے فراش (یعنی زوجیت کے استحقاق) میں دو بہنوں کو جمع کیا اور یہ حرام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کر لیا اور اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہو گا اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو اب وہ باندی سے جماع نہ کرے گا اگرچہ ابھی تک منکوحہ سے جماع نہ کیا ہو اور اس منکوحہ سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک کہ اپنی باندی (یعنی منکوحہ کی بہن) کو مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اپنے لئے حرام نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی باندی کی بہن سے ایسی صورت میں نکاح کیا کہ اس باندی سے جماع نہیں ہوا ہے تو پھر منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے جماع کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا مگر وہ نکاح کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو شخص نکاح سے وہ باندی حرام نہ ہوگی ہاں اگر نکاح کے بعد وہ منکوحہ سے جماع کر لے تو باندی سے جماع کرنا حرام ہو جائے گا۔

اگر دو بہنوں نے کسی شخص سے یہ کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اپنا نکاح کیا اور یہ الفاظ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ ادا ہوئے اور اس شخص نے ان میں سے ایک کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا اور اگر پہلے خود اس شخص نے ان دونوں بہنوں سے یہ کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا نکاح کیا اور ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسری نے انکار کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہو گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنا نکاح کرانے کے لئے ایک آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر کسی دوسرے آدمی کو بھی اسی کام کے لئے اپنا وکیل بنادیا، اس کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک وکیل نے ایک ایک عورت سے اس شخص کا نکاح ان عورتوں کی اجازت کئے بغیر کر دیا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں، نیز ان دونوں وکیلوں کی زبان سے نکاح کے الفاظ ایک ساتھ ادا ہوئے تھے تو اس صورت میں دونوں عورتوں کے نکاح باطل ہوں گے، اسی طرح اگر یہ دونوں نکاح ان عورتوں کی اجازت سے ہوں یا ایک کی اجازت سے اور ایک کی بغیر اجازت تو بھی یہی حکم ہو گا۔

ایک شخص مثلاً زید نے دو بہنوں سے نکاح کیا حالانکہ ان میں سے ایک بہن کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی یا کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے ابھی عدت کے دن گزار رہی تھی تو اس صورت میں زید کا نکاح صرف دوسری بہن کے ساتھ صحیح ہو گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی، یا ایک طلاق بائن یا تین طلاق دی یا نکاح فاسد ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا، یا شبہ ہو کر کسی عورت سے جماع کر لیا، غرضیکہ ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ عورت کہ عدت کے دن گزار رہی ہو تو اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے وہ شخص نکاح نہیں کر سکتا اور جس طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی کسی بھی ایسی رشتہ والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جو اس کے لئے ذوات الارحام میں سے ہو اور دونوں کا بیک وقت کسی ایک کے نکاح میں رہنا حرام ہو (مثلاً اس کے زمانہ عدت میں اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اور اسی طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو جو ام ولد (یعنی اس کے بچہ کی ماں) تھی آزاد کر دیا تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز نہیں ہو گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو گا۔

جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔

اگر کسی شوہر نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے بتایا کہ اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں (لہذا میں اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں) تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ طلاق دیئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے، اگر طلاق دیئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے جس میں عدت پوری ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تو شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا اس طرح اس کی مطلقہ بیوی کا یہ کہنا کہ ”میری عدت پوری ہو گئی ہے“ قابل اعتبار نہ ہوگا ہاں اگر وہ کوئی ایسی صورت بیان کرے جس میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو جیسے وہ یہ بیان کرے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا حمل جس کے اعضاء پورے تھے ساقط ہو گیا ہے تو اس صورت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہونے کا امکان ہو تو اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دے یا اس مجلس میں موجود نہ ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اس کے لئے بیک وقت چار دوسری عورتوں سے یا سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا بلکہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اگر بیوی شوہر کو ٹھٹھلا دے تو بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو شوہر کے لئے اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر وہ مرتدہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے لوٹے اور اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کر چکا ہو تو اس کی بہن کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اور اگر وہ بہن کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے لوٹے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی وہ شخص اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبینؒ یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس صورت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے جو ایک دوسرے کی چھو بھی یا ایک دوسرے کی خالہ ہوں اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کی ماں سے اور عمرو نے زید کی ماں سے نکاح کیا اور ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسری لڑکی کی چھو بھی ہوگی یا یہ کہ مثلاً زید نے عمر کی لڑکی سے اور عمر نے زید کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں سے ہر ایک لڑکی کی خالہ ہوگی اور ان دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے ایسی دو عورتوں سے نکاح کر لیا جن میں سے ایک تو اس شخص کے لئے حرام تھی خواہ اس کی محرم ہونے کی وجہ سے یا شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اور یا بت پرست ہونے کی وجہ سے اور دوسری عورت ایسی تھی جس سے اس شخص کو نکاح کرنا جائز تھا تو ایسی صورت میں اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا جو اس کے لئے حلال تھی اور اس عورت کے ساتھ نکاح باطل ہوگا جو اس کے لئے حرام تھی اور مقرر کردہ کل مہر اسی عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہوا ہے۔ یہ حکم امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے نکاح کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہیں تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ وہ کسی مقدار میں ہو اور مقرر کردہ کل مہر اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال تھا۔

پانچواں سبب — مملوکہ ہونا: یعنی وہ باندیاں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جب کہ پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو۔ اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ مگر (یعنی وہ لونڈی جس سے اس کا آقا کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو جائے گی) اور ام ولد (یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو) اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک عقد میں ایک آزاد عورت اور ایک باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوگا اور باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ آزاد عورت ایسی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز تھا اگر وہ آزاد عورت ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا جیسے وہ اس کی چھو بھی یا خالہ تھی تو پھر باندی کا نکاح باطل نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے پہلے باندی سے نکاح کیا

اور پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو دونوں کا نکاح صحیح ہو گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو ایک آزاد عورت ہے طلاق بائن یا تین طلاق دیدیں اور وہ ابھی تک اپنی عدت کے دن گزار رہی تھی کہ اس شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول تو یہ ہے کہ باندی کا نکاح جائز نہیں ہو گا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی باندی سے نکاح کر لے تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس کا نکاح جائز نہیں ہو گا۔

اگر کسی شخص نے ایک باندی اور ایک ایسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا جو نکاح فاسد یا جماع شبہ کی عدت کے دن گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے رجوع کر لیا (یعنی اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر پھر اسے بیوی بنالیا) تو یہ جائز ہو گا۔

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع بھی کر لیا اور پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو دونوں سے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں آزاد عورت کا نکاح صحیح اور باندی کا نکاح باطل ہو گا۔

اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا لیکن اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور پھر کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں بھی باندی کا نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ اور اگر کسی شخص نے ایک باندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی، نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دی تو لڑکی کا نکاح صحیح ہو گا۔ باندی کا نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

ایک شخص مثلاً زید کے ایک بالغ لڑکی اور ایک بالغ باندی ہے، زید نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے دونوں کا نکاح اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ کر دیا، اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح باطل ہو گا اور اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود کسی باندی سے نکاح کر لے اور وہ باندی خواہ مسلمان ہو یا اہل کتاب (یعنی یہودی اور عیسائی) تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت و قدرت رکھنے کے باوجود باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تو صرف باندیوں کا نکاح صحیح ہو گا۔

چھٹا سبب — تعلق حق غیر: یعنی ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جن کے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو۔ چنانچہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا کسی کی عدت میں ہو اور عدت خواہ طلاق کی ہو، یا موت کی، یا نکاح فاسد کی کہ جس میں جماع ہو گیا تھا اور یا شبہ نکاح کی، تو ایسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

اگر کسی شخص نے انجانے میں دوسرے کی منکوحہ عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا تو اب جب کہ ان میں جدائی ہوگی تو عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اس کے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا ناجائز نہیں ہو گا۔ اور اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے تو صاحب عدت کے لئے زمانہ عدت میں اس سے نکاح کرنا جائز ہو گا بشرطیکہ عدت کے علاوہ اور کوئی مانع موجود نہ ہو۔

جس عورت کو زنا کا حمل ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک ولادت نہ ہو جائے خاوند کو اس سے جماع کرنا ناجائز ہے اور

اسباب جماع (یعنی بوسہ اور مساس وغیرہ) بھی ناجائز ہیں۔ اور اگر اس حاملہ زنا سے وہ شخص نکاح کرے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا تو اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا اور وہ وضع حمل سے قبل جماع بھی کر سکتا ہے اور وہ عورت نفقہ کی حق ہوگی۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بعد عورت کا حمل ساقط ہو گیا جس کے اعضاء ظاہر ہو چکے تھے۔ اب اگر یہ اسقاط حمل، نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ بعد ہوا ہے تو نکاح جائز ہوگا اور اگر چار مہینہ سے کم عرصہ میں یہ اسقاط ہوا ہے۔ تو نکاح جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ حمل کے اعضاء چار مہینہ سے کم میں ظاہر نہیں ہوتے (حاصل یہ کہ اگر اسقاط نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا ہے اور اگر چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو پھر یہ احتمال ہوگا کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی اور اس کا یہ حمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوتا) اور ایسی حاملہ عورت جس کے بارہ میں یہ معلوم ہو کہ اس کا حمل فلاں شخص کے جائز نطفہ سے ہے تو متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت ہو جو حربی کافر سے حاملہ ہوئی ہو اور وہ ہجرت کر کے یا باندی بنا کر دارالاسلام میں لائی گئی ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک اس کے ہاں ولادت نہ ہو جائے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام طحاویؒ نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے، لیکن حضرت امام محمدؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہوتا، اسی پر امام کرخیؒ نے اعتماد کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی اُم ولد باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا در آنحالیکہ وہ اپنے آقا سے حاملہ تھی تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ ہاں اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا۔

ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد کسی سے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہوگا لیکن آقا کے لئے یہ مستحب ہوگا کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کی خاطر اس باندی سے استبراء کرائے (یعنی ایک حیض آنے کے بعد اس کو خاوند سے جماع کرانے دے) اور جب یہ نکاح جائز ہو گیا تو خاوند کے لئے (استبراء کا انتظار کئے بغیر) اس سے جماع کرنا بھی جائز ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس کے استبراء کے بغیر اس سے جماع کر لے۔ فقیہ ابوليثؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کا قول مبنی بر احتیاط ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں! لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کا یہ اختلاف قول اس صورت میں ہے جب کہ آقا نے باندی کا نکاح استبراء کرائے بغیر کر دیا ہو، اور اگر نکاح سے پہلے استبراء ہو چکا تھا (یعنی آقا سے مجامعت کے بعد باندی کو ایک حیض آگیا تھا) تو اس صورت میں سب کا متفقہ قول یہی ہے کہ خاوند کو استبراء کے بغیر اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔

کسی شخص نے ایک عورت کو زنا کرنا دیکھا اور پھر بعد میں خود اس سے نکاح کر لیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو استبراء سے پہلے بھی اس سے جماع کرنا جائز ہوگا لیکن حضرت امام محمدؒ کا اس صورت میں بھی یہی قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس سے استبراء کے بغیر جماع کر لے۔ اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کر لے تو حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اگر کسی عورت کو قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام لایا گیا اور اس کا شوہر ساتھ نہیں ہے تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق اس پر بھی عدت واجب نہیں ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر عدت واجب ہوگی۔ (جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے) اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن اس بارہ

میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے جماع کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ ایک حیض آجانے کی وجہ سے استبراء نہ ہو جائے۔

ساتواں سبب — اختلاف مذہب: یعنی وہ عورتیں جن کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا حرام ہے، چنانچہ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی۔ اور بت پرستوں کے حکم میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو سورج اور ستاروں کی پرستش کرتی ہیں، یا اپنی پسندیدہ تصویروں کی پوجا کرتی ہیں، یا یونانی حکماء کے نظریہ کے مطابق خدا کے بے کار (معطل) ہونے کا عقیدہ رکھتی ہیں، یا زندقہ (یعنی دہریت) میں مبتلا ہیں یا فرقہ باطنیہ اور فرقہ اباحیہ سے تعلق رکھتی ہیں (فرقہ باطنیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جو قرآن کے باطنی معنی کا عقیدہ رکھتا ہے اور فرقہ اباحیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جس کے ہاں دنیا کا ہر کام خواہ وہ اچھا ہو یا برا کرنا جائز ہے) اسی طرح ہر اس مذہب کو ماننے والی عورت بھی اسی حکم میں داخل ہے جس کو اختیار کرنا کفر کا باعث ہو، اسی طرح اپنی اس باندی سے جو آتش پرست مشرک ہو، جماع کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسلمان کو کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی) عورت سے جو دار الحرب میں رہتی ہو اور ذمیہ کافرہ (یعنی مسلمانوں کے ملک میں خراج دے کر رہنے والی) عورت سے شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو لیکن اولیٰ یحییٰ ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور نہ ان کا زین کیا ہوا جانور بغیر ضرورت کے کھایا جائے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کر لی تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے عبادت خانہ (یعنی گرجا گھر وغیرہ) نہ جانے دے اور نہ اسے اپنے گھر میں شراب بنانے دے لیکن مسلمان شوہر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عیسائی یا یہودی بیوی کو حیض و نفاس کے منقطع ہونے اور جنابت لاحق ہونے پر غسل کے لئے مجبور کرے۔

اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں کتابیہ حریہ سے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح جائز ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا اور پھر اس نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی دارالاسلام آجائیں تو دار الحرب میں کیا ہوا نکاح باقی رہے گا۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ شوہر دارالاسلام آجائے، بیوی کو وہیں چھوڑ آئے تو بتائیں دارین (ملک بادل جانے) کی وجہ سے دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

جو لوگ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار ہوں اور ان کے فرقہ کے لئے آسمانی کتاب بھی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور وغیرہ، تو وہ لوگ اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کی شادی بھی جائز ہوگی اور ان کا زین کیا ہوا جانور کھانا بھی حلال ہوگا۔ اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک تو کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہو اور دوسرا آتش پرست ہو تو وہ شخص اہل کتاب میں شمار کیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے کسی کتابیہ عورت سے شادی کی اور پھر وہ عورت (اپنا مذہب تبدیل کر کے) آتش پرست ہو گئی تو وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حرام ہو جائے گی اور دونوں کی شادی کا عہد مقرر پائے گی۔ اور اگر یہودی عورت سے شادی کی اور پھر وہ عیسائی ہو گئی، یا عیسائی عورت سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ یہودی ہو گئی تو اس صورت میں نکاح باقی رہے گا۔ اس بارہ میں یہ اصول و ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تبدیل مذہب کے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ خاوند بیوی میں سے جس نے بھی اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب قبول کیا ہے وہ کوئی ایسا مذہب تو نہیں ہے کہ اگر وہ دونوں از سر نو شادی کریں تو اس مذہب کی وجہ سے ان کی شادی جائز نہ ہو سکے (مثلاً آتش پرستی ایسا مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی آتش پرست عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا) چنانچہ اگر وہ مذہب ایسا ہوگا جس کے پیروکار اور مسلمان کے درمیان شادی بیاہ سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا تو خاوند و بیوی میں سے جو بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس مذہب کو قبول کرے گا شادی کا عہد ہو جائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ اگر مسلمان خاوند اور یہودی یا عیسائی بیوی میں سے کوئی بھی

مجوسیت (یعنی آتش پرستی) اختیار کر لے اور اس کی وجہ سے ان دونوں کی شادی فاسد ہو جائے تو اس کے بعد کیا حکم ہوگا؟ تو اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب عورت بنی ہے یعنی بیوی نے مجوسیت اختیار کر لی ہے تو دونوں کے درمیان جدائی

ہو جائے گی اور اسے نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ، بشرطیکہ اس نے جماع سے پہلے اپنا مذہب تبدیل کیا ہو، اور اگر اس نے اس وقت مجوسیت کو اختیار کیا جب کہ اس کا شوہر اس سے جماع کر چکا تھا تو پھر اس کو پورا مہر دیا جائے گا۔ اور اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب مرد بنا ہے یعنی خاوند نے اپنا مذہب چھوڑ کر مجوسیت کو اختیار کر لیا ہے اور خاوند بیوی میں جدائی ہو گئی ہے تو اسے عورت کو مقررہ مہر کا آدھا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ صورت حال جماع سے پہلے ہی واقع ہو چکی ہو اور اگر مہر مقرر نہیں تھا تو متعہ (ایک جوڑا کپڑا) دینا ہوگا اور اگر جماع کے بعد ایسا ہوا تو پھر اس عورت کو پورا مہر دینا واجب ہوگا۔

جو مسلمان مرتد ہو گیا ہو اس کا نکاح نہ تو کسی مرتدہ سے جائز ہوتا ہے نہ کسی کافرہ سے اور نہ کسی مسلمان عورت سے، اسی طرح جو مسلمان عورت، مرتدہ ہو جائے اس کا نکاح بھی کسی کے ساتھ جائز نہیں ہوتا۔

کسی مسلمان عورت کی شادی نہ تو مشرک سے جائز ہوتی ہے اور نہ کتابی یعنی یہودی یا عیسائی سے۔ بت پرست و آتش پرست عورت کی شادی ہر مشرک و کافر سے صحیح ہو جاتی ہے مگر مرتد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔ ذی کافروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں۔

مسلمان کے لئے اپنی مسلمان بیوی کی موجودگی میں کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی عورت) سے اور اپنی کتابیہ بیوی کی موجودگی میں مسلمان عورت سے عقد ثانی جائز ہے اور نوبت (یعنی شب گزاری کے لئے باری) مقرر کرنے کے سلسلہ میں دونوں کے حقوق برابر ہوں گے۔

آٹھواں سبب — مالک ہونا: یعنی وہ عورتیں جو مالک ہونے کی وجہ سے اپنے مملوک (غلام) کے لئے حرام ہیں چنانچہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام سے نکاح کرے، اسی طرح اس کو اس غلام کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو۔ اگر نکاح کے بعد خاوند بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یا جزو کا مالک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

اگر کسی مرد نے اپنی لونڈی سے نکاح کر لیا، یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کا وہ جزوی مالک ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں لونڈی غلاموں کی خرید و فروخت کا بالکل رواج نہیں رہا اور نہ آج کے دور میں وہ شرائط و قیود پائی جاتی ہیں جن کی موجودگی میں لونڈی سے جماع جائز ہوتا ہے اسی لئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اگر کہیں لونڈی رکھنے کا کوئی رواج ہو تو (اس سے جماع نہ کرنا چاہئے بلکہ) اس لونڈی سے نکاح کر لینا چاہئے۔ تاکہ اگر واقعہ لونڈی نہ ہو بلکہ آزاد عورت ہو تو نکاح کی وجہ سے اس سے جماع کرنا جائز ہو جائے۔

اگر کسی آزاد مرد نے اپنی بیوی کو (جو کسی کی باندی ہو) شرط خیار کے ساتھ خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح باطل نہیں ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے۔

نواں سبب — طلاق: یعنی وہ عورتیں جو طلاق سے حرام ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو آزاد عورت ہو تین طلاق دے دیں تو اس کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ہاں اگر وہ عورت (اپنی عدت پوری کر کے) دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لے اور دونوں میں مجامعت ہو جائے اور پھر وہ مرد اس کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا اور پھر اسے دو طلاقیں دے دیں تو اس کے بعد اس سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور جس طرح اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کو باندی بنا کر اس سے جماع کرنا بھی درست نہیں۔

ایک شخص نے کسی کی باندی سے نکاح کیا اور پھر دو طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس کو خرید کر آزاد کر دیا اب اگر وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس صورت میں جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کے ساتھ جماع کرے اور پھر اس کو

طلاق دے دے اور جب عدت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ شخص (یعنی پہلا شوہر) اس سے نکاح کر لے۔

متعلقہ ضروری مسائل

یہاں تک محرمات کا ذکر پورا ہو گیا، اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس باب سے متعلق چند ضروری مسائل نقل کر دیے جائیں۔ نکاح متعہ باطل ہے، اور جب کسی عورت سے اس طرح کا نکاح (یعنی متعہ) جائز ہی نہیں ہوگا تو نہ اس سے جماع کرنا حلال ہوگا، نہ پر طلاق واقع ہوگی اور نہ اس پر ایلاء اور ظہار کے احکام نافذ ہوں گے، اسی طرح ان کے درمیان وراثت کا کوئی سلسلہ بھی قائم نہیں

نکاح متعہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جو موانع (یعنی کسی دوسرے کی زوجیت یا عدت وغیرہ) سے خالی ہو، یہ کہے کہ میں مال کی اتنی مقدار مثلاً ایک ہزار روپیہ کے عوض اتنی مدت مثلاً دس روز کے لئے تمتع یعنی فائدہ اٹھاؤں گا۔ یا یوں کہے کہ ”تم اتنے روپیہ کے عوض دس روز یا چند روز تک اپنے نفس سے مجھے تمتع یعنی بہرہ مند کرو“ اور جس طرح نکاح متعہ ناجائز ہے اسی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے اور نکاح موقت میں مدت قلیل ہو یا کثیر، متعین ہو یا غیر متعین، بہر صورت نکاح ناجائز ہوگا، ہاں اگر دونوں کسی ایسی مدت کا تعین کریں جو اتنی طویل ہو کہ اتنی مدت تک دونوں کا زندہ رہنا ناممکن ہو مثلاً یہ کہیں کہ ہم نے ایک ہزار سال کے لئے نکاح کیا، تو اس صورت میں نکاح موقت کا حکم جاری نہیں ہوگا بلکہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور وقت کی شرط باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ نکاح کا وقت وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسیٰ تک کی مدت بیان کرنے کی صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور وقت کی شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کا وقت متعین نہیں کیا لیکن دل میں مدت متعین تھی یعنی نکاح کرنے والے کا یہ خیال تھا کہ اس کو ایک سال تک اپنے پاس رکھوں گا، پھر چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا، تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نکاح کے وقت عورت سے یہ شرط کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہا کروں گارات میں نہیں تو یہ نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔

اگر مرد و عورت دونوں احرام باندھے ہوئے ہوں تو ان کے لئے احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی ولی احرام باندھے ہوئے ہو تو احرام کی حالت میں اس عورت کا نکاح کر سکتا ہے جس کا وہ ولی ہے۔

ایک عورت نے (قاضی کی عدالت میں) کسی مرد مثلاً زید کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور ثبوت کے طور پر اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیئے، قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ زید اس عورت کا شوہر ہے حالانکہ واقعہ زید نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو اس عورت کے لئے جائز ہوگا کہ وہ زید کے ساتھ رہنے لگے اور زید کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اگر وہ عورت اس سے جماع کی خواہش ظاہر کرے تو جماع کرے۔

یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے لیکن ان کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے، امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مرد کے لئے اس عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مسئلہ مذکورہ میں قاضی کا فیصلہ عقد نکاح کے حکم میں ہوگا (یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ گویا قاضی نے اس وقت نکاح کر دیا اس لئے عورت کو مرد کے ساتھ رہنے اور امام اعظمؒ کے قول کے مطابق اس کی خواہش پر زید کو اس سے جماع کرنے کی بھی اجازت ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت عورت میں نکاح کی صلاحیت ہو (یعنی ایسا کوئی مانع موجود نہ ہو جو اس کو زید کی بیوی بننے سے روک دے) چنانچہ اگر یہ صورت ہو کہ قاضی کے فیصلہ کے وقت وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دے دینے کی وجہ سے عدت کے دن گزار رہی ہو، یا اس مرد یعنی زید نے اس کو تین طلاق دے رکھی ہو تو پھر قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور یہ عورت زید کی بیوی نہیں بنے گی، اسی طرح اکثر علماء کے نزدیک قاضی کے فیصلہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس فیصلہ کے وقت گواہ بھی موجود ہوں۔ اور اگر

خود زید کسی عورت کے بارہ میں دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو اوپر ذکر کیا گیا اسی طرح اگر کوئی عورت قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کرے کہ میرے شوہر زید نے مجھے طلاق دے دی تھی اور اس نے جھوٹے گواہ بھی پیش کئے تو قاضی طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا جو دیکھ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے لہذا قاضی کا یہ فیصلہ طلاق کے حکم میں ہوگا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اس کے بعد وہ عورت عدت کے دن گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور گواہ کے لئے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا نیز وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، نیز وہ عورت اپنے پہلے خاوند یعنی زید کے لئے حرام ہو جائے گی لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ جب تک دوسرا مرد (جس سے اس نے نکاح کر لیا ہو) اس سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال رہے گی، اگر دوسرا مرد اس سے جماع کر لے گا، تو پھر جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حرام رہے گی، گویا امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا۔

ایک شخص مثلاً زید نے کسی عورت مثلاً خالدہ کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا لیکن خالدہ نے اس سے انکار کیا اس کے بعد زید نے خالدہ سے صلح کرنی چاہی اور اس سے کہا کہ اگر تم اقرار کر لو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا۔ خالدہ نے اقرار کر لیا تو اب زید پر یہ مال یعنی خالدہ کو ایک سو روپیہ دینا واجب ہوگا اور خالدہ کا یہ اقرار عقد نکاح سمجھا جائے گا چنانچہ خالدہ نے یہ اقرار اگر گواہوں کے سامنے کیا ہوگا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا عند اللہ بھی صحیح سمجھا جائے گا (یعنی اس صورت میں وہ دونوں نہ صرف دنیاوی اور قانونی طور پر میاں بیوی سمجھے جائیں گے بلکہ اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا) ہاں اگر خالدہ کے اقرار کے وقت گواہ موجود نہ ہوں گے تو نہ نکاح منعقد ہوگا اور نہ خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا جائز ہوگا۔

الفصل الاول

پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک وقت اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَوَعْمَتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”پھوپھی اور خالہ“ سے عمومیت مراد ہے یعنی خواہ حقیقی پھوپھی اور خالہ ہوں جیسے اس عورت کے باپ اور ماں کی بہن یا عجائی ہوں جیسے اس عورت کے دادا اور بڑا دادا (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن اور نانی و پرنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن۔ حدیث میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کی تخصیص محض اتفاقی ہے کہ کسی شخص نے ان دونوں ہی کے بارہ میں پوچھا ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے صرف انہی دو کا تذکرہ فرمایا اور نہ ان دونوں کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے گزشتہ صفحات میں اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہوگا۔

حرمت رضاعت کا ذکر

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْزُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَحْزُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دودھ پینے کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی جو رشتے، نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے حرام ہیں وہی رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جاتے ہیں مثلاً جس طرح نسبی یعنی حقیقی بہن اپنے بھائی کے لئے حرام ہے اسی طرح رضائی بہن بھی حرام ہے۔ ہاں کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ بعض صورتوں میں نسبی رشتہ اور رضائی رشتہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور نظرو خلوت اور مسافرت حلال ہو جاتی ہے (یعنی مثلاً رضائی ماں بیٹے کے درمیان نکاح تو حرام ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی طرف نگاہ ڈالنا، اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں اٹھنا بیٹھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہا سفر کرنا جائز ہو جاتا ہے لیکن رضائی رشتہ پر نسبی رشتہ کے تمام احکام نافذ نہیں ہوتے چنانچہ رضائی رشتہ میں نہ تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے پر نان نفقہ واجب ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے کی ملکیت میں آجانے سے آزادی مل جاتی ہے اور اگر دودھ پلانے والی اپنا دودھ پینے والے کو قتل کر دے تو اس کے ذمہ سے اس کا قصاص بھی ساقط نہیں ہوتا چنانچہ ان تمام صورتوں میں وہ دونوں رضائی رشتہ دار بالکل اجنبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرِّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَنِي فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكَ فَأُذِنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا أَرْضَعْتَنِي الْمَرْأَةَ وَلَمْ يُزْصِغْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ عَمُّكَ فَلْيَلِجْ عَلَيْكَ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا ضَرَبَ عَلَيْنَا الْحِجَابَ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے رضائی چچا میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تاکہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھ لوں (کہ ان کا میرے پاس آنارست ہے یا نہیں؟) چنانچہ جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ تمہارے چچا ہیں، ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ ”مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے تو دودھ نہیں پلایا تھا“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارے چچا ہیں اس لئے وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں“ (حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ) میرے رضائی چچا کی یہ آمد اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہمارے لئے (اجنبی مردوں سے) پردہ کرنا واجب ہو چکا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے جن رضائی چچا کا ذکر کیا گیا ہے ان کا نام فلاح تھا اور حضرت عائشہؓ نے جس عورت کا دودھ پیا تھا اس کے خاوند ابوالقیس تھے وہ فلاح بھائی تھے اس رشتہ سے وہ حضرت عائشہؓ کے رضائی چچا ہوئے۔

”مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا ہے الفح“ سے حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں نے چونکہ عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے میرا رضاعت کا تعلق تو عورت سے قائم ہوا ہے نہ کہ مرد سے، گویا حضرت عائشہؓ یہ سمجھتی تھیں کہ کسی عورت کا دودھ پلانا اس کے خاوند کے قرابت داروں سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس گمان کی تصحیح کی کہ کسی عورت کا دودھ پلانا جس طرح اس عورت سے اور اس کے قرابت داروں سے رضاعت کا رشتہ قائم کر دیتا ہے اسی طرح اس کے خاوند اور خاوند کے قرابت داروں سے بھی رضائی تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس طرح رضائی ماں کی بہن رضائی خالہ اور اس کی بیٹی رضائی بہن ہوتی ہے

اسی طرح اس کے خاوند کا بھائی بھی رضائی چچا ہوتا ہے اور رضائی چچا چونکہ حقیقی چچا کی مانند ہے اس لئے فلیح تمہارے پاس شوق سے آئیں ان سے کوئی شرم و پردہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دودھ پلانے والی کے قرابت داروں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس طرح اس کے خاوند کے قرابت داروں سے بھی حرمت رضاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔

رضائی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے

(۴) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ حَمْرَةً فَأَنْتَاهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِي قَرْيَةٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْرَةً أَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) کے چچا (حزہ) کی لڑکی آپ (ﷺ) کو (اپنے نکاح کے لئے) کیوں پسند نہیں ہے؟ وہ تو قریش کی جوان عورتوں میں ایک حسین ترین لڑکی ہے؟ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو حضرت حمزہ ابولہب کی طرح آنحضرت (ﷺ) کے حقیقی چچا تھے لیکن وہ آپ (ﷺ) کے دودھ شریک بھائی بھی تھے، جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ابولہب کے ہاں ایک لونڈی تھی جس کا نام ثویبہ تھا۔ ثویبہ نے پہلے حضرت حمزہ کو دودھ پلایا تھا اور پھر چار سال کے بعد آنحضرت (ﷺ) کو بھی دودھ پلایا یہ وہی ثویبہ ہے جس نے جب ابولہب کو آنحضرت (ﷺ) کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی تو ابولہب نے بھتیجی کی پیدائش کی خوشی میں اس کو آزاد کر دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کی پیدائش پر ابولہب نے اپنی اس خوشی و مسرت کا جو اظہار کیا تھا اس کی وجہ سے پیر (سوموار) کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ آنحضرت (ﷺ) پیر ہی کے دن پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت (ﷺ) کو چار عورتوں نے دودھ پلایا تھا، آپ (ﷺ) کی والدہ محترمہ نے، حضرت حلیمہؓ نے، ثویبہ نے اور اُم ایمن نے جو آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ کی لونڈی تھیں۔

رضاعت کی مقدار

(۵) وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحْرِمُ الرِّضْعَةَ أَوْ الرِّضْعَتَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ عَائِشَةُ قَالَ لَا تُحْرِمُ الْمَصَّةَ وَالْمَصَّتَيْنِ وَفِي أُخْرَى لَا مِ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحْرِمُ إِلَّا مَلَأَ جُحَةً وَالْأَمْلَأُ جُحَتَانِ هَذِهِ رِوَايَاتُ لِمُسْلِمٍ -

”اور حضرت اُم الفضل کہتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ”ایک باریادو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا (یعنی ایک باریادو بار چوسنے سے نکاح کے لئے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی) اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں یوں ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ایک باریادو بار چوسنا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا“ اور اُم الفضل کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ایک باریادو بار (منہ میں) چھاتی داخل کر لینا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا“ (یہ سب روایتیں مسلم نے نقل کی ہیں)۔“

تشریح: بظاہر ان روایتوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ایک باریادو بار دودھ چوسنے سے نکاح حرام نہیں ہوتا ہاں تین باریادو اس سے زائد مرتبہ دودھ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض علماء نے اسی پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، لیکن حنفیہ اور اکثر علماء کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ مقدار کے اعتبار سے کم ہو یا زیادہ ہو بشرطیکہ

دودھ بچہ کے حلق سے نیچے اتر کر پیٹ میں پہنچ جائے اور وہ دودھ بھی مدت رضاعت (شیر خواگی کی مدت) میں پیا گیا ہو۔ اور مدت رضاعت اکثر علماء بشمول صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو سال کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ مدت رضاعت ڈھائی سال کی عمر تک ہے لیکن حنفی مسلک میں صاحبینؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَأُمَّهُتُكُمْ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ - (النساء: ۲۳)

”اور تم پر تمہاری رضائی مائیں حرام ہیں۔“

اس روایت میں مطلق دودھ پینے کی حرمت رضاعت کا ذکر ہے کہ کم و زیادہ کی کوئی قید نہیں لہذا خبر واحد کو چونکہ یہ درجہ حاصل نہیں ہوگا کہ وہ قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مفید کرے اس لئے مذکورہ روایت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ بچہ نے تین بار یا تین بار سے زائد دودھ چوسا ہو، نیز ان حضرات کی ایک دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت (۲) بھی ہے جس میں مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جانے کو ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

يُحْرَمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ .

”دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔“

حرمت رضاعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ پانچ بار سے کم دودھ پئے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ان کی دلیل آگے آنے والی حدیث ہے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِيْمَا أَنْزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحْرَمُ مَنْ نُسِبَ خَنْ بِخُمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتَوَقَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيْمَا يَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ ”دس بار دودھ پینا، جب کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو (نکاح کو) حرام کرتا ہے“ پھر یہ حکم پانچ بار پینے کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو، منسوخ ہو گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو، حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ آیت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی۔“ (مسلم)

تشریح: پہلے یہی حکم تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دس بار دودھ پی لے تو ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، بعد میں نہ صرف یہ کہ یہ حکم ہی منسوخ ہو گیا بلکہ اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی جس میں یہ حکم تھا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ بار دودھ پینا نکاح کو حرام کرتا ہے اور پھر اس آیت کی تلاوت بھی تمام صحابہؓ کے نزدیک تو منسوخ ہو گئی لیکن حضرت عائشہؓ کی قرأت میں اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یہاں تک کہ اب حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم تو باقی ہے کہ حرمت رضاعت پانچ بار دودھ پینے ہی سے ثابت ہوتی ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم بھی اس مطلق آیت وَأُمَّهُتُكُمْ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَانَتْ تَرَاهُ ذَلِكَ فَقَالَتْ إِنَّهُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْظُرْنَ مَنْ أَخَوَاتُكُنَّ فَإِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ - (متن علیہ)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کو گویا ناگواری ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (آپ ﷺ کی اس ناگواری کو محسوس کر کے) عرض کیا کہ ”یہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں“ آپ نے فرمایا کہ دیکھا (یعنی یہ غور کرو اور سوچو) کہ تمہارا بھائی کون ہو سکتا ہے، کیونکہ شری طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ دودھ پینے کے احکام اسی صورت میں جاری ہوتے ہیں جب کہ دودھ بطور غذا پیا گیا ہو اور اس سے بھوک دور کی گئی ہو۔ چنانچہ یہ بات خود دسالی یعنی ایام شیر خوارگی ہی میں ہوتی ہے۔ اور شیر خوارگی کی مدت اکثر علماء کے نزدیک دو سال اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے اس مدت میں بچہ کی غذائی ضرورت و خواہش کا دار و مدار عورت کے دودھ پر ہوتا ہے، جب تک وہ دودھ نہیں پیتا اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی، لہذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بڑی عمر میں یعنی مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ شخص جو اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور جسے حضرت عائشہؓ نے اپنا دودھ شریک بھائی کہا تھا اس نے دراصل بڑی عمر میں دودھ پیا تھا اور چونکہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کا حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔

ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

⑧ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةَ أَبِي إِهَابٍ بَنِ عَزِيزٍ فَأَتَتْ امْرَأَةً فَقَالَتْ قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَابْنَتِي تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكَ قَدْ أَرْضَعْتَنِي وَلَا أَخْبَرْتَنِي فَأَرْسَلَ إِلَى ابْنِ إِهَابٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا مَا عَلِمْنَا أَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَقَارَ قَهَا عُقْبَةُ وَتَكَحَّثَ زَوْجَا غَيْرُهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عقبہ ابن حارثؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ابوالہب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور ابوالہب کی بیٹی کو جس سے عقبہؓ نے شادی کی ہے دودھ پلایا ہے (لہذا عقبہ اور ابوالہب کی بیٹی چونکہ دودھ شریک بھائی بہن ہوئے اس لئے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارہ میں بتایا، پھر عقبہؓ نے ایک آدمی کو ابوالہب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو۔ اس کے بعد عقبہؓ سوار ہو کر مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنے نکاح کے بارہ میں پوچھا کہ (یہ صورت پیدا ہو گئی ہے آیا میرا نکاح باطل ہو گیا ہے یا باقی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جب کہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے“ چنانچہ عقبہؓ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک چونکہ دودھ پلانے کا ثبوت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت جو عادل ہوں، کی گواہی سے ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق محض تقویٰ اور احتیاط سے ہے کہ آپ ﷺ نے احتیاطاً یہ مناسب نہیں سمجھا کہ عقبہؓ اس لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھیں۔

دار الحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم

⑨ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعَثَ جَيْشًا إِلَى أَوْطَاسٍ فَلَقُوا عَدُوًّا

فَقَاتِلُوهُمْ فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ وَأَصَابُوا لَهُمْ سَبَابًا فَكَانَ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوا مِنْ غَشْيَانَهُمْ مِنْ أَجْلِ أَرْوَاحِهِمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِي فُهِنَّ لَهُمْ حَلَالٌ إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن ایک لشکر کو اوٹاس کی جانب روانہ کیا (جو طائف کے قریب واقع ہے) چنانچہ وہ لشکر دشمنوں سے نیرو آزما ہوا اور جنگ کے بعد ان پر فتح یاب ہوا اور بہت سارے قیدی ان کے ہاتھ لگے (جن میں عورتیں بھی تھیں اور وہ عورتیں بطور لونڈی مجاہدین کی ملکیت میں آئیں) لیکن رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات نے گویا ان لونڈیوں سے بایں وجہ جماع کرنے سے پرہیز کیا کہ وہ خاوند والی تھیں اور ان کے خاوند مشرک تھے چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور حرام کی گئی ہیں تم پر وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں مگر وہ عورتیں تم پر حرام نہیں ہیں جو تمہاری ملکیت میں آگئی ہوں۔ یعنی (وہ عورتیں جنہیں تم جنگ کے بعد دارالحرب سے بطور باندی پکڑ لائے ہو اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ گئے ہیں) وہ عورتیں عدت گزر جانے کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو کسی دوسرے مرد کو نہ تو اس سے نکاح کرنا درست ہے اور نہ اسے اپنے تصرف میں لانا جائز ہے ہاں کافروں کی وہ بیویاں جنہیں جنگ و جدل کے بعد دارالحرب سے پکڑ کر لایا جائے اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ گئے ہوں تو ان عورتوں کو ان کی عدت گزر جانے کے بعد اپنے تصرف میں لانا جائز ہے اور یہاں عدت سے مراد ”استبراء“ ہے یعنی اگر وہ عورت حاملہ ہو تو جب اس کے ہاں ولادت ہو جائے اور اگر اسے حیض آتا ہو تو جب اسے ایک حیض آجائے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کریمہ کے پیش نظر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب کوئی خاوند والی لونڈی فروخت کی جاتی ہے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جو شخص اسے خریدتا ہے اس کے لئے استبراء کے بعد اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ گویا ابن عباسؓ نے اس آیت کے حکم کو عمومیت پر محمول کیا ہے جب کہ اور تمام علماء کا یہ متفقہ مسلک ہے کہ اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک یہ آیت ہر خاوند والی لونڈی کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ صرف ان لونڈیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے پکڑ کر لائی گئی ہوں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

وہ عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا ممنوع ہے

⑩ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ الْعَمَّةُ عَلَى بِنْتِ أَخِيهَا وَالْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا أَوْ الْخَالَةُ عَلَى بِنْتِ أَخِيهَا لَا تُنْكَحُ الصَّغُورَى عَلَى الْكُبْرَى وَلَا الْكُبْرَى عَلَى الصَّغُورَى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ إِلَى قَوْلِهِ بِنْتُ أَخِيهَا۔

”حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی چھو بھئی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بیٹی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) بڑے رشتہ والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والی سے اور چھوٹی رشتہ والی کی موجودگی میں بڑی رشتہ والی سے نکاح کیا جائے۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی، نسائی) اور نسائی نے اس روایت کو بنت اختہا

تک نقل کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کا دوسرا جز یعنی لا تنکح الصغری علی الکبری الخ دراصل حدیث کے پہلے جزء یعنی ان تنکح المرأة علی عمتها الخ کے حکم کی تاکید کے طور پر ہے چنانچہ بڑے رشتہ والی سے پھوپھی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتہ والی سے بھتیجی اور بھانجی مراد ہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سے خالہ اپنے نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے یا پہلے سے بھانجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی خالہ سے یا اسی طرح پہلے سے پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی سے یا پہلے سے بھتیجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی پھوپھی سے نکاح کرنا ناجائز ہے ہاں ان میں سے کسی ایک کو طلاق دینے اور اس کے عدت کے دلنا گزر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے مرجانے کے بعد دوسری سے نکاح کرنا درست ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے

⑪ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّبِیْ خَالِیْ اَبُو بَرْدَةَ بَنِیَّارٍ وَمَعَهُ لَوَاءٌ فَقُلْتُ اَیْنَ تَذْهَبُ فَقَالَ بَعَثَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِلَی رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاةً اَیْتِہُ اَبَیْہُ بِرَاسِہُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابُو دَاوُدَ وَفِی رَوَاۓ لَہُ وَلِلنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَہٍ وَالدَّرِمِیِّ فَامَرَنِیْ اَنْ اَضْرِبَ عَقْبَہُ وَاَخَذَ مَالَہُ وَفِیْ ہِذِہِ الرِّوَاۓ قَالَ عَمِیْ بَدَلْ خَالِی۔

”اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے ماموں حضرت ابوردہ ابن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے رسول کریم ﷺ نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کا سرکاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ (ابوردہؓ نے کہا کہ) آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال و اسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں ”میرے ماموں“ کی جگہ ”میرے چچا“ کے الفاظ ہیں۔ (لہذا یہ بات مختلف فیہ ہو گئی کہ حضرت براء ابن عازبؓ کے ماموں تھے یا چچا تھے؟“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابوردہؓ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کے لئے بھیجا تو ان کے ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تاکہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کے لئے دربار رسالت کا فرستادہ ہے۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوردہؓ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی محض خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر ڈالنا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

مدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا

⑫ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ لَا یُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَّ الْاَمْعَاءُ فِی النَّدِیِّ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے پینے کی وجہ سے

انتزلیوں کو کھول دیتا ہے اور وہ دودھ دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا گیا ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: ”انتزلیوں کو کھول دیتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ دودھ بچہ کے پیٹ کو اس طرح سیر کر دے جس طرح کسی بھوکے کے پیٹ کو غذا سیر کر دیتی ہے اور وہ دودھ بچہ کی انتزلیوں میں غذا کی جگہ حاصل کر لے، چنانچہ یہ بات شیرخوارگی کی مدت میں ہوتی ہے اور شیرخوارگی کی مدت دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے۔ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ بڑی عمر میں یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی عمر یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک کے عرصہ میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

”چھاتی سے پینے کی وجہ سے“ ان الفاظ کا مقصد محض دودھ پلانے کی صورت اور واقعہ کا بیان کرنا ہے کہ عورت بچہ کو اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی ہے ورنہ تو حرمت رضاعت کے ثابت ہونے کے لئے چھاتی سے دودھ پینا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوگی جب کہ بچہ نے عورت کی چھاتی ہی سے دودھ پیا ہو بلکہ خواہ عورت اپنی چھاتی سے دودھ پلائے خواہ کسی چیز جیسے چمچ وغیرہ میں دودھ نکال کر پھر بچہ کو پلائے اور خواہ کسی اور ذریعہ سے اپنا دودھ اس کے پیٹ میں پہنچائے بہر صورت حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

”وہ دودھ، دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا ہو“ یہ جملہ دراصل ماقبل کی عبارت کی تاکید کے طور پر ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ شریعت میں بچہ کا دودھ چھڑانے کا جو وقت مقرر ہے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر اس سے پہلے جو دودھ پیا گیا ہے حرمت رضاعت کے سلسلے میں اسی کا اعتبار ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مدت رضاعت کے سلسلے میں وقت معین سے پہلے دودھ چھڑانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا چنانچہ اگر کسی بچہ کا دودھ وقت متعین سے پہلے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر سے پہلے چھڑا دیا گیا اور اس کے بعد اس مدت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے اندر کسی عورت نے اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اس بارہ میں ضمنی طور پر مسئلہ جان لینا ضروری ہے کہ کسی بچہ کو وقت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے کیونکہ دودھ، انسان کا ایک جزو ہے اور انسان کے جزو سے بغیر ضرورت فائدہ اٹھانا حرام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مدت رضاعت کے بعد ضرورت ختم ہو جاتی ہے اسی بناء پر انسان کے دودھ کو بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

بطور نکتہ ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ اطباء نے ثابت کیا ہے کہ بیٹی کا دودھ آنکھ کو فائدہ کرتا ہے، علماء نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ (اگرچہ طبی طور پر یہ بات صحیح ہو لیکن شرعی طور پر) یہ جائز نہیں ہے جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ گمان غالب ہو کہ اپنی بیٹی کا دودھ آنکھ میں ڈالنے سے آنکھ کا مرض جاتا رہے گا۔

دودھ پلانے والی کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے؟

(۱۳) وَعَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ يَأْزِسُؤَلُ اللَّهُ مَا يَذْهَبُ عَنِّي مَذْمُومَةُ الرِّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةُ عَبْدُ أَوْ أَمَّةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت حجاج ابن حجاج اسلمیؒ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت حجاج اسلمیؒ نے) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس سے میں دودھ کے حق میں سبکدوش ہو سکتا ہوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مملوک یعنی بردہ خواہ غلام ہو یا لونڈی۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: بچہ چھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کون سی چیز ہے جو میں اگر دودھ پلانے والی کو دے دوں تو اس کی وجہ سے دودھ پلانے والی

کے اس حق سے میں سبکدوش ہو جاؤں جو اس کا دودھ پینے کی وجہ سے مجھ پر ہے! آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اس عورت کو کہ جس نے تمہیں دودھ پلایا ہے کوئی غلام یا لونڈی دے دو تو اس کے دودھ پلانے کا حق ادا ہو جائے گا۔ گویا حاصل یہ ہوا کہ دودھ پلانے والی چونکہ ایک بڑی خدمت انجام دیتی ہے اس لئے اس کو بھی کوئی خادم دے دینا چاہئے تاکہ وہ خادم اس کی خدمت کرے اور اس طرح ”خدمت“ کا بدلہ ”خدمت“ ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دایہ حلیمہ کی تعظیم و تکریم

(۱۴) وَعَنْ أَبِي الطَّفِيلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُبِلَتْ امْرَأَةٌ فَيَسْطُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِذَاءَهُ حَتَّى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيلَ هَذِهِ أَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابو طفیل غنویؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون (یعنی دایہ حلیمہؓ) آئیں آنحضرت ﷺ نے (ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی خوشی کے لئے) اپنی مبارک چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ (ہمیں) چلی گئیں تو (ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی اس تعظیم و تکریم کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی مبارک چادر پر ان خاتون کے بیٹھ جانے سے حیران و متعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔“ (ابوداؤد)

چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ غِيلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ أَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ - (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب غیلان ابن سلمہؓ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے دس بیویاں تھیں جن سے انہوں نے ایام جاہلیت میں شادیاں کی تھیں چنانچہ ان کے ساتھ ان کی وہ دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں پھر رسول کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار عورتوں کو (اپنے نکاح میں) رکھو اور باقی کو علیحدہ کر دو۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفر کی حالت میں جو شادی کی جاتی ہے وہ معتبر ہوتی ہے، چنانچہ اگر کافر میاں بیوی اسلام لے آئیں تو انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ ان کے نکاح میں ایسے رشتوں والی عورتیں نہ ہوں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا شریعت اسلامی نے ممنوع قرار دیا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَأَمْسِكْ أَرْبَعًا فَعَمِدْتُ إِلَى أَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِي عَاقِرٌ مُنْذُ سِتِّينَ سَنَةً فَقَارَقْتُهَا - (رواه فی شرح السنہ)

”اور حضرت نوفل بن معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں چنانچہ میں نے (اس بارہ میں) رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک کو علیحدہ کر دو اور چار کو باقی رکھو“ آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر میں نے اپنی سب سے پہلی بیوی کو علیحدہ کر دیا جو بائیس سال سے میرے ساتھ تھی۔“ (شرح السنہ)

دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت

(۱۷) وَعَنْ الصَّخَالِكِيِّ بْنِ فَيْرُوزٍ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ قَالَ اخْتَرَا بَيْنَهُمَا شَفْتًا - (رواه الترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ضحاک ابن فیروز دلمی اپنے والد (حضرت فیروز) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں (اس بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ان دونوں میں جس ایک کو چاہو رکھ لو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مظہر کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں اسلام قبول کرے کہ اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کر لیں تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے خواہ وہ پہلی منکوحہ ہو یا دوسری منکوحہ ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کیا تھا تو اس صورت میں اس کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا ہاں اگر اس نے ان دونوں سے آگے پیچھے عقد کیا تھا تو ان میں سے ایک اس کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہوگا، جس سے اس نے پہلا نکاح کیا تھا، جس سے بعد میں نکاح کیا تھا اس کو کسی صورت میں بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو ان دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟

①۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَسْلَمَتْ امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ وَعَلِمْتُ بِإِسْلَامِي فَاتَّزَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْأَخْرُورَ دَهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّهَا أَسْلَمَتْ مَعِيَ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَوَى فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ أَنَّ جَمَاعَةً مِنَ التَّسَاءِ رَدَّهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اجْتِمَاعِ الْإِسْلَامِيِّينَ بَعْدَ اخْتِلَافِ الَّذِينَ وَالِدَارِ مِنْهُنَّ بَنَتْ الْوَلِيدُ بْنُ مَغْبِرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ أُمَيَّةٍ فَاسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْإِسْلَامِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ ابْنُ عَمِّهِ وَهَبُ بْنُ عُمَيْرٍ بِرَدِّهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْبِيْرًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ حَتَّى أَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ وَأَسْلَمَتْ أُمُّ حَكِيمٍ بَنَتْ الْحَارِثُ بْنُ هِشَامٍ امْرَأَةً عِكْرَمَةَ بِنْتُ أَبِي جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْإِسْلَامِ حَتَّى قَدِمَ الْيَمَنَ فَارْتَحَلَتْ أُمُّ حَكِيمٍ حَتَّى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَاسْلَمَ فَتَبَتَا عَلَى نِكَاحِهِمَا زَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلًا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے (ایک شخص سے) نکاح کر لیا، اس کے بعد اس کا پہلا شوہر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کر لینے کا علم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے علیحدہ کر کے پہلے خاوند کے حوالے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ”اس پہلے خاوند نے یہ کہا کہ وہ عورت (یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے) میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی آپ ﷺ نے یہ (سن کر) اس عورت کو اسی (پہلے شوہر) کے حوالہ کر دیا“ (ابوداؤد) اور شرح السنہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان جیسی بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کے حوالہ کر دیا تھا جن کے شوہروں اور ملک کے فرق کے بعد ان کے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اور ایک کے گوارا اسلام میں اور دوسرے کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے) گویا دونوں کے درمیان مذہبی اور ملکی بعد و اختلاف واقع ہو جاتا تھا مگر جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کر لیتا تو آنحضرت ﷺ ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دیتے تھے گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ان عورتوں میں ایک عورت ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان ابن امیہ کی بیوی تھی، یہ

عورت (اپنے شوہر سے پہلے) فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی اور اس کے شوہر نے اسلام سے گریز کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے شوہر (صفوان ابن امیہ) کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب ابن عمیرؓ کو اپنی مبارک چادر دے کر بھیجا اور اس کو امان عطا کیا (یعنی آپ ﷺ نے وہبؓ کو بطور علامت اپنی چادر دے کر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلع کریں کہ قتل و تشدد سے تمہیں امان دی گئی ہے تم بلا خوف آ سکتے ہو) پھر جب صفوان آگئے تو ان کی سیر کے لئے چار مہینے مقرر کئے گئے (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امن و امان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھر س تاکہ وہ مسلمانوں کی عادات و اطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے) یہاں تک کہ صفوان بھی (اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہو گئے اور ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی ان کی بیوی برقرار رہی۔ اسی طرح ان عورتوں میں ایک عورت اُم حکیم تھیں جو حارث ابن ہشامؓ کی بیٹی اور ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ کی بیوی تھیں، انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا اور ان کے خاوند (عکرمہ) نے اسلام سے گریز کیا اور یمن چلے گئے چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) اُم حکیمؓ بھی (آنحضرت ﷺ کے حکم سے اپنے خاوند کو راہ راست پر لانے کے لئے) یمن پہنچیں اور انہوں نے اپنے خاوند عکرمہؓ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تا آنکہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔

اس روایت کو امام مالکؒ نے ابن شہاب سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: اگر غیر مسلم میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا مسلمان نہ ہو تو ان دونوں کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارہ میں مظہرؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر وہ دوسرا (کہ جس نے پہلے کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا خواہ وہ بیوی ہو یا خاوند ہو) عدت کے ایام گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا خواہ ان دونوں کا سابقہ مذہب یکساں رہا ہو مثلاً دونوں عیسائی یا یہودی اور یا بت پرست رہے ہوں، خواہ دونوں کا سابقہ مذہب یکساں نہ رہا ہو مثلاً ایک کا مذہب بت پرستی رہا ہو اور دوسرا عیسائی یا یہودی رہا ہو، اسی طرح خواہ وہ دونوں ہی دارالاسلام میں رہنے والے ہوں یا دارالحرب میں اور خواہ ان میں ایک تو دارالاسلام میں رہتا ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق ان تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہو سکتی ہے، اول یہ کہ عدت کے دن پورے ہو جائیں۔ دوم یہ کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اسلام قبول نہ کرنے والے کو اسلام کی دعوت دے اور وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دارالاسلام سے منتقل ہو کر دارالحرب چلا جائے یا دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام آجائے۔ نیز امام اعظمؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کرنا خواہ مجامعت سے پہلے واقع ہوا ہو یا بعد میں دونوں صورتوں کا یکساں حکم ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

کون کون رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں

(۱۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرْمٌ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصَّهْرِ سَبْعٌ لَمْ يَفْرَأْ حُرْمَتُ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الْآيَةُ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ازروئے نسب سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں اور ازروئے مصاہرت بھی سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت حُرْمَتُ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (النساء ۴: ۲۳) آخر تک پڑھی۔“ (بخاری)

تشریح: ازروئے نسب جو سات رشتہ والی عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ ① ماں۔ ② بیٹی۔ ③ بہن۔ ④ چھو بھئی۔ ⑤ خالہ۔ ⑥ بھینجی۔ ⑦ بھانجی۔

”مصاہرت“ اس رشتہ اور قرابت کو کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوا اور جسے ”سسرالی رشتہ“ بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو سات عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں ان میں سے چار تو ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں کہ ان سے کسی بھی حال میں اور کسی بھی وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں۔ ① بیوی کی ماں یعنی ساس۔ ② بیٹے اور پوتے کی بیویاں یعنی بہو اور پوت بہو، اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہوں جیسے پڑپوتے اور سکر پوتے وغیرہ کی بیویاں۔ ③ باپ اور دادا کی بیویاں اگرچہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادا اور سکر دادا وغیرہ کی بیویاں۔ ④ اپنی اس بیوی کی بیٹی جس سے جماع کر چکا ہو۔ سسرالی رشتہ کی وہ تین عورتیں جو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہیں وہ یہ ہیں۔ ① بیوی کی بہن۔ ② بیوی کی پھوپھی۔ ③ بیوی کی خالہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی بات کی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت پڑھی، چنانچہ اس آیت میں نسبی رشتہ والی ان ساتوں عورتوں کا ذکر ہے جو حرام قرار دی گئی ہیں اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَنِسَائِكُمُ اللَّائِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّائِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَّحِيمًا ⑤۔ (النساء ۳: ۲۳)

”حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم نے جماع کیا ہے اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو، اور تمہارے ان بیٹیوں کی بیویاں (بھی حرام ہیں) جو تمہاری نسل سے ہوں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بیٹیوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا (وہ معاف ہے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔“

اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت

②۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَارَ جُلِّ نِكَاحِ امْرَأَةٍ فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحْ ابْنَتَهَا وَأَيُّمَارَ جُلِّ نِكَاحِ امْرَأَةٍ فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَنْكِحَ أُمَّهَاتِهَا دَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قَبْلِ إِسْنَادِهِ وَأَيُّمَارَ وَابْنُ لَهْيَعَةَ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعِّفَانِ فِي الْحَدِيثِ -

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص عورت سے نکاح کرے اور پھر اس سے جماع کرے تو اس کے لئے اس بیوی کی بیٹی سے (جو اس کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرنا جائز نہیں ہے (بشرطیکہ اس بیوی کو طلاق دے چکا ہو یا وہ مر گئی ہو، کیونکہ اس بیوی کو اور اس کی بیٹی کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے) اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس کے لئے اپنی اس منکوحہ کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا خواہ اپنی اس منکوحہ سے جماع کیا ہو یا جماع نہ کیا ہو۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ابن ابیہ اور شعیب ابن صباح نے عمرو ابن شعیبؓ سے نقل کیا ہے اور وہ دونوں

حدیث روایت کرنے کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں (گویا یہ حدیث اپنے راویوں سے اعتبار سے صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے)۔“

تشریح: حدیث میں اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کے عدم جواز کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے:

وَرَبَّائِكُمُ الَّذِينَ فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّذِينَ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔

(النساء: ۲۳)

”اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے لئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو۔“

اور بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کے عدم جواز کا جو مطلق حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس مطلق آیت سے ثابت ہے۔

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ۔

”اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں۔“

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ

مباشرت کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک غلط خیال کی تردید

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتْ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فَتَزَلَّتْ نِسَاءُكُمْ حَزَنٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ۔ (متفق علیہ)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت کے پیچھے کی طرف سے اس کے اگلے حصہ (یعنی شرم گاہ) میں جماع کرتا ہے تو اس کے بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: نِسَاءُكُمْ حَزَنٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ تمہاری عورتیں (یعنی تمہاری بیویاں اور لونڈیاں) تمہاری کھیتی ہیں لہذا تمہیں اختیار ہے کہ ان کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ (اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص عورت سے اس طرح جماع کرے کہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اس کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ میں اپنا عضو داخل کرے تو اس کی وجہ سے بھینگا بچہ پیدا ہوگا، چنانچہ ان کے اس غلط خیال اور وہم کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں کہ جس طرح تمہارے کھیتوں میں تمہارے لئے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمہاری بیویوں کے ذریعہ تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے اس لئے تم اپنی کھیتی میں آنے میں خود مختار ہو کہ جس طرح چاہو آؤ خواہ لیٹ کر خواہ بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر خواہ پیچھے ہو کر اور خواہ آگے ہو کر جس طرح بھی تمہارا جی چاہے ان سے جماع کرو کسی صورت میں کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ جماع بہر صورت عورت کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ ہی میں کیا جائے کیونکہ جس اعتبار سے عورت کو کھیتی کہا گیا ہے اس کا اطلاق عورت کی شرم گاہ ہی پر ہو سکتا ہے مقعد پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، بایں وجہ کہ مقعد اولاد پیدا ہونے کی جگہ نہیں ہے بلکہ پاخانہ کی جگہ۔

ہے اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ پیچھے کے حصہ میں بد فعلی یعنی اغلام کرنا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر دین میں حرام ہے۔

عزل کا مسئلہ

② وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ فَلَبَّغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهِنَا۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں) عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا رہتا تھا (یعنی نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر اس بارہ میں کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی)۔ (بخاری و مسلم) مسلمؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”ہمارے اس فعل کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو تھی مگر آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔“

تشریح: ”عزل“ کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے اس طرح جماع کیا جائے کہ مرد جب منزل ہونے لگے تو وہ اپنا عضو مخصوص عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادہ کا باہر ہی اخراج کر دے۔ اس طریقہ سے مادہ منویہ چونکہ اندر نہیں پہنچتا اس لئے عورت حاملہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عزل جائز ہے اور بعض حضرات جن میں کچھ صحابہؓ بھی شامل ہیں اس کو ناجائز کہتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عزل کرنا جائز ہے چنانچہ درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ (اگر کوئی شخص کسی کی خاص مصلحت یا عذر کی بنا پر عزل کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ) اپنی لونڈی سے عزل کرنا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے جب کہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی جائز ہوگا اسی طرح اگر کسی دوسرے کی لونڈی اپنے نکاح میں ہو تو اس کے مالک کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس سے عزل کرنا جائز ہوگا حضرت امام شافعیؒ کے بارہ میں سید نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہے لیکن لونڈی خواہ اپنی مملوکہ ہو یا منکوحہ ہو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔ اور امام نوویؒ نے (جو شافعی المسلک ہیں) یہ لکھا ہے کہ ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک عزل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انقطاع نسل کا سبب ہے۔

③ وَعَنْهُ قَالَ إِنْ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَأَنَا أَطْلُوفُ عَلَيْهَا وَآكُرُوهَا أَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قَدَّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبَلَتْ فَقَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّ سَيَأْتِيهَا مَا قَدَّرَ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم چاہو تو عزل کر لیا کرو لیکن اس (لونڈی) کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی“ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہو گئی ہے، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”میں نے تو تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی“ (مسلم)

تشریح: علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزل کرنے کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور علامہ ابن ہمامؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کی اجازت کے بعد یا اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا اور اس کے باوجود اس عورت کے حمل ٹھہر گیا۔ تو آیا اس شخص کے لئے اس حمل سے انکار کرنا (یعنی یہ کہنا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے) جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، چنانچہ علماء کا قول ہے کہ اگر اس شخص نے عزل کرنے کے بعد پھر دخول نہیں کیا تھا یا دخول کیا تھا مگر اس سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو پھر اس کے لئے اس حمل سے انکار کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس بات کا قوی احتمال

ہو سکتا ہے کہ اس کے ذکر میں منی کا کوئی قطرہ باقی رہ گیا ہو اور وہ اب دخول کی صورت میں عورت کے رحم میں چلا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی شخص نے (مثلاً جماع سے فارغ ہونے کے بعد) پیشاب کرنے سے پہلے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد جب اس نے پیشاب کیا تو منی کا کوئی قطرہ نکل آیا تو اس صورت میں اس پر واجب ہو گا کہ وہ اب پھر غسل کرے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُضْطَلِقِ فَأَصْبَحْنَا سَبِيًّا مِنْ سَبِيِ الْعَرَبِ فَأَشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزَلَ وَقُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبِيلَ أَنْ نَسْأَلَهُ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَانَتْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَانَتْهُ - (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ بنی المصطلق کی جنگ میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈی غلام ہمارے ہاتھ آئے، ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور مجزور ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور (ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں) ہم نے عزل کرنا چاہا تاکہ ان کے حمل نہ ٹھہر جائے (آخر ہم نے عزل کا ارادہ کر لیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ جب رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے آپ سے اس کے بارہ میں دریافت تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ کہتے ہیں کہ سبیا من العرب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب پر بھی رُق جاری ہوتا ہے جب کہ وہ مشرک ہوں۔ (یعنی جس طرح غیر عرب مشرک و کافر جنگ میں پکڑ لئے جانے کے بعد غلام و لونڈی بنائے جاسکتے ہیں اسی طرح اگر وہ مشرک و کافر جن کا تعلق عرب و نسل سے ہو کسی جنگ میں بطور قیدی ہاتھ لگیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حق میں لونڈی غلام ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں جن لونڈی غلاموں کا ہاتھ لگنا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق بنی المصطلق سے تھا جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور قبیلہ خزاعہ والے اہل عرب میں سے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

ما علیکم ان لا تفعلوا میں حروف ”ان“ الف کے زر کے ساتھ یعنی۔ اُن بھی صحیح ہے اور الف کے زیر کے ساتھ یعنی اُن بھی صحیح ہے، اس جملہ کے معنی نوویؒ نے یہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے تو وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گا اس لئے تم عزل کرو یا عزل نہ کرو پیدا ہونے والی جان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا اگر اسے دنیا میں آنا ہے تو تم لاکھ عزل کرو لو ضبط ولادت کے لاکھ طریق آزمالو وہ اس دنیا میں آکر رہے گی اور اگر اس کا پیدا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو پھر اگر عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں حاصل یہ کہ تمہارا عزل کرنا کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لا تفعلوا میں حرف لازمہ ہے اس صورت میں اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ ”عزل کرنے میں کوئی قباح نہیں“ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگی۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ سُبُلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا ”منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پیدا ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ سوال اور جواب میں کوئی مطابقت نہیں ہے حالانکہ اگر حدیث کے حقیقی مفہوم پر نظر ہو تو یہ اشکال پیدا ہونے کا کوئی محل ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کرنے کی اجازت مل جائے تاکہ عورت کے ہاں ولادت ہونے کا کوئی خوف نہ رہے، سوال کے اسی حقیقی مفہوم کے پیش نظر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم لوگ تو یہ سمجھتے ہو کہ مرد کی منی کا عورت کے رحم میں گرنا عورت کے ہاں ولادت ہونے کا سبب ہے اور عزل کر لینا ولادت نہ ہونے کا سبب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے بچہ نہیں بنتا، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے لوگ عزل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود عورت حاملہ ہو جاتی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حاملہ ہونا مرد کے مادہ تولید کے اندر کرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے، اسی طرح عورت کا حاملہ نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی پر موقوف ہے عزل پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ولد و تناسل کا ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ مرد کے نطفہ سے بچہ کی تولید ہوتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ عزل کرنے کی صورت میں بھی نطفہ کا کوئی حصہ بلا اختیار عورت کے رحم میں چلا جائے اور اس سے بچہ بن جائے بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی بچہ کا پیدا ہونا ہی تقدیر الہی میں ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس بچہ کو بغیر نطفہ کے بھی پیدا کر دے۔

بظاہر یہ احادیث عزل کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن ان کا حقیقی مفہوم و منشاء اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، اس مسئلہ میں خفیہ اور دوسرے علماء کا جو فقہی مسلک ہے اس کا بیان حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے۔

⑥ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعَزُّ عَنْ امْرَأَتِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَالَ الرَّجُلُ أَشْفِقُ عَلَى وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ ذَلِكَ صَارًا صَارَ فَارِسَ وَالرُّومَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں“ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”تم ایسا کیوں کرتے ہو؟“ اس شخص نے کہا کہ ”میں اس کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ“ کہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس حالت میں بچہ کو دودھ پلانا نقصان پہنچائے گا (رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر یہ نقصان پہنچتا تو روم و فارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا۔“ (مسلم)

تشریح: لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مدت رضاعت میں جماع اور پھر حمل ٹھہرنے سے چونکہ عورت کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ ایسی حالت میں عورت کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ اسی خوف کی بناء پر اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے عزل کی اجازت چاہی، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اگر مدت رضاعت میں جماع کرنا اور حمل ٹھہر جانا شیر خوار بچہ کو نقصان دہ ہوتا تو یہ روم و فارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا کیونکہ وہ اس کے عادی ہیں اور جب ان کی یہ عادت ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں حمل ٹھہر جانا نقصان دہ نہیں ہے لہذا عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور حمل ٹھہر جانے کے خوف کی وجہ سے عزل نہ کرو۔ گویا آپ کا یہ ارشاد عزل کی کراہت و ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

⑦ وَعَنْ جَدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ خَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَنْاسٍ وَهُوَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهِيَ عَنِ الْغَيْلَةِ فَتَطَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ فَإِذَا هُمْ يُغَيِّلُونَ أَوْلَادَهُمْ فَلَا يَصُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذَلِكَ شَيْئًا نَسَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَإِذَا الْمَوْزُودَةُ سَبَلَتْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جد امہ بنت وہبؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپ ﷺ (ان کو مخاطب کر کے) فرما رہے تھے کہ ”میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو ”غیلہ“ سے منع کروں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں ”غیلہ“ کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا کہ (اس کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ (عزل کرنا) تو پوشیدہ طور پر زندہ گاڑ دینا ہے اور یہ ایک بری عادت ہے جو اس آیت کریمہ وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ لِأَيِّهِ (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے پاداش میں قتل کی گئی تھی) کہ حکم میں داخل ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”غیلہ“ کے معنی ہیں ”حمل کی حالت میں بچہ کو دودھ پلانا“ اور نہایہ میں لکھا ہے کہ ”غیلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرے چنانچہ اہل عرب غیلہ (یعنی ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے) سے احتراز کرتے تھے اور اس کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس صورت میں شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو ایام رضاعت میں اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کر دیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے ممانعت کا ارادہ ترک فرمادیا۔

واو کے معنی ہیں ”زندہ درگور کرنا، جیتا گاڑ دینا۔“ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب تنگدستی کے خوف اور عاری کی وجہ سے اپنی بیویوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان والدین سے سخت باز پرس کی جائے گی جو اپنے ہاتھوں اپنی بیویوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عزل کو بھی ”وَادْخَفَى“ یعنی پوشیدہ زندہ گاڑ دینے سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ بات محض تہدید و تنبیہ کے طور پر فرمائی ہے یا پھر یہ کہ اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ عزل نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔

ان حضرات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی ایک مجلس منعقد تھی۔ حاضرین میں حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے، عزل کے سلسلہ میں مباحثہ ہو رہا تھا، صحابہؓ کی رائے تھی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک صحابیؓ نے یہ کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ (عزل کرنا) موءودہ (چھوڑی موءودہ) ہے (یعنی جس طرح اپنی اولاد کو زندہ گاڑ دینا موءودہ کبریٰ ہے اسی طرح عزل کرنا موءودہ صغریٰ) ہے حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”اس سلسلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے موءودہ کے مفہوم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی اگر جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل کرایا جائے یا زندہ پیدا ہونے کے بعد اسے جیتا جاگتا گاڑ دیا جائے تو اس کو موءودہ کہا جائے گا۔“ حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علیؓ! اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے تم نے سچ کہا ہے۔“ چنانچہ فقہی مسئلہ یہ کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے اسقاط حمل جائز ہے اور قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن میں حمل کے اندر جان پڑتی ہے گویا قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن کے اندر اسقاط حمل جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی عزل کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس کے مکروہ ہونے پر ضرور دلالت کرتا ہے بایں معنی کہ عزل کرنا، واد حقیقی (یعنی واقعہً زندہ درگور کر دینے) کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ ”وَادْ حَقِيقِي“ کا مطلب ہوتا ہے ایک جان کو ہلاک کر دینا جب کہ عزل میں یہ صورت نہیں ہوتی البتہ عزل کرنا واد حقیقی کے مشابہ یقیناً ہے اسی واسطے اس کو ”پوشیدہ زندہ گاڑ دینا“ فرمایا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کے ذریعہ چونکہ اپنے مادہ تولید (نطفہ) کو ضائع کیا جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مادہ تولید اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا ہونے کے لئے مہیا کیا ہے اسلئے یہ فعل (یعنی عزل کرنا) اپنے بچہ کو ہلاک کرنے یا اس کو زندہ درگور کر دینے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں یہ صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل موؤدہ صغریٰ ہے۔ نیز حضرت ابوامامہؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ جب ان سے عزل کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی مسلمان کو عزل کرتے نہیں دیکھا سنا (اس سے معلوم ہوا کہ عزل کو ناپسندیدہ نہیں ہے) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض لوگوں کو عزل کرنے پر مارا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ وہ عزل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشاء کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑧ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنْ مَنْ أَشَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يَفْضِي إِلَى أَمْرَاتِهِ وَتَفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَشْهَرُ سِرَّهُا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے سب سے برا شخص وہ ہو گا جو اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور اس کی بیوی اس کی ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: علامہ طبریؒ ”إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ“ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت بڑی امانت کہ جس میں خیانت کرنے والے سے قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی شوہر و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور نجی امور سے متعلق باتیں ہیں یعنی خاوند بیوی کے درمیان جنسی افعال اور راز و نیاز کی باتیں ایک بہت بڑی امانت ہے جس کی حفاظت ہر شوہر کی ذمہ داری ہے، جو شوہر اس امانت کی حفاظت نہیں کرے گا بایں طور کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کے راز افشاء کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی اور اشرفؒ کے قول کے مطابق اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت میں خیانت اس شخص کے خیانت ہوگی جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور پھر اس کے راز کو افشاء کر دے اور افشاء کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان راز و نیاز کی جو باتیں ہوئی ہوں اور جنسیات سے متعلق جو افعال ہوئے ہوں ان کو لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ بے حیا لوگوں کی عادت ہے، یا اپنی بیوی کے کسی عیب کو بیان کرتا پھرے اور یا یہ کہ اپنی بیویوں کی ان خوبیوں اور اوصاف کو ذکر کرتا پھرے جن کو چھپانا شرعاً اخلاقاً اور عرفاً واجب ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جن کو ظاہر کرنا وہ دوسرا ناپسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جب کو ظاہر کرنا وہ دوسرا ناپسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

بہر کیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ذاتی امور سے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں یا جو افعال ہوتے ہیں ان کو غیروں کے سامنے بیان کرنا یا ایک دوسرے کے عیوب وغیرہ کو ظاہر کرنا اخلاقی نکتہ نظر ہی سے معیوب نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر آخرت میں مواخذہ خداوندی کا موجب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے ایک مرتبہ ایک صاحب علم و دانش نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کے عیوب کیونکر ذکر کروں (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو گویا میں اس کے عیوب کو جو طلاق کی وجہ ہیں، تمہارے سامنے بیان کر دوں اور یہ مجھے گوارہ نہیں ہے کہ جب تک وہ میری بیوی ہے اس کے عیوب دوسروں کے سامنے آئیں) پھر جب اس نے طلاق دے دی تو پھر کچھ اور لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق کیوں دی؟ اس نے کہا کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب کیسے ظاہر کر دوں؟ (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب تمہارے سامنے بیان کر دوں اور اسے میں مطلقاً مناسب نہیں سمجھتا)

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ خاوند و بیوی کے لئے ایک دوسرے کی باتوں کو ظاہر کرنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس کا کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو، ہاں اگر اس کا کوئی فائدہ یا اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں ہوگی مثلاً اگر عورت کا دعویٰ ہو کہ اس کا خاوند اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا اہل نہیں ہے، یا بیوی یہ شکایت کرے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ سے بیزاری اور لا پرواہی کا برتاؤ کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی کے لئے ان چیزوں کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسَّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ الْأَمِنْ ظُلْمٍ۔

”اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو اعلانیہ بیان کیا جائے ہاں اگر کسی پر ظلم کیا گیا ہے (تو وہ اسے علانیہ بھی بیان کر سکتا ہے)۔“

ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی کے ساتھ بد فعلی کرو

⑨ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوْحَىٰ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءُ كُمْ حَزَنٌ لَكُمْ فَاتُّوا حَزَنُكُمْ الْآيَةُ أَقْبَلُ وَأَذْبَرُ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحَيْضَةَ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر یہ آیت نازل کی گئی نِسَاءُ كُمْ حَزَنٌ لَكُمْ فَاتُّوا حَزَنُكُمْ الْآيَةُ (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس آؤ تم اپنی کھیتوں میں اٹھو) لہذا تم جس طرح چاہو ان سے مجامعت کرو خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ یا پیچھے سے اگلی جانب اولیٰکن مقعد میں دخول کرنے سے اجتناب کرو اور حیض کی حالت میں جماع نہ کرو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: لفظ ”اقبل“ (خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ) اور ادبر (یا پیچھے سے اگلی جانب میں آؤ) یہ دونوں لفظ آیت کریمہ کے الفاظ فَاتُّوا حَزَنُكُمْ الْآيَةُ کی تفسیر و بیان میں، یعنی ان دونوں الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحتی تنبیہ کی گئی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آگے کی طرف سے آؤ یا پیچھے کی طرف سے آؤ مگر دخول بہر صورت اگلے حصہ یعنی شرمگاہ ہی میں کرو چنانچہ بد فعلی کرنا یعنی مقعد میں دخول کرنا قطعی حرام ہے اسی طرح حیض کی حالت میں اگلے حصہ میں بھی دخول کرنا حرام ہے۔

⑩ وَعَنْ خُرَيْمَةَ بِنْتِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت خرمیہ بنت ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا تم عورتوں کی مقعد میں بد فعلی نہ کرو۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”حیا“ اس ”تغیر“ کو کہتے ہیں جو عیب لگنے اور برا کہے جانے کے خوف سے انسان میں واقع ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی تغیر کا واقع ہونا محال ہے اس لئے یہاں ”حیا“ سے حقیقی حیا مراد نہیں ہے بلکہ مجازی حیا یعنی ”ترک کرنا“ مراد ہے جو ”حیا“ کا مقصد

ہے، اس طرح اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْسِنُ الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے اور اس کے اظہار کو ترک نہیں کرتا۔ لہذا حدیث میں اس بات کو مابعد کے مضمون (عورت کے ساتھ بد فعلی کی ممانعت) کی تمہید و مقدمہ کے طور پر ذکر کرنا گویا اس فعل بد کی انتہائی برائی اور اس کے حرام ہونے پر مستتبہ کرنا ہے کہ یہ بات اتنی ناپسندیدہ اور مکروہ ہے کہ اس کو زبان پر لانا اور اس کا ذکر کرنا بھی شرم و حیا کے منافی ہے اگرچہ اس کا ذکر کرنا اس سے روکنے ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو لیکن چونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور شرعی مسئلہ کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اس لئے سن لو کہ عورتوں کے ساتھ ”ان کی مقعد میں“ بد فعلی کرنا حرام ہے اس لئے اجتناب کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورتوں کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے تو مردوں کے ساتھ یہ فعل بد طریقہ اولیٰ حرام ہوگا۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر مناسب تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ ”میں حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔“ لیکن آپ ﷺ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا اور اس فعل بد کی برائی کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے لہذا جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

علامہ طبیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ فعل بد کرے تو وہ زانی کے حکم میں ہوگا، اور اگر اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے ساتھ کرے تو وہ حرام کا مرتکب ہوا لیکن اس کی پاداش میں اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی البتہ اسے کوئی سزا ضروری جائے گی۔ اور نوویؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ساتھ (اغلام) کرے تو وہ اجنبی کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کے حکم میں ہوگا، نیز حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس فعل بد پر فاعل اور مفعول (یعنی یہ فعل بد کرنے والا اور کرانے والا) دونوں مستوجب تعزیر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کو ان کے حال کے مناسب کوئی سزا دی جائے گی ہاں اگر مفعول (یعنی جس کے ساتھ یہ بد فعلی کی گئی ہے) چھوٹا ہو یا دیوانہ ہو یا اس کے ساتھ زبردستی یہ فعل بد کیا گیا ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا ملعون ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي ذُبْرِهَا۔ (رواہ احمد و البوراذ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔“ (البوراذ، احمد)

⑫ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ فِي ذُبْرِهَا لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا۔“ (ترمذی)

⑬ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي الذُّبْرِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا جو مرد یا عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے۔“ (ترمذی)

غیلہ کی ممانعت

⑭ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ

يَذْرُكُ الْفَارِسَ فَيُدْغِمُهُ عَنْ قَرْسِهِ۔ (رواہ البوراذ)

”اور حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو کیونکہ غیل، سوار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے گھوڑے سے گرا دیتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ غیلہ کے ذریعہ اولاد کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حمل کی حالت میں دودھ پلانے یا مدت رضاعت میں جماع کرنے کو غیلہ کہتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل ہوا کہ غیلہ کی وجہ سے بچہ کے مزاج میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس خرابی و ضعف کا اثر اس کے بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلہ میں سست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ اسے مقابلہ سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو لہذا غیلہ نہ کرو تا کہ غیلہ کی وجہ سے اپنے بچے کے قتل ہو جانے کا باعث نہ بنو۔

اس موقع پر یہ خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو کہ بچہ پر غیلہ کا اثر پڑتا ہے جب کہ اس سے پہلے گزرنے والی بعض احادیث سے یہ معلوم ہوا تھا کہ غیلہ، بچہ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ اس کا جواب طبیبی نے یہ دیا ہے کہ گزشتہ احادیث میں بچہ پر غیلہ کے اثر انداز ہونے کی نفی زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی تردید کے لئے تھی کہ لوگ غیلہ ہی کو حقیقی موثر سمجھتے تھے۔ اور اس حدیث کے ذریعہ غیلہ کے اثر انداز ہونے کا جو اثبات کیا گیا ہے وہ اس بات کے پیش نظر ہے کہ غیلہ فی الجملہ سبب بنتا ہے اور موثر حقیقی حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں غیلہ کی جو ممانعت بیان کی گئی ہے وہ نہی تنزیہی کے طور پر ہے اور آپ ﷺ کا گزشتہ ارشاد لَقَدْ هَمَمْتُ الخ (حدیث نمبر ۷) تحریم پر محمول ہے، اسی طرح دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا، اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے ان دونوں کی بنیاد آپ ﷺ کا اجتہاد تھا، یعنی جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ عرب کے لوگ جب غیلہ کرتے ہیں تو ان کے بچے ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے غیلہ سے منع کیا مگر جب بعد میں آپ ﷺ نے روم و فارس کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہاں غیلہ کی وجہ سے بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو آپ ﷺ نے غیلہ کی ممانعت کو ختم کر دیا چنانچہ حضرت جد امہ کی روایت نمبر ۷ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عزل کا مشروط جواز

(۱۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عمر ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حرۃ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آزاد عورت سے جماع کے وقت اگر عزل کیا جائے تو اس سے اجازت یعنی ضروری ہے اس کی اجازت حاصل کئے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ عزل کی وجہ سے نہ صرف یہ بچہ نہیں ہوتا بلکہ عورت کی جنسی لذت میں کمی بھی ہو جاتی ہے اور ان دونوں چیزوں سے آزاد عورت کا حق متعلق ہے کہ اگر عورت بچہ کی پیدائش چاہتی ہے تو مرد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عورت کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دے اسی طرح عورت اگر عزل کی وجہ سے اپنی جنسی لذت میں کمی محسوس کرتی ہے تو یہ اس کے ساتھ بے انصافی ہے اس لئے ضروری ہے کہ عزل کے لئے عورت کی اجازت حاصل کر لی جائے اگر وہ اجازت دے تو عزل کیا جائے اور اگر اجازت نہ دے تو عزل نہ کیا جائے۔ گویا یہ حدیث آزاد عورت کی اجازت کی شرط کے ساتھ اور لونڈی کی اجازت کے بغیر بھی عزل کئے جانے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

بَاب

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

لونڈی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے

① عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِي بَرِيرَةَ خُدَيْيَهَا فَاعْتَقَهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔ (متفق علیہ)

”حضرت عروہؓ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی حضرت عائشہؓ) سے بریرہؓ کے بارہ میں فرمایا کہ اسے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کر دو اور بریرہؓ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہؓ نے (اس اختیار کے مطابق) اپنے آپ کو (اپنے خاوند سے) علیحدہ کر لیا تھا۔ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپ ﷺ اسے یہ اختیار نہ دیتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بریرہؓ کا مذکورہ بالا واقعہ تفصیلی طور پر کتاب البیوع میں گزر چکا ہے، یہ بطور لونڈی ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں، پھر حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا چنانچہ بریرہؓ کی خریداری کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ پہلے اسے اس کے مالکوں سے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کر دو، آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عائشہؓ نے اسے خرید لیا اور پھر آزاد کر دیا، بریرہؓ کا خاوند چونکہ ایک غلام تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے بریرہؓ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر چاہو تو تم اپنے خاوند کے نکاح میں حسب سابق رہو اور اگر اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اس اختیار کے پیش نظر بریرہؓ نے علیحدگی کو اختیار کیا اور اپنے خاوند سے قطع تعلق کر لیا۔ حدیث کا آخری جملہ ولو کان حراً الخ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا الخ بظاہر حضرت عروہؓ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے اور آئمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی یا فسخ کرنے کا اختیار اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا خاوند غلام ہوتا کہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہنے کو عار محسوس نہ کرے، اگر اس کا خاوند غلام نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے ہر صورت یہ اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔ دونوں طرف کے علماء کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ آزاد ہوں تو تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اس صورت میں بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی بیوی آزاد عورت ہو یا لونڈی ہو۔

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يَقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَانَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطْلُوفُ خَلْفَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ يَبْكِي وَذُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبَّاسٍ يَا عَبَّاسُ أَلَا تَفَجَّبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَأَيْتَ اجْتِنَابَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَأْمُرُنِي قَالَ أَسْأَلُكَ أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک سیاہ فام تھاجس کو مغیثؓ کہا جاتا تھا، میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ منظر ہے

جب وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گرتے تھے چنانچہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ”عباس! کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ مغیثؓ، بریرہؓ کو کتنا چاہتا ہے اور بریرہؓ مغیثؓ سے کس قدر نفرت کرتی ہے؟“ پھر آپ ﷺ نے بریرہؓ سے بھی فرمایا کہ ”بریرہ! کاش تم مغیثؓ سے رجوع کرتیں (یعنی مغیثؓ سے دوبارہ نکاح کر لیتیں) بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے (بطور وجوب) اس کا حکم دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بریرہ! میں تو سفارش کر رہا ہوں (یعنی بطور وجوب نہیں بلکہ بطریق استحباب تمہیں حکم دے رہا ہوں) بریرہؓ نے کہا کہ مجھے اس سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (یعنی مجھے اس کے پاس رہنا منظور نہیں ہے)۔“ (بخاری)

تشریح: چونکہ بغض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغیثؓ یعنی بریرہؓ کا شوہر آزاد تھا اس لئے اگر اس حدیث کے ابتدائی جملہ کی یہ وضاحت کی جائے کہ مغیثؓ بد صورتی میں ایک سیاہ فام غلام کی مانند تھا۔ یا یہ کہ مغیثؓ پہلے تو غلام تھا (جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے) لیکن پھر آزاد کیا گیا اور وہ آزاد ہو گیا۔ تو اس صورت میں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردار حاکم کو اپنی رعایا سے کسی کے حق میں جائز کام کی سفارش کرنا ایک اچھی بات ہے، اسی طرح حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اپنے سردار حاکم کی سفارش کو قبول کرنا واجب نہیں ہے اور نہ اس سفارش کو نہ ماننے کی وجہ سے اس سے سردار حاکم کو کوئی مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سے اس کی بد صورتی و بد خلقی کی وجہ سے تعلق نہ رکھنا جائز ہے۔

الفصل الثانی

مملوک خاوند بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے

(۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تُعَيِّقَ مَمْلُوكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَبْدَأَ بِالزَّوْجِ قَبْلَ الْمَرْأَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوکوں کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں خاوند بیوی تھے تو نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، آپ نے انہیں عورت سے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا (تاکہ عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے)۔“

(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر حضرت عائشہؓ پہلے عورت کو آزاد کرتیں تو وہ آزاد ہونے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہتی اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ اگر وہ چاہتی تو اپنا نکاح باقی رکھتی اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنا گوارہ نہ ہوتا تو نکاح فسخ کر دیتی (جیسا کہ آئمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور جس کی تفصیل ابھی پیچھے گزری ہے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ اختیار نہ رہے اور مرد کی دل شکنی نہ ہو۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ مرد، عورت کی بہ نسبت زیادہ کامل اور افضل ہوتا ہے لہذا اس کو مقدم رکھنا چاہئے، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ مرد تو لونڈی بیوی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن عورت اگر کسی غلام کے نکاح میں ہوتی ہے تو پھر اکثر اس سے بیزار رہتی ہے اور ہمہ وقت ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا رہتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی طرف سے کسی بیزاری میں مبتلا نہ ہو۔

اگر لونڈی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو آزاد ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوتا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَرِيرَةَ عَتَقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا إِنَّ قَرْبَكَ

فَلَا خِيَارَ لَكَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ بریرہؓ اس حال میں آزاد ہوئی تھی کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار دے دیا لیکن یہ بھی فرما دیا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کرے گا تو تجھے یہ اختیار حاصل رہے گا (کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے)۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضامندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضا مندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہو گئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی و اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کر دے تو آزاد ہوتے ہی اس کا نکاح منعقد یعنی صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہؓ کے خاوند کے بارہ میں متعارض روایتیں منقول ہیں بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہؓ کو اس حال میں اختیار دیا تھا کہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری و مسلم میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہؓ کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔ اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے، نیز ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، لہذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا۔ ملا علی قاریؒ نے ابن ہمامؒ کے اس قول کو مرقات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے اس کا خلاصہ نقل کر دیا گیا ہے۔

بَابُ الصَّدَاقِ

مہر کا بیان

”مہر“ حقوق زوجیت حاصل ہونے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ مہر کے نہ دینے کی نیت نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کر لے کہ مہر دیا ہی نہ جائے گا۔ تو اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔ نکاح کے وقت مہر کا ذکر کرنا نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، اگر مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر کی مقدار: نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت و استطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تاکہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے، چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۳۰۶۶۳ گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی ۳۰۶۶۳ گرام چاندی کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چوتھائی دینار ہے اور حضرت امام شافعیؒ و حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز شمن یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

ازواج مطہراتؓ اور صاحبزادیوںؓ کا مہر؟ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ

تمام صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم چاندی کی مقدار۔ ۱۵۷۵ ماشہ یعنی ایک کلو ۵۳۰ گرام ہوتی ہے آجکل کے نرخ کے مطابق ایک کلو ۵۳۰ گرام چاندی کی قیمت تقریباً ۹۱۸ روپے ہوتی ہے۔ اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا، چار ہزار درہم بارہ ہزار چھ سو ماشہ یعنی بارہ کلو ۲۴ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت سات ہزار تین سو اڑتالیس روپیہ (۷۳۳۸/۷) ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراءؓ کا مہر چار سو شقال نقرہ تھا، چار سو شقال، اٹھارہ سو ماشہ یعنی ایک کلو ۷۵۰ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ایک ہزار پچاس روپیہ (۱۰۵۰/۱) ہوتی ہے۔
(اس قدر چاندی کے ساتھ روپے کی یہ مطابقت آج کل کے دور میں درست نہیں کیونکہ پاکستان میں روپے کی قیمت بہت زیادہ گر چکی ہے۔ ہاں ہر زمانے میں چاندی کی قیمت معلوم کر کے روپے کی تعین کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ از صفر۔ م۔)

الفصل الاول

مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہئے؟

① وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصَدِّقُهَا قَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا زَارِي هَذَا قَالَ فَالْتَمَسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةٌ كَذَا وَسُورَةٌ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِمْنَهَا مِنَ الْقُرْآنِ - (تسق علیہ)

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت، رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لئے ہیہ کر دیا“ (یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی آپ ﷺ خاموش ہی تھے کہ) ایک صحابیؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔“ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”اس تہ بند کے علاوہ (جسے میں باندھے ہوئے ہوں) میرے پاس کوئی اور چیز نہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ (کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ، اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔“ جب صحابیؓ نے بہت تلاش کیا اور انیس کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہاں! فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”قرآن میں ہے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے لئے ہیہ کر دیتی تھی اور آپ ﷺ اس کے بہکے قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت ﷺ کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ ﷺ کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ یعنی صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

وَأَمْرًا مُؤَمَّنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ ذُنُوبِ الْمُؤْمِنِينَ - (النساء: ۳۳: ۵۰)

”اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر (ﷺ) کو ہبہ کر دے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر (ﷺ) بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (تو وہ عورت حلال ہے لیکن اسے محمد (ﷺ) کی اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔“

اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر مہر کے، لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا، لہذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ خالصہ لک الٰہ کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ ﷺ کے لئے ہے۔

وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ از قسم مال کسی بھی چیز کا مہر ماند ہنا جائز ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد و عورت دونوں اس پر راضی ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے اس بارہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا جو مسلک ہے وہ ابتدائے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے حنفیہ کی دلیل حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے جس کو دارقطنیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنكحوا النساء الا الاكفاء ولا يزوجهن الا الاولياء ولا مهر دون عشرة

دراہم۔

”رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورتوں کا نکاح ان کے کفو ہی سے کیا جائے اور عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں اور دس درہم سے کم مہر کا اعتبار نہیں ہے۔“

نیز حنفی مسلک کی تائید دارقطنیؒ اور بیہقیؒ ہی میں منقول حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ:

لا صداق اقل من عشرة دراهم۔

”حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (دس درہم سے کم کا مہر معتبر نہیں۔“

حضرت سہیلؒ کی اس روایت کو حنفیہ نے مہر معجل پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ازدواج مطہرات کے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور عین جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے ان صحابیؓ کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو مل جائے تو لے آؤ تاکہ نکاح کے بعد اس عورت کو مہر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے مہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زہریؒ اور حضرت قتادہؒ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت فاطمہؓ کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کر دی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے مہر میں سے کچھ نہ دے دیں حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دو۔“ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا مہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس مقررہ مہر سے ایک زرہ کی بقدر دینے کا حکم دیا تھا لہذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ مہر میں

سے علی الفور (یعنی جماع سے قبل) کچھ دے دینا واجب ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔
 حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا، چنانچہ بعض آئمہ نے اسے جائز رکھا ہے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کے نکاح کر لینے کی صورت میں) نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی بماءعک الخ میں حرف بادل کے لئے نہیں ہے بلکہ بیبت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا گویا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔
 ”تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو“ یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار

(۲) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لَا زَوْاجَهُ ثِنْتِي عَشْرَةَ أَوْقِيَةً وَنَشْ قَالَتْ أَتَدْرِي مَا لِنَشْ قُلْتُ لَا قَالَتْ يَصْفُ أَوْقِيَةً فَعِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَنَشْ بِالرَّفْعِ فِي شَرْحِ السُّنَنِ وَفِي جَمِيعِ الْأَصُولِ -

”اور حضرت ابوسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے (اپنی ازواج مطہراتؓ کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش کا مہر مقرر فرمایا تھا۔“ پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ ”جانتے ہو نش کسے کہتے ہیں؟“ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ انہوں نے فرمایا کہ ”ایک نش آدھے اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اس طرح بارہ اوقیہ ایک نش کی مجموعی مقدار پانچ سو درہم کے برابر ہوئی (کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اس روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور شرح السنۃ اور اصول کی تمام کتابوں میں لفظ نش نوں کے پیش کے ساتھ یعنی نش منقول ہے ”اصول حدیث کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں تمام احادیث سند کے ساتھ لکھی گئی ہوں۔“

تشریح: پانچ سو درہم کے موجودہ وزن اور موجودہ حیثیت کی تفصیل ابتداء باب میں بیان کی جا چکی ہے اس حدیث سے شوافع یہ استدلال کرتے ہیں کہ پانچ سو درہم کا مہر باندھنا مستحب ہے۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی تمام ازواج مطہراتؓ کی مقدار پانچ سو درہم بتائی ہے حالانکہ حضرت اُم حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا اور حضرت اُم حبیبہؓ بھی آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تمام ازواج مطہراتؓ کے مہر کی مقدار بتائی ہے جن کا مہر خود آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمایا تھا، جب کہ حضرت اُم حبیبہؓ کا مہر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا۔

بھاری مہر کی ممانعت

(۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ أَلَا لَا تَعَالُوا صَدَقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَتَقْوَىٰ عِنْدَ اللَّهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرِ مِنْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَوْقِيَةً - (رواه احمد والترمذی و ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ خبردار! عورتوں کا بھاری مہرنہ باندھو! اگر بھاری مہر باندھنا دنیا میں بزرگی و عظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو یقیناً نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے (آپ ﷺ بھاری سے بھاری مہر باندھتے) مگر میں نہیں جانتا کہ رسول کریم ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر اپنی ازواج مطہرات سے نکاح کیا ہو یا اس سے زیادہ مہر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہو۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”تقویٰ سے مراد زیادہ تقویٰ ہے اور آیت کریمہ:

إِنْ أَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقُوا ۖ لَعْنَةُ اللَّهِ الْفَاسِقِينَ یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑے مرتبہ والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ کہ بموجب اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز عطا کرنے والی بزرگی و فضیلت کا مستحق بنانا ہے حاصل یہ کہ بھاری مہر باندھنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں کوئی عظمت و بزرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیازی بزرگی و فضیلت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا اور جب اس کی وجہ سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا کوئی نفع تو پھر اس لا حاصل چیز کو کیوں اختیار کیا جائے! ازواج مطہرات کے مہر کے سلسلہ میں تین روایتیں ہیں جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں، ایک تو حضرت عائشہؓ کی روایت ہے دو سری روایت یہ ہے جس میں بارہ اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم کی مقدار ذکر کی گئی ہے اور ایک روایت آگے آئے گی جس میں حضرت اُمّ حبیبہؓ کے مہر کی مقدار چار ہزار درہم ذکر ہوگی ان تینوں روایتوں میں سے حضرت اُمّ حبیبہؓ کے مہر والی روایت کو مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا مہر آنحضرت ﷺ نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا اور نجاشی بادشاہ نے بھی اتنا زیادہ مہر محض آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر باندھا تھا۔ اب رہی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی روایتیں تو دونوں کے درمیان بھی درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے مہر کی اصل مقدار کی وضاحت کرتے ہوئے اوقیہ کے ساتھ کسر یعنی آدھے اوقیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عمرؓ نے صرف اوقیہ کا ذکر کیا کسر کو چھوڑ دیا اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ کی نفی اپنے علم کے مطابق کی ہے ”یعنی حضرت عمرؓ کو صرف بارہ اوقیہ ہی کا علم ہوگا اور حضرت عائشہؓ نے جو ایک نش (آدھا اوقیہ) زیادہ ذکر کیا ہے وہ حضرت عمرؓ کے علم میں نہیں آیا ہوگا۔

یہ بات ملحوظ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں صرف اولیٰ اور افضل کو بیان کیا ہے یعنی ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ بہتر اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مہر کم ہی باندھا جائے جس کی مسنون مقدار بارہ اوقیہ ہے ورنہ تو جہاں تک جواز کا تعلق ہے یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ مہر باندھنا بھی جائز ہے۔

مہر میں کچھ حصہ علی الفور دے دینا بہتر ہے

④ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَتِهِ مِلَّةً كَفَّيَتْهُ سَوْبَقًا أَوْ تَمَرًا فَقَدْ اسْتَحْلَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر مجمل دے دیا مثلاً) دونوں ہاتھ بھر کر ستویا کھجوریں دے دیں تو اس نے اس عورت کو اپنے لئے حلال کر لیا۔“ (ابوداؤد)

⑤ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فِزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَضِيتِ مِنْ نَفْسِكَ وَمَالِكَ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَجَاذَهُ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑی جوتی پر ایک شخص سے نکاح کیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا ”کیا تم اپنی مالدار کی باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑا جوتی کے بدلے حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں۔“ یعنی

اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور باحیثیت خاتون ہو کیا صرف ایک جوڑا جوتی کے بدلے اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر راضی ہو؟“ اس عورت نے کہا کہ ہاں (میں راضی ہوں) آپ ﷺ نے (یہ جواب سن کر) اس کو جائز رکھا۔“ (ترمذی)

تشریح: رفع تعارض کے پیش نظر اس حدیث کو بھی ”مہرجل“ پر محمول کیا جائے گا! لیکن اس کی یہ توضیح زیادہ مناسب ہے کہ جب اس عورت نے ایک جوڑا جوتی کے عوض نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح ہو گیا اور اسے اپنے مہر مثل کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گیا جب وہ ایک جوڑا جوتی پر راضی ہو گئی تو گویا وہ اپنے مہر مثل میں سے ایک جوڑا جوتی سے زیادہ کے حق سے دست بردار ہو گئی لہذا رسول کریم ﷺ نے اس کو جائز رکھا اور چونکہ اس صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے مسلک کی دلیل نہیں ہو سکتی اور ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت

⑥ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرَضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكَسْ وَلَا شَطْطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سَنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَرُوعِ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةً مَنَابِجْثِلٍ مَا قَصَّيْتَ فَقَرَحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا، حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا اور پھر (اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ ”اس عورت کو وہ مہر ملے گا، جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائے گا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر (شوہر کی وفات کی) عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ (یہ سن کر) حضرت معقلؓ ابن سنانؓ آجھی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ”نبی کریم ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارہ میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے۔“ حضرت ابن مسعودؓ (یہ بات سن کر) بہت خوش ہوئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور دینی فہم و فراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہوتا تھا، چنانچہ اس موقع پر بھی جب یہ مسئلہ آپ سے پوچھا گیا تو وہ اس پر ایک ماہ تک قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کرتے رہے پھر جب انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقلؓ نے علی الاعلان یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علیؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حقدار نہیں ہوتی، ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علیؓ کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے۔

مہر مثل کسے کہتے ہیں: ”مہر مثل“ عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، مال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت و شہوت، علم و ادب اور اخلاق و عادات۔

الفصل الثالث

اُمّ حبیبہؓ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی تفصیل اور ان کے مہر کی مقدار

④ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَرَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّهَرَهَا غَنَةً أَرْبَعَةَ أَلْفٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شَرِّ حَبِيبِ بْنِ حَسَنَةَ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

”اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (پہلے) عبد اللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں پھر جب ملک حبشہ میں عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ کر دیا اور نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اُمّ حبیبہؓ کا مہر چار ہزار مقرر کیا ایک اور روایت میں چار ہزار درہم کے الفاظ ہیں (یعنی یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ”درہم“ کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف چار ہزار کا ذکر ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں چار ہزار کے ساتھ درہم کا لفظ بھی ہے اور یہی مراد ہے) اور نجاشی نے (نکاح کے بعد) اُمّ حبیبہؓ کو شریل ابن حسہ کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت اُمّ حبیبہؓ کے پہلے شوہر کا نام مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں عبد اللہ ابن جحش ہی لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ غلط نام ہے صحیح نام عبید اللہ ابن جحش (تقصیر کے صیغہ کے ساتھ) ہے چنانچہ سنن ابوداؤد اور اصول وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ کا اصل نام رملہ تھا، یہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں، پہلے ان کی شادی عبید اللہ ابن جحش کے ساتھ ہوئی تھی، عبید اللہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُمّ حبیبہؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر وہاں پہنچ کر مرتد ہو گئے یعنی اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گئے اور وہیں مر گئے اُمّ حبیبہؓ اسلام پر ثابت قدم رہیں پھر آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن امیہ ضمریؓ کو حبشہ کے بادشاہ اصمہ بن کالقب نجاشی تھا، کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ اُمّ حبیبہؓ کو آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام دیں چنانچہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کا یہ حکم آپ کی اپنی ایک لونڈی ابراہہ کے ذریعہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کی خدمت میں بھیجا ابراہہ نے ان سے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھے رسول کریم ﷺ کا یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے رسول کریم ﷺ کا نکاح کر دوں حضرت اُمّ حبیبہؓ نے یہ پیغام بطیب خاطر قبول کیا اور فوراً ایک آدمی کو حضرت خالد ابن سعیدؓ کے پاس بھیج کر ان کو اپنا وکیل مقرر کیا جو ان کے والد کے چچا زاد بھائی تھے اور ساتھ ہی ابراہہ کو یہ خوشخبری سنانے کے عوض دو کپڑے اور چاندی کی ایک انگوٹھی عطا کی، پھر جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابوطالبؓ کو اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے جمع ہونے کا حکم دیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

پھر یہ الفاظ کہے ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔“ اس کے بعد انہوں نے وہ چار سو دینار لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے اس کے بعد حضرت خالد ابن سعیدؓ نے یہ خطبہ پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

پھر یہ الفاظ کہے ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے ابوسفیانؓ کی بیٹی اُم حبیبہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح کر دیا اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو یہ نکاح مبارک کرے۔“ اس ایجاب و قبول کے بعد مہر کے وہ چار سو دینار حضرت خالد ابن سعیدؓ کو دے دیئے گئے جنہیں انہوں نے رکھ لیا پھر جب لوگوں نے انھیں کا ارادہ کیا تو نجاشیؓ نے کہا کہ ابھی آپ لوگ بیٹھے رہیں کیونکہ نکاح کے وقت کھانا کھلانا انبیاء کی سنت ہے چنانچہ انہوں نے کھانا منگوایا اور سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ سن ۷ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابوسفیان مشرک تھے اور آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے پھر بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قبولیت اسلام مہر کا قائم مقام

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ أَبُو طَلْحَةَ أُمَّ سَلِيمٍ فَكَانَ صَدَاقَ مَا بَيْنَهُمَا إِلَّا سَلَامٌ أَسْلَمَتْ أُمَّ سَلِيمٍ قَبْلَ ابْنِ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ فَإِنْ أَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَكَانَ صَدَاقَ مَا بَيْنَهُمَا۔ (رواہ نسائی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو طلحہؓ نے جب اُم سلیمؓ سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔ اُم سلیمؓ نے ابو طلحہؓ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر جب ابو طلحہؓ نے اُم سلیمؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو اُم سلیمؓ نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ (اور تم سے مہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابو طلحہؓ نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کر لینا ہی آپس میں مہر قرار پایا۔“ (نسائی)

تشریح: حضرت اُم سلیمؓ لمحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ بن مالک کی ماں ہیں پہلے ان کی شادی مالک ابن نصر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نصیب نہیں ہو سکی اور وہ حالت شرک میں مارا گیا پھر اُم سلیمؓ نے اسلام قبول کر لیا اور ابو طلحہؓ نے جو اس وقت تک مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا اُم سلیمؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔

لہذا حدیث کے الفاظ ”اور اسلام قبول کر لینا ہی مہر قرار پایا“ کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ اُم سلیمؓ کے ساتھ ابو طلحہؓ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن اُم سلیمؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ابو طلحہؓ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا مہر بخش دیا گویا ابو طلحہؓ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا ہاں دوسرے آئمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ ابو طلحہؓ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ

ولیمہ کا بیان

”ولیمہ“ اس کھانے کو کہتے ہیں جو نکاح میں کھلایا جاتا ہے اور چونکہ ولیمہ مشتق ہے التیام سے جس کے معنی اجتماع کے ہیں اس لئے اس کھانے کو ”ولیمہ“ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اجتماع زوجین کی تقریب میں کھلایا جاتا ہے۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت: اکثر علماء کے قول کے مطابق ”ولیمہ“ مسنون ہے جب کہ بعض علماء اے مستحب کہتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واجب ہے اسی طرح ”ولیمہ“ کے وقت کے بارہ میں بھی اختلافی اقوال ہیں بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا اصل وقت دخول (یعنی شب زفاف) کے بعد ہے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ ولیمہ عقد نکاح کے وقت کھانا چاہئے۔ اور بعض علماء یہ

کہتے ہیں کہ عقد نکاح کے وقت بھی کھلانا چاہئے اور دخول کے بعد بھی۔

دودن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارہ میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دودن تک کھلایا جاسکتا ہے اس سے زیادہ وقت تک کھلانا مکروہ ہے حضرت امام مالکؒ کے ہاں ایک ہفتہ تک کھلانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار خاوند کی حیثیت و استطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت پر اکتفا کرے اور اگر کئی دن اور کئی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کئی دن اور کئی وقت تک کھلا سکتا ہے۔

ضیافت کی قسمیں: مجمع البحار میں لکھا ہے کہ ضیافت یعنی دعوت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ① ولیمہ ② خرس ③ اعزاز ④ وکیرہ ⑤ نقیعہ ⑥ وسمہ ⑦ عقیقہ ⑧ مادہ۔ چنانچہ ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ کے موقعہ پر کی جائے خرس اس دعوت کو کہتے ہیں کہ جو بچہ کی پیدائش کی خوشی میں کی جائے اعزاز اس دعوت کو کہتے ہیں جو خندہ کی تقریب میں کی جائے، وکیرہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مکان بننے کی خوشی میں کی جائے، نقیعہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مسافر کے آنے کی تقریب میں کی جائے عقیقہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو بچہ کا نام رکھنے کی تقریب میں کی جائے اور مادہ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں جو بلا کسی خاص تقریب کے کی جائے ضافت کی یہ تمام قسمیں مستحب ہیں البتہ ولیمہ کے بارہ میں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دعوت واجب ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

ولیمہ کرنے کا حکم

① وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هَذَا قَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوَلَمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (بخاری علیہ)

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے عبد الرحمن ابن عوفؓ (کے بدن یا کپڑے) پر زعفران کا (زرد نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عبد الرحمن نے کہا کہ میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، تم ولیمہ کرو (یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ) اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عبد الرحمنؓ کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”یہ کیا ہے؟“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع کرتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس لئے آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کے لئے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی؟ چنانچہ عبد الرحمنؓ نے جواب دیا کہ میں نے قصداً نہیں لگائی ہے بلکہ وہاں سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

قاضیؒ کہتے ہیں کہ جس طرح ”نفس“ بیس درہم اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن کو کہتے ہیں اسی طرح ”نواۃ“ پانچ درہم کے برابر وزن کا نام ہے۔ لہذا ایک نواۃ سونے کے عوض کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عورت کا مہر پانچ درہم کے برابر یعنی پونے سولہ ماشہ سونا مقرر کیا ہے۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ”نواۃ“ سے نواۃ ترمینی کھجور کی گٹھلی مراد ہے اور بظاہر یہی مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضرت عبد الرحمنؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا مہر باندھا ہے۔

”تم ولیمہ کرنا اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو“ اس طرح کی عبارت تقییل ”کم سے کم مقدار بیان کرنے“ کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہاں تکثیر مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ اگرچہ زیادہ خرچ ہو تب بھی ولیمہ کرو۔ اور ”تکثیر“ مراد لینے کی وجہ یہ

ہے کہ اس زمانہ میں بکری کو ایک قلیل ترین مقدار کے اظہار کے لئے ذکر کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت بہت کمزور تھی لوگ ستوا اور اسی قسم کی دوسری کم تر چیزوں کے ذریعہ ولیمہ کی شنت پوری کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ خود حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی مالی حیثیت اس وقت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کے سامنے بکری جیسی چیز کو کم سے کم مقدار کی صورت میں بیان کرتے۔

آنحضرت ﷺ نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا

② وَعَنْهُ قَالَ مَا أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبٍ أَوْلَمَ بِشَاةٍ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا بڑا ولیمہ نہیں کیا جتنا بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں جو یہ بتایا گیا تھا کہ بکری کا ذکریان تکثیر کے لئے ہے تو اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایسا ولیمہ جس میں ایک بکری استعمال کی گئی ہو ایک بڑے اور کثیر خرچ ولیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

③ وَعَنْهُ قَالَ أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَنَى بَرِئَتٍ بَنَتْ جَحْشٍ فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْرًا وَلَحْمًا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کیا اور (اس ولیمہ میں) لوگوں کا پیٹ گوشت اور روٹی سے بھر دیا۔“ (بخاری)

عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے

④ وَعَنْهُ قَالَ إِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةً وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عَتَقَهَا صَدًا فَهِيَ وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا

بِحَيْسٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو (پہلے) آزاد کیا اور (پھر) ان سے نکاح کر لیا، آپ ﷺ نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں جس کا ولیمہ کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت صفیہؓ ختی ابن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہؓ بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں آئیں مگر آپ ﷺ نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ صحابہؓ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ مختص ہے لہذا یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شرح ہدایہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو مہر قرار دے بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کر لے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کر لیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا یعنی وہ آزاد ہو جائے گی البتہ نکاح کے معاملہ میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے اس کا مہر مثل واجب ہوگا۔

”حیس“ ایک کھانے کا نام ہے جو حلوے کی قسم کا ہوتا ہے اور کھجور گھی اور اقط سے بنتا ہے۔ ”اقط“ کہ جس کا دوسرا نام قروط ہے پیر کی طرح ہوتا ہے اور وہی سے بنایا جاتا ہے۔

حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر

⑤ وَعَنْهُ قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرِ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَبْنِي عَلَيْهِ بِصَفِيَّةٍ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ وَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبَسِطْتُ فَأَلْقَى عَلَيْهَا التَّمْرَ وَالْإِقِطَ وَالسَّمْنَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور صفیہؓ کے ساتھ ”ان کے نکاح کے بعد“ شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کی دعوت و لیمہ میں بلایا ولیمہ میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپ ﷺ نے دسترخوان بچانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچادیا گیا تو اس پر کھجوریں اقط اور گھی رکھ دیا گیا۔“ (بخاری)

تشریح: اوپر کی حدیث میں حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں جس ”حیس“ کا ذکر کیا گیا ہے اسی کی تفصیل اس حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ حیس کے اجزاء کھجور اقط اور گھی تھے۔

حضرت اُم سلمہؓ کا ولیمہ

⑥ وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمَدَنَيْنِ مِنْ شَعْبٍ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت صفیہؓ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ (غالباً اُم سلمہؓ) کا ولیمہ دوسیر جو کے ساتھ کیا۔“ (بخاری)

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَلْيَجِبْ عُرْسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو شادی کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے اور مسلمؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ”دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت“ سے ختمہ و حقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان روایتوں میں ”ولیمہ“ سے مراد صرف وہی کھانا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر کھلایا جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شادی بیاہ کے کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا کسی عذر کے دعوت قبول نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

”جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے خدا اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی۔“

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ”قبول کرنے“ سے مراد دعوت میں جانا یعنی اگر کسی شخص کو شادی میں بلایا جائے تو اس کے لئے اس دعوت میں جانا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے میں شریک ہونے کی تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے سے نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے شادی کے کھانے کی دعوت کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

طیبیؒ اور ابن ملکؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعوت قبول کرنے کا وجوب یا استحباب بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے یہ شبہ ہونا کہ دعوت میں جو کھانا کھلایا جائے گا وہ حلال مال کا نہیں ہو گا یا اس دعوت میں مالداروں کی تخصیص ہو یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے یا تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں بیٹھا جائے ان صورتوں میں اگر کوئی شخص دعوت قبول نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو دعوت میں محض اس لئے بلایا جائے کہ اس کی خوشنودی مزاج حاصل ہو جائے اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے یا اس کی ذات و جاہ سے کوئی دنیاوی غرض پوری ہو جائے تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا ہی اولیٰ ہے یا ایسے ہی اگر کچھ لوگ کسی شخص کو اس مقصد کے لئے دعوت میں بلائیں کہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں یا غیر شرعی کاموں میں مدد کرے یا کسی دعوت میں ممنوع چیزیں جیسے شراب وغیرہ موجود ہو یا وہاں ناچ گانے یا غیر شرعی تفریحات کی چیزیں ہوں یا جس جگہ دعوت ہو وہاں خریر وغیرہ کا فرش بچھا ہو تو ایسی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ آجکل کی مجالس مذکورہ بالا چیزوں سے خالی نہیں تھیں اگر سب چیزیں نہیں ہوتیں تو ان میں بعض چیزیں اکثر مجلسوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صوفیاء کا قول ہے کہ عزالت (گوشہ نشینی) حلال ہو گئی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آجکل گوشہ نشینی واجب ہو گئی ہے۔ لہذا جو شخص احتیاط کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے اور کسی بھی مجلس یا دعوت میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھتا ہو تو اس کے لئے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيَجِبْ فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو (شادی یا یہ اسی قسم کی کسی اور تقریب کے) کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کر لے (یعنی دعوت میں چلا جائے) پھر وہاں جا کر اس کی مرضی پر موقوف ہو گا کہ چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھاؤ۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنے کا مطلب داعی کے یہاں جانا ہے اور یہ واجب یا مستحب ہے ہاں دعوت کے کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے بشرطیکہ روزہ سے نہ ہو۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد گرامی میں دعوت کو قبول کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطریق وجوب ہے لیکن اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو کوئی عذر لاحق نہ ہو، اگر کوئی شخص معذور ہو مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانا تکلیف و مشقت برداشت کرنے کا مرادف ہے تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”براکھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔“ (بخاری)

تشریح: ”شرط الطعام“ یعنی برے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور بہت سے برے کھانے ہیں اس میں سے ایک یہ بھی ہے یہ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ بعض کھانے اس سے بھی برے ہوتے ہیں چنانچہ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ أَكَلَ وَحْدَهُ (یعنی برا شخص وہ ہے جس نے تنہا کھانا کھایا) وہاں بھی یہ مراد ہے کہ جہاں اور بہت سے برے شخص ہیں ان میں سے ایک برا شخص وہ بھی ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے۔

اس حدیث کا مقصد مطلقاً ولیمہ کے کھانے کی برائی بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ نہ صرف دعوت ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ اس دعوت کو قبول کرنے کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے اور جو شخص دعوت ولیمہ کو قبول نہیں کرتا وہ گنہگار ہوتا ہے لہذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ جو ولیمہ ایسا ہو کہ اس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غریب کو نہ پوچھا جائے تو وہ ایک برا ولیمہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی، کہ وہ اپنے ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلا تے ہیں اور انہیں اچھا اچھا کھانا کھلاتے اور بیچارے غریبوں کی بات بھی نہ پوچھتے تھے لہذا آپ ﷺ نے گویا اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس بری عادت سے منع فرمایا۔

دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول نے دعوت قبول کرنے کا حکم دیا ہے لہذا جس نے دعوت قبول نہ کر کے اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اس نے گویا اللہ ہی کے حکم کی نافرمانی کی۔ جو حضرات دعوت کے قبول کرنے کو واجب کہتے ہیں انہوں نے اس حدیث کو اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے جب کہ جمہور علماء نے اس حدیث کو تاکیڑا استحباب پر محمول کیا ہے۔

غیر مدعو کو کھانا کھانا، میزبان کی اجازت پر موقوف ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً لَعَلِّي أَدْعُو النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةَ فَصَنَعَ لَهُ طَعِيمًا ثُمَّ آتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا شُعَيْبٍ إِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ اذْنَتْ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْنَاهُ قُلْ لَا بَلْ اذْنَتْ لَهُ. (متفق عليه)

”اور حضرت ابو مسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ کے ہاں جن کی کنیت ابو شعیبؓ تھی ایک غلام تھا جو گوشت بچا کرتا تھا (ایک دن) ان انصاری صحابہؓ (یعنی ابو شعیبؓ) نے اپنے اس غلام سے کہا کہ میری ہدایت کے مطابق اتنا کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہو کیونکہ میں رسول کریم ﷺ کی دعوت کروں گا اور آپ ﷺ پانچ آدمیوں میں سے ایک ہوں گے (یعنی ایک آنحضرت ﷺ ہونگے اور چار آدمی آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے) چنانچہ اس غلام نے ان کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے لئے تھوڑا سا کھانا تیار کر لیا پھر وہ (ابو شعیبؓ) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے چار صحابہؓ کو) اس کھانے پر مدعو کیا۔ (جب آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے چلے تو) ایک شخص آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا آپ ﷺ نے (ان کے گھر پہنچ کر) فرمایا کہ ”ابو شعیب! ایک اور شخص ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر تم چاہو تو اس کو بھی (کھانے پر) آنے کی اجازت دے دو ورنہ اس کو (دروازہ ہی پر) چھوڑ دو (اور درسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دو) ابو شعیبؓ نے کہا کہ ”نہیں (اس کو درسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا) بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے پہنچ جائے اور اسی طرح کسی مہمان کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے ہاں اگر میزبان نے اس بات کی صریح اجازت دی ہو یا کوئی ایسی دعوت ہو جہاں اذن عام ہو یا مہمان یہ جانتا ہو کہ اگر میں کسی بن بلائے مہمان شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے گیا تو میزبان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو ان صورتوں میں مدعو کسی غیر مدعو کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئی۔ اول یہ کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے دوم یہ کہ اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ کوئی بن بلا یا شخص بھی ہو لے تو ان مہمانوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ صاحب خانہ یعنی میزبان سے اس شخص کے لئے کھانے میں شریک ہونے کی اجازت لے لیں، سوم یہ کہ بن بلائے مہمان کے بارہ میں میزبان کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اس کو دسترخوان پر بیٹھنے سے نہ روکے الا یہ کہ اس کی وجہ سے مہمانوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے کا خوف ہو، اور اگر اس کو کھانے میں شریک کئے بغیر واپس کرے تو نرمی کے ساتھ واپس کرے لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو کھانے میں سے کچھ دے دے بشرطیکہ وہ اس کا مستحق ہو۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کسی غیر مدعو کو دعوت کے کھانے میں شریک ہونا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور اس کے سامنے کھانا رکھ کر اس کو اس کھانے کا مالک بنا دیا تو اب وہ شخص (یعنی مہمان) مختار ہے کہ چاہے تو اس کھانے کو خود کھائے چاہے کسی اور کو کھلائے اور چاہے اٹھا کر اپنے گھر لے جائے ہاں اگر یہ صورت ہو کہ میزبان دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا چن دے جو اس بات کی علامت ہو کہ اس نے مہمان کو اس کھانے کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ اسے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہیں بیٹھ کر کھائے اور جو کچھ بچ جائے اسے میزبان اٹھا کر لے جائے تو اب مہمان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ دسترخوان پر بیٹھ کر حسب قاعدہ اور حسب رواج کھانا کھائے نہ تو اس کھانے میں سے کچھ اٹھا کر اپنے گھر لے جائے اور نہ اس میں سے کسی اور کو کھلائے۔

بعض اہل علم نے اس چیز کو بہت اچھا جانا ہے کہ جب ایک دسترخوان پر کچھ لوگ کھانا کھانے بیٹھیں تو دسترخوان پر موجود کھانے کی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے رہیں ہاں اگر وہ لوگ دو دسترخوانوں پر بیٹھے ہوں تو ایک دسترخوان کے لوگوں کو دوسرے دسترخوان کے لوگوں کے سامنے اپنے دسترخوان کے کھانے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

الفصل الثانی

حضرت صفیہؓ کا ولیمہ

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَمَ عَلَى صَفِيَّةَ بَسُوْنِيٍّ وَتَمَرَ - (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ کا ولیمہ ستور کھجور کے ساتھ کیا تھا۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کے سلسلہ میں جو حدیث پہلے گزری ہے اس میں ان کے ولیمہ کا کھانا ہمیں ذکر کیا گیا تھا جب کہ یہاں ستور اور کھجور کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس طرح مطابقت ہوگی کہ حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں دونوں چیزیں تھیں جس بھی تھا اور ستور اور کھجوریں بھی تھیں راویوں میں سے جس نے جو دیکھا اسی کو بیان کر دیا۔

دنیاوی زیب و زینت کی چیزوں سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

⑫ وَعَنْ سَفِيْنَةَ أَنَّ رَجُلًا صَافٍ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لَوْ دَعَوْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَ مَعَنَا فَدَعَا فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى عِضَادَتِي الْبَابِ فَرَأَى الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ لِي أَوْلِيٌّ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مَوْقًا۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے ہاں ایک مہمان آیا تو حضرت علیؓ نے اس کے لئے کھانا تیار کرایا! حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اگر ہم رسول کریمؐ کو بھی مدعو کر لیں اور آپؐ ﷺ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں تو بڑا اچھا ہو، چنانچہ آپؐ ﷺ کو بلایا گیا جب آپؐ ﷺ تشریف لائے اور (مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی) دروازے کے دونوں بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے آپؐ ﷺ کی نظر اس پردہ پر گئی جو گھر کے ایک کونے پر پڑا ہوا تھا آپؐ ﷺ (اس پردہ کو دیکھتے ہیں) واپس ہو گئے حضرت فاطمہؓ کہتی ہیں کہ میں بھی آپؐ ﷺ کے پیچھے گئی اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ آپؐ ﷺ واپس کیوں ہو گئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”مجھ کو یا کسی بھی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔“ (احمد و ابن ماجہ)

تشریح: قرام باریک اور متقش پردہ کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے گھر کے گوشہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ متقش نہیں تھا لیکن اس پردہ سے دیوار کو اس طرح ڈھکا گیا تھا، جیسے دلہا دلہن کے چھپرکٹ کو پردوں سے سجاتے اور ڈھکتے ہیں اور یہ چونکہ دنیا داروں اور اپنی وجاہت و مالداری کا بے جا اظہار کرنے والوں کا طریقہ ہے اس لئے آپؐ ﷺ اس پردہ کو دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور اسی طرح آپؐ ﷺ نے گویا یہ تنبیہ فرمائی کہ دیواروں کو اس طرح پردوں سے سجانا اور ڈھکنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کی بیجا زیب و زینت ہے جو آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کی مذمت

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يَجِبْ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغَيَّرًا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ”جس شخص کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا اور جو شخص بغیر بلائے کسی کے ہاں کھانے کی مجلس میں چلا جائے تو وہ چوروں کی طرح آیا اور مال لوٹ کر نکل گیا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کو چور کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی چور چھپ کر کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے اسی طرح ”بن بلایا مہمان“ بھی صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے کھانے کی مجلس میں گویا چور کی طرح چپکے سے آتا ہے لہذا جس طرح چور کسی کے گھر میں گھسنے کی وجہ سے گنہ گار ہوتا ہے اسی طرح ”بن بلایا مہمان“ بھی اپنے اس غیر اخلاقی اور بیجا فعل کی وجہ سے گنہ گار ہوتا ہے گویا آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اپنی امت کے لوگوں کو اخلاق زندگی کے دو بنیادی سبق دیئے ہیں جو ایک انسان کی معاشرتی برائی اور انسانی وقار کے ضامن ہیں اول تو یہ کسی کی دعوت کو بلا عذر کے قبول نہ کرنا نفس کے تکبر و رعوت اور عدم الفت پر دلالت کرتا ہے دوم یہ کہ بغیر دعوت کے کسی کے ہاں پہنچ جانا نفس کے حرص و لالچ اور اپنی عزت اپنے ہاتھوں خراب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر دو آدمی بیک وقت دعوت کریں تو ان میں سے کس کی دعوت قبول کی جائے

(۱۴) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَابًا وَإِنْ سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الذِّئْبِ سَبَقَ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر بیک وقت دو شخص دعوت کریں تو ان میں سے اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے مدعو کیا (اور دوسرے نے اس کے بعد دعوت دی) تو (اس صورت میں) اس شخص کی دعوت قبول کی جائے جس نے پہلے مدعو کیا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ حکم (اس صورت سے متعلق ہے جب کہ ایک ہی وقت ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو، ہاں اگر دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن ہو تو پھر یہی حکم ہو گا کہ دونوں کی دعوت میں شرکت کی جائے نیز یہ حکم دو ہمسایوں کی دعوت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں پڑوس کے دو آدمی دعوت کریں تو اس پڑوسی کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ہمسایوں کے علاوہ شہر آبادی کے دوسرے دو آدمی بیک وقت مدعو کریں تو اس صورت میں دوسری وجہ مثلاً معرفت، اصلاح اور حقوق کے پیش نظر ترجیح دی جائے گی۔ یعنی ان دونوں میں سے اس شخص کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جو دوسرے سے زیادہ قریبی جان پہچان کا ہو یا وہ دوسرے سے زیادہ نیک نیت و صالح ہو۔ اور اس حقوق کے اعتبار سے وہ دوسرے سے زیادہ قریب ہو۔ اس حدیث سے ایک نکتہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی استاد کے پاس اس کے دو شاگرد بیک وقت سبق پڑھنے آئیں یا کسی عالم کے پاس ایک ہی وقت میں دو آدمی مسئلہ پوچھنے آئیں تو پہلے اس کو سبق پڑھایا جائے یا مسئلہ بتایا جائے جو پہلے آیا ہے۔

نام و نمود کے لئے زیادہ دنوں تک ولیمہ کھلانے والے کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ أَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّلَاثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پہلے دن (شادی کا) کھانا کھانا حق ہے، دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا (اپنے آپ کو) سنانا ہے اور جو اپنے آپ کو سنانے کا خواہشمند ہو گا اللہ تعالیٰ اسے سنانے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شادی بیاہ میں پہلے دن لوگوں کو کھانے پر بلانا اور لوگوں کا اس دعوت کو قبول کرنا سنتِ موکدہ ہے (اور جن علماء نے ولیمہ کی دعوت کو واجب کہا ہے۔ ان کے نزدیک ”حق“ سے مراد ”واجب“ ہے اور دوسرے دن کو مدعو کرنا مسنون و مستحب و دون کے بعد جب تیسرے دن بھی کوئی مدعو کرے تو سمجھنا چاہئے کہ اب اس کی دعوت میں نام و نمود کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے یعنی اس نے تیسرے دن لوگوں کو کھانے پر اس لئے بلایا ہے تاکہ شہرت ہو جائے اور لوگ اس کی تعریف کریں اس کے بارہ میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنے نام و نمود کے تحت تیسرے دن بھی لوگوں کو کھانے پر بلائے گا اور خواہش مند ہو گا کہ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تاکہ وہ اظہارِ فخر کر سکے، تو ایسے شخص کو جان لینا چاہئے کہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں یہ اعلان کرانے کا کہ دیکھو یہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جس نے محض دکھانے سنانے کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا چنانچہ وہ شخص تمام مخلوق خدا کے سامنے سخت رسوا اور ذلیل ہو گا۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے (مثلاً اس کا نکاح ہو جائے) تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کرے (اور شکریہ ہے کہ دعوتِ ولیمہ میں لوگوں کو بلا کر کھانا کھلائے اور یہ (یعنی شکر ادا کرنا مثلاً دعوت کرنا پہلے دن تو ضروری ہے اور دوسرے دن مستحب ہے تاکہ پہلے دن اگر کوتاہی ہو گئی ہو تو دوسرے دن ان کی تلافی ہو جائے اس لئے کہ سنت واجب کو مکمل کر دیتی ہے اور تیسرے دن (دعوت کرنا) بس دکھانے سنانے کے لئے ہے (یعنی تیسرے دن دعوت کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نام و نمود کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہی ہوتا ہے) اسی طرح جن لوگوں کی دعوت کی جائے ان کے بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ پہلے دن کی دعوت قبول کرنا ان کے لئے واجب ہے، دوسرے دن کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے اور تیسرے دن کی دعوت قبول کرنا مکروہ بلکہ حرام ہے۔ اس حدیث سے مالکیہ کے اس مسلک کی صریح تردید ہوتی ہے کہ سات دن تک ولیمہ کی دعوت کرتے رہنا مستحب ہے۔

اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا ممنوع ہے

(۱۶) وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئِينَ أَنْ يُؤْكَلَ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ مُخِي الشَّيْخُ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا -

”اور حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں۔“ (ابوداؤد) اور محی السنہ نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں ”حضرت عکرمہؓ نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں“ (یعنی روایت کی سند میں عن ابن عباسؓ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں بلکہ یہ یہاں زیادہ نقل کئے گئے ہیں)۔“

تشریح: متبارین ان دو شخصوں کو کہتے ہیں جو زیادہ کھانا پکانے کا آپس میں مقابلہ کریں اور ان میں سے ہر ایک کی بڑی کوشش ہو کہ وہ دوسرے کی ضد میں زیادہ سے زیادہ کھانا پکوائے اور زیادہ لوگوں کی دعوت کرے تاکہ وہ برتر اور دوسرا کمتر رہے گویا اس مقابلہ سے دونوں ہی کا مقصد اظہار فخر اور محض نام و نمود ہو۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی دعوت نہ قبول کی جائے اور نہ ان کے کھانے میں شرکت کی جائے۔

آجکل تو اس سلسلہ میں احتیاط نہیں برتی جاتی لیکن پہلے زمانہ کے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں کسی شخص کی دعوت کے بارہ میں یہ شبہ بھی ہو جاتا تھا کہ اس دعوت کا مقصد محض اظہار فخر اور نام و نمود ہے تو وہ اس دعوت میں شرکت کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَارِئَانِ لَا يُجَابَتَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ يَعْنِي الْمُتَعَارِضَيْنِ بِالضِّيَافَةِ فَخَرًا أَوْ رِيَاءً -

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ان دو شخصوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے جو اظہار فخر کے لئے کھانا پکانے کا آپس میں مقابلہ کریں۔“ امام احمدؒ نے لفظ متباریان کی وضاحت میں کہا ہے کہ متباریان سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ شخص ہیں جو ازراہ فخر و ریاء اور بطریق مقابلہ یعنی ایک دوسرے کی ضد میں دعوت کریں۔“

فاسق کی دعوت قبول نہ کرو

(۱۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِينَ -

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: ”فاسق“ سے مراد مطلق فاسق ہے خواہ وہ کسی طرح کے فسق میں مبتلا ہو، فاسق کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اکثر فاسق اپنے مزاج و کردار کے اعتبار سے ظالم بھی ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ ظالم جو لوگوں کا مال ازراہ ظلم لیتا ہے اس کے کھانے میں شریک ہونا حرام ہے اس کے علاوہ فاسق کی دعوت قبول کرنا گویا اس فاسق کو خوش کرنا اور اس کی عزت کرنا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

کسی متقی کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَلَا يَسْأَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا يَسْأَلْ رَوَى الْإِسْنَانُ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ هَذَا إِنْ صَحَّ فَلَا نَـ

الظَّاهِرَ أَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْظِعُهُ وَلَا يَسْقِينُهُ إِلَّا مَا هُوَ حَلَالٌ عِنْدَهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان، بھائی کے ہاں جائے تو اس کا کھانا کھالے اور پانی پی لے اور یہ نہ پوچھے کہ وہ کھانا اور پانی کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔“ ان تینوں حدیثوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (آخری) حدیث اگر صحیح ہے تو اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھلا تا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے۔“

تشریح: ”مسلمان“ سے کامل یعنی متقی و پرہیزگار مسلمان مراد ہے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ہاں کھانا کھانے جائے تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کے سامنے آنے بلا شک و شبہ اسے کھاپی لے کیونکہ اول تو اس کے متقی و پرہیزگار ہونے کی وجہ سے اس کے بارہ میں یہی نیک گمان رکھا جائے کہ وہ ناجائز و حرام چیز نہیں کھائے گا دوسرے یہ کہ اگر اس کے کھانے کے جائز و ناجائز کی تحقیق کی جائے گی تو اسے تکلیف پہنچے گی جو مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ یقین ہو کہ جو چیز کھائی پلائی جا رہی ہے اس کا کوئی جز حرام ذریعہ سے آیا ہوا ہے یا اس کھانے کا اکثر حصہ حرام ہے تو پھر اس کو نہ کھائے پیئے۔

بَابُ الْقَسَمِ باری مقرر کرنے کا بیان

اگر کسی شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شبِ باشی کے لئے نوبت (باری) مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

① جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شبِ باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

② ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شبِ باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت ﷺ پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

③ سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولیٰ یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

④ مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے اور رات کا تابع ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔ درمختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارہ میں

شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیناً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر (یعنی چار چار مہینہ تک) جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے۔ لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارہ میں کہا جائے گا۔ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ (یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاسکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز ہے جب تک کہ وہ شفایاب ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیار دار اور غم خوار نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَكَانَ يُقْسِمُ مِنْهُنَّ لِعَمَّانٍ - (تفق علیہ)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم ﷺ نے وفات پائی اس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ بیویوں کی باری مقرر تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں یہاں صرف ان بیویوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جن کے اسماء یہ ہیں۔

① حضرت عائشہؓ - ② حضرت حفصہؓ ③ حضرت اُمّ حبیبہؓ ④ حضرت سوہہؓ ⑤ حضرت اُمّ سلمہؓ ⑥ حضرت صفیہؓ ⑦ حضرت میمونہؓ ⑧ حضرت زینب بنت جحشؓ ⑨ حضرت جویریہؓ۔

ان نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی اور نویں حضرت سوہہؓ کے لئے کوئی باری نہ تھی کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی چنانچہ آپ ﷺ ان کی باری میں حضرت عائشہؓ کے پاس رہتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کوئی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے سکتی ہے

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ سُودَةَ لَمَّا كَثُرَتْ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَئِذٍ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سُودَةَ - (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت سوہہؓ کی عمر جب زیادہ ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی باری کا دن جو آپ ﷺ نے میرے لئے مقرر کیا تھا عائشہؓ کو دے دیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ہاں دو دن رہنے لگے ایک دن تو ان کی باری میں اور ایک دن حضرت سوہہؓ کی باری میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سوہہؓ کے والد کا نام زمعہ اور والدہ کا نام سموس تھا پہلے ان کی شادی حضرت سکرانؓ کے ساتھ ہوئی تھی یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی ایام میں اسلام لے آئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے جب ان کے خاوند حضرت سکرانؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد کہ میں ان سے نکاح کیا حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ان

کے نکاح کے بعد ہوا۔ حضرت عمرؓ یا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں۔
فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی بیوی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں شوہر کی طرف سے کسی لالچ یا جبر کا دخل نہ ہو نیز اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دینے والی عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنی پیش کش کو واپس لے لے۔

(۳) وَعَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرْصِدِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهُ أَرْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (روزانہ) یہ پوچھا کرتے تھے کہ کل میں کہاں رہوں گا کہ کل میں کس بیوی کے گھر رہوں گا اور اس دریافت کرنے سے آپ کا نشاء یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ عائشہؓ کی باری کس دن ہے (کیونکہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے آپ ﷺ ان کی باری کے شدت سے منتظر رہتے تھے) چنانچہ ازواج مطہرات نے (آپ ﷺ کے اس قلبی اضطراب کو محسوس کیا تو سب نے) یہ اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جس کے ہاں چاہیں رہیں پھر آپ ﷺ حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ انہیں کے پاس آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔“ (بخاری)

تشریح: یہ یہودیم عائشہؓ ماقبل جملہ کی وضاحت ہے یعنی آپ ﷺ کا روزانہ پوچھنا ازواج مطہرات سے طلب اجازت کے لئے تھا کہ تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں چنانچہ یہ جملہ فاذن لہ ازواجہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَفْرَعَيْنِ نَسَائِهِ فَأَيُّهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسی کو آپ ﷺ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

(۵) وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مِنَ الشَّيْءِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى النَّبِيِّ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ النَّبِيَّ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ إِنَّ أَنْسَارَ فَعَاءِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو قلابہ (تابعی) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص شیبہ کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس رہے اور پھر اس میں اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کر دے اور کسی شیبہ (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات رہے اور پھر باری مقرر کر دے۔ حضرت ابو قلابہؓ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو یہ کہتا کہ حضرت انسؓ نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے نقل کی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں یا ایک عورت ہو اور پھر وہ ایک عورت سے نکاح کرے تو اگر وہ عورت باکرہ (کنواری) ہو تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور اگر وہ شیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ ہو) تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر نئی اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کر دے کہ ہر ایک کے پاس برابر برابر ایک ایک رات جایا کرے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں باکرہ اور شیبہ یا نئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق

نہیں ہے۔ باری کے اعتبار سے سب برابر ہیں انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے۔ جو اس باب کی دوسری فصل میں آئیں گی اور جن میں اس قسم کا فرق و امتیاز بیان نہیں کیا گیا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات رات تک رہے اور اگر شبیہ کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں سے بھی ہر ایک کے پاس تین تین رات تک رہے۔

روایت کے آخر میں ابو ظاہرؒ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں چاہتا تو اس حدیث کو مرفوع کہتا یعنی یہ کہتا کہ اس حدیث کو حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کیونکہ صحابہؓ کا یہ کہنا کہ ”یہ مسنون ہے مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔“

④ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ وَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ قَالَ لَهَا لَيْسَ بِكَ عَلَيَّ أَهْلِكَ هُوَ إِنْ شِئْتَ سَبَعْتُ عِنْدَكَ وَسَبَعْتُ عِنْدَهُنَّ وَإِنْ شِئْتَ ثَلَاثُ عِنْدَكَ وَذُرْتُ قَالَ ثَلَاثُ وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَهَا لِلْبِكْرِ سَبْعٌ وَلِلثَلَاثِ ثَلَاثُ (رواہ سلم)

”اور حضرت ابو بکر بن عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو دوسرے دن صبح کو ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہاری طرف سے اس میں کوئی ذلت نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات رہوں اور پھر دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات رات تک رہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین رات تک رہوں اور پھر اس کے بعد دورہ کروں (یعنی تمام بیویوں کے پاس بھی تین تین رات تک رہوں) حضرت ام سلمہؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ ”آپ (ﷺ) میرے پاس تین راتیں رہئے۔“ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ ”کنواری کے پاس سات رات تک رہنا چاہئے اور شبیہ کے پاس تین رات تک۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس میں کوئی ذلت نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا پاس جو تین رات رہوں گا تو اس کی وجہ سے تمہارے خاندان و قبیلہ پر کسی حقارت یا ذلت کا داغ نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے ساتھ میرا تین رات تک رہنا تمہاری صحبت و اختلاط سے بے رغبتی کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ شرعی حکم کی بناء پر ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ گو آپ ﷺ نے اس عذر کی تنہید بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے شادی کی ابتداء کے ایام میں حضرت ام سلمہؓ کے ہاں شب باشی کے لئے صرف تین راتوں پر اکتفا کرنا پڑا اور وہ عذر یہ شرعی حکم ہے کہ اگر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کیا جائے۔ تو اس نئی بیوی کے ساتھ مسلسل سات دن تک شب باشی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ باکرہ (کنواری) ہو لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ہاں سات سات دن تک شب باشی ہونی چاہئے۔ تاکہ باری کے اعتبار سے کسی کے ساتھ بے انصافی اور حق تلفی نہ ہو اور اگر وہ نئی بیوی شبیہ (کسی کی بیوہ یا مطلقہ) ہو تو پھر اس کے ساتھ تین دن تک شب باشی کی جائے لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ساتھ تین تین دن تک شب باشی کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے یہاں بھی سات راتوں تک رہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ حق کنواری عورت کے لئے ہے اور تم شبیہ ہو اور پھر یہ کہ بعد میں مجھے دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات راتوں تک رہنا ہو گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ شبیہ کے حق میں جو حکم ہے اسی کے مطابق میں تمہارے پاس تین دن تک شب باشی کروں اور پھر بعد میں ہر ایک بیوی کے ہاں تین تین دن تک شب باشی کر کے تمہارے سب کے درمیان باری مقرر کر دوں لہذا حضرت ام سلمہؓ نے منشاء شریعت اور مزاج نبوت کے مطابق اسی بات کو قبول کیا کہ آپ ﷺ کے ہاں تین رات تک رہیں۔

کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کرنے پر مجبور نہیں ہے۔

④ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيُعْدِلُ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ هَذِهِ اقْسِمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تُلْغِنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ۔ (رواه الترمذی و البوداذ و النسائی و ابن ماجہ و الداری)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط و عدل کے باوجود یہ دعا مانگا کرتے کہ ”اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہذا جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے۔“

(ترمذی، البوداذ، نسائی، ابن ماجہ، داری)

تشریح: دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جس میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ نا انصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار و محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے، میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہذا اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے، ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان و نفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارہ میں عدل و برابری لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں دل و طبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

اپنی بیویوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشَقَّةٌ سَاقِطَةٌ۔ (رواه الترمذی و البوداذ و النسائی و ابن ماجہ و الداری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔“ (ترمذی، البوداذ، نسائی، ابن ماجہ، الداری)

تشریح: جس شخص کے ہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں خواہ دو ہوں اور خواہ تین یا چار ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو اس کی اس بے انصافی پر مذکورہ بالا سزا کی دھمکی دی گئی ہے لہذا باری میں برابری کرنا بایں اعتبار سے واجب ہے کہ رات جتنا حصہ ایک بیوی کے ہاں گزارتا ہو اتنا ہی حصہ دوسری بیوی کے ہاں بھی گزارنا چاہئے مثلاً اگر ایک بیوی کے ہاں مغرب کے بعد چلا جاتا ہے تو دوسری بیوی کے ہاں بھی مغرب کے بعد ہی چلا جائے اگر اس کے پاس عشاء کے بعد جائے گا تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا یہاں صحبت کے معاملہ میں برابری کرنا واجب نہیں ہے۔

اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے۔ اس حکم میں باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی مسلمان اور کتابہ سب برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں البتہ آزاد عورت کی بہ نسبت لونڈی، مکاتبہ، مدبرہ اور اتم ولد کی لئے آدھی باری ہے یعنی اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو اور کسی کی لونڈی وغیرہ سے بھی اس نے نکاح کر رکھا ہو تو لونڈی وغیرہ کے پاس ایک رات رہے اور آزاد عورت کے پاس دو راتیں رہے!

حرم (باندی) کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کی نوازواج مطہرات میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر تھی

⑨ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ حَضَرَ نَامِعُ ابْنُ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ بِسَرَفٍ فَقَالَ هَذِهِ زَوْجَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُرْغِرْ غَوْهَا وَلَا تُزَكِّرْ لَوْهَا وَارْفُقُوا بِهَا فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَ نِسْوَةٍ كَانَ يَفْسِمُ مِنْهُنَّ لِغَمَانٍ وَلَا يَفْسِمُ لَوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءُ الْبَنِيُّ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْسِمُ لَهَا بَلَعْنَا أَنَّهَا صَفِيَّةٌ وَكَانَتْ آخِرَهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِينَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ رَزِينٌ قَالَ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَهُوَ اصْخَ وَهَبْتُ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِينَ أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهُ أَمْسِكْنِي قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِي لِعَائِشَةَ لَعَلِّي أَنْ أَكُونُ مِنْ نَسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ۔

”حضرت عطاء ابن رباح“ تابعی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے ہمراہ مقام سرف میں اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ میں شریک ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (دیکھو) یہ رسول کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو اس کو زیادہ حرکت و جنبش نہ دینا بلکہ (تعظیم و تکریم کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نہایت آہستگی سے اٹھانا اس لئے کہ یہ ان ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نویویاں تھیں آپ ﷺ نے ان میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر کر رکھی تھی اور ایک کے لئے کوئی باری نہیں تھی۔“ حضرت عطاءؓ کہتے ہیں کہ وہ زوجہ حضرت صفیہؓ تھیں اور رسول کریم ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے۔“ (بخاری و مسلم) اور رزینؓ کا بیان ہے کہ عطاءؓ کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث سے منقول ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جن کے لئے باری مقرر نہیں تھی (حضرت صفیہؓ نہیں تھیں بلکہ) حضرت سودہؓ تھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت سودہؓ (کے لئے باری مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں) نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) جب رسول کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیتی ہوں آپ (ﷺ) مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے تاکہ جنت میں آپ (ﷺ) کی بیویوں میں شامل رہنے کا شرف مجھے بھی حاصل رہے۔“

تشریح: حضرت میمونہؓ جو آنحضرت ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ ہیں حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں ان کے والد کا نام حارث تھا ماں کا نام ہندہ تھا خود ان کا نام برہ تھا مگر آنحضرت ﷺ نے میمونہؓ رکھا یہ پہلے مسعود ابن عمروؓ کے نکاح میں تھیں پھر ابوہریرہؓ کے ساتھ شادی ہوئی ان کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ ۶۶ ہجری میں بمقام سرف جو مکہ معظمہ سے آٹھ میل کا فاصلہ ہے وہاں ان کا نکاح ہوا یہیں شب زفاف گزری اور اتفاق کی بات کہ اسی مقام سرف میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئیں۔

جن زوجہ مطہرہ کے لئے باری مقرر نہیں تھی وہ حضرت صفیہؓ تھیں یا حضرت سودہؓ؟ اس بارہ میں بظاہر دو متضاد روایتیں ہیں لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ وہ حضرت سودہؓ تھیں بلکہ خطابیؒ نے تو عطاءؓ کے اس قول کو کہ ”وہ حضرت صفیہؓ تھیں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ کسی راوی کی چوک ہے یعنی حضرت عطاءؓ نے تو یہاں ”حضرت سودہؓ“ ہی کہا تھا مگر کسی راوی کی چوک سے ”حضرت صفیہؓ“ نقل ہو گیا۔

وكانت آخرهن مؤتلمات بالمدينة اور آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے، توضیح سے پہلے یہ جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کس زوجہ مطہرہ کا انتقال کب ہوا ہے صاحب مواہب نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ کا انتقال سن ۵۰ ہجری کے ماہ رمضان میں ہوا ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال حضرت معاویہؓ

کے زمانہ سن ۵۲ یا ۵۵ ہجری میں ہوا ہے اور یقین میں مدفون ہوئیں ہیں۔ حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۶۶ یا ۶۳ ہجری میں ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں ۵۷ ہجری میں وفات پائی جب کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی وفات سن ۵۸ میں ہوئی ہے حضرت سودہؓ نے سن ۵۴ ہجری میں حضرت حفصہؓ نے سن ۵۰ یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۱ ہجری میں حضرت سلمہؓ نے سن ۵۹ ہجری میں حضرت اُمّ حبیبہؓ نے سن ۴۴ ہجری یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۳ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش نے سن ۴۰ ہجری میں یا بعض علماء کے قول کے مطابق سن ۴۱ ہجری میں اور حضرت جویریہؓ نے سن ۵۰ ہجری میں انتقال کیا ہے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں ہو گیا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے ہی وفات پائی تھیں۔

اب اس تفصیل کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ کہنا کہ ”حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے، صحیح نہیں ہے اور اگر لفظ کانت کی ضمیر کا مرجع حضرت میمونہؓ کو قرار دیا جائے تو بھی بات صحیح نہیں ہوتی کیونکہ اگر بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہؓ کا سن وفات سن ۶۶ ہجری یا ۶۳ زیادہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ازواج مطہرات میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہونا تو ثابت ہو جائے گا مگر یہ بات خود اسی عبارت کے اگلے جملے مَا كَانَتْ بِالْمَدِينَةِ کے مطابق نہیں ہوگی کیونکہ اس بارہ میں حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کا انتقال مقام سرف میں ہوا ہے۔ لہذا اس عبارت کا صحیح مفہوم متعین کرنا بڑا مشکل ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عبارت میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

بَابُ عَشْرَةِ النِّسَاءِ وَمَا لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحُقُوقِ

عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور حسن معاشرت اور ہر ایک عورت کے حق کے بارے میں منقول ہیں۔ عنوان میں ”ہر ایک عورت کے حقوق“ کہنے کی بجائے ”عورتوں کے حقوق“ کہنا بظاہر زیادہ مناسب تھا لیکن اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہاں عورتوں کی جس مراد نہیں ہے بلکہ عورتوں کی اقسام مراد ہے یعنی جن عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں کوئی تو باکرہ ہوتی ہے اور کوئی شیبہ ہوتی ہے اور کوئی خوش خلق ہوتی ہے کوئی بد خلق ہوتی ہے اسی طرح کوئی عورت مالدار ہوتی ہے اور کوئی مفلس ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ لہذا یہاں چونکہ عورتوں کی یہ اقسام مراد تھیں اس لئے عنوان میں ”ہر ایک عورت کے حقوق“ کہا گیا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عورت کی کچی کو سخت روی سے دور نہیں کیا جاسکتا

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلْفَنَ مِنْ صَلَاحٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الصِّلَاحِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبَتْ نَفِيمَةٌ كَسَرَتْهُ وَإِنْ تَرَكَتْهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، اس لئے کہ وہ پہلی سے پیدا کی گئی ہیں جو ٹیڑھی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پہلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہذا اگر تم پہلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پہلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی اس لئے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی نے عورتوں کی خلقت و طبیعت کے بارہ میں دو بنیادی نکتے بیان کئے ہیں اول تو یہ کہ عورتوں کی اصل و بنیاد حضرت حوا ہیں جو حضرت آدم کی اوپر کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جو بہت زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے لہذا عورتوں کی اصل خلقت ہی میں ٹیڑھاپن ہے جسے کوئی درست نہیں کر سکتا دوم یہ کہ جس طرح پسلی کا حال ہے کہ اگر کوئی اسے سیدھا کرنا چاہے تو سیدھی نہیں ہوگی۔ بلکہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی ٹھیک اسی طرح عورتوں کا حال ہے کہ ان کی اصل خلقت ہی میں چونکہ اعمال و اخلاق کی کجی ہے اس لئے اگر مرد چاہیں کہ ان کی کجی کو درست کر دیں تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ اس کو توڑ ڈالیں گے (توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا)۔ لہذا عورتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کا کار آمد رہنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان کو ان کے خلقی ٹیڑھے پن پر چھوڑے رکھا جائے پس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ عورتوں کی اصلاح و درستگی کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت روی اور غیظ و غضب کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان کے ٹیڑھے پن کو درست کرنے کے لئے اگر سختی سے کام لیا جائے گا۔ اس کا انجام ان کی توڑ پھوڑ یعنی طلاق کی صورت میں ظاہر ہوگا جو ان عورتوں ہی کے لئے تباہی کا باعث نہیں ہوگا بلکہ خود اپنی زندگی کے لئے بھی نقصان دہ اور اضطراب انگیز ہوگا۔ اس لئے اپنی عورتوں کے ساتھ نرم معاملہ رکھو اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرو اور یہ طریقہ چھوڑ دو کہ وہ سب باتوں میں تمہاری مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق عمل کریں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا ٹیڑھاپن اگر روزمرہ کی گھریلو زندگی اور معاشرتی امور سے گزر کر گناہ و معصیت کی حدود میں پہنچ جائے تب بھی اس پر صبر کیا جائے بلکہ ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا اس وقت تک مناسب ہوگا۔ جب تک کوئی گناہ لازم نہ آئے۔ اگر گناہ لازم آئے تو پھر تغافل اور چشم پوشی بالکل مناسب نہیں ہوگی۔

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ فَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عَوَجٌ وَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِينُهَا كَسَرْتَ تَهَاوُ كَسَرْتَهَا طَلَّقَهَا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت کی اصل اور بنیاد یعنی اس کی ماں (حوا) چونکہ (حضرت آدم علیہ السلام) کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ (اس لئے تمہارے لئے کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ لہذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن ہی کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو (اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ) تم اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”ہرگز سیدھی نہیں ہوگی“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ کوئی عورت کسی ایک حالت پر ہمیشہ قائم رہے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی میں چونکہ کجی ہے اسی لئے اس کی حالت بدلتی بدلتی رہے گی کبھی شکر گزاری کی راہ چھوڑ کر ناشکری کا راستہ اختیار کرے گی کبھی طاعت و فرمانبرداری کے راستہ پر چلتے چلتے نافرمانی کی راہ پر پڑ جائے گی کبھی قناعت کو بالائے طاق رکھ کر طمع و حرص کے جال میں پھنس جائے گی غرضیکہ اسی طرح اس کے مزاج و عمل میں دوسرے تغیرات پیدا ہوتے رہیں گے۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی خصلت و عادت نا پسندیدہ ہوگی تو کوئی دوسری خصلت و عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کے تمام افعال و خصائل برے نہیں ہوتے بلکہ اگر اس کے کچھ افعال و خصائل برے ہوتے ہیں تو اس میں کچھ اچھی عادتیں اور اچھے خصائل بھی ہوتے ہیں لہذا ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی عورت کے ان اچھے افعال و اخلاق کو پیش نظر رکھے جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور جو افعال و اخلاق برے ہوں ان پر صبر و تحمل کرے گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو ان کی معیت میں خوشگوار و پر مسرت زندگی گزارنے کی کوشش کرو اور اگر ان کی طرف سے کوئی ایسی کوتاہی یا غلطی ہو جائے یا ان میں کوئی ایسی بری عادت و خصلت ہو جس سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف پر صبر کرو۔

اس حدیث میں ایک بہت بڑے لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بے عیب یار اور اپنے مزاج کے بالکل موافق ہاتھ نہیں لگا کرتا۔ اگر کوئی شخص بالکل بے عیب یار ڈھونڈنے لگے تو وہ ہمیشہ بے یار ہی رہے گا کیونکہ ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس میں کوئی عیب اور کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو اس طرح کوئی انسان خصوصاً مسلمان اچھے خصائل اور اچھی عادتوں سے بالکل بھی خالی نہیں ہوتا لہذا عقل کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔ کہ اس کے ان اچھے خصائل کو تو پیش نظر رکھا جائے اور برے خصائل سے چشم پوشی کی جائے۔

کبھی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْتَرْ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَاءُ لَمْ تَخُنْ أَنْفِي زَوْجَهَا الدَّهْرُ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سزا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان کی قوم بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے لئے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من و سلوی کا خوان نعمت اترا کرتا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ انہیں جتنی ضرورت ہو اسی کے بقدر اس میں سے لے لیا کریں ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ نہ کریں مگر وہ یہودی کیا جو اپنی کج فطرتی اور خدا کی نافرمانی سے باز آجائیں چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے حکم خداوندی کی نافرمانی کی اور اس خوان نعمت سے اپنی ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ کرنے لگے، مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوتا کہ جب وہ ذخیرہ کرتے تو وہ گوشت سبز جاتا تھا۔ چنانچہ یہ گوشت کا سزنا ان کے اس فعل بد یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد نہ کرنے اور محض حرص و طمع کی وجہ سے ذخیرہ کرنے کی سزا کے طور پر تھا اس کے بعد نظام قدرت نے ہمیشہ کے لئے گوشت کا سزنا لازم کر دیا لہذا اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل اس بری عادت میں مبتلا نہ ہوتے اور ان کو یہ سزا نہ ملتی تو گوشت سزنا نہ کرتا بلکہ جب تک لوگ چاہتے اسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھا کرتے۔

یہاں ”خیانت“ کے وہ معنی مراد نہیں ہیں۔ جو امانت و دیانت کی ضد ہے بلکہ ”خیانت“ سے ناراضی یعنی کبھی مراد ہے لہذا حضرت حوا کی کبھی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کا وہ درخت کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کبھی حضرت حوا سے سرزد ہو گئی تھی وہ ہر ایک عورت کی سرشت کا جزو بن گئی ہے اگر حضرت حوا سے یہ کبھی سرزد نہ ہوتی تو کسی بھی عورت میں کبھی کا خیر نہ ہوتا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ مجروری کا کوئی بھی برتاؤ نہ کرتی۔

عورت کو مارنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ وَفِي رَوَايَةٍ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّه يُضَاجِعُهَا فِي آخِرِ يَوْمِهِ ثُمَّ وَعَظَهُمْ

فِي ضَحْكِهِمْ مِنَ الضَّرْطِ فَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن زعمہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بددلی سے) مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) تم میں ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے حالانکہ (یہ نہیں سوچتا کہ) شاید وہ اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے ہم بستر ہو۔ پھر آپ ﷺ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس چیز پر کیوں ہنستا ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے جھکی لذت حاصل کرتا ہے اس کے لئے یہ بات کس طرح مناسب ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو دوسری طرف اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دردانہ سلوک کرے؟ اگرچہ اپنی بیوی کو اس کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی پر مارنے کی اجازت ہے لیکن اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح بے دردی سے اسے مارا پیٹا جائے یہ ایک غیر شرعی فعل ہی نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت بھی ہے! اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار و محبت اور اتفاق و سلوک کے ساتھ رہنا چاہئے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کسی ایسی عجیب بات پر ہنسنا تو اچھا معلوم ہوتا ہے جو عام طور پر نہ پائی جاتی ہو لیکن جب ایک چیز خود اپنے اندر موجود ہے تو پھر جب وہ کسی دوسرے سے سرزد ہوتی ہے۔ تو اس پر ہنسنے کا کیا موقع ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے تغافل کیا جائے تاکہ وہ نجات اور شرمندگی کر کے کبید خاطر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ پڑھنے کے قابل ہے کہ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں جن کا نام عہمؒ تھا یہ اگرچہ حقیقت میں بہرے نہیں تھے لیکن انہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو بہرہ بان رکھا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے ان کے پاس آئی جب وہ ان سے مسئلہ پوچھ رہی تھی تو اسی اثناء میں اس کی ریح خارج ہو گئی۔ عہمؒ نے سوچا کہ یہ عورت ذات ہے اب یہ بہت زیادہ شرمندگی و نجات محسوس کر رہی ہوگی لہذا انہوں نے اس کی شرمندگی و نجات دور کرنے کے لئے کہا کہ ذرا زور سے کہو کیا کہہ رہی ہو؟ گویا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اونچا سنتا ہوں وہ عورت بڑی خوش ہوئی اس نے بتایا کہ یہ تو بہرے ہیں انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اس طرح اس کی شرمندگی دور ہو گئی مگر عہمؒ نے پھر اپنی اس بات کو نباہنے کے لئے اپنے آپ کو ہمیشہ بہرا بنائے رکھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تنبیہ پوشیدہ ہے کہ ہر عقل مند انسان کو چاہئے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب گیری کا ارادہ کرے تو اپنے دل میں سوچے کہ آیا یہ عیب یا اسی طرح کا کوئی اور عیب میری ذات میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہ پائے تو پھر اس کے لئے اس مسلمان بھائی کی عیب گیری سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عیب سے پاک کرنے پر توجہ دے کسی مردودانہ کیا خوب کہا ہے کہ میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے عیوب کو تو دیکھ لیتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو عیوب ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔

اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبٌ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَبَّعْنَ مِنْهُ فَيَسْتَرْبِئُهُنَّ إِلَى فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں رسول کریم ﷺ کے ہاں گزریوں سے کھیلا

کرتی تھی اور میری ہجولیاں بھی میرے ساتھ کھیتی تھیں اور پھر جب رسول کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری ہم جولیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں گویا اس بات کا بیان ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ نہی خوشی رہنا اس کے جائز جذبات و شوق کا لحاظ رکھنا ایک بر مسرت زندگی کا بنیادی باب ہے جس کے بغیر انسان کو اطمینان و سکون کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ گریبوں سے کھیلنے کے بارہ میں جو حکم و تفصیل ہے۔ باب الولی میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

⑥ وَ عَنْهَا قَالَتْ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يُلْعَبُونَ بِالْحِزَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَرْزِي بِرِدَائِهِ لَا يُنْظَرُ إِلَيَّ بَعْضُهُمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُونُ أَنَا النَّبِيُّ أَنْصَرِفَ فَأَقْدِرُ وَأَقْدِرُ الْحَارِثِيَّةُ الْحَدِيثَةَ السِّنَّ الْحَرِيصَةَ عَلَى اللَّهِ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا (اور مجھے اچھی طرح یاد ہے) کہ رسول کریم ﷺ میرے حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی برچھیوں کے کرتب دکھا رہے تھے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کر رکھا تھا تاکہ میں بھی آپ ﷺ کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دیکھتی رہوں یہاں تک کہ آپ ﷺ اس وقت تک (پردہ کئے) کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے نہ ہٹ گئی اس سے تم اس عرصہ کا اندازہ کر لو جس میں ایک صغیر السن لڑکی جو کھیل تماشہ کی شائق ہو کھڑی رہ سکتی ہے (یعنی خیال کرو کہ خورد سال لڑکیاں کھیل تماشہ دیکھنے کی کتنی شائق ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک کھڑے رہنا بھی ان کے لئے ایک معمول بات ہوتی ہے چنانچہ میں بھی اس وقت جتنی دیر تک کھڑی رہی، آپ ﷺ بھی میری وجہ سے پردہ کئے کھڑے رہے، حاصل یہ کہ آپ ﷺ بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر مجھے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دکھاتے رہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مسجد“ سے مراد ”رجہ مسجد“ ہے جو مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا، یعنی وہ حبشی مسجد میں اپنا کرتب نہیں دکھا رہے تھے بلکہ مسجد سے متصل رجہ میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اگر نفس مسجد ہی مراد لی جائے یعنی یہ کہا جائے کہ ان کا کھیل کرتب مسجد ہی کے اندر ہو رہا تھا تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ان کا برچھیوں کا کرتب دکھانا گویا جہاد کی ایک علامتی مشق تھی لہذا تیر اندازی کی طرح ان کا یہ کھیل کرتب بھی عبادت کی مانند تھا، ایسے ہی ان کا کھیل دیکھنا بھی پسندیدہ تھا بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کی خوشی و ناخوشی کو کس طرح پہچانتے تھے

⑧ وَ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا أَعْلَمُ إِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً وَإِذَا كُنْتُ عَلَى غَضَبِي فَقُلْتُ مَنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ فَقَالَ إِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكَ تَقُولِينَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتُ عَلَى غَضَبِي قُلْتُ لَا وَرَبِّ ابْنِ أَبِي هَانِئٍ قُلْتُ أَجَلٌ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَهْجُزُ إِلَّا اسْمُكَ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ جس وقت تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں اور جب تم (کسی دنیوی معاملہ میں) مجھ سے ناراض ہوتی ہو (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے) تو مجھے وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ ”آپ ﷺ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اس طرح کہ) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو ”یہ بات نہیں ہے محمد ﷺ کے پروردگار کی قسم، اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ یہ

بات نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم (یعنی جب تم مجھ سے خفا ہونے کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو میرا نام نہیں لیتیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا پروردگار کہتی ہو) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ ”ہاں یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے، لیکن میں صرف آپ (ﷺ) کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں مغلوب العقل ہو جاتی ہوں اگرچہ میں آپ (ﷺ) کا نام نہیں لیتی مگر میرے دل میں آپ (ﷺ) کے لئے پیار و محبت کا جو دریا موجزن ہے اس کے تلاطم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی، بلکہ میرا دل آپ (ﷺ) کی محبت میں جوں کا توں مستغرق رہتا ہے۔

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضَبًا لَعْنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَضُحَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَتَأْبِي عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاحِطًا عَلَيْهَا حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے۔ اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے، جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو۔“

تشریح: یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو، کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔ ”صبح تک“ غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے ”صبح تک“ کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

”وہ جو آسمان میں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا حکم آسمانوں میں جاری ہے۔ یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یوں تو اللہ تعالیٰ زمین اور زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ۔

”اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔“

لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے زمین کی بہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کے لئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ ”وہ جو آسمان میں ہے“ سے فرشتے مراد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارہ میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی دنیوی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کی کتنی اہمیت ہوگی۔

کوئی عورت خواہ مخواہ اپنی سوکن کو جلانے کے کام نہ کرے

⑩ وَعَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي صَوْرَةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابَسٍ ثَوْبِي زُورٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہیں دی ہے تو کیا یہ گناہ ہے؟“ (یعنی میرا خاوند مجھے جو کچھ دیتا ہے اگر میں اپنی سوکن کو جلانے کے لئے اس کے سامنے اس چیز کو زیادہ کر کے بیان کروں کہ دیکھو مجھے تم سے زیادہ ملتا ہے تو کیا اس میں کوئی برائی ہے؟) آپ نے فرمایا ”(ہاں یہ بہت بری بات ہے کیونکہ) نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا دو جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دو کپڑوں سے مراد چادر اور تہبند ہیں اور جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے سے وہ شخص مراد ہے جو کسی کا مانگا ہوا یا کسی کی امانت کا کپڑا پہنے اور ظاہر یہ کرے کہ گویا وہ کپڑے اسی کے ہیں یا وہ شخص مراد ہے جو زہدوں اور بزرگوں کا لباس پہنے حالانکہ واقعہً اسے زہد و بزرگی سے کوئی نسبت نہ ہو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایسا قمیص و کرتہ پہنے جس کی آستینوں کے نیچے دو اور آستینیں لگی ہوئی ہوں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دو کپڑے پہن رکھے ہیں اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا جو محض اس لئے دو بہت عمدہ اور نفیس کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت و احترام کی نظر دیکھیں اور اگر وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو کوئی آدمی اس کی کسی گواہی کو جھوٹی نہ جانے لہذا حدیث میں اسی شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایلاء کا مطلب

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَلِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَكَانَتْ انْفَكَّت رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُوبَةٍ تِسْعًا وَعَشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعَشْرِينَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا اور اسی زمانہ میں آپ ﷺ کے پاؤں میں موج آگئی تھی چنانچہ آپ ﷺ انیس راتوں تک بالاخانہ ہی پر رہے پھر جب آپ ﷺ نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا (اور مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے پھر آپ انیس دن کے بعد کیوں اتر آئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ تیس دن کا بھی ہوتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: ”ایلاء“ کے لغوی معنی ہیں ”قسم کھانا“ اور اصطلاح شریعت میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس بات کی قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا یعنی اس سے جماع نہیں کروں گا اگر قسم پوری ہو جائے یعنی وہ شخص اپنی قسم کے مطابق چار مہینہ تک یا اس سے بھی زائد اس مدت تک جو اس نے متعین کی ہو، اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور اگر وہ قسم پوری نہ کرے یعنی اس مدت کے پوری ہونے سے پہلے ہی بیوی کے پاس چلا جائے تو ایلاء ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے یا جزاء لازم ہو جاتی ہے اور اگر کسی شخص کے نکاح میں کسی کی لونڈی ہو یعنی اس کی بیوی آزاد عورت نہ ہو بلکہ کسی کی لونڈی ہو اور وہ اس سے ایلاء کرے تو اس کی کم سے کم مدت بجائے چار مہینہ کے دو مہینہ ہوگی اور اگر کسی شخص نے آزاد عورت کے حق میں چار مہینہ سے کم اور لونڈی کے حق میں دو مہینہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں کہلائے گا

چنانچہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی طرف جس ایلاء کی نسبت کی گئی ہے وہ شرعی ایلاء نہیں ہے۔ بلکہ ایلاء لغوی مراد ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی بیویوں نے آپ ﷺ سے کچھ زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا تھا جس سے آپ ﷺ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں ان بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا انہیں دونوں میں یہ حادثہ پیش آیا کہ آپ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے پائے مبارک میں چوٹ آگئی پھر آپ ﷺ ایک مہینہ بالاخانہ ہی پر رہے نیچے نہیں آئے مگر وہ مہینہ غالباً اتیس دن کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اتیس پر اکتفا کیا اور نیچے تشریف لے آئے۔

آنحضرت ﷺ کے ایلاء کا واقعہ

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بِبَيْتِهِ لَمْ يُوْذَنْ أَحَدٌ مِنْهُمْ قَالَ فَادْنُ لِابْنِي بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ فَادْنُ لَهُ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهُ نِسَاءٌ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَا قَوْلُنَّ شَيْئًا أَضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوِ زَانَتْ بِنْتُ خَارِجَةَ سَأَلْتَنِي التَّفَقُّةَ فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَوَجِئْتُ عَنْقَهَا فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى يَسْأَلُنَنِي التَّفَقُّةَ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ يَحَا عَنْقَهَا وَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ يَحَا عَنْقَهَا كِلَاهُمَا يَقُولُ تَسْأَلِينَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ فَقُلْنَا وَاللَّهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ ثُمَّ اعْتَزَلْنَهُنَّ شَهْرًا أَوْ تِسْعًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ تَرَلْتُ هَذِهِ الْآيَةَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجُكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكَ أَمْرًا أَحَبُّ أَنْ لَا تَعْجِلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوَيْكَ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ قَالَتْ أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَشِيرِي أَبَوَيْ بَلْ اخْتَارَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالِدَارَ الْآخِرَةَ وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخْبِرَ أَمْرًا مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِي أَمْرًا مِنْهُنَّ إِلَّا اخْبَرْتُهَا إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَتَعَنَّنِي مَعْنَةً وَلَا مُتَعَنَّنًا وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مَيْسِرًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو ایک دن حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر لوگ جمع ہیں۔ اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی مگر حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں چلے گئے پھر حضرت عمر فاروقؓ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمرؓ (جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ آپ ﷺ کے ارد گرد آپ ﷺ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ اس وقت غلگین اور خاموش تھے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں) کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے۔ جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے روٹی پانی کا خرچ (معمول سے) زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں“ (حضرت عمرؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ) آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور پھر فرمایا کہ ”یہ (میری) عورتیں جنہیں تم میرے ارد گرد بیٹھی دیکھ رہے ہو مجھ سے (معمول سے) زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور اپنی صاحبزادی (حضرت عائشہؓ کی گردن پر مارنے لگے، اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی اپنی صاحبزادی) حضرت حفصہؓ کی گردن پر مارنے لگے اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) نے کہا کہ کیا تم آنحضرت ﷺ سے

اس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے (یعنی یہ بات لقمی غیر مناسب ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپ ﷺ سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو جس کو آپ ﷺ پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ آنحضرت ﷺ کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مرادف نہیں ہے؟) ان عورتوں نے کہا کہ ”(بے شک ہم نے بے جا مطالبہ کیا تھا جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے ہم عہد کرتی ہیں کہ) خدا کی قسم! اب ہم کبھی بھی آپ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو“ لیکن (آپ ﷺ) نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھائی تھی اس لئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے آپ ﷺ ایک مہینہ تک یا انیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے (اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا کہ حضرت جابرؓ نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا یا انیس دن کہا تھا) پھر یہ آیت: **قُلْ لَا زَوْجَ لَكَ مِنَ اللَّهِ مَا كُنْتَ إِحْسَنُ أَجْزًا عَظِيمًا** تک نازل ہوئی! حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا (کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ عقل مند اور افضل تھیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم (اس کا جواب دینے میں) جلدی نہ کرو بلکہ اس کے بارہ میں اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔“ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! فرمائیے وہ کیا بات ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے مذکور بالا آیت پڑھی، حضرت عائشہؓ نے (یہ آیت سن کر) کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ لوں (یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی تردد ہو جب کہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے) بلکہ میں نے اللہ اور اللہ کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا ہے (یعنی میں اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی و خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں کہ اسی میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے) مگر میں آپ ﷺ سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ اس وقت میں نے آپ ﷺ سے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی اور بیوی سے نہ کریں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ) اگر کوئی بیوی مجھ سے یہ پوچھے گی تو میں اس کے سامنے (ضرور) ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا کروں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں مخلوق خدا کو دین کے احکام سکھاؤں اور آسانی (یعنی دینی دنیوی راحت) سے ہم کنار کروں۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ اگر پردہ واجب ہو چکا ہو تو نہ حضرت عمرؓ اس طرح زنا و غلامہ میں عورتوں کے سامنے جاتے اور نہ عورتیں ان کے سامنے ہوتیں۔
 ”جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں“ اس سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ میں کوئی دلچسپ بات کہہ دوں جس سے آنحضرت ﷺ کا غم و ملال زائل ہو جائے اور آپ ﷺ خوش ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ مستحب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست و عزیز کو غمگین دیکھے تو وہ اس کے سامنے کوئی بات ذکر کرے جس سے وہ ہنس پڑے اور خوش ہو جائے اور خود بھی اس بات میں شریک ہو کر اپنا رنج و غم بھول جائے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے کسی صحابیؓ کو غمگین دیکھتے تو اس کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کے ذریعہ خوش کر دیتے تھے۔

حدیث میں جس آیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ إِن كُنْتَ تُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزُيْنَتَهَا فَتَعَالَى أَمْتُكَ إِنَّكَ سَرَّاحٌ حَمِيمٌ وَإِن كُنْتَ تُرِيدُ
اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (الاحزاب: ۳۳: ۳۴)

”اپنے پیغمبر ﷺ (آپ ﷺ) اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ (میں نے تو فخر کو اختیار کیا ہے) اگر تم (میرے فخر پر راضی نہیں ہو بلکہ دنیا کی (آرام و) زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو) مجھے بتادو اور) آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رخصت کر دوں (یعنی

ہیشہ کے لئے تم سے علیحدگی اختیار کر لوں) اور اگر تم (میرے فقر پر راضی ہو اور یہ) چاہتی ہو کہ تمہیں خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا مندی حاصل ہو اور جنت تمہارا ٹھکانا بنے تو (سن لو کہ) تم جو نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (یعنی تمہاری اس مشقت کے عوض جو تمہیں میری فقر و فاقہ کی زندگی کی رفیق بننے میں اٹھانی پڑے گی اللہ تعالیٰ تمہیں بے اندازہ اجر و ثواب عطا کرے گا۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا اور ان کے سامنے اس آسمانی ہدایت کو رکھنے سے پہلے ان پر واضح کر دیا کہ میں تمہارے سامنے جو ہدایت و ضابطہ رکھنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کا حکم اس لئے دیا کہ حضرت عائشہؓ اگرچہ سب سے زیادہ سمجھدار اور عقل مند تھیں مگر بہر حال صغیر السن تھیں آپ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ کہیں عائشہؓ کم عمری کے جذبات میں نہ بہہ جائیں اور وہ دنیا کی عیش و عشرت کی خاطر مجھے چھوڑ کر آخرت کی ابدی سعادتوں سے منہ نہ موڑ لیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے صرف عائشہؓ ہی کو نقصان اور تباہی سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا، بلکہ ان کے والدین کو بھی سخت اذیت اور تکلیف پہنچے گی لیکن اگر اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کریں گی تو وہ انہیں وہی صلاح دیں گے جو ان کی دنیا اور ان کے دین کی بھلائی اور بہتری کے مطابق ہوگی۔ مگر یہ حضرت عائشہؓ کی فطری سعادت کی بات تھی کہ انہوں نے اپنے والدین کے مشورہ کے بغیر اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں دنیا کی آرام دہ زندگی پر آخرت کی ابدی سعادتوں کو ترجیح دیتی ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی و منشا ہی کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ جو درخواست کی کہ میں نے آپ ﷺ کو جو کچھ جواب دیا ہے وہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی سے ذکر نہ کریں تو ان کا یہ خیال تھا کہ شاید اس موقع پر کوئی بیوی آپ ﷺ کے فقر پر راضی نہ ہو کہ دنیا کی آرام دہ زندگی کے لئے آپ ﷺ سے علیحدہ ہو جائے اس لئے انہوں نے سوچا کہ اگر کسی بیوی کو میرے اس ایمان و یقین سے بھرپور فیصلہ کا علم ہوا تو شاید اسے بھی راہنمائی مل جائے اور وہ بھی ایسا ہی فیصلہ کرے لیکن اگر میرے اس فیصلہ سے لاعلمی رہے گی تو بہت ممکن ہے کہ کوئی بیوی دنیا کے عیش و آرام کو آنحضرت ﷺ کی پر مشقت رفاقت پر ترجیح دے اس لئے اچھا ہی ہوگا اگر کوئی بیوی آنحضرت ﷺ کے نکاح سے نکل جائے گویا حضرت عائشہؓ کی اس خواہش کا محرک آنحضرت ﷺ سے ان کی وہ بے پناہ محبت تھی جس میں وہ کسی دوسری عورت کو شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ لیکن بہر حال رسول کریم ﷺ کی نظر میں تمام بیویوں کی بھلائی و برائی یکساں حیثیت رکھتی تھی، آپ ﷺ یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ایک بیوی تو آخرت کی سعادتوں سے نوازی جائے اور دوسری بیوی دنیا کو اختیار کر کے تباہی کے راستہ پر لگ جائے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ مجھ سے جو بھی بیوی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا کیونکہ اس کی بھلائی اسی میں پوشیدہ ہے اگر میں کسی کو نہ بتاؤں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس کے تئیں شفقت کا رویہ نہیں اپنایا اور اس کو وہ راستہ نہیں دکھایا جو اس کی راحت، اس کی بھلائی اور اس کا اخروی فلاح کے لئے ضروری ہے حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں لوگوں کے حق میں بدخواہی کروں یا کسی کو تکلیف و مصیبت اور رنج و غم میں مبتلا کروں اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ کائنات انسانی کے ہر فرد کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی تعلیم دوں اور ہر انسان کو اس کے دینی و دنیاوی معاملات میں آسانی و سہولت کی راہ دکھاؤں۔

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّائِنِ وَهَبَنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنْ ابْتَغَيْتِ مِمَّنْ عَزَلْتُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَا أَرَى رَبِّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جو اپنے نفس کو رسول اللہ ﷺ کے لئے بہہ کر دیتی تھیں

چنانچہ میں کہا کرتی تھی کہ کوئی عورت اپنا نفس بہہ کر سکتی ہے؟ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ”(اے محمد ﷺ) ان عورتوں میں سے جس کو آپ (ﷺ) چاہیں علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن عورتوں کو آپ (ﷺ) نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے بھی کسی کو آپ بلائیں تو کوئی گناہ نہیں“ تو میں نے (آنحضرت ﷺ) سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کی مرضی و خواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جو عورتیں اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو بہہ کر دیتی تھیں ان کو حضرت عائشہؓ اس لئے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں کہ کسی عورت کا اپنے نفس کو کسی غیر مرد کو بہہ کر دینا گویا عورت کی عزت و شرف کے منافی ہے اور اس کی حرص و قلت حیا پر دلالت کرتا ہے اگرچہ جو عورتیں آنحضرت ﷺ کو اپنا نفس بہہ کر دیتی تھیں ان عورتوں کے نقطہ نظر سے اور واقعہً بھی ان کا یہ بہہ ان کے لئے باعث عزت ہوتا تھا جسے وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔

”کوئی عورت اپنا نفس بہہ کر سکتی ہے“ حضرت عائشہؓ یہ بات ان عورتوں کے بہہ کی مخالفت میں کہا کرتی تھیں جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کسی عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس کسی غیر مرد کو بہہ کر دے اور ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ کیا عورت اپنا نفس بہہ کرتے ہوئے کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتی؟

مذکورہ آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ (ﷺ) اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنا ہم بستر بنائیں اور جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ (ﷺ) اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیں یعنی طلاق دے دیں اور یا یہ مطلب ہے کہ آپ (ﷺ) اپنی اُمت کی عورتوں میں جس سے چاہیں نکاح کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں۔

اور امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل اس آیت لَا يَجِلُّ لَكَ التَّسَاءُ مِنْ بَعْدِ ذِي نَاحٍ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک آپ (ﷺ) کے لئے ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی عورتیں مباح رکھی تھیں۔

مشہور مفسر امام بغویؒ یہ فرماتے ہیں کہ (حدیث میں مذکورہ آیت کے بارہ میں) سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت دراصل آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی باری کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا پہلے آنحضرت ﷺ پر بھی واجب تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ وجوب آپ کے حق میں ساقط ہو گیا اور آپ (ﷺ) کو اختیار مل گیا کہ اپنی بیویوں کو آپ (ﷺ) نے باری سے الگ کر دیا ہے اور ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس ملانا اور ہم بستر ہونا چاہیں تو آپ (ﷺ) ایسا کر سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُمت کے دوسرے مردوں پر آپ (ﷺ) کی فضیلت و برتری ظاہر کرتے ہوئے اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنے کے حکم پر عمل نہ کرنا آپ (ﷺ) کے لئے مباح کر دیا کہ جس بیوی کے بارہ میں آپ (ﷺ) کی خواہش ہو اسے آپ (ﷺ) اس کی باری کے علاوہ بھی اپنا ہم بستر بنا سکتے ہیں اور اگر آپ (ﷺ) اپنی کسی بیوی کو اس باری میں بھی اپنے پاس سلانا نہ چاہیں تو آپ (ﷺ) کے لئے اس کی بھی اجازت ہے۔

مَا أَرَىٰ رَبَّنَا الْخَ کے معنی یہ ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ (ﷺ) جس چیز کی خواہش کرتے ہیں آپ (ﷺ) کا پروردگار اسے جلد پورا کر دیتا ہے۔ علامہ نوویؒ کہتے ہیں اس بات سے حضرت عائشہؓ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بعض احکام کی پابندی کو آپ (ﷺ) کے حق میں نرم کر دیتا ہے اور آپ (ﷺ) کو اس پر عمل نہ کرنے کی آسانی فرما دیتا ہے اسی لئے مذکورہ بالا معاملہ میں بھی آپ (ﷺ) کو اپنی مرضی و خواہش کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون خاتون تھیں جنہوں نے اپنا نفس آپ (ﷺ) کو بہہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ حضرت میمونہؓ تھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت اُمّ شریکؓ تھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ تھیں اور

بعض نے کہا ہے کہ خولہ بنت حکیم تھیں لیکن اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایک خاتون نہیں تھیں بلکہ وہ کئی عورتیں تھیں:

وَحَدَّثَنَا جَابِرٌ اَتَقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ ذِكْرٌ فِي قِصَّةِ حَجَّةِ الْوُدَّاعِ-

”اور حضرت جابرؓ کی حدیث اَتَقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ الخ حجة الوداع کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسن معاشرت

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْنَاهُ فَسَبَقْنَاهُ عَلَى رَجُلَيْنِ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَسَابَقْنَاهُ فَسَبَقْنِي قَالَ هَذِهِ بَيْتُكَ السَّبَقَةِ- (رواه البوداذ)

”حضرت عائشہؓ جو ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں، کہتی ہیں کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے پیروں کے ذریعہ دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا) اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی پھر جب میں (عرصہ دراز کے بعد) فریہ ہو گئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آنحضرت ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا لہذا دونوں برابر رہے)۔“ (البوداذ)

تشریح: ”اپنے پیروں کے ذریعہ“ سے اس بات کو مؤکد کرنا مقصود ہے کہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں دوڑی تھی بلکہ اپنے پیروں پر دوڑی تھی چنانچہ طبریؒ نے یہی فرمایا ہے کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

یہ روایت اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک مثال ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ ایک مسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور ہنس مکھ تھے۔ نیز اس روایت میں اُمت کے لئے بھی یہ سبق ہے کہ اپنی عائلی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے اس حسن معاشرت کی پیروی کی جائے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار و محبت کے ساتھ رہا جائے۔

قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ سابق یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے اونٹ میں، گھوڑے فخر میں، تیر اندازی میں اور پیادہ پا چلنے دوڑنے میں۔ نیز یہ مقابلہ اگر کسی شخص سے کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ ایسی صورت میں جائز ہو گا جب کہ دونوں مقابل میں سے صرف ایک طرف سے شرط ہو یعنی مثلاً زید اور بکر کے درمیان مقابلہ ہوا اور زید بکر سے یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو میں اتنے روپیہ یا فلاں چیز لے لوں گا۔ اور اگر میرے مقابلہ میں تم جیت گئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور اگر دونوں طرف سے شرط ہو یعنی دونوں مقابل ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط کریں کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جیت جائے گا اسے اتنے روپے یا فلاں چیز ملے گی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ جو ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر دونوں مقابل ایک محلل کو (یعنی دونوں کی شرط حلال کرانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے میں شامل کریں تو اس صورت میں دونوں طرف سے شرط بھی جائز ہو جائے گی، محلل کو اپنے میں شامل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اور بکر آپس میں یہ شرط کریں کہ ہماری باہمی دوڑ میں ہم دونوں سے جو بھی آگے نکل جائے گا تو اتنے روپے یا فلاں چیز اسے مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک تیسرے شخص مثلاً خالد کو بھی اپنی دوڑ میں شامل کر لیں اور یہ طے ہو جائے کہ اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد آگے نکل جائے گا تو

اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہذا یہ صورت جائز ہے اور حلال ہے لیکن جائز ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں جیتنے والے کو جو چیز ملے گی وہ اس کے حق میں حلال اور طیب مال ہو گا نہ یہ کہ وہ اس چیز کا شرعی طور پر کوئی استحقاق رکھے گا کیونکہ شریعت کی نظر میں جیتنے والا محض اس مقابلہ سے اس روپیہ پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا دوڑ کے انعامی مقابلے جائز ہیں یعنی کسی فرد یا ادارہ کی طرف سے بطور انعام کچھ روپے یا کوئی چیز مقرر کر کے دوڑنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی آگے نکل جائے گا اسے یہ روپے یا چیز دی جائے گی فقہاء نے اسے جائز کہا ہے۔

اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَذَعُوهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى قَوْلِهِ لِأَهْلِي۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) بچوں، اقرباء اور خدمت گاروں کے حق میں بہترین ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم میں بہترین ہوں (یعنی اپنے اہل و عیال سب جتنا بہتر سلوک میں کرتا ہوں اپنے اہل و عیال کے ساتھ اتنا بہتر سلوک تم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا صاحب مر جائے تو اس کو چھوڑ دو“ (ترمذی و دارمی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے لفظ ”لأهلي“ تک نقل کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور خدا کی مخلوق کے نزدیک تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اپنے بچوں، اپنے عزیزوں و اقارب اور اپنے خدمت گاروں و ماتحتوں کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرتا ہے کیونکہ اس کا بھلائی اور اچھا سلوک کرنا اس کی خوش اخلاقی و خوش مزاجی پر دلالت کرتا ہے۔

”اور جب تمہارا صاحب مر جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز و رشتہ دار یا دوست وغیرہ مر جائے تو اس کی برائیوں کو ذکر کرنا چھوڑ دو۔ گویا اس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم مقصود ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی غیبت نہ کرو۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ”اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو“ یعنی صرف ان کی خوبیاں ہی ذکر کرو ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔

بعض علماء نے اس جملہ کی یہ مراد بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی محبت اور اس کی موت پر رونا دھونا چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ اب اس کے ساتھ تمہارا کوئی جسمانی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جملہ میں ”صاحب“ سے اپنی ذات مبارک مراد رکھی ہے جس کا مطلب اُمت کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم تاسف اور تحیر و اضطراب کا اظہار نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے جس ذات پاک نے میری حیات کو تمہاری ہدایت و سعادت کا ذریعہ بنایا تھا، وہی ذات پاک میرے انتقال کے بعد بھی تمہیں اسی ہدایت و سعادت پر قائم رکھے گی۔

بعض حضرات نے اس جملہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم مجھے چھوڑے رکھنا یا اس معنی کہ میرے اہل بیت، میرے صحابہ اور میری شریعت کے متبعین یعنی علماء و اولیاء کو ایذا پہنچا کر مجھے ایذا پہنچانے کا سبب نہ بننا کیونکہ اگر تم انہیں تکلیف و ایذا پہنچاؤ گے تو ان کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت

(۱۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاحْتَصَنَتْ

فَرَجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ - وَرَأَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْجَلِيلَةِ -

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے) یہ بشارت ہے کہ وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے“ اس روایت کو ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں نقل کیا ہے۔“

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ امْرَأًا أَحَدًا أُنِ يَسْجُدُ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِرَوْجِهَا - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت و تاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری واجب ہے۔

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت

(۱۸) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَرَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی و خوش ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“ (ترمذی)

تشریح: جو شوہر عالم و متقی ہو اس کی رضامندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے، فاسق و جاہل شوہر کی رضامندی خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

شوہر کی اطاعت کرو

(۱۹) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَاتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنَوُّدِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت طلق ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: ”اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلائے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چولہے کے پاس ہو اور روٹی تو بے ڈال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لئے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی

فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةً زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْخَوَرِ الْعَيْنِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتِلُكَ اللَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَخِيلٌ يُؤْشِكُ أَنْ يُفَارِقَكَ الْيَتِيمَا - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت معاذؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا“ (ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لَعْنُ الْمَلَائِكَةِ لِعَاصِيَةِ الزَّوْجِ یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ بلاء اعلیٰ یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آجاتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا حق

(۲۱) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقُّ زَوْجَةٍ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تَنْظِعَ مَهْجَهَا إِذَا طَعِمَتْ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تُضْرِبَ الْوَجْهَ وَلَا تُقْبِحَ وَلَا تَهْجُرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ - (رواه احمد والبوداؤد وابن ماجه)

”اور حضرت حکیم ابن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی جس طرح تم کھاؤ پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔) اس کے منہ پر نہ مارو نہ اس کو برا کہو اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے اور اس سے صرف گھر کے اندر رہی علیحدگی اختیار کرو۔“ (احمد، البوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: بطور خاص منہ پر نہ مارنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تمام اعضاء میں منہ ہی افضل ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی معقول وجہ کی بنیاد پر مثلاً فواحش کے صدور پر یا فرائض ترک کر دینے پر اور یا مصلحت تادیب کے پیش نظر منہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر مارے تو جائز ہے اور منہ پر مارنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

خاوند اپنی بیوی کو تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرد و عورت انسانی نقطہ نظر سے یکساں مرتبہ کے حامل ہیں اور اسلام کی نظر میں عورت کو بھی وہی شرف و مرتبہ حاصل ہے جو ایک مرد کو ہوتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک دوسرے کے رفیق حیات بن جاتے ہیں تو ان دونوں کی شرعی اور معاشرتی حیثیت میں تھوڑا سا فرق ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ خاوند کو قدرتی طور پر ایک مخصوص قسم کی برتری حاصل ہو جاتی ہے جس کا تعلق انسانی شرف و مرتبہ کے فرق و امتیاز سے نہیں ہوتا بلکہ ان کے باہمی رشتہ کے تقاضوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے ہوتا ہے چنانچہ شوہر اپنی اسی مخصوص برتری کی بنیاد پر بیوی کو ان معاملات میں اپنے حکم کا پابند بنانے کا اختیار رکھتا ہے جن کا شریعت نے اسے استحقاق عطا کیا ہے یا جن کا تعلق شرعی فرائض و واجبات

کی ادائیگی سے ہے لہذا اگر کوئی بیوی ان معاملات میں اپنے شوہر کے حکم کی پابندی نہ کرے اور شوہر کے کہنے سننے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو، یعنی زبانی نصیحت و تنبیہ کا کوئی اثر قبول نہ کرتی ہو اور شوہر کو یقین ہو جائے کہ اب یہ بغیر سختی کے راہ راست پر نہیں آئے گی تو اسے بیوی کو مارنے کی اجازت ہوگی لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے۔ کہ بیوی کی ایسی نافرمانی کہ جس پر اس کا شوہر اس کو مار سکتا ہے صرف انہی امور میں معتبر ہوگی جن کی شریعت نے وضاحت کر دی چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو چار باتوں پر مار سکتا ہے۔

❶ شوہر کی خواہش و حکم کے باوجود بیوی زینت و آرائش نہ کرے۔

❷ شوہر جماع کا خواہش مند ہو مگر بیوی کوئی عذر (جیسے حیض وغیرہ) نہ ہونے کے باوجود انکار کر دے۔

❸ اسلامی فرائض جیسے نماز پڑھنا چھوڑ دے، جنابت و ناپاکی کے بعد بیوی کا نہ نہانا بھی ترک فرائض کے حکم میں ہے یعنی اگر بیوی ناپاکی اور حیض کا غسل کرنے سے انکار کرتی ہو تو شوہر اس پر بھی مار سکتا ہے۔

❹ بیوی کو اپنے شوہر کی اجازت و رضامندی کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کی کسی نافرمانی یا اس کی کسی بات پر ناراضگی کی وجہ سے اس سے جدائی اختیار کرنے ہی میں مصلحت ہو تو ہمیشہ کے لئے جدائی اختیار کرنے کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنے بستر پر اس سے جدائی اختیار کر لو یعنی ان کے ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اور رات کو گھر میں نہ رہو تاکہ وہ تمہارے اس طرز عمل کو اپنے حق میں سزا سمجھ کر راہ راست پر آجائے اور ہمیشہ کی جدائی یعنی طلاق کی نوبت نہ آئے چنانچہ قرآن کریم میں اس بات کو یوں فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّتَيْنِ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ط - (النساء: ۳۴)

”اگر جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی (یعنی نافرمانی) کا احتمال ہو تو ان کو (پہلے) زبانی نصیحت کرو اور پھر ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔ (یعنی ان کے پاس مت لیٹو) اور (پھر اعتدال سے) ان کو مارو۔“

بد زبان بیوی کو طلاق دے دو

❷ (۲۲) وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي امْرَأَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبِدَاءَ قَالَ طَلَّقْهَا قُلْتُ إِنَّ لِي مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عَظْمًا فَإِنَّكَ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضُرُّ بَنَ طَعِينَتِكَ ضَرْبُكَ أُمِّيَّتِكَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت لقیط ابن صبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک عورت ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ زبان دراز ہے اور فحش بکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ (اگر تم اس کی زبان درازی اور فحش گوئی کی ایذا پر صبر نہیں کر سکتے تو بہتر یہ ہے کہ تم اس کو طلاق دے دو) گویا آپ ﷺ نے یہ حکم بطور اباحت دیا میں نے عرض کیا کہ اس (کے بطن) سے میرے ہاں اولاد ہے اور اس کے ساتھ (پرانی رفاقت اور) صحبت ہے (اس لئے) اس کو طلاق دینا بھی میرے لئے مشکل ہے (آپ ﷺ نے فرمایا) ”تو پھر اس کو حکم کرو، یعنی اس کو زبان درست کرنے اور اپنی عادات و اطوار ٹھیک کرنے کی نصیحت کرو، اگر اس میں کچھ بھی بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت کو قبول کر لے گی اور اس کو لونڈی کی مار نہ مارو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: يَقُولُ عَظْمًا کے الفاظ راوی کے ہیں جن کے ذریعہ وضاحت مقصود ہے کہ اس ارشاد فَمُرْهَا (تو پھر اس کو حکم کرو) سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اس کو نصیحت کرو۔

حدیث کے آخری جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو زبانی نصیحت و تنبیہ کے ذریعہ زبان درازی اور فحش گوئی سے باز

رکھنے کی کوشش کرو اگر اس پر زبانی نصیحت و تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کو مارو لیکن بے رحمی کے ساتھ نہ مارو بلکہ ہلکے سے اور تھوڑا سا مارو۔

عورتوں کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ إِبْنِ عَبَّادٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَنُوبُ النِّسَاءِ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ فَرِخْصٌ فِي ضَرْبِهِنَّ فَأُطَافَ بِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءً كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِأَنَّ مُحَمَّدًا نِسَاءً كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أَوْلَيْكَ بِخِيَارِ كُمْ۔ (رواه البوداؤد وابن ماجہ والداری)

”اور حضرت ایسا ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ”خدا کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو۔“ پھر (اس حکم کے کچھ دنوں بعد) حضرت عمرؓ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (آپؐ) نے چونکہ عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اس لئے عورتیں اپنے خاوند پر دلیر ہو گئی ہیں آپؐ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت عطا فرمادی، اس کے بعد بہت سی عورتیں رسول کریمؐ کی ازواجِ مطہرات کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے خاوندوں کی شکایت کی (کہ وہ ان کو مارتے ہیں) رسول کریمؐ (کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ) نے فرمایا محمدؐ (کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر آئی ہیں، یہ لوگ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہے۔“ (البوداؤد، ابن ماجہ، دارقوتی)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو بہت مارتے ہیں یا مطلق مارتے ہیں تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں بلکہ بہتر لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کو نہیں مارتے ان کی ایذا اور تکلیف دہی پر صبر و تحمل کرتے ہیں یا ان کو اتنا زیادہ نہیں مارتے جو ان کی شکایت کا باعث ہو بلکہ بطور تادیب تھوڑا سا مارتے ہیں۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے حقوق نکاح کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس کو مارنا مباح ہے لیکن بہت نہیں مارنا چاہئے۔

پچھلے صفحات میں حضرت حکیم ابن معاویہؒ کی جو روایت (۲۰) گزری ہے اور اس کی تشریح میں جو آیت نقل کی گئی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تادیب اپنی بیویوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس روایت سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟ گویا دونوں میں بظاہر تضاد و تعارض معلوم ہوتا ہے لہذا اس تضاد و تعارض کو حضرت امام شافعیؒ سے منقول اس وجہ تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع کیا ہو گا پھر جب عورتیں شوہروں پر غالب ہو گئیں اور ان کی جرات و دلیری بڑھ گئی تو آپؐ نے ان کو مارنے کی اجازت دے دی اور آپؐ کے حکم کی توثیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب عورتوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی کہ ان کے خاوند ان کو بہت مارتے ہیں۔ تو آپؐ نے اعلان کیا کہ اگرچہ بیوی کی بد اطواری پر اس کو مارنا مباح ہے لیکن اس کی بد اطواری پر صبر و تحمل کرنا اور ان کو نہ مارنا ہی بہتر اور افضل ہے۔

بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بہکانے کی مذمت

(۲۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِمَّا مِنْ حَبِّ امْرَأَةٍ عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى نَسِيدِهِ۔ (رواه البوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ”وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے

خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بدراہ کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: کسی بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے مالک کے خلاف گمراہ کرنا انتہائی نازیبا فعل ہے، چنانچہ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے جو کسی بیوی کا دل اس کے خاوند کی طرف سے برا کرے مثلاً بیوی کے سامنے اس کے خاوند کی برائی کرے یا اس کے سامنے کسی اجنبی شخص کی خوبیاں اور بڑائیاں بیان کرے۔ یا اس کو بہکائے کہ اپنے خاوند سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کرو، یا اپنے شوہر کی خدمت و اطاعت نہ کرو، اسی طرح کسی غلام و نوکر کو بہکائے کہ تم اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ یا اس کی خدمت میں کوتاہی کرو۔ اسی طرح بیوی کے خلاف خاوند کو یا لونڈی کو اس کے مالک کے خلاف یا مالک کو اس کے غلام و لونڈی کے خلاف بہکانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

اپنے اہل و عیال کے حق میں کمال مہربانی، کمال ایمان کی دلیل ہے

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَالْأَطْفَهُمْ بِأَهْلِهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: خوش اخلاق اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان مسلمان کو کامل ترین مومن اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کمال ایمان، خوش اخلاقی اور مخلوق خدا بالخصوص اپنے اہل و عیال کے حق میں سراپا مہربان و خوش اخلاق ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَخَيْرُكُمْ خَيْرًا لِنِسَائِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ إِلَى قَوْلِهِ خُلُقًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو ان میں بہت زیادہ خوش اخلاق ہو (یعنی پوری مخلوق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے) اور تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے (کیونکہ عورتیں اپنے معزو کمزوری کی بناء پر زیادہ مہربانی اور مروت کی مستحق ہیں) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نیز امام ابوداؤدؒ نے اس روایت کو لفظ خُلُقًا تک نقل کیا ہے۔“

حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ایک پُر لطف واقعہ

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ أَوْ خَيْبَرَ وَفِي سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِجْلَ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لَعِبَ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِي وَرَأَى بَيْنَهُنَّ فَرْسَالَهُ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هَذَا الَّذِي أَرَى وَسَطَهُنَّ؟ قَالَتْ فَرْسٌ قَالَ وَمَا الَّذِي عَلَيْهِ قَالَتْ جَنَاحَانِ قَالَ فَرْسٌ لَهُ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ أَمَا سَمِعْتَ أَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلًا لَهَا أَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَصَحَّحْتُ حَتَّى رَأَيْتُ نَوَاجِدَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس گھر تشریف لائے تو (اس وقت) ان کے (یعنی عائشہؓ کے) گھر کے درِ پچ پر پردہ پڑا ہوا تھا، جب ہوا چلی تو اس پردہ کا ایک کونہ کھل گیا جس نے عائشہؓ کے کھیلنے کی گولیاں نظر آئیں (جو اس درِ پچ میں رکھی ہوئی تھیں) آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ”عائشہؓ یہ کیا ہے“ عائشہؓ نے کہا کہ ”یہ میری گولیاں ہیں“ ان گولیوں میں آنحضرت ﷺ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے یا کاغذ کے دوپرتے چنانچہ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان گولیوں کے درمیان جو

چیزیں دیکھ رہا ہوں یہ کیا بات ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ”کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو گھوڑے تھے ان کے پر تھے“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (میرا یہ جواب سن کر) ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی کچلیاں دیکھیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”تبوک یا حنین“ میں حرف یا راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے یعنی راوی کو یقین کے ساتھ یاد نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس موقع پر غزوہ تبوک کا ذکر کیا تھا یا غزوہ حنین کا؟

”تبوک“ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۲۶۵ میل کے فاصلہ پر دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر واقع ہے ۹ھ میں نبی کریم ﷺ یہاں فوج لے کر گئے تھے لیکن دشمن کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اس لئے جنگ نہ ہو سکی۔

”حنین“ ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے راستہ میں واقع ہے اس کو وادی اوطاس بھی کہا جاتا ہے ۸ھ میں فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد مشہور ”غزوہ حنین“ یہیں ہوا تھا۔ گزلیوں سے بچیوں کے کھیلنے کا جو شرعی حکم ہے اس کی تفصیل باب الولیٰ میں گزر چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں

(۲۸) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَيْتُ الْحِجْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمُزْرَبَانَ لَهُمْ فَقُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ الْحِجْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمُزْرَبَانَ لَهُمْ فَانْتَحَقُّ بَأَنِّي يُسْجَدُ لَكَ فَقَالَ لِي أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتُ بِقَبْرِى أَكُنْتُ تَسْجُدُ لَهُ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ أَهْرَ أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ التَّسَاءُ أَنْ يُسْجَدَ لَأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

”حضرت قیس ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں (کوفہ کے قریب ایک شہر) حیرہ پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ رسول کریم ﷺ بہت زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، لہذا آپ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے بتاؤ اگر تم میری قبر پر جاؤ تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا (تو پھر میری زندگی میں بھی) ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا (بہت زیادہ) حق مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد) اس روایت کو احمدؒ نے بھی معاذ ابن جبلؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: حضرت قیس ابن سعدؓ نے جب حیرہ میں لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ لوگ اپنے سردار کی عظمت و مرتبہ کے پیش نظر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو کائنات انسانی میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے زیادہ عظمت و مرتبہ کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے تو کیوں نہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ ان کے اس خیال نے بارگاہ رسالت میں عرض کی صورت اختیار کر لی جہاں اس عرض کو بڑے لطیف انداز میں رد کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کی پیشانی اتنی مقدس ہے کہ وہ نہ صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ ریز ہو سکتی ہے کسی مخلوق کے سامنے نہیں بھلا کتنی خواہ وہ مخلوق کتنی ہی باعظمت و بافضیلت ذات

کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ (فصلت: ۳۱)

”نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔“

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْتَلُّ الرَّجُلُ فِيمَا ضَرَبَ مَرْأَتَهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر مرد اپنی عورت کو کسی (معقول) چیز پر مارے تو قابل مواخذہ نہیں ہوتا۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”قابل مواخذہ نہیں ہوتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔
لفظ علیہ کی ضمیر مجرور حرف ماکہ طرف راجع ہے اور ما سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ الْخ میں مذکور ہے لہذا اس جملہ ”اس چیز پر مارنے“ کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا۔

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

(۳۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ زَوْجِي صَفْوَانُ بْنُ الْمُعْطَلِ يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ وَيَقْطُرُنِي إِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّيُ الْفَجْرَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَفْرَأُ بِسُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتْ سُورَةٌ وَاحِدَةً لَكَفَّتِ النَّاسَ قَالَ وَأَمَا قَوْلُهَا يَقْطُرُنِي إِذَا صُمْتُ فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُومُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أَصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَلِكَ لَنَكَاذُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَضَتْ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن معطل، جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت پڑھتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی یہ شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوان آنحضرت کے پاس ہی موجود تھے ارادی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارہ میں پوچھا تو صفوان نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (بسی بسی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (بسی بسی سورتیں پڑھنے) سے منع کیا ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صفوان کی تصدیق کے لئے فرمایا ”(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہوتا ہے“ پھر صفوان نے کہا ”اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا، اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو میں صبر نہیں کر سکتا“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت

اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے۔“ (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا نکل چکا ہوتا ہے) آپ ﷺ نے (یہ عذر سن کر) فرمایا کہ ”صفوان! جس وقت آنکھ کھلے نماز پڑھ لو۔“ (البودادۃ، ابن ماجہ)

تشریح: صفوانؓ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں بڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے لہذا آپ ﷺ نے ان کے عذر کے بناء پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جاگو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

③۱ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ بَعْضُ بَنِي سَجْدَةَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَتَحُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَارْتَكِبُوا أَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَا مَرَّةَ الْمَرْأَةِ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ أَمَرَهَا أَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ أَصْفَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَيْضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَهُ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (جب) چوپایہ (جانور) اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں (جو نا سمجھ ہیں اور آپ ﷺ کی تعظیم و احترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زبردست کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے۔“ (احمد)

تشریح: ”اپنے پروردگار کی عبادت کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ دراصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا معبود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندگی میں شریک کرنا چاہتے ہو، حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی ظلمت سے نکال کر خدا کے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے جھکنا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبِيَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادَ لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ۔ (ال عمران ۷۹:۳)

”کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب، دین کا فہم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو کہنا چاہئے کہ اے لوگو! تم اللہ والے بن جاؤ۔“

جہاں تک آپ ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی خلیجان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت (یعنی عادت اور قانون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہونے) کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کر دینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فعل میں آنحضرت ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور محض تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

”اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت و محبت کا بس اتنا تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔

پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت و دوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں پائے جاتے لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت ترین حکم بھی دے تو بیوی کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی

(۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تَصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةُ الْعَبْدُ الْأَبْقَى حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَوْلَانِهِ فَيَضَعُ يَدَهُ فِي أَيْدِيهِمْ وَالْمَرْأَةُ السَّاحِظُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسَّكَرَانُ حَتَّى يَصْحُورَ وَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شَعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھگا ہوا غلام جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ دے (یعنی جب تک واپس آکر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے۔ اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ باز، جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”مالکوں“ یعنی جمع کے صیغہ میں گویا مالک اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے کہ غلام کو صرف اپنے مالک ہی کی نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی وفاداری کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں لفظ زوجہا کے بعد حَتَّى يَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک پوری طرح قبول نہیں ہوتی اور اس کی کوئی نیکی اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے خوش نہ ہو جائے اس روایت میں ان الفاظ کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ مفہوم خود بخود واضح ہے اور مراد یہ ہے کہ یا تو اس کا خاوند اس سے خوش ہو جائے یا اس کو طلاق دے دے۔

بہترین بیوی کی پہچان

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ قَالَ الَّتِي تَسْرُهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا

أَمْرٌ وَلَا تَخَالُفُهُ فِي نَفْسِهَا وَلَا فِي مَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ دَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ بَيْهَقٍ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور جب شوہر اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)۔“

تشریح: اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی و خوش اطواری کو دیکھے تو وہ خوش ہو جائے، اور اگر کہیں وہ بیوی صورت و سیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا، نور علی نور اور سرور علی سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔ ”یہاں اپنے مال“ سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو اس کا خاوند ہو البتہ اس عورت کے قبضہ تصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب ہو گا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال و اسباب اور روپیہ پیسہ دے وہ اس کو ایک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف اس کو خرچ کرے۔

امانت دار بیوی کی فضیلت

③۴ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيهِ خَوْنًا فِي نَفْسِهَا وَلَا مَالِهِ - رَوَاهُ ابْنُ بَيْهَقٍ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے اول (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا دل، دوم (خوشی اور رنج ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی زبان، سوم بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چہارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کی مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

بَابُ الْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ خُلْع اور طلاق کا بیان

خُلْع کا مطلب: خُلْع (خ کے پیش کے ساتھ) خُلْع (خ کے زبر کے ساتھ) اسم ہے خُلْع کے لغوی معنی ہیں ”کسی چیز کو نکالنا“ اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلاً کپڑے اور موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں ”ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خُلْع کے ساتھ زائل کرنا۔ یا، ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خُلْع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا“ اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا ہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلاً اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے

کر خلع کر دو۔ یعنی میری جان چھوڑ دو۔ یا یوں کہے کہ جو مہر تمہارے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو۔ اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔
مظہر نے لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد، عورت سے کہے کہ میں نے استنہ مال کے عوض تم سے خلع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعیؒ کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی و سرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی و سرکشی کی وجہ سے بیوی خلع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ خلع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلاً روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی و سرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی و بد اطواری کی وجہ سے خلع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس خلع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

طلاق کے معنی: لغت میں طلاق کے معنی ہیں ”کھولنا، چھوڑنا“ لیکن اصطلاح شریعت میں ”مرد کا عورت کو نکاح سے عائد ہونے والی پابندیوں سے آزاد کر دینا“ طلاق کہلاتا ہے۔ طلاق کی قسمیں اور اس کے احکام انشاء اللہ آگے بیان ہوں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ آتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَحَبُّتُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُرِيدِينَ عَلَيْهِ حَدِيثَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِلِ الْحَدِيثَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً (رواه البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیسؓ کی بیوی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا گناہ) کو پسند نہیں کر سکتی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم ثابت ابن قیسؓ کا باغ (جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کر دو گی؟ ثابتؓ کی بیوی نے کہا کہ ”ہاں“ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) ثابتؓ سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔“ (بخاری)

تشریح: ثابت ابن قیسؓ کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بد اخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہر حال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اسلامی حکم کے خلاف ہو مثلاً مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا کفرانِ نعمت یا گناہ ہو گا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کیوں نہ ان سے جدائی اختیار کر لوں۔

کہا جاتا ہے کہ ثابت ابن قیسؓ بہت بد صورت اور ٹھگنے (پست قد) تھے اور ان کی بیوی کا نام حبیبہ یا جلیلہ تھا بہت خوبصورت اور حسین تھیں اسی لئے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی عرض کے

چیز کے حکم میں ہیں لہذا اگر پہلے طہر میں دی گئی تو گویا حیض ہی کی حالت میں دی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان تینوں وجہوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرے طہر تک طلاق سے باز رہنا واجب نہیں ہے بلکہ اولیٰ ہے۔

طلاق کی قسمیں: یہ بات جانی چاہئے کہ وقت و محل کے اعتبار سے نفس طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ ① احسن۔ ② حسن۔ ③ حسن کوئی بھی کہتے ہیں۔ ④ بدعی۔

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ایسے طہر (پاک کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑے (یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق دے اور نہ اس سے جماع کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ طلاق کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

طلاق حسن کی یہ صورت ہے کہ ایک طلاق حسن رجعی ایسے طہر (پاک کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس کے لئے ایک طلاق حسن ہے نیز اس کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے اور آئہ، صغیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو (تین مہینہ تک) ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے طلاق کی یہ دوسری قسم بھی بہتر ہے۔

”طلاق بدعی“ کی صورت یہ ہے کہ مدخول بہا کو ایک ہی طہر میں یا ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دے دے یا ایسی دو طلاقیں دے جس میں رجعت کی گنجائش نہ ہو یا اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو اس طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ بھی طلاق بدعی کے حکم میں ہے اور اگر وہ عورت کہ جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے مدخول بہا ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے جب کہ بعض علماء نے رجوع کرنے کو مستحب کہا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ہی ضروری ہو تو اس دوسرے طہر میں طلاق دی جائے۔ طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے گو طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہ گار ہوتا ہے۔

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں ① رجعی۔ ② بائن۔ طلاق رجعی کی صورت تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو صریح الفاظ میں یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ یا اْتَطَلَّقْتِکِ یا اردو میں یوں کہے ”تجھ پر طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایام عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا منہاس کرے اور یا اس سے جماع کرے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

”طلاق بائن“ کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کی بجائے ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے جو اگرچہ صراحۃً طلاق کے لئے استعمال نہ ہوتے ہوں مگر کنایہ وہ طلاق کا مفہوم بھی ادا کرتے ہوں علاوہ ان تین الفاظ کنایات کے جن کو فقہاء نے صریح طلاق کے لئے تسلیم کر لیا، طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل جاتی ہے تجدید نکاح کے بغیر اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے۔

حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ① مغلفہ۔ ② مخففہ۔ طلاق مغلفہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی) یا الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی) اس طلاق کے بعد طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالہ نہیں لاسکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور دوسرا مرد اس سے جماع کر کے اس کو طلاق دے دے اور پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔

”طلاق مخففہ“ کی صورت یہ ہے کہ یک بارگی یا الگ الگ دو طلاقیں دے یا ایک طلاق دے پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق الفاظ صریح کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظ کنایہ کے ساتھ ہو تو تجدید نکاح کے بعد

اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی واقع نہیں ہوتی: ہر عاقل و بالغ کی ٹھنی طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور خواہ وہ اپنی خوشی سے طلاق دے یا کسی کے جبر و اکراہ سے دے یا نشہ کی حالت میں دے۔

اسی طرح اگر عاقل و بالغ شوہر کو نگاہ ہو اور وہ اشارہ معبودہ کے ذریعہ طلاق دے تو اس کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور لڑکے اور دیوانے کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر سویا ہوا شخص طلاق دے اور بیدار ہونے کے بعد کہے کہ میں نے تجھے سوتے میں طلاق دی ہے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی اگر کسی مالک نے اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ طلاق میں اصلی اعتبار عورت کا ہے چنانچہ آزاد عورت کے لئے تین طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی غلام کے نکاح میں ہو۔ اسی طرح لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو۔

اختیار کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيْرُ نَارِ سُؤْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَلَمْ يَغْدُ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں، اور اگر تم خدا، خدا کے رسول اور دار آخرت کی طلب گار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجر عظیم ثواب ہے چنانچہ ہم نے (دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کے مقابلہ میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اس اختیار کو ہمارے لئے (طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن) کچھ بھی اختیار نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ ”اپنے نفس کو اختیار کر لو یا مجھے اختیار کر لو“ اور پھر بیوی خاوند کو اختیار کر لے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک طلاق رجعی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہؓ میں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دے دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شوہر کی کو کیوں نہ اختیار کر لے۔

اور حضرت زید ابن ثابتؓ اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کیا کہ شوہر کے محض اختیار دے دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحِزَامِ يُكْفَرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ (کسی چیز کو) حرام کر لینے پر کفارہ دے اور (اس سلسلہ میں) تمہارے لئے رسول کریم ﷺ کی پیروی ہی بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز خواہ وہ اپنی ہو یا کسی دوسری چیز کو، حرام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اور

وہ چیز حرام نہیں ہوتی حضرت ابن عباسؓ اسی کے قائل تھے۔ اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اگرچہ وہ چیز بذات خود حرام کیوں نہ ہو یا کسی دوسرے کی ملکیت کیوں نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ مجھ پر شراب حرام ہے یا فلاں کا مال مجھ پر حرام ہے تو یہ بمنزہ قسم ہے بشرطیکہ اگر اس نے کسی حرام چیز کے بارہ میں یہ کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے اور اس سے اس کا مقصد اس چیز کے حرام ہونے کی خبر دینا نہ ہو لہذا جب وہ اس چیز کو اپنے اوپر حرام کیا ہے کھانے یا استعمال کرے گا تو وہ گویا حادث یعنی قسم توڑنے والا ہو گا اور اس پر وہی کفارہ لازم آئے گا جو قسم توڑنے پر لازم آتا ہے ہاں اگر اس نے اس چیز کو صدقہ کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو پھر حادث نہیں ہو گا اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی اس بات کی تائید میں یہ آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ الْاٰیَةُ پڑھی اور اس طرف اشارہ کیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ کے ذریعہ آپ ﷺ کو کفارہ دینے کا حکم دیا گیا (جس کا تفصیلی ذکر آگلی روایت میں آئے گا) لہذا تم پر آنحضرت ﷺ کی پیروی لازم ہے کہ اگر تم نے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور پھر اس چیز کو استعمال کر کے حادث ہو گئے تو کفارہ ادا کرو۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”تمام حلال مال مجھ پر حرام ہے یا خدا کی حلال کی ہوئی تمام چیزیں مجھ پر حرام ہیں“ تو ایسے قول کے بارہ میں فتویٰ یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو اور اگر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ ”تم مجھ پر حرام ہو“ تو یہ ایسا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس نے واقعی حرام کرنے کی نیت کی ہو یا کچھ بھی نیت کی ہو اور اگر اس نے یہ کہتے وقت ظہار کی نیت ہی ہوگی تو ظہار ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس نے یہ کہتے وقت کہ ”تم مجھ پر حرام ہو“ جھوٹ کی نیت کی ہو تو بھی یہ کہنا ہند (لغو) ہو گا یعنی اس کہنے سے عند اللہ تو کچھ نہیں ہو گا لیکن یہ معاملہ اگر حاکم کے ہاں پہنچا تو حاکم ایلاء کا حکم نافذ کر دے گا۔ اور اگر یہ کہتے وقت اس نے طلاق کی نیت کی، تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اور فتویٰ اسی پر ہے کہ اگر طلاق کی نیت نہ بھی کرنے تو بھی طلاق بائن پڑ جائے گی۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَّيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنِّي آتَيْنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرٍ أَكَلْتُ مَغَافِيرًا فَأَدْخَلَ عَلَيَّ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ لَأَنَاسَ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ خَلَفْتُ لَا تُخْبِرُونِي بِذَلِكَ أَحَدًا يَنْتَفِعِي مَرْصَادَ أَزْوَاجِهِ فَتَوَلَّى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْصَاتَ أَزْوَاجِكَ الْاٰیَةَ۔ (مشق طبع)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنی ایک بیوی) حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے اور وہاں شہدیا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں یہ طے کیا کہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یہ کہے آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے کیا آپ ﷺ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ جب ان دونوں میں سے ایک (یعنی حضرت عائشہؓ یا حضرت حفصہؓ) کے پاس تشریف لائے تو اس نے یہی کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، میں نے زینب بنت جحشؓ کے ہاں شہد پیا ہے اب میں کبھی شہد نہیں پیوں گا۔ میں نے قسم کھالی ہے لیکن تم کسی کو یہ نہ بتانا (تاکہ اس بات سے زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو کہ اب میں ان کے ہاں شہد نہیں پیوں گا) اور اس سے (ابن شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے) آنحضرت ﷺ کا مقصد اپنی بیویوں کو خوش کرنا تھا چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْصَاتَ أَزْوَاجِكَ الْاٰیَةَ (یعنی اے نبی! آپ محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال کیا ہے۔) بخاری مؤلف

تشریح: حضرت زینت بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔ یہ ان کی نوبت (باری) کے دن کا ذکر نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی ازواج مطہرات کے ہاں گشت کے لئے نکلتے اور حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لاتے تو اس وقت ان کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔

”مغایر“ ایک درخت کے پھل کا نام ہے جو گوند کے مشابہ ہوتا ہے اس کی بو خراب ہوتی ہے اور ایک گوندہ شہد کی بو کی مشابہت رکھتی ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا، جب آپ ﷺ گشت کے وقت حضرت زینبؓ کے تشریف لے جاتے تو وہ آنحضرت ﷺ کو شہد بلایا کرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہر جایا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ کو ناگوار گزری اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ایک اور بیوی حضرت حفصہؓ سے کہہ کر جو حضرت عائشہؓ کے بہت قریب تھیں اور اکثر معاملات میں ان سے اتفاق کرتی تھیں، مذکورہ بالا بات کہنے کا مشورہ کیا تاکہ آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں ٹھہرنا اور ان کا شہد پینا چھوڑ دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذکر کیا گیا لیکن حق تعالیٰ کے ہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ ایک حلال چیز کو محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیں چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

بلا ضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید

⑥ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَنَاسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَأْيَ الْحَنَّةِ - (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

”حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی بوجھل ہوگی (یعنی جب میدان حشر میں خدا کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے

⑦ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مباح چیزوں میں سے خدا کے نزدیک مبغوض ترین (یعنی سب سے بری) چیز طلاق ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ طلاق، حلال و مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہے چنانچہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اگرچہ مباح ہیں مگر مکروہ (نا پسندیدہ) سمجھی جاتی ہیں مثلاً فرض نماز بلا عذر گھر میں پڑھنا، یا اسی طرح غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا اگرچہ مباح ہے (کہ فرض ادا ہوتا ہے) لیکن مکروہ ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ وَلَا عِتَاقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ وَلَا رِصَالٍ فِي صِتَامٍ وَلَا يَتِمُّ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا رِصَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صَمْتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ - (رواه فی شرح السنہ)

”اور حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جاسکتا اور پے در پے کے روزے (یعنی رات کو افطار کے بغیر مسلسل و پیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا (یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے)۔“ (شرح السنہ)

تشریح: اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جز ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آجائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کر دے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت ابام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت، سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت، ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔
لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اس طلاق کا کبھی بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں پڑتی اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا ناجائز یا لاحاصل ہے اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ بچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا، ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت سے بچائے یقیناً زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

⑨ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لَابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عَتَقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَّاقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَلَا يَبِيعُ إِلَّا فِيمَا يَمْلِكُ۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیب اپنے دادا (حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ابن آدم کی نذر اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (یعنی لونڈی و غلام کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (عورت) کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور ابوداؤدؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس چیز کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں جس (کی فروختگی کا معاملہ کرنے) کا وہ (اصالۃ یا وکالۃ یا ولایۃ) مالک نہیں ہے۔“

تشریح: نذر صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانتا ہوں اور حالانکہ یہ نذر ماننے کے وقت وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے تو یہ صحیح نذر نہیں ہوگی اور اگر اس کے بعد وہ اس غلام کا مالک ہو گیا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ طلاق اور آزاد کرنے کے سلسلہ میں اوپر کی حدیث کی تشریح میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

طلاق بت کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ رُكَّانَةَ بِنِ عَبْدِ يَزِيدَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سَهِيمَةَ الْبَيْتَةِ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَّانَةُ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثِ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ۔

”اور حضرت رکانہؓ ابن عبد یزید کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہؓ کو طلاق بت دی اور پھر اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ (کیا واقعی) خدا کی قسم تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہؓ نے کہا کہ (ہاں) خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا پھر رکانہؓ نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمانؓ غنی کے عہد خلافت میں دی اس روایت کو ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: ”طلاق بت“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے ان الفاظ میں طلاق دی اَنْتِ طَالِقُ الْبَيْتَةِ (یعنی تجھ پر طلاق البتہ ہے) لفظ البتہ۔ بتہ کا اسم مرصع جس کے معنی ہیں کاٹنا قطع کرنا لہذا ”طلاق بت“ کا مفہوم یہ ہو کہ ایسی طلاق جو نکاح کا تعلق بالکل باقی نہیں رہنے دیتی اور عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتا ہے۔

”ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا“ کا مطلب حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہؓ کو رجوع کر لینے کا حکم دیا۔ اور گویا رکانہؓ نے رجوع کر لینے کے اس حکم کی بناء پر ان الفاظ رَاَجَعْتُهَا اِلَى نِكَاحِي (میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا) کے ذریعہ اس عورت کو اپنے نکاح میں واپس کر لیا۔

حضرت امام شافعیؒ نے یہ مطلب اس لئے مراد لئے ہیں کہ ان کے نزدیک ”طلاق بت“ ایک طلاق رجعی ہے ہاں اگر اس کے ذریعہ دو یا تین طلاقیں کی نیت کی گئی ہو تو پھر نیت کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے سے ایک طلاق بائن پڑتی ہے خواہ ایک طلاق کی نیت کی گئی ہو یا دو طلاق کی یا اور کچھ بھی نیت نہ کی گئی ہو اس لئے ان کے نزدیک اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو جدید نکاح کے ذریعہ رکانہؓ کی طرف لوٹا دیا۔

نکاح و طلاق کے الفاظ ہنسی میں منہ سے نکالے جائیں تو حکم ثابت ہو جاتا ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدُّ وَهَزْلُهُنَّ جَدُّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالتَّرْجَعَةُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جن کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے“ ① نکاح۔ ② طلاق۔ ③ رجعت۔ (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: جد کے معنی ہیں ”کسی کام میں سعی و کوشش کرنا“ لیکن یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں کہ جو لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کو

زبان سے ادا کرتے وقت وہی معنی مراد لئے جائیں مثلاً لفظ نِكَاحُ (میں نے نکاح کیا) زبان سے جب ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی نکاح کرنا ہی مراد لیا جائے یا جب لفظ طَلَّقْتُ (میں نے طلاق دی) زبان سے ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی طلاق دینا ہی مراد لیا جائے اور لفظ حَزَلُ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی لفظ زبان سے ادا کیا جائے مگر اس کے معنی مراد نہ ہوں۔

لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہیں خواہ ان کے معنی مراد ہوں، یا مراد نہ ہوں، چنانچہ اگر دو اجنبی مرد و عورت کے درمیان ہنسی ہنسی میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو جائے تو بھی نکاح ہو جاتا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی بن جاتے ہیں یا اگر کوئی ہنسی مذاق میں طلاق دے دے تو بھی طلاق پڑ جائے گی اسی طرح طلاق رجعی کے بعد ہنسی ہنسی میں رجوع کرنے سے بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے ان تین چیزوں کے علاوہ اور چیزیں مثلاً بیع و شراء وغیرہ اس طرح ہنسی مذاق میں وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا طَلَّاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي غِلَاقٍ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ قِيلَ مَعْنَى الْغِلَاقِ الْإِكْرَاهُ -

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اکراہ کی حالت میں نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ آزادی (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ غلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔“

تشریح: ”اکراہ“ کے معنی ہیں ”زبردستی کرنا“ لہذا حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی کسی سے زبردستی طلاق دلوادے یا اس کا غلام آزاد کرادے تو نہ طلاق پڑے گی اور نہ وہ غلام آزاد ہوگا۔

گویا یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ ان تینوں آئمہ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زبردستی کی حالت میں واقع نہیں ہوتیں جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ واقع ہو جاتی ہیں انہوں نے اس کو ہزل پر قیاس کیا ہے۔ (جس کا بیان اوپر کی حدیث میں گزر چکا) ایسے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی دلیل میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق زبردستی کی حالت میں بھی جن چیزوں کا حکم ثابت ہو جاتا ہے وہ گیارہ ہیں۔ ① نکاح۔ ② طلاق۔ ③ رجعت۔ ④ ایلاء۔ ⑤ فی یعنی ایلاء سے رجوع کرنا۔ ⑥ ظہار۔ ⑦ عتاق۔ ⑧ غفو قصاص یعنی قصاص کو معاف کردینا۔ ⑨ قسم۔ ⑩ نذر۔ ⑪ قبولیت اسلام۔

دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَّاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَّاقَ الْمَعْتُوهِ وَالْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعِظَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الزَّوَّائِي ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ -

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بے عقل اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی“ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن عجلان (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی۔“

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک اس حدیث کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزدیک کبھی دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہاں حدیث میں مَعْتُوہ سے ”دیوانہ“ مراد ہے یعنی وہ شخص جو کبھی تو مسلوب العقل رہتا ہو اور کبھی اس کی عقل ٹھکانے رہتی ہو، قاموس میں لکھا ہے کہ عَتَهُ (جو معتوہ کا مصدر ہے) کے معنی ہیں ”کم عقل ہونا، مدہوش ہونا“ اور صراح میں لکھا ہے کہ ”معتوہ“ اٹے ہوئے ڈول اور بے عقل شخص

کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے گئے اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ والمغلوب علی عقله گویا لفظ معتوہ کا عطف تفسیری ہے (یعنی اس جملہ میں معتوہ کی وضاحت مقصود ہے) اسی لئے بعض روایات میں المغلوب بغیر او منقول ہے۔ اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جب معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مجنون مطلق (یعنی پاگل شخص) کہ جو سرے سے عقل و شعور رکھتا ہی نہیں اس کی طلاق بطریق اولیٰ واقع نہیں ہوگی چنانچہ زین العرب نے کہا ہے کہ یوں تو ”معتوہ“ ناقص العقل اور مغلوب العقل کو کہتے ہیں لیکن مجنون، سویا ہوا شخص، مدہوش اور ایسا مریض کہ جس کی عقل اس کے مرض کی وجہ سے جاتی رہے وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں یعنی ان سب کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لفظ ”معتوہ“ کے بارہ میں علامہ ابن ہمام نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ناقص العقل و کم سمجھ اور پریشان کلام ہو (یعنی بے عقلی اور نا سمجھی کی باتیں کرتا ہو) اور فاسد التذکر (یعنی بے عقلی اور بے سمجھی کے کام کرتا ہو) لیکن نہ تو مارتا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بخلاف مجنون کے (کہ لوگوں کو مارتا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے)۔

امام ترمذی کے قول کے مطابق اس حدیث کا راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ کُلُّ طَلَّاقٍ إِلَّا الْأَمْلَاقَ الْمَعْتُوَّةَ یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

تین شخص جو مرفوع القلم ہیں

(۱۴) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوَّةِ حَتَّى يَعْقِلَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ مَاجَةَ عَنْهُمَا۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان تین شخصوں کے اعمال تمامہ اعمال میں نہیں لکھے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مواخذہ سے بری ہیں) ایک تو سویا ہوا شخص جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو، دوسرا لڑکا جب تک وہ بالغ نہ ہو تیسرا بے عقل شخص جب تک کہ اس کی عقل درست نہ ہو جائے“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی نے اس روایت کو حضرت عائشہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ اور حضرت علی سے نقل کیا ہے۔“

لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَّاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عائشہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت (کی مدت دو حیض ہیں)۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین مہینہ ہے اسی طرح لونڈی کی عدت دو حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔

اس طرح یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق اور عدت میں عورت کا اعتبار ہے نہ مرد کا لہذا اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی طلاقیں تین ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت تین حیض ہوں گے چاہے وہ کسی غلام ہی کے نکاح میں کیوں نہ ہو اور اگر عورت لونڈی ہوگی تو اس کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کا خاوند کوئی آزاد شخص ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام شافعی کے نزدیک طلاق اور عدت میں مرد کا اعتبار ہے اگر مرد آزاد ہو گا تو اس کی بیوی کی طلاقیں تین

ہوں گی اور اس کی عدت تین حیض ہوں گے اگرچہ اس کی بیوی لونڈی ہو اور اگر مرد غلام ہو گا تو اس کی بیوی کی طلاقات دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کی بیوی آزاد عورت ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عدت کی مدت کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے جیسا کہ خفیہ کا مسلک ہے گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوئی کہ عدت کی مدت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جو ثلاثۃ قُذِرَ فرمایا گیا ہے تو اس سے تین حیض مراد ہیں تین طہر مراد نہیں ہیں۔

الفصل الثالث

اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی عورت کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَرِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔“ (نسائی)

تشریح: مطلب یہ کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے خلع چاہتی ہیں وہ منافق ہیں ”منافق“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکام اسلام کی مطیع و فرمانبردار ہیں مگر باطنی طور پر گنہ گار و عاصی ہیں۔

عورت کے تمام مال کے عوض خلع کرنا مکروہ ہے

(۱۷) وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لَصِيفَةِ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكَرْ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ - (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ صفیہ بنت ابوعبید کی ایک آزاد کی ہوئی لونڈی سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہؓ نے اپنی ہر اس چیز کے عوض جو ان کے پاس موجود تھی، اپنے خاوند (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے خلع کیا اور عبداللہؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔“ (مالک)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس لئے انکار نہیں کیا کہ خلع بہر حال جائز تھا اگرچہ اس طرح (یعنی عورت کے تمام مال کے عوض) خلع کرنا مکروہ ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

(۱۸) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضْبَانٌ ثُمَّ قَالَ أَيْلَعُ بِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَأَنَا بَيْنَ أَنْظَهْرَ كُمْ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَقْتُلُهُ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت محمود ابن لبیدؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے بارہ میں بتلایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقات دی تھیں تو آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) اور آنحلیفہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہؓ میں سے) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟۔“ (نسائی)

تشریح: ”اللہ عزوجل کی کتاب“ سے قرآن کریم کی یہ آیت الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ تَاوَلَاتِخِذُوا آيَتِ اللَّهِ هُزُوا مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی جائیں بلکہ متفرق طور پر دینی جائیں وہیں وَلَا تَتَّخِذُوا الْاٰیَةَ کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم و منشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی گویا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت و حرام ہے۔ اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے۔ جو گناہ و معصیت کا باعث ہوتا تھا، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے۔ کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ خاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کر دے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آجائے کہ وہ رجوع کر لے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہے) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام احمدؒ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑے گی۔ ایک صحابیؓ کا یہ کہنا کہ ”میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں“ اس بناء پر تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابیؓ نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ زجر و توبیخ پر مبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي طَلَقْتُ امْرَأَتِي مِائَةَ تَطْلِيقَةٍ فَمَاذَا تَرَى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلَقْتَ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٍ وَتَسْعُونَ اتَّخَذَتْ بِهَا آيَاتِ اللَّهِ هُرُؤًا۔ (رواہ فی الموطا)

”اور حضرت مالکؒ راوی ہیں کہ ان تک یہ حدیث پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں اس بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ (یعنی کیا میری بیوی پر طلاق پڑ گئی ہے یا نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاقوں کے ذریعہ تم سے جدا ہو گئی اور جو ستانوے طلاقیں باقی بچیں ان کے ذریعہ تم نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔“ (موطا)

تشریح: اوپر کی حدیث میں جس آیت الطَّلَاقِ مَرَّتَانِ تَا وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا کا ذکر کیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ تم نے اس طرح طلاق دے کر گویا حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے۔

اللہ کے نزدیک طلاق ایک بری چیز ہے

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا مُعَاذٌ مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ۔ (رواہ الدارقطني)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”معاذ! اللہ تعالیٰ روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز غلام و لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق دینا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: غلام و لونڈی کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے ایک انسان کو اس کا پیدائشی اور فطری حق ملتا ہے اس کو ایک ایسی مخلوق کی غلامی سے نجات حاصل ہو جاتی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اسی کے مرتبہ کے برابر ہے اور وہ اپنے پروردگار کی عبادت و اطاعت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے نیز اس کا مالک (جس نے اسے آزاد کیا ہے) اپنے اس ایثار و فراخ حوصلگی کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے پروانہ نجات حاصل کرتا ہے۔

”بری طلاق“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ طلاق بہت بری ہے جو کسی حاجت و ضرورت کے بغیر محض اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے دی گئی ہو چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بعض حالات میں طلاق دینا مستحب بھی ہے مثلاً اگر عورت نماز نہ پڑھتی ہو اور بدکار ہو تو اسے طلاق دینا ہی بہتر ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی بیوی نماز نہ پڑھتی ہو تو اسی لائق ہے کہ اسے طلاق دے دی جائے اگرچہ اس شخص کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اس کا مہر ادا کر سکے۔

ابو حفص بخاریؒ کا یہ قول منقول ہے کہ اگر کوئی بندہ اس حال میں خدا سے ملاقات کرے (یعنی اس کا انتقال ہو جائے) کہ اس کی گردن پر اس کی بیوی کا مہر ہو تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ ایک ایسی بیوی سے صحبت کرے جو نماز نہ پڑھتی ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کرنا عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے سے افضل ہے۔

بَابُ الْمُطْلَقَةِ ثَلَاثًا

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا حکم اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عورت کو اگر اس کا خاوند کہ جس نے اسے تین طلاقیں دی پھر اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس سے ہجرت ہو پھر وہ مرد اس کو طلاق دے اور وہ عورت اپنی عدت کے دن پورے کر کے از سر نو پہلے خاوند سے نکاح کرے ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں بَابُ الْمُطْلَقَةِ ثَلَاثًا کے بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ وَفِيهِ ذِكْرُ الظَّهَارِ وَالْإِيلَاءِ یعنی اس باب میں ظہار اور ایلاء کا ذکر بھی کیا گیا ہے، ظہار اور ایلاء کے معنی اور ان کے کچھ مسائل انشاء اللہ آگے مذکور ہوں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حلالہ کا صحیح ہونا دوسرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ مَرَأَةً رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الزَّيْبِرِ وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هَذِهِ الثَّوْبِ فَقَالَ أَتَرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَيَّ رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسْنَلَتَهُ وَتَذُوقِي عُسْنَلَتِكَ۔ (ترمذی علیہ)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رفاعہؓ قرظیؓ کی عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں رفاعہؓ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہؓ بعد عبد الرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن عبد الرحمن کپڑے کے پھندے کی مانند رکھتے ہیں (یعنی اس عورت نے ازراہ شرم و حیاء عبد الرحمن کی نامردی کو کنایہ ان الفاظ کے ذریعہ

بیان کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم پھر رفاعہؓ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس وقت تک رفاعہؓ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ عبدالرحمن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے (اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کر لو) تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہؓ سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لئے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ جماعت بھی ضروری ہے البتہ جماعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

محل اور محل لہ، پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے لعنت

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ زَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَزَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ۔

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محل اور محل لہ، پر لعنت فرمائی ہے۔ (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: فرض کیجئے دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے، زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دے دیں ہیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دے دی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محل لہ (یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار و اقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات اور دمساز رہیں، لہذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد و منشا پر زبرد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت و عزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محل لہ، یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت یہ ہوتا ہے۔ کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنے والے کو محل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محل اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محل نہیں ہوتا لہذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں ”لعنت“ کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محل اور محل لہ کی خاست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کر سکتا ہے۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت: ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی

محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہو یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے، حلال کر دوں۔ (یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دے دوں تاکہ تمہارے پہلے خاوند کے لئے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے) یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ قابل مواخذہ ہوگا اور نہ لعنت کا مورد ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد دراصل اصلاح احوال ہے۔

ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا۔ تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، چنانچہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

ایلاء کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ أَدْرَكْتُ بَضْعَةَ عَشْرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُولُ يُؤَقَّفُ الْمُؤَلَّى - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”ایلاء“ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینے یا اس سے زائد (مثلاً پانچ مہینے یا چھ مہینے) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہؓ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو ”ٹھہرایا“ جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو مجبوس کرے گا اور اس سے یہ کہے گا۔ کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو۔ یعنی اس سے جماع کر لو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دویا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد، حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ظہار کا حکم

(۴) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ قَالَ لَهْ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرٍ الْبَيَاضِيُّ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظْهَرِ أُمِّهِ حَتَّى يَمِصِّي رَمَضَانَ فَلَمَّا مَضَى نِصْفُ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لِئَلَّا فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِنِّي رَقَبَةً قَالَ لَا أَحْذُهَا قَالَ فَصُمُّ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَحْذُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بِنْتِ عَمْرِوٍ وَاعْطِهِ ذَلِكَ الْعُرْقَ وَهُوَ مِثْلُ يَأْخُذُ خُمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِيُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهُ قَالَ كُنْتُ امْرَأًا أُصِيبُ مِنَ التَّسَاءِ مَا لَا يُصِيبُ غَيْرِي وَفِي

رَوَايَتُهُمَا أَعْنَى أَبَا دَاوُدَ وَالدَّارِمِيَّ فَاطْعَهُمْ وَسُقَامُنْ تَمْرَيْنِ سِتَيْنِ مَسْكِينًا۔

”اور حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سلمانؓ ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر یا ضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تا وقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لئے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں ایک رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر (جب صبح ہوئی تو) وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ایک غلام آزاد کر دو“ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا ”آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا ”دو مہینے یعنی پے در پے روزے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ”مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے“ (کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃً اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی وجہ سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ“ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ایک اور صحابی) حضرت غزوہ ابن عمروؓ سے فرمایا کہ ”ان کو کھجوروں کا فرق دے دو (فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریباً ساڑھے باون سیر یا چھین سیر) کھجوریں ساتی ہیں۔“ (ترمذی) اور ابو داؤدؓ ابن ماجہؓ اور دارمیؓ نے اس روایت کو سلیمان ابن یسارؓ سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخرؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا (چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں یعنی ابو داؤدؓ اور دارمیؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، فرمانے کی جگہ) یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک دست کھجوریں کھلاؤ۔“

تشریح: اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ”ظہار“ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اس جسم کے کسی ایسے عضو کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع (غیر متعین) ہو محرمات ابدیہ (یعنی ماں بہن اور پھوپھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو، جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو، یا تمہارا سر یا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہو گا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی عیسائی و یہودی ہو، ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ حَتَّى يَمْضِيَ مَضَان (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظہار موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خانؒ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت (یعنی کسی متعین مدت و عرصہ کے لئے) ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

محقق علام حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کر دے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کرے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگانی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزر

جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

اَظْعَمُ سِتْنَيْنِ مَسْكِينًا یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد تھیں کہ یا تو تم ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دے دو۔ اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ ”تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں“ کے بارے میں نظر ہر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن صححرؓ کو جو کھجوریں دلائیں ان کی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تعارض واقع ہو گیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائے کہ ”تاکہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کریں“ تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔

اس کے علاوہ ابو داؤد و دارمی کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ”ساٹھ مسکینوں کو ایک دست کھجوریں کھلاؤ“ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف یہی کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے کھجوریں ملا کر ایک دست کی مقدار پوری کر لو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجودے دو، واضح رہے کہ ایک دست ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

اگر اظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا

⑤ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهَرِ يُؤَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت سلیمان ابن یسارؓ (تابعی) حضرت سلمہؓ ابن صخرہؓ عن النبیؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فی الْمُظَاهَرِ یُؤَاقِعُ قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ کہ جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک سے زائد دو یا تین اور چار بیویوں سے ظہار کرے یعنی ان سب سے یوں کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی بیٹی کی مانند حرام ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس پر کفارہ ایک واجب ہو گا یا کئی واجب ہوں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس پر کئی کفارے واجب ہوں گے یعنی وہ ان بیویوں میں سے جس کسی کے ساتھ بھی جماع کا ارادہ کرے گا پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا، حسن، زہریؒ اور ثوریؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا یعنی وہ پہلے ایک کفارہ ادا کر دے اس کے بعد ہر

بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

الفصل الثالث

⑥ وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنْ أَمْرِهِ فَعَشِيهَا قَبْلَ أَنْ يَكْفُرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ بَيَاضَ حَجَلِيهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ أَمْلِكْ نَفْسِي أَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَصَحَّحَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتَّى يُكْفِرَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَانِي نَحْوَهُ مُسْنَدًا وَمُرْسَلًا وَقَالَ التَّسَانِي الْمُرْسَلُ أَوْلَى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ۔

”حضرت عکرمہؒ، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”تس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا (یعنی کیا وجہ پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے) اس نے عرض کیا کہ ”چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو روک نہ سکا“ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ ہنس دیئے۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کرو۔ (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی (یعنی اس کے ہم معنی) روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے، نیز ابوداؤد، اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی یہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔“

باب

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الفصل الأول

کفارہ ظہار میں جو بردہ آزاد کیا جائے، اس کا مؤمن ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي جَارِيَةً كَانَتْ تَزْعُمُ عَنَّمَا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةَ مِنَ الْعَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذَّنْبُ فَاسْفُتْ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَى رَقَبَةٍ أَفَاعَتْقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيِنَ اللَّهُ؟ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا؟ فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْتَقُهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِي جَارِيَةً تَزْعُمُ عَنَّمَا لِي قِيلَ أَحَدٍ وَالْجَوَانِيَّةُ فَاطْلَعَتْ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذَّنْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ عَنَمِنَا وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ اسْفُ كَمَا يَأْسِفُونَ لَكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمْتُ ذَلِكَ عَلَى قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَعْتَقُهَا قَالَ أَتَيْتُ بِهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا آيِنَ اللَّهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ أَنَا قَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَعْتَقُهَا فَإِنَّهَا مُؤَمَّنَةٌ۔

”حضرت معاویہ ابن حکمؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ میری ایک لونڈی بن جو

میرا یوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور یوڑ میں اپنی ایک بکری کم پائی، تو میں نے اس سے بکری کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آگیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں (یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے) اس لئے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت (کفارۃ ظہار، یا کفارۃ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے) مجھ پر ایک بردہ (یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اسی لونڈی کو آزاد کر دوں) تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی وجہ سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) اس لونڈی کو طلب فرمایا (اور اس سے) پوچھا کہ ”بتاؤ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟“ اس نے کہا آسمان میں، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ (اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کو آزاد کر دو“ (مالک) ”مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ“ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا یوڑ چرایا کرتی تھی (جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے) ایک دن جو میں نے اپنا یوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو یوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح (کسی نقصان و اسلاف کی وجہ سے) اولاد آدم کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آگیا (چنانچہ اس غصہ کی وجہ سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں) لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپ ﷺ کے سامنے یہ سہارا جرایان کیا) آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ ”تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے“ میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ۔ میں اس لونڈی کو آنحضرت ﷺ کے پاس بلالایا، آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ ”آسمان میں“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”میں کون ہوں؟“ اس نے کہا کہ ”آپ ﷺ (اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں)“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے!“

تشریح: اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ (یعنی غلام یا لونڈی) آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو افضلیت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارۃ ظہار میں آزاد کیا جانے والا بردہ اگر مسلمان ہو تو افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارہ میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان و زمان کی قید سے پاک ہے بلکہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم کہاں جاری و ساری ہے اور اس کی بادشاہت و قدرت کس جگہ ظاہر و باہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں جانتے تھے لہذا آپ ﷺ نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لونڈی موحده یا مشرکہ ہے گویا آپ ﷺ کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لونڈی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحده ہے مشرکہ نہیں ہے۔

مالکؒ کی روایت میں تو حضرت معاویہؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟ تاکہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی وجہ سے مجھے جویشیانی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلمؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس لونڈی کو محض اس وجہ سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں مار دیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ

مالکؒ کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی وجہ سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کر دوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا، اس کے برخلاف مسلمؒ کی روایت اس بارہ میں مطلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ایسی کہا جائے گا کہ مسلمؒ کی روایت کا مطلق مفہوم مالکؒ کی روایت کے مقید مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلمؒ کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالکؒ کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارہ ظہار کے کچھ مسائل: جنفی مسلک کے مطابق ظہار کے کفارہ میں سب سے پہلا درجہ بردہ (لونڈی یا غلام) کو آزاد کرنے کا ہے بردہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، مرد یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کا ناوہرا ہو لیکن اسی قدر بہرا ہو کہ اگر اس کو یا آواز بلند مخاطب کیا جائے تو سن لے اور اگر کوئی ایسا بردہ ہو کہ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا ہو تو اس کو آزاد کرنا بھی درست ہو گا بشرطیکہ یہ دونوں عضو مختلف جانب کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً اگر دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پیر یا بائیں کٹا ہوا ہو اسی طرح اس مکاتب کو آزاد کرنا بھی درست ہے جس نے اپنا بدل کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو۔

جو بردہ گونگا ہو یا ایسا بہرا ہو کہ سر سے کچھ سن ہی نہ سکتا ہو (خواہ اسے کتنی ہی بلند آواز میں مخاطب کیا جائے) تو اس کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہو گا، اسی طرح جس بردہ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پیر یا دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا ہو اور دایاں پیر بھی کٹا ہوا ہو تو ایسے بردہ کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہو گا، ایسا بردہ جو مجنون ہو (یعنی جس پر بیشہ دیوانگی طاری رہتی ہو) یا جو بدربیا آدم ولد ہو یا ایسا مکاتب ہو جس نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہو تو ان میں سے بھی کسی کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہو گا۔

دوسرا درجہ پے در پے روزے رکھنے کا ہے یعنی اگر ظہار کرنے والے کو بردہ نہ ملے تو پھر وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے اس طور پر کہ ان دونوں مہینوں میں نہ تو رمضان کا مہینہ آئے اور نہ وہ دن آئیں جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے جیسے عید اور بقرعید کا دن اور ایام تشریق اور جب تک روزے ختم نہ ہو جائیں (یعنی دو مہینے کے مسلسل روزے پورے نہ ہو جائیں) تب تک عورت سے صحبت نہ کرے اگر روزے ختم ہونے سے پہلے اس عورت سے (کہ جس سے ظہار کیا ہے) صحبت کر لی تو اب سب روزے پھر سے رکھے چاہے دن میں اس عورت سے صحبت کی ہو یا رات میں اور چاہے قصداً ایسا کیا ہو یا بھولے سے سب کا ایک ہی حکم ہے اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ افطار کر لیا تو بھی از سر نو سب روزے رکھے۔

تیسرا درجہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ بالا شرائط و قیود کے ساتھ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں اور فقیروں کو دو وقت کھانا کھلائے یا ان کو کچا اناج دیدے کچا اناج دینے کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین و فقیر کو نصف صاع (پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں یا ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا کھجوریں یا ان میں سے کسی ایک مقدار کی قیمت دے دے اسی طرح اگر ان میں سے کوئی چیز دینے کی بجائے دو چیزیں دی جائیں تو بھی جائز ہے مثلاً چودہ چھٹانک یعنی ۸۱ گرام گیہوں کے ساتھ پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام جو یا جاسکتا ہے۔

کفارہ میں اباحت جائز ہے: ”اباحت“ کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھالے، چنانچہ یہ اباحت کفارات اور (رمضان کے روزے کے بدلہ میں دیئے جانے والے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنادینا ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلادیا جائے۔ اسی طرح ”کھلانے“ میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے

کی نوعیت کا سوال ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت و استطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھلا سکتا ہو کھلائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا ضروری ہے البتہ گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری نہیں ہے اگر دو وقت ساٹھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساٹھ فقیروں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا۔

ظہار کرنے والے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر لیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گنہ گار ہوگا مگر از سر نو کھانا کھلانا نہ پڑے گا۔ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساٹھ فقیروں کو مثلاً گیہوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کر کے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہو اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں دے تو یہ جائز ہوگا اور دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

بَابُ اللَّعَانِ

لعان کا بیان

لعان کے معنی و تعریف: لِعَانٌ اور مُلَاعَنَةٌ کے معنی ہیں ”ایک دوسرے پر لعنت کرنا“ شرعی اصطلاح میں ”لعان“ اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہو اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے، قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ ”میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس میں سچا ہوں“ عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ عورت کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ میں نے اس عورت کی طرف زنا کی جو نسبت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

جب شوہر پانچویں دفعہ کہے چکے تو بیوی مرد کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ اس طرح کہے ”میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ اس نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے“ پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ ”اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔“

جب دونوں اس طرح ملاعنیت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کر دے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کو حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے (یعنی یہ اقرار کرے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی) تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی۔ اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا۔ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

الْفُضْلُ الْأَوَّلُ

دربار رسالت میں لعان کا ایک واقعہ

① عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ إِنَّ عُوَيْمَرَ الْعَجَلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا ابْتِغَالَهُ فَيَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَنْزَلَ فِيكَ وَصَاحِبَتُكَ فَأَذْهَبْ فَأَتِ بِهَا

قَالَ سَعْدُ فَتَلَا عَنَّا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ عُيَيْرٌ كَذِبَتْ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَمْسَكْتُهَا فَلَقَّهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْظِرُوا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ اسْحَمِ أَدْعِ الْعَيْنَيْنِ عَظِيمِ الْإِيتِينَ خَدْلَجَ السَّاقَيْنِ فَلَا أَحْسَبُ عُيَيْرًا إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْنَمِ كَانَتْ وَحَرَةً فَلَا أَحْسَبُ عُيَيْرًا إِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الثَّغْتِ الذِّي نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيقِ عُيَيْرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ إِلَى أُمِّهِ - (متفق عليه)

”حضرت سہل ابن سعد ساعدیؒ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) عویرؓ نے (در بار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے اس شخص کے بارہ میں بتائیے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے (اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) کیا وہ اس مرد کو قتل کر ڈالے؟ اگر وہ اس کو مار ڈالے گا تو مقتول کے وارث اس کو قتل کر دیں گے ایسی صورت میں وہ کیا کرے (آیا اس عار پر صبر کرے یا کوئی اقدام کرے؟) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر اس سے فرمایا کہ ”تم میاں بیوی کے قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔ جاؤ اپنی بیوی کو بلا لاؤ“ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ عویرؓ اپنی بیوی کو بلا لائے اور میاں بیوی نے (مسجد نبوی میں لعان کیا اور میں بھی اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی موجود تھا چنانچہ جب وہ دونوں میاں بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویرؓ (یعنی میاں نے کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس کے بعد انہوں نے اس عورت کو تین بار طلاق دی پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر یہ عورت (اپنے موجودہ حمل سے) ایسا بچہ جنے جس کا رنگ سیاہ آنکھیں بہت کالی ہوں، کو لہے بڑے ہوں اور دونوں پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہو تو میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویرؓ نے اس عورت کے بارہ میں جو کہا ہے سچ کہا ہے (کیونکہ عویرؓ نے جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی وہ اسی رنگ و صورت کا ہے اور جب اسی کی شباهت کا بچہ پیدا ہو گا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ اسی کے نطفہ سے ہے) اور اگر اس عورت نے ایسا بچہ جناس کا رنگ سرخ ہو اور باہنی کے رنگ کا معلوم ہوتا ہو تو پھر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویرؓ نے اس کے بارہ میں جھوٹ بولا ہے” (یعنی عویرؓ چونکہ سرخ رنگ کے ہیں اس لئے بچہ کی رنگت بھی سرخ ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ بچہ عویرؓ ہی کے نطفہ سے ہے اور عویرؓ نے اپنی بیوی کو جھوٹی تہمت لگائی ہے) چنانچہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی رنگ و صورت کا تھا جس کو رسول کریم ﷺ نے عویرؓ کی تصدیق کے لئے ذکر کیا تھا (یعنی وہ بچہ اسی مرد کی شباهت کا تھا جس کی طرف سے عویرؓ نے زنا کی نسبت کی تھی گویا عویرؓ کی بات سچ ثابت ہوئی) اس کے بعد وہ بچہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) اپنی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرتا ہو پائے اور وہ شخص اس مرد کو جان سے مار ڈالے تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا وہ شخص (جس نے اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرنے والے کو جان سے مار ڈالا ہے) اسلامی قانون کے مطابق قصاص یعنی سزا موت کا مستوجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے ہاں اگر وہ شخص اس بات کے ثبوت میں کہ مقتول نے اس کی بیوی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا چار گواہ پیش کرے یا خود مقتول کے ورثاء اس بات کا اقرار کر لیں تو اس صورت میں اس کو سزائے موت نہیں دی جائے گی تاہم یہ ملحوظ رہے کہ اگر چار پیش نہ کرنے یا مقتول کے ورثاء کے اقرار نہ کرنے کی صورت میں اسے سزائے موت دے دی گئی تو واقع کے اعتبار سے وہ سچا تھا تو خدا کے نزدیک گنہ گار نہیں سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَةٌ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدٍ هُمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَغْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ الْاِيَةِ - (النساء: ۶۴: ۷۰)

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت (جو کہ ان کو حد قذف سے بچا سکتی ہے) یکی ہے وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ (آخر تک)۔“

بعض مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیات کریمہ ۹ ہجری کے ماہ شعبان میں نازل ہوئی ہیں، ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے بارہ میں مذکورہ بالا آیت حضرت عویمرؓ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے اور اسلام میں سب سے پہلا لعان انہی کی طرف سے ہوا تھا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک دوسرے صحابیؓ حضرت ہلال ابن امیہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور اسلام میں سب سے پہلے ہلالؓ ہی نے لعان کیا ہے چنانچہ آگے حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت آئے گی اس سے یکی ثابت ہوتا ہے لہذا اس صورت میں ارشاد گرامی ”تم میاں بیوی کے قصیہ میں وحی نازل کی گئی ہے کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے قصیہ جیسے ایک قصیہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت دونوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہو جس کی صورت یہ ہوئی ہوگی کہ پہلے ان میں سے کسی ایک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے بارہ میں سوال کیا ہوگا پھر بعد میں دوسرے کا قصیہ پیش آیا ہوگا اور اس نے بھی آنحضرت ﷺ سے سوال کیا ہوگا یہاں تک کہ ان دونوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن ان دونوں میں حضرت ہلالؓ نے پہلے لعان کیا۔

”گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت لگائی ہے“ یہ حضرت عویمرؓ نے دراصل تین طلاق دینے کا سبب بیان کیا کہ اس صورت حال کے بعد بھی اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں اور طلاق نہ دوں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ میں نے اس کی طرف زنا کی جھوٹی نسبت کی ہے کیونکہ اس کو نکاح میں رکھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ گویا میں نے جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہے اور یہ عورت بدکاری کے گناہ سے پاک ہے۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

﴿۲﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَيْنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ فَإِنْ تَفَتَّى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَالْحَقُّ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ مَتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي حَدِيثِهِ لَهُمَا أَنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَّمَهُ وَذَكَرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ ثُمَّ دَعَاَهَا فَوَعَّظَهَا وَذَكَرَهَا وَأَخْبَرَهَا أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ (اس لعان کی وجہ سے) وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہو گیا، (یعنی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالہ کر دیا۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اور روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپ ﷺ نے عورت کو بلایا، اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔“

تشریح: ”تفریق کراؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) حاکم وقاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے۔ نہ کہ محض لعان سے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عویمرؓ نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق

دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد ”حد یعنی شرعی سزا“ ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو (چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی اس کو ایک پاکدامن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعہ عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ ملاعنّت پر تیار ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب (یعنی یہاں کی سزا) کہیں آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو سچ بات ہو اس کا اعتراف و اقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کرنے والوں کا محاسبہ آخرت میں ہوگا

(۳) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَا عَيْنِينَ حَسَابُكُمَا عَلَى اللَّهِ أَحَدُكُمَا ذَبْتَ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهَوَّ بِمَا اسْتَخْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَلِكَ أَبْعَدُ وَأَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لعان کرنے والے مرد و عورت سے فرمایا (ہم صرف ظاہری احوال و وجوہ کی بنیاد ہی پر کوئی حکم نافذ کر سکتے ہیں اور وہ ہم نے لعان کی صورت میں نافذ کر دیا ہے البتہ تمہارا تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کیونکہ) (نفس الامرار حقیقت کے اعتبار سے) تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے (پھر آپ ﷺ نے مرد سے فرمایا کہ) اب عورت کے بارہ میں تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے (یعنی لعان کے بعد اب اس عورت کے ساتھ رہنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ حرام ہوگئی ہے) مرد نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اور میرا مال (یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے کیا وہ مجھ سے جاتا رہے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ (یعنی دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ) اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں سچ کہا ہے (یعنی تمہارے کہنے کے مطابق اگر اس عورت نے واقعہ بدکاری کرائی ہے) تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا کہ تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا ہے اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں بولا ہے تو وہ اس صورت میں مہر کا واپس لے لینا اس سے بھی بعید ہے اور تم سے بھی بہت بعید ہے (یعنی جب سچ کی صورت میں مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے تو جھوٹ کی صورت میں تو بد رجہ اولیٰ تمہیں وہ مہر واپس نہ لینا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو ہم نے تمہارے اس تنازعہ کو لعان کی صورت میں ختم کر دیا ہے مگر تم دونوں کا حقیقی محاسبہ آخرت میں ہوگا کہ وہاں تمہارے معاملہ کی تحقیق کی جائے گی اور پھر تم میں سے جو جھوٹا ہوگا اس کو اس کی سزا اللہ تعالیٰ دے گا۔

”تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا الخ“ اس بات کی دلیل کہ لعان کرنے والا مہر واپس نہ لے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ اس نے

دخول کیا ہو، چنانچہ اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے البتہ عدم دخول کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر لعان کرنے والے نے اس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس صورت میں وہ آدمے مہر کی ہتھار ہوگی۔

آیت لعان کا شان نزول

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةٍ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكَ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّةُ أَوْ حَدًّا فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ النَّبِيَّةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّبِيَّةُ وَالْأَحَدُ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلْيَنْزِلْنِ اللَّهُ مَا يَبْرِي ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنْ اللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمْ كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَفَوْهَا وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ بَنُو عَبَّاسٍ قَتَلَكَاثٌ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَّنَا أَنَّهَا تَرَجُّعٌ ثُمَّ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْبِصِرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ سَابِغِ الْأَلْبَتَيْنِ خَدَّيْهِ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لَشَرِّ نِكَاحٍ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذَّالِكُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَانٌ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) ہلال ابن امیہؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک ابن سحماء صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی (یعنی ہلالؓ نے کہا کہ شریک ابن سحماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم ﷺ نے (ہلالؓ سے) فرمایا کہ ”(اپنے الزام کے ثبوت میں) گواہ پیش کرو ورنہ (جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں) تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی (یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے) ہلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے چلا جائے (یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے) لیکن نبی کریم ﷺ کی فرمائے جارہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر ہلالؓ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کی تہمت مبعوث کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری رکھے گا، آخر کار (کچھ ہی عرصہ بعد) حضرت جبریل تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں والذین یرمون ازواجہم الا یہ (یعنی اور جو لوگ کہ اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں ان پر پھر اس کے بعد کی آیتوں ان کان من الصادقین تک تلاوت کی، اس کے بعد ہلالؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی (یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا) اور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلالؓ کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا (یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی) اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو (صحابہؓ نے) اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ مجھ لو یہ پانچویں گواہی (تم دونوں کے درمیان جدائی کو) واجب کر دے گی۔ (یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت کے عذاب کو واجب کر دے گی) ابن عباسؓ کہتے ہیں (یہ سن کر) وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی (یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متاثر ہوئی) جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں (لعان سے) بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کر کے) اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یہ کہہ کر) اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کر دیا (اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور

آنحضرت ﷺ نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو آپ نے فرمایا ”اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچہ کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمئی کو لہے بھاری اور پنڈلیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک ابن سحماء کا ہوگا کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں) چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا (جو شریک کے مشابہ تھا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر کتاب اللہ کا مذکورہ قسم نہ ہوتا (جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر حدود تعزیر جاری نہیں ہوگی) تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا (یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس عورت کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے۔ اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو بھی عبرت ہوتی)۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلالؓ نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارہ میں جو تحقیقی تفصیل ہے وہ حضرت سہلؓ کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اٹھ“ بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی۔ اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم وقاضی کسی بھی معاملہ میں اپنے گمان و خیال قرائن اور کسی علامت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کا دلائل و شواہد تقاضا کریں۔

زن کی تہمت چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُ مَعَ أَهْلِي رَجُلًا لَمْ أَمْسُهُ حَتَّى آتِي بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ كَلَّا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنْ كُنْتُ لَأَعَاجِلُهُ بِالسَّيْفِ قَبْلَ ذَلِكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوا إِلَى مَا يَقُولُ سَعْدُكُمْ إِنَّهُ لَغَيُورٌ وَأَنَا أَعْيِزُّ مِنْهُ وَاللَّهِ أَعْيِزُّ مِنِّي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سعدؓ نے کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پاؤں تو جب تک کہ چار گواہ فراہم نہ کر لوں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں؟ (یعنی نہ اس کو ماروں اور نہ قتل کروں؟) رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ سعدؓ نے کہا کہ ہر گز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں قبل اس کے کہ چار گواہ فراہم کروں فوری طور پر تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے) فرمایا ”سنو! تمہارا سردار (یعنی سعدؓ) کیا کہہ رہا ہے بلاشبہ وہ غیرت مند ہے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ جواب سن کر حضرت سعدؓ نے جو کچھ کہا اس سے نہ تو آنحضرت ﷺ کے قول کی تردید مقصود تھی اور نہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی مخالفت منظور تھی بلکہ انہوں نے اپنی اس بات کے ذریعہ ذرا صل اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے بارہ میں بتایا۔ کہ میرا حال تو یہ ہے۔ میرے غصہ اور میری غیرت کا یہ عالم ہے کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو اس کو فورا قتل کر دوں جب کہ اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تک چار گواہ فراہم نہ کر لو۔ اس کو کچھ نہ کہو۔ تو اس صورت میں میرے لئے کونسا راستہ ہے؟ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کیا کہ سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد ”سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟“ کی مراد حضرت سعدؓ کے وصف کی تعریف کرنا ہے اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ طبیعت و مزاج میں اتنی غیرت کا ہونا بزرگوں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے اگرچہ اس معاملہ میں

شریعت کا حکم دوسرا ہے جس پر عمل کرنا غیرت مندی کے تقاضا پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت سعدؓ کی بات کی تقریر (یعنی تائید و توثیق) نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے ان کا عذر بیان کیا، کہ حضرت سعدؓ نے جو بات کہی ہے اور جس سے بظاہر میرے حکم کی مخالفت معلوم ہوتی ہے وہ دراصل ان کی غیر معمولی غیرت مندی کی وجہ سے ان کی زبان سے نکل گئی ہے۔

حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا آنحضرت ﷺ کو مذکورہ جواب دینا آنحضرت ﷺ کے حکم کی مخالفت یا آپ ﷺ کے ارشاد کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کے طور پر نہیں تھا بلکہ درحقیقت ان کی اس خواہش کے اظہار کے طور پر تھا کہ اگر کوئی غیرت مند کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پائے۔ تو اس کو قتل کر دینے کی اجازت عطا ہو جائے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ اجازت دینے سے ایک مبلغ انداز میں انکار کر دیا تو انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔

”غیرت“ آدمی کی اندرونی کیفیت و حالت کے اس تغیر کو کہتے ہیں جو اپنے اہل میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے پر پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی سبب اسی معنی کے اعتبار سے محال و ناممکن ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے ”غیرت مند“ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں سے روکنے والا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ کی قربت و مقبولیت سے دور نہ جا پڑیں۔

اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے

⑥ وَعَنِ الْمُغَيَّرَةِ قَالَتْ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَصَرَفْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُضْفَحٍ قَبْلَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اتَّعَجِبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللَّهِ لَا نَا غَيْرَ مِنْهُ وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ الْعُدُوِّ مِنَ اللَّهِ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِينَ وَالْمُبَشِّرِينَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ الْمِدْحَةِ مِنَ اللَّهِ وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْجَنَّةَ. (متفق علیہ)

”اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار سے مار دوں اور تلوار کی پشت کی جانب سے نہیں بلکہ دھار والی جانب سے ماروں) (حاصل یہ کہ میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں) جب رسول کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی (کہ سعد اس طرح کہتے ہیں) تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہیں سعدؓ کی اس غیر معمولی غیرت مندی پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں یقیناً ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اللہ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے (تمام) گناہوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہری گناہ ہوں یا پوشیدہ گناہ ہوں اور عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور بشارت دینے والوں (یعنی پیغمبروں) کو بھیجا ہے نیز تعریف کرنے کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے گناہوں کو حرام کیا ہے“ یہ جملہ دراصل ”اللہ تعالیٰ کی غیرت“ کی وضاحت کے لئے ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اس نے لوگوں کو حرام امور اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور حرام امور کو اختیار کرنے پر عذاب مقرر کیا ہے چنانچہ اصل میں ”غیرت“ کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اس بات کو ناپسند کرے اور اس پر ناراض ہو کہ کوئی اس کی ملکیت میں تصرف کرے۔

اور ”غیرت“ کے مشہور معنی یہ ہیں کہ آدمی اس شخص پر غصہ کرے جو اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے یا اس کو نظربند دیکھے لہذا اللہ تعالیٰ کی ”غیرت“ یہ ہے کہ وہ اس شخص پر غصہ کرے جو گناہ کا مرتکب ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا“ میں ”عذر“ اعذار یعنی ازالہ عذر کے معنی میں ہے مطلب

یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عذر ختم کر دینے کو پسند کرتا ہے اس طرح کوئی اور عذر کو ختم کرنے کو پسند نہیں کرتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ اس طرف سے اتمام حجت ہو جائے اور بندوں کو عذر کرنے کا موقع نہ ملے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَنَلَا يَكُونُ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔

”تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔“

”تعریف کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا“ کا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے کو جتنا اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اتنا کوئی اور پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بھی فرمائی ہے اور اپنے محبوب بندوں کی بھی تعریف کی ہے اور ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے جو اس کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُغَارُ وَغَيْرُهُ اللَّهُ أَنْ لَا يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تبارک و تعالیٰ غیرت مند ہے اور مؤمن (بھی) غیرت مند ہے (یعنی غیرت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مؤمن میں بھی موجود ہے) اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ مؤمن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

محض معمولی علامتوں کی بناء پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو

⑤ وَعَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْزَاقٍ قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوْزَاقًا قَالَ فَاتَى ذَلِكَ جَاءَهَا قَالَ عَزَقُ نَزَعَهَا قَالَ فَلَعَلَّ هَذَا عَزَقُ نَزَعَهُ وَلَمْ يَرِ خَصْصٌ لَهُ فِي الْإِنْتِفَاءِ مِنْهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک ایسے بچہ کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور (اس وجہ سے کہ وہ میرا ہم رنگ نہیں ہے) میں نے اس کا انکار کر دیا ہے (یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟“ اس نے عرض کیا کہ ہاں! ان میں خاکسری رنگ کے بھی ہیں ”آپ ﷺ نے فرمایا“ تمہارا کیا خیال ہے یہ خاکسری رنگ کے اونٹ کہاں سے آگئے (یعنی ان میں خاکسری رنگ کہاں سے آیا جب کہ ان کے ماں پاپ خاکسری رنگ کے نہیں ہیں؟) اس نے عرض کیا ”کوئی رگ ہوگی جس نے انہیں کھینچ لیا (یعنی ان کی اصل میں کوئی خاکسری کارہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بھی ہو گئے) آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے جس نے اس کو کھینچ لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کا لے رگ کارہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بچہ ہو گیا ہے) اور اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی کو اس بچہ کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: طبیبی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محض معمولی اور ضعیف علامتوں کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، ممنوع ہے بلکہ اس صورت میں مضبوط دلائل و وجوہ کا ہونا ضروری ہے مثلاً بیوی سے صحبت نہ کی ہو اور اس کے باوجود بچہ

کی ولادت ہوئی ہو یا صحبت کی ہو مگر صحبت کے بعد چھ مہینے سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو اور ان صورتوں میں اس بچہ کا انکار کر دینا جائز ہے۔

زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَثْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهْدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةَ زَمْعَةَ مَتْنِي فَأَقْبَضَهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ إِنَّهُ ابْنُ أَخِي وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي فَتَسَوَّوْا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَخِي كَانَ عَهْدَ إِلَيَّ فِيهِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةَ ابْنِ وَلَدِ عَلِيٍّ فَرَأَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرِ ثُمَّ قَالَ بِسُوءَةٍ بَنِي زَمْعَةَ احْتَجَبَنِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعَثْبَةَ فَمَارَ أَهَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ هُوَ أَخُو لَكَ يَا عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وَلَدَ عَلِيٍّ فَرَأَاهُ فَرَأَى ابْنَهُ (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاصؓ نے اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاصؓ کو وصیت کی کہ زعمہ کی لونڈی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے تم اس کو لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے سال سعدؓ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے جب کہ ابن زعمہؓ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے پھر وہ دونوں اپنا معاملہ رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے اور سعدؓ نے کہا کہ (یہ لڑکا) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے ”رسول کریم ﷺ نے (دونوں کی بات سن کر) فرمایا کہ ”عبد ابن زعمہؓ! اس بچہ کے تم ہی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف سے منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے (نسب و میراث سے) محروم ہے (یاد رہے کہ زانی سنگساری سے مستوجب ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت سوہنبہؓ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کیونکہ اس میں عتبہ کی شباهت نظر آتی ہے چنانچہ حضرت سوہؓ اس لڑکے کے سامنے (کبھی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ واصل نہ ہو گیا۔ ”ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”عبد ابن زعمہؓ! لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جو چند نام ذکر ہوئے ہیں پہلے ان کے بارہ میں بتادینا ضروری ہے تاکہ صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ عتبہ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا حقیقی بھائی تھا حضرت سعدؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیا اور وہ ایک جلیل القدر صحابی ہوئے مگر عتبہ کفر کے اندھیرے سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ کفر کی حالت میں مر گیا اور یہی وہ بد بخت تھا جس نے غزوہ احد کے موقع پر رحمت دو عالم ﷺ کا ندان مبارک شہید کیا تھا۔ زعمہ حضرت سوہؓ کے باپ تھے اور عبد ان (زعمہ) کے بیٹے یعنی حضرت سوہؓ کے حقیقی بھائی تھے! حضرت سوہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

اب حدیث کی طرف آئیے عتبہ نے زعمہ کی لونڈی سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوا چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے دعویٰ پر ولد الزنا (حرامی بچہ) کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا اس لئے عتبہ نے اس قدیم دستور کے مطابق اس لڑکے کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور اپنے بھائی حضرت سعدؓ کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش کرنا چنانچہ حضرت سعدؓ نے فتح مکہ کے سال اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، اور زعمہ کے بیٹے عبد نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی لونڈی سے جنمایا ہے غرض کہ ان دونوں کے درمیان ایک تنازعہ کی صورت ہو گئی تو وہ دونوں اس معاملہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے آنحضرت ﷺ نے عبد ابن زعمہؓ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے کیونکہ بچہ کا نسب صاحب فراش ہی سے ثابت ہوتا ہے اور زانی کے لئے محروم رہتا ہے۔

ن جملہ الولد للفراش وللعاهر الحجر (بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے محروم ہے) کی تفصیلی

وضاحت باب الوصایا کی پہلی فصل میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو آنحضرتؐ کے اس حکم کہ ”تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو“ کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ یہ لڑکا شرعی حکم کے مطابق تمہارا بیٹا ہی ہوا یا اس طور اس کا نسب تمہارے باپ زمرہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ شرعی معاملات میں مشابہت اور قیافہ و قرائن کا اعتبار نہیں لیکن وہ لڑکا چونکہ عقبہ کے مشابہ ہے اور عقبہ کے دعویٰ کی وجہ سے اس کا عقبہ کے نطفہ سے ہونا ایک حد تک حقیقت کے مطابق بھی ہے اس لئے احتیاط و ورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔

دوسری روایت کے یہ آخری الفاظ اِنَّهُ وَلِدٌ عَلٰی فِرَاشِ اَبْنِهٖ (اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا) دراصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے، یعنی راوی نے ان الفاظ کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ آنحضرتؐ نے عبد بن زمرہ کے حق میں یہ حکم کہ ”وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے“ اس لئے صادر فرمایا تھا کہ وہ ان کے باپ (زمرہ) کے بستر پر پیدا ہوا تھا (ان کے بستر پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استقرار حمل اور بچہ کی ولادت کے زمانہ میں وہ لونڈی زمرہ کی ملکیت میں اور ان کے زیر تصرف تھی نیز وہ لڑکا انہی کے گھر میں پیدا ہوا تھا)۔

اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟

⑩ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُسَوِّرٌ فَقَالَ أَيْنَ عَائِشَةُ أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُجَبَّرًا الْمُدَلِّجِيَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَأَى أَسَامَةَ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا زُورُسُهُمَا وَبَدَتْ أَفْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأَفْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ بہت خوش خوش میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ ”عائشہؓ کیا تمہیں معلوم نہیں (آج مجز آمدی (مسجد نبوی میں) آیا اور جب اس نے اسامہؓ اور زیدؓ کو دیکھا جو اس طرح چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور ان کے سر چھپے ہوئے تھے اور پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے پیر ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یعنی یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت زید ابن حارثہؓ جو آنحضرتؐ کے متبنی (لے پالک) تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جب کہ ان کے صاحبزادے، حضرت اسامہؓ کالے تھے اور اپنی ماں کے ہم رنگ تھے ان کی ماں جن کا نام اُم ایمنؓ تھا ایک لونڈی اور کالے رنگ کی تھیں باپ بیٹے رنگت کے اس فرق کی وجہ سے منافق حضرت اسامہ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ آنحضرتؐ منافقوں کی اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے تھے کہ اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا۔

مجز آمدی عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھا، وہ آدمی کی صورت دیکھ کر اس کے حالات و کوائف اور اوصاف و خصوصیات معلوم کر لیا کرتا تھا چنانچہ وہ مسجد نبوی میں آیا اور اس نے حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے پیر دیکھے تو اس نے علم قیافہ کی رو سے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں، ان دونوں کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہئے۔ آنحضرتؐ اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر تھا اور اس کے فیصلہ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا لہذا آنحضرتؐ کو یہ بھی اطمینان ہو گیا کہ اب جب کہ اسامہؓ کا نسب اس سند سے ثابت ہو گیا ہے تو منافقین بھی ان کے نسب کے بارہ میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے لازم نہیں آتا کہ شرعی احکام اور اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا ہے، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ قیافہ شناس کے قول

کو معتبر مانتے ہیں یہاں تک کہ ان کے مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی لونڈی دو آدمیوں کی مشترک ملکیت ہو اور اس کے بچہ پیدا ہو اور پھر وہ دونوں شریک اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس صورت میں ان دونوں کو قیافہ شناس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور وہ قیافہ شناس اپنے قیافہ کی بنیاد پر جو فیصلہ کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں وہ بچہ شرعی حکم کے اعتبار سے دونوں کا ہوگا اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے وہ کسی ایک کا ہوگا اور وہ لونڈی دونوں کی اُم ولد ہوگی۔

اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑪ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَأَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَغْلَمُ أَفْغَيْرِ أَبِيهِ فَإِنَّ جَنَّةَ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔“ (بخاری و مسلم)۔

تشریح: ”اس پر جنت حرام ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اور وہ اس بات کو برا نہیں جانتا بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے نسب میں اس طرح خلط ملط کرنا حلال ہے تو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور جب وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور اسی حال میں مر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر جنت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند رہیں گے اور اگر وہ شخص کفریہ عقیدہ نہیں رکھتا (یعنی باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حلال نہیں جانتا بلکہ حرام ہی جانتا ہے) تو اس صورت میں ”اس پر جنت حرام ہے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت اس پر جنت کے دروازے بند رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے گا۔

یا پھر یہ کہا جائے گا۔ کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”اس پر جنت حرام ہے“ زجر یعنی تنبیہ کے طور پر ہے جس کا مقصد لوگوں کو اس برائی سے روکنا ہے۔

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزْغَبُوا عَنِ آبَائِكُمْ فَمَنْ زَغَبَ عَنْ أَبِيهِ فَقَدْ كَفَرَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم (غیر شخص سے اپنا نسب جوڑ کر) اپنے باپ سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ سے منہ پھیرا (یعنی اس سے اپنے نسب کا انکار کیا) تو اس نے درحقیقت کفرانِ نعمت کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام برائی تھی کہ لوگ اپنے اصل باپ سے اپنے نسب کا انکار کر کے دوسروں کو اپنا باپ قرار دیتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس برائی سے منع فرمایا۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اصل باپ کی بجائے کسی غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص نے غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنے کو مباح جانا اور اس کا عقیدہ رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ ایسی چیز کے حلال و مباح ہونے کا عقیدہ رکھنا جس کو پوری امت نے حرام قرار دیا ہے کفر ہے اس صورت میں حدیث کے الفاظ فقہ کفر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوں گے۔ اور اگر اس کرنے والا مباح ہونے کا یقین نہیں رکھتا تو اس صورت میں کفر کے دو معنی ہوں گے ایک تو یہ کہ ”اس شخص نے کفار کے فعل کی مشابہت اختیار کی“ دوسرے یہ کہ ”اس نے کفرانِ نعمت کیا۔“

وَقَدْ ذَكَرَ حَدِيثُ عَائِشَةَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ فِي بَابِ صَلَوةِ الْخُسُوفِ۔

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث مامن احد اغیر من اللہ، باب صلوة الخسوف میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثانی

اپنے بچہ کا انکار کرنے والا خدا تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمَّا تَزَلَّتْ آيَةُ الْمَلَأَعَنَةِ أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مِنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ وَلَنْ يَدْخُلَهَا اللَّهُ جَنَّتَهُ وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ احْتَجَبَ اللَّهُ مِنْهُ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ فِي الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ - (رواہ ابو داؤد والنسائی والدارقطنی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے لعان کی آیت نازل ہونے کے موقع پر رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو عورت کسی کو اس قوم میں داخل کرے جس میں سے وہ نہیں ہے (یعنی کسی عورت نے بدکاری کرائی اور پھر اس بدکاری کے نتیجے میں بچہ کو جنم دیا اور اس بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دیا) تو وہ خدا کے نزدیک کسی درجہ میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے مقرب اور نیک بندوں کے ساتھ) ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو شخص اپنے بچہ کا انکار کرے (یعنی اس کی بیوی نے جس بچہ کو جنم دیا ہے۔ اس کے بارہ میں کہے کہ میرا نہیں ہے) اور آنحالیکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ بچہ میرا ہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرے گا (یعنی اس کو خدا کا دیدار نصیب نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام اگلے و پچھلے لوگوں میں رسوا کرے گا (یعنی جب میدان حشر میں تمام اگلی پچھلی مخلوق جمع ہوگی تو ان کے درمیان اس کو ذلیل و رسوا کرے گا۔“ (ابو داؤد، نسائی، دارقطنی)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو عورت کو چاہئے کہ وہ بدکاری کرائے اور اپنے حرامی بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور نہ مرد کو چاہئے کہ دیدہ و دانستہ اپنے بچہ کا انکار کرے اور اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے۔

بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولیٰ ہے

(۱۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي امْرَأَةً لَا تَزِدُّنِي لَامِسٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ إِنِّي أُحِبُّهَا قَالَ فَاْمِسْكُهَا إِذَا - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِي وَقَالَ التَّسَائِي رَفَعَهُ أَحَدُ الرُّوَاةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَخَذَهُمْ لَمْ يَزِدْ رَفَعُهُ قَالَ وَهَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِثَابِتٍ -

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”میری بیوی کسی چھونے والے ہاتھ کو جھکتی نہیں (یعنی جو بھی شخص اس سے بدکاری کا ارادہ کرتا ہے اس کو وہ انکار نہیں کرتی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اسے طلاق دے دو۔“ اس نے عرض کیا ”(یہ ممکن نہیں) کیونکہ میں اس سے (بہت) محبت کرتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر اس کی نگہبانی کرو (تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا نہ ہو سکے) ابو داؤد نسائی اور نسائی نے کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں میں سے ایک راوی نے تو اس کو حضرت ابن عباسؓ تک پہنچایا ہے اور وصل کیا ہے اور ایک راوی نے اس کو ابن عباسؓ تک نہیں پہنچایا ہے اور وصل نہیں کیا ہے نیز نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے (یعنی یہ حدیث۔ متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے)۔“

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دینے کا حکم پہلے دیا اور نگہبانی کرنے کا حکم بعد میں دیا ہاں اگر کسی وجہ سے طلاق دینا آسان نہ ہو مثلاً اس سے اتنی زیادہ محبت ہو کہ اس کو اپنے سے جدا کرنا ناممکن ہو، یا اس کے بطن سے کوئی بچہ ہو جو ماں کی جدائی کو برداشت نہ کر سکتا ہو اور یا اس بیوی کا اپنے اوپر کوئی ایسا قرض و مطالبہ مثلاً مہر

واجب ہو کہ جس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسی صورتوں میں جائز ہے کہ اس کو طلاق نہ دے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اس کو بدکاری سے روکے اور اگر وہ اس کو بدکاری سے نہ روک سکا تو پھر طلاق نہ دینے کی صورت میں گنہ گار ہوگا۔

اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت و ضابطہ

(۱۵) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَىٰ أَنْ كُلُّ مُسْتَلْحِقٍ اسْتَلْحِقَ بَعْدَ أَبِيهِ الَّذِي يُدْعَىٰ لَهُ إِدْعَاؤُهُ وَرَفْتُهُ فَقَضَىٰ أَنْ كُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ أُمَّةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ أَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنْ اسْتَلْحَقَهُ وَلَيْسَ لَهُ مِمَّا قَسِمَ قَبْلَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ وَمَا أَذْرَكَ مِنْ مِيرَاثٍ لَمْ يَقْسَمْ فَلَهُ نَصِيبُهُ وَلَا يُلْحِقُ إِذَا كَانَ أَبَوُهُ الَّذِي يُدْعَىٰ لَهُ أَنْكَرُهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ أُمَّةٍ لَمْ يَمْلِكُهَا أَوْ مِنْ خُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَإِنَّهُ لَا يُلْحِقُ وَلَا يَرِثُ وَإِنْ كَانَ الَّذِي يُدْعَىٰ لَهُ هُوَ الَّذِي إِدْعَاؤُهُ فَهُوَ وَلَدُ زَنْبِيَةٍ مِنْ خُرَّةٍ كَانَ أَوْ أُمَّةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ (حکم دینے کا) فیصلہ کیا کہ جس لڑکے کا نسب اس کے اس باپ کے مرنے کے بعد کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے، ملایا گیا ہے اور اس کا دعویٰ، اس باپ کے وارثوں نے کیا ہے (یعنی مثلاً زید کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے ایک لڑکے بکر کے بارہ میں کہا کہ یہ زید کا بیٹا ہے، لہذا یہ بھی ہماری طرح زید کا وارث ہے) تو (اس کے باپ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ لڑکا (جس کا نسب ملایا گیا ہے) ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس کے باپ کی ملکیت میں تھی (یعنی اس لونڈی ہے اس کے باپ کا جائز طریقہ پر جماع ہوا ہو) تو وہ اس شخص کے ساتھ نسب میں مل جائے گا۔ جس نے اس کو ملایا ہے (یعنی جو وارث اس کو ملائیں گے وہ ان وارثوں میں مل جائے گا اور ان کے ساتھ میراث کا حقدار ہوگا بایں طور کہ اگر اس کو بھی وارث ملائیں گے تو سب کے حق میں وارث ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے ملایا ہوگا تو انہی بعض کے حق میں وارث ہوگا) اور جو میراث اس کو ملانے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ہاں جو میراث ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی اس میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اور وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف جاتی ہے اس نے اس کا انکار کر دیا تھا (یعنی اس باپ نے اپنی زندگی میں اس کے اپنا بیٹا ہونے کا انکار کر دیا تھا تو وہ لڑکا اس کے مرنے کے بعد وارثوں کے ملانے سے نہیں ملے گا اور اس باپ کا وارث نہیں ہوگا اسی طرح اگر وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس باپ کی ملکیت میں نہ رہی ہو (یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجے میں یہ لڑکا پیدا ہوا تھا) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جس سے اس باپ نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا اس باپ کے وارثوں میں شامل نہیں ہوگا اور نہ اسے میراث ملے گی اگرچہ خود اس شخص (یعنی باپ) نے کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے اس کا دعویٰ کیا ہو۔ (یہ جملہ گویا پہلے حکم کی تاکید کے طور پر ہے کہ وہ لڑکا ولد الزنا ہو تو اس کو اس باپ یعنی زانی کے وارثوں میں کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خود وہ زانی اپنی زندگی میں اس کے نسب کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میراث ہے تب بھی اس کے ساتھ اس لڑکے کا نسب نہ ملنا چاہیے تاکہ اس کے بعد اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کریں) لہذا وہ لڑکا حرام ہے خواہ وہ لونڈی کے بطن سے ہو یا آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: خطاب ”کہتے ہیں کہ یہ وہ احکام ہیں جو شروع زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے نافذ فرمائے تھے اس زمانہ میں لوگوں کی بدکاری لونڈیاں تھیں جو زنا کرتی پھرتی تھیں اور ان کے مالک بھی ان سے محبت کرتے تھے اور پھر جب ان کے کوئی بچہ ہوتا تو اس کا دعویٰ مالک بھی کرتا اور زانی بھی، اس قسم کے تنازعہ کو شرعی طور پر ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا احکام صادر فرمائے، چنانچہ اس بارہ میں آپ ﷺ نے جو شرعی ضابطہ مقرر فرمایا اور جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد زید کے وارثوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا اور اس لڑکے کا نسب زید سے قائم کر کے اس کی میراث کا حصہ دار قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں رہی ہو اور زید کا

اس کے ساتھ جائز طور پر جماع ہوا ہو، یا وہ کسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جو زید کے نکاح میں رہی ہو، اور خود زید نے بھی اپنی زندگی میں یہ اقرار و اعلان کیا ہو کہ یہ میرا لڑکا ہے۔

پھر جیسا کہ حدیث میں وضاحت ہے یہ لڑکا انہی وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا جنہوں نے مذکورہ بالا دعویٰ کیا ہو اگر سب ہی وارثوں نے یہ دعویٰ کیا ہو گا وہ لڑکا سب وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے دعویٰ کیا ہوگا تو صرف انہی بعض وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا۔ نیز یہ لڑکا صرف اس میراث میں حصہ دار ہوگا جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے جو میراث اس دعویٰ سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر یہ صورت ہو کہ زید نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا یعنی یہ کہا تھا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کرنا چاہیں تو وہ شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کوئی حصہ ملے گا۔

اگر اسی طرح وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں نہیں تھی (جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں زمرہ کے بیٹے کے بارہ میں گزر چکا ہے یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے جو زید کے نکاح میں نہیں تھی یعنی وہ لڑکا زید کے زنا کے نتیجے میں پیدا ہوا تو اس صورت میں بھی وہ زید کے وارثوں میں شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کچھ ملے گا بلکہ اگر زید اپنی زندگی میں خود بھی یہ چاہے کہ اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اس کو اپنے وارثوں میں شامل کر دے تو بھی وہ شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانی سے قائم نہیں ہوتا اور نہ وہ زانی کا وارث ہوتا ہے۔

غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض صورتوں میں ناپسندیدہ ہے

① وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْزَةِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ وَمِنْهَا مَا يَبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الَّتِي يُحِبُّهَا اللَّهُ فَالْغَيْزَةُ فِي الرَّبِيبَةِ وَأَمَّا الَّتِي يَبْغِضُهَا اللَّهُ فَالْغَيْزَةُ فِي غَيْرِ رَبِيبَةٍ وَإِنَّ مِنَ الْخِيَلَاءِ مَا يَبْغِضُ اللَّهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ فَأَمَّا الْخِيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ فَالْخِيَلَاءُ الرَّجُلُ عِنْدَ الْقِتَالِ وَالْخِيَلَاءُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَأَمَّا الَّتِي يَبْغِضُ اللَّهُ فَالْخِيَلَاءُ فِي الْفَخْرِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ - (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت جابر ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (اپنی بیوی اور لونڈی کے بارہ میں) بعض غیرت کو تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور بعض غیرت کو ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ شک و شبہ کی جگہ پیدا ہونے والی غیرت ہے (مثلاً بیوی یا لونڈی غیر مردوں کے سامنے آئی ہے یا غیر مرد اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہنسی مزاح کرتی ہے تو اس موقع پر خاوند جو غیرت محسوس کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ غیرت ہے جو کسی شک و شبہ کی وجہ کے بغیر پیدا ہوئی ہو (مثلاً کسی قرینہ و سبب کے بغیر خاوند کے دل میں بیوی کے کردار کے بارہ میں بدگمانی پیدا ہو جائے اور پھر اس پر غیرت محسوس کرے) اسی طرح بعض تکبر کو تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ لڑائی کے وقت آدمی کا تکبر کرنا ہے (یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو تو اپنی قوت و برتری اور کفار کی حقارت و کسری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی بڑائی و شجاعت کو بڑے فخر و غرور کے ساتھ بیان کرے) اور وہ تکبر بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں ہو (یعنی جب صدقہ و خیرات دے تو خوش دلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا جانے) اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ (اپنے نسب پر فخر کا تکبر ہے۔ اور ایک روایت میں (فی الفخر کی بجائے) فی البغی ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ ظلم کا تکبر ہے (یعنی وہ تکبر جو بلا کسی حق و استحقاق کیا جائے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں)۔“

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”اپنے نسب پر فخر کا تکبر“ یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ حسب و نسب اور اچھے خاندان کا ہو وہ یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے اور میرے باپ دادا اعلیٰ نسل و خاندان کے افراد ہونے کی وجہ سے بزرگ و افضل ہیں یہ ایسا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو برتری و فوقیت اور بزرگی و فضیلت اسی شخص کو حاصل ہے جو دین کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہو، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ و بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔“

مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں اس روایت میں فی الفقر کی بجائے فی الفقر ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے، مطلب یہ کہ خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و توکل پر تکبر کرے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تکبر اس تکبر سے بدتر ہے جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے لیکن فقر کا تکبر اس صورت میں برا اور خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے جب کہ وہ فقراء کے مقابلہ پر کیا جائے ہاں اگر وہ تکبر امراء و اغنیاء کے مقابلہ پر ہو تو اچھا اور پسندیدہ ہے کیونکہ ایسے تکبر کو تو صدقہ کہا گیا ہے۔

الفصل الثالث

ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

(۱۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَلَانًا ابْنِي عَاهَزْتُ بِأَمَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دَعْوَةَ فِي الْإِسْلَامِ ذَهَبَ أَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَبْزُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیبؓ) سے اور حضرت شعیبؓ اپنے دادا (حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (مجلس نبویؐ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ افلاں میرا لڑکا ہے میں نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”زمانہ جاہلیت کی گئی گزری بات کا زمانہ اسلام میں دعویٰ نہیں ہو سکتا (یعنی یہ بات زمانہ جاہلیت ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور جو بچہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتا تھا اس کا نسب زانی اپنے ساتھ جوڑ لیتا تھا اب زمانہ اسلام میں یہ بات درست نہیں) بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پھر یعنی محرمی ہے یا سنگساری۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”صاحب فراش“ سے وہ شخص مراد ہے جو ولد الزنا کی ماں کا خاوند یا مالک ہو، مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا (لوٹندی ہونے کی صورت میں) کسی کی ملک میں ہو تو اس کے زنا کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب اس کے خاوند یا مالک سے ثابت ہوگا اور اگر وہ عورت کسی کے نکاح یا کسی کی ملک میں نہ ہو تو پھر بچہ ماں ہی کی طرف منسوب ہوگا، بہر صورت زانی کا اس بچہ سے کوئی نسب تعلق نہیں ہوگا۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

(۱۸) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَا مُلَاعِنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُودِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوكِ وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْحَرِّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے (اور ان کے شوہروں کے) درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ (یعنی عیسائی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ (یعنی یہودی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس کا خاوند اس پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان نہیں کرایا جائے گا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعان دراصل شہادت و گواہی ہے اس لئے لعان کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت (کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے) ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک (یعنی غلام و لونڈی) اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں (ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے لہذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے باز رکھنا چاہتے تھے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا جَدِيًّا أَنْ يَتْلَا عَنَّا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِيسَةِ عَلَى فِيهِ وَقَالَ إِنَّهَا مُوجِبَةٌ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب نبی کریم ﷺ کے حکم پر دو لعان کرنے والے (یعنی میاں بیوی لعان کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں گواہی کے وقت لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور فرمایا کہ پانچویں گواہی واجب کرنے والی ہے۔“ (نسائی)

تشریح: کسی خاوند نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہوگی اور بیوی نے اس کی تردید کی ہوگی اور صورت حال کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے لعان کا ارادہ کیا ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو لعان کا حکم دیا اور اسی وقت ایک دوسرے شخص کو یہ حکم فرمایا کہ جب پانچویں گواہی کی باری آئے تو لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دینا تاکہ وہ پانچویں گواہی دے کر لعان کو پورا نہ کرے۔ اس حکم کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جب اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جائے گا تو اسے تنبیہ اور احساس ہوگا اور جو جگہ بات ہوگی اس کا اقرار کر کے پانچویں گواہی سے باز رہے گا اور جب پانچویں گواہی پوری نہیں ہوگی تو لعان واقع نہیں ہوگا یہ گویا اس بات کی علامت ہے کہ آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے روکنے کی کوشش کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جو جگہ بات ہو میاں بیوی اس کا اقرار کریں اور اس دنیا کے آسان عذاب (یعنی زنا یا تہمت کی حد) کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے محفوظ رہیں۔

شیطان، میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کی کوشش کرتا ہے

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَعِزْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَائِشَةُ أَغِزْتُ فَقُلْتُ مَا لِي لَا يَغَارُ مِنِّي عَلَى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكَ شَيْطَانُكَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْعَى شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ وَلَكِنْ أَعَانَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ حَتَّى أَسْلَمَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک (مرتبہ شعبان کی پندرہویں) رات کو نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے آپ ﷺ پر بڑی غیرت آئی پھر جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور میں جس کیفیت میں مبتلا تھی اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ”عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ”بھلا میری ایسی عورت کو آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت کیوں نہ آئے گی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”دراصل تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا ہے (یعنی شیطان نے تمہیں شک و شبہ میں مبتلا کر دیا) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ میں نے کہا ”یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر حاوی کر دیا ہے یہاں تک کہ میں اس (و سوسہ) سے سالم (محفوظ) رہتا ہوں (حتیٰ اسلم) کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یعنی میرا تابع ہو گیا ہے۔“ (اسلم)

تشریح: ایک مرتبہ شعبان کی پندرہویں شب میں آنحضرت ﷺ چپکے سے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اٹھ کر جنت البقیع تشریف لے گئے تاکہ وہاں مردوں کے لئے ایصالِ ثواب اور دعا و مغفرت کریں لیکن حضرت عائشہؓ یہ سمجھیں کہ آپ ﷺ میرے پاس سے اٹھ کر اپنی کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں، یہ گویا شیطان کا فریب تھا جس نے انہیں اس شک میں مبتلا کر دیا، اس کی وجہ سے ان کو بڑی غیرت آئی ان کی قلبی کیفیت متغیر ہو گئی، چنانچہ وہ بھی گھبرا کر انھیں اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں پھر انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی منزل کسی دوسری بیوی کا مکان نہیں ہے بلکہ جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان) ہے جہاں آپ ﷺ اس دنیا سے چلے جانے والے مسلمانوں کے لئے دعاء مغفرت میں مشغول ہیں، یقینی بات ہے کہ جس شک و شبہ نے حضرت عائشہؓ کو اتنا اکسایا اور گھبراہٹ میں مبتلا کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی گھر میں پہنچ جانا چاہتی ہوں گی چنانچہ وہ وہاں سے بھاگی دوڑتی گھر کی طرف چلیں جب گھر میں داخل ہوئیں تو کچھ دوڑنے کی وجہ سے اور کچھ بذاتِ امت کے سبب سینہ دھوئی بن گیا اور دم پھولنے لگا ان کے بعد ہی آنحضرت ﷺ گھر میں آئے اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت دیکھی کہ دم چڑھ رہا ہے اور گھبراہٹ طاری ہے تو فرمایا آخر اتنی گھبراہٹ تم پر کیوں طاری ہو گئی کیا تم نے محض اس وجہ سے غیرت محسوس کی کہ میں اس طرح کیوں چلا گیا اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے جو کچھ کہا وہ دراصل عورت کے جذباتِ فطرت کی بڑی حسین اور دلچسپ ترجمانی تھی انہوں نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ جیسی صورت آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت نہ کرے؟ یعنی اگرچہ مجھے آپ ﷺ کی بے پناہ محبت حاصل ہے لیکن میری سونکھیں بھی کئی ہیں اور پھر آپ ﷺ تمام ظاہری و باطنی جمال و کمال سے متصف ہیں ایسی صورت میں کیونکر شک و غیرت میں مبتلا نہ ہوں۔

بَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

عدت کے معنی: لغت میں عدت کے معنی ہیں ”شمار کرنا“ اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع و ایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز (مثلاً نکاح فاسدا لوث جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیح ہو چکی ہو، یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت تک (جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے، جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کی مدت: جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق ملی ہو، بیٹھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جو عورت کے ساتھ نہرہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد نے کسی غیر

عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے محبت کر لی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہو گا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر کو جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو، جیسے موقت نکاح اور پھر تفریق کرادی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مر گیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ اتم ولد جب کہ آزاد کردی جائے یا اس کا سولی مر جائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کی وجہ سے یا بامعہ ہونے کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔

جس آزاد عورت کا خاوند مر گیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو۔ خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو، خواہ وہ بالغہ ہو یا بالغہ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اگر کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی۔ ولادت ہونے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگرچہ خاوند کے طلاق دینے یا خاوند کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد ولادت ہو جائے، یہاں تک کہ کتاب مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ ابھی تختہ پر نہ بلایا جا رہا تھا یا کھنایا جا رہا تھا کہ اس عورت کے ولادت ہو گئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

جو عورت آزاد نہ ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا خاوند اس کو طلاق دیدے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی اور اگر اس کا خاوند مر جائے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

عدت کی ابتداء کا وقت: طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا، اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا، اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی، تو اس کی عدت پوری ہو گئی اعدت کے مسائل کی باقی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عدت کے دنوں میں شوہر پر نفقہ اور سکنی واجب ہے یا نہیں

① عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا عَمْرٍو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا النِّتَةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكَيْلَهُ الشَّعْبِزِي فَسَخَطْنَاهُ فَقَالَ وَاللَّهِ مَا لَكَ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَبَجَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَيْسَ لَكَ نَفَقَةٌ فَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكَ ثُمَّ قَالَ يَلِكُ امْرَأَةٌ يَفْشَاهَا أَصْحَابِي اعْتَدِي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْنُومٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَصْعِقُ بَيْتَكَ فَإِذَا أَحْلَلْتَ فَأَذْبِنِي قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ ابْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي فَقَالَ أَمَا أَبُو الْجَهْمِ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُغْلُوكَ لَا مَالَهُ إِنَّكِ حَيٌّ أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَكِرْهُنَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّكِ حَيٌّ أَسَامَةُ فَتَكْفِيهِ فَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا وَاعْتَبَطَ، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا فَأَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَزَجَلُ صَرَّابٍ لِلنِّسَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَآتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَكَ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا۔

”ابو سلمہؓ فاطمہ بن قیس سے نقل کرتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفصؓ نے فاطمہ بن قیسؓ کو (جو ان کی بیوی تھیں) تین طلاقیں دیں جب کہ وہ خود موجود نہیں تھے (یعنی عمرو کہیں باہر تھے وہیں سے انہوں نے کسی کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ میں نے طلاق دی) پھر ابو عمروؓ کے وکیل (کارندے) نے (بطور نفقہ) فاطمہؓ کے پاس کچھ جو بھیجے۔ فاطمہؓ (کے خیال میں جو کہ وہ مقدار بہت کم تھی اس لئے وہ اس پر ناراض ہوئیں وکیل نے کہا کہ ”خدا کی قسم! ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے“ (کیونکہ تمہیں تین طلاقیں مل چکی اس کے نفقہ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس وقت تمہیں جو کہ بھی مقدار دی گئی ہے وہ محض احسان و سلوک کے طور پر ہے) فاطمہؓ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نفقہ (ابو عمروؓ پر) واجب نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے فاطمہؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ اُمّ شریک کے گھر عدت میں بیٹھ جائیں لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُمّ شریک کے گھر میں میرے صحابہؓ (جو اُمّ شریکؓ کے عزیز و اقارب اور آل اولاد ہیں) آتے جاتے ہیں (اس لئے ان کے گھر میں تمہارا بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا البتہ تم ابن مکتومؓ کے ہاں عدت کے دن گزار لو کیونکہ وہ ایک اندھے آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو اور جب تم حلال ہو جاؤ (یعنی تمہاری عدت کے دن پورے ہو جائیں) تو مجھے اطلاع کر دینا (تاکہ میں تمہارے دوسرے نکاح کی فکر کروں) فاطمہؓ کہتی ہیں کہ پھر جب میں حلال ہو گئی تو میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”معاویہ ابن ابی سفیانؓ اور ابو جہمؓ نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے (آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ابو جہمؓ (کی بات تو یہ ہے کہ وہ) اپنی لائھی اپنے کاندھے سے (کبھی) رکھتے ہی نہیں اور معاویہؓ غریب آدمی ہیں جن کے پاس مال و اسباب نہیں ہے (لہذا میری رائے میں تو مناسب یہ ہے کہ تم اسامہؓ ابن زیدؓ سے نکاح کر لو“ چنانچہ میں نے اسامہؓ سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح اور اسامہؓ کی رفاقت) میں خیر و برکت عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا (یعنی ہم دونوں کی رفاقت اتنی راس آئی اور ہم میں اتنی الفت و محبت پیدا ہوئی کہ جو بھی دیکھتا مجھ پر رشک کرتا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فاطمہؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو جہمؓ ایک ایسا مرد ہے جو عورتوں کو بہت مارتا ہے“ (مسلم) اور مسلمؓ ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ فاطمہؓ کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارا نفقہ (تمہارے شوہر کے ذمہ) نہیں ہے ہاں اگر تم حاملہ ہو تیں (تو اس پر تمہارا نفقہ واجب ہوتا)۔“

تشریح: ”وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ چونکہ نابینا ہیں اس لئے تمہیں وہاں پردے کی احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر یہ ترجمہ کیا جائے کہ ”وہاں تم اپنے کپڑے رکھ دو“ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہاں تم جب تک عدت میں رہو، زینت و آرائش کے کپڑے نہ پہننا! یا پھر اس جملہ کے ذریعہ کنایہ یہ اظہار مقصود تھا کہ ایام عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اجنبی مرد اس کو نہ دیکھے، لیکن یہ استدلال کمزور و ضعیف ہے اور صحیح وہی بات ہے جو اکثر علماء کا قول ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کو اجنبی عورت دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کو بھی اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کے حق میں یہ حکم دیا ہے کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ (الایہ)۔

”(اے محمد ﷺ) آپ ﷺ (مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) (آخر آیت تک)۔“

اسی طرح عورتوں کے حق میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ۔

”اور مسلمان عورتوں سے (بھی یہی) کہہ دیجئے کہ (وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) (آخر آیت تک)۔“

نیز اس سلسلہ میں حضرت ابن اُم مکتومؓ سے متعلق اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کی وہ روایت بھی ایک بڑی واضح دلیل ہے جس میں حضرت اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہؓ آنحضرت کے پاس تھیں کہ اچانک حضرت ابن اُم مکتومؓ آگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ پردہ کرلو، حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں یہ ہمیں کہاں دیکھ رہے؟ کہ ہم ان سے پردہ کریں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

أَفْعَمِيَا وَإِنْ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تَبْصِرَانِيهِ۔

”کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟۔“

پھر حضرت فاطمہؓ کی اس روایت سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو دیکھنا حضرت فاطمہؓ کے لئے جائز قرار دیا تھا بلکہ دراصل آنحضرت ﷺ کا مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ تم ابن اُم مکتومؓ کے ہاں امن و حفاظت کے ساتھ رہو گی کیونکہ ان کے ہاں ہمیں کوئی دیکھے گا نہیں، اور جہاں تک حضرت فاطمہؓ کا سوال ہے تو انہیں خود ہی کتاب اللہ کا یہ حکم معلوم تھا کہ اجنبی مرد کو دیکھنا ممنوع ہے اس لئے ان سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت ابن مکتومؓ کو دیکھتی ہوں گی؟ بہر کیف حضرت فاطمہؓ کی اس روایت سے بعض علماء نے عورت کو اجنبی مرد کے دیکھنے کا جواز ثابت کیا ہے اس کے متعلق اکثر جہور علماء کی طرف یہ سے جواب دیا جاتا ہے۔

اب رہی بات حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فقہی مسلک کی تو یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ان کے نزدیک اجنبی مرد کو اس کے زیر ناف سے زیر زانو تک کے حصہ کے علاوہ دیکھنا عورت کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ جنسی ترغیب (شہوت) سے محفوظ و مامون ہو اگر جنسی ترغیب سے امون نہ ہو تو پھر اجنبی مرد کے پورے جسم کو دیکھنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

”ابو جہمؒ اپنی لاشی اپنے کاندھے سے رکھتے ہی نہیں“ اس سے ابو جہمؒ کی تند خوئی اور درشت مزاجی کی طرف اشارہ مقصود تھا۔ کہ ابو جہمؒ بہت سخت گیر اور تند خو ہیں، وہ عورتوں کو مارتے ہیں، ان سے تمہارا نباہ مشکل ہوگا۔ اس نے معلوم ہوا کہ جس شخص کو مرد یا عورت کا کوئی عیب معلوم ہو تو مٹگئی کے وقت اس کا اظہار کر دینا جائز ہے تاکہ شادی کے بعد وہ دونوں ہی کسی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

فاطمہؓ نے حضرت اسامہؓ کے انتخاب کو اس لئے ناپسند کیا کہ وہ اول تو آنحضرت ﷺ کے غلام کے بیٹے تھے، دوسرے ان کا رنگ سیاہ تھا جب کہ حضرت فاطمہؓ قریشی تھیں اور خوبصورت بھی تھیں لیکن حضرت اسامہؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کو بہت محبوب تھے اور انہیں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں ایک مخصوص فضیلت اور تقرب حاصل تھا اس لئے آپ ﷺ نے دوبارہ انکی سفارش کی جس کے بعد فاطمہؓ نے بھی انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حکم نبوی کے مطابق حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نکاح میں خیر و برکت عطا فرمائی اور ان کو اسامہؓ کی زوجیت و رفاقت میں چین و آرام نصیب ہوا۔

اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو عدت پوری ہونے تک اس کا نفقہ (کھانے پینے اور کپڑے کا خرچ) اور سکنی (رہنے کی جگہ) شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض علماء کے نزدیک شوہر پر اس عورت کا نفقہ اور سکنی واجب ہے سکنی تو آیت سے ثابت ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ۔

”تم ان (مطلقہ) کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو۔“

اور نفقہ کے اعتبار سے واجب ہے کہ وہ عورت اسی شوہر کی وجہ سے تمام پابندیوں کے ساتھ عدت میں بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر

فاروقؓ بھی اسی کے قائل تھے بلکہ وہ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ہم ایک عورت (فاطمہ بنت قیسؓ) کے کہنے سے (کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا نفقہ اور سکنی تمہارے شوہر کے ذمہ نہیں ہے) کتاب اللہ اور آنحضرت ﷺ کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے (جس سے نفقہ اور سکنی کا واجب ہونا ثابت ہے) ہو سکتا ہے کہ فاطمہؓ کو اشتباہ ہوا ہو یا انہیں آپ کا اصل ارشاد یاد نہ رہا ہو چنانچہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کا نفقہ اور سکنی شوہر کے ذمہ ہے لیکن حضرت ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صحابہؓ کے سامنے پیش آیا تھا (ان صحابہؓ میں سے کسی نے فاطمہؓ کے قول کی تردید نہیں کی ہے اس لئے یہ بمنزلہ اجماع کے ہوا)۔

حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لئے نہ تو نفقہ واجب ہے اور نہ سکنی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت اَسْكُنُوهُنَّ الْخ کے موجب اس عورت کے لئے سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے ہاں اگر اسے حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو تو اس حدیث کے عاقل اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَخَشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلَذَاكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي فِي الثَّقَلِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ إِلَّا تَعْنِي اللَّهُ تَعْنِي فِي قَوْلِهَا لَا سَكْنَى وَلَا نَفَقَةَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیسؓ جس مقام میں رہتی تھی وہ ایک ویران جگہ تھی اور وہاں اس کے بارہ میں اندیشہ رہتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو (عدت کے دنوں میں اپنے مکان سے ابن مکتومؓ کے مکان میں) منتقل ہونے کی آسانی عطا فرمادی تھی۔“ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا ”کہ فاطمہؓ کو کیا ہوا ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟ اس سے حضرت کی مراد فاطمہؓ کے اس قول کہ نہ نفقہ واجب ہے اور نہ سکنی ”کی تردید کرنا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ ایک ویران جگہ میں تھا جہاں ہر وقت چور وغیرہ کا اندیشہ رہتا تھا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں اس مکان سے حضرت ابن مکتومؓ کے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس بیان سے حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ آگاہ کرنا تھا کہ فاطمہؓ اپنی عدت کے دنوں میں اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر غیر کے گھر میں جو بیٹھی تھیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تین طلاقیں والی عورت کے لئے سکنی نہیں ہے اور وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے، بلکہ فاطمہؓ کا اپنے خاوند کے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے مکان میں عدت گزارنے کا سبب یہ ہے جو بیان کیا گیا۔

دوسری روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیسؓ آنحضرت ﷺ سے یہ نقل کیا کرتی تھیں، کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لئے نہ تو نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان کی اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ فاطمہؓ اس قول ”نہ نفقہ اور نہ سکنی ہے“ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتی، آنحضرت نے اس طرح ہرگز نہیں فرمایا ہوگا بلکہ فاطمہؓ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

گویا اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کا بھی وہی مسلک تھا جو حضرت عمرؓ کا تھا اور یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی مؤید ہے کہ طلاق بائن والی عورت کے لئے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی ہے۔

(۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اِنَّمَا ثَقُلْتُ فَاطِمَةَ لِظُلُولِ لِسَانِهَا عَلَى اَحْمَائِهَا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت سعید ابن مسیبؒ کہتے ہیں کہ فاطمہؓ کو (عدت کے زمانہ میں اس کے خاوند کے گھر سے) اس لئے منتقل کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے عزیزوں سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: عدت کے زمانہ میں اپنے خاوند کے گھر سے فاطمہؓ کے اٹھ آنے کا ایک سبب تو وہ تھا جو اوپر کی حدیث میں بیان کیا گیا یعنی ان کے گھر کا ویران جگہ میں ہونا اور دوسرا سبب یہ ہے جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طَلَّقْتُ خَالَتِي ثَلَاثًا فَأَرَادَتْ أَنْ تَخْرُجَ فَاتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلَىٰ فَجَدِّعِي نَخْلَكَ فَإِنَّهُ عَسَىٰ أَنْ تَصْدَقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئی (اور وہ عدت میں بیٹھ گئیں) پھر (ایک دن) انہوں نے ارادہ کیا کہ (گھر سے باہر جا کر) کھجوریں توڑ لائیں تو ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا ”وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ واقعہ بیان کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جاؤ اور اپنے درخت سے کھجوریں توڑ لاؤ، کیونکہ شاید تم وہ کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو یا ان کے ذریعہ احسان کرو۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کھجوریں اتنی مقدار میں ہو جائیں گی کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تم ان کی زکوٰۃ ادا کرو گی اور اگر بقدر نصاب نہیں ہوں گی تو پھر تم ان کے ذریعہ احسان و سلوک کرو گی بایں طور کہ اپنے ہمسایوں اور فقراء کو نفل صدقہ کے طور پر دو گی یا لوگوں کے پاس بطور تحفہ بھیجو گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ صدقہ نہ کرتیں تو ان کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو اپنی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اس مسئلہ میں خفیہ کا جو مسلک ہے وہ ائمہ عظیمہ کی روایت کے ضمن میں بیان ہو گا جو آگے آئے گی۔

حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے

⑤ وَعَنِ الْمُسَوِّرِينَ مَخْرَمَةَ أَنَّ سَبِيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ نَفَسَتْ بَعْدَ وِفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَْالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ فَأَذِنَ لَهَا فَتَكَحَّتْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے خاوند کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ولادت ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی، اور انہوں نے نکاح کر لیا۔“ (بخاری)

تشریح: سبیعہ اسلمیہؓ اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھیں چنانچہ خاوند کی وفات کے چند ہی دنوں بعد ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

علماء لکھتے ہیں کہ اگر خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد عورت کے ہاں ولادت ہو جائے تو وہ عدت سے نکل آتی ہے اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ ولادت یا وفات کے تھوڑی ہی دیر بعد ہو۔

عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت

⑥ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ بَنِيَّ تَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا وَقَدْ اسْتَكْتَتْ عَيْتَهَا أَفَتَكْهُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَمَّ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَزْمِي بِالْبُعْزَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے (جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ اس عورت نے یہ دوبار تین بار پوچھا اور آپ ﷺ ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ ”نہیں“ پھر فرمایا کہ ”عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت (یعنی بیوہ) سال بھر کے بعد میٹگنیاں پھینکتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث بظاہر امام احمدؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو، خواہ آنکھیں دکھنے کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بنا پر لگانا چاہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ ڈالے۔

اس حدیث کے بارہ میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہو گا مگر یہاں کیا ہو گا آنکھ دکھنے کا اور چونکہ آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہو گا اس لئے آپ ﷺ نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مر جاتا وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر و بیشتر ناٹ اور مندے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی، زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی، غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا، اس دن اس کے پاس گدھایا بکری اور یا کوئی بھی جانور و پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد اس کو ٹھری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند میٹگنیاں دی جاتیں جن کو وہ پھینکتی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جب کہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم

⑥ وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَزَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَزَوُّجًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَجِدَ عَلَى مِيتَةٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت اُم حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو بھی عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے ہاں اپنے شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن تک کیا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سوگ“ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار ترک کر دے اور خوشبو و سرمہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے؟ چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینہ دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتداء کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتداء خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی، لیکن حضرت علیؓ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مر گیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار

مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہو گئی جب کہ حضرت علیؑ کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

⑧ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَضْبُوعًا إِلَّا تَوْبَ عَصَبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طَبِيبًا إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ نُبْدَةٌ مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ - متفق عليه وزاد ابو داؤد وَلَا تَخْتَضِبُ -

”اور حضرت اُم عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور (ان ایام یعنی زمانہ عدت میں) عصب کے علاوہ نہ تو کوئی رنگین کپڑا پہنے، نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قسط یا اظفار استعمال کرے تو قباحات نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”رنگین“ کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جو کسم، زعفران اور گیر و وغیرہ کے تیز اور شوخ رنگ میں رنگا گیا ہو اور عام طور پر زینت و آرائش کے طور پر پہنا جاتا ہو اور کتاب ”کافی“ میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس رنگین کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ ہو تو وہ رنگین کپڑا بھی پہن سکتی ہے کیونکہ اس کی ستر پوشی بہر حال زیادہ ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان رنگین کپڑوں کو زیب و زینت کے مقصد سے استعمال نہ کرے۔

”عصب“ اس زمانہ میں ایک خاص قسم کی چادر کو کہتے تھے جو اس طور پر بنی جاتی تھی کہ پہلے سوت کو جمع کر کے ایک جگہ باندھ لیتے تھے پھر اس کو کسم میں رنگتے تھے اور اس کے بعد اس کو بننے تھے چنانچہ وہ سرخ رنگ کی ایک چادر ہو جاتی تھی جس میں سفید دھاریاں بھی ہوتی تھیں کیونکہ سوت کو باندھ کر رنگنے کی وجہ سے سوت کا وہ حصہ سفید رہ جاتا تھا جو بندھا ہوا ہوتا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدت والی عورت کو رنگین کپڑا پہننے کی جو ممانعت ہے اس کا تعلق اس کپڑے سے ہے جو بننے کے بعد رنگا گیا ہو تو اس کا پہننا بھی درست ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ حنفی یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (حنفیہ) کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب کا پہننا بھی درست نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب پہننا جائز ہے خواہ وہ موٹا ہو یا مہین ہو جب کہ حضرت امام مالکؒ مہین عصب کو پہننے سے منع کرتے ہیں موٹے عصب کو منع نہیں کرتے۔

سرمہ لگانے کے سلسلہ میں ائمہ کے جو اختلافی اقوال ہیں وہ پیچھے حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ (حنفی مسلک کے مطابق) عدت والی عورت کو مجبوری کی حالت میں سرمہ لگانا جائز ہے ویسے جائز نہیں ہے۔ ”قسط اور اظفار“ یہ دونوں ایک قسم کی خوشبو ہیں ”قسط“ تو عود کو کہتے ہیں جس کی عام طور پر عورتیں یا بچے دھونی لیتے ہیں کرمائی نے کہا ہے کہ ”قسط“ عود ہندی کو کہتے ہیں جسے اگر یا کوٹ کہا جاتا ہے۔

”اظفار“ ایک قسم کا عطر ہوتا تھا یہ دونوں خوشبوئیں اس زمانہ میں عام طور پر عرب کی عورتیں حیض سے پاک ہوتے وقت بدبودور کرنے کے لئے شرمگاہ میں استعمال کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عدت والی عورت کو خوشبو استعمال کرنے سے منع فرمایا لیکن حائضہ کو حیض سے پاک ہوتے وقت بدبودور کرنے کے لئے ان دونوں خوشبوؤں کے استعمال کی اجازت دیدی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے۔ خواہ وہ بدخول بیہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو) یا غیر بدخول بیہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، خواہ باکرہ ہو یا

شیبہ، خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے ① کافرہ ② مجنونہ ③ صغیرہ ④ معتدہ عتق یعنی وہ اتم ولد جو اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے مولیٰ کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑤ وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑥ وہ عورت جو وطی بالشبہ کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جماع کر لیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑦ وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف مباح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کر کے بناؤ سنگار کرے اور بیوی، خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے احکام و مسائل: جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو فقط اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، اس کے لئے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ و مسلمہ (یعنی بالغ و عاقل اور مسلمان) ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے اور نہ بناؤ سنگار کرے یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا، کپڑے بسانا یا زور گنا پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، کسی ملنا، سر میں تیل ڈالنا، گنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بہار دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے۔ اسی طرح دوا کے لئے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کر دیا گیا یا خاوند مر گیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت عتق (یعنی آزادی) کی عدت میں ہو جیسے اتم ولد کو اس کا مولیٰ آزاد کر دے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، تو اس پر بھی سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنایہ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں، یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں، جائز ہے، مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلتا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لونڈی اپنے آقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معتدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ و طلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو، ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکالا جائے اس مکان میں اپنے مال و اسباب کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔ اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں

کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور ناقابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاوند کا منتقل ہونا اولیٰ ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتمد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد، عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی (یعنی تین دن کے سفر) سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آ جائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے اس کا شہر سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا ولی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے اور نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

الفصل الثانی

معتدہ کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا جائز نہیں

⑨ وَعَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ كَعْبٍ أَنَّ الْفَرِيعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ عَبْدِ اللَّهِ أَبَقُوا فَاقْتُلُوهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَبْرُدْ كُنْتُ فِي مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةَ فَقَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَإِنْ صَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحِجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي فَقَالَ أَمْكُنِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَأَعْتَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

(رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت زینب بنت کعبؓ فرماتی ہیں کہ فریہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن ہیں، مجھے بتایا کہ وہ (فریہ) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں یہ پوچھنے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ (اپنی عدت گزارنے کے لئے) اپنے میکہ بنی خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا چنانچہ فریہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے میکہ میں آ جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”بہتر ہے کہ تم اپنے میکہ چلی جاؤ، چنانچہ میں (یہ اجازت حاصل کر کے) واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبویؐ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے پھر لایا اور فرمایا ”تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو (جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگرچہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے) تا آنکہ کتاب (یعنی عدت) اپنی مدت تک پہنچ جائے“ فریہؓ کہتی ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے مطابق) چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔“

(مالک، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی) عورت کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آنا

درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مرجانے کا وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، اس کے لئے سکنی (یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے سکنی ضروری ہے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی اسی کے قائل تھے۔ ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے تو فریہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دیدی مگر پھر آپ ﷺ نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں، اس سے ثابت ہوا کہ فریہ کو پہلے آپ ﷺ کا اجازت دینا آپ ﷺ کے اس امکشی فی بیتک الخ (تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فریہ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ اور پھر بعد میں آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا، اس مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جو مسلک ہے۔ وہ انشاء اللہ باب التفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کی جائے

⑩ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوَفِّي أَبُو سَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبْرًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ إِنَّمَا هُوَ صَبْرٌ لَيْسَ فِيهِ طَيِّبٌ فَقَالَ إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزَعِيهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْسُطِي بِالطَّيِّبِ وَلَا بِالْحَنَاءِ فَإِنَّهُ خِصَابٌ قُلْتُ بَابِي شَيْءٌ أَمْتَشِطُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِالسِّدْرِ تَغْلِفِينَ بِهِ وَاسْلُكِي - (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت اُم سلمہؓ (جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں) روایت کرتی ہیں کہ جب (میرے پہلے شوہر) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا (اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی) تو (ایک دن) رسول کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلو الگا رکھا تھا، آپ ﷺ نے یہ (دیکھ کر) فرمایا کہ اُم سلمہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ”یہ تو ایلو ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مگر ایلو اچھے کو جو ان بنا دیتا ہے (یعنی ایلو الگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے) لہذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر (کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو) رات میں لگالو اور دن میں صاف کر ڈالو (کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان بھی ہوگا) اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی (سرخ) رنگ لئے ہوتی ہے اور (اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ (یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں) آپ ﷺ نے فرمایا بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو (یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: خوشبودار تیل کے بارہ میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تیل کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے سے بھی منع

کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، اور علماء طواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

⑪ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعْصَفَرُ مِنَ الْقِيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ - (رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت اُم سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرو میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو، پہننا بھی درست ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً بھلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث

⑫ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ أَنَّ الْأَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِينَ دَخَلَ مَرَاتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْخِيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةَ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ زَيْدٌ أَنَّهَا إِذَا دَخَلَ فِي الدَّمِ مِنَ الْخِيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرْثُهَا وَلَا تَرِثُهُ - (رواہ مالک)

”حضرت سلیمان ابن یسارؒ کہتے ہیں کہ احوصؒ نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوصؒ نے (اپنے مرنے سے پہلے) ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہؓ ابن ابوسفیانؓ نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابتؓ کو خط لکھا، حضرت زیدؓ نے حضرت معاویہؓ کو جواب میں لکھا کہ ”جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوصؒ سے الگ ہو گئی اور احوصؒ اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوصؒ اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوصؒ کی وارث ہوئی۔“ (مالک)

تشریح: صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوصؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی (اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوصؒ کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید ابن ثابتؓ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت، خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زیدؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہو گئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا۔ پوری ہو گئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہو گئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوصؒ کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جب کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد عدت کے بارہ میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طہی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارہ میں جو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَالْمُطَلَّقَةُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (البقرہ ۲۰۴:۲۲۸)

”اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک۔“

تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں (گویا طہی) کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں) حالانکہ (طہی) کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ (اول تو یہ ایک صحابیؓ (حضرت زید بن ثابت) کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی (حضرت زیدؓ سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے) چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ عدۃ لامۃ حیضستان یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثۃ قروء سے مراد ”تین حیض“ ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی (طلاق کی عدت میں) جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے، مرد (یعنی خاوند) کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے) اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ”قروء“ سے ”حیض“ مراد ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ

(۱۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَيَّمَا أَمْرٍ أَطَلَّقْتُ فَحَاصَتْ حَيْضَةٌ أَوْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ رُفِعَتْ عَنْهَا حَيْضَتُهَا فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذَلِكَ وَالْأَعْتَدْتُ بَعْدَ التَّسْعَةِ الْأَشْهُرِ ثُمَّ حَلَّتْ۔ (رواہ مالک)

”اور سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا ”جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور اس کو ایک یا دو بار حیض آکر پھر موقوف ہو گیا ہو تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے اگر (اس عرصہ میں) حمل ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ جب ولادت ہوگی تو عدت پوری ہوگی اور حمل ظاہر نہ ہو تو پھر نو مہینے کے بعد تین مہینے تک عدت کے دن گزارے اور اس کے بعد حلال ہو (یعنی عدت سے نکل آئے)۔“ (مالک)

بَابُ الْإِسْتِبْرَاءِ

استبراء کا بیان

شریعت میں ”استبراء“ کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی (صفائی) طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خرید ا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے بیہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کر لے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آجائے اگر اس کو حیض آتا ہو، یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت نے

کیوں نہ خرید اہویا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ”استبراء“ میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ہونا معلوم ہو جائے تاکہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوٹاس کے غزوہ کے موقع پر حاصل ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں فرمایا کہ ”خبردارا حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے“ اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی طرح نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی، اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا گیا۔

الفصل الاول

استبراء کے بغیر لونڈی سے جماع کرنے والا لعنت کا مستحق ہے

① عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ مُجِبَّحَ فَسَأَلَ عَنْهَا فَقَالُوا أَمَةٌ لِفُلَانٍ قَالَ أَيْلِمُ بِهَا قَالُوا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ فِي قَبْرِهِ كَيْفَ يَسْتُخْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ أَمْ كَيْفَ يُؤَزِّنُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی، آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”فلاں شخص کی لونڈی ہے“ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے؟“ صحابہؓ نے عرض کیا ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بائیں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنایا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے، یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے۔ ”وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا“ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی، بغیر استبراء کے صحبت کرنے والے کی ملکیت میں آئی ہے تو اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے (جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے) تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کو اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا (جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا) لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرنا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کا مستحق کرنے والی صورت ہے لہذا اثبات ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

بغیر استبراء لونڈی سے صحبت کرنے کی ممانعت

② عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ لَا تُؤْتَ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً - (رواه احمد والبوداؤد والداري)

”حضرت ابو سعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔“ (احمد، البوداؤد، داری)

تشریح: اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔

لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں آئمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ دار الحرب سے کسی کافر کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ (یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ ان کے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

③ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَا يَحِلُّ لِمَرْءٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ يَعْنِي إِيْتَانِ الْحَبَالِيِّ وَلَا يَحِلُّ لِمَرْءٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَقْعَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ السَّبْيِ حَتَّى يَسْتَبْرَأَ هَا وَلَا يَحِلُّ لِمَرْءٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَبِيعَ مَغْنَمًا حَتَّى يَقْسَمَ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ إِلَى قَوْلِهِ زَرْعَ غَيْرِهِ -

”اور حضرت روفیع ابن ثابت الانصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ ”جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بھتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔“ (یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے، جائز نہیں ہے) اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے) اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) البوداؤد، اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر حائضہ لونڈی کے حق کے استبراء کی مدت

(۴) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْإِمَاءِ بِحَيْضَةٍ إِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيضُ وَثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ إِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ وَيَنْتَهَى عَنْ سَفْيِ مَاءِ الْغَيْرِ۔

”حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے (یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے) نیز آپ ﷺ نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔“

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔

غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک مہینہ یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظریہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے

(۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا وَهَبَ الْوَلِيدَةُ الَّتِي تُوْطَأُ أَوْ بُعِثَتْ أَوْ أُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِئِ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تَسْتَبْرِئِ الْعَذْرَاءَ وَاهْمَا رَزِينٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ”جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا بہہ کی جائے، یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک (صاف) کرے البتہ باکرہ (کنواری) کو پاک (صاف) کرنے کی ضرورت نہیں ہے“ یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں۔“

تشریح: اس حدیث پر ابن شریحؒ نے عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

اہم ولد کی عدت: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس اہم ولدہ کا آقا مر جائے یا اس کو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوں گی۔

اور علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ اہم ولدہ نہ تو حاملہ ہونے کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو، چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اس (موٹی) کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی

وجہ سے یا آقا کے مرجانے کے سبب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ خفیہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ (آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مرجانے کی صورت میں) اتم ولد کی عدت ایک حیض ہے، خفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی قول یہی ہے۔

بَابُ النَّفَقَاتِ وَحَقِّ الْمَمْلُوكِ

نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان

”نفقات“ نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام، لباس اور سکنی (مکان) کو ”نفقہ“ کہتے ہیں چونکہ ”نفقہ“ کی کئی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ، اولاد کا نفقہ، والدین کا نفقہ اور عزیز و اقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں ”نفقات“ یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں ”نفقہ“ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

”لونڈی غلام کے حقوق“ کا مطلب ہے ان کو کھانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت و ہمت سے باہر ہوں۔ بیوی کے نفقہ کے احکام و مسئلہ: مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ ہو، خواہ بالغہ ہو، یا ایسی نابالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو یا اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو (کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو) یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنائے، دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اس کے مطابق جنس و سامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس و سامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر بیوی کا اس طرح ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ (کھانے پینے کا خرچ) مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کرائی جائے گی اسی طرح ایک سال میں دو مرتبہ کپڑا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کپڑا ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر اس کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر نے ماہانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ رہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت و حیثیت کا اعتبار ہو گا، اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت و حیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہو گا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہو گا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگ دست ہو یا میاں تنگ دست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہو گا یعنی وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگ دستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت و حیثیت کا ہو گا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت و حالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر بیوی کے درمیان خوشحالی و نیکدستی کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو یعنی شوہر تو کہے کہ میں نیکدست ہوں اس لئے نیکدستی کا نفقہ دوں گا۔ اور بیوی کہے کہ نہیں، تم خوشحال ہو اس لئے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم وقاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا۔ اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہو گا اور اگر شوہر نیکدست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہو گا۔

اگر حاکم وقاضی نے شوہر کی نیکدستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے نیکدستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور بیوی نے خوش حالی کے نفقہ کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے خوش حالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر نیکدست ہو گیا تو اب نیکدستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائے گا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا، نیز جو بیوی کسی دین (یعنی قرض وغیرہ) کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھیجی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر جھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا ہاں جو بیوی، شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہو گا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہو گا

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد بیمار ہی شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آکر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہو گا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ و مکان، شرعی مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق خود مقرر و مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل و عیال اور اس بیوی کے اہل و عیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل و عیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنا دینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کوڑا اور تالہ کنجی وغیرہ ہو، خالی کر کے بیوی کو دیدیے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو (اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو) آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روک دے (یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے) اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے (یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے جانے پر پابندی عائد کر سکتا ہے)۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائن ہو یا مغلطہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و سکنی بھی شوہر کے ذمہ ہو گا، مثلاً کوئی اتم ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیارت عقی کی بناء پر

اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی، یا کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص کو یا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو، جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اس کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت (نعوذ باللہ) مرتد ہوگئی یا اس نے اپنے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برا فعل کر لیا جس سے شوہر پر حرام ہوگئی جیسے اس سے ہم بستری کر لی یا اس کو شہوت سے چھو لیا یا اس کا بوسہ لے لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ و سکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کے نفقہ و سکنی کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا یا شہوت سے بوس و کنار کر لیا تو نفقہ و سکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغضہ کی ہو۔

اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل: نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و اسباب نہ ہو) کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگ دست و مفلس کیوں نہ ہو، کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ اگر بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پلے لیتا ہو اور اس کی ماں اس کو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو، تو اس ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہی نہ ہو یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کر دے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کر دے جو بچہ کو ماں کے پاس آکر دودھ پلائے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود ہو تو اس دودھ پلانے والی کی اجرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

اگر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ ماں طلاق بائن یا طلاق مغضہ کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے، بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانے والی کسی دوسری عورت کی بہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کی حماقت ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتمدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و تنگ دست ہو یا بالغ بیٹا اپنا معذور ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گے۔ چنانچہ فتویٰ اسی پر ہے۔ جب کہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دو تہائی حصہ باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل: اصول یعنی باپ، دادا، دادی، نانا، نانی (خواہ اس کے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے، بشرطیکہ اولاد خوشحال و توکل ہو اور خوشحال و توکل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت و درجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ و زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہو۔ اگر توکل اولاد میں مذکور و مونث (یعنی بیٹا اور بیٹی) دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر، برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلہ میں قرب و جزیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا، مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا حق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل: ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپنا حج و معذور ہو یا اندھا ہو یا طالب علم ہو اور یا جہل و بے وقوفی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی و نگہداشت کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و تنگ دست شخص ہے اس کے قریبی اعضاء ہیں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے، ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخیانی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر، برابر حصوں میں کر کے تین حصے تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا، ایک حصہ سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک حصہ اخیانی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح زید کے ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین و معلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر زید (جو محتاج و مفلس ہے) کا ایک ماموں ہے اور ایک چچا زاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا۔

باپ کی بیوی کا نفقہ اس کے بیٹے پر واجب ہوتا ہے اور بہو (لڑکے کی بیوی) کا نفقہ سر پر واجب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ لڑکا نابالغ ہو یا اپنا حج و معذور ہو۔

جو شخص محتاج و مفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین و مذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی، والدین، دادا، دادی، اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکر ہوں یا مونث، یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔ محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال (یعنی اشیاء منقولہ) بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین و باغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا، اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین (یعنی قرض و مطالبہ) ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال (خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ) بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل: آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور اتم ولد اور خواہ وہ کس ہوں یا بڑی عمر والے اور خواہ اپنا حج و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کم کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا، تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن دینار اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا۔ کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے۔ یا اس کے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

الفصل الاول

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُثْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِي مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدَكَ بِالْمَعْرُوفِ - (متفق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد (کی ضروریات) کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو (یعنی اوسط درجہ کا خرچ) اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ① مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے۔ ② نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے۔ ③ فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے۔ ④ کسی شخص کے بارہ میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے، بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو۔ ⑤ اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالبہ کے بقدر لے لے۔ ⑥ بیوی بچہ اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ⑦ بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو۔ ⑧ قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ہندہؓ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔

اللہ کی عطا کی ہوئی دولت کو پہلے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو

② وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْطَى اللَّهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَآهْلِ بَيْتِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرةؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال و دولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے (پھر اس کے بعد حسب مراتب اپنے دیگر متعلقین و اعزاء اور فقراء و مساکین پر خرچ کرے۔“ (مسلم)

غلام کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَيُكَلِّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غلام کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں غلام کے بارہ میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کاروٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت و طاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم کو کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارہ میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح، مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت و ہمت سے زیادہ کسی عمل و فعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر و عمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی کہ جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں، ان کی طاقت و ہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے حدیث مرفوعہ منقول ہے کہ ”غلام کے تین مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ ① جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے۔ ② جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے۔ ③ اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔“

غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

(۴) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ - (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”غلام تمہارے بھائی ہیں اور (دین و خلقت کے اعتبار سے) تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے (تمہاری آزمائش کے لئے) ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے (یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے) تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک پر اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدار کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ

اگر مالک خواہ اپنے زید و تقویٰ کی بنا پر یا ازراہ بخل، اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اس کو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اس کی مدد کرنے پر متعین کرو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے بایں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

غلام کی روزی روکنا گناہ ہے

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَهُ فَهَرْمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَيْتَ الرَّفِيقَ قُوَّتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَاَنْطَلِقْ فَاَعْطِهِمْ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَى بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوَّتَهُ وَفِي رِوَايَةٍ كَفَى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مِنْ يَقُوَّتْ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ”نہیں“ انہوں نے فرمایا کہ ”(فوراً) واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اپنے اہل و عیال اور غلام لونڈی) وہ اس کی روزی کو ضائع کر دے۔“ (مسلم)

اپنے خادم و نوکر کے ساتھ کھانا، کھانے میں عار محسوس نہ کرو

⑥ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِحَدِّكُمُ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَذُخَانَهُ فَلْيَقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوعًا قَلِيلًا فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ اَكْلَةً اَوْ اَكْلَتَيْنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوپ میں تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا، اس خادم کو اپنے ساتھ (دستر خوان پر) بٹھائے (اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس خادم کے ہاتھ پر رکھ دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

غلام کے لئے دوہرا اجر

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَاحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے (یعنی اس کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے) اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے۔ تو اس کو دو ہزار ثواب ملتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس کو دو ہزار ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیر خواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی خدا کی عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت و خیر خواہی کی جائے اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے جیسا کہ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری کرنے والے کو اسی لئے ثواب ملتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت و اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے، بعض حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ غلام کو اس کے ہر عمل پر دو ہزار ثواب ملتا ہے۔

غلام کے لئے بہتر بات کیا ہے؟

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمًا لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَتَوَقَّاهُ اللَّهُ بِحُسْنِ عِبَادَةٍ وَطَاعَةٍ سَيَدْرِي نِعْمًا لَهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک غلام کے لئے اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی بہترین خدمت اور اپنے پروردگار کی اچھی عبادت کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دے“ (یعنی غلام کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کی پوری زندگی اپنے مالک حقیقی کی اطاعت و عبادت اور مالک مجازی کی خدمت و فرمانبرداری میں گزر جائے۔)“ (بخاری و مسلم)

مفرور غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑨ وَعَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الدِّمَةُ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی“ ایک روایت میں حضرت جریرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہو گیا ایک اور روایت میں حضرت جریرؓ ہی سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگا وہ کافر ہو گیا جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آجائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس سے ذمہ ختم ہو گیا“ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی غلام بھاگ کر دار الحرب چلا گیا اور مرتد ہو گیا تو اس سے اسلام کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے اسلام کے درمیان جو عہد و امان تھا اور جس کی وجہ سے اسلامی قانون اس کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن تھا وہ منقطع ہو گیا لہذا اس کو قتل کر دینا جائز ہو گیا، ہاں اگر وہ اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگ کر دار الحرب نہیں گیا بلکہ مسلمانوں ہی کے کسی شہر میں چلا گیا۔ اور مرتد نہیں ہوا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہو گا اس صورت میں یہ جملہ ”اس سے ذمہ ختم ہو گیا“ کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اس غلام کو بھاگنے کے جرم میں جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اسلامی قانون اس کی کوئی مدافعت نہیں کرے گا۔

”وہ کافر ہو گیا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے بھاگنے کو حلال جانا یعنی وہ اس عقیدہ کے ساتھ بھاگا کہ مالک کے ہاں سے میرا مفرور

ہو جانا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے تو وہ حقیقہ کافر ہو گیا اور اگر اس نے بھاگنے کو حلال نہیں جانا تو پھر اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یا تو یہ ہو گا کہ وہ کفر کے قریب پہنچ گیا یا یہ کہ اس کے دائرہ کفر میں داخل ہو جانے کا خوف ہے یا اس نے کافروں کا معاملہ کیا اور یا یہ کہ اس نے اپنے مالک کا کفر ان نعمت کیا۔

غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيٌّ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابو القاسم (نبی کریم ﷺ) فرمایا کرتے تھے کہ ”جو شخص اپنے برہ پر زنا کی تہمت لگائے جب کہ حقیقت میں وہ اس بات سے پاک ہو جو اس کے بارہ میں کہی گئی ہے تو قیامت کے دن اس شخص کو کوڑے مارے جائیں گے ہاں اگر وہ غلام واقعہ ایسا ہو جیسا کہ کہا گیا (یعنی اگر تہمت درست ہو تو پھر اس مالک کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اس کی سزا میں اگرچہ دنیا میں اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے لیکن آخرت میں تمام مخلوق کے سامنے اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا کہ اس کو کوڑے لگائیں جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی عزت و آبرو کا بھی اتنا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ جتنا ایک آزاد شخص کی عزت و حرمت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے زیر دستوں۔ (نو کوڑوں اور غلاموں) کو بے محابا گالیاں دیتے ہوئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ

(۱۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدٌّ لَمْ يَأْتِهِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يَغْتَبِقَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے (یعنی بے گناہ مارے) یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو بلا کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا نادان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ لِلَّهِ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَانْتَفَتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ حُرٌّ لَوْ جِئَهُ اللَّهُ فَقَالَ أَمَّا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْنِكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّكَ النَّارُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا۔ کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ”ابو مسعود! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو“ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو رسول کریم ﷺ تھے میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! (مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب) میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یاد رکھو! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلاتی“ یا فرمایا کہ ”تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو مار کر ایک بڑا گناہ کیا تھا، یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بارے میں ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا۔ تو اس کو آزاد نہ کرنے

کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ حلم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا حق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

الفصل الثانی

اولاد کی کمائی پر باپ کا حق ہے

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي مَالًا وَإِنَّ وَالِدِي يَحْتَاجُ إِلَيَّ مَالِي قَالَ أَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُّوْا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ۔

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”میں مالدار ہوں اور میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم تمہارے مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں کیونکہ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے لہذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔“ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو نیز تمہارے باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔

گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرائے یا اس کی لونڈی سے جماع کر لے تو بسبب شبہ ملکیت اس پر حرام (شرعی سزا) جاری نہیں ہوتی۔

”تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے لہذا اولاد جو کچھ کمائے وہ باپ کے لئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے مثل ہے۔ اولاد کو باپ کی ”کمائی“ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی سعی و فعل کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔

مربی کے حق میں یتیم کے مال کا حکم

(۱۴) وَعَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي فَقِيرٌ لَيْسَ لِي شَيْءٌ وَلِي يَتِيمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَأَنِّلٍ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور میری نگہداشت میں ایک یتیم ہے (تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھالوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہاری نگرانی میں جو یتیم ہے تم اس کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف (فضول خرچی) نہ کرو، خرچ کرنے میں عجلت نہ کرو۔ اور نہ اپنے لئے جمع کرو۔“ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یتیم بچہ کے مال میں سے یتیم کے مربی کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کی اجازت کو آنحضرت ﷺ نے تین باتوں سے

مشروط کیا۔ پہلی شرط تو یہ کہ اس کے مال میں سے صرف اتنا لیا جائے جو اصل ضروریات زندگی کے بقدر ہو اسراف اور اپنی ضرورت و حاجت سے زیادہ خرچ کر کے اس یتیم کے مال کو ضائع نہ کیا جائے دوسری شرط یہ کہ اس کے مال میں سے جو کچھ بھی لیا جائے ضرورت کے وقت لیا جائے چنانچہ اس خوف سے کہ اگر یتیم بچہ بالغ ہو گیا تو اپنا تمام مال اپنے قبضہ میں لے لے گا ضرورت سے پہلے ہرگز نہ لیا جائے اور تیسری شرط یہ کہ اپنی ضرورت و حاجت کے نام پر اس کے مال میں سے نکال نکال کر اپنے لئے جمع نہ کیا جائے۔

بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ یتیم کے مربی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر محتاج و مفلس ہو تو اس یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت و حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرے لیکن جو مربی خود خوشحال ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے چنانچہ یہ مسئلہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

(۱۵) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے مرض الموت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز پر مضبوطی سے قائم رہو اور جو لوگ تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی لونڈی غلام) ان کے حقوق ادا کرو۔ (بیہقی) اور احمد و ابو داؤد نے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ”نماز پر مضبوطی سے قائم رہو“ کا مطلب یہ ہے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، کوئی نماز بلا عذر شرعی قضا نہ کرو اور نماز کے جو حقوق و آداب ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرو۔

لونڈی غلام کا حق یہ ہے کہ ان کا مالک ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، حسب حیثیت کپڑے پہنائے، ناحق مارنے اور گالی گلوچ سے اجتناب کرے اور برا بھلا نہ کہے۔ اسی طرح جانوروں کا حق ادا کرنے کا بھی حکم ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں جانور ہوں ان کے چارہ پانی کا انتظام کرے اور ان کو ناحق مارنے پیٹنے سے پرہیز کرے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ذی اور جانوروں کی خصوصیت، مسلمانوں کی خصوصیت سے زیادہ شدید ہوگی۔

اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سِتْنِي الْمَلَكََةِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور ابو بکر صدیقؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنے مملوک (لونڈی غلام) کے ساتھ برائی و بد سلوکی کرنے والا جنت میں (ابتدائی مرحلہ پر نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) داخل نہیں ہوگا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خیر و برکت کا باعث ہے

(۱۷) وَعَنْ زَافِعِ بْنِ مَكِيَّةٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَكََةِ يُمْنٌ وَسُوءُ الْخُلُقِ شُوْمٌ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَلَمْ أَرَفْنِي غَيْرَ الْمَصَابِيحِ مَازَادَ عَلَيْهِ فِيهِ مِنْ قَوْلِهِ وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِنَ السُّوءِ وَالْبِرُّ زِيَادَةُ فِي الْعُمْرِ۔

”اور حضرت زافع ابن مکیتؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک، خیر و برکت کا باعث ہے اور اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی، بے برکتی کا باعث ہے۔“ (ابو داؤد) اور مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مصابیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں وہ الفاظ نہیں دیکھے ہیں جو صاحب مصابیح نے اس حدیث میں نقل کئے ہیں (اور وہ زائد الفاظ یہ ہیں) کہ

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا صدقہ و خیرات بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر کو بڑھاتی ہے۔“

تشریح: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے مالک و آقا کے بہت زیادہ تابعدار اور خیر خواہ بن جاتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے وہ پوری دلجمعی و محنت اور ایمانداری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی چیزیں خیر و برکت کا باعث ہوتی ہیں اس کے برعکس اگر اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی و بدخواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں مالک کی طرف سے بغض و نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آخر کار وہ اپنے مالک کی جان و آبرو اور مال و دولت کی ہلاکت و نقصان کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتے۔

”بری موت“ سے مراد یا تو ”مرگ مفاجات یعنی اچانک موت“ ہے یا ”توحید اور یاد حق سے غفلت کے ساتھ مرنا“ مراد ہے! ”مرگ مفاجات“ اس اعتبار سے ”بری موت“ ہے کہ انسان یکایک موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے نہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں سرزد کوتاہیوں کی تلافی کا موقع ملتا ہے اور نہ تو بہ کرنے کی مہلت نصیب ہوتی ہے۔

”نیکی“ سے مراد ”مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک کرنا“ ہے اور ”خالق کی طاعت و عبادت“ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ”نیکی“ کی وجہ سے عمر کا بڑھنا حقیقہ بھی ممکن ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عمر کو معلق کر دے کہ اس بندہ کی عمر اتنے سال ہے لیکن اگر یہ نیکی کرے گا یعنی اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک و خیر خواہی میں مشغول رہے گا تو اس کی عمر میں اتنے سال کا اضافہ ہو جائے گا لہذا نیکی کرنے کی صورت میں اس کی عمر اتنے ہی سال بڑھ جائے گی۔

یہ وضاحت تو ”زیادتی عمر“ کے حقیقی مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہے اور اس کا معنوی مفہوم یہ ہے کہ ”نیکی“ کی وجہ سے عمر میں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ یا نیکی کرنے والے کو اس کی موت کے بعد لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں پس معنوی طور پر یہ بھی عمر کا بڑھنا ہی ہے۔

روایت کے آخر میں مصنف مشکوٰۃ نے جو اعتراض کیا ہے وہ میرک کی تحقیق کے مطابق شیخ جزریؒ کے اس قول سے ختم ہو جاتا ہے کہ اس روایت کو صاحب مصابیح نے جس طرح نقل کیا ہے بالکل اسی طرح پوری روایت امام احمدؒ نے بھی نقل کی ہے۔

اگر غلام مار کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے، تو اپنا ہاتھ روک لو

①۸ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللَّهَ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَعِينٍ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ لَكِنْ عِنْدَهُ فَلْيُمْسِكْ بَدَلْ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ۔

”اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”(مثال کے طور پر) اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارنے لگے اور وہ خدا کو یاد کرے (یعنی یوں کہے کہ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کر دو) تو تم (اس کو مارنے سے) اپنا ہاتھ روک لو۔“ اس روایت کو ترمذیؒ اور شعب الایمان میں بیہقیؒ کی روایت میں فارفعوا ایدیکم کی بجائے فلیمسک نقل کیا گیا ہے (اور دونوں لفظ کا مطلب ایک ہی ہے)۔“

تشریح: طبیؒ کہتے ہیں کہ ”تم اپنا ہاتھ روک لو“ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس غلام کو مالک تادیباً مار رہا ہو اور اگر اس پر حد جاری کر رہا ہو یعنی شراب پینے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا میں اس کو کوڑے مار رہا ہو تو پھر ہاتھ نہ روکے بلکہ حد پوری کرے۔

کسمن بردہ کو اس کی ماں وغیرہ سے الگ نہ کرو

①۹ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَلَدَةِ وَوَلَدِهَا فَتَرَقَّ اللَّهُ بَيْنَهُ

وَيَنْبَغِي أَنْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ الترمذی والداری)

”اور حضرت ابویوبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی کرانے کا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی کر دے گا۔“ (ترمذی، داری)

تشریح: ”ماں اور بیٹے“ سے مراد ”لوٹڈی اور اس کا بچہ“ ہے اسی طرح ”جدائی کرانے“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مالک مثلاً لوٹڈی کو تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو بہہ کر دے اور بچہ کو اپنے پاس روک لے، یا بچہ کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو بہہ کر دے اور اس کی ماں کو اپنے پاس رہنے دے لہذا اگر کوئی شخص اس طرح سے ماں اور بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا تو قیامت کے دن اس موقف میں کہ جہاں تمام مخلوق اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ جمع ہوگی اور لوگ اپنے پروردگار سے ایک دوسرے کی شفاعت کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے عزیزوں مثلاً ماں باپ یا اولاد وغیرہ کے درمیان جدائی کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف ”ماں بیٹے“ کا ذکر محض اتفاقی ہے ورنہ تو ہر چھوٹے (کسن) بردہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار خواہ وہ ماں ہو، باپ دادا، ہویا دادی اور بھائی ہو یا بہن کے درمیان جدائی کرانے کا یہی حکم ہے خفیہ کے ہاں دو چھوٹے بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ”چھوٹے“ کی قید سے بڑے کا استثناء ہو گیا، یعنی اگر بڑی عمر والے بردہ کو اس کی ماں یا اس کے باپ یا کسی اور ذی رحم محرم رشتہ دار سے جدا کر دیا جائے تو جائز ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”بڑے“ کی تعریف کیا ہے تو اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کس عمر کے بردہ کو بڑا کہیں گے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو سات برس یا آٹھ برس کی عمر والا ”بڑا“ کہلائے گا، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو بالغ ہو جائے وہ بڑا کہلائے گا نیز حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بیچنا مکروہ ہے جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں یعنی بچہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار میں ولادت کی قربت ہو (جیسے وہ دونوں ماں اور بیٹا ہوں یا باپ اور بیٹا ہوں) تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کر کے بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہوگا اور ان کا قول یہ بھی ہے کہ ولادت کی قربت کے استثناء کے بغیر تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کے بارے میں یہی حکم ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ زُدَّهُ زُدَّهُ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے پھر (جب) میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ”علی! تمہارا (ایک) غلام کہاں گیا؟“ میں نے آپ ﷺ کو بتا دیا کہ ایک غلام میں نے بیچ دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کو واپس کر لو، اس کو واپس کر لو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”اس کو واپس کر لو“ کا مطلب یہ تھا کہ تم نے جو بیچ کی ہے اس کو فسخ کر دو اور اس غلام کو اپنے پاس لے آؤ تاکہ دونوں بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو اس جملہ کو تاکید آدو مرتبہ فرمانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے اور بیع مکروہ تحریمی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے درمیان جدائی نہ کرانے کا حکم صرف ماں بیٹوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْهُ أَنَّهُ فَزَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَوَلَدِهَا فَفَتَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَدْ أَسْبَغَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مُنْقَطِعًا -

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے ایک لوٹڈی اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر

دیا یعنی ان دونوں میں ایک کو بیچ دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے دیا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور انہوں نے (یعنی حضرت علیؓ نے) اس بیچ کو فسخ کر دیا۔ ”ابوداؤد“ نے اس روایت کو بطریق انقطاع نقل کیا ہے۔“

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس مسلک کی دلیل ہیں کہ چھوٹے بردے اور اس کی ماں یا اس کے باپ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے بیچنا ناجائز ہے۔

غلام پر احسان کرنے کا اجر

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ يَسَّرَ اللَّهُ حَتْفَهُ وَأَذْخَلَهُ جَنَّتَهُ رَفَقَ بِالصَّغِيرِ وَشَفَقَهُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاحْسَنَ إِلَى الْمَمْلُوكِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس پر موت کو آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ① کمزوروں اور ضعیفوں کے ساتھ نرمی کرنا ② ماں باپ پر شفقت کرنا ③ اپنے مملوک پر احسان کرنا۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”ضعیف و کمزور“ سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خواہ جسم و جان کے اعتبار ضعیف و ناتواں ہو یا مالی حالت کے اعتبار سے اور یا عقل و خرد کے اعتبار سے کمزور ہو۔ ”احسان کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ مالک پر اس کے غلام کے تئیں جو کچھ واجب ہے اس سے بھی زیادہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔“

نمازی کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تُضْرِبْهُ فَإِنِّي نَهَيْتُ عَنْ ضَرْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَقَدْ زُيِّنَ لِي هَذَا الْقَوْلُ الْمَصَابِيحُ وَفِي الْمُجْتَبَى لِلدَّارِ قُطْنِي أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّينَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک غلام عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کو (بے حکم شرعی) مارنا نہیں کیونکہ (میرے رب کی طرف سے) مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“ (یہ الفاظ جو) مشکوٰۃ میں مذکور ہیں) مصابیح کے ہیں اور دارقطنیؒ کی تصنیف مجتبٰی میں یہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ ابن خطابؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: نمازیوں کو مارنے سے ممانعت خدا کے نزدیک ان کے شرف و فضیلت کی بناء پر اور مخلوق خدا کے درمیان ان کی عزت و توقیر کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔

طیبیؒ نے اس موقع پر یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے بے پایاں فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَّتْ فَلَمَّا كَانَتْ الثَّالِثَةَ قَالَ أَعْفُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ

التزمذی عن عبد اللہ بن عمرو۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کتنی مرتبہ (اپنے) غلام لونڈی کی خطائیں معاف کریں؟ آنحضرت ﷺ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے پھر یہی سوال کیا تو اس مرتبہ بھی خاموش رہے پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر روز ستر مرتبہ“ (ابوداؤد) (ترمذی) نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”ستر مرتبہ“ سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر ستر کا عدد ذکر کیا جاتا تھا، آپ ﷺ کا مقصد بھی واضح کرنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ان کی خطائیں معاف کرو۔
سائل کے سوال پر آنحضرت ﷺ کا خاموش رہنا سوال کی رکاکت کی بناء پر تھا کہ غفو تو مستحب اور پسندیدہ ہے نہ کہ اس کو کسی خاص عدد کے ساتھ مقید کرنا مقصود ہے اور یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت

(۲۵) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا تَمُكُّمْ مِنْ مَمْلُوكِكُمْ فَأَطَعُمُو مِمَّا تَأْكُلُونَ وَاكْسُوهُ مِمَّا تَكْسُونَ وَمَنْ لَا يَلَا يَمُكُّكُمْ مِنْهُمْ فَيَعُوهُ وَلَا تَعَذِّبُوا خَلْقَ اللَّهِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہارے مملوک (لونڈی غلام) میں سے جو (لونڈی غلام) تمہاری اطاعت و خدمت (تمہاری خواہش کے مطابق) کرے (اور وہ تمہارے مزاج کے موافق ہو) تو اس کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (کیونکہ جب وہ تمہارا دل خوش کرتا ہے تو تم بھی اس کا دل خوش کرو) اور جو (لونڈی غلام) تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو (تکلیف نہ دو بلکہ) بیچ ڈالو خدا کی مخلوق کو تکلیف دینا درست نہیں ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم

(۲۶) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِظَنَبِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَإِنَّكُمْ تَكُونُوا صَالِحَةً وَاتَّقُوا مَا صَالِحَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سہلؓ ابن حنظلہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ (بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے) اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا ”ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو، جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا حال اپنے مالک سے بیان کر سکیں اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اس میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا چارہ پانی ان کے مالکوں پر واجب ہے۔

”ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرو اٹھ“ کا مقصد گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلانا ہے کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی و کوتاہی نہ کرو تا کہ یہ قوی اور سواری کے قابل رہیں، نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو ان کو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھاپی لیں اور ان میں توانائی آجائے تو اس کے بعد ان پر سواری یا بار برداری کرو، کیونکہ اس طرح چوپائے فرہم ہوتے ہیں۔

الفصل الثالث

مال یتیم کے بارے حکم خداوندی

(۷۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالَى وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا آلَا يَتَهُ أَنْ يَأْكُلُوا مِنْهُ طَعَامَهُ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ مِنْ شَرَابِهِ فَإِذَا فَضَّلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيمِ وَشَرَابِهِ شَيْءٌ حَبَسَ لَهُ حَتَّى يَأْكُلَهُ أَوْ يَفْسُدَ فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَأَخْوَانُكُمْ فَخَلِطُوا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ - (رواه ابو داؤد والنسائي)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔ ”یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس عادت کے ساتھ جو نیکی پر مبنی ہے (یعنی امانت و دیانت کے ساتھ) اور بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ازراہ ظلم (بلا تحقیق) کھاتے (برتتے) ہیں تو جن لوگوں کے پاس (یعنی جن کی نگرانی و پرورش میں) یتیم تھے انہوں نے (سخت احتیاط برتنی) شروع کی اور ان کے کھانے کے سامان کو اپنے کھانے کے سامان سے اور ان کے پینے کی چیزوں کو اپنے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو کچھ بچ رہتا اس کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا جس کو وہ یتیم یا دوسرے وقت کھاپی لیتا یا وہ خراب ہو جاتا تھا یہ بات ان نگرانوں کو بڑی شاق گزری چنانچہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور جو لوگ آپ ﷺ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں، فرمادیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں چنانچہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) ان نگرانوں نے یتیموں کے کھانے پینے کو اپنے کھانے میں ملا لیا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حدیث میں مذکورہ دوسری آیت پوری یوں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا - (النساء: ۱۰)

”بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ازراہ ظلم (یعنی بلا تحقیق) کھاتے (برتتے) ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ میں (دوزخ) کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عقیقہ جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔“

آخری آیت پوری یوں ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَأَخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَا عَنَتُكُمْ - (البقرہ: ۲۲۰)

”اور لوگ آپ ﷺ سے یتیم بچوں کے (مال کو علیحدہ یا شامل رکھنے) کا حکم پوچھتے ہیں آپ ﷺ ان سے فرمادیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو الگ الگ جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سخت قانون مقرر کر کے تم کو مصیبت میں ڈال دیتے۔“

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یتیموں کے مال کے بارے میں جب قرآن کریم کی مذکورہ ہدایت کے مطابق یتیموں کے نگران اور مربیوں نے سخت احتیاط برتنی شروع کی۔ اور یتیموں کے مال کو اپنے مال و اسباب سے علیحدہ کر دینے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ذمہ داریوں کی

مشکلات میں اضافہ ہوا بلکہ یتیموں کے مال کا نقصان بھی ہونے لگا تو ان مریدوں کی عرض پر اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت عطا فرمائی کہ یتیموں کے نگران ان یتیموں کے مال و اسباب کو اپنے مال و اسباب میں ملا سکتے ہیں اور **وَاللّٰهُ يُعَلِّمُ الْمُسْهِدَ الْخ** کے ذریعہ اس طرف ارشاد فرمایا کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ مخلوط تو کر لو لیکن ان کے خیر خواہ اور ہمدرد ہر صورت رہو اپنی نیتوں کو خراب نہ کرو اور ان کے مال کو فریب و دغا کے ذریعہ نقصان نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ مصلحت کی رعایت رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں کو خوب جانتا ہے اگر کسی نگران نے بد نیتی، بد خواہی اور بددیانتی کے ساتھ یتیم کے مال پر تصرف کیا تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

منقول ہے کہ حضرت امام محمدؒ کے ایک شاگرد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اس کی کتابیں فروخت کر کے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے اس کی وصیت تو کی نہیں تھی آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت امام محمدؒ نے اس کے جواب میں یہی آیت **وَاللّٰهُ يُعَلِّمُ الْمُسْهِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ** پڑھی۔

باپ بیٹوں یا دو بھائیوں میں جدائی نہ ڈالو

(۲۸) **وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ وَبَيْنَ الْإِخِ وَأَخِيهِ۔**

(رواہ ابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے۔“ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: جدائی ڈالنے سے مراد ان دونوں میں سے کسی ایک کو بیچ ڈالنا یا ہبہ وغیرہ کر دینا ہے بشرطیکہ بیٹا یا ایک بھائی چھوٹا (کسن) ہو اس کی تفصیل حضرت ابویوبؓ کی روایت کی تشریح میں پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ یا جدائی ڈالنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی باپ بیٹے یا دو بھائیوں کے درمیان لگائی بھائی کے ذریعہ خُلق و ناراضگی اور جدائی پیدا کر دی جائے۔

(۲۹) **وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِالسَّبْيِ أَعْطَى أَهْلَ الْبَيْتِ جَمِيعًا كَرَاهِيَةً أَنْ يَفْرَقَ بَيْنَهُمْ۔** (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب (کسی غزوہ وغیرہ میں) قیدی لائے جاتے تو نبی کریم ﷺ پورے گھر کو ہم میں سے کسی ایک شخص کو (بطور لونڈی غلام) عطا فرما دیتے تھے (یعنی قیدیوں میں ایک گھر کے جتنے بھی افراد ہوتے ان سب کو آپ کسی ایک ہی شخص کے حوالے کر دیتے تھے) کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔“ (ابن ماجہ)

کون لوگ بُرے ہیں

(۳۰) **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُتَبِّحُكُمْ بِشَرِّ أَرْكَمِ الَّذِينَ يَأْكُلُ وَحْدَهُ وَيَخْلُدُ عَبْدُهُ وَيَمْنَعُ رِفْدَهُ۔** (رواہ رزین)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (تو سنو) برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے، اپنے غلام کو (ناق) مارے اور کسی اپنی بخش و عطا سے فائدہ نہ پہنچائے۔“ (رزین)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور بری ہیں اور یہ چیزیں جن لوگوں کی خصلت بن جاتی ہیں وہ ناپسندیدہ اور برے سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ سب سے تنہا ہو کر کھانا برا ہے، اپنے غلام کو بلا کسی جرم و خطا کے مارنا برا ہے اور کسی کو کچھ نہ دینا برا ہے حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بد خلق اور بخیل ہوں وہ برے ہیں۔

جامع صغیر میں ابن عساکر نے حضرت معاویہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا ”کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ لوگوں میں برے کون ہیں؟ برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے کسی کو اپنی بخشش و عطاء سے فائدہ نہ پہنچائے، تنہا سفر کرے اور اپنے غلام کو (ناحق) مارے۔ اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ وہ شخص اس سے بھی برا ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جس کے شروفتہ سے لوگ ڈریں اور اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو دین ہے جو اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دے۔ اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کمائے۔“

لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو

(۳۱) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلِكَةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ أَخْبَرْنَا أَنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ أَكْثَرُ الْأُمَمِ مَمْلُوكِينَ وَيَتَامَى قَالَ نَعَمْ فَكَرِّمُوهُمْ كَكَرَامَةِ أَوْلَادِكُمْ وَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ قَالُوا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْيَا قَالَ فَرَسٌ تَرْبِطُهُ بَقَائِلٌ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَمْلُوكٌ يَكْفِيكَ فَإِذَا صَلَّى فَهُوَ أَحْوَجُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوبکرؓ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے غلام لونڈی کے ساتھ برائی کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ آپ (ﷺ) کی امت، غلام لونڈی اور یتیموں کے اعتبار سے پچھلی تمام امتوں سے بری ہوئی ہوگی (یعنی آپ (ﷺ) کی امت میں غلام لونڈی اور یتیم بہت ہوں گے تو کیا اتنی کثرت کی حالت میں سب کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا ممکن ہوگا؟) آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ہاں! (میری امت میں غلام لونڈی غلام بہت ہوں گے اور اتنی کثرت کی حالت میں سب ہی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا مشکل بھی بہت ہوگا لیکن اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم ان کے ساتھ دوسری طرح ایسے احسان کرو جو ان کے ساتھ تمہاری بد خلقی کا بدلہ ہو جائیں اور وہ احسان یہ ہے کہ تم ان کو اپنے کی طرح عزیز رکھو (یعنی ان پر بایں طور نرمی و رحم کیا کرو کہ ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کے بس سے باہر ہو اور ان پر ظلم و زیادتی نہ کیا کرو) اور ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں دنیا میں نفع پہنچانے والی کون سی چیز ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا ایک گھوڑا جس کو تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے باندھ رکھو اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے (یعنی وہ تمہارے دنیاوی امور کو انجام دیتا رہے تاکہ تم فارغ رہ کر آخرت کے امور انجام دے سکو اور اگر تمہارا غلام نماز پڑھے تو وہ تمہارا بھائی ہے۔) (لہذا اس کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرو۔)“ (ابن ماجہ)

تشریح: یہ فرمایا گیا ہے کہ امت میں لونڈی غلام اور یتیم بہت زیادہ ہوں گے تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب جہاد کثرت سے ہوگا تو کفار کے قیدی بھی کثرت سے ہاتھ آئیں گے اور جہاد کی کثرت ہی سے مسلمان شہید ہوں گے اور جب مسلمان شہید ہوں گے تو ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔

بَابُ بُلُوغِ الصَّغِيرِ وَحِضَانَتِهِ فِي الصَّغَرِ

چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا۔ کہ لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت اور حد کیا ہے اور یہ کہ بچے کی تربیت و پرورش کرنے کا

حق کس پر ہے؟

بلوغ کی علامت و عمر: لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور اس میں عورت کو حاملہ کر دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور انزال ہو سکتا ہو۔ اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کو ماہواری آجائے احتلام ہو جائے اور اس کے حمل ہو سکتا ہو اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو پھر جب لڑکے اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ بننے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ فتویٰ اسی قول پر ہے لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ برس کی عمر ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو برس ہے۔

اگر لڑکا لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہوں اور وہ یہ کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو ان دونوں کی اس بات کو صحیح سمجھا جائے گا اور وہ دونوں حکم میں بالغ کی مانند ہوں گے۔

بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟: چھوٹے بچے کی پرورش کا حق سب سے زیادہ ماں کو ہے خواہ وہ شادی قائم ہونے کی حالت میں ہو یا اس کو طلاق دے دی گئی ہو ماں اگر نا مرتد یا بدکار ہے جس سے امن نہ ہو تو پھر اس کا حق سب سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اگر ماں طلاق کے بعد بچہ کی پرورش کرنے سے انکار کر دے تو صحیح یہ ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عاجز ہو لیکن اگر اس بچہ کا کوئی ذی رحم اس کی ماں کے علاوہ نہ ہو تو بچہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ماں کو پرورش کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ اگر ماں نے (بچہ کے باپ کی وفات یا طلاق کے بعد) اس بچہ کے غیر محرم سے شادی کر لی تو پھر اس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کو نہیں ہوگا اور اس نے کسی محرم سے شادی کر لی ہے مثلاً بچہ کے چچا سے نکاح کر لیا ہے تو اس صورت میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا اسی طرح ماں نے پہلے کسی غیر محرم سے نکاح کر لیا، اور اس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو گیا مگر پھر ماں نے (اس غیر محرم کی وفات یا طلاق کے بعد) کسی محرم سے جیسے بچہ کے چچا سے شادی کر لی تو اب اس کو پرورش کا سب سے زیادہ حق مل جائے گا۔

اگر بچہ کی ماں پرورش کا حق نہ رکھتی ہو، یا سبب کہ اس نے غیر محرم سے شادی کر لی ہے یا مرتد ہو گئی اور یا وہ مر گئی ہو تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق سب سے زیادہ نانی کو ہوگا۔ اگر نانی موجود نہ ہو تو اس سے اوپر کے درجہ والی مثلاً پڑنانی وغیرہ کو ہوگا نانی و پڑنانی وغیرہ کے بعد پرورش کرنے کی سب سے زیادہ مستحق دادی و پردادی وغیرہ ہوگی، اگر دادی و پردادی وغیرہ بھی موجود نہ ہو تو پرورش کا سب سے زیادہ حق بچہ کی حقیقی بہن اس کے بعد اخیانی بہن اور اس کے بعد سوتیلی بہن کو ہوگا اور اگر ان میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ یا پرورش کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو تو پھر اسی ترتیب کے مطابق پرورش کرنے کا حق سب سے زیادہ بچہ کی خالہ کو اس کے بعد بچہ کی پھوپھی کو ہوگا اور بھانجیاں، بھتیجیوں اور بھتیجیوں کو ہوگا۔

استحقاق پرورش کے سلسلہ میں جن عزیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا آزاد ہونا شرط ہے لہذا باندی اور اتم ولد کو پرورش کا کوئی حق نہیں ہے لیکن ذمہ مسئلہ کے حکم میں ہے کہ ذمہ کو پرورش کا حق حاصل ہے بشرطیکہ بچہ دین کی سمجھ بوجھ کی عمر کو نہ پہنچ گیا ہو اگر ایسی کوئی بھی عورت موجود نہ ہو جس کو پرورش کا حق پہنچتا ہے تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق عصباء کو ہوگا اور ان کی ترتیب وہی ہوگی جو میراث پانے میں ہوتی ہے لیکن لڑکی کسی ایسے عصبہ کی پرورش میں نہ دی جائے جو غیر محرم ہو جیسا چچا کا لڑکا یا وہ فاسق و لاپرواہ ہو۔

حق پرورش کی مدت: حق پرورش کی مدت نو سال یا سات سال کی عمر مقرر کی گئی ہے اور قدوری نے لکھا ہے کہ جب بچہ تنہا کھانے پینے لگے کپڑا پہننے لگے اور خود استنجا کرنے لگے تو حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد اس بچہ کو اس کا باپ زبردستی اپنی تحویل و نگہداشت میں لے سکتا ہے اور لڑکی کی صورت میں ماں اور نانی اس وقت تک مستحق رہیں گی جب تک کہ اس کی لڑکی کو حیض نہ آجائے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ ماں، نانی اور دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے استحقاق کے بارہ میں یہ شرط ہے کہ جب لڑکی مرد کے قابل ہو جائے تو وہ ان کی پرورش سے نکل جائے گی۔

الفصل الاول

عمر بلوغ پندرہ سال ہے

① وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عَرَضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُحُدٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَدَّنِي ثُمَّ عَرَضْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ عَشْرَةَ سَنَةً فَأَجَازَنِي فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ هَذَا فَرْقٌ مَا بَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذَّرِيَّةِ - (متفق عليه)

”حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ (تین ہجری میں) غزوہ احد کے موقع پر (جہاد میں جانے کے لئے) مجھے رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر آنحضرت ﷺ نے مجھے واپس کر دیا۔ (یعنی جہاد میں شرکت کے لئے مجھ کو نہ لے گئے) پھر غزوہ خندق کے موقع تک جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے (جہاد میں جانے کی) اجازت عطا فرمادی (کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبد العزیزؓ فرماتے ہیں کہ ”عمر لڑنے والوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے یہ حدیث سنی تو مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

حضرت حمزہ کی صاحبزادی کی پرورش کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ

② وَعَنْ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءٍ عَلَى أَنْ مَنْ آتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ رَدَّهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ آتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرُدُّوهُ وَعَلَى أَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلَ خَرَجَ فَبَعَثَهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَاعَمُّ يَا عَمِّ فَتَنَّا وَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَاحْتَضَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرُ بِنْتُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدٌ بِنْتُ أَخِي فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مَتْنِي وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لَجَعْفَرٍ أَشْبَهْتَ خَلْفِي وَخَلْفِي وَقَالَ لَزَيْدٍ أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا - (متفق عليه)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن (کفار مکہ سے) تین باتوں پر صلح کی تھی ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آجائے آپ ﷺ اسے واپس فرمادیں گے، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ آئندہ سال (مدینہ سے) مکہ تشریف لائیں اور اپنا عمرہ قضا کریں اور (ارکان عمرہ کی ادائیگی اور استراحت کے لئے) مکہ میں صرف تین دن قیام فرمائیں، چنانچہ (آئندہ سال) جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور متعین مدت پوری ہو گئی (یعنی تین دن گزر گئے) اور آپ ﷺ نے (مکہ سے) واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت حمزہ کی بیٹی، اے میرے چچا اے میرے چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئی حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے (یعنی اپنے ہمراہ لینے) کا ارادہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا (یعنی اپنے ہمراہ لے لیا، اس کے بعد حضرت حمزہ کی اس بیٹی کی پرورش کے بارہ میں حضرت علیؓ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا حضرت علیؓ تو یہ کہتے تھے کہ پہلے میں نے اس بچی کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت جعفرؓ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) نبی کریم ﷺ نے (اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح کیا کہ) اس کو اس کی خالہ کے

سپرد کر دیا (جو جعفرؑ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو (یعنی ہم دونوں میں کمال اخلاص و یگانگت ہے) اور حضرت جعفرؑ سے فرمایا کہ تم میری پیدائش اور میرے غلق میں مشابہ ہو۔ اور حضرت زیدؑ سے فرمایا کہ ”تم ہمارے بھائی اور ہمارے محبوب ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”حدیبیہ“ مکہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر بجانب جدہ ایک جگہ کا نام ہے ۱۷ھ میں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے جب حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے وہیں سے روک دیا اور مکہ میں نہ آنے دیا اور پھر اس مقام پر آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت صلح ہوئی جس کی تین بنیادی دفعات کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے یہ ”صلح حدیبیہ“ بڑا مشہور واقعہ ہے اور اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں آئے گا۔

حضرت حمزہؑ آنحضرت ﷺ کے چچا اور دودھ شریک بھائی بھی تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت حمزہؑ نے ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اسی رشتہ رضاعت کی بناء پر حضرت حمزہؑ کی بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو چچا کہا۔ حضرت جعفرؑ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابوطالب کے لڑکے اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور عمر میں حضرت علیؑ سے دس سال بڑے تھے۔

حضرت زید ابن ثابتؓ ایک غلام تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے آزاد کیا تھا۔ اور اپنا متبنی (لے پالک) بنایا تھا ان سے آنحضرت ﷺ کو بہت محبت تھی چونکہ آپ ﷺ نے دوسرے صحابہؓ کی مانند حضرت حمزہؑ اور حضرت زیدؑ کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم کر دیا تھا، اس لئے حضرت زیدؑ نے حضرت حمزہؑ کی بیٹی کو بھتیجی کہا۔

حضرت علیؑ جب حضرت حمزہؑ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے تو اس کی پرورش کے بارہ میں مذکورہ بالا تینوں حضرات کے درمیان تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس بچی کی پرورش کرنا سب سے زیادہ میرا حق ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ میری تربیت و کفالت میں رہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اس بچی کو اس کی خالہ کی پرورش میں دے دیا جو حضرت جعفرؑ کے نکاح میں تھیں اور ان تینوں حضرات کی تسلی اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے تاکہ وہ آزرہ نہ ہوں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

کس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے؟

(۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ يَطْنِي لَهُ وَعَاءً وَتَذِي لَهُ سِقَاءً وَحَجْرِي لَهُ حَوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالِمَ تَنْكِحِي - (رواہ احمد و ابوداؤد)

”حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد کرم (حضرت شعیبؓ) اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ (ایک مدت تک) میرا بیٹ اس کا برتن رہا (یعنی مدتوں یہ میرے پیٹ میں رہا) میری چھاتی اس کی مشک رہی (یعنی مدتوں میری چھاتی سے دودھ پیتا رہا) اور میری گود اس کا گوارہ رہی (یعنی مدتوں میں نے اس کو اپنی گود میں پالا ہے) اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور میرے بیٹے کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا۔ ”جب تک تم کسی سے نکاح نہ کرو اس بچہ کی پرورش کرنے کی تم سب سے زیادہ مستحق ہو۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے بعد جو حدیث آرہی ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لڑکے کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے اپنے باپ کے ہاں رہے اس طرح دونوں حدیثوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے چنانچہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ وہ کم سن رہا ہو اور سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو دیا جب کہ آگے آنے والی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ سن تمیز کو پہنچ چکا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر ماں باپ میں سے جس کو چاہے پسند کرے اور اس کے پاس چلا جائے ”جب تک کہ تم کسی سے نکاح نہ کرو“ اس بارہ میں یہ حدیث مطلق ہے لیکن علماء نے اس مسئلہ کو ”غیر محرم“ کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی اگر مطلقہ ماں وغیرہ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کر لے جو لڑکے کا غیر محرم ہے تو اس کو اس لڑکے کی پرورش کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو لڑکے کا محرم ہے جیسے اس کے چچا سے نکاح، تو اس صورت میں اس کو پرورش کا حق رہتا ہے کیونکہ وہ محرم لڑکے کے حق میں یقیناً شفیق و مہربان ثابت ہوگا۔

مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ غُلَامَيْنِ ابْنِهِ وَأُمِّهِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک لڑکے کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے اپنی ماں کے پاس رہے۔“ (ترمذی)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے یہ لڑکا چونکہ سن تمیز کو پہنچ گیا تھا یعنی بالغ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ خواہ اپنے باپ کے پاس چلا جائے۔ خواہ وہ اپنی ماں کے پاس رہے لہذا اس کا تعلق ”حضانہ“ (یعنی پرورش کرنے) کے باب اور مسئلہ سے نہیں ہے جب کہ پہلی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ”حضانہ“ کے مسئلہ سے ہے اس لئے آپ ﷺ نے حضانہ یعنی پرورش کرنے کے حق کے بارہ میں ماں کو مقدم رکھا۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہی مسئلہ ہے کہ ”مدت پرورش“ میں لڑکے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے پاس رہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک لڑکے کو مدت پرورش میں بھی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ سَقَانِي وَنَفَعَنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ ابْنِهِمَا شِئْتَ فَاخْذْ بِيَدِ أُمِّهِ فَإِنْ طَلَقَتْ يَدَهُ - (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ”میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ وہ مجھے پانی پلاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے“ (یعنی وہ اب اس عمر کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھاتی ہوں) نبی کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) تمہارا باپ اور یہ تمہاری ماں ہے ان میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

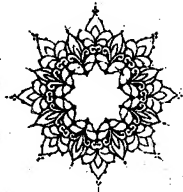
⑥ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ أَسَمَةَ عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ سَلِيمَانَ مَوْلَى لَأَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ يَنْتَعِمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَارْسِيَتْ مَعَهَا ابْنُ لَهَا وَقَدْ طَلَقَهَا زَوْجَهَا فَادْعَاهَا فَرَطْنَتْ لَهُ تَقُولُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اسْتَهْمَا عَلَيْهِ رَظْنُ لَهَا بِذَلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقِقُنِي فِي ابْنِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَقُولُ هَذَا إِلَّا أَنِّي كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتْنَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ

أَنْ يَذْهَبَ بِأَبْنِي وَقَدْ نَفَعْنِي وَسَقَانِي مِنْ بَنِي عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهْمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقِقُنِي فِي وَلَدِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ فَخَذَّ بِيَدِ ابْنِهِمَا شَنْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ لَكِنَّهُ ذَكَرَ الْمُسْنَدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَسَامَةَ -

”حضرت ہلال ابن اسامہؓ حضرت میمونہؓ سے کہ جن کا نام سلیمان تھا اور اہل مدینہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) جب کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس فارس کی ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا اور اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی تھی اور میاں بیوی کے درمیان اس لڑکے کے بارہ میں تنازعہ تھا اس عورت نے ابوہریرہؓ سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہؓ میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے! حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ اس لڑکے کو لے لے) حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اس عورت کے سامنے اسی مفہوم کو فارسی زبان میں ادا کیا پھر اس عورت کا خاوند آگیا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ”یا اللہ! میں یہ بات (اپنی طرف سے) نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت آئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لے جب کہ یہ مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور ابوحنبلہ کے کنوئیں سے مجھ کو پانی اور نسائیؓ میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (شہر کے باہر کافی فاصلہ سے) بیٹھا پانی (لا کر) مجھ کو پلاتا ہے۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو خاوند نے کہا کہ ”میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟“ پھر رسول کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا ”کہ یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو، اس کا ہاتھ پکڑ لو! چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ (اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی)۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ نے اس عورت سے جو فارسی زبان میں گفتگو کی اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہؓ اہل عجم کے ساتھ میل جول رکھتے اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کی زبان سیکھ گئے تھے۔

اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی بالغ تھا اور چونکہ بالغ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ چاہے ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا اور اس نے ماں کے پاس رہنے کو اختیار کیا، اس لڑکے کے بالغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شہر کے باہر بہت دور دور سے پانی بھر کر لاتا تھا اگر وہ نابالغ ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی کسی کی وجہ سے شہر کے باہر اتنی دور سے پانی بھر لانے کی ہمت نہ کرتا بلکہ اس کی ماں بھی اس خوف سے کہ کہیں یہ اپنی نادانی کی وجہ سے کنوئیں میں گر نہ جائے۔ اس کو اتنی دور سے پانی لانے کے لئے ہرگز نہ بھیجتیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب العتق

غلام کو آزاد کرنے کا بیان

آزادی کی شرعی حیثیت

شرعی نقطہ نظر سے ”آزادی“ دراصل ایک ایسی قوت حکمیہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدا نشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہوئے، سرپرست بنے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے، چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدا نشی حق مسلوب ہوتا ہے بایں طور کہ وہ کسی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمیہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف مالک ہونے کی لیاقت، سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت حکمیہ یا یہ کہئے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد و خود مختار انسانوں کی صف میں آکھڑا ہوتا ہے۔

آزاد کرنے کی شرط

کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود مختار ہو بالغ ہو، عقل مند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو۔

آزاد کرنے کی قسمیں

غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کفارہ، بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں گناہ بھی ہے، جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا تو یہ دار الحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ چوری قزاقی کرنے لگے گا! بعض صورتوں میں مباح ہے۔ جیسے کسی شخص کی خاطر یا کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے بردہ کو آزاد کیا جائے اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آزاد کیا جائے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بردہ (غلام یا باندی) کو آزاد کرنے کا اجر

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ عَضْوٍ مِنْهُ

غُضُّوا مِنَ النَّارِ حَتَّىٰ تَفْرَجَهُ بِغُورٍ - (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی مسلمان بردہ کو غلامی سے نجات دے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس بردہ کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس بردہ کی شرمگاہ کے بدلے (نجات دے گا)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مسلمان بردہ“ میں اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اس فعل (آزاد کرنے) کا ثواب زیادہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی بردہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو آزاد کیا جائے تو اس کے اجر کی حیثیت اور ثواب کی مقدار کہیں زیادہ ہوگی۔ ”ہر عضو“ کے ذکر کے بعد پھر ”شرمگاہ“ کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زنانہ جگہ ہے اور زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے لہذا وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصہ کو بھی نجات دے گا۔ اس کے پیش نظر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آزاد کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس غلام کو آزاد کرے جو خنسی یا ستر بریدہ نہ ہو، نیز یہ اولیٰ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مرد ہو تو وہ مرد (یعنی غلام) کو آزاد کرے اور اگر آزاد کرنے والی عورت ہو تو وہ عورت (یعنی باندی) کو آزاد کرے۔

گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے

② وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ۔ قَالَ قُلْتُ فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ أَغْلَاهَا ثَمَنًا وَانْفُسَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ قَالَ تَعِينُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لَآخِرَ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ قَالَ تَدْعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا“ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا ”کون سا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو“ میں نے عرض کیا کہ ”اگر میں ایسا نہ کر سکوں؟“ (یعنی ازراہ کس نہیں بلکہ ازراہ عجز و عدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کر سکوں؟) ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کام کرنے والے کی مدد کرو یا جو شخص کسی چیز کو بنانا چاہتا ہو اس کی وہ چیز بنا دو“ میں نے عرض کیا ”اگر میں یہ (بھی) نہ کر سکوں (تو کیا کروں؟)“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو یا دیکھو یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔

جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسرے وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر ”جہاد“ سے مراد مطلق ”مشقت برداشت کرنا“ ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی، چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو ”جہاد اکبر“ فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ سب سے بہتر عمل، ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کام کرنے والے کی مدد کرو میں ”کام سے“ مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ وہ صنعت و کاریگری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ

کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو اسی طرح ”جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو الخ“ کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو تم اس کا کام کر دو تاکہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔

”لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو، کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذا و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہو۔

مراز خیر تو امید نیست شرمرساں

اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ ﷺ یوں فرماتے کہ ”یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو“ لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے بایں طور کہ اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو“۔

الفصل الثانی

برہ کو آزاد کرنے یا برہ کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت

(۳) عن البراء بن عازب قال جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال علمني عملاً يدخلني الجنة قال لئن كنت أفصرت الخطبة لقد أعرضت المسئلة أعني التسمية وفك الرقبة قال أوليسوا أحداً قال لا عتق التسمية أن تفرد بعنقها وفك الرقبة أن تعين في ثمنها والمنحة الكؤوف والقيء على ذي النحر الظالم فإن لم تطق ذلك فاطعم الجائع واسق الظمآن وأمر بالمعروف وأنه عن المنكر فإن لم تطق ذلك فكفف لسانك إلا من خير - رواه البيهقي في شعب الإيمان -

”حضرت براء ابن عازب کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ ”مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ میں (ابتدائی مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہو جاؤں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ تم نے سوال کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن بڑی اہم بات دریافت کی ہے (پھر آپ ﷺ نے اس کو یہ عمل بتایا کہ) تم جان کو آزاد کرو اور برہ کو نجات دو“ دیہاتی نے عرض کیا کہ ”کیا یہ دونوں باتیں (یعنی جان کو آزاد کرنے اور غلام کو نجات دینا) ایک ہی نہیں ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! جان کا آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم اس کو آزاد کرنے میں تنہا اور مستقل ہو اور برہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس کی مدد کرو (نیز جنت میں داخل کرنے والا یہ بھی عمل ہے کہ) تم کسی محتاج کو (شیردار منہ دو اور اس ظالم رشتہ دار پر مہربانی اور احسان کرو جو تم پر ظلم کرتا ہے! اگر تم سے یہ نہ ہو سکتے تو ہو کے کو کچھ کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ۔ نیز (لوگوں کو) بھلائی کی تلقین و تبلیغ کرو اور برائی سے روکو۔ اور اگر تم یہ (بھی) نہ کر سکو تو پھر (کم سے کم اتنا ہی کرو کہ) بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو۔“ (بخاری)

تشریح: جان یعنی برہ کو آزاد کرنا، اور برہ کو نجات دینا، ان دونوں باتوں میں جو فرق واضح کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جان کو آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم خود اپنے برہ کو آزاد کرو، اور برہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کے برہ کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کرو، بایں طور کہ اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس برہ کی مدد کرو! مثال کے طور پر زید نے اپنے غلام کو لکھ کر دے دیا کہ جب تم مجھے اتنے

روپے ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے، اب اس غلام کی روپے پیسے سے امداد کرنا تاکہ وہ متعینہ رقم اپنے مالک زید کو ادا کر کے آزاد ہو جائے، دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کرنا ہے، یاد رہے کہ ایسے غلام کو ”مکاتب“ کہا جاتا ہے۔

”منہ“ سے مراد وہ بکری یا اونٹنی ہے جو کسی محتاج کو اس مقصد سے عارضی طور پر دے دی جائے کہ وہ اس بکری یا اونٹنی کے دودھ یا ان کے بالوں سے نفع حاصل کرے اور ”وکوف“ بہت دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں۔

”بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو“ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان سے بھلائی (کی بات) نکالے یا خاموشی اختیار کرے۔“

ان دونوں فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا چاہئے۔ یادہ گوئی، بدکلامی اور بری باتوں کا زبان سے صدور نہ ہونا چاہئے، زبان جب بھی حرکت میں آئے، اس سے بھلائی ہی کی بات نکلی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر عمل کر کے بہت سی خرابیوں اور دینی و دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں ”بھلائی“ سے مراد وہ چیز ہے جس میں ثواب ہو اس صورت میں وہ کلام جس پر مباح کا اطلاق ہوتا ہو، بھلائی کے زمرہ میں نہیں آئے گا لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ”بھلائی“ سے مراد وہ چیز ہے جو برائی کے مقابل ہو لہذا اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں آئے گا ورنہ حصر غیر موزوں رہے گا۔

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِيَذْكُرَ اللَّهُ فِيهِ نَبِيٌّ لَهُ نَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ أَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتُهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کوئی (چھوٹی یا بڑی) مسجد (نام نمود کے لئے نہیں بلکہ اس نیت سے) بنائے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے جنت میں ایک بڑا مکان بنایا جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان بردہ کو آزاد کرے گا تو وہ بردہ اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا سبب ہو گا اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں یا حج میں یا طلب علم میں اور یا اسلام میں جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے) بوڑھا ہو تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہو گا (جس کے سبب وہ اس دن کی تاریکیوں سے نجات پائے گا)۔ اس روایت کو صاحب مصابح نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ان الفاظ ”رواہ فی شرح السنۃ“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مصنف کو یہ حدیث شرح السنۃ کے علاوہ حدیث کی کسی اور کتاب میں نہیں ملی ہے۔

الفصل الثالث

⑤ عَنْ الْغُرَيْفِ ابْنِ عِيَّاشٍ الدِّيمَلِيِّ قَالَ أَتَيْنَا وَائِلَةَ بَنِ الْأَسَقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيثًا لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ وَلَا نَقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَقْرَأُ وَمُصْحَفُهُ مُعَلَّقٌ فِي بَيْتِهِ فَيَرِيدُ وَيَنْقُضُ فَقُلْنَا إِنَّمَا أَرَدْنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَاحِبٍ لَنَا أَوْجَبَ يَعْزِي النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ أَعْتَقُوا عَنْهُ يَعْزِي اللَّهُ بِكُلِّ عَصَا مِنْهُ عَصَا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت غریف ابن دیملی (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم حضرت وائلہؓ ابن اسقع (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سے کوئی

حدیث بیان کیجئے جس میں کی بیشی نہ ہو۔ ”حضرت واثلہؓ (یہ بات سن کر غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگ (شب و روز) قرآن کریم پڑھتے ہو اور تمہارا قرآن کریم تمہارے گھر میں لٹکا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود (ازراہ سہو و خطا) کی بیشی ہو ہی جاتی ہے (یعنی جب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں یا اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے کہیں کوئی شبہ ہو تو وہ قرآن دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود تلاوت میں غلطی سے کوئی لفظ چھوڑ دیتا ہے یا کوئی لفظ بڑھا دیتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ ضبط و تکرار اور پوری احتیاط کے باوجود نقل و روایت میں الفاظ کی کی بیشی کا ہو جانا ضروری ہے) ہم نے عرض کیا کہ ”ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے جو حدیث سنی ہو ہمیں سنائیے، چنانچہ حضرت واثلہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ (ایک دن) ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر آئے جس نے (خودکشی کرنے کی یا کسی دوسرے کو نفاق قتل کر کے اپنے لئے دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ سن کر) فرمایا کہ ”اس شخص کی طرف سے (غلام آزاد کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے قاتل کے ہر عوض کو (دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت واثلہؓ سمجھے کہ غریفؓ کی مراد یہ ہے کہ حدیث بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے الفاظ بعینہ روایت کئے جائیں۔ چنانچہ ان کو اس بات پر غصہ آیا اور مذکورہ بالا جواب دیا۔ لیکن حضرت غریفؓ نے اپنی بات کو وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کے مضمون و مفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو اگرچہ الفاظ میں کی بیشی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون و مفہوم بعینہ نقل ہو جائے گو الفاظ میں کچھ تضاد ہو تو جائز ہے۔

کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے

⑥ وَعَنْ سُمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تَفْلُكُ الرَّقِيبَةُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت سمرہؓ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بہترین صدقہ وہ سفارش ہے جس کے نتیجہ میں (برہہ کی) گردن کو نجات حاصل ہو جائے۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرادینا یا کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دینا چاہتا ہو یا اس کو مارتا دھاڑتا ہو تو سفارش کر کے اس غلام کو بچا دینا بہترین صدقہ ہے۔

بَابُ اعْتِقَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَشِرَاءِ الْقَرِيبِ وَالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ
مُشْتَرَكِ غَلَامِ كَوَازِدُ كَرْنِ، قَرَابَتِ دَارِ كَوَازِدُ كَرْنِ كَوَازِدُ كَرْنِ كَوَازِدُ كَرْنِ كَوَازِدُ كَرْنِ

آزاد کرنے کا بیان

اس باب میں جن مسائل و احکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں کا ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارہ میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا حصہ غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ”جزوی آزادی (معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور

حضرت امام محمدؑ کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا آزاد نہ کرے! البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ ”قرابت دار“ سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک ہدایت

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكَالَهُ فِي عَبْدٍ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قَوْمِ الْعَبْدِ عَلَيْهِ قِيمَةُ عَدْلٍ فَأَعْطَى شِرْكَاءَهُ حَصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَالْأَفْقَدُ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ - (متن علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کسی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا اپنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہوگا! اس بارہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک

اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے، اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

صاحبین کی مستدل حدیث

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شِفْصًا فِي عَبْدٍ أَعْتَقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اسْتَسْعَى الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (مشرک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی) اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو کسی ایسے کام اور محنت کی مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔“ (بخاری، مسلم)

مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ کرو

(۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ خُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَسْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَ هُمْ فَذَعَبَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا ثُمَّ أَفْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرْقَ أَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَصْلِيَّ عَلَيْهِ بَدَلٍ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا۔ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ لَوْ شَهِدْتُ قَبْلَ أَنْ يَذْفَنَ لَمْ يَذْفَنَ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ۔

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظهار ناز و مصلیٰ) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔“ (اور نسائیؒ کی روایت میں جو حضرت عمرانؓ ہی سے منقول ہے، ان الفاظ ”سخت الفاظ فرمائے“ کی بجائے یہ الفاظ ہیں ”کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں“ اور ابو داؤدؒ کی روایت میں یوں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہنچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جاتا۔“

تشریح: ”دو کو تو آزاد کر دیا الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح وصیت، صدقہ، ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین العربؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام زنگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نوویؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد متصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر اس لئے اظہار ناراضگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے ورثاء کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ ﷺ کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کے ورثاء پر اس طرح شفقت و کرم کیا کہ اس شخص کی طرف سے دی گئی آزادی کو دو غلاموں کے حق میں جاری کیا اور باقی چار کو ان کے ورثاء کا حق قرار دے دیا۔ حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نامشروع اور ظالمانہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشاد گرامی اذْكَرُوا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ (اپنے مرنے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

غلام باپ کو خریدنے کا مسئلہ

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيهِ فَيُعْتِقَهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب خواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ فیهتقہ میں حرف فاسب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے“ لہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔

مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ زَبْرٍ أَنَّ الْأَنْصَارَ دَبَّرَ مَمْلُوكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نَعِمْ بَنُ التَّحَامِ بِشَمَانٍ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نَعِمْ بَنُ عَبْدِ اللَّهِ الْعَدَوِيِّ بِشَمَانٍ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا فَإِنْ فَضَّلَ شَيْءٌ فَلَا هَٰلِكَ فَإِنْ فَضَّلَ عَنْ أَهْلِكَ شَيْءٌ فَلِلَّذِي قَرَأَ ابْنِكَ فَإِنْ فَضَّلَ عَنْ ذِي قَرَأَ ابْنِكَ شَيْءٌ فَلَهَا كَذَا وَهَكَذَا يَقُولُ فَبَيْنَ يَدَيْكَ وَعَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ۔

”اور جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ”اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نجام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ”چنانچہ نعیم ابن عبد اللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم ﷺ نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کر دو۔“ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے،

اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کر دو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔“

تشریح: ”مدر“ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مدر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدر مطلق اور دوسرا مدر مقید۔ مدر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اس سے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو۔ ”مدر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ کر سکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہو گا مدر مطلق کے برخلاف مدر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مر جائے تو پھر جس طرح مدر مطلق اپنے مالک کے مر جانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہذا امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کے مفہوم میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس مدر کو فروخت فرمایا وہ مدر مقید ہو گا۔

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں نعیم ابن نحم لکھا ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام نحم ہے، اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی نحمہ (یعنی آواز سنئی) ”اس مناسبت سے انہیں نحم کہا جانے لگا۔“

الفصل الثانی

ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

⑥ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَارِ حِمٍ مُحْرَمٌ فَهُوَ حُرٌّ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرہؓ سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ ہیہ یا وراثت کے ذریعہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خرید ا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خرید ا یا بھائی نے غلام خرید ا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

”ذی رحم“ اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں ”اور محرم“ اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول تو یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گزری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ دارا، پردادا وغیرہ) اور فروغ کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فروغ کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارہ میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول و فروغ کے قرابت داروں ہی کو حاصل ہے کہ وہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ام ولد، اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

④ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَلَدَتْ أَمَةٌ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ ذُرِّيَّتِهِ مِنْهُ أَوْ بَعْدَهُ۔

(رواہ الداری)

”اور حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب کسی شخص کی لونڈی اس کے (نطفہ) سے بچہ جنے تو وہ لونڈی اس شخص کے مرنے کے بچھے۔ یا یہ فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔“ (داری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لونڈی اپنے مالک کے بچہ کو جنم دے وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے وہ مالک کی زندگی میں آزاد نہیں ہوتی لیکن مالک اس لونڈی کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ کر سکتا ہے اس مسئلہ پر علماء کا اجماع و اتفاق ہے اس کے برخلاف جو روایت منقول ہے وہ منسوخ ہے اس کی تفصیل اگلی حدیث کے ضمن میں آئے گی۔

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَ أَمَهَاتِ الْأَوْلَادِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَى بَكَرٍ فَلَمَّا كَانَ عَمْرُو نَهَانَا

عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں بچوں کی ماؤں کو بیچا لیکن حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہمیں ان کو بیچنے سے منع کر دیا اور ہم اس سے باز رہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”بچوں کی ماؤں“ سے مراد وہ لونڈیاں ہیں جن سے ان کے مالکوں کی اولاد ہو چکی تھی۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان لونڈیوں کو بیچنے کی اجازت کی منسوخی کا حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عام لوگوں تک نہ پہنچا ہوگا اور ان لونڈیوں کو بیچنے جانے کی خبر آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچی ہوگی۔ لہذا اس صورت میں حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد ایسی لونڈیوں کے بیچنے کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دلیل تو جب ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لونڈیوں کے بیچنے جانے کی اطلاع ہوتی اور آپ ﷺ اس کو جائز رکھتے۔

نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچنے جانے کا واقعہ اس کی اجازت کی منسوخی سے پہلے کا ہوگا، اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ خلافت چونکہ بہت قلیل تھا اس میں بھی وہ دوسری مہمات میں مشغول رہے اس لئے انہیں اس کا علم نہ ہوا۔ دیکھا۔ اگر ان کو اس کی خبر ہوتی تو وہ اس فعل سے ضرور باز رکھتے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد جب عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو اس سے روک دیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اُم ولد کو بیچنے کی ممانعت فرمادی تھی۔

اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہوگا
 ⑨ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِي ظَا
 الْمَسِيدُ - (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو تو غلام کا وہ مال اس کے مالک ہی کا ہے ہاں اگر مالک اس کی شرط کر دے (تو پھر وہ مال اس غلام کا ہو جائے گا۔“ (ابو داؤد ابن ماجہ)

تشریح: ظاہر ہے کہ کوئی بھی غلام کسی بھی مال کا مالک ہوتا ہی نہیں تو اس کے پاس مال کہاں سے ہوگا ”لہذا اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو“ سے مراد یہ ہے کہ اس غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے جو محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ کی ہے اور اس کے نتیجے میں جو مال حاصل ہوا ہے اگر وہ مال اس غلام کے پاس ہو تو اس کے بارے میں بھی حکم یہ ہے کہ وہ دراصل اس غلام کے آقا ہی کی ملکیت ہے، کیونکہ غلام اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے سب کا مالک اس کا آقا ہی ہوتا ہے لہذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ غلام جب آزاد ہو جانے کی وجہ سے ملکیت قائم کرنے کا اہل ہو گیا ہے تو وہ مال جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا وہ اس کی ملکیت میں آگیا ہے کیونکہ وہ مال تو پہلے بھی اس کے آقا کی ملکیت تھا اور اب اس کے آقا کی ملکیت رہے گا۔ غلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، ہاں اگر اس کا آقا اس کو آزاد کرتے وقت یہ کہہ دے کہ یہ مال غلام کی ملکیت ہے تو اس صورت میں وہ مال اس آقا کی طرف سے اس غلام کے لئے صدقہ اور ہبہ ہو جائے گا اور وہ آزاد ہونے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا۔

آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

⑩ وَعَنِ ابْنِ الْمَلِیح عَنْ ابْنِهِ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلَّهِ شَرِيكَ فَاجْزَأْ عَتَقَهُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہؓ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا کا کوئی شریک نہیں ہے“ اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ لہذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا یا اس طور کہ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

⑪ وَعَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ كُنْتُ مَمْلُوكًا لَامَ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أَعْتَقَكَ وَأَشْتَرِيكَ عَلَى أَنْ تَخْدُمَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَشْتُ فَقُلْتُ إِنْ لَمْ تَشْتَرِ طَى عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَشْتُ فَأَعْتَقْتَنِي وَأَشْتَرِيكَ عَلَيَّ - (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ (ابتداءً) میں حضرت ام سلمہؓ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ”میں تمہیں آزاد کرنا

چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم ﷺ کی خدمت کرتے رہو گے۔ میں نے عرض کیا (کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتی تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم ﷺ سے جدا نہ ہوتا۔ چنانچہ حضرت اُم سلمہؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔“

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: سفینہؓ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت اُم سلمہؓ کے غلام تھے جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت اُم سلمہؓ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رومان اور یارباح تھا ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابوالختری تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کرا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

”سفینہ“ کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب ”سفینہ“ ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے ٹھہر گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آگیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالحارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو لیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا

(۱۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مکاتب (اس وقت تک) غلام رہے گا جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی رہے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”مکاتب“ اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ لکھ کر دے دے کہ جب تم اتنے روپے ادا کرو گے آزاد ہو جاؤ گے، چنانچہ اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ مالک نے اس کی آزادی کے لئے جتنے روپے مقرر کئے ہیں جب تک وہ پورے مالک کو ادا نہ ہو جائیں گے وہ مکاتب، غلام ہی رہے گا، اگر اس مقدار میں سے مثلاً ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تھا تو وہ آزاد نہیں ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ اس نے جتنا روپیہ مالک کو ادا کر دیا ہے اس کے حساب سے اس کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے اور جو روپیہ باقی رہ گیا اس کے مطابق کچھ حصہ غلام رہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبٍ إِحْدَاكُنَّ وَفَاءً فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (عورتوں) سے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی (عورت) کے مکاتب غلام کے پاس اتنا روپیہ ہو جائے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکے تو اس (مالک) کچھائے کہ وہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہیں کر دیا غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے اگر اس کے پاس اتنا مال وزر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو ازراہ تقویٰ و احتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنا بدل کتابت ادا کر دیا ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کے لئے فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ کے مطابق ازواج مطہرات کا پردہ بھی دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔

مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ

(۱۴) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدُهُ عَلَى مَانَةٍ أَوْ قِيَّةٍ فَأَذَاهَا أَوْ أَقِ أَوْ قَالَ عَشْرَةَ دَنَانِيرٍ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ - (رواہ الترمذی والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سب اوقیہ ادا کر دیئے مگر دس اوقیہ ادا نہ کر سکیا یہ فرمایا کہ ”دس دینار ادا نہ کر سکا (یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے دس اوقیہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا) اور پھر وہ اس باقی کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ مکاتب (بدستور) غلام ہی رہے گا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے لہذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتابت سب کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور نسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے، نیز حدیث کے الفاظ فَهُوَ رَقِيقٌ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک ہی کی ملکیت رہے گا۔

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمَكَاتِبُ حَدًّا أَوْ مِثْرًا نَوْرَثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ يُؤَدَّى الْمُكَاتِبُ بِحَصَّةٍ مَا آدَى دِيْنَهُ حُرًّا وَمَا بَقِيَ دِيْنَهُ عَبْدٌ وَصَعْفَةُ -

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی مکاتب“ دیت یا میراث کا متحق ہو جائے تو اس کو (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر حصہ ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا ”مکاتب کو دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائے گا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا، اور اس حصہ کے بقدر قیمت دی جائے گی اور ابھی بطور غلام باقی ہے، اس روایت کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: ”دیت یا میراث کا متحق ہو جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب کسی دیت یا کسی میراث کا حقدار ہو جائے تو اس دیت یا میراث میں سے اس کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ زید کسی شخص کا غلام تھا اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا، اور زید نے ابھی اپنے بدل کتابت میں سے آدھا ہی حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا جو ایک آزاد شخص تھا لیکن اس نے اپنے اس مکاتب بیٹے یعنی زید کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس صورت میں زید اپنے مرحوم باپ کی وراثت میں صرف آدھے حصہ کا حقدار ہوگا۔ یا دوسری صورت جس کو دوسروں نے بیان کیا ہے، یہ ہو کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت میں سے آدھا حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ کسی نے اس (زید) کو قتل کر دیا تھا، اس صورت میں قاتل اس مکاتب کے آدھے آزاد

حصہ کی دیت تو اس کے ورثاء کو ادا کرے گا اور اس کے آدھے غلام حصہ کی دیت جو اس کی قیمت کا بھی آدھا حصہ ہے، اس کے مالک کو ادا کرے، مثلاً بکر نے اپنے غلام زید کو ایک ہزار کے بدلے مکاتب کیا ویسے زید نے غلام ہونے کی حیثیت سے سو روپے کی قیمت کا تھا، مکاتب ہونے کے بعد زید اپنے مالک بکر کو اپنے بدل کتابت کے مقررہ ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے ہی ادا کر پایا تھا کہ کسی شخص نے اس کو قتل کر دیا، اس صورت میں قاتل زید کے ورثاء کو پانچ سو روپے ادا کرے گا جو اس کی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) کا نصف حصہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے مالک بکر کو پچاس روپے ادا کرے گا جو اس کی اصل قیمت کا نصف حصہ ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکاتب اپنے بدل کتابت میں بے جو مقدار مالک کو ادا کر دے گا اس کے بقدر وہ آزاد ہو جائے گا اور جو مقدار ادا نہیں کرے گا اس کے بقدر غلام رہے گا چنانچہ اس حدیث پر صرف امام نخعیؒ نے عمل کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس کو کسی مسلک کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا بلکہ یہ ان دونوں صحیح حدیثوں کے معارض بھی ہے جو اس سے پہلے بروایت حضرت عمرو ابن شعیب نقل ہو چکی ہیں جن سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا وہ غلام ہی رہے گا۔

الفصل الثالث

مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُمَرَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُعْتِقَ فَأَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَيْنَفَعَهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ أَتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُمِّي هَلَكَتْ فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ (رواہ مالک)

”حضرت عبدالرحمن ابن ابوعمرہ انصاری (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے (ایک دن) بروئے گو آزاد کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اگلی صبح ہونے تک اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکی تھیں، کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ عبدالرحمنؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم ابن محمد سے (اس صورت حال کو ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے (برہہ کو) آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ حضرت قاسمؒ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضرت سعد ابن عبادہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا (اچانک) انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے برہہ آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں نفع“ پہنچے گا۔“ (مالک)

تشریح: حضرت قاسم ابن محمدؒ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے، اس وقت مدینہ میں جو سات فقہاء مشہور تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

”ہاں نفع پہنچے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی طرف سے جو برہہ آزاد کرو گے اس کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا، چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے البتہ بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

(۱۷) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ ثَوَّقِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمِ نَامَةٍ فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ أُخْتَهُ وَقَابَا كَثِيرَةً۔

(رواہ مالک)

”اور حضرت یحییٰ ابن سعید (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ سوئے ہوئے تھے کہ اسی سونے کی حالت میں (اچانک) انتقال

کر گئے، چنانچہ حضرت عائشہؓ جو ان کی بہن تھیں ان کی طرف سے بہت سے بردے آزاد کئے۔“ (مالک)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے جو بہت سے بردے آزاد کئے ان کا سبب یا تو یہ تھا کہ حضرت عبدالرحمنؓ پر کسی وجہ سے بردے آزاد کرنے واجب ہوں گے جس پر وہ اپنی زندگی میں عمل نہ کر سکے اور پھر ناگہانی موت کی وجہ سے اس کی وصیت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے از خود ان کی طرف سے بردے آزاد کر دیئے، یا پھر یہ کہ بعض حالات میں ناگہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عائشہؓ بہت زیادہ غمگین ہوئی ہوں گی، اس لئے انہوں نے بہت سارے بردے آزاد کئے تاکہ اس صورت میں نقصان کا تدارک ہو سکے۔

غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا

①۸ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ بِمَالِهِ فَلَا شَيْءَ لَهُ۔ (رواہ الداری)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس کے مال کی شرط نہ کرے تو خریدنے والے کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملے گا۔“ (داری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام کو خرید اور خریداری کے معاملہ میں اس مال کو شامل نہیں کیا جو غلام کے ساتھ ہے تو وہ اس مال کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مال تو دراصل اس مالک کی ملکیت ہے۔ جس سے اس نے غلام کو خریدا ہے۔

بَابُ الْإِيْمَانِ وَالنُّذُورِ

قسموں اور نذروں کا بیان

قسم کی قسمیں اور ان کے احکام

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ ① غموس۔ ② لغو۔ ③ منعقدہ۔ ”غموس“ اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے ”خدا کی قسم“ میں نے یہ کام کیا تھا ”حالانکہ واقعہ“ وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے ”خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا“ حالانکہ واقعہ وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا ہے کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزار روپے ہیں۔ یا۔ خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزار روپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزار روپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزار روپے ہیں۔ غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے، لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ و استغفار ضروری ہوتا ہے۔

”لغو“ اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ ”واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا“ حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ بلکہ خالد تھا لیکن! یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔ قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارہ میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

”منعقدہ“ اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں قسم کھائی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف

کیا بوائے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ مثلاً زید نے یوں کہا کہ! خدا کی قسم، میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا۔ اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔ منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے فرائض کے کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم! میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کرنے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ ”خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا“ تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

و جب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ ”منعقدہ“ قسم توڑنے پر بہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

قسم کا کفارہ

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ بردہ کو آزاد کیا جائے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط و احکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارہ ظہار میں بردہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو پہننے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے، لہذا اگر صرف پا جامہ دیا جائے گا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ توبرہ آزاد کر سکتا ہو، نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو پھر وہ تین روزے بپے درپے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے، کافر کی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ وہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بچے، سوتے ہوئے شخص اور دیوانے کی قسم، سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

قسم کے دیگر احکام و مسائل

عربی میں قسم کے لئے تین حروف ہیں۔ ① و ② ب ③ ت مثلاً یوں کہا جائے واللہ یا اللہ یا اللہ ان تینوں کا مفہوم یہ ہے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی زبان و اسلوب کے مطابق بسا اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں تو ان کا ذکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے یوں کہا جائے اللہ افعلہ۔ یہ معنی مفہوم کے اعتبار سے واللہ افعلہ ہے۔

قسم باری تعالیٰ کی اسم ذات اللہ کے ساتھ یا اس کے دوسرے ناموں میں سے کسی اور نام مثلاً۔ رحمن، رحیم اور حق وغیرہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے اور ان ناموں میں سے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر ایسے ناموں کے ساتھ قسم کھائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی ذات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے علیم و حکیم وغیرہ تو ان میں نیت کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے ساتھ قسم کھانا بھی صحیح ہے جن کے ساتھ عام طور پر قسم کھانے کا رواج ہو جیسے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اللہ کی بڑائی اور بزرگی کی قسم اور اللہ کی عظمت و قدرت کی قسم! ہاں ان صفات کے ساتھ قسم کھانا صحیح نہیں ہوتا۔ جن کے ساتھ قسم کھانے کا عام طور پر رواج نہ ہو، جیسے رحمت، علم، رضا، غضب اور عذاب۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے جیسے باپ اور دادا کی قسم، قرآن کی قسم، انبیاء کی قسم، ملائکہ کی قسم کعبہ کی قسم، نماز روزہ

کی قسم، مسجد حرام اور زمزم کی قسم اور دیگر تمام شعاثر کی قسم یا اسی طرح بعض لوگ اس طرح قسم کھاتے ہیں اپنی جوانی کی قسم، اپنے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم، تمہاری قسم، اپنی اولاد کی قسم، یہ سب ناجائز ہیں، لیکن اگر اس طرح کی کوئی قسم کھائی جائے اور پھر اس کے خلاف کیا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

عربی میں لعمر اللہ قسم ہے، اسی طرح، ”سوگند خدا“ یا ”خدا کی سوگند کھاتا ہوں“ بھی قسم ہے، نیز عبد اللہ میثاق اللہ قسم کھاتا ہوں، حلف کرتا ہوں اور اشھد (اگرچہ اس کے ساتھ لفظ اللہ ذکر نہ کیا جائے) یہ سب بھی قسمیں ہیں۔

اسی طرح کہنا ”مجھ پر نذر ہے“ یا ”مجھ پر یمین ہے“ یا ”مجھ پر عہد ہے“ (اگرچہ اس کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرے) بھی قسم ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں یا یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اللہ تعالیٰ سے بری ہوں تو اس طرح کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کرنے سے قسم توڑنے کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اپنے کہنے کے مطابق وہ کافر یا یہودی یا عیسائی نہیں ہو جاتا۔ خواہ اس فلاں کام کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے، بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کہنا قسم ہے، ہاں اگر اس طرح کہتے وقت اس کے ذہن میں قسم کا تصور نہ ہو بلکہ واقعۃً کفر ہی کا تصور رکھتا ہو پھر اس صورت میں اس وجہ سے کہ اس نے خود کفر کو اختیار لیا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ”اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے یا اس پر اللہ کی لعنت ہو“ یا یوں کہے کہ اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو وہ زانی ہے، یا چور ہے، یا شرابی ہے، یا سود خوار ہے، تو اس کو قسم نہیں کہیں گے، اسی طرح یہ کہنا ”حق“ یا ”حق اللہ“ بھی قسم نہیں ہے، لیکن اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلافی قول ہے۔

اسی طرح کہنا کہ ”میں خدا کی سوگند کھاؤں یا۔ بیوی پر طلاق کی سوگند کھاؤں“ بھی قسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ لیکن اس کو استعمال کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنے اوپر روٹی کو حرام کر لیا ہے، اس طرح کہنے سے اس پر روٹی حرام نہیں ہو جاتی، لیکن اگر وہ اس کے بعد روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی تمام چیزوں پر ہو گا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز کھائے گا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا، نیز اس پر فتویٰ ہے کہ اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس نے اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ ”حلال چیز مجھ پر حرام ہے“ یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی حکم یہی ہے۔

اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ ”انشاء اللہ“ بھی ادا کرے تو وہ حاشا نہیں ہو گا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہو گی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

یہ تو قسموں کے بارے میں کچھ تفصیل تھی، اب باب کے دوسرے جزو ”نذر“ کے متعلق بھی چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

نذر اور اس کے احکام

”نذر“ منت کو کہتے ہیں یعنی کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا جو واجب نہیں تھی مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ! ”اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں پانچ روزے رکھوں گا“۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ نذر ماننا صحیح ہے اور اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ نذر کوئی گناہ کی چیز نہ ہو اور اس نذر کا تعلق کسی گناہ کی چیز سے ہو تو حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک وہ نذر صحیح نہیں ہو گی، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ نذر صحیح نہیں ہو گی بلکہ ایسی نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ

واجب ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ۔

”معصیت کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔“

ملتی میں لکھا ہے کہ جس شخص نے مطلق نذر مانی یعنی اس نذر کو کسی شرط کے ساتھ متعلق نہیں کیا مثلاً یوں کہا ”کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے روزے رکھوں گا“۔ یا ایسی نذر مانی جو کسی شرط کے ساتھ متعلق ہو اور وہ شرط بھی ایسی ہو جس کے پورے ہونے کی وہ خواہش و ارادہ رکھتا ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو روزے رکھوں گا۔ اور پھر وہ شرط پوری ہو جائے۔ یعنی وہ صحت یاب ہو جائے تو ان دونوں ہی صورتوں میں اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر اس نے اپنی نذر کو کسی ایسی شرط کے ساتھ متعلق کیا جس کے پورا ہونے کی وہ خواہش نہ رکھتا ہو ”مثلاً یوں کہے کہ“ ”اگر میں زنا کروں تو مجھ پر غلام آزاد کرنا واجب ہوگا“۔ تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ چاہے تو قسم کا کفارہ دے اور چاہے اس نذر کو پورا کرے یعنی غلام آزاد کرے۔

نذر کے سلسلے میں دیگر مسائل و احکام تفصیل کے ساتھ فقہ کی کتابوں اور فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ان میں دیکھے جاسکتے ہیں البتہ اس موقع پر نذر کے سلسلہ میں بڑی اور اہم فائدے کی بات ذکر کر دینا قیضاً ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، نہ نبی کی، نہ فرشتے کی، نہ اولیاء اللہ کی نہ کسی اور کی۔ مثلاً یوں کہنا کہ ”اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مولود پڑھاؤں گا۔ یا۔ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا۔ یا اگر فلاں کام ہو گیا تو مولیٰ مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا، اسی طرح غیر اللہ کی نذر ماننا بڑے گناہ کی بات ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”ماتہ مسائل“ معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ سے جو مفید اور کارآمد باتیں لکھی ہیں ان سب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ ”اس طرح نذر مانی کہ“ ”اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے میں چند ایسی شرائط ہیں جو پائی جائیں تو نذر صحیح ہوتی ہے اور اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو پھر نذر صحیح نہیں ہوتی۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ جو چیز اپنی طرف سے نذر مانی جائے وہ ایسی ہونی چاہئے جس کی جنس شرعی طور پر واجب ہو (جیسے نماز روزہ وغیرہ) چنانچہ اسی لئے اگر کوئی شخص مریض کی عیادت کرنے کی نذر مانے (یعنی یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں فلاں مریض کی عیادت کروں گا) تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی کیونکہ مریض کی عیادت ایسی جنس سے ہے جو شرعاً واجب نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ فی الحال یا ثانی الحال اس پر واجب نہ ہو جیسے نماز پنجگانہ۔

اور چوتھی شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ خود کوئی گناہ کی چیز نہ ہو۔ ان شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ثابت ہوا کہ اس طرح نذر ماننا کہ فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا، صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی مزار پر روپے یا کھانا پہنچانا کوئی عبادت نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح نذر مانی گئی کہ ”اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار کے خدام و فقراء کو کھانا کھلاؤں گا“ تو یہ نذر صحیح ہوگی اور اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، لیکن نذر کو پورا کرنے کے لئے اس مزار کے خدام و فقراء کے درمیان تخصیص کرنا ضروری نہیں ہوگا بلکہ جس خدام و فقیر کو بھی کھانا کھلا دے گا تو نذر پوری ہو جائے گی اور اگر یوں کہے کہ ”اگر میری فلاں حاجت برائے گی تو میں فلاں بزرگ کے نام پر یا فلاں بزرگ کے واسطے اتنے روپے یا اتنا کھانا دوں گا نا جائز ہے، اس طرح کی نذر نہ صرف یہ کہ باطل و لغو ہے، بلکہ اس نذر کا روپیہ یا کھانا استعمال کرنا حرام بھی ہے اس مسئلہ کو بحر الرائق میں تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَأَمَّا التَّذْرُ الَّذِي يَنْذَرُهُ أَكْثَرُ الْعَوَامِ عَلَى مَا هُوَ مُشَاهِدٌ كَانَ يَكُونُ الْإِنْسَانُ غَائِبٌ أَوْ مَرِيضٌ أَوْ لَهُ حَاجَةٌ ضَرُورِيَّةٌ

فَیَاتِی فِی بَعْضِ مَرَاتِبِ الصُّلَحَا فِیَجْعَلُ سِتْرَهُ عَلٰی رَاسِهِ وَیَقُولُ یَا سَیِّدِی فَلَآ اِنْ رَدَّ عَآئِی اَوْ عُوْفِی مَرِیضِی اَوْ قَضِیْتُ حَاجَتِی فَلَکَ مِنَ الذَّهَبِ کَذَا اَوْ مِنَ الْفِضَّةِ کَذَا اَوْ مِنَ الطَّعَامِ کَذَا اَوْ مِنَ الْمَاءِ کَذَا اَوْ مِنَ الْقَمَحِ کَذَا اَوْ مِنَ الزَّیْتِ کَذَا فَهَذِهِ النَّذَرُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لَوْ جُوهٍ مِنْهَا اَنَّهُ نَذَرٌ لِّمَخْلُوقٍ وَالتَّنْذِرُ لِّلْمَخْلُوقِ لَا یَجُوزُ لِآئَةِ عِبَادَةٍ وَالْعِبَادَةُ لَا یَكُونُ لِمَخْلُوقٍ وَمِنْهَا اَنَّ الْمُنْذُورَ لَهُ مِیْتٌ وَالْمِیْتُ لَا یَمْلُکُ وَمِنْهَا اِنْ ظَنُّ اَنَّ الْمِیْتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُورِ دُونَ اللّٰهِ فَاعْتِقَادُهُ بِهٖ ذَلِکَ کُفْرٌ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اَنْ یَقَالَ یَا اللّٰهُ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ اِنْ شَفِیْتُ مَرِیضِی اَوْ رَدَدْتُ عَآئِی اَوْ قَضِیْتُ حَاجَتِی اَنْ اُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِنَابِ السَّیِّدَةِ نَفِیْسَةِ اَوْ الْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِنَابِ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ اَوْ الْاِمَامِ اَبِی الْلِیثِ اَوْ اَشْتَرِی حَصِیْرًا لِّمَسَاجِدِهِمْ اَوْ زَیْنًا یَوْقُودُهَا اَوْ ذَرَاهِمَ لِمَنْ یَقُومُ بِشَعَائِرِهَا اِلٰی غَیْرِ ذَلِکَ مِمَّا یَكُونُ فِیْهِ النَّفْعُ لِّلْفُقَرَاءِ وَالتَّنْذِرُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَذَكَرَ الشَّیْخُ اِنَّمَا هُوَ لِتَبَانِ مَحَلِّ تَصَرُّفِ النَّذَرِ لِمُسْتَحَقِّهِ الْقَانِطِیْنَ بِرِبَاطِهِ اَوْ مُسَجِّدِهِ اَوْ جَامِعِهِ فِیَحْزُرُ بِهَذَا الْاِعْتِبَارُ اِذَا مَضَرَفَ النَّذَرُ الْفُقَرَاءَ وَقَدْ وَجَدَ الْمَضَرَفُ وَلَا یَجُوزُ اَنْ یَضَرَفَ ذَلِکَ لِغَیْرِ غَیْرِ مُحْتَاجٍ وَلَا لِشَرِیفٍ التَّنْذِرُ لِآئَةِ لَا یَحِلُّ لَهُ الْاِخْذُ مَا لَمْ تَكُنْ مُحْتَاجًا وَلَا لِدُنِّی مَنْصَبٍ لَا جُلَّ مَنْصَبِهِ مَا لَمْ یَكُنْ فَقِیْرًا وَلَا لِذِی عِلْمٍ لَا جُلَّ عِلْمِهِ مَا لَمْ یَكُنْ فَقِیْرًا وَلَمْ یُثْبِتْ فِی الشَّرْعِ جَوَازَ التَّصَرُّفِ لِلْاَغْنِیَاءِ لِلْاِجْمَاعِ عَلٰی حُرْمَةِ النَّذَرِ لِّلْمَخْلُوقِ وَلَا یَنْعَقِدُ وَلَا یَسْتَعْمَلُ الذَّمَّةُ بِهٖ وَآئَةُ حَرَامٌ بَلْ سَحَتْ فَلَا یَجُوزُ لِخَادِمِ الشَّیْخِ اِخْذُهُ وَلَا اَکْلُهُ وَلَا التَّصَرُّفُ فِیْهِ بِوَجْهِ مِنَ الْوُجُوهِ اِلَّا اَنْ یَكُونَ فَقِیْرًا وَلَهُ عِیَالٌ فَقَرَاءٌ عَاجِزُونَ عَنِ الْکَسْبِ وَهُمْ مُضْطَرُّونَ فِیَاخْذُ وَآئَةُ عَلٰی سَبِيلِ الصَّدَقَةِ الْمُبْتَدَاةِ وَآخِذُهُ اِیضًا مَكْرُوهٌ مَا لَمْ یَقْصُدْ بِهٖ التَّأْدِرَ التَّقَرُّبَ اِلٰی اللّٰهِ تَعَالٰی وَضَرْفُهُ اِلٰی الْفُقَرَاءِ وَیَقْطَعُ النَّظَرَ عَنْ نَذْرِ الشَّیْخِ اِذَا عَلِمْتَ هَذَا فَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الذَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَغَیْرِهَا وَیُنْقَلُ اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَاءِ تَقَرُّبًا اِلَیْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا لَمْ یَقْصُدْ بِضَرْفِهَا الْفُقَرَاءَ الْاَحْیَاءَ قَوْلًا وَاحِدًا وَكَذَا فِی التَّهْرِ وَالذَّرِّ۔

”اور جہاں تک نذر کا سوال ہے تو جیسا کہ مشاہدہ ہے، عام طور پر (جاہل) لوگ اس طرح نذر مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا (کوئی عزیز) غائب ہو جاتا ہے، یا بیمار ہو جاتا ہے اور یا اس کی ضروری مراد ہوتی ہے تو وہ کسی بزرگ کے مزار پر آتا ہے اور اس کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر (یا قبر کی) چادر پکڑ کر یوں کہتا ہے کہ ”اے میرے فلاں سردار! اگر میرا وہ عزیز جو غائب ہو گیا ہے واپس ہو گیا، یا اس کو مرض سے صحت یابی ہو گئی اور یا میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں آپ کے مزار پر اس قدر سونا چڑھاؤں یا اس قدر چاندی چڑھاؤں گا یا اس قدر کھانا چڑھاؤں گا، یا اس قدر پانی چڑھاؤں گا، یا اس قدر شمع یا زیت (یعنی تیل) چڑھاؤں گا تو اس طرح نذر ماننا تمام علماء کے نزدیک باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کے کئی سبب ہیں، اول تو یہ مخلوق (یعنی غیر اللہ) کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر (در اصل عبادت ہے) اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے، دوم یہ کہ جس کے نام کی (یعنی صاحب مزار کی نذر مانی گئی ہے وہ ایک بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔ سوم یہ کہ اگر (اس طرح نذر مانتے کے وقت) یہ گمان کیا تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ میت (یعنی صاحب مزار) بھی بندوں کے معاملات میں تصرف کرتا ہے تو ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ لہذا اے اللہ (اس بات کی ہدایت دے کہ) اس طرح نذر مانتے کی بجائے یوں نذر مانی جائے کہ ”اے خدا میں تیری نذر ماننا ہوں کہ اگر تو میرے بیمار کو شفا بخشے گا۔ یا میرے غائب عزیز کو واپس کر دے گا، یا میری مراد کو پوری کرے گا تو میں (مثلاً) ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا، جو بی بی نفیسہ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں، یا ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا جو حضرت امام شافعیؒ یا حضرت امام ابو الیثؒ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں یا میں ان کی مسجدوں کے لئے پورے، یا ان کی مسجدوں کی روشنی کے لئے تیل خریدوں گا، یا میں ان لوگوں کو روپے دوں گا، جو ان بزرگوں کی مسجدوں کے شعائر قائم رکھتے ہیں (یعنی مؤذن اور ائمہ) یا ان کے علاوہ کسی بھی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء و مساکین کا نفع ہو۔ لہذا اس طرح نذر مانتے میں نذر تو دراصل اللہ عزوجل کے لئے ہوگی اور

بزرگ کا ذکر کرنا محض نذر کے مصرف کو بیان کرنے کے پیش نظر ہوگا اور وہ مصرف نذر کے وہ مستحقین ہیں جو ان بزرگ کی خانقاہ یا ان کی مسجد اور یا ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں پس اس طرح نذر مانی درست ہے، کیونکہ نذر کے مصرف فقراء ہی ہیں اور وہ مصرف یہاں پایا گیا، نیز نذر کی ہوئی چیز کو مستطیع (غیر محتاج) پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی شریف النصب پر خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اس کے لئے نذر کی ہوئی چیز کا لینا درست نہیں ہے، اور نہ کسی منصب والے پر خرچ کرنا جائز ہے اس کے منصب کی وجہ سے جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو، اور نہ کسی اہل علم پر خرچ کرنا جائز ہے، اس کے علم کی وجہ سے جب تک وہ مستحق نہ ہو۔ اور شریعت میں نذر کی ہوئی چیز کو مستطیع لوگوں پر خرچ کرنے کا جواز ثابت نہیں ہے، نیز اس بات پر علماء امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے، اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق (یعنی بزرگ) کی نذر مانے تو وہ نذر صحیح نہیں ہوتی اور نہ اس نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے اور وہ نذر نہ صرف حرام بلکہ رشوت کے حکم میں ہے لہذا اس بزرگ کے خادم اور مجاور کے لئے اس نذر کا لینا اس کا کھانا اور اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی خادم یا مجاور محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کا کفیل ہو جو کمانے سے معذور ہوں اور وہ حالت اضطرار میں ہوں تو ان کو اس نذر کا مال ابتدائی صدقہ کے طور پر لینا جائز ہے لیکن اس صورت میں بھی اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہوگا جب کہ نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہو! پس جب کہ ہمیں یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو (جان لو کہ) کہ اولیاء اللہ کے تقرب کی نیت سے جو روپے پیسے اور موم بتی و تیل وغیرہ ان کی قبروں پر چڑھایا جاتا ہے، وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے جب تک کہ نذر کرنے والا اس کو فقیروں پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (النہر الفائق) اور الدر المختار میں بھی اسی طرح منقول ہے۔“

حضرت مولانا محمد اسحاقؒ کے مذکورہ منقولات کے علاوہ اس سلسلہ میں مولانا رشید الدین خاں مرحوم نے ایک سوال کا جواب لکھا ہے۔ وہ بھی اس قابل ہے کہ اس کو مع سوال کے یہاں نقل کر دیا جائے۔

سوال: جو کھانا بزرگوں کی نذر و نیاز کے طور پر مانا جاتا ہے اس کو کھانا اور اس طرح (یعنی بزرگوں کی نذر ماننا اور ان کی نیاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟ نیز بعض نذر بشرط حاجت براری مانی جاتی ہے اور بعض نذر بلا شرط مانی جاتی ہے ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

جواب: شریعت میں نذر کا مفہوم ہے اپنے اوپر کسی غیر واجب کو واجب کر لینا، چنانچہ جامع الرموز میں لکھا ہے کہ:

النذر ایجاب علی النفس مالیس علیہا بالقبول۔

”کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کو ”نذر“ کہتے ہیں جس پر عمل کرنا اس کے لئے ضروری نہیں تھا۔“

اور امام راہزی نے تفسیر کبیر میں آیت کریمہ اور نذر تم من نذر کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ:

النذر ما الزمه الانسان علی نفسه۔

”نذر وہ ہے جس کو انسان اپنے اوپر لازم کرے۔“

”نذر“ کی مختصر توضیح تو یہ ہے اور اس کی تفصیل فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

”نیاز“ فارسی کا لفظ ہے جس کے کتنے ہی معنی ہیں ان میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں ”تحفہ درویشاں و کذا فی البرہان القاطع ان دونوں لفظوں یعنی نذر و نیاز کے ان لغوی اور اصطلاحی معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کا شرعی حکم ماننا چاہئے کہ نذر خدا کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، نیز ایسی نذر کی چیز کو لینا یا کھانا صحیح و مستند فقہی روایات کے بموجب قطعاً ناروا ہے یہ تو نذر کا حکم ہے اب رہا نیاز کا معاملہ تو جیسا کہ معلوم ہوا لفظ ”نیاز“ کے معنی ہیں، تحفہ درویشاں“ اور وہ بروصلہ ہے (یعنی

بخشش و ہدیہ ہے) لہذا اگر کوئی شخص کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں کوئی چیز بطریق نیاز یعنی عطاء و ہدیہ اور تحفہ کے طور پر پیش کرے تو وہ نیاز جائز ہے اور اس بزرگ کو وہ چیز کھانا یا استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرحوم بزرگ کی نیاز یعنی فاتحہ و ایصال ثواب کی جائے تو یہ نیاز بھی جائز ہے لیکن اس نیاز کی چیز کو کھانے کے سلسلے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر نیاز دینے والے نے وفات پائے ہوئے بزرگ کو صدقہ ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کو کھانا صرف فقراء کے لئے جائز ہے مستطیع لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر نیاز دینے والے نے عام مسلمانوں کے حق میں ”اباحت ماکولی“ کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں اس چیز کو کھانا ہر بھوکے کے لئے جائز ہے خواہ وہ مستطیع ہو یا فقیر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ کسی بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے یا حاجت براری کی شرط کے ساتھ اس بزرگ کی جو نذر مانی جاتی ہے وہ منقولات بالاک روشنی میں ناجائز ہے اور اس نذر کی چیز کو کھانا یا استعمال کرنا ناروا ہے۔ ہاں جس نذر کا تعلق نہ تو بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ہوتا ہے اور نہ وہ کسی حاجت براری کے ساتھ مشروط ہوتی ہے بلکہ پہلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی ہے اور پھر اس بزرگ کو پہنچایا جاتا ہے تو اس چیز کو کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے تو جائز نہیں ہے بشرطیکہ نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو صدقہ ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو اور اگر نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو اباحت ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کا کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے بھی جائز ہے اور فقراء کے لئے بھی جائز ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسی طرح نیاز کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ بزرگوں کی نیاز اگر محض ایصال ثواب کے طور پر ہو تو جائز ہے اور ان کا تقرب یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کسی چیز کو ان کے نام پر اپنے اوپر واجب کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا کسی حاجت براری کے ساتھ معلق ہو اور خواہ اس کے بغیر ہو، کیونکہ یہ نذر ہے اور نذر خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔ لہذا واضح ہو کہ خواہ حاجت براری کے ساتھ معلق کر کے اور خواہ اس کے بغیر کسی چیز کو اپنے اوپر خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پر واجب کرنا دونوں ہی صورتوں میں ناجائز ہے۔ ہاں بزرگوں کی نیاز اس معنی میں جائز ہے کہ اس سے کسی بزرگ کا تقرب یا حاجت براری کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانا ہو اور نیاز کی ہوئی چیز کو نذرہ بالافقیل کی روشنی میں کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

دلیل الضالین میں لکھا ہے کہ ”نذر“ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور کسی کے لئے نہیں ہوتی، لہذا اگر کسی شخص نے انبیاء میں سے کسی نبی یا اولیاء میں سے کسی ولی کی نذر مانی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا یعنی اس نذر کو پورا کرنا اس شخص پر لازم نہیں ہوتا، نیز اگر وہ شخص اس نذر کی چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دیدے تو اس آدمی کو وہ چیز لینا جائز ہے اگر وہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر وہ چیز کوئی ذبح کیا ہوا جانور ہو تو وہ مردار کے حکم میں ہے بلکہ اگر لوگ اس کو بسم اللہ کر کے کھائیں تو سب کافر ہو جائیں گے، ہاں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانے اور پھر نذر کی ہوئی چیز کو لوگ کھائیں اور اس کا ثواب کسی میت کو بخشیں تو یہ جائز ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلِفُ لَاَوْ مُقَلَّبَ الْقُلُوبِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اکثر اس طرح قسم کھایا کرتے تھے ”قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔“ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

② وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنْ اللَّهُ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَخْلِفُوا بِأَبَائِكُمْ مَنْ كَانَ خَالِفًا فَلْيَخْلِفْ بِاللَّهِ

أَوْ لِيَصُحَّتْ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ! جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے، اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھایا کرو۔ بطور خاص ”باپ“ کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں! نیز عبد اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت و جلالت کے سبب چونکہ قسم اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے، اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں، اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔ ہاں جہاں تک حق تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ سے یوں منقول ہوا ہے اَفْلَحَ وَابْنُہُ یعنی آپ نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو گا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی، بلکہ قسم کے یہ الفاظ قدیم عادت کی بنا پر اضطراراً آپ ﷺ کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْلِفُوا بِالْظَوَاغِي وَلَا بِأَبَائِكُمْ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد الرحمنؓ ابن سرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ۔“ (مسلم)

تشریح: ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قبولیت اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا تاکہ وہ اس بارہ میں احتیاط رکھیں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ چڑھیں۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لِيَصَاحِبِهِ نَعَالَ أَفَامُرُكَ فَلْيَتَصَدَّقْ (تفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے“ میں لات و عزی کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جو اٹھیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”لا الہ الا اللہ کہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات و عزی کے نام کسی نو مسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّيْئَاتِ۔ (ہود: ۱۱۳)

”بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔“

پس اس صورت میں غفلت و سہو سے توبہ ہو جائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات و عزی کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحۃً ارتداد اور کفر ہے لہذا اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس

صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

”صدقہ و خیرات کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جو اکھیلنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے، لہذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جو اکھیلنے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ و خیرات کر دے! اس سے معلوم ہوا کہ جب محض جو اکھیلنے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنا چاہئے تو یہ شخص واقعہً کھیلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الصَّخَّالِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عَذَّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَفَرٌ لَهُ دَعْوَى كَاذِبَةٌ لَيَسْتَكْثِرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا قَلَّةً (متفق علیہ)

”اور حضرت ثابت ابن سخاک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کہا، اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو اور جس شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہو گا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو، اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کے مانند ہے) اور جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ ”اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے یا پیغمبر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں۔ اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا، بایں طور کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ ایسا ہی یہودی یا نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا پیغمبر اسلام اور یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہذا قسم کا سچ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا اور اب جب جھوٹا ہوگا تو لا محالہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا نہ ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعہً یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے، چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے سے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا ہی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہو گا یا نہیں؟ تو اس بارہ

میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا، ان کی دلیل ہدایہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، ہاں اس طرح کہنے والا سخت گنہگار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے۔

در مختار میں لکھا ہے کہ (مذکورہ بالا مسئلہ میں) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں کافر نہیں ہو جاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارہ میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہو جاتا ہے تو خواہ اس بات کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پورا ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا اور رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

”اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے ”اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو جائے تو میں فلاں غلام آزاد کر دوں گا“ جب کہ وہ فلاں غلام در حقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ آجائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کر دیا یعنی یوں کہا کہ ”اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو گیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آگیا یا فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو میں اس کو آزاد کر دوں گا“ تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد یا خریداری کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہو جائے گا۔

”تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو“ یہ اکثر کے اعتبار سے دعویٰ کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں مذکورہ ثمرہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کر دیا جانا) مرتب ہوگا۔ جھوٹے وعدے کا مذکورہ ثمرہ محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہی ثمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل اور کمالات کے بارہ میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے جیسا کہ نام نہاد اور بناوٹی صوفیوں اور پیروں کا شیوہ ہے۔

اگر قسم کو توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے

⑥ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي وَاللَّهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا خَلِيفَ عَلَيَّ يَمِينٍ فَارَىٰ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور اس کا کفارہ ادا کر دوں گا اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کام کے بارہ میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر سمجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا اور اس کام کو کر لوں گا، اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہوں گی۔

⑦ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْبُلَ الْأَمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوْتِيتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَكَلَّتْ إِلَيْهَا وَإِنْ أُوْتِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أَعْنَتْ عَلَيْهَا وَإِذَا خَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكْفَرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأَتَيْتَ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَفِي رِوَايَةٍ فَاتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ - (متفق علیہ)

(متفق علیہ)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ ”عبدالرحمن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم و سردار بنادیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے کہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پوری کرنے سے بہتر ہے، تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سرداری کی خواہش نہ کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ سرداری و سیادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہذا نفس کی حرص میں مبتلا ہو کر سرداری و سیادت کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سرداری و سیادت پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا بایں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چار طرف شروفساد برپا ہوں گے اور تم مخلوق خدا کی نظروں میں بڑی بے آبروئی کے ساتھ اس منصب کے نااہل قرار دئے دیئے جاؤ گے، ہاں اگر بلا طلب تمہیں سرداری و سیادت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام و انصرام درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت و وقعت ہوگی۔

”اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم! میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں فلاں شخص کو چان سے مار ڈالوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ ڈالنا ہی واجب ہوگا اور اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا، اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ ”خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا“ یا اسی طرح کی کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا محض اولیٰ ہوگا۔ اس بارہ میں زیادہ تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ جب کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرنا چاہئے، چنانچہ اس مسئلہ پر تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کر دینا جائز ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے ہاں یہ جواز اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے، یا مستحقین کو کھانا کھلانے اور یا کپڑا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف واو محض جمع کے لئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ حقیقہ وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَكْفُرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَفْعَلْ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ (اس کے خلاف کرنا ہی) قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کفارہ ادا کر دے اور اس کام کو کر لے (یعنی قسم توڑ دے)۔“ (مسلم)

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَأَنْ يَلْجَأَ أَحَدُكُمْ يَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ أَوْ لَهْ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَنْ يُعْطَى كَفَّارَتَهُ النَّبِيُّ أَفْتَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِ (متفق عليه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم! تم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا یعنی اس قسم کو پوری کرنے ہی کی ضد کرنا جو اپنے اہل و عیال سے متعلق ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گنہ گار بناتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت و حرمت کی ہنک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل و عیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے! گویا اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرنا ہے کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھلائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

⑩ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِكَ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہاری قسم اس وقت صحیح ہوتی ہے جب تمہارا ساتھی (یعنی قسم دینے والا) تمہیں سچا سمجھے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قسم سچی ثابت ہونے کے سلسلے میں اس شخص کی نیت و ارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے تور یہ و تاویل کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی اس صورت سے ہے جب کہ قسم دینے والے کا کوئی حق و مطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے تور یہ و تاویل سے اس کا حق ساقط ہوتا ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی و حاکم مدعا علیہ کو قسم دلانے تو اس میں قاضی و حاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر تور یہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بطور خاص جب کہ اس تور یہ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہیں۔

⑪ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَمِينُ عَلَى نَيْتِ الْمُسْتَحْلِفِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قسم کا اعتبار قسم دینے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔“ (مسلم)

لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنْزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ فِي قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهُ زَوَّادُ الْبَخَارِ وَفِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَقَالَ رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ۔

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لا واللہ اور بلی واللہ کہتا ہے۔ (بخاری) شرح السنۃ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے، نیز شرح السنۃ میں کہا گیا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے (یعنی ان راویوں کے مطابق یہ حدیث آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔“

تشریح: اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہا کرتے تھے کہ لا واللہ (خدا کی قسم) ہم نے یہ کام نہیں کیا (یا اور بلی واللہ (خدا کی قسم) ہم نے یہ کام کیا ہے) ان الفاظ سے ان کا مقصد قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تمکیم کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے، چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو ”لغو قسم“ کہتے ہیں۔ حضرت

امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا ہے، ان کے نزدیک ”لغو قسم“ اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد زمانہ ماضی یا زمانہ مستقبل، زبان سے سوا رہے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ”لغو قسم“ اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارہ میں قسم کھانے والے کا گمان تو یہ ہو کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعہ وہ صحیح نہ ہو، چنانچہ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

الفصل الثانی

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْلِفُوا بَابَانِيكُمْ وَلَا بِأَمْتِكُمْ وَلَا بِأَنْفُسِكُمْ وَلَا بِأَمْوَالِكُمْ وَلَا بِأَنْفُسِكُمْ وَلَا بِأَمْوَالِكُمْ وَلَا بِأَنْفُسِكُمْ وَلَا بِأَمْوَالِكُمْ (رواه ابو داود والنسائي)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم نہ تو اپنے باپوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی اور خدا کی قسم بھی تم اسی صورت میں کھاؤ جب کہ تم سچے ہو (یعنی جھوٹی قسم نہ کھاؤ خواہ اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے)۔“ (ابوداؤد، نسائی)

(۱۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ (رواه الترمذی)

”ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اس کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ کھائی اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا، کیونکہ اس طرح اس نے اس تعظیم میں غیر اللہ کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

عام طور پر لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز یا تعلق والے کی انتہائی محبت میں اس کی قسم کھاتے ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ بیٹے کی قسم، یا اس کے سر کی یا اس کی جان کی قسم تو یہ بھی گناہ سے خالی نہیں اگرچہ اس پر شرک کا حکم عائد نہ ہوتا ہو یا اگر قدیم عادت کی بنا پر کسی کی زبان سے بلا قصد مثلاً یوں نکل گیا کہ ”اپنے باپ کی قسم، یا اپنے بیٹے کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا ہے تو اس پر گناہ اور شرک کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِأَلَا مَانَةٍ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه ابو داود)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کے بغیر محض امانت کی قسم کھائے گا اس کا شمار ہمارے قبیلین میں نہیں ہوگا کیونکہ یہ اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کی عادات میں سے ہے اور غیر اللہ کی قسم کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں ”امانت“ سے مراد ”فرائض“ ہیں گویا آپ ﷺ کا مقصد نماز اور حج جیسے فرائض کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، بہر کیف دونوں صورتوں میں تمام علماء کے نزدیک اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا اور اگر ”امانت اللہ“ (یعنی اللہ کی طرف سے اضافت کر کے امانت کی) قسم کھائی جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس میں بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظمؒ چونکہ اس کو تسلیم کرتے ہیں بایں وجہ کہ ”امین“ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہونے کی بنا پر ”امانت“ اس کی صفات میں سے ہے اس لئے ان کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”امانت اللہ“ سے مراد کلمہ توحید ہے۔

اسلام سے بیزاری کی قسم کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ إِنِّي بَرِئُ مِنَ الْإِسْلَامِ فَإِنْ كَانَ كَذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَإِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْإِسْلَامِ سَالِمًا - (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص یوں کہے کہ (اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہو تو) میں اسلام سے بری ہوں، لہذا اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے کہا ہے اور اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تب بھی وہ اسلام کی طرف پوری طرح واپس نہ آئے گا۔“ (ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ ”اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں۔“ تو اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے، یعنی واقعہ اس نے وہ کام کیا ہے تو وہ اسلام سے بیزار ہو گیا۔ گویا یہ ارشاد تو اس طرح قسم کھانے کی شدید ممانعت کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے۔ اگر وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے یعنی واقعہ اس نے وہ کام نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا اس طرح کہنا گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی قسم کھانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس روایت میں مذکورہ قسم کو ”منعقدہ قسم“ پر محمول کیا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت ثابتؓ کی روایت نمبر پانچ میں مذکور قسم کو بھی ”منعقدہ قسم“ پر محمول کیا ہے، چنانچہ اس کی وضاحت حضرت ثابتؓ کی روایت کی تشریح میں گزر چکی ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کو ”غموس قسم“ پر محمول کیا ہے، اس کتاب کے مؤلف کے نزدیک یہ دونوں قسمیں ”منعقدہ“ پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور ”غموس“ پر بھی۔

آنحضرت ﷺ بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے

(۱۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اجْتَهَدَ فِي الْيَمِينِ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (بعض مواقع پر) اپنی قسم میں زور پیدا کرنا چاہتے تو اس طرح قسم کھاتے تھے ”نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے (یہ بات نہیں بلکہ یہ بات ہے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”ابوالقاسم“ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کنیت مبارک تھی۔ آنحضرت ﷺ کی قسم کے ان الفاظ میں زور بیان اور شدت و تاکید بایں معنی ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور آنحضرت ﷺ کی عبودیت کامل نیز آپ ﷺ کے نفس مبارک کے مسخر و مطیع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ يَمِينُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَلَفَ لَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ -

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب قسم کھاتے تھے تو آپ ﷺ کی قسم اس طرح ہوتی تھی۔ لا واستغفر اللہ۔“

(ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: ان الفاظ کو قسم کہنا بایں وجہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے قسم ہی کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں ”اگر یہ بات اس کے برخلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں“ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا اپنی بات اور اپنے مطلب کو مضبوط و مؤکد کرنا ہے لہذا یہ قسم ہی کے حکم میں ہوا۔

قسم کے ساتھ ”انشاء اللہ“ کہنے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَا حَنْثَ عَلَيْهِ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَنُّيُّ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفَّوهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو کسی بات پر قسم کھائے اور قسم کے ساتھ ہی انشاء اللہ بھی کہہ دے تو اس پر حنث (کا اطلاق) نہیں ہوگا۔ (ترمذی) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) نیز امام ترمذیؒ نے کچھ محدثین کے بارہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے (یعنی ان محدثین کے نزدیک یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے)۔“

تشریح: ”حنث کے معنی ہیں، گناہ اور قسم توڑنا چنانچہ قسم توڑنے والے کو ”حانث“ کہا جاتا ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم کے الفاظ کے ساتھ لفظ ”انشاء اللہ“ کہہ دیا جائے وہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور جب وہ قسم منعقد ہی نہیں ہوگی تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، اسی طرح تمام عقد و معاملات کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر الفاظ عقد کے ساتھ لفظ ”انشاء اللہ“ متصل ہو تو وہ عقد و الامعاملہ منعقد نہیں ہوگا، چنانچہ اکثر علماء اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے البتہ حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ تھا کہ اگر لفظ ”انشاء اللہ“ متصل ہو تو بھی یہی حکم ہے۔“

اس بارہ میں متصل اور منفصل کی حد یہ ہے کہ قسم کے الفاظ کے بعد کسی اور بات میں مشغول ہوئے بغیر فوراً انشاء اللہ کہا گیا تو یہ ”متصل“ ہے اور اگر اس قسم کے الفاظ کے بعد کسی دوسری بات میں مشغول ہوا تو پھر انشاء اللہ کہا تو ”منفصل“ ہے! بعض علماء نے ”متصل“ کی حد کچھ اور بھی بیان کی ہے جس کی تفصیل مرقات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الفصل الثالث

غیر مناسب قسم توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کرو

(۲۰) عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ ابْنُ عَمِّي لِي أَتَيْتُهُ أَسْأَلُهُ فَلَا يُعْطِينِي وَلَا يَصِلُنِي نَمَّ يَحْتَاجُ إِلَيَّ فَيَأْتِينِي فَيَسْأَلُنِي وَقَدْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلَا أَصِلُهُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَتِيَهُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَأَكْفَرُ عَنْ يَمِينِي زَوَاهُ التَّسَنُّيُّ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَأْتِينِي ابْنُ عَمِّي فَأَحْلِفُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلَا أَصِلُهُ قَالَ كَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ۔

”اور ابواخوص عوف ابن مالک اپنے والد (حضرت مالکؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقع پر) اس سے (کچھ مال و اسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا اور میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا ہے۔ لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے عمل کی سزا دینے کے لئے کہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں، لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آجاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے حسن سلوک کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھے حکم فرمایا کہ ”میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔ (نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”مالکؒ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگنے) آتا ہے تو میں یہ قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔“ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا ”تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس) کا کفارہ دو۔“

بَابُ فِي النَّذْرِ

نذروں کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نذر کی ممانعت

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يَنْسَخُ رُوحُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ - (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر کی کسی چیز کو دور نہیں کرتی البتہ نذر کے ذریعہ بخیل کا کچھ مال ضرور خرچ ہوتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کے ذریعہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں غمی و بخیل کے درمیان ایک بڑا لطیف فرق بتایا گیا ہے کہ غمی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ بلا واسطہ نذر، از خود خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے لیکن بخیل کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، اگر اسے کچھ مال خرچ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے نذر کو واسطہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے نام پر اتنا مال خرچ کروں گا، اس طرح غمی تو ”ایثار“ کا وصف اختیار کرتا ہے اور بخیل ”غرض“ کی راہ اختیار کرتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے نذر کے ماننے کو بالکل مکروہ قرار دیا ہے، لیکن قاضیؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نذر (یعنی خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرنے) کو کسی فائدہ کے حصول اور کسی ضرورت و حاجت کے پوری ہونے پر معلق کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ بخیلوں کا کام ہے، غمی تو جب اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس میں عجلت کرتا ہے اور فوراً ہی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، لیکن اس کے برخلاف بخیل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے ہاتھ سے اپنا مال کسی کو دے یا اس کی کوئی غرض ہوتی ہے تو وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے چنانچہ یا تو وہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے نام پر اپنا کچھ مال نکال دیتا ہے یا خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال نکالنے کو حصول نفع یا دفع مضرت پر معلق کر دیتا ہے یعنی یہ نذر مانتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا مجھے فلاں نقصان نہ پہنچا تو میں اپنا اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کروں گا اور ظاہر ہے کہ اس بات سے تقدیر کا فیصلہ نہیں بدل جاتا لہذا اس صورت میں بھی اس کو مال خرچ کرنے کی نوبت نہیں آتی، ہاں کبھی اس کی نذر، تقدیر کے فیصلہ کے موافق ہو جاتی ہے تو گویا وہ نذر اس بخیل کو اپنا وہ مال خرچ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کو وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نذر سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی و کاہلی نہ کی جائے کیونکہ جب کسی نے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہو گیا لہذا اس واجب کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہاں نذر کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ اس اعتقاد و خیال کے ساتھ نذر مانی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کو مقدر نہیں کیا ہے وہ نذر سے ہو جائے گا۔ لہذا نذر سے منع کرنا اس اعتبار سے ہے نہ کہ مطلق نذر سے منع کرنا مقصود ہے۔

جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہو اسے پورا نہ کرو

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا

یغصہ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے) اور جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو تو وہ اس کی معصیت نہ کرے (یعنی ایسی نذر کو پورا نہ کرے)۔“ (بخاری)

(۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ وَلَا فِي مَالٍ يَمْلِكُ الْعَبْدُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رَوَايَةٍ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ -

”اور حضرت عمرانؓ ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو نذر گناہ کا باعث ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے جس کا وہ بندہ مالک نہ ہو۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس نذر سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کی نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ ”اگر میری فلاں حاجت پوری ہوگئی تو میں ناچ گانے کی محفل منعقد کروں گا“ یا یوں کہے کہ ”میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کرنے کے لئے قوالی کرنے کو اپنے اوپر واجب کرتا ہوں“ تو ایسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس صورت میں نذر کو پوری نہ کرنے میں کفارہ واجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا قول یہی ہے، جب کہ اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی نذر ماننا جو اپنی ملکیت میں نہ ہو اس نذر کو پورا کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام یا کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کے بارے میں یہ نذر مانے کہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں یا اللہ کے واسطے اس چیز کو دینا اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو اس صورت میں اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کرنا یا اس چیز کو اللہ واسطے دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

نذر کا کفارہ

(۴) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہؓ ابن عامر رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے فرمایا“ نذر کا کفارہ قسم کے کفارے جیسا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی چیز کا نام لئے بغیر محض نذر مانے مثلاً صرف یوں کہے کہ ”میں نذر مانتا ہوں“ تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر وہ نذر میں بلا تعین عدد کے روزے کی نیت کرے تو اس پر تین روزے رکھنے واجب ہوں گے اور اگر نذر میں صدقہ کی نیت کرے تو صدقہ فطر کے مانند دس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔

نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت

(۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيَّنَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَاتِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ نَذْرٌ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَفْعُدَ وَلَا يَنْسَظِلَ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُزَوَّهٌ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَنْسَظِلْ وَلْيَفْعُدْ وَلْيَتِمَّ صَوْمُهُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا

تھا، آپ ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں دریافت فرمایا (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابو اسرائیلؓ ہے اور اس نے یہ نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سائے میں آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (بیشہ) روزے رکھے گا رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اس سے کہو، بولے، سایہ میں آئے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ “ (بخاری)

تشریح: اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق ہمیشہ روزے رکھا کرے، کیونکہ طاعت و عبادات کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور ہمیشہ روزے رکھنا اس شخص کے لئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو، لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً و عرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہو گا اور خفیہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہو گا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو ”بولنا“ تھا کہ شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل ہی نہ بولے کیونکہ بعض مواقع پر ”بولنا“ واجب ہے۔ جیسے نماز میں قرأت، سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بولنے کا حکم دیا، اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يَهْدِي بَيْنَ إِبْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هَذَا قَالُوا أَنْذَرَ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَنْ تَغْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ وَأَمْرُهُ أَنْ يَرْكَبَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ارْكَبْ أَيُّهَا الشَّيْخُ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے کو دیکھا جو (ضعف و کمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے) راستہ چل رہا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”اسے کیا ہوا؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس شخص نے (بیت اللہ کو) پیادہ پا جانے کی منت مان رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے کی خدا کو پروا نہیں ہے“ پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو سواری پر چلنے کا حکم دیا۔ “ (بخاری، و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے فرمایا کہ ”بڑے میاں! سواری پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور (تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی) تمہاری اس منت سے بے نیاز ہے۔“

تشریح: چونکہ وہ شخص اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پیادہ پا چلنے سے عاجز و معذور تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سواری پر چلنے کا حکم فرمایا۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی منت کی صورت میں سواری پر چلنے کی وجہ سے منت ماننے والے پر (بطور کفارہ) کوئی چیز واجب نہیں ہوتی لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر جائز (یعنی مکرمی یا اس کے مثل) زنج کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنے سے قاصر رہنا ہے، حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

منظہرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیت اللہ کا سفر پیادہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ پیادہ پا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بطور کفارہ جانور ذبح کرے اور سواری پر سفر طے کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص خواہ پیادہ پا

چلنے پر قادر ہو یہ نہ قادر ہو، بہر صورت سواری کے ذریعہ سفر کرے اور جانور ذبح کرے۔

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”میں پیادہ پابیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں“ تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوتا ہے، اب وہ اپنی نیت کے مطابق ان دونوں میں سے جس کو چاہے پورا کرے۔ (یعنی اگر اس نے یہ کہتے وقت حج کی نیت کی تھی تو حج کرے اور اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کرے) اور اگر یوں کہے کہ ”میں پیادہ پا حرم جانایا پیادہ پا مسجد حرام جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔“ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا مگر صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ ”میں بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں“ تو اس صورت میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یعنی اس پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص پیادہ پا حج کو جانے کی نذر مانے تو اس پر واجب ہے کہ وہ گھر سے پیادہ پاروانہ ہو اور جب تک کہ طواف زیارت سے فارغ نہ ہو جائے کوئی سواری استعمال نہ کرے اور اگر پیادہ پا عمرے کو جانے کی نذر مانی ہو تو جب تک کہ سر نہ منڈالے سواری پر نہ چڑھے۔ اور اگر نذر ماننے والے نے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا آدھے سے زیادہ سواری پر طے کیا تو جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر آدھے راستہ سے کم سواری کا استعمال کیا تو اس کے بقدر ایک بکری کی قیمت میں سے صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

④ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ فَنُتَوَقِّفُ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَأَفْتَاهُ أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس نذر کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جو ان کی ماں نے مانی تھی اور اس کو پورا کرنے سے پہلے وہ مر گئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سعدؓ کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سعدؓ کی والدہ کی نذر کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مطلق نذر مانی تھی، بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے روزے کی نذر مانی تھی، بعض کا قول یہ ہے کہ ان کی نذر غلام کو آزاد کرنے کی تھی، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے صدقہ کی نذر مانی تھی، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے یا تو مالی نذر مانی تھی یا ان کی نذر مبہم تھی چنانچہ اس کی تائید دارقطنیؒ کی روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ”ان کی طرف سے پانی پلاؤ۔“

اگر کسی شخص نے کوئی نذر مانی ہو اور اس نذر کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو اس کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس شخص کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جب کہ وہ نذر غیر مالی ہو، اسی طرح اگر نذر مالی ہو اور اس میت نے کچھ ترک نہ چھوڑا ہو تو اس صورت میں بھی اس کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا، البتہ مستحب ہوگا، لیکن علماء ظواہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ البتہ مستحب ہوگا۔ لیکن علماء ظواہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہو، اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو اول تو یہ حدیث وجوب پر دلالت ہی نہیں کرتی دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے ترکہ چھوڑا ہو اور اس ترکہ میں سے ان کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا یہ کہ محض تبرعاً یہ حکم دیا گیا ہو۔

اپنا سارا مال خیرات کر دینے کی ممانعت

⑧ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْلَعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَالْيَاسُورِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَإِنِّي أَمْسِكُ سَهْمِي الَّذِي بِخَيْرٍ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا ظَرْفٌ مِنْ حَدِيثٍ مُطَوَّلٍ -

”اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری مکمل اور پوری طرح توبہ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست کش ہو جاؤں اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیرات کر دوں۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کچھ مال روک لو۔“ میں نے عرض کیا ”(اچھا!) میں اپنا خیر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم) یہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔“

تشریح: جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو تین صحابہ، حضرت کعبؓ ابن مالک، حضرت مرارہؓ ابن ربیع اور حضرت ہلالؓ ابن امیہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے، جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو ان تینوں صحابہؓ پر بہت خفا ہوئے اور لوگوں کو ان تینوں سے بولنے اور بات چیت کرنے سے منع فرمادیا، یہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور اپنی اس کوتاہی اور ندامت و شرمساری کے ساتھ بارگاہ حق جل مجدہ میں دعا و زاری اور توبہ و استغفار کرنے لگے، چند دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے حق میں یہ آیت وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا الْآيَةَ نازل ہوئی چنانچہ اسی موقع پر حضرت مالکؓ نے جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کیا کہ میں اس معافی کے شکرانہ کے طور پر اور اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے سب صدقہ و خیرات کر دوں جس پر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ کچھ مال بچا کر رکھ لو۔ بظاہر اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ دو تہائی مال روک کر ایک تہائی مال صدقہ کر دو۔ نیز آنحضرت ﷺ نے ان کو سارا مال صدقہ کرنے سے اس لئے منع کیا کہ مبادہ انہیں اپنی ضروریات زندگی کے لئے کچھ مال کی احتیاج ہو اور اس صورت میں صبر و توکل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایسے معاملات میں ہر شخص کے مرتبہ و مقام کو مد نظر رکھ کر ہی کوئی حکم دیتے تھے، چنانچہ ایک طرف تو حضرت کعبؓ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنا سارا مال صدقہ کرنے سے منع کر دیا، دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ہے کہ جب انہوں نے اپنا سارا مال و اسباب آنحضرت ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو آپ نے ان کو اس سے منع نہیں کیا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان بالکل جدا گانہ تھی، وہ صبر و توکل راضی برضاء مولیٰ کے جس اونچے مرتبہ پر فائز تھے اس کی بنا پر اس کا ہلکا سا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی اور اپنی کسی بھی سخت سے سخت ضرورت کے موقع پر صبر و توکل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔

کتاب کے مؤلف نے اس حدیث کو اس باب میں شاید اس لئے نقل کیا ہے کہ حضرت کعبؓ کا مذکورہ قول نذر کے مشابہ ہے بایں طور کہ حضرت کعبؓ نے اپنے اوپر ایک ایسے امر کو (یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں دے دینے کو) واجب کیا۔ جو ایک مخصوص صورت حال (یعنی قبولیت توبہ) کی وجہ سے ان پر مطلقاً واجب نہیں تھا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں

⑨ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَةٌ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ .

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: گناہ کی نذر کے بارہ میں تفصیلی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، یہ حدیث اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے برخلاف ہے۔

غیر معین نذر کا کفارہ

⑩ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِي مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا أَطَاقَهُ فَلْيَفِ بِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص غیر معین نذر مانے (یعنی صرف یہ کہے کہ ”میں نذر مانتا ہوں“ اور اس بات کا تعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے۔ مثلاً روزہ کی نذر مان رہا ہے یا صدقہ کی؟) تو اس نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (یعنی غیر معین نذر کی صورت میں اس کو وہ کفارہ ادا کرنا ہو گا جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے) اسی طرح جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر مانے جو گناہ ہے تو (اس کو پورا کرنا جائز نہیں اور) اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے نیز جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو (جیسے کوئی شخص پہاڑ اٹھانے یا پیادہ بیت اللہ جانے کی نذر مانے یا اسی طرح کی ناممکن العمل کسی بھی چیز کو اپنے اوپر بطور نذر واجب کرے) تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس نذر کو پورا کرے (ابوداؤد، ابن ماجہ) بعض راویوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف کیا ہے۔“

صرف اس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے

⑪ وَعَنِ ثَابِتِ بْنِ الصَّحَّاحِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبَوَائِهِ فَاتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ثابت ابن صحاحؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ میں (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اپنی (نذر کی) خبر دی۔ رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ سے) دریافت فرمایا کہ ”ربانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”نہیں“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلا لگتا تھا؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”نہیں“ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ”تم اپنی نذر کو پورا کرو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس جگہ کے بارہ میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلا لگتا تھا جہاں وہ سیر تماشے اور ناچ گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ اس طرح کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں

تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم

⑫ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى رَأْسِكُ بِالذُّفِّ قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكَ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ رَزِينٌ قَالَتْ وَنَذَرْتُ أَنْ أَذْبَحَ بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذَلِكَ الْمَكَانِ وَثْنٌ مِنْ أَوثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيهِ عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكَ -

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی کہ (جب آپ ﷺ جہاؤں سے واپس تشریف لائیں تو) میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔“ (ابوداؤد) اور رزینؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے (یہ بھی) کہا کہ ”اور میں نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں فلاں مقام پر جہاں زمانہ جاہلیت میں لوگ ذبح کرتے تھے، جانور ذبح کروں۔“ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ”کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟“ اس عورت نے کہا کہ نہیں۔ ”پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ عورت نے کہا کہ ”نہیں!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی نذر پوری کرو۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دف بجانا مباح ہے جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صرف اس چیز کی نذر مانی چاہے جو طاعت (یعنی بھلائی) کی قسم سے ہو وہ اس حدیث کے بارہ میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ دف بجانا کوئی طاعت نہیں ہے بلکہ مباح ہے لیکن اس عورت نے چونکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے جذبات عقیدت و محبت کی بنا پر یہ نذر مانی تھی کہ آنحضرت ﷺ جب جہاؤں کے معرکوں سے فارغ ہو کر خیر و عافیت کے ساتھ واپس تشریف لائیں گے تو میں دف بجاؤں گی، لہذا اس اعتبار سے اس دف کا بجانا بھی گویا طاعت کی قسم سے ہوا۔

تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت

⑬ وَعَنْ أَبِي لُبَابَةَ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَهْجُرُوا دَارَ قَوْمِي الَّتِي أَصَبْتُ فِيهَا الذَّنْبَ وَأَنْ أَخْلِعَ مِنْ مَالِي كُلِّهِ صَدَقَةً قَالَ يُجْزِي عَنْكَ الثَّلَاثُ - (رواہ رزین)

”اور حضرت ابولبابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”میری تمام و کمال توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا گھر چھوڑ دوں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو خیرات کرنے کے لئے اس سے دست کش ہو جاؤں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے کافی ہے۔“ (رزین)

تشریح: حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا عجیب، سبق آموز اور عظیم الشان واقعہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ تو بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے صحابی ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے بارہ میں ان سے مشورہ کریں آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کو منظور فرمایا اور ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا، جب بنو قریظہ نے ابولبابہؓ کو دیکھا تو ان کے مرد و عورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے رونے لگے گونگانے لگے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ابولبابہؓ کا دل تنگ گیا، پھر انہوں نے ابولبابہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم حکم محمدی کو مان لیں اور اپنے آپ کو ان کے حوالہ کریں تو ہمارے ساتھ

کیا سلوک کریں گے؟ اس کے جواب میں ابولہابؓ نے اپنے خلق پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ ابولہابؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ہنوز وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ میں متنبہ ہوا اور اس بات پر سخت نادم ہوا کہ تو نے خدا اور اس کے رسول کے بارہ میں خیانت کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَتِكُمْ۔

”اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت (یعنی ان کے پیغام و احکام) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔“

پھر کیا تھا، ایسا لگا جیسے احساسِ ندامت و شرمندگی نے ابولبابہؓ کے قلب و شعور پر بجلی گرا دی ہو، وہ بے تاب ہو گئے اور دلیوانہ وار مسجدِ نبویؐ پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک کہ میں توبہ نہ کر لوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے! جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لئے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم ﷺ خود آکر نہ کھولیں گے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا، چنانچہ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے اب تو اپنے آپ کو کھول ڈالو، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! جب تک رسول کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولوں گا، چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا اسی موقع پر حضرت ابولبابہؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں مجھے اپنے سارے اثاثہ سے دست کش ہونا چاہئے چنانچہ اول تو میں اپنا وہ آبائی اور قومی گھر چھوڑتا ہوں جو بنی قریظہ کے قبیلہ میں واقع ہے اور دوسرے میں اپنا وہ تمام مال و اسباب اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہتا ہوں۔

گھر چھوڑنے کے لئے ابولبابہؓ نے اس لئے کہا کہ وہ اس جگہ سے دور ہو جائیں جہاں شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کیا اور اس گناہ کا ظاہری سبب بنو قریظہ کے تئیں ان کا جذبہ ہمدردی تھا اور اس جذبہ ہمدردی کا اظہار انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب کچھ بنو قریظہ کے قبضہ میں تھا۔ گھر چھوڑنے کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے حکم دیا اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابولبابہؓ کا گھر چھوڑ دینا طاعت کی قسم سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا، البتہ صدقہ کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا حصول مقصد کے لئے کافی ہے۔

کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو

دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفُتُوحِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَذَرْتُ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ أَنْ أَصِلِّيَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكَعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هَهُنَا ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هَهُنَا ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَأْنُكَ إِذَا-

(رواه البوداؤد والدارمی)

”اور حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص مسجد نبوی ﷺ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے عروہؓ جل سے یہ نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی فتح عطا کرے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔“ آنحضرت ﷺ

نے فرمایا کہ تم اسی جگہ (مسجد حرام میں) نماز پڑھ لو (کیونکہ یہاں نماز پڑھنا افضل ہے باوجودیکہ بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھنے کی بہ نسبت یہاں نماز پڑھ لینا زیادہ آسان و سہل ہے) اس شخص نے پھر یہی عرض کیا آنحضرت ﷺ نے یہی جواب دیا کہ اس جگہ نماز پڑھ لو، جب اس نے تیسری مرتبہ بھی یہی عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اب تمہیں اختیار ہے“ (یعنی اگر تم یہاں نماز پڑھنا نہیں چاہتے تو تم جانو، تمہیں اپنی نذر کے مطابق بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے۔“ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر اس نماز کو وہ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں یا مسجد نبوی میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی اگرچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے جو اس جگہ سے زیادہ فضیلت کی حامل ہو تو نذر پوری ہو جائے گی۔ لیکن حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھے جو اس جگہ سے کم فضیلت کی حامل ہو تو بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

نذر کا کوئی جزو اگر ناممکن العمل ہو تو اس کا کفارہ

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُخْتَ عَقِبَةَ بْنِ عَامِرٍ نَذَرَتْ أَنْ تَخُجَّ مَاشِيَةً وَأَنَّهَا لَا تُطِيقُ ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ أَخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتَهْدِ بَدَنَهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَرْكَبَ وَتَهْدِيَ هَذَا وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْنَعُ بِشِقَاءِ أَخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخُجَّ وَتُكْفِرْ بِمِثْلِهَا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عقبہؓ ابن عامر کی بہن نے یہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے (حضرت عقبہؓ سے) فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے پیدل جانے کی پرواہ نہیں ہے، لہذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو) سواری پر بیٹھ جائیں اور اس کے مال کا کفارہ کے طور پر بدنہ ذبح کریں (حنفیہ کے نزدیک بدنہ سے مراد اونٹ یا گائے ہے۔ لیکن شوافع کے نزدیک بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے) (ابوداؤد، دارمی) (ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کو اس کی مشقت کا کوئی ثواب نہیں دے گا (یعنی تمہاری بہن جو اس طرح مشقت برداشت کریں گی اس کا انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) لہذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو) سواری پر بیٹھ کر حج کا سفر پورا کریں اور اپنی قسم کا کفارہ دیں۔“

تشریح: ”ہدی“ اس جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کرنے کے لئے حرم بھیجا جائے اہدی کا کم سے کم درجہ بکری ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے ہے۔ اس حدیث میں بدنہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے اقصیٰ کہتے ہیں کہ پیادہ پا حج کے لئے جانا چونکہ طاعات کی قسم سے ہے اس لئے اس کی نذر پوری کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ ہر وہ عمل لاحق ہو جاتا ہے جس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے (الایہ کہ کوئی شخص اس کی ادائیگی سے عاجز ہو۔ لہذا ترک کی صورت میں فدیہ (کفارہ) واجب ہوگا۔ اب اس بارہ میں اختلاف ہے کہ بطور کفارہ کس جانور کو ذبح کرنا واجب ہوگا؟ چنانچہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ اس حدیث کے بموجب بدنہ واجب ہوگا، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح میقات سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے بکری واجب ہوتی ہے اسی طرح اس صورت میں بھی بکری واجب ہوگی، انہوں نے اس حدیث میں بدنہ ذبح کرنے کے حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے، یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔

”اور اپنی قسم کا کفارہ دیں“ کے بارہ میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حکم میں ”کفارہ“ سے مراد کفارہ جنایت ہے اور وہ ہدی ہے، یاروزہ ہے جو ہدی کا قائم مقام ہے اور جس کا ذکر بھی اگلی حدیث میں کیا گیا ہے ”کفارہ“ کے بارہ میں یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ یہ روایت اس بارہ میں منقول دوسری روایتوں کے مطابق ہو جائے، حاصل یہ کہ یہاں ”قسم کے کفارہ“ سے وہ کفارہ مراد نہیں ہے جو قسم توڑنے کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُبَيْدَةَ بْنَ عَسَاكِرٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ أَنْ تَخُجَّ حَافِيَةً

غَيْرَ مُحْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرَّوْهَا فَلْتَحْتَمِرْ وَلْتَرَكِبْ وَلْتَضْمِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عبداللہ ابن مالک کہتے ہیں کہ جب عقبہؓ ابن عامر نے (سفر حج کے دوران) اپنی بہن کے بارہ میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا جنہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیادہ پا، ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کو جائیں گی، تو آنحضرت نے فرمایا کہ ”ان کو حکم دو کہ وہ اپنا سر ڈھانگیں اور سواری پر بیٹھ جائیں، نیز انہیں چاہئے کہ وہ تین روزے رکھیں۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: سر ڈھانکنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ عورت کا سر اور بال ستر ہیں۔ یعنی اس کے جسم کے یہ وہ حصے ہیں جس کو چھپانا اس پر واجب ہے اور اس کا کھلا رکھنا گناہ ہے اور سواری پر بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں اور اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا تھیں۔

چونکہ اوپر کی حدیث میں ہدی کا ذکر ہے اس لئے یہاں وہ ”تین روزے رکھیں“ کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر وہ ہدی (یعنی جانور ذبح کرنے) سے عاجز ہوں تو تین روزے رکھ لیں۔ یا پھر روزے رکھنے کے لئے اس لئے فرمایا گیا کہ قسم کے کفارہ کی جو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کفارہ کی قسموں سے عاجز ہو تو وہ تین روزے رکھے اب ان تین روزوں کے بارہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین روزے قسم کے کفارہ کے طور پر رکھے جائیں تو تین دن پے درپے رکھنے واجب ہیں اس کے علاوہ کی صورت میں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رکھے گا۔

ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے

(۱۷) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَحْوَنَ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَنْتَهِمَا مِيرَاثٌ فَسَأَلَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ إِنْ

عُدْتُ تَسْأَلُنِي الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِي فِي رِجَالِ الْكُعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْكُعْبَةِ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ وَكَلِمَ

أَخَاكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَمِينُ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرٌ فِي مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَا فِي قَطِيعَةِ

الرَّحِمِ وَلَا فِي مَالِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سعیدؓ ابن مسیب کہتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کو کسی کی میراث ملی تھی (جسے ان دونوں کے درمیان تقسیم ہونا باقی تھا) چنانچہ ان دونوں میں سے ایک بھائی نے ایک دوسرے بھائی سے اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو اس دوسرے بھائی نے کہا کہ (میں یہ نذر ماننا ہوں کہ) اگر اب تم پھر مجھ سے تقسیم کا مطالبہ کرو گے تو میرا سارا مال کعبہ میں خرچ کیا جائے گا۔ جب یہ صورت حال حضرت عمر فاروقؓ (کے علم میں آئی تو انہوں) نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے بے پرواہ ہے۔ (یعنی کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنا مال اس کی نذر کرو) اور چونکہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز نذر کا) کفارہ ادا کرو اور (جب تمہارا بھائی اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس معاملہ میں تم اپنے بھائی سے بات چیت کرو) (یعنی اس میراث کو تقسیم کر کے اس کا مطالبہ پورا کرو) کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”تم پر اس قسم (یعنی اس طرح کی نذر) کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اور پروردگار کی معصیت کی نذر جائز نہیں ہے (یعنی جس نذر کا تعلق پروردگار کی نافرمانی اور کسی گناہ سے ہو اس کو پورا نہ

کرنا چاہئے) اور نہ اس نذر کو پورا کرنا چاہئے جو قرابت داری کو منقطع کرنے سے متعلق ہو اور جس چیز کا انسان مالک نہ ہو، اس کی نذر پوری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (بلکہ جو نذر ناجائز ہونے کی وجہ سے پوری نہ کی جائے اس کا کفارہ دینا واجب ہے)۔ “(ابوداؤد)

تشریح: تاج الکعبۃ کا لفظی ترجمہ ہے ”کعبہ کا دروازہ“ کیونکہ ”رتاج“ بڑے دروازہ (پھانک) کو کہتے ہیں لیکن رتاج کعبہ سے کعبہ کا دروازہ مراد نہیں ہے، بلکہ نفس کعبہ مراد ہے۔

الفصل الثالث

جائز اور ناجائز نذر

①۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذْرٌ فِي طَاعَةٍ فَذَلِكَ لِلَّهِ فِيهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذْرٌ فِي مَعْصِيَةٍ فَذَلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكْفِرُ الْيَمِينَ -

(رواہ النسائی)

”حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے، یہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اور دوسری یہ کہ کوئی شخص گناہ کی نذر مانے، یہ نذر شیطان کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں وہ کفارہ ادا کیا جائے جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔“ (نسائی)

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

①۹ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّرِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا نَذَرَ أَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ إِنْ نَجَّاهُ اللَّهُ مِنْ عَدُوِّهِ فَسَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ مَسْلُكٌ مَسْرُوقًا فَسَلَّ لَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَإِنَّكَ إِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَإِنْ كُنْتَ كَافِرًا اتَّعَجَلْتَ إِلَى النَّارِ وَاشْتَرَيْتَ كِبْشًا فَادْبَحْهُ لِلْمَسَاكِينِ فَإِنَّ إِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَفَدَى بِكَبْشٍ فَأَخْبَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ هَكَذَا كُنْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَفْتِيكَ - (رواہ رزین)

”اور حضرت محمد ابن مثنر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دشمن سے نجات دلا دے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کر ڈالے گا، چنانچہ جب اس کو اپنے دشمن سے نجات مل گئی تو (اس نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ یہ مسئلہ مسروقؓ (تابعی) سے پوچھو، اس شخص نے مسروقؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو، کیونکہ اگر تم مسلمان ہو تو (اس صورت میں) تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب ہو گے اور اگر تم کافر ہو تو (اس صورت میں) گویا تم دوزخ میں جانے میں جلدی کرو گے، لہذا اگر تمہارے بارہ میں یہ حکم ہے کہ (تم دنبہ خرید کر مسکینوں کے لئے اس کو ذبح کرو، حضرت اسحقؓ تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا، جب اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کو (حضرت مسروقؓ کے اس فتویٰ سے آگاہ کیا) تو انہوں نے فرمایا کہ حقیقت یہی ہے، میں خود تمہیں یہی فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔“ (رزین)

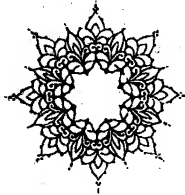
تشریح: حضرت مسروقؓ ابن اجرع کا شمار اونچے درجہ کے تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی علمی فضیلت اور فقہی حیثیت اپنے زمانہ میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ مرہ ابن شریل کا قول ہے کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروقؓ جیسا سپوت نہیں جانا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر دربار رسالت میں حاضری کی سعادت سے محروم رہے تھے، چنانچہ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تحصیل علم کیا تھا اس لئے جب اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں

نے اپنی جلالت علم کے باوجود اس شخص کو حضرت مسروقؒ سے مسئلہ پوچھنے کے لئے کہا، اس سے جہاں حضرت مسروقؒ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، وہیں حضرت ابن عباسؓ کے جذبہ احتیاط اور ان کے کمال مبروریات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو اپنے دشمن کے ہاتھوں مرنا نہایت شدید اور فضیحت ناک معلوم ہوتا تھا، چنانچہ اس نے التجا کی کہ ”پروردگار! اصل موت مجھ پر سخت نہیں ہے اور نہ میں اپنی زندگی کے خاتمہ سے گھبراتا ہوں، میں اپنی جان اپنے ہاتھوں تجھے سونپتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا مجھ پر سخت شاق ہے اس لئے اگر تو مجھے دشمن سے نجات دے گا تو میں اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا“ یہ تو گویا اس کا جذبہ اور اس کی ایک طبعی خواہش تھی لیکن اس نے یہ نہیں جانا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینا اس سے کہیں زیادہ سخت اور حرام ہے، چنانچہ حضرت مسروقؒ نے اس کے سامنے اس مسئلہ کو بڑے لطیف انداز میں واضح کیا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالتے ہو تو اس طرح درحقیقت تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب گردانے جاؤ گے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفس مؤمن کو قتل کرنے والے کے بارہ میں اس آیت کریمہ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَمَنْ يَفْعَلْ يُقْتَلْ مَوْتًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ کے بموجب دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے، اور اگر تم کافر ہو تو اس صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا، اس بات کے مترادف ہو گا کہ تم دوزخ میں جانے میں جلدی کر رہے ہو، کیونکہ اگر تم بقیہ حیات رہتے ہو تو عجب نہیں کہ حق تعالیٰ تمہیں راہ ہدایت سے نوازے اور تم اسلام قبول کر کے دائمی نجات پاؤ۔ بہر حال کسی بھی صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا نہ صرف یہ کہ نامشروع ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

حدیث کا یہ جملہ ”حضرت اسحق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا تھا“ بعض علماء کے اس قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو وہ بیٹے حضرت اسحق علیہ السلام تھے۔ لیکن اس بارہ میں مشہور و مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطیؒ نے وضاحت کی ہے کہ اس واقعہ میں اہل کتاب نے سخت تحریف و تکذیب سے کام لیا ہے، سابقہ آسمانی کتابوں میں اصل نام اسمعیل تھا جس کو اہل کتاب نے حذف کر کے اسحق بنا دیا۔

در مختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی موافقت میں اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہو گا لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ایسی نذر لغو ہوگی، اسی طرح اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر بھی لغو ہوگی لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہو گا! اور اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنے دادا کو اور یا اپنی ماں کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو تمام علماء کے نزدیک اس کی نذر ”لغو“ ہوگی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب القصاص

قصاص کا بیان

اصطلاح شریعت میں ”قصاص کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دینا! یہ لفظ قص اور قصص سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا پکڑتا ہے۔ تاکہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ ”قصاص“ پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل یا مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

الفصل الأول

خون مسلم کی حرمت

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ الْيَا حَذِي ثَلَاثِ النَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَالنَّيْبِ الرَّأْيِ وَالْمَارِقِ لِدَيْنِيهِ النَّارُكَ لِلْجَمَاعَةِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلم انسان کہ جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا جائز نہیں الا یہ کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے۔ ① ناحق قتل کرنا کہ خون کے بدلے خون (یعنی قصاص) لیا جائے (لیکن یہ مقتول کے ولی کا حق ہے کہ وہ اس بارہ میں شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق قاتل سے بدلہ لے)۔ ② شادی شدہ (مسلمان، مکلف اور آزاد) کا زنا کرنا (اس کو سنگ سار کیا جائے)۔ ③ اپنے دین سے نکلنے اور اپنی جماعت کو چھوڑنے والا (یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کو قتل کرنا جائز ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ جملہ ”جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں“ دراصل لفظ مسلم کی وضاحت و بیان اور اس کے موکد کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض کلمہ شہادت پڑھ لینا خون بہانے کے ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص (جو پہلے سے مسلمان نہ ہو یا جس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو) محض زبان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت دے دے تو اس شخص کا ناحق خون بہانا بھی اسی طرح ناجائز ہو گا جس طرح کسی دوسرے جانے پہچانے مسلمان کا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کا خون یہاں قطعاً جائز نہیں ہے الا یہ کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پیش آجائے اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناحق قتل کر دے تو ”خون کا بدلہ خون“ کے اصول کے تحت اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، دوم یہ کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص جو مکلف، مسلمان اور آزاد ہو، زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے اور سوم یہ کہ جو مسلمان دین سے نکل آئے یعنی مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

”اپنی جماعت چھوڑنے والا“ یہ عار کی صفت مؤکدہ ہے یعنی جو شخص تولایاً فعلاً اور یا اعتقاداً مرتد ہو جائے کہ وہ اسلام کو ترک کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی قوم سے علیحدگی اختیار کرے تو اس شخص کو قتل کر دینا واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ نہ کرے۔ حدیث میں ایسے شخص (یعنی مرتد) کو ”مسلمان“ کے ذیل میں ذکر کرنا اس کی پہلی حالت کے اعتبار سے مجازاً ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس عورت کو قتل نہ کرنا چاہئے۔

خون ناحق کرنے والا رحمت خداوندی سے محروم رہتا ہے

(۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصَبْ دَمًا حَرَامًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تا وقتیکہ کوئی مسلمان خون حرام (یعنی ناحق) قتل کر مرتکب نہ ہو وہ ہمیشہ اپنے دین کی وسعت و کشادگی میں رہتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: یوں تو ہر برائی انسان کی دینی و اخلاقی زندگی کے لئے زوال کا باعث اور غضب خداوندی کا موجب ہوتی ہے لیکن یہاں بطور خاص خون ناحق کے مذموم ترین فعل کے بارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی کے خون ناحق سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا اس پر رحمت خداوندی کا ہاتھ رہتا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی امید رحمت اور اس کی بخشش و مغفرت کا سہارا اپنے وسیع دامن میں لئے رہتا ہے لیکن جب کوئی شخص خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لیتا ہے تو اس پر تنگی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جو رحمت خداوندی سے ناامید و محروم ہیں۔

قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارہ میں پرسش ہوگی

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے حقوق میں سے جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ انسان کے خون کا مقدمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ منہیات میں سے جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا مقدمہ ہوگا اور مامورات میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔

جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا

(۴) وَعَنْ الْمُقَدِّدِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَأَقْتَتَلْتَنِي فَضَرَبَ أَحَدِي يَدِي

بِالسَّيْفِ فَقَطَّعَهَا ثُمَّ لَا ذَمَّنِي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلَّهِ وَفِي رَوَايَةٍ فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لَا قَتْلُهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَقْتُلْتُهُ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا قَالَ لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَطَعَ إِحْدَى يَدَيَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلْهُ وَأَنْتَ بِمَنْزِلِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ - (متفق عليه)

”اور حضرت مقداد ابن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر (مجھے کوئی کافر مل جائے) اور ہمارے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور وہ کافر میرے ایک ہاتھ پر تلوار کا دار کر کے اس کو کاٹ دے اور پھر ایک درخت کی آڑ میں مجھ سے پناہ پکڑ کر یہ کہے کہ میں خدا کے لئے مسلمان ہو گیا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اور جوں ہی میں اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کروں تو وہ یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ تو کیا میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں اس کو قتل نہ کرو، ”مقدادؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اس نے جو میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس کو قتل نہ کرو، کیونکہ اگر تم اس کو قتل کرو گے تو وہ اس جگہ پہنچ جائے گا، جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ پہنچ جاؤ گے جہاں وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تو جس طرح تم اس کو قتل کرنے سے پہلے معصوم الدم تھے اب وہ اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا اور جس طرح وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے غیر معصوم الدم تھا اب تم اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے غیر معصوم الدم ہو گئے۔ اس کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس شخص کو اس کے کافر ہونے کی وجہ سے قتل کر دینا درست تھا اب اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے ہمیں قتل کر دینا درست ہوگا۔

⑤ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَأَتَيْتُ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَلَدَّهَبْتُ أَطْعَمْتُهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَقْتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا فَعَلْتُ ذَلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ مَتَّقُ عَلَيْهِ وَفِي رَوَايَةٍ جُنْدُبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَهُ مِرَازًا - (رواه مسلم)

”اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں قبیلہ جہینہ کے لوگوں کے مقابلہ پر بھیجا چنانچہ (ان کے مقابلہ کے دوران) میں ایک شخص پر جھپٹا اور اس پر نیزہ کا حملہ کرنا چاہا کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا لیکن میں نے اس میں اپنا نیزہ پوسٹ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ پھر جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا (صد افسوس) کہ تم نے اس کو اس صورت میں قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس نے محض قتل سے بچنے کے لئے کلمہ نہیں پڑھا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟“ اور جندبؓ ابن عبد اللہ بجلي نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے دن کلمہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے یعنی (مقتول) کی طرف سے جھگڑتا ہوا تمہارے پاس آئے گا تو اس وقت تم اس کو کیا جواب دو گے۔ آنحضرت ﷺ نے (خوف دلانے کے لئے) یہ الفاظ کئی بار ارشاد فرمائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟“ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس شخص کے باطن کے مطابق فرمایا کہ اگر تم اس شخص کے باطن پر مطلع ہو سکتے تھے تو تم اس کا دل چیر کر دیکھ لیتے اور یہ معلوم کرتے کہ آیا اس شخص نے محض اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے

لئے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا تھا یا واقعہ یہ کلمہ اس کے قلب کے صدق و اخلاص کے ساتھ اس کی زبان سے نکلتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ تم نہ اس کے دل کو چیر کر اس کے باطن کو دیکھ سکتے تھے اور نہ فوری طور پر اس کے باطن کا حال کسی اور ذریعہ سے تمہیں معلوم ہو سکتا تھا اس لئے معقول بات تو یہ تھی کہ تم اس کے ظاہر پر حکم لگاتے یعنی اس کے کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کو مؤمن سمجھ لیتے اور اس کو قتل کرنے سے باز رہتے۔ ادھر حضرت اسامہؓ نے یہ گمان کیا کہ ایسی حالت میں جب میرا نیزہ موت بن کر اس کے سر پر پہنچ چکا ہے اب اس کا ایمان قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس شخص کا کام تمام کر دیا، یہ گویا ان کا اجتہاد تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر یہ تو ظاہر فرمادیا کہ تم سے اجتہادی خطا ہو گئی ہے لیکن ان پر دیت لازم نہیں کی کیوں کہ مجتہد اپنی خطا اجتہاد میں معذور ہوتا ہے، ہاں اس بات کے لئے آپ ﷺ نے ہر حال اپنی ہنگامی کا بھی اظہار فرمایا کہ اس کی اصل حیثیت و حقیقت ظاہر ہونے تک تم پر توقف لازم تھا، لیکن تم نے توقف نہ کر کے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔

معاهد کو قتل کرنے کی ممانعت

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَاحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنْ رِيحُهَا تَوُجَّدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: معاهد یعنی عہد والا اس کافر کو کہتے ہیں جس نے امام وقت (سربراہ مملکت اسلامی) سے جنگ و جدل نہ کرنے کا عہد کر لیا ہو خواہ وہ ذی ہویا غیر ذی۔

اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔ ”جب کہ ایک روایت میں ستر برس“ ایک روایت میں ”سورس“ موطا میں ”پانچ سورس“ اور فردوس میں ”ہزار برس“ کے الفاظ ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں یہ فرق و اختلاف دراصل اشخاص و اعمال کے مختلف ہونے اور درجات کے تفاوت کی بناء پر ہے چنانچہ (میدان حشر میں) بعض لوگوں کو جنت کی بو ہزار برس کی راہ سے بعض لوگوں کو پانچ سورس کی راہ سے آنے لگی، اسی طرح بعض لوگ جنت کی اس بو کو ایک سورس اور بعض لوگ ستر برس اور چالیس برس کی مسافت سے آتی ہوئی محسوس کریں گے بہر کیف ان تمام مذکورہ اعداد سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ طول مسافت مراد ہے۔ نیز جنت کی بو نہ پانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے جنت کی بو سے محروم رہے گا بلکہ یہ مراد ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جب کہ مقربین اور علماء جنت کی بو پائیں گے۔ وہ شخص اس وقت جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد معاهد کو قتل کرنے کی سخت مذمت بیان کرنا اور قتل کرنے والے کے خلاف سخت الفاظ میں تنبیہ و تہدید کا اظہار کرنا ہے۔

خود کشی کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خود کشی کر لی وہ شخص ہمیشہ دوزخ

میں گرایا جائے گا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔ جو شخص زہری کر خودکشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ لی آگ میں پنے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ اور جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں بھونکے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ ”مخلدا“ اور ”أَبَدًا أَحَالِدًا“ کی تاکید ہیں۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جس چیز کے ذریعہ خودکشی کرے گا آخرت میں اس کو ہمیشہ کے لئے اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ”ہمیشہ“ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، یا پھر ”ہمیشہ“ سے مراد یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَحْقِيقُ نَفْسَهُ يَخْتَفِقُهَا فِي النَّارِ وَالَّذِي يَظْلَعُهَا يَظْلَعُهَا فِي النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خودکشی کر لی وہ دوزخ میں (بھی) اپنے آپ کو نیزے مارے گا۔“

⑨ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ فَجَزَعٌ فَأَخَذَ سَكِينًا فَجَزَّ بِهَا يَدَهُ فَمَارَفَأَ الدَّمَ حَتَّى مَاتَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت جندبؓ ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) فرمایا ”تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص تھا (جو کسی طرح) زخمی ہو گیا تھا چنانچہ (جب زخم کی تکلیف شدید ہونے کی وجہ سے) اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو چھری اٹھائی اور اپنے (اس) ہاتھ کو کاٹ ڈالا (جس میں زخم تھا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زخم نہ رکا اور وہ مر گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں میرے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا (بلکہ) اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا) لہذا میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا“ اس بات پر محمول ہے کہ اس نے خودکشی کو حلال جانا تھا اور چونکہ ایک حرام چیز کے بارے میں حلال کا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے اس لئے اس پر دخول جنت کو حرام کر دیا گیا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک وہ دوزخ میں جا کر اپنے لئے کسی سزا نہ چکھ لے، اس کو اول مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں جانے سے محروم کر دیا گیا۔

خودکشی حرام ہے

خودکشی یعنی اپنے آپ کو ہلاک کر لینا دنیا کے کسی بھی مہذب قانون اور سماج میں جائز نہیں ہے۔ اس کا تعلق دراصل اس بات سے ہے کہ انسان جو کچھ ہے یعنی اس کا ظاہر بھی اور اس کا باطن بھی کیا وہ خود اس کا مالک ہے؟ یا اس کا ظاہر و باطن سب کچھ کسی اور کی ملکیت ہے؟ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ انسان بذات خود اپنے وجود کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا وجود اس دنیا میں صرف ایک امانت کے طور پر ہے خود اس کے لئے بھی اور دنیا والوں کے لئے بھی اور اس کا مالک حقیقی وہ ذات پاک ہے جس نے اس کو تخلیق سے نوازا ہے اور اس دنیا میں پیدا کیا ہے۔ پھر کیا امانت میں خیانت نہیں ہے کہ انسان اپنے وجود کو نقصان پہنچائے کیا یہ جرم نہیں ہے کہ بندہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے جس کا ظاہر و باطن سب کچھ پروردگار کی ملکیت ہے؟ یقیناً یہ ایک بہت بڑا جرم ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا درحقیقت غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور کسی بندہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ پروردگار کی ملکیت میں تصرف کرے اسی

اے شریعت نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ کہا ہے اور اس کے مرتکب کو بڑے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

خودکشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ هَاجَرَ إِلَيْهِ وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَمَرَضَ فَجَزَعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا رِجْلَهُ فَشَخِبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ فَرَأَاهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِي مَنَامِهِ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَأَاهُ مُعْطِيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ عَفَرْتُ لِي بِهِجْرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكَ مُعْطِيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَضَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ وَلِيْدَيْهِ فَاعْفِرْ - (رواه مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل ابن عمرو دوسیؓ بھی ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی (اتفاق سے) وہ شخص مدینہ میں بیمار ہو گیا اور (جب مرض نے شدت اختیار کی) اس سے صبر نہ ہوسکا، چنانچہ اس نے تیر کی پیکان لے کر اس نے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ مر گیا (اس کے انتقال کے بعد ایک دن) طفیل بن عمروؓ نے اس شخص کو اپنے خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کی میت تو اچھی تھی مگر اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھپا رکھے تھے۔ طفیلؓ نے اس سے پوچھا کہ ”تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس شخص نے کہا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے کہ میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر طفیلؓ نے کہا کہ ”میں تمہیں اپنے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ اس شخص نے (بڑی حسرت کے ساتھ) کہا کہ (پروردگار کی طرف سے) مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے“ جب طفیلؓ نے یہ خواب رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اے اللہ! اس کو اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس چلے جانے کی یہ برکت تھی کہ مہاجر کو حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ہوتی ہے، اور اگر مہاجر کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا تھا تو آنحضرت ﷺ کے استغفار کی وجہ سے اس کی بخشش ہو جاتی تھی۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت، آپ ﷺ کے حیات مبارک میں آپ کی جسمانی زیارت کے مانند ہے لہذا آپ کی حیات مبارک میں آپ کی زیارت کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی جو برکت ہوتی تھی آپ ﷺ کے روضہ اطہر کے زیارت کرنے والے کو بھی اسی نعمت عظمیٰ کی امید رکھنی چاہئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ تو کفر کا باعث ہے اور نہ دوزخ کے دائمی عذاب کا موجب ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اپنے گنہگار ہونے کی سزا پالینے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

مقتول کے وراثت کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو لینے کا اختیار ہے

(۱۱) وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكُفَيْيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ أَنْتُمْ يَا خِزَاعَةُ قَدْ قَتَلْتُمْ هَذَا الْقَتِيلَ مِنْ هَذِهِ وَأَنَا وَاللَّهِ عَاقِلُهُ مَنْ قَتَلَ بَعْدَهُ قَتِيلًا فَاهْلُهُ بَيْنَ خَيْرَتَيْنِ إِنْ أَحْبَبُوا قَتَلُوا وَإِنْ أَحْبَبُوا أَخَذُوا الْعَقْلَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ بِإِسْنَادِهِ وَصَرَّحَ بِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ وَقَالَ وَآخَرُ جَاهٍ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ يَعْنِي بِمَعْنَاهُ -

”اور حضرت ابوشریحہؓ بھی رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا اور جس کا ابتدائی حصہ حرم مکہ کے باب میں گزر چکا ہے، اس کے آخری الفاظ یہ تھے) فرمایا ”اے خزاعہ! تم نے اس مقتول کو جو قبیلہ ہذیل کا ایک فرد تھا، قتل کیا ہے اور میں خدا کی قسم، اس کا خون پہاڑی کا ذمہ دار ہوں، اب اس کے بعد (اس حکم سے مطلع کیا جاتا ہے کہ) اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ① چاہے وہ قاتل کو مار ڈالیں۔ ② چاہے اس سے خون بہا لے لیں۔ (ترمذی، شافعی) شرح السنۃ میں یہ روایت شافعیؒ کی اسناد کے ساتھ مذکور ہے، اور شرح السنۃ کے مصنف علامہ بغویؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابوشریحہؓ سے منقول نہیں ہے، لیکن بغویؒ نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں یہ روایت ابوہریرہؓ سے منقول ہے حالانکہ اس میں بھی بالعمی منقول ہے۔“

تشریح: حدیث کا واقعاتی پس منظر یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں قبیلہ ہذیل نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے اب اگر اپنے مقتول کے بدلے میں قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو قتل کر دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کے درمیان متوقع فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے قبیلہ ہذیل کے اس مقتول کا خون پہاڑی کا ذمہ دیا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اور میں خدا کی قسم! اس خون پہاڑی کا ذمہ دار ہوں“ پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد اس سلسلہ میں یہ شرعی قانون بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق مار دے تو مقتول کے ورثاء کا حق یہ ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں اور چاہے قاتل سے خون بہا لے لیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے اور اس اعتبار سے یہ ارشاد گرامی ان دونوں کے مسلک کی دلیل ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو قاتل سے خون بہا لینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہو گا جب کہ قاتل خود بھی اس پر راضی ہو، اگر قاتل خون پہاڑی پر راضی نہ ہو تو مقتول کے ورثاء کو صرف یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ قاتل کو قتل کر دیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے، ان حضرات کے نزدیک اس ارشاد گرامی کی تاویل یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں چاہے اس سے خون بہا لے لیں اگر خون بہا ان کو دیا جائے۔

”حالانکہ ان سے بھی بالعمی منقول ہے“ اس کے ذریعہ مصنف مشکوٰۃ نے گویا صاحب مصابح امام بغویؒ پر اعتراض کیا ہے بخاری و مسلم میں یہ حدیث بالعمی تو مذکور ہے لیکن اصل حالت میں یعنی یہاں کے مذکور الفاظ کے ساتھ نہ تو ابوشریحہؓ سے اور نہ ابوہریرہؓ سے منقول ہے جیسا کہ خود بغویؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے اور پھر اس روایت کو یوں فصل اول میں کیوں نقل کیا ہے کیونکہ فصل اول میں تو وہی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جو بخاری و مسلم میں مذکور ہوں۔

عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے

⑫ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكَ هَذَا أَفَلَانٍ؟ أَفَلَانٍ؟ حَتَّى سَمِعَتْ الْيَهُودِيَّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِئْتُ بِالْيَهُودِيِّ فَأَعْتَرَفَ فَأَمَرَبِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ رَأْسَهُ بِالْحِجَارَةِ۔ (مشن علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا زعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہذا رسول کریم ﷺ نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا بموجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

جو جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دو

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَسَرَتِ الرِّبِيعُ وَهِيَ عَمَّةُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثِيْبَةً جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمَّ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَا وَاللَّهِ لَا تَكْسَرُ ثِيْبَتَهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ كِتَابُ اللَّهِ الْقِصَاصُ فَرَضِي الْقَوْمُ وَقِيلُوا الْأَزْشُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يَرُدُّهُ - (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ربیع نے جو حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپھی تھیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے اس لڑکی کے رشتہ دار استغاثہ لے کر، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا (یعنی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ربیعؓ کے بھی دانت توڑے جائیں) انسؓ ابن نصر نے جو انسؓ ابن مالک کے چچا تھے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، خدا کی قسم ربیعؓ کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ انسؓ! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے“ لیکن (خدا نے ایسا کیا) کہ لڑکی کے خاندان والے (ربیعؓ کے دانت نہ توڑے جانے پر راضی ہو گئے اور دیت (مالی معاوضہ) قبول کر لیا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو خداوند تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ربیعؓ انسؓ اور مالکؓ یہ تینوں بہن بھائی تھیں ان کے والد کا نام نصر تھا، مالک کے لڑکے کا نام بھی انس تھا گویا چچا اور بھتیجے دونوں ایک ہی نام سے موسوم تھے اس حدیث میں جن ربیعؓ کا ذکر ہے وہ ایک انس یعنی، حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپھی تھیں اور دوسرے انس یعنی حضرت انسؓ ابن نصر کی بہن تھیں۔

حضرت انسؓ ابن نصر کا یہ کہنا کہ ”یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ کے فیصلہ کو ماننے کا انکار کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی بنا حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی توقع اور امید پر تھی کہ وہ مدعیوں کو راضی اور ان کے دل میں ڈال دے گا کہ وہ قصاص (یعنی بدلہ لینے) کو معاف کر دیں، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی امید و توقع کو پورا کیا اور لڑکی کے خاندان والوں نے دیت قبول کر کے قصاص کو معاف کر دیا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ ابن نصر کے بارہ میں یہ مدیجہ کلمات ارشاد فرمائے کہ حضرت انسؓ ابن نصر خدا کے ان بندگان خاص میں سے ہیں جو اگر کسی بات پر قسم کھا لیتے ہیں تو خدا ان کو حاثث نہیں کرتا بلکہ ان کی اس بات کو پورا کرتا ہے اور قسم کو سچی کرتا ہے۔

”اے انس“ اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے اس ارشاد سے آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكُنْتُمْ عَلَیْهِمْ فِیْهَا اَنْ النَّفْسِ بِالْنَفْسِ تَا۔ وَالسِّنِّ بِالسِّنِّ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی ایسی بات پر قسم کھانا جائز ہے جس کے واقع ہونے کا قسم کھانے والے کو گمان ہو،

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے منہ پر اس کی تعریف و توصیف کا اظہار کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اس شخص کے کسی فتنہ و برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف نہ ہو اور تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ قصاص کو معاف کر دینا صحیح ہے۔

مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۴) وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهَمَّا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَكْتُ الْأَسِيرَ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس نے اناج کو پیدا کیا اور جان کو وجود بخشا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو، ہاں قرآن کی وہ سمجھ (مجھ کو ضرور دی گئی) جو کسی انسان کو عطا ہو سکتی ہے نیز ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں“ میں نے عرض کیا کہ ”وہ کیا چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (ناحق قتل) کا خون بہا، اس کی مقدار اور اس کے احکام اور قیدی کو چھوڑنے (کا ثواب لکھا ہے) اور یہ لکھا ہے کہ کافر (جو ذی نہ ہو) کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: ”ہاں قرآن کی وہ سمجھ جو کسی بھی انسان کو عطا ہو سکتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ فہم عطا فرمایا ہے جس سے میں قرآن کے معنی و احکام کا استنباط کرتا ہوں، اس کے اجمال و اشارات سے مطلع ہو جاتا ہوں اور اسی فہم کے ذریعہ میری رسائی ان پوشیدہ علوم اور باطنی اسرار تک ہو جاتی ہے جو علماء راسخین اور رابر اب یقین پر منکشف ہوتے ہیں۔“

ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے وہ نوشتہ مراد ہے جس میں حضرت علیؑ نے خون بہا وغیرہ کے کچھ احکام و مسائل لکھ کر اس کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھ رکھا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس نوشتہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس باب میں صرف قصاص اور خون بہا کا ذکر کرنا مقصود ہے، البتہ قیدی بعض نوعیت کے اعتبار سے چونکہ قریب القتل ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا۔

”کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا“ بہت سے صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور تینوں اماموں کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کو قتل کر دے تو مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مقتول کافر ذی ہو یا حربی ہو لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ مقتول کافر ذی ہو تو اس کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے جو حدیث ان کے مسلک کی دلیل ہے وہ مرقات میں مذکور ہے۔

حضرت ابو حنیفہؒ نے حضرت علیؑ سے جو سوال کیا اس کی بنیاد یہ تھی۔ کہ شیعہ جن کا وجود مختلف صورتوں میں اس زمانہ میں تھا کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کے مخصوص افراد اور خاص طور پر حضرت علیؑ کو علم وحی کے کچھ ایسے اسرار و نکات بتائے ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے! یا پھر حضرت ابو حنیفہؒ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوئی بھی شخص علم و تحقیق میں حضرت علیؑ کا ہمسر نہیں تھا، ان کی اس غیر معمولی علمی خصوصیت و برتری نے سب ہی کو حیران کر رکھا تھا کہ آخر ان کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا؟۔ بہر کیف حضرت علیؑ نے قسم کھا کر بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے میرے دامن علم و حکمت کو سب لوگوں سے زیادہ بھرا ہوا دوسرے لوگوں کے سوا مجھے مخصوص طور پر تبلیغ و ارشاد سے نوازا ہو، بلکہ میرے پاس بھی وہی قرآن ہے۔ جو دوسروں کے پاس ہے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، یا پھر وہ نوشتہ ہے۔ جس میں کچھ چیزوں کے احکام لکھے ہوئے ہیں اور وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ ہاں مجھ میں اور دوسروں میں جو علمی تفاوت ہے اس کی بنیاد فہم اور استعداد و استنباط

ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے قرآن کی جو سمجھ عطا کی ہے اس کے ذریعہ میں قرآن کے علوم و معانی تک رسائی حاصل کرتا ہوں اور پھر اس سے احکام و مسائل نکالتا ہوں، اور یہ مجھ ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ جس شخص کو بھی یہ سمجھ، ادراک اور فضیلت عطا فرمادے گا اس پر قرآنی حکمت و علوم کی راہیں منکشف ہو جائیں گی۔ الحاصل تمام علوم و معنی کی بنیاد چونکہ قرآن کریم ہے۔ اسی لئے توفیق خداوندی اور تائید الہی سے جس شخص کو بھی قرآن کریم کا فہم حاصل ہو گیا اس پر تمام علوم اور حکمتوں کے درازے کھل گئے یہ اور بات ہے کہ حق تعالیٰ اس نعمت سے کسی کسی ہی کو نوازتا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن (عام طور پر) لوگوں کے فہم (قرآن کی گہرائی تک پہنچنے سے) قاصر رہتے ہیں۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ بْنِ مَسْعُودٍ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظَلَمًا فِي كِتَابِ الْعِلْمِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ”ازراہ ظلم کسی کی جان نہ لی جائے“ کتاب العلم میں نقل کی جا چکی ہے۔“

الفصل الثانی

خون مسلم کی اہمیت

(۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَرَوَّالِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَوَقَّعَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ۔

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا ایک مرد مؤمن کے قتل ہو جانے سے زیادہ سہل ہے۔ (ترمذی، نسائی) اور بعض راویوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے (یعنی یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے بلکہ عبداللہ ابن عمروؓ کا قول ہے) اور یہی زیادہ صحیح ہے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو (حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی بجائے) حضرت براء ابن عازب سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزیں زمین و آسمان وغیرہ مسلمانوں کے لئے پیدا کی ہیں تاکہ وہ پروردگار کی عبادت کریں اور چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھیں، لہذا جس شخص نے کسی مسلمان کو کہ جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے، قتل کیا اس نے گویا پوری دنیا کو فنا کے کھاتے اتار دیا، چنانچہ اسی نکتہ کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔

”جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کیا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے) ملک میں فتنہ فساد پھیلانے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔“

(۱۶) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَآبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَوْا كُرْسِيَّ دَمِ مُؤْمِنٍ لَا كَتَبَهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر (یہ ثابت ہو جائے کہ آسمان والے اور زمین والے سب کے سب کسی ایک مرد مؤمن کے قتل میں شریک ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ کی آگ میں اتار ڈال دے گا) انام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

نشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے لفظ اکتبہم فعل لازم ہے اور لفظ کتبہم فعل متعدی ہے لہذا یہاں کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے کہ

اس نے لکبتھم کی بجائے لاکبتھم نقل کر دیا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ اکبتہ قاموس میں لازمی اور متعدی دونوں طرح نقل کیا گیا ہے، اس اعتبار سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ ثقہ اور عادل راویوں کی طرف خطا اور سہو کی نسبت کرنے سے اولیٰ اور احوط یہ ہے کہ بعض بلکہ تمام اہل لغت کی طرف خطا کی نسبت کر دی جائے! بہر کیف چونکہ یہاں لفظ اکبتھم ہے اس لئے اس موقع پر یہ تحقیق پیش کی گئی، جامع صغیر میں اس روایت کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ لکبتھم اللہ عز و جل فی النار۔

قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْنِي الْمَقْتُولُ جِالِقَابِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيَتَهُ وَرَأْسَهُ بِيَدِهِ وَ أَوْ دَاخِلَهُ تَشْحُبُ دَمًا تَقُولُ يَا رَبِّ قَتَلَنِي حَتَّى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ - (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح پکڑ کر لائے گا کہ قاتل کی پیشانی اور اس کا سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور خود اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے ”پروردگار! (اس نے) مجھے قتل کیا ہے (میری فریاد رسی) کر یہاں تک کہ مقتول اس قاتل کو (کھینچتا ہوا) عرش الہی کے قریب تک لے جائے گا۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنا پورا حق طلب کرے گا، نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف سے مقتول کو راضی و مطمئن کر دے گا۔

اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر

(۱۸) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ بْنِ حَنِيفٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ أَنشُدْكُمْ بِاللَّهِ أَنَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثَ زَمَنٍ بَعْدَ احْصَانٍ أَوْ كُفْرٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بَغَيْرِ حَقٍّ فَقَتِلَ بِهِ فَوَاللَّهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ وَلَا إِذْ دَنُتُ مِنْدُبًا يَبْعَثُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ فِيمَا تَقْتُلُونَ نَبِيَّ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَلِدَارِمِيُّ لَفْظُ الْحَدِيثِ -

”اور حضرت ابوامامہؓ ابن سہل ابن حنیفؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابن عفان، دار کے دن مکان کی چھت پر چڑھے اور (بلوایوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”کسی مرد مومن کی خون ریزی (کسی صورت میں جائز نہیں ہوتی الا یہ کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے“ ① نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا۔ ② اسلام لانے کے بعد کافر ہو جانا۔ ③ اور کسی کا ناحق قتل کر دینا کہ اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پس قسم ہے خدا کی، میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں زنا کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے رسول کریم ﷺ سے بیعت کی ہے آج تک اسلام سے نہیں پھرا ہوں اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، تو خدا را مجھے بتاؤ تم مجھے کس بناء پر قتل کرنا چاہتے ہو؟“ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں۔“

تشریح: یوم الدار یعنی دار (گھر) کا دن، سے وہ دن مراد ہیں جن میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے مخالف بلوایوں نے ان کے مکان کو محاصرہ میں لے رکھا تھا، چنانچہ انہی دنوں میں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر بلوایوں کے سامنے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے۔

”نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے اس کو سنگسار کرنا مشروع ہے۔ ”محسن“ اس شخص کو کہتے ہیں، جو مسلمان ہو، آزاد ہو، مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اپنی عورت سے جماع کر چکا ہو۔

”اور حدیث کے الفاظ داری کے ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت میں حضرت عثمانؓ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یعنی اشرف یوم الدار الخ اس کے الفاظ داری نے نقل نہیں کئے ہیں بلکہ اس کی روایت میں صرف اصل حدیث کے الفاظ لا یحل دم امرء مسلم الخ ہیں۔

قاتل، توفیق خیر سے محروم رہتا ہے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يَصْبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَخَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمان اس وقت تک نیکی کی طرف سبقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے جب تک کہ وہ خون حرام کا ارتکاب نہیں کرتا اور جب وہ خون حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو تھک جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن جب تک ناحق خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برابر نیکی کرنے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی توفیق دی جاتی ہے لیکن جب وہ کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو وہ اس گناہ کی شامت سے نیکی و بھلائی حاصل کرنے سے باز رہتا ہے گویا یہ قتل ناحق کا وبال ہے کہ قاتل کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خیر کی توفیق سے محروم رہتا ہے اگرچہ سارے گناہوں کا یہی وبال ہوتا ہے لیکن یہ گناہ اور تمام گناہوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے۔

قتل ناحق، ناقابل معافی جرم ہے

(۲۰) وَعَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ -

”اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر گناہ کے بارے میں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر اس شخص کو نہیں بخشے گا، جو شرک کی حالت میں مر جائے یا جس نے کسی مسلمان کا قتل عمد کیا ہو۔“ (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: بظاہر اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح شرک کا گناہ ناقابل معافی ہے اسی طرح قتل عمد کے گناہ کی بخشش نہیں ہوتی لیکن اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ قتل کا گناہ گار مدت دراز تک شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بخش دیا جائے گا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ -

”اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشتا، شرک کے علاوہ اور گناہوں کو، جس کو وہ چاہے بخش دیتا ہے۔“

جہاں تک اس حدیث کے ظاہری مفہوم کا سوال ہے تو یہ قتل کی شدید ترین مذمت اور اس کی سخت ترین سزا کے اظہار پر محمول ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ جو شخص قتل مسلم کو حلال جان کر کسی مسلمان کو قتل کرے گا اس کو نہیں بخشا جائے گا علاوہ ازیں لفظ مُتَعَمِّدًا کے (قتل عمد کی بجائے) یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی مؤمن کے قتل کا اس لئے قصد کرے کہ وہ مؤمن ہے تو اس شخص کی بخشش نہ

ہوگی۔

باپ سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَامُ الْخُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ۔ (رواہ الترمذی والداری)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔“ (ترمذی، داری)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارہ میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز داد ادا دی، اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ نہیں

(۲۲) وَعَنْ أَبِي رَمْثَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي فَقَالَ مَنْ هَذَا الَّذِي مَعَكَ قَالَ ابْنِي اِشْهَدْ بِهِ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيْمِيُّ وَزَادَ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ فِي أَوَّلِهِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى أَبِي الَّذِي بَطَّهَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِي أَعَالِجُ الَّذِي بَطَّهَرْتُ فَإِنِّي طَبِيبٌ فَقَالَ أَنْتَ رَفِيقٌ وَاللَّهُ الطَّبِيبُ۔

”اور حضرت ابورمثہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ والد نے کہا کہ“ یہ میرا بیٹا ہے، آپ گواہ رہئے آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نہ تو یہ تمہیں اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کرے گا اور نہ تم اس کو اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کر دو گے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور صاحب مصابح نے شرح السنہ میں اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”ابورمثہؓ نے کہا کہ جب میں نے اپنے والد کے ہمراہ رسول کریم ﷺ کی پشت مبارک پر مہربوت دیکھی تو وہ اس کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی پشت پر جو چیز ہے میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول کریم نے فرمایا ”تم (تو بس) رفیق ہو، طبیب (تو اللہ ہے)۔“

تشریح: ”آپ گواہ رہئے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”آپ اس بات کے گواہ رہئے کہ یہ میرا صلیبی بیٹا ہے“ اور اس گواہ بنانے سے مقصود یہ تھا کہ اگر مجھ سے کوئی جرم جیسے قتل وغیرہ سرزد ہو جائے ”تو میرے اس بیٹے سے مواخذہ کیا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ ہوتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد نہ تمہیں یہ اپنے گناہ کی وجہ سے

مبتلا کرے گا الخ کے ذریعہ البور مشہ کے والد پر یہ واضح کر دیا کہ اگر تمہارے بیٹے نے کوئی جرم کیا تو اس کی وجہ سے تمہیں نہیں پکڑا جائے گا اور نہ اس کے گناہ کی وجہ سے آخرت میں تم سے پرستش ہوگی، اسی طرح اگر تم سے کوئی جرم و گناہ سرزد ہو جائے تو دنیا و آخرت میں تمہارے بیٹے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، یہ صرف زمانہ جاہلیت کا رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑے جاتے تھے، یہ ایک غیر منصفانہ طرز عمل تھا جو اب ختم کر دیا گیا ہے۔

”کیونکہ میں طبیب ہوں“ اس جملہ کے ذریعہ البور مشہ کے والد نے گویا طب و دوائی کا دعویٰ کیا، ان کی یہ بات جس سے ان کی ناہنجی اور بے ادبی مترشح تھی، آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند ہوئی، چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم تو بس رفیق ہو، بایں معنی کہ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ جب تم کسی مریض کو دیکھو تو اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر کوئی نسخہ اور دوا تجویز کر دو، اس کے علاج کے دوران اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کی خواہش کرو اور جو چیز بظاہر اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہو اس سے اس کو دور رکھنے کی کوشش کرو۔ اس کے علاوہ اور تمہارے بس میں کیا ہے؟ کیا شفا تمہارے ہاتھ میں ہے؟ کیا مرض کی حقیقت تک تمہارے علم و فن کی رسائی ہو جاتی ہے؟ ہرگز نہیں طبیب تو خدا ہے کیونکہ مرض کی حقیقت بھی وہی جانتا ہے اور دوا کی حقیقت بھی اسی کے علم میں ہے اور شفا بھی صرف اسی ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ جو بقا کے ساتھ موصوف ہے۔ اسی ذات پاک کے علاوہ کوئی بڑی بڑی طاقت شفا نہیں دے سکتی۔

بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے

(۲۳) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سِرَافَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِذُ الْأَبَ مِنْ ابْنِهِ وَلَا يَقْبِذُ الْإِبْنَ مِنْ أَبِيهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّفَهُ۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، اور وہ حضرت سرافہ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ”میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔“

تشریح: یعنی اگر بیٹا اپنے باپ کو مار ڈالتا ہے تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو مار ڈالتا ہے تو باپ کو بیٹے کا قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے خون بہا (خون کا مالی معاوضہ) لیا جاتا تھا۔

غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَغَيْرُ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ فَتَلَّنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ حَدَّ عَصَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ التَّسَانِيُّ فِي رِوَايَةِ أُخْرَى وَمَنْ حَصَى عَبْدَهُ حَصِينًا۔

”اور حضرت حسن ابصری (تابعی) حضرت سمرہ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو شخص اپنے غلام کے اعضاء کاٹے گا، ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو خسی کرے گا ہم اس کو خسی کر دیں گے۔“

تشریح: جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ یہ آپ ﷺ نے بطور زجر و تشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوٹی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض

حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو، اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو، اگرچہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ **الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** الخ کے ذریعہ منسوخ ہے! اس بارہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظمؒ کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ **الْحُرُّ بِالْحُرِّ** الخ کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

”اور جو شخص اعضاء کاٹنے کا الخ“ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ”تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں“ علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ”ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے“ یا تو زجر و تنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے

(۲۵) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دَفَعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِنْ شَاءَ وَاقْتُلُوا وَإِنْ شَاءَ وَاحْذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حَقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَارْبَعُونَ خَلْفَةً وَمَا صَلَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص قتل عمد کا ارتکاب کرے اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے چاہے وہ اس کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیں اور چاہے اس سے دیت یعنی خون بہا لے لیں، اور خون بہا کی مقدار و تعداد یہ ہے کہ تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو (تین برس کی ہو کر) چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں (اس کے علاوہ) اور جس چیز پر صلح ہو جائے تو وہ اس کے حق دار ہوں گے (یعنی دیت جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے اس کی اصل مقدار و تعداد تو یہ ہے ہاں اگر ورثاء اس سے کم پر راضی ہو جائیں تو قاتل پر وہی واجب ہوگا۔“

تشریح: دیت یعنی خون بہا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ (دیت میں جو سوا اونٹ شروع ہیں وہ اس طرح کے ہونے چاہئیں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون پچیس حقہ اور پچیس جزعہ! ان کی دلیل حضرت سائب ابن یزید کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (خون بہا میں) چار طرح کے اونٹ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حدیث ثابت ہوتی تو صحابہؓ اختلاف کرنے کی بجائے متفقہ طور سے اسی حدیث پر عمل کرتے۔

قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں

(۲۶) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُهُمْ وَيَسْتَعْفَى بِذِمَّتِهِمْ إِذَا نَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدُّ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ إِلَّا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون و حرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں ہوتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار! کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے۔ (ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”سب مسلمان برابر ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون بہا کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رزیل میں، چھوٹے اور بڑے میں، عالم اور جاہل میں، امیر اور غریب میں اور مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ بڑے درجہ والے کو چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون بہا کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون بہا کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی باحیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو زیر دست ہوتے تھے۔

”اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنیٰ ترین فرد جیسے غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔

”اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے“ اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دار الحرب سے دور رہ رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دار الحرب کے قریب ہیں یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہو جائے، اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت بھیج دے اور پھر وہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

”جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (نیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد و ضمان کر لیا ہے تو جب تک وہ ذی ہے اور اپنے ذی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذی کے خون کی بھی وہی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہذا اگر کوئی مسلمان کسی ذی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ ”کافر کے بدلے میں مسلمان کو نہ مارا جائے“ کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں ”کافر“ سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذی ا حاصل یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی بھی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذی۔

مقتول یا زخم خوردہ کے ورثاء کا حق

(۲۷) وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخَزَاعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبَلٍ وَالْخَبَلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ أَحَدِي ثَلَاثٍ فَإِنْ أَرَادَ الزَّابِعَةُ فَخَذُوا عَلَى يَدَيْهِ بَيْنَ أَنْ يَقْتَصَّ أَوْ يَنْقُضُوا أَوْ يَأْخُذُوا بِالْعَقْلِ فَإِنْ أَخَذَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ الثَّانِي خَالِدًا فِيهَا مُخَلَّدًا أَبَدًا۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابو شریح خزاعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص قتل ناحق یا زخم کی وجہ سے غم زدہ ہو (یعنی جس شخص کے مورث کو ناحق قتل کر دیا گیا ہو یا اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا گیا ہو) تو وہ تین چیزوں میں کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حقدار ہے اور اگر وہ (ان تینوں چیزوں سے فرامد) کسی چوتھی چیز کا طلب گار ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اس کو وہ چوتھی چیز طلب کرنے سے منع کر دو) اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ① یا تو وہ قصاص لے لے۔ ② یا معاف کر دے۔ ③ اور یا مالی معاوضہ لے لے۔ پھر اگر اس نے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کیا اور اس کے بعد کسی دوسری چیز کا اضافہ کیا (یعنی مثلاً پہلے تو اس نے معاف کر دیا اور پھر بعد میں قصاص یا مالی معاوضہ کا مطالبہ کیا) تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس میں اس کو ہمیشہ رکھا جائے گا کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔“ (دارمی)

تشریح: خالداً فیہا مُخَلَّدًا اس جملہ میں ”تاکید کے بعد تاکید“ کا اسلوب سخت زجر و تنبیہ اور شدید وعید کے اظہار کے لئے ہے، دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے بارہ میں جو وضاحت پہلی فصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر سات کے ضمن میں کی جا چکی ہے وہی وضاحت یہاں بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔

قتل خطاء کا حکم

(۲۸) وَعَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِي عَمَلَةٍ فِي رَمِي يَكُونُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ أَوْ حُلْدٍ بِالسَّيْطِ أَوْ ضَرْبٍ بَعْضًا فَهُوَ خَطَاءٌ وَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوْدٌ وَمَنْ خَالَ ذُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ غَضَبُهُ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (رواہ ابو داؤد والبیہقی)

”اور حضرت طاؤس ابن عباسؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کے درمیان پتھر، میں یا کوڑوں اور لاشیوں کی اندھا دھند مار میں مارا جائے، (یعنی یہ نہ پتہ چلے) کہ اس کا قاتل کون ہے) تو یہ قتل گناہ نہ ہونے کے اعتبار سے (قتل خطاء کے حکم میں ہوگا) کیونکہ وہ بلا قصد قتل مارا گیا ہے) اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے، اور جو شخص جان بوجھ لمارا گیا تو اس کا قتل قصاص کو واجب کرے گا اور جو شخص قصاص لینے میں حائل (مزاحم) ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ نہ اس کے قتل قبول کئے جائیں گے اور نہ فرض۔“ (ابو داؤد والبیہقی)

تشریح: ”لوگوں کے درمیان پتھر اڑانے“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کسی ایسی جگہ گھر گیا جہاں دو مخالف گروہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر اڑا رہا تھا کہ اچانک ایک پتھر اس (زید) کے آگے لگا۔ اور وہ مر گیا۔ کو یا اگر کوئی شخص پتھر کی ضرب سے مر جائے بلکہ یوں کہے کہ یہاں ”پتھر“ کا ذکر محض اتفاقی ہے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مشعل (بھاری) چیز کی ضرب سے مر جائے تو یہ قتل قصاص کو واجب نہیں کرتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے اور دیت بھی وہ جو قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس قتل کو ”شبہ عمد“ کہتے ہیں، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ ”وہ قتل جو کسی غیر دھاردار چیز سے واقع ہوا ہو اگرچہ وہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو“ لیکن صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد کی

تعریف یہ ہے کہ وہ قتل جو بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے ہوا ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع نہ ہوتی ہو اور جو قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد میں داخل ہوگا، لہذا حدیث میں مذکورہ چیزیں یعنی پتھر اور لاٹھی، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اپنے مطلق معنی پر محمول ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہوں یا بھاری، جب کہ صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ چیزیں ”ہلکی (غیر مشعل) ہونے پر محمول ہیں، گویا خلاصہ یہ نکلا کہ جو قتل مشعل (بھاری) چیز کے ذریعہ ہوا اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا اور صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل کا اعتبار کیا جائے گا۔

”جو شخص قصاص لینے میں حائل ہو الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مقتول کے وارثوں سے قصاص نہ لینے دے تو اس کے بارے میں بطور زجر تشدید اور تہدید و عید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہو گا یعنی وہ خدا کی ناراٹکی کا موجب بنے گا۔

قتل کی قسمیں: فقہاء کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ ① قتل عمد۔ ② قتل شبه عمد۔ ③ قتل خطا۔ ④ قتل جاری مجری خطا۔ ⑤ قتل بسبب۔ ① قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اعضاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، کھیاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھار دار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ ”مقتول کو بارادہ قتل کسی بھی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے“، قتل عمد کا مرتکب سخت گناہ گار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

② قتل شبه عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھار دار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہ گار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلطہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلطہ چار طرح کے سوا دنوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹنا جائے گا۔ ③ قتل خطا کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ ”خطا“ کا تعلق ”قصد“ سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیریا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا، یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیریا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ ”خطا“ کا تعلق ”فعل“ سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیریا گولی چلائی گئی مگر وہ تیریا گولی بہک کر کسی آدمی کے جا لگی۔

④ قتل جاری مجری خطا کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا! قتل خطا اور جاری مجری خطا میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔ ⑤ قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبه عمد، اور جاری مجری خطا میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی ”قتل بسبب“ میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

قاتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل معافی جرم ہے

(۲۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفَى مَنْ قَتَلَ بَعْدَ اخْتِذَاكَ الدِّيَّةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مقتول کے ولی اور وارثوں میں سے (جو شخص قاتل سے) دیت (خون بہا) لینے

کے بعد اس کو قتل کرے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا (بلکہ اس کو بھی بطور قصاص قتل کرادوں گا۔) (ابوداؤد)

زخمی کر دینے والے کو معاف کرنے کا اجر

(۳۰) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِمَّنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهِ فَتَصَدَّقَ بِهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهِ دَرَجَةً وَحَظَّ عَنْهُ خَطِيئَةٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا اور اس نے زخمی کرنے والے کو معاف کر دیا (یعنی اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا بلکہ درگزر کیا اور تقدیر الہی پر صابر رہا) تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کا ایک گناہ معاف کر دے گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ایک آدمی کو کئی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے سزاوار ہوں گے

(۳۱) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا اخْمَسَةً أَوْ سَبْعَةً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ قَتَلُوهُ غِيلَةً وَقَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَا عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتَهُمْ جَمِيعًا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهُ۔

”اور حضرت سعید ابن مسیبؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ (خليفة المسلمين) نے ایسے پانچ یا سات آدمیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا جنہوں نے فریب اور دھوکے سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اگر صنعاء والے سب اس شخص کو قتل کر دیتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔“ (مالک) امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے اسی کے مانند نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”صنعاء“ یمن کا ایک مشہور شہر ہے جو آج کل اپنے ملک کا دار الحکومت بھی ہے، حضرت عمرؓ نے ”صنعاء“ کا ذکر کیا تو اس لئے کیا کہ جن قاتلوں کو انہوں نے قتل کیا تھا قصاص میں، وہ سب ہی صنعاء کے ہی رہنے والے تھے، یا یہ کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے کلام میں ”صنعاء“ مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کو قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہوں تو قصاص میں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے گا

(۳۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ حَدَّثَنِي فَلَانٌ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ سَلْ هَذَا فِينِمْ قَتَلَنِي فَيَقُولُ قَتَلْتُهُ عَلَى مُلْكٍ فَلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِهَا۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں صحابی نے (کہ جن کا نام یا تو حضرت جندب ہی نے بتلایا یا انہوں نے نام لیا لیکن راوی کے ذہن میں وہ نام نہیں رہا) یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو (پکڑ کر) لائے گا اور (اللہ تعالیٰ سے) فریاد کرے گا کہ ”اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ چنانچہ قاتل کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا“ جندب نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ ”تم اس سے بچو۔“ (نسائی)

تشریح: بظاہر مقتول کے سوال اور قاتل کے جواب میں کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، کیونکہ مقتول نے تو قتل کا سبب پوچھا تھا نہ کہ قتل کی جگہ کو دریافت کیا تھا؟ اس بارہ میں شارحین لکھتے ہیں کہ قاتل کے جملہ ”میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا“ کی مراد یہ ہے کہ میں فلاں حاکم یا فلاں بادشاہ یا فلاں دنیا دار کے زمانہ میں اس کی مدد سے یا اس کے ایما پر اس قتل کا ارتکاب کیا تھا۔ (لیکن یہ معنی

اس صورت میں ہوں گے جب کہ روایت میں لفظ ”ملک“ میم کے پیش کے ساتھ (یعنی ملک) ہو اور اگر یہ لفظ میم کے زیر کے ساتھ (یعنی ملک) ہے تو پھر یہ معنی مراد ہوں گے کہ میں نے اس کو جھگڑے کے دوران قتل کیا تھا جو میرے اور اس کے درمیان فلاں شخص (مثلاً زید کی عملداری میں ہوا تھا) اس اعتبار سے قاتل کا ذکر ہر جملہ بیان واقعہ کے لئے ہوگا۔

جندبؓ کے قول ”تم اس سے بچو“ سے مراد مخاطب کو قتل اور قتل میں مدد دینے سے نیز جھگڑا فساد کرنے سے جو عام طور پر قتل کا باعث ہوتا ہے، روکنا ہے، طبیؓ کہتے ہیں کہ حضرت جندبؓ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی تھی اور مذکورہ جملہ کا مخاطب وہی بادشاہ تھا، اس سے حضرت جندبؓ کا مقصود یہ تھا کہ بادشاہ کسی ظالم کی مدد نہ کرے۔

قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطَرَ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللَّهَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَيْشٍ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص آدھا جملہ کہہ کر بھی کسی مؤمن کے قتل میں مدد کرے گا یعنی مثلاً قتل پورا نہیں کہا بلکہ صرف اق کہا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہوگا ”یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔“ (ابن ماجہ)۔

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا گناہ کی شدت و سختی میں کفر کے مشابہ ہے، اس اعتبار سے یہ جملہ ”یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے“ گویا کفر کا کنایہ پیرایہ اظہار ہے کیونکہ آیت کریمہ: لَا يَبْتَئِسُ مِنَ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْكُفْرُ الْكَافِرُونَ ترجمہ۔ اللہ کی رحمت سے کافروں کی قوم ہی ناامید ہوتی ہے۔ کے بموجب اللہ کی رحمت سے ناامیدی صرف کافر کے لئے ہے۔

اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن مذکورہ علامت کے ذریعہ خلاق کے درمیان رسوا ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث کا مفہوم یا تو ایسے شخص کے بارہ میں سخت وعید و تہدید پر محمول ہے، یا پھر اس کا محمول وہ شخص ہے جو قتل مؤمن میں معاونت کو ظالم جان کر اس کا مرتکب ہو۔

قاتل کے مددگار کو تعزیراً قید کیا جائے

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتْلَهُ الْأَخْرَ يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَ وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جب ایک شخص کسی آدمی کو پکڑے اور دوسرا اس کو قتل کر دے تو (مقتول کے بدلہ میں) اس شخص کو قتل کیا جائے جس نے اس کو قتل کیا ہے اور پکڑنے والے کو سزائے قید دی جائے۔“ (دارقطنی)

تشریح: جس طرح کسی عورت کو ایک شخص پکڑے اور دوسرا شخص اس سے زنا کرے تو پکڑنے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی اسی طرح مقتول کو پکڑنے والے سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کو بطریق تعزیر قید کیا جائے گا اور قید کی مدت کا انحصار حاکم وقاضی کی رائے پر ہوگا کہ وہ جتنی مدت کے لئے مناسب سمجھے سزائے قید دے۔ یہ بعض شارحین کی تصریح ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ مقتول کو پکڑنا دراصل اس کے قتل میں معاونت کرنا ہے اور دوسری احادیث کی روشنی میں قتل کے مددگار کی سزا بھی قصاص ہی ہے، اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

شمخیؒ نے ملقب میں مذکور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو شیر یا کسی اور درندے کے سامنے ڈال دے اور وہ شیر یا درندہ اس شخص

کو مار ڈالے تو اس صورت میں ڈالنے والے پر قصاص واجب ہوگا اور نہ دیت بلکہ اس کے لئے یہ سزا ہے کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو قید میں ڈالا جائے اور اس طرح مارا جائے کہ اس کا جسم درد کرنے لگے۔

بَابُ الدِّيَاتِ

دیات کا بیان

دیت کے معنی اور اس کی قسمیں: ”دیات“ جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں ”مالی معاوضہ“ گویا ”دیت“ اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے! عنوان میں جمع کا لفظ ”دیات“ دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو مغفلہ کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔

دیت مغفلہ تو یہ ہے کہ چار طرح کی سواونٹیاں ہوں یعنی پچیس بنت مخاض (جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) پچیس بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہوں) پچیس حقہ (جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں) اور پچیس جذعہ (جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہوں) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دیت مغفلہ یہ ہے کہ تین طرح کی سواونٹیاں ہوں یعنی تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس مشنہ (جو پانچ سال کی ہو کر چھٹے سال میں لگی ہوں) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مغفلہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شبہ عمدہ کا مرتکب پایا گیا ہو۔

دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار (اشرافی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر اونٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سواونٹ دینے ہوں گے یعنی بیس ابن مخاض (وہ اونٹ جو ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطاء، یا قتل جاری مجرئی خطا اور یا قتل تسیب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

انگلی کاٹنے کی دیت

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ بَعْضُ الْخَنَصَرِ وَالْآبِهَامِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”یہ اور یہ یعنی آپ ﷺ نے سب سے چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ“ چھنگلیا اور انگوٹھا (دیت کے اعتبار سے) دونوں برابر ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کی تمام انگلیاں کاٹ دے تو چونکہ اس نے ایک انسان کو اس کی منفعت کے ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا اس لئے اس پر (بطور سزا) پوری دیت واجب ہوگی اس اعتبار سے ہر انگلی کاٹنے پر پوری دیت (یعنی سواونٹ) کا دسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ انگوٹھے اور چھنگلی کی دیت برابر ہے اگرچہ انگوٹھے میں دو گانٹھ اور چھنگلی میں تین گانٹھ ہوتی ہیں لیکن اصل منفعت میں دونوں انگلیوں کے مساوی ہونے کے اعتبار سے گانٹھ کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح کہ دائیں اور بائیں میں فرق نہیں ہوتا اور جب ہر انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا تو انگلی کی ہر گانٹھ کی دیت

میں اسی حساب کا اعتبار ہوگا کہ انگلی کی دیت میں دسویں حصہ کا تہائی دینا ہوگا اور انگوٹھے کی ہر ایک گانٹھ کی دیت میں دسویں حصہ کا آدھا دینا ہوگا کیونکہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتی ہیں اور انگلیوں میں تین تین گانٹھیں ہوتی ہیں۔

حمل کے بچہ کی دیت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لُحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بَغْرَةً عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغَرَّةِ تَوَفَّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَيْنِهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی لحيان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عاقلہ پر) غرہ واجب کیا تھا، اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت (کہ جس کے عاقلہ پر غرہ واجب کیا تھا) مر گئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پتھر اس کے پیٹ پر لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مر کر پیٹ سے باہر آ گیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عاقلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا، اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر بعد میں مرجاتا یا اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مرجاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔

غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے، ویسے فقہاء کے نزدیک ”غرہ“ سے دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔

”اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے“ میں عصبہ سے مراد عاقلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگرچہ اس کی دیت اس کے عاقلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں، اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے ورثاء میں صرف یہی لوگ موجود ہوں گے اس لئے انہی کا ذکر کیا گیا ورنہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو جیسا کہ اگلی حدیث کے الفاظ ورنہا ولدھا ومن معہم سے واضح ہے۔

پتھر کے ذریعہ ہونے والے قتل میں دیت واجب ہوگی

③ وَعَنْهُ قَالَ اقْتَتَلْتُ امْرَأَتَانِ مِنْ هُرَيْلَ فَرَمَتْ أَحَدَهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غَرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا وَرَثَتِهَا وَوَلَدِهَا وَمَنْ مَعَهُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ ہزہل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں چنانچہ ان میں سے ایک عورت نے دوسری کے پتھر کھینچ مارا جس سے وہ عورت بھی مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مقتولہ کے اس بچہ کی دیت جو اس کے پیٹ میں مر گیا غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام ہے، اور حکم فرمایا کہ مقتولہ کی دیت، قاتلہ کے خاندان و برادری والوں پر ہے نیز

آپ نے اس کی دیت کا وارث اس کے بیٹوں اور ان لوگوں کو بنایا جو بیٹوں کے ساتھ (وراثت میں شریک) تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں جو واقعہ گزرا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے اور اس حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے۔ پہلی حدیث میں تو یہ ذکر تھا کہ پھر مارنے سے عورت مر گئی تھی چنانچہ اس حدیث میں اس عورت کی وفات اور اس کی وفات کے بعد جو احکام نافذ ہونے لگے ان کا ذکر کرنا مقصود تھا اور اس حدیث میں اس عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو پتھر کی چوٹ کھانے کی وجہ سے مر گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا تھا چنانچہ یہاں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ پتھر کے ذریعہ کسی کو ہلاک کر دینا دیت کا موجب ہے نہ کہ قصاص کا، نیز یہ قتل عمد کی قسم سے نہیں ہے بلکہ شبہ عمد کی قسم سے ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے لیکن اس بارہ میں یہ حدیث چونکہ دوسرے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے وہ حدیث میں مذکورہ پتھر ”کو چھوئے پتھر“ پر محمول کرتے ہیں۔

(۴) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ مَرَاتَيْنِ كَانَتَا ضَرْبَتَيْنِ فَرَمَتْ أَحَدَهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ أَوْ عَمُودٍ فُسْطَاطٍ فَأَلْقَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ غُرَّةً عَبْدًا أَوْ أَمَةً وَجَعَلَهُ عَلَى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ هَذِهِ رَوَايَةُ التِّرْمِذِيِّ وَفِي رَوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتْ امْرَأَةً ضَرْبَهَا بِعَمُودٍ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلَى فَفَقَّتَلَتْهَا قَالَ وَاحِدُهُمَا لِحَيَاتِيَّةٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُولَةِ عَلَى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا فِي بَطْنِهَا۔

”اور حضرت مغیرہؒ کہتے ہیں دو عورتیں جو آپس میں سونکیں تھیں (ایک دن باہم لڑ پڑیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے دوسری کو (جو حاملہ تھی) پتھر یا خیمے کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ لہذا رسول کریم ﷺ نے پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم دیا اور دیت کو آپ نے مارنے والی عورت پر واجب کیا۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے۔ اور مسلمؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت مغیرہؒ نے کہا ”ایک عورت نے اپنی سون کو جو حاملہ تھی، خیمہ کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے وہ مر گئی (اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا) مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک عورت لیحان کے خاندان سے تھی (جو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے) مغیرہؒ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر واجب کی اور پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم فرمایا۔“

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ خیمے چوب سے عام طور انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عورت کو قتل عمد کا مرتکب قرار نہیں دیا گیا بلکہ شبہ عمد کا مرتکب گردانا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں پتھر اور چوب سے مراد چھوٹا پتھر اور چوب ہے جس سے عام طور کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

قتل خطاء اور شبہ عمد کی دیت

(۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِنْ دِيَةَ الْخَطَاءِ شَبَهَ الْعَمْدَ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَامَةِ مِنَ الْإِبِلِ مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بَطْنِهَا أَوْ لَدَاهَا۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَالْدارِمِيُّ وَرَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيحِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ۔

”حضرت عبداللہؓ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جاننا چاہئے کہ قتل خطاء جس سے مراد شبہ عمد ہے اور جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سواون ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹیاں بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں“

(نسائی، ابن ماجہ، داری) ابوداؤد نے اس روایت کو ابن عمرو اور ابن عمرو نوں سے نقل کیا ہے، نیز شرح السنہ میں یہ روایت ابن عمرؓ سے بالفاظ مصابیح نقل کی گئی ہے۔“

تشریح: یہ روایت بالفاظ مصابیح یوں ہے الا ان فی قتل العمد الخطاء بالسوط والعصاء مائة من الابل مغلظة منها اربعون خلقة فی بطونہا اولادھا یعنی جاننا چاہئے کہ قتل عمد خطاء جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سواونٹ دیت مغلظہ ہے جن میں چالیس اونٹنیاں ایسی بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ گویا اس روایت میں قتل عمد خطاء سے مراد قتل خطاشبہ عمد ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہوا۔

اس بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطاء محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلاً ہتھیار یا دھاردار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کر دے، یا پھاڑ ڈالے، اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھاردار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہو، یا ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو، اور قتل خطاء یہ ہے کہ کسی کو خطاء (یعنی بلا قصد قتل یا نشانہ کی خطاء سے) ہلاک کر دیا جائے۔ ان تینوں کا ذکر پچھلے صفحات (گزشتہ قسط) میں گزر چکا ہے اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ ”لاٹھی“ کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری، جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جاسکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لئے وہ ”لاٹھی“ کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو۔

بعض روایتوں میں ”دیت“ کے ساتھ مغلظہ کا لفظ بھی منقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصابیح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے، چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سواونٹ واجب ہوں جن کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح کے سواونٹ واجب ہوں ان کی تفصیل بھی ابتداء باب میں گزر چکی ہے لیکن قتل خطاء میں بالاتفاق دیت مغلظہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سواونٹ واجب ہوتے ہیں یعنی بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ۔

دیت مغلظہ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے، لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سائبؓ ابن یزید سے مروی ہے لہذا اہم نے متعین پر عمل کیا ہے۔

مختلف اعضاء جسم کی دیت

⑥ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانَ فِي كِتَابِهِ أَنْ مَنْ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتَلًا فَإِنَّهُ قَوْدِيدُهُ إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ وَفِيهِ أَنْ الرَّجُلُ يَقْتُلُ بِالْمَرْأَةِ وَفِيهِ فِي النَّفْسِ الدِّيَّةُ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَذْعُهُ الدِّيَّةُ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي الْأَسْنَانِ الدِّيَّةُ وَفِي الشَّقَتَيْنِ الدِّيَّةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَّةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَّةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَّةُ وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَّةُ وَفِي الرَّجْلِ وَاحِدَةٌ نِصْفُ الدِّيَّةِ وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ وَفِي الْحَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ وَفِي الْمُنْقَلَةِ خَمْسُ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي كُلِّ اصْبَعٍ مِنَ الْيَدِ وَالرَّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسُ مِنَ الْإِبِلِ رَوَاهُ

التَّسَانِي وَالْدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ وَفِي الْعَيْنِ خَمْسُونَ وَفِي الرَّجُلِ خَمْسُونَ وَفِي الْمُؤَصَّحَةِ خَمْسٌ -

”اور حضرت ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابوبکر کے دادا (حضرت عمرو ابن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اہل یمن کے پاس ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور قصاص کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے) الا یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ”جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون بہا میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے، اور ناک کی دیت (جب کہ وہ سب توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہونٹوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خضیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور پیٹھ کی ہڈی توڑے جانے کی پوری دیت ہے اور عضو خاص کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑ دینے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک پیر کاٹنے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس طرح مجروح کرنے پر کہ ہڈی اپنی جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر ہر دانت کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالکؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی نکل آئی ہو یا ظاہر ہو گئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔“

تشریح: ”جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر قتل عمد کے مرتکب کو مقتول کے وارث قصاص میں قتل نہ کرنا چاہیں بلکہ اس سے دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تب دیت واجب ہوگی لیکن قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کا مرتکب سرے سے قصاص کا سزاوار ہوتا ہی نہیں بلکہ اس پر صرف دیت واجب ہوتی ہے۔ دیت اونٹ کے ذریعہ بھی ادا کی جاسکتی ہے اور جن کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار اور جن کے پاس چاندی ہو وہ دس ہزار درہم کے ذریعہ بھی دیت کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں قیاس پر استکفا کرتے ہوئے چاندی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اگر اونٹ اور سونے کے علاوہ وہ چاندی کے ذریعہ دیت دی جائے تو وہ مقبول و محسوب نہیں ہوگی بلکہ مراد یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء اور قاتل کے درمیان جس چیز پر اتفاق ہو جائے اسی کو بطور دیت لیا دیا جائے جس کے پاس اونٹ ہوں اور وہ اونٹ دینا چاہے اس سے اونٹ لے لئے جائیں اور جو زر نقد دینا چاہے اس سے زر نقد لے لیا جائے۔

اس سلسلہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو درہم اور دینار کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا دیت میں درہم و دینار قبول کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر دینے والے کے پاس اونٹ موجود ہوں لیکن وہ زر نقد کی صورت میں دیت ادا کرنا چاہتا ہو تو اس سے زر نقد لینا جائز ہے لیکن حضرت شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی موجودگی میں زر نقد دے کر اونٹوں سے عدول نہ کیا جائے ہاں اگر طرفین راضی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

”اور دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کی بھی پوری دیت ہے“ طوطا رہے کہ قطع اعضاء (اعضاء جسم کو کاٹنے یا نقصان پہنچانے) کی دیت کے سلسلہ میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعضاء جسم کی جن منفعات بالکل ختم کر دی جائے یا ان کی موزونیت اور خوبصورتی کو بالکل زائل کر دیا جائے جو جسم انسانی میں مقصود ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا جانی نقصان ہے جسے انسانی

عظمت کی وجہ سے مکمل جانی نقصان کا درجہ دیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر اصل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان مخصوص اعضاء کی کہ جن کے نقصان سے انسان کے جمال و کمال میں فرق آجاتا ہے اور آدمی کی عظمت تخلیق مجروح ہوتی ہے، جیسے ناک، زبان اور آنکھیں وغیرہ ان کی پوری دیت دینے کا حکم فرمایا ہے، پھر اس اصل سے اور بہت سے فروعی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے شخص پر چار دیتیں واجب کی تھیں جس نے ایک شخص کو اگرچہ ایک ہی زخم پہنچایا تھا مگر اس ایک زخم کی وجہ سے اس کی عقل، اس کی سماعت، اس کی بصارت اور اس کی بول چال یعنی چاروں چیزیں زائل ہو گئی تھیں، نیز یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی داڑھی مونڈ ڈالے اور پھر وہ نکلے تو اس کی وجہ سے مونڈنے والے پر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے اپنی اس حرکت سے چہرہ انسانی کے جمال و موزونیت کو ختم کر دیا، اسی طرح سر کے بالوں کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

④ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِحِ خُمْسًا خُمْسًا مِنَ الْأَيْلِ وَفِي الْأَسْنَانِ خُمْسًا خُمْسًا مِنَ الْأَيْلِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ وَأَبْنُ مَاجَةَ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ -

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے پانچ پانچ اونٹ ہیں اور دانتوں کی (یعنی ہر دانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے (اس حدیث کا) پہلا جزو (یعنی جس میں زخموں کی دیت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے۔“

تشریح: اگر یہ سوال پیدا ہو کہ جب سب دانتوں کی پوری دیت سوا اونٹ ہیں تو ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ کیسے ہوئے کیونکہ سب دانتوں کی تعداد بتیس یا اٹھائیس ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے ایک دانت کی دیت تو کچھ زیادہ تین اونٹ ہونی چاہئے؟ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شارع نے جتنے احکام نافذ کئے ہیں عقل ان سب کا ادراک و احاطہ کر لے بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں عقل کے دخل کا کام نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ شارع کا بس یہ حکم دے دینا ہی کافی اور واجب العمل ہونے کی معقول ترین وجہ ہے، ہاں دیت ہی کے بارہ میں بعض صورتیں ایسی ہیں جو حکم شارع کے بھی مطابق ہیں اور عقلی بھی ہیں جیسے آنکھوں کی دیت کا معاملہ ہے کہ دونوں آنکھوں کی دیت پوری ہے اور ایک آنکھ کی دیت آدھی ہے حاصل یہ کہ ہر حکم اور ہر مسئلہ کی بنیاد بس شارع کا حکم ہے جو بھی حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ہی عقل کا سب سے بڑا تقاضہ ہونا چاہئے۔

دیت کے اعتبار سے انگلیاں برابر ہیں

① وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی سب انگلیوں کو مساوی قرار دیا ہے (یہاں تک کہ انگوٹھے اور چنگلیاں کو بھی ایک دوسرے کے برابر قرار دیا ہے، اگرچہ گانٹھوں کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے)۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْأَسْنَانُ سَوَاءٌ وَالْثَنِيَّةُ وَالضَّرْسُ سَوَاءٌ هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (دیت کے اعتبار سے) تمام انگلیاں برابر ہیں اور تمام دانت برابر ہیں (اگرچہ بعض دانت بڑے ہیں اور بعض دانت چھوٹے ہیں) اور آگے کے دانت اور داڑھیں برابر ہیں (اگرچہ داڑھیں آگے کے دانتوں سے بڑی ہیں مگر دیت دونوں کی برابر ہے) نیز آپ نے انگوٹھے اور چنگلیاں کی طرف سے اشارہ کر کے بتایا کہ (یہ اور یہ برابر ہیں)۔“ (ابوداؤد)

ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے

⑩ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا شِدَّةَ الْمُؤْمِنُونَ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيزُ عَلَيْهِمْ أَذْنَاهُمْ وَيُزِدُّ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ يَزِدُّ سَرَايَاهُمْ عَلَى قَعِيدَتِهِمْ لَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ دِيَّةَ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَّةِ الْمُسْلِمِ لَا حِلْبَ وَلَا جَنْبَ وَلَا تَوْخَذَ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي ذُورِهِمْ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ دِيَّةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَّةِ الْحُرِّ - (رواه البوداذ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس (میں حمد و ثناء) کے بعد فرمایا کہ ”لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد و قسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا، اس کو اسلام مضبوطی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو) تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو پھیلانے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنیٰ ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے، اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار) کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص سن لیں کہ) زکوٰۃ کے مویشیوں کو نہ کھنچوا منگایا جائے اور (زکوٰۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) اپنے مویشیوں کو کہیں دور لے کر نہ چلے جائیں، (زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ) زکوٰۃ ان کے گھروں پر ہی لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے۔“ - (البوداذ)

تشریح: لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ اصل میں ”حلف“ کے معنی ہیں ”عہد کرنا، عہد باندھنا“ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ لیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے لڑائی جھگڑے کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی، اور اگر کسی معاملہ میں ایک پر کوئی تاوان واجب ہوگا تو دوسرا تاوان کو ادا کرے گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ کے ذریعہ اس قسم کی عہد و پیمان سے منع کیا کہ یہ ایک خالص غیر منصفانہ اور غیر معقول رواج ہے جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن زمانہ جاہلیت ہی میں عہد و پیمان کی ایک یہ بھی صورت ہوتی تھی کہ لوگ آپس میں اس بات کا عہد کرتے تھے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں گے، قراہنداروں سے حسن سلوک کریں گے اور انسانی حقوق کی حفاظت و تائید کریں گے۔ یہ عہد و پیمان چونکہ سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے باہمی محبت و موانست اور انسانی بہبود و بھلائی کے لئے ایک بہترین صورت تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے مَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْإِسْلَامِ کے ذریعہ اس کو اسلام میں بھی جائز رکھا۔

يُزِدُّ سَرَايَاهُمْ عَلَى قَعِيدَتِهِمْ یہ دراصل پہلے جملہ وَيُزِدُّ عَلَيْهِمْ وَأَقْصَاهُمْ کا بیان اور وضاحت ہے، اس عبارت کی تشریح کتاب القصص کی دوسری فصل میں حضرت علیؓ کی روایت کے تحت کی جا چکی ہے اسی طرح لَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ کی وضاحت بھی اسی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

”کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے“ یہ حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی دلیل ہے، حضرت امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث (یعنی تہائی) ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی طرح پوری دیت ہے۔ ملحوظ رہے کہ یہ ساری بحث ذمی کافر کے بارہ میں ہے حربی کافر کی کوئی دیت نہیں ہے۔

ہے۔ ہدایہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہر ذی کی جس سے اسلامی مملکت کا معاہدہ ہو، جب تک کہ وہ معاہدہ باقی ہے اس کی دیت ایک ہزار دینار ہیں۔ ”اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق رہا ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس کو نصف کر دیا گیا۔ ہدایہ نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذی اسی لئے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ و مامون ہے، گویا صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اصل یہی ہے کہ ذی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہو۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ان مشہور و مستند ترین آثار و اقوال کے معارض نہیں ہو سکتا۔

لا جالب ولا جنب کے متعلق کتاب الزکوٰۃ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے، یہاں بھی اجمالی طور پر انتہائی سمجھ لیجئے کہ ”جلب“ کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا مویشیوں کی زکوٰۃ لینے کے لئے جائے تو وہ کسی ایسی جگہ مقام کرے جو مویشیوں کے مالکوں کے مکانات سے دور ہو اور ان کو حکم دے کہ اپنے اپنے جانور لے کر اس کے پاس حاضر ہوں۔ ”جنب“ کے معنی یہ ہیں کہ مویشیوں کے مالک اپنے اپنے مویشی لے کر زکوٰۃ وصول کرنے والے کی قیام گاہ سے دور چلے جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ کے مویشی حاصل کرے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں باتوں سے منع فرمایا کیونکہ پہلی صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو تکلیف ہوگی اور دوسری صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والا تکلیف و مشقت میں مبتلا ہوگا۔

لَا يُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمُ الْخِ رَاصِلَ جَلْبٍ وَلَا جَنْبٍ کی توجیہ و تاکید کے طور پر ہے۔

قتل خطاء کی دیت

⑪ وَعَنْ حُشَفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَاءِ عَشْرِينَ بَنَاتٍ مَخَاضٍ وَعَشْرِينَ ابْنِ مَخَاضٍ ذُكُورٍ وَعَشْرِينَ بَنَاتٍ لَبُونٍ وَعَشْرِينَ جَذَعَةً وَعَشْرِينَ حَقَّةً۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ وَحُشَفٍ مَجْهُولٌ لَا يَعْرِفُ إِلَّا بِهَذَا الْحَدِيثِ وَرَوَى فِي شَرْحِ السُّنَنِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَّى فِتِيلَ خَيْبَرٍ بِمِائَةِ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَلَيْسَ فِي أَسْنَانِ إِبِلِ الصَّدَقَةِ ابْنُ مَخَاضٍ إِنَّمَا فِيهَا ابْنُ لَبُونٍ۔

”اور حضرت حشف ابن مالکؓ، حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا ”رسول کریم ﷺ نے قتل خطاء کی دیت یہ مقرر فرمائی کہ بیس اونٹیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹ وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگے ہوں، اور بیس اونٹیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹیاں وہ ہوں جو پانچویں سال میں لگی ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اس حدیث کے بارہ میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول ہے اور (اس کے راوی) حشف ایک غیر معروف راوی ہیں جو صرف اس حدیث کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں (یعنی اس کے علاوہ اور کوئی روایت ان سے منقول ہی نہیں) بخوبی نے شرح السنۃ میں یوں نقل کیا ہے کہ ”رسول کریم ﷺ نے اس شخص کی دیت میں کہ جو خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا (اور جس کا تفصیلی واقعہ باب القنات میں بیان ہو گا) زکوٰۃ میں آئے ہوئے اونٹوں میں سو اونٹ دیئے تھے اور زکوٰۃ کے ان اونٹوں میں کوئی اونٹ ایک سال کا نہیں تھا بلکہ دو دو سال کے تھے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء کی دیت میں جو سو اونٹ دیئے جائیں وہ پانچ طرح کے ہونے چاہئیں، چنانچہ اس بارہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ان کی تقسیم میں البتہ اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں تو وہ سو اونٹ اس طرح کے

دیئے جاتے ہیں جس طرح اس حدیث میں مذکور ہیں، لیکن امام شافعیؒ کے مسلک میں اتنا سافرق ہے کہ بیس ابن مخاض (پورے ایک سال کے بیس اونٹ) کی بجائے بیس ابن لبون (پورے دو سال کے بیس اونٹ) ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے چنانچہ شوافع کی طرف سے اس حدیث میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا جواب ملا علی قاری نے بڑی عمدگی سے دیا ہے اہل علم ان کی کتاب ”مرقات“ میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے جوابات کے خلاصہ کے طور پر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ شخص کی جو دیت دی تھی وہ بطریق وجوب یا بطور حکم نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے محض ازراہ احسان دی تھی۔ آخر میں بغویؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کا مقصود پہلی روایت کی تردید ہے جس میں ابن مخاض کا اثبات ہے اور بغویؒ کی روایت میں ابن لبون کا اثبات ہے اور گویا یہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے، ملا علی قاری نے اس کا جواب بھی بڑی عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔

دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے

(۱۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَتْ قِيَمَةُ الدِّيَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِ مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ ثَمَانِيَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ أَهْلِ الْكِتَابِ يَوْمَئِذٍ نِصْفُ مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِينَ قَالَ فَكَانَ كَذَلِكَ حَتَّى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ خَطِيبًا فَقَالَ إِنَّ الْأَبْلَّ قَدْ غَلَتْ قَالَ فَقَرَضَهَا عُمَرُ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفَ دِينَارٍ وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا وَعَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْنِ بَقْرَةً وَعَلَى أَهْلِ الشَّاءِ أَلْفَى شَاةً وَعَلَى أَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْنِ حُلَّةً قَالَ وَتَرَكَ دِيَةَ أَهْلِ الدِّمَةِ لَمْ يَزِ فَعَهَا فِيمَا زَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دیت (دیت کے سو اونٹوں) کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، نیز اس زمانہ میں اہل کتاب (یعنی عیسائی اور یہودی) کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف تھی۔ ان کے دادا کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ ہونے تک اسی کے مطابق عمل در آمد ہوتا رہا۔ چنانچہ عمرؓ (خلیفہ ہونے کے بعد) خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ”اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے“ راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) حضرت عمرؓ نے جو دیت مقرر کی تھی اس کی تفصیل یہ ہے، سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بکری کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑوں (کی تجارت کرنے) والوں پر دو سو جوڑے۔ راوی نے کہا کہ ”حضرت عمرؓ نے ذمیوں کی دیت جوں کی توں قائم رکھی تھی (یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ذمیوں کی دیت چار ہزار درہم تھی حضرت عمرؓ نے اسی کو برقرار رکھا) اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جیسا کہ اور دیتوں میں اضافہ ہوا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے، چنانچہ دیت میں سونا اور چاندی کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں سو اونٹ کی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی تھی، اسی لئے قول جدید کے مطابق شافعی مسلک یہ ہے کہ اختلاف قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کی مقدار میں فرق ہو سکتا ہے۔

ابن ملک کہتے ہیں کہ کپڑے کے جوڑے سے مراد ایک تہبند اور ایک چادر ہے۔

”اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا“ الخ کے بارہ میں طبریؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر ہوئی اور ذمی کی دیت وہی رہی جو پہلے تھی یعنی چار ہزار درہم تو اس اعتبار سے ایک ذمی کی دیت، ایک مسلمان کی دیت کا ثلث (تہائی) ہوئی۔

چنانچہ اس سے شوافع اور ان کے ہمنوا یہ استدلال کرتے ہیں کہ ذمی کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں ذمی کی وہی دیت ہے جو مسلمان کی ہے۔

شہنیؒ نے کہا ہے کہ (اس بارہ میں جو فقہی مسئلہ ہے اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے کہ) سونے کی دیت ایک ہزار دینار، چاندی کی دیت دس ہزار درہم اور اونٹ کی دیت سواونٹ ہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک چاندی کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں۔

امام شافعی کی مستدل حدیث

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَّةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا - (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے بارہ ہزار درہم کی دیت مقرر فرمائی۔“ (ترمذی، البوداؤد، نسائی، دارمی)

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُ دِيَّةَ الْخَطَاءِ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى أَرْبَعِ مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ عِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ وَيُقَوِّمُهَا عَلَى اثْمَانِ الْإِبِلِ فَإِذَا غَلَّتْ رَفَعَ فِي قِيمَتِهَا وَإِذَا هَاجَتْ رَخَّصَ نَقْصَ مِنْ قِيمَتِهَا وَبَلَغَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَرْبَعِ مِائَةِ دِينَارٍ إِلَى ثَمَانِ مِائَةِ دِينَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةُ أَلْفٍ دِرْهَمٍ قَالَ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتِي بَقْرَةٍ وَعَلَى أَهْلِ الشَّاءِ أَلْفِي شَاةٍ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَقْلَ مِيرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيلِ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَقْلَ الْمَرْأَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا - (رواہ البوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ بستیوں والوں پر قتل خطاء کی دیت چار سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی چاندی کے چار ہزار درہم) مقرر فرماتے اور یہ مقدار اونٹوں کی قیمت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ جب اونٹوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی اضافہ کرتے تھے اور جب اونٹوں کی قیمت میں کمی واقع ہوتی تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی کمی کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دیت کی مقدار چار سو دینار سے اٹھ سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (چاندی کے اٹھ ہزار درہم) تک رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ ”اور رسول کریم ﷺ نے گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں (بطور دیت) مقرر فرمائی تھیں۔ نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیت کا مال مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت کی دیت اس کے عصباء پر ہے اور قاتل (نے اگر اپنے مورث ہی کو قتل کیا ہے تو وہ) مورث کی وراثت سے محروم رہے گا (نہ اسے مقتول کی دیت میں سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ وہ اس کے ترکے میں سے کسی چیز کا حقدار ہوگا)۔“ (البوداؤد، نسائی)

تشریح: طبیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے یعنی دیت اصل میں تو اونٹ ہی کی صورت میں اور اس کی مذکورہ تعداد میں واجب ہوگی جیسا کہ قول جدید کے مطابق امام شافعی کا مسلک ہے۔

”عورت کی دیت اس کے عصباء پر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جنایت کی مرتکب ہوئی اور اس نے کسی کو مارا تو اس کی دیت اس کے عصباء یعنی اس کے مددگار اور خاندان والوں پر ہوگی جیسا کہ مرد کے بارے میں حکم ہے گویا یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس بارہ میں عورت غلام کے مانند نہیں ہوگی کہ جس طرح غلام کی دیت خود اس پر واجب ہوتی ہے اس کے عصباء پر واجب نہیں ہوتی۔ اس طرح عورت کی دیت خود اس پر واجب نہیں ہوگی بلکہ اس کے عصباء پر واجب ہوگی۔

قتل شبہ عمد کے مرتکب کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلٌ شَبِهُ الْعَمْدِ مُعْلَظٌ مِثْلُ عَقْلٍ

الْعَمْدُ وَلَا يَفْتُلُ صَاحِبُهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنی والدہ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی طرح سخت ہے لیکن شبہ عمد کے مرتکب کو قتل نہ کیا جائے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بطریق شبہ عمد قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا یہ بات اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کے مطابق قتل شبہ عمد کا مرتکب قتل عمد کے مرتکب کے مشابہ ہو تو چاہئے کہ جس طرح قتل عمد کے مرتکب کو سزا موت دی جاتی ہے اسی طرح شبہ عمد کا مرتکب بھی سزا موت کا مستوجب ہو لہذا اس شبہ کو دور کر دیا گیا کہ اس مشابہت کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس کو قصاص میں قتل بھی کیا جائے۔

زخم خوردہ آنکھ کی دیت

(۱۶) وَعَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَةِ لِمَكَانِهَا بَثْلُ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسی آنکھ کے بارے میں کہ جو (زخمی ہونے کے بعد) اپنی جگہ باقی رہے لیکن روشنی سے محروم ہو جائے یہ حکم فرمایا کہ اس کی دیت (پوری دیت کا) ثلث (تہائی) ہے۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی آنکھ کو زخم پہنچایا گیا اور اس کی وجہ سے روشنی جاتی رہی مگر آنکھ اپنی جگہ سے باہر نہیں آئی اور اس کے چہرہ کو موزونیت و جمال میں کوئی خلل نہیں پڑا تو زخم پہنچانے والے پر تہائی دیت واجب ہوگی اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دونوں آنکھ کے تلف ہو جانے کی صورت میں پوری دیت (کہ جس کی مقدار سوا سوٹ ہے) واجب ہوگی اور اگر ایک آنکھ تلف ہوگی تو نصف دیت واجب ہوگی۔

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں زخم خوردہ آنکھ کی دیت تہائی ہے اور بعض علماء کا مسلک بھی یہی ہے لیکن بعض علماء اس صورت میں عدل کی ”حکومت“ کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ زخم پہنچانے کی یہ وہ صورت ہے جس میں منفعت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی لہذا اس کی دیت بھی اس شخص کی ہونی چاہئے جس کو مارا گیا ہو اور اس مارکی وجہ سے (نہ تو اس کا کوئی عضو تلف ہوا ہو، اور نہ کوئی زخم پہنچا ہو) بلکہ اس کے بدن کا رنگ سیاہ ہو گیا ہو۔

”حکومت“ دیت کے بارے میں ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرض کیجئے جو شخص زخمی ہوا ہے اگر وہ غلام ہوتا تو اس زخم کی وجہ سے اس کی قیمت میں سے کسی قدر کمی واقع ہو جاتی پس اسی قدر اس شخص کی دیت زخمی کرنے والے پر واجب ہوگی لہذا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ”حکومت“ پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے یہاں تہائی دیت کا جو حکم فرمایا ہے وہ بطریق حکومت ہے نہ بطریق قاعدہ کلیہ۔

تورپشتی نے اس حدیث کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَبْنِ بِغَرَّةِ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ أَوْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلٍ۔ وَوَأَهْ أَبُودَاؤُدَ وَقَالَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَخَالِدُ الْوَاسِطِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ

بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَذْكُرْ أَوْ فَرَسٍ أَوْ بَعْلٍ-

”اور حضرت محمد ابن عمرو، حضرت ابو سلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حاملہ کے) پیٹ کے بچہ کا خون بہا غرہ مقرر فرمایا۔ اور غرہ سے مراد ایک لونڈی یا ایک غلام یا ایک گھوڑا یا ایک خچر ہے۔ ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت کو حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے نقل کیا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھی لفظ فرس اور بعل (یعنی گھوڑا اور خچر) ذکر نہیں کیا ہے (لہذا اس روایت میں فرس اور بعل کا اضافہ شاذ ہے اور بایں اعتبار یہ حدیث ضعیف ہے)۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یوں تو ”غرہ“ نہایت نفیس چیز کو کہتے ہیں لیکن اس باب میں اس لفظ کا اطلاق ”انسان“ پر بایں طور اعتبار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس حدیث میں ”غرہ“ کے مفہوم میں ”فرس اور بعل“ کو شامل کرنا راوی کا اپنا دھم ہے۔ کیونکہ غرہ کا اطلاق صرف اس انسان پر ہوتا ہے جو کسی کا مملوک ہو یعنی غلام یا لونڈی۔

جعلی طبیب اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا

①۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرے در آنحالیکہ اس کا طبیب ہونا معلوم نہ ہو (یعنی وہ فن طب میں کوئی مہارت نہ رکھتا ہو) اور پھر کوئی اس کے ہاتھ سے مر گیا۔ تو وہ ضامن ہوگا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علم طب سے کوراہو اور اس کے قواعد و فن سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے باوجود وہ کسی مریض کا علاج کرے اور علاج خواہ ہاتھ کے ذریعہ کرے جیسے فصد کھولے یا آپریشن وغیرہ کرے اور خواہ کرنے کے ذریعہ کرے تو اگر وہ مریض مر جائے گا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ جعلی حکیم یا ڈاکٹر ضامن ہوگا۔ یعنی اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی مگر اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ بہر حال خود اس مریض کی اجازت اور اس کی رضامندی ہی سے اس نے اس کا علاج کیا ہوگا۔

دیت کی معافی کا ایک واقعہ

①۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ غُلَامًا لَأَنَاسٍ فَقَرَاءَ قَطْعَ أُذُنٍ غُلَامٍ لِأَنَاسٍ أَغْنِيَاءَ فَأَتَى أَهْلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّا أَنَا شُ فَقَرَاءَ فَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے جو مفلس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ ڈالا جو ایک دولت مند خاندان سے تھا، چنانچہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا، اس کے خاندان والے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم محتاج و مفلس ہیں (لہذا ہم پر دیت مقرر نہ کی جائے) رسول کریم ﷺ نے (ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے) ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر کسی لڑکے سے کوئی جنایت (یعنی کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچانے کا کوئی قصور) سرزد ہو جائے تو ”اختیار صحیح“ کے فقدان کی وجہ سے وہ جنایت خطائی کے حکم میں ہوتی ہے اور اس کا تاوان لڑکے کے عاقلہ (یعنی اس کے خاندان و برادری والوں پر واجب ہوتا ہے۔

اس لئے اگر کوئی لڑکا کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قاعدہ کے اعتبار سے لڑکے کے عاقلہ پر تاوان واجب ہونا چاہئے تھا لیکن لڑکے کے عاقلہ چونکہ غریب و مفلس تھے اور غریب و مفلس کسی تاوان کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے رسول کریم ﷺ نے کان کاٹنے والے لڑکے کے خاندان والوں پر کوئی دیت واجب نہیں فرمائی۔

حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا وہ ”آزاد“ تھا کیونکہ وہ غلام ہوتا تو اس کی جنایت و دیت خود اس کی ذات کے ساتھ متعلق کی جاتی اور اس کے مالکوں کا فقیرو مفلس ہونا اس کے وجوب کو اس کی ذات سے ختم نہ کرتا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قتل شبه عمد اور قتل خطاء کی دیت

(۲۰) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ دِيَّةُ شَبِّهِ الْعَمْدِ اثْلَاثًا ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ حَقَّةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ نَبِيَّةً إِلَى بَازِلٍ عَامِيهَا كُلُّهَا خَلَفَاتٌ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاءِ أَرْبَاعًا خَمْسٌ وَعِشْرُونَ حَقَّةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ نَبَاتٌ لَبُونٌ وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ نَبَاتٌ مَخَاضٍ - (رواہ البوداذر)

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل شبه عمد کی دیت میں (سو) اونٹیاں دینی واجب ہیں بائیں تفصیل تینتیس اونٹیاں وہ ہوں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور پونتیس اونٹیاں وہ جو چھٹے برس میں لگی ہوں اٹھ برس تک وہ جو نویں برس میں لگی ہوں اور سب حاملہ ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؑ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل خطاء کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹیاں دینی واجب ہیں، بائیں تفصیل کہ پچیس وہ ہوں جو تین تین برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو چار برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو دو دو برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو ایک ایک برس کی ہوں۔“ (البوداذر)

(۲۱) وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَضَى عُمَرُ فِي شَبِّهِ الْعَمْدِ ثَلَاثِينَ حَقَّةً وَثَلَاثِينَ جَذَعَةً وَأَرْبَعِينَ خَلْفَةً مَا بَيْنَ ثَبِيَّةٍ إِلَى بَازِلٍ عَامِيهَا - (رواہ البوداذر)

”اور حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل شبه عمد کی دیت میں تیس اونٹیاں تین تین برس کی اور تیس اونٹیاں چار چار برس کی اور چالیس اونٹیاں حاملہ جو پانچ برس کی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے)۔“ (البوداذر)

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۲۲) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي الْجَنِينِ يُقْتَلُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ بِغَرَّةٍ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ فَقَالَ الَّذِي قَضَى عَلَيْهِ كَيْفَ أَغْرَمَ مَنْ لَا شَرَبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهْلَ وَمِثْلَ ذَلِكَ يُطْلَقُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هَذَا مِنْ أَخَوَانِ الْكُهَّانِ زَوَاهُ مَالِكٌ وَالتَّسَائِي مُرْسَلًا وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا -

”اور حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پیٹ کے اس بچہ کی دیت جو مارا جائے ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی مقرر فرمائی۔ ”جس شخص پر یہ دیت واجب کی گئی تھی اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا تاوان کس طرح بھروں جس نے کوئی چیز پی اور نہ کھائی ہو اور نہ بولا نہ چلایا، اس قسم کا قتل تو ساقط کیا جاتا ہے“ رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کی یہ بات سن کر حاضرین سے) فرمایا کہ ”اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ یہ شخص کا ہنوں کا بھائی ہے۔“ (امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے تو اس روایت کو بطریق ارسال (یعنی راوی

صحابی کا ذکر کے بغیر نقل کیا ہے لیکن ابو داؤد نے حضرت سعیدؓ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”کاہن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کی غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ لوگوں کو فریفتہ کرنے کے لئے اپنی جھوٹی اور غلط باتوں کو مسجع اور مقفی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ حدیث میں مذکورہ شخص نے بھی چونکہ اپنے ایک غلط خیال کو بڑے مسجع اور مقفی الفاظ کے ذریعہ پیش کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے اس کو کاہنوں کا بھائی فرمایا ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے مطلق مسجع و مقفی عبارتیں بذات خود مذموم نہیں ہیں بلکہ انسان کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور قابلیت کا پرتو ہوتی ہیں چنانچہ خود رسول کریم ﷺ کا انداز بیان اور آپ کا کلام بڑی مسجع و مقفی عبارتوں سے مزین ہوتا تھا۔ بطور خاص آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے الفاظ کی جامعیت مسجع و مقفی عبارتوں کی بہترین مثال ہیں جیسے یہ دعا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ الْخِ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو اور اس قلب سے جو ترساں نہ ہو الخ حاصل یہ کہ وہ مسجع عبارت مذموم ہے جو بے تکلف زبان و قلم سے ادا ہو اور جس کا مقصد باطل کو رواج دینا ہو جیسا کہ مذکورہ شخص نے کہا۔

غشیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں فقہی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حاملہ کے پیٹ پر مارے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر باہر آجائے تو اس کی دیت میں غرہ یعنی پانچ سو درہم مارنے والے کے عاقلہ پر واجب ہوں گے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے ”غرہ“ سے مراد پانچ سو درہم لئے ہیں اور وہ اس لئے کہ اکثر روایتوں میں غرہ کی توضیح یہی کی گئی ہے اور اگر حاملہ کے پیٹ مارنے کی وجہ سے زندہ بچہ باہر آجائے اور پھر مرجائے تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی۔

بَابُ مَا لَا یُضْمَنُ مِنَ الْجَنَایَاتِ

جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب نہیں ہوتا ان کا بیان

”جنایات“ جمع ہے جنایت کی۔ جنایت کے معنی ہیں ”قصور کرنا، جرم کرنا“ اس سے قبل وہ ابواب گزرے ہیں جن میں جنایات کی سزائیں تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث گزری ہیں، اس باب کا مقصد جنایات کی ان صورتوں کو بیان کرنا ہے جن میں معاوضہ اور تاوان واجب نہیں ہوتا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جانور کے مارنے، کان میں دب جانے اور کنویں میں گر پڑنے کا کوئی تاوان نہیں

① عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَجَمَاءُ جُرْ حُفَّاءُ جُبَارًا وَالْمَعْدِنُ جُبَارًا وَالْبُئْرُ جُبَارًا۔

(مشق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (چوپایوں کا زخمی کر دینا معاف ہے، کان میں دب جانا بھی معاف ہے، اور کنویں میں گر پڑنا بھی معاف ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کسی کا جانور کسی آدمی کو اپنے پاؤں سے روندے یا کسی کو سینگ یا دم مار کر یا منہ سے کاٹ کر زخمی کر دے اور وہ آدمی مرجائے یا جو جانور کسی چیز کو نقصان و ضائع کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے بشرطیکہ اس جانور کے ساتھ کوئی آدمی نہ ہو، ہاں اگر جانور کے ساتھ کوئی ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا اس جانور پر کوئی سوار ہو اور اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہو گئی ہو تو اس صورت میں اس جانور کے ساتھ جو بھی آدمی ہو گا اس پر تاوان واجب ہو گا۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جانور نے دن میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوگا لیکن اگر جانور نے رات میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے مثلاً کسی کاکھیت چر گیا یا کسی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ رات میں جانوروں کی نگہبانی ان کے مالکوں پر لازم ہے اور دن میں اپنے کھیت و باغات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں پر لازم ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ (جانور سے کسی چیز کا نقصان ہو جانے کی صورت میں) جانور کو ہانکنے والے پر اسی چیز کا تاوان واجب ہوگا جو جانور کے ہاتھوں اور پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے، اور جو شخص جانور کو پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جا رہا ہو وہ اس چیز کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا جو جانور کے پیروں کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ہاتھوں کے ذریعہ نقصان ہوئی ہے، اور اگر کسی ایسے جانور نے کسی چیز کو ضائع کیا ہے جس پر کوئی شخص سوار ہو تو اس سوار پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو اس جانور کے ہاتھ یا پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے۔ نیز اگر نقصان کرنے والا کوئی جانور ہو جس کے ساتھ اس کو ہانکنے والا بھی ہو اور اس پر کوئی سوار بھی ہو بھی ہو تو اس نقصان کا تاوان دونوں پر واجب ہوگا۔

”کان میں دب جانا معاف ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھدی ہوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور پھر کان میں بیٹھ جائے جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جائے تو اس شخص پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا جس نے کان کھودی ہے یا کسی مزدور کو کان کھودنے کے لئے اجرت پر لگایا اور اتفاق سے وہ مزدور کان میں دب کر مر گیا تو کان کے مالک پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا یہ دوسری نوعیت صرف کان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم اجارہ (مزدوری) کی دیگر صورتوں میں بھی نافذ ہوگا جب کہ پہلی نوعیت صرف اس صورت سے متعلق ہے جو حدیث کے آخری جزو البئر جبار (کنوئیں میں گر پڑنا معاف ہے) کے مطابق ہو چنانچہ ”کنوئیں میں گر پڑنا معاف ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی اور مباح زمین میں کنواں کھودا اور پھر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

مدافعت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا

(۲) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمِيَّةَ قَالَ عَزَّوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِي أَجِيرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَقُضِيَ أَخْذُهُمَا يَدُ الْأَخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْصُوضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِ فَأَنْذَرَ نَيْبَتَهُ فَسَقَطَتْ فَأَنْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ نَيْبَتَهُ وَقَالَ أَيْدُ عِيْدَهُ فِي فِينِكَ تَقْضِيهَا كَالْفَحْلِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ (غزوہ تبوک کے) صبر آزمائش کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (جہاد میں) شریک تھا، میرے ساتھ ایک نوکر بھی تھا، چنانچہ وہ (کسی بات پر) ایک شخص سے لڑ پڑا اور ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ کھایا مگر اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے (اس طرح) کھینچا کہ اس کے دانت جھڑ کر گر پڑے۔ وہ شخص کہ جس کے دانت گر پڑے تھے (دادری کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (تاکہ آپ ﷺ اس کے حق میں فیصلہ کریں) لیکن آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا کوئی تاوان واجب نہیں کیا اور اس سے فرمایا کہ وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ اس کو اسی طرح چبائے رہتے جس طرح اونٹ چباتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا“ اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا تاوان واجب نہ کرنے کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص کی وجہ سے تمہارے دانت ٹوٹ کر گرے ہیں وہ اس مدافعتی کارروائی پر مجبور تھا کہ اس نے دراصل اپنا ہاتھ چبانے کے لئے تمہارے منہ سے کھینچا۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے بدکاری

کرنا چاہے اور وہ عورت اپنی آبرو بچانے کے لئے اس پر حملہ کرے جس کے نتیجہ میں وہ مرد ہلاک ہو جائے تو اس کی وجہ سے عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ آیا کہ ایک لڑکی (کہیں جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے منہ کالا کرنا چاہا، لڑکی نے اپنی آبرو خطرہ میں دیکھ کر ایک پتھر اٹھایا اور اس شخص کے کھینچ مارا جس سے وہ مر گیا، حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ ”یہ قتل (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے (کہ اس نے اس شخص کو سزا دے کر ایک پاک دامن لڑکی کی عصمت کو محفوظ رکھا) لہذا خدا کی قسم اس کی کوئی دیت نہیں دلوائی جائے گی“ حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کا مال لوٹنے، خوں ریزی کرنے اور اس کے گھر والوں کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اس قسم کا ارادہ کرنے والے اور قتل کرنے والے کی مدافعت کرنا جائز ہے، لہذا پہلے تو یہ چاہئے کہ ایسے شخص کو انسانیت کے ساتھ اس کے ارادہ و فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے لیکن اگر وہ اپنے ارادہ قتل و قاتل سے باز نہ آئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس کو مار ڈالا جائے تو اس کا خون معاف ہوگا۔

اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مال کے لئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال و اسباب کی حفاظت کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شہید ہے یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ أَخْذَ مَالِي قَالَ فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ قَالَ

أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي قَالَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلْتَهُ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (جناب رسالتؐ آپ میں حاضر ہو کر) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے بتائیے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال (زبردستی) لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالے کر دوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں تم اس کو اپنا مال نہ دو“ اس نے عرض کیا ”یہ بتائیے اگر وہ مجھ سے لڑ پڑے (تو کیا کروں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم بھی اس سے لڑو“ اس نے عرض کیا ”بتائیے اگر اس نے مجھے مار ڈالا آپ نے فرمایا تم شہید ہو گے دریافت کیا اگر وہ مر جائے (تو اس کا کیا حشر ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا (اور تم پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا)۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث مسلمانوں کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو بچانے کے لئے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کے نام لیواؤں کے شعور یہ احساس جاگزیں کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے مقابلہ میں کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دے جو اس کے مال کو لوٹنا چاہتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے، بلکہ ایک مسلمان کو ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی جو طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ آور اور فساد کی پوری مردانگی سے مقابلہ کرے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر شہادت کا مرتبہ حاصل کرے یا اس حملہ آور فساد کی کو ختم کر کے اس کو جہنم رسید کر دے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قاتل و فسادی مسلمان بھی ہو تو اس کی مدافعت کرنا اور اس مدافعت میں اس کو ہلاک کر دینا مباح ہے۔

گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کر دینا معاف ہے

⑤ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَظْلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْذِنْ لَهُ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَقَطَّاتٌ عَيْنُهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر (تمہارا دروازہ بند ہو اور اس کی دروازہ میں سے) کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے در انحالیکہ تم نے اس کو (گھر میں آنے کی) اجازت نہیں دے رکھی ہے اور تم اس کے کنکری مارو اور اس کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ (تاوان) نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے ایسے شخص پر سے آنکھ کے تاوان کو ساقط کیا ہے جب کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تاوان واجب ہوگا، انہوں نے اس حدیث کو مبالغہ اور سخت تنبیہ پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا أَظْلَعَ فِي جُحْرِ فِي بَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرَى يَحْكُ بِهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَوْ أَعْلَمَ أَنَّكَ تَنْظُرُنِي لَطَعْتُ بِهِ فِي عَيْنَيْكَ إِنَّمَا جُعِلَ الْأَسْتِزْدَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت سہلؓ ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے دروازے سے جھانکا اور اس وقت رسول کریم ﷺ پشت خاں (نگھٹے) سے اپنا سر کھج رہے تھے آپ ﷺ نے (جب اس شخص کو جھانکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں جانتا (یعنی مجھ کو یقین ہوتا) کہ تم (قصداً جھانک کر) مجھ کو دیکھ رہے ہو تو میں (یہ نگلکھا تمہاری آنکھ میں جھونک دیتا) کیا تم نہیں جانتے کہ کسی غیر کے گھر میں آنے کے وقت اجازت لینے کا حکم ہی آنکھ کی وجہ سے دیا گیا ہے (کہ وہ کسی غیر محرم پر نہ پڑ جائے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونا برا ہے اسی طرح بغیر اجازت کے کسی گھر میں جھانکنا بھی برا ہے، نیز طبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قصد کسی کے گھر میں جھانکنے کا مرتکب ہو جائے مثلاً کوئی شخص کسی کے گھر کے سامنے سے گزر رہا ہو اور اضطراراً اس کی نظر گھر میں چلی جائے تو اس پر کوئی برائی نہیں ہے۔

خواہ مخواہ کنکریاں نہ پھینکو

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَا تَخْذِفْ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يُصَادِبُهُ صَيِّدٌ وَلَا يَنْكُأُ بِهِ عَدُوٌّ وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَقْفَأُ الْعَيْنَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مغفلؓ نے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کنکریاں نہ پھینکو کیونکہ رسول کریم ﷺ اس طرح کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ اس طرح کنکری پھینک کر نہ تو شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ (دین کے) دشمن کو زخمی کیا جاسکتا ہے (بلکہ یہ محض اہو و لعب ہے جس سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا اور مستزاد یہ کہ لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ خود آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ) البتہ اس طرح کنکریاں پھینکنا دانت کو توڑ دیتا ہے اور آنکھ کو پھوڑ دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح بلا قصد کنکریاں پھینکنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں کوئی مصلحت اور فائدہ تو ہوتا نہیں البتہ فتنہ و فساد پھوٹ پڑنے اور لڑائی جھگڑا ہو جانے کا خوف ضرور رہتا ہے چنانچہ یہی حکم ہر ایسے عمل کے بارہ میں ہے جس میں یہ بات موجود ہو۔

مجمع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھو

⑧ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا وَفِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبَلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِسُيِّئَةٍ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد اور ہمارے بازار میں آئے یا وہاں سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو بند کرے (یعنی ان کے پیکانوں پر ہاتھ رکھ لے تاکہ اس سے کسی مسلمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مساجد اور بازار ایسے تمام مقامات جہاں مسلمان جمع ہوں وہاں ہتھیاروں کو بہت دیکھ بھال کے ساتھ اپنے پاس رکھنا چاہئے خواہ وہ تیر ہوں یا دوسرے ہتھیار جیسے بندوق، تلوار نیزہ اور پلم وغیرہ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی چوک اور غلطی سے کوئی مسلمان کسی کے ہتھیار سے زخمی گھائل ہو جائے۔

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَذَرِي لَعْلَ الشَّيْطَانِ يَنْسُغَ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور اس کی وجہ سے وہ ہتھیار کا مالک دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان تو تاک میں رہتا ہے کہ جہاں کوئی انسان چوکا اور اس لعین نے اس کو گناہ میں مبتلا کیا اسی لئے فرمایا گیا کہ کسی مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو کہ مبادا شیطان تم پر اثر انداز ہو جائے اور وہ ہتھیار اشارے اشارے میں مسلمان بھائی کے جا لگے اور اس کی وجہ سے تم دوزخ کے سزاوار بنو۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَضَعَهَا وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لَا يَبْهَةِ وَأَتَبَهُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف لوہے (یعنی ہتھیار وغیرہ) سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے اس وقت تک لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہیں دیتا اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حقیقی بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قتل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس کا تعلق ہنسی مذاق ہی سے ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس ارشاد گرامی کا مقصد گویا کسی مسلمان پر اشارہ ہتھیار یا لوہا اٹھانے کی ممانعت کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَمَنْ عَشَنَّا فَلَيْسَ مِنَّا -

”اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جو شخص (ہنسی مزاق کے طور پر بھی) ہم پر

ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر عامل نہیں ہے“ (بخاری و مسلم) اور مسلم نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ (جو شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرتے وقت فروخت کی جانے والی چیز کے کسی عیب و نقصان کو چھپا کر، ہمیں فریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

(۱۲) وَعَنْ سَلَسَةَ بْنِ الْأَخْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السِّيفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (بلا ارادہ قتل ہنسی مذاق میں بھی) ہمارے اوپر تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (مسلم)

دنیا میں کسی کو سخت اذیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الہی میں گرفتار ہوگا

(۱۳) وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلَى أَنَسٍ مِنَ الْأَنْبَاطِ وَقَدْ أَقْبَمُوا فِي الشَّمْسِ وَضَبَتْ عَلَى رُءُوسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هَذَا قِيلَ يُعَذَّبُونَ فِي الْخَوَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذَّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ہشام ابن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ہشام ابن حکیم نے ملک شام (کے سفر کے دوران) انبلی قوم کے کچھ افراد کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر گرم گرم تیل ڈالا گیا تھا، ہشام ابن حکیم نے (یہ روح فرسا منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ کیا ہے؟“ (یعنی ان لوگوں کو کس جرم کی پاداش میں یہ غیر انسانی سزا دی جا رہی ہے؟) انہیں بتایا گیا کہ ”خراج (زرعی ٹیکس نہ دینے) کی وجہ سے ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے؟ حضرت ہشام نے فرمایا ”میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (آخرت میں) ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی جو شخص کسی کو دنیا میں ناحق کسی چیز کے عذاب میں مبتلا کرے گا مثلاً کسی کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے اوپر گرم گرم تیل ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ عقی میں اس کو اسی چیز کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔

ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشَكُ أَنْ تَلْتَ بِكَ مُدَّةً أَنْ تَرَى قَوْمًا فِي أَيْدِيهِمْ مِثْلُ أَذْنَابِ الْبَقَرِ يُغْدُونَ فِي غَضَبِ اللَّهِ وَيَرْوُخُونَ فِي سَخَطِ اللَّهِ وَفِي رِوَايَةٍ يَرْوُخُونَ فِي لَعْنَةِ اللَّهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم عنقریب ان لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی مانند ایک ایسی چیز یعنی کوڑے ہوں گے، ان کی صج اللہ کے غضب میں اور ان کی شام اللہ کی شدید ناراضگی میں گزرے گی (یعنی ان لوگوں پر ہمہ وقت اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہے گا) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ”ان کی شام اللہ کی لعنت میں گزرے گی۔“ (مسلم)

تشریح: ”ان لوگوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ظالم و جابر یا کسی صاحب اقتدار کے حاشیہ نشین ہوتے ہیں یا ان کے دروازوں پر پڑے رہتے ہیں اور ان کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں اور پھر اس ظالم و جابر کے بل بوتے پر وہ لوگ عام انسانوں کو ڈراتے دھمکاتے پھرتے ہیں غریبوں کو مارتے پیٹتے ہیں، کمزوروں کو گالیاں دیتے ہیں اور نادار شرفاء کی عزت و آبرو کو پامال کرتے ہیں اور کٹ کھنے کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹنے دوڑتے ہیں۔

ناروا فیشن کرنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَبْجَدْنَ رِيحَهَا وَإِنْ رِيحُهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (اور نہ میں دیکھوں گا) ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (لوگوں کو ناحق) ماریں گے، اور دوسرا وہ گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی ہوائیں گی۔ حالانکہ جنت کی بو اتنی اتنی (یعنی مثلاً سورس) دوری سے آتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی“ اس میں ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اتنے باریک اور مہین کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا بدن جھلکتا ہے، یا اس طرح کپڑے پہنتی ہیں کہ جسم کا کچھ حصہ چھپا رہتا ہے اور کچھ حصہ کھلا رہتا ہے (جیسا کہ آجکل ساڑھی اور بلاؤز کا رواج ہے) یا دوش سے اپنے پیٹ اور سینہ وغیرہ کو ڈھانکنے کی بجائے اس کو گلے میں یا پیٹھ پر ڈال لیتی ہیں، ان تمام صورتوں میں عورت بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہے۔

اس جملہ سے ایسی عورتوں کی طرف بھی اشارہ مقصود ہو سکتا ہے جو دنیا میں تو انواع و اقسام کے لباس زیب تن کرتی ہیں مگر تقویٰ و عمل صالح کے لباس سے محروم رہتی ہیں کہ وہ تقویٰ اور عمل صالح ہی کی وجہ سے آخرت میں جنت کے لباس کی سستی ہوں گی۔

”ممیلات“ اور ”مائلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے بناؤ سنگار اور اپنی جگہ کے ذریعہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یا ”ممیلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے دوپٹے اپنے سروں سے اتار پھینکتی ہیں۔ تاکہ مرد ان کے چہرے دیکھیں، اور ”مائلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو منک کر چلتی ہیں تاکہ لوگوں کے دل فریفتہ کریں۔

”ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی چوٹیوں کو جوڑے کی صورت میں سر پر باندھ لیتی ہیں اور جس طرح بختی اونٹ کے کوہان فرہی کی وجہ سے ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں اسی طرح ان کے سر کے جوڑے بھی ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کے جس خاص طبقہ کی نشان دہی کی گئی ہے اس کا وجود آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا بلکہ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے آنے والے زمانہ میں اس قسم کی عورتوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔

”نہ تو جنت میں داخل ہوں گی الخ“ یہ عورتوں کے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے مردوں کے گروہ کے بارے میں اس طرح کی بات محض اختصار کے پیش نظر نہیں فرمائی گئی ہے، قاضی عیاضؒ کے کہنے کے مطابق اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی عورتیں کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نیک و پارسا اور پرہیزگار عورتیں جنت میں داخل ہوں گی اور جنت کی ہوائیں ان کی اس وقت ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی ہوائیں ان کی ہاں اپنی اپنی سزا بھگتتے کے بعد ان کو بھی جنت کی سعادت سے نوازا دیا جائے گا۔ یا پھر یہ کہ یہ بات ان عورتوں کے بارہ میں فرمائی گئی ہے جو ان چیزوں کو حلال جان کر ان کا ارتکاب کریں گی، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس جملہ سے سخت زجر و تنبیہ مراد ہے۔

کسی کے منہ پر نہ مارو

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى

صُورَتِہ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم سے کوئی شخص (کسی کو) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے چہرے کو بچائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور اس کو اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا۔ یا یہ مراد ہے کہ آدم کو اس صورت خاصہ پر پیدا کیا گیا جس کو حق تعالیٰ نے صرف انسانوں کے لئے اختراع کیا اور پیدا کیا۔ اس اعتبار سے ”اپنی“ کی طرف ”صورت“ کی اضافت، انسانی شرف و کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے جیسا کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں حق تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف فرما کر روح انسانی کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کیا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ صورت کی ضمیر دراصل آدم کی طرف راجع ہے یعنی آدم کو اس صورت پر پیدا کیا جو آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور خصائص و کرامات پر مشتمل ہے۔

اس طرح حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف پیدا کیا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ اشرف و مکرم اور انسانی صورت و کمال کے ظہور کا محل ہے لہذا انسان کے چہرہ پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

الفصل الثانی

غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قابلِ تعزیر ہے

(۱۷) عَنْ ابْنِ دَرَقَالٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَادْخَلَ بَصَرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَرَأَى عَوْرَةَ أَهْلِهِ فَقَدْ أَتَى حَدًّا لَا يَجِلُّ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ وَلَوْ أَنَّهُ جِئِنَ ادْخَلَ بَصَرَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَقَفَا عَيْنَهُ مَا عَيَّرَتْ عَلَيْهِ وَإِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلَى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهُ غَيْرُ مُغْلَقٍ فَتَنْظَرُ فَلَا حُطِيئَةَ عَلَيْهِ إِنَّمَا الْخَطِيئَةُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا جَدِيدٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اس کے گھر میں اپنی نظر ڈالی جب کہ اس کو (اس گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی) اجازت حاصل نہیں تھی اور اس نے اس کی گھر والی کو دیکھا تو اس نے ایک ایسی چیز کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے وہ قابلِ تعزیر ہوا، اس کے لئے یہ (ہرگز) جائز نہیں ہے کہ وہ (بلا اجازت کسی کے گھر پر) آئے (اور اس کے گھر میں جھانکے) اگر اس نے گھر میں جھانک کر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے اس (جھانکنے والے) کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس (آنکھ پھوڑنے والے) کو سرزنش نہیں کروں گا اور نہ (بطور تادان) اس پر کوئی چیز واجب کروں گا، ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گزرے جس پر نہ کوئی پردہ پڑا ہوا ہو اور نہ وہ بند ہو اور اس کی نظر گھر کے آدمیوں پر جا پڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہوگا۔ کہ انہوں نے دروازے کو بند کیوں نہیں کیا اور اس پر پردہ کیوں نہیں ڈالا۔ (ترمذی)“ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”اس کے لئے یہ (ہرگز) جائز نہیں ہے الخ“ یہ استیفاء ہے جو علت کو مضمّن ہے، یعنی یہ جملہ ایک الگ عبارت کو شروع کرتا ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کے مفہوم کی علت کو بیان کرنا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل خانہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے مکان کا دروازہ بند رکھے یا دروازے پر پردہ ڈالے رکھے۔

ہاتھ میں ننگی تلوار رکھنے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَعَاطَى السَّيْفَ مَسْلُوكًا - (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بے نیام تلوار کو ہاتھ میں رکھنے سے منع کیا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: بے نیام تلوار کو ہاتھ میں رکھنے سے اس خوف کے پیش نظر منع فرمایا گیا ہے کہ مبادا وہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے اور کسی کے جا لگے یا لوگ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر خوف و دہشت میں پڑ جائیں۔

انگلیوں کے درمیان تمسہ چیرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُقَدَّ السَّيْرَتَيْنِ إِصْبَعَيْنِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت حسنؓ حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ تمسہ کو دونوں انگلیوں کے درمیان چیرا جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس طرح تمسہ چیرنے سے انگلیاں زخمی نہ ہو جائیں۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں میں مذکور ممانعت تشریحی ہے اور ازراہ شفقت و ہمدردی ہے۔

اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی محافظت میں مارا جانے والا شہید ہے

(۲۰) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونِ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونِ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونِ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت سعید ابن زیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: دین کی محافظت میں مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کے سامنے کسی کافر یا کسی مبتدع نے اس کے دین کی توہین و حقارت کی اور وہ مسلمان اس سے لڑ پڑا اور مارا گیا۔ تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر مثلاً زید کا مال کوئی شخص لوٹنے کا ارادہ کرے یا اس کو قتل کرنے پر اتر آئے اور یا اس کے اہل و عیال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کا قصد کرے تو زید کو چاہئے کہ وہ اس طرح کا برا ارادہ رکھنے والوں کی مدافعت کرے یعنی پہلے تو اس کو اچھے اور نرم انداز میں اس کے برے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ بغیر لڑائی جھگڑے کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور زید اس کو مار ڈالے تو زید پر (بطور تادان) کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور اگر زید مارا گیا تو وہ شہید کا درجہ پائے گا۔

مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيَجْهَنَّمَ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلَى أُمَّتِي أَوْ قَالَ عَلَى أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”دوزخ کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جو میری امت (کے لوگوں) پر۔ یا یہ فرمایا۔ امت محمدیہ پر (ناحق) تلوار اٹھائے“ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور

کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔“

وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ الرَّجُلُ جُنُبًا ذُكِرَ فِي بَابِ الْغَضَبِ۔
”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث الرجل جبار الخ باب الغضب میں نقل کی جا چکی ہے۔“

بَابُ الْقَسَامَةِ

قسامت کا بیان

”قسامت“ ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔ شرعی اصطلاح میں ”قسامت“ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی و محلہ میں یا اس کی آبادی و محلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت و اقعات کی تحقیق نہ کرے اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ ”خدا کی قسم! میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے“ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے جس کی بنیاد یہ مشہور حدیث ہے کہ اَلْبَيْتَةُ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ چنانچہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت رافع ابن خدیج سے منقول روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ”قسامت“ کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی و محلہ میں یا جس آبادی و محلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی عداوت و دشمنی رہی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی و محلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا، تو مقتول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ ”خدا کی قسم! تم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے“ اگر مقتول کے وارث یہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو پھر ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے“ چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافع سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعویٰ ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطاء کا۔ لیکن حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہئے اور حضرت امام شافعیؒ کا قید قول بھی یہی ہے۔

قسامت کے بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ کو باقی رکھا اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیر کے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے

① وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُمَا حَدَّثَا أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَبِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ أَتَيَا خَبِيرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَخَوَاصَّةٌ وَمُحَبِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِيرُ الْكِبَرِ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ يَعْنِي لِيْلَى الْكَلَامَ الْأَكْبَرَ فَتَكَلَّمُوا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحَقُّوا

قَبِيلُكُمْ أَوْ قَالَ صَاحِبِكُمْ بِإِيمَانٍ خَمْسِينَ مِنْكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْ لَمْ نَزِدْهُ قَالَ فَتُبِّرُكُمْ يَهُودُ فِي إِيْمَانٍ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَقَدَّاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَبْلِهِ وَفِي رِوَايَةٍ تَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ فَوَادَّه رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ بِمِائَةِ نَاقَةٍ (متن علیہ)

”حضرت رافع ابن خدیج اور حضرت سہلؓ ابن حمہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہؐ ابن سہل اور محیصہؓ ابن مسعود خیر آئے تو ایک دن سیر کرتے ہوئے دونوں کھجور کے درختوں میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے (یعنی ایک کسی اور سمت کو نکل گیا اور دوسرا کسی اور سمت چلا گیا) چنانچہ عبد اللہؐ ابن سہل کو (کیلا پاکر کسی نے قتل کر دیا) اس حادثہ کے بعد (عبدالرحمنؓ ابن سہل (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہؓ اور محیصہؓ (جو مقتول کے چچا زاد بھائی تھے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارہ میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمنؓ نے گفتگو کی ابتداء کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی بڑائی کو ملحوظ رکھو، یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتداء کرنے دو) حضرت یحییٰ ابن سعید (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو، چنانچہ (اس کے بعد) انہوں نے (یعنی ان کے بڑے نے) گفتگو کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں تو تم اپنے مقتول یا (اپنے مقتول کی بجائے) یہ فرمایا کہ اپنے ساتھی کا خون بہایا قصاص لینے کے مستحق ہو۔“ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ تو ایسی چیز ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا ہے (یعنی ہم یہ قطعاً نہیں جانتے کہ مقتول کو کس شخص نے قتل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، پچاس یہودی قسم کھا کر (تمہارے اس شبہ سے) تمہیں پاک کر دیں گے (یعنی وہ یہ قسم کھالیں گے کہ مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور اس طرح ان پر جو قتل کا شبہ یا الزام ہے اس کو وہ ختم کر دیں گے) انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ وہ تو کافر ہیں (ان کی قسموں کا کیا اعتبار) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (فتنہ دفع کرنے کے لئے) مقتول کے ورثاء کو اپنی طرف سے خون بہا ادا کر دیا“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) تم پچاس قسمیں کھاؤ اور اپنے مقتول - یا یہ - فرمایا کہ اپنے ساتھی کے خون بہا کے مستحق ہو جاؤ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے اپنی طرف سے سواونت خون بہا میں ادا کر دیئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو اس کا اکرام و احترام ضروری ہے اور گفتگو کی ابتداء اس کی طرف سے ہونی چاہئے۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حدود میں وکالت جائز ہے، نیز اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے کیونکہ مقتول کے خون کے ولی ان کے حقیقی بھائی یعنی عبدالرحمنؓ ابن سہلؓ تھے اور حویصہؓ اور محیصہؓ ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسامت میں پہلے مدعی سے قسم لی جائے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ پہلے مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفُضْلِ الثَّانِي.

”اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے

② عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ أَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مَقْتُولًا بِخَيْبَرَ فَأَنْطَلَقَ أَوْلِيَاءُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ أَلَيْسَ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلَى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ ثُمَّ أَحَدٌ مِنْ

الْمُسْلِمِينَ وَإِنَّمَا هُمْ يَهُودٌ وَقَدْ بَجَرُوا عَلَىٰ أَكْظَمَ مِنْ هَذَا قَالُوا فَاخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ فَاسْتَخْلَفُوا هُمْ فَأَبَوْا
فَوَلَّاهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سہل) خیر میں قتل کر دیئے گئے چنانچہ ان کے ورثاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچا زاد بھائی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے (ان سے) فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے قاتل کے بارہ میں گواہی دیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہود تھے (جو ظلم کرنے، فتنہ و فساد پھیلانے اور جیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کلام کی جرأت رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کر دینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریحاً شرکشی کرنا) آپ نے فرمایا ”اچھا تم ان میں پچاس آدمیوں کو منتخب کر لو اور ان سے قسمیں لو“ لیکن مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اتنے مکار ہیں کہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم حقیقہ کے اس مسلک کی واضح دلیل ہے کہ قسامت میں پہلے مدعا علیہ سے قسم لینی چاہئے۔

ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر تمام ائمہ کے مسلک کو نقل کرنے کے بعد حقیقہ مسلک کے دلائل بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

بَابُ قَتْلِ أَهْلِ الرِّدَّةِ وَالسَّعَاءِ بِالْفَسَادِ مرتدوں اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل کر دینے کا بیان

مرتد کسے کہتے ہیں؟ ”مرتد“ اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان و اسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر و شرک کے ظلمت کدو میں چلا جائے۔

مرتد کے بارہ میں حکم: جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ، اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کیا جائے اگر وہ اسلام کے بارہ میں کسی شک و شبہ کا شکار ہو تو اس کا شک و شبہ رفع کیا جائے گا، اگرچہ اسلام کی دعوت دینا اور اس کا شک و شبہ دور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اسلام کی دعوت اس کو پہلے ہی پہنچ چکی ہے اب اس کی تجدید دعوت کی احتیاج نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تین دن کے لئے قید میں ڈال دیا جائے اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے دائرہ اسلام میں لوٹ آئے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تب اس کو مہلت دی جائے ورنہ مہلت دینے کی ضرورت نہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک امام وقت (حکومت) پر تین دن کی مہلت دینی واجب ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اُفْتَلُوا الْمُشْرِكِينَ (مشرکوں کو قتل کر دو) اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد من بدل دینہ فاقتلوه (جس شخص نے اپنا دین اسلام تبدیل کر دیا اس کو قتل کر دو) سے یہی ثابت ہوتا کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

فساد برپا کرنے والے کون ہیں؟: حدیث کے دوسرے جزو کا تعلق فساد برپا کرنے والوں سے ہے یوں تو عام طور پر فساد برپا کرنے والے سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو زمین پر فتنہ و فساد اور لوٹ بچاتے ہیں اور قتل و غارت گری کے ذریعہ لوگوں کے امن و سکون کو تباہ و برباد کرتے ہیں لیکن یہاں بطور خاص قطاع الطرق یعنی قزاق مراد ہیں کہ ان کی سزا بھی قتل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا۔

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔“

ارتداد اور مرتد کے بارہ میں کچھ تفصیلی مسائل و احکام: آج کل ہماری روزمرہ زندگی بڑی بے اعتدالیوں کی شکار ہے نہ ہمیں اپنی زبان پر قابو رہتا ہے نہ ہم اپنے اعتقادات و نظریات کے دائرہ میں پوری طرح رہتے ہیں اور نہ ہمارے افعال و اعمال بایں احتیاط ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی رہتی ہیں جنہیں ہم بظاہر بالکل غیر اہم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ باتیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچا دیتی ہیں اسی طرح ایسے بہت سے افعال و اعمال ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں لیکن مال کا روہ ہمارے لئے سخت خسران آخرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بارہ میں تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری کے ایک باب میں مرتد کے احکام و مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اس پورے باب کو علاوہ چند نادار الوجود مسائل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اس میں جو مسائل ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ مرتد کے بارہ میں احکام و مسائل ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو زبان سے ادا ہونے پر کفر تک پہنچا دیتے ہیں یا وہ کون سے عقائد و اعمال ہیں جن کو اختیار کرنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

”مرتد“ عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ وجود ایمان کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہذا مجنون اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہو، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالت بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہو، اسی کو مرتد اقرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد ہونا بھی مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضادر غبت شرط ہے لہذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلا دی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اور ہریان بکنے لگے، اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہو جائے تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنون ہو یا وسواسی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

جیسا کہ ابتداء باب میں بیان کیا گیا، جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک و شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے۔ اور پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے، اور اگر اسی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر چوتھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب چوتھی بار امام وقت اس کو مہلت نہ دے بلکہ اگر وہ آخری طور پر دائرہ اسلام واپس آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی صاحب عقل لڑکا مرتد ہو جائے تو اس کا مرتد ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک معتبر ہوگا لہذا اس

کو دائرہ اسلام میں آجانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحب عقل لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ ہے اور وہ اچھے اور برے میں اور بیٹھے اور کڑوے میں تمیز کر سکتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔

اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تاکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آجائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

کوئی باندی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو اسلام قبول کرنے پر باس طور مجبور کرے کہ اس کو اپنے گھر میں محبوس کر دے اس سے اپنی خدمت لینے کے ساتھ ساتھ سزا کچھ دوسرے کام بھی اس کے سپرد کر دے اور وہ مالک اس کے ساتھ صحبت نہ کرے۔ عاقلہ لڑکی کا وہی حکم ہے جو بالغہ کا ہے اسی طرح خنثی مشکل بھی عورت کے حکم میں ہے۔ آزاد عورت جو مرتد ہو جائے اس کو اس وقت تک بطور باندی گرفتار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ دارالاسلام میں ہے ہاں اگر وہ دارالحرب میں چلی جائے اور پھر وہاں سے وہ (اسلامی لشکر کے) قیدیوں میں آئے تو اس کو باندی بنایا جاسکتا ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے نوادر میں سے ایک قول یہ ہے کہ مرتدہ کو دارالاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جاسکتا ہے چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قول پر اس عورت کے بارہ میں فتویٰ دیا جائے جو خاوند والی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس عورت کا خاوند حکومت وقت سے اس کو باندی بنالینے کی درخواست کرے یا اگر وہ خاوند اس کا مصرف (یعنی مسلمان) ہو تو حکومت وقت اس عورت کو خاوند کے تئیں ہدیہ کر دے۔ اس صورت میں خاوند اس عورت کو محبوس کرنے اور اسلام لانے کے لئے اس کو سزا مارنے کا ذمہ دار ہوگا۔

جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت محمد ﷺ کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار کرے تو یہ گویا اس کی طرف سے توبہ کا مظہر ہوگا اور اس صورت میں وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آ جاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مرجائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین (قرض وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد بچے گا اور جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا ہوگا اس میں سے اس کے زمانہ ارتداد کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فنی شمار ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔

مرتد کی میراث پانے والے کے بارہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مختلف اقوال بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت امام محمدؒ نے، حضرت امام اعظمؒ سے نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ جب مرتد مرجائے یا اس کو قتل کر دیا جائے اور یا وہ دارالحرب بھاگ جائے تو اس کا مسلمان وارث اس کی میراث پائے گا اسی طرح اس کے مرجانے یا قتل کئے جانے یا دارالحرب بھاگ جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی بھی اس کے مال کی وارث ہوگی بشرطیکہ اس (مرتد کی وفات یا قتل یا دارالحرب بھاگ جانے کے) وقت وہ وہ بیوی عدت میں ہو کیونکہ وہ مرتد اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا (اپنی بیوی کو اپنی میراث دینے سے) راہ فرار اختیار کرنے والا ہوا لہذا اس کا ارتداد مرض الموت کی مانند ہوا کہ جس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق مغلطہ دے دے تو شریعت اس امر کے پیش نظر کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنی میراث سے محروم رکھنے ہی کے لئے مرض الموت میں طلاق دی ہے اس کو اس کے شوہر کی میراث کی حقدار تسلیم

کرتی ہے اسی طرح مرتد بھی اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لئے شریعت اس کے علی الرغم اس کی بیوی کو اس کی میراث کا حقدار تسلیم کرتی ہے، اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو (اس کے مرنے کے بعد) اس کا خاوند اس کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا، ہاں اگر بیوی بیماری کی حالت میں مرتد ہوئی (پھر مر گئی) تو اس کا شوہر اس کی میراث پائے گا اسی طرح تمام اقرباء اس کے سارے مال کے وارث ہوں گے یہاں تک کہ اس نے حالت ارتداد میں جو مال جمع کیا ہو گا وہ بھی ان وارثوں کو ملے گا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دیا تو اس کا مدبر غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی امہات اولاد بھی آزاد ہو جائیں گی اور اس کے جو دیون موجد ہوں گے وہ فوری طور پر قابل ادا ہو جائیں گے اور اس نے حالت اسلام میں جو مال پیدا کیا تھا وہ سب اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر کسی مرتد نے اپنے زمانہ اسلام میں کوئی وصیت کی ہوگی تو مبسوط وغیرہ کی ظاہری روایت کے بموجب وہ وصیت مطلقاً باطل ہوگی یعنی اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہو گا خواہ وہ اس وصیت کا تعلق کسی قرابت دار سے ہو یا غیر قرابت دار سے۔

مرتد جب تک دارالسلام میں گھومتا پھرتا نظر آئے اس کے بارہ میں قاضی ان احکام میں سے کوئی بھی حکم نافذ نہ کرے جو ذکر کئے ہیں۔

جو شخص مرتد ہو جائے، معاملات و عقود میں اس کے تصرف کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ اول تو وہ تصرف ہے جو سب کے نزدیک پوری طرح جاری و نافذ ہوتا ہے جیسے اگر اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے اور وہ اس ہبہ کو قبول کر لے، یا وہ اپنی لونڈی کو اتم ولد بنا دے، یا جب اس کی لونڈی کسی بچے کو جنم دے اور وہ مرتد اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے (یعنی یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے) تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس کے دوسرے وارثوں کے ساتھ اس کی میراث کا حقدار ہو گا اور وہ لونڈی (جس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے) اس مرتد کی اتم ولد ہوگی نیز مرتد کی طرف سے تسلیم شدہ کو قبول و نافذ کیا جائے گا، اسی طرح اگر مرتد اپنے مازون غلام پر ”حجر“ نافذ کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسے نکاح کرنا کہ یہ مطلقاً جائز نہیں ہے کہ کوئی مرتد کسی عورت سے نکاح کرے خواہ وہ مسلمان ہو، مرتد ہو، ذمیہ ہو یا مملوک ہو اسی طرح مرتد کا بیچہ بھی حرام ہے اور اگر اس نے کوئی شکار پکڑا خواہ وہ شکار کتے کے ذریعہ پکڑا گیا ہو یا باز کے ذریعہ اور یا بندوق کے ذریعہ مارا گیا ہو تو وہ بھی حرام ہو گا۔

تیسرا تصرف وہ ہے جو سب کے نزدیک موقوف رہتا ہے جیسے شرکت مفاضت چنانچہ اگر کوئی مرتد کسی مسلمان سے شرکت و مفاضت کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہو گیا تو وہ شرکت مفاضت بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا اور قاضی و حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفاضت شروع سے شرکت عنان میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک شرکت مفاضت سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جیسے خرید و فروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہو جاتے ہیں، اور اگر مرجائے، یا قتل کر دیا جائے یا قاضی و حاکم اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دے تو یہ سارے تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔

ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

اگر کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہو کر دارالاسلام واپس آجائے اور یہ واپسی قاضی و حاکم کی طرف سے اس کے دارالحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال و اسباب کے بارہ میں اس کے مرتد ہو جانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی اُم ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی و حاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوتی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس اپنی جو چیزائے اس کو لے لے اور جو مال و اسباب اس کے وارثوں نے بیع بیہ اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ حاکم اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ و معاوضہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان تھا (یعنی وہ بچہ تھا اور اپنے مسلمان ماں باپ کی وجہ سے مسلمان کے حکم میں تھا) اور پھر ارتداد کے ساتھ بالغ ہوا تو اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے مگر اس کے بارہ میں ازراہ استحسان یہ حکم ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے (کیونکہ بلوغ سے پہلے وہ مستقل بالذات مسلمان نہیں تھا بلکہ اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان کے حکم میں تھا) اسی طرح یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گیا تھا مگر جب بالغ ہوا تو مرتد تھا، نیز اگر کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو بھی ازراہ استحسان قتل نہ کیا جائے لیکن ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے اور اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نے اس کو مار ڈالا تو مارنے والے پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

لغیظ (وہ بچہ جو کہیں پڑا ہوا پایا جائے) اگر دارالاسلام میں ہو تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم نافذ کیا جائے اور اگر کفر کی حالت میں بالغ ہو تو اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کو قتل نہ کیا جائے۔

یہاں تک تو مرتد کے بارہ میں کچھ احکام و مسائل کا ذکر تھا، اب کچھ ان باتوں کو بیان کر دینا ضروری ہے جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے چنانچہ ان میں سے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق نماز، روزے اور زکوٰۃ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق حلال و حرام وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے اور بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق کفر کی تلقین کرنے سے ہے۔ چونکہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے اس لئے ان باتوں کو یعنی موجبات کفر کو ترتیب کے ساتھ الگ الگ عنوان کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے: ایمان و اسلام کے بارہ میں وہ باتیں جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”مجھے نہیں معلوم، میرا ایمان ہے یا نہیں؟“ تو یہ خطائے عظیم ہے، ہاں اور اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی کرنا ہو تو خطائے عظیم نہیں ہے۔ جس شخص نے اپنے ایمان میں شک کیا اور یہ کہا کہ ”میں مؤمن ہوں انشاء اللہ“ تو وہ کافر ہے ہاں اگر وہ یہ تاویل کرے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھوں گا یا نہیں؟ تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا جس شخص نے یہ کہا کہ ”قرآن مخلوق ہے، یا ایمان مخلوق ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان و کفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو شخص ایمان پر راضی و مطمئن نہ ہو اور کافر ہے جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہو اور کافر ہے، اور جو شخص اپنے غیر کے کفر پر راضی ہو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غیر کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ (کافر) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے تو وہ کافر نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کا اظہار کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اسلام کی صفت نہیں جانتا، تو وہ کافر ہو گیا۔ شمس الائمہ طوائف نے اس مسئلہ کو بڑے سخت انداز میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے لئے نہ دین ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ طاعت و عبادت ہے نہ نکاح ہے اور اس کی اولاد نژاد کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ہے۔

• ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا، اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ ”توحید کیا ہے“ اس نے جواب میں کہا ”میں نہیں جانتی“ تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمہ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے کتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہیں رہے گی، اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہچانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مؤمن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہئے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمان پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا، وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں اس مسلمان نے جواب دیا کہ ”تم فلاں عالم کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے اسلام پیش کرے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو“ اس طرح کہنے والے کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آئی تھی (جو تم نے اسلام قبول کر لیا؟) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے: وہ شخص کافر ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسے وصف کی نسبت کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں، یا کسی کو اس کا شریک یا بیٹا اور یا بیوی ٹھہرائے، یا اس کی طرف جہل کی یا عجز کی یا کسی اور خرابی کی نسبت کرے۔ یہ کہنے والا بھی کافر ہے کہ ”یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو“ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور کوئی شخص یوں کہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہ کام کرنے کا حکم دے تو میں جب بھی یہ کام نہ کروں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو ”یہ“ اور ”وجہ“ کی نسبت کی گئی ہے در آنحالیکہ وہ جارحہ نہیں، تو کیا کسی دوسری زبان میں ان چیزوں کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ ان چیزوں سے (ان کے حقیقی مفہوم یعنی) اعضاء مردانہ ہوں، اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”فلاں شخص میری آنکھ میں ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں یہودی، تو جہوہ علماء کے نزدیک وہ شخص کافر ہو جائے گا (کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف آنکھ کے اصل معنی یعنی ایک انسانی عضو کی نسبت کی ہے) لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جملہ سے کہنے والے کی مراد اس فلاں شخص کے افعال کی برائی کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو کافر نہیں ہوگا۔ ایک انسان کی وفات ہو گئی ایک دوسرے شخص نے کہا کہ خدا کو ایسا نہیں چاہئے تھا۔ تو یہ کفر ہے۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ ”میں خدا کے حکم سے تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہوں“ دشمن نے جواب میں کہا کہ ”میں خدا کا حکم نہیں جانتا یہ کہا کہ اس جگہ خدا کا حکم نہیں چلتا یہ کہا کہ۔ اس جگہ کوئی حکم نہیں ہے۔ یا یہ کہا کہ خدا حکم کرنے کے لائق نہیں ہے۔ یا یہ کہا کہ اس جگہ تو دیو دی کا حکم چلے گا۔“ یہ سب جملے کفر کو لازم کرتے ہیں۔

حاکم عبدالرحمنؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو یہ کہے کہ ”میں فلاں کام رواج کے مطابق کر رہا ہوں خدا کے حکم سے نہیں کرتا“ تو کیا ایسا شخص کافر ہو جائے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر اس جملہ سے اس کی مراد صرف فساد حق، ترک شریعت، اور اتباع رم ہے نہ کہ اس کا مقصد خدا کے حکم کو رد کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے بارہ میں جو کبھی بیمار نہ ہوتا ہو یہ کہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھول گیا ہے“ یا یہ کہا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ بھول گیا ہے“ تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی سے یوں کہا کہ ”تیری زبان سے تو خدا بھی بس میں نہیں آتا میں کس طرح بس میں آؤں گا“۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ”تم تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہو“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ کہنا کہ ”فلاں شخص بری تقدیر میں پھنس گیا ہے“ خطائے عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کو ثابت کرنا کفر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”اللہ تعالیٰ سے کوئی مکان خالی نہیں ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے“ تو دیکھا جائے گا کہ یہ بات اس نے کس مقصد سے کہی ہے، اگر اس کا مقصد اس چیز کی حکایت کرنا ہے جو ظاہری طور پر منقول ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف مکان کی نسبت کرنا ہے تو پھر کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کے نزدیک اگر اس کی نیت کچھ بھی نہ ہو تو بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا کہ ”اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے بیٹھایا اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے کھڑا ہوا“ کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف فوق اور تحت کی نسبت کی گئی ہے۔ یہ کہنا بھی کفر ہے کہ ”(میرا حامی و مددگار) آسمان پر خدا ہے اور زمیں پر فلاں شخص ہے۔“

اکثر علماء کے نزدیک یہ کہنا بھی کفر ہے کہ ”خدا آسمان پر ہے نیچے دیکھ رہا ہے“ یا صرف یہ کہا کہ ”خدا آسمان پر سے دیکھ رہا ہے۔ یا یہ کہا کہ ”خدا عرش پر سے دیکھ رہا ہے۔“

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی وہ کافر ہو گیا۔ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”اے اللہ! یہ ظلم مت پسند کر“ تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے یوں کہا کہ ”اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے انصاف کیا تو مجھے تم سے انصاف ملے گا“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ہاں لفظ ”اگر“ کی بجائے ”جس وقت“ کہا تو کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی سے یوں کہا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن حق اور عدل کے ساتھ حکم کیا تو میں تم سے اپنا حق لے لوں گا“ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اے اللہ! جب ایک ظالم ظلم کرتا ہے تو اس کا ظلم قبول مت کر، اگر تو نے اس کا ظلم قبول کیا تو میں قبول نہیں کروں گا“ یہ کفر ہے، کیونکہ اس شخص نے گویا یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تو اس کے ظلم پر راضی ہو گا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”جھوٹ مت کہو“ اس شخص نے جواب میں کہا کہ ”جھوٹ کس لئے ہے، کہنے ہی کے لئے تو ہے“ یہ کفر ہے۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرو“ اس نے کہا کہ ”مجھے نہیں چاہئے“ یا کسی نے کہا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے، غارت کروں“ یا کسی سے کہا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کرو کیونکہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں داخل کرے گا“ اس نے کہا کہ ”میں دوزخ سے نہیں ڈرتا“ یا کسی سے یہ کہا کہ ”زیادہ مت کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست نہیں رکھے گا“ اس نے کہا کہ ”میں تو کھاؤں گا چاہے دشمن رکھے چاہے دوست رکھے“ یہ باتیں کفر کو لازم کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی سے یہ کہا گیا کہ ”زیادہ مت بنسو۔ یا زیادہ مت سو“ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ”میں اتنا کھاؤں گا، اتنا سوؤں گا اور اتنا ہنسوں گا کہ جتنا

چاہوں گا“ یہ کفر ہے۔

ایک شخص سے یہ کہا کہ ”گناہ مت کرو کیونکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے“ اس نے کہا کہ ”میں عذاب کو ایک ہاتھ پر اٹھا لوں گا“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص سے یہ کہا گیا کہ ”اپنے ماں باپ کو مت ستاؤ“ اس نے کہا کہ ”ان کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے“ یہ اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن سخت گناہ کی بات ہے۔ ایک شخص نے اٹلیس لعین سے کہا کہ ”اے اٹلیس! تو میرا فلاں کام کروے تاکہ میں تیرا کہنا مانوں اور اپنے باپ کو ستاؤں اور تو جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہوں“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ ”اگر خدا یہ دونوں جہاں نہ بناتا تو میں تم سے اپنا حق لے لیتا“ یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کوئی جھوٹی بات کہی اور ایک سننے والے نے کہا کہ ”میرا خدا تمہارے اس جھوٹ کو بچ کر دے۔ یا یہ کہا کہ خدا تمہارے اس جھوٹ کے ساتھ برکت دے۔“ تو یہ کفر کے قریب ہے اسی طرح ایک شخص نے جھوٹ بولا اور سننے والے نے کہا کہ ”خدا تمہارے جھوٹ میں برکت دے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”فلاں شخص تمہارے ساتھ سیدھا نہیں چلتا“ اس نے جواب میں کہا کہ ”اس کے ساتھ تو خدا بھی سیدھا نہیں چلے گا“ تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یہ کہا کہ ”اللہ تعالیٰ زر کو محبوب رکھتا ہے اس لئے اس نے مجھے زر نہیں دیا“ تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس کہنے سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرنا ہو۔ ہاں صرف اتنا کہنا کفر کو لازم نہیں کرتا کہ ”اللہ تعالیٰ زر کو پسند نہیں کرتا ہے“۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”انشاء اللہ تم یہ فلاں کام کرو“ اس نے جواب دیا کہ ”میں ان شاء اللہ کے بغیر یہ کام کروں گا“ تو یہ کفر ہے۔

ایک مظلوم نے کہا کہ ”(میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے) تقدیر الہی کے مطابق ہے“ ظالم نے یہ سن کر کہا کہ ”میں جو کچھ کر رہا ہوں تقدیر الہی کے بغیر کر رہا ہوں“ یہ کفر ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ ”اے خدا! مجھ پر رحمت کرنے سے دریغ نہ کیجئے“ تو یہ کفریہ الفاظ میں سے ہے۔

میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے تھے (بیوی کی طرف سے) جب گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا تو میاں نے کہا کہ ”خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو“ بیوی نے جواب میں کہا کہ ”میں اللہ سے نہیں ڈرتی“ یہ کہنے سے بیوی مرتد ہو جائے گی۔ اور ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی بشرطیکہ میاں نے بیوی کو اس کی کسی صریح معصیت پر ٹوکا ہو اور اس کو خدا سے ڈرایا ہو اور اس کے جواب میں بیوی نے مذکورہ جملہ کہا ہو، ہاں اگر میاں نے بیوی کو اس کی کسی ایسی بات پر ٹوکا ہو جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا کوئی موقع نہ ہو (یعنی بیوی نے کوئی معصیت نہ کی ہو) تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس صورت میں بھی اس جملہ سے بیوی کا مقصد خوف خدا اور تقویٰ کی اہانت ہو تو دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کسی کو مارنے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ ”تم خدا سے نہیں ڈرتے“ اس نے مارنے والے سے کہا کہ ”نہیں“ یہ کفر نہیں ہے کیونکہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ خدا سے ڈرنے کا سوال تو اس چیز میں پیدا ہوتا ہے جس کو میں کروں۔

ایک شخص کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ ”کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے“ اس نے جواب دیا کہ ”نہیں“ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح کسی اور شخص سے کہا گیا کہ ”کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے“ اور اس نے غصہ کی حالت میں جواب دیا کہ ”نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص خدا کے کسی حکم کو یا پیغمبر کی شریعت کو پسند نہ کرے مثلاً زید سے بکر نے کہا کہ خدا نے چار بیویاں حلال کی ہیں اور زید کہے

کہ میں اس حکم کو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ”صرف خدا کا وجود ہونا چاہئے اور کسی چیز کا وجود نہیں ہونا چاہئے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میرے حق میں تمام نیکیاں خدا نے پیدا کی ہیں اور ربانی کا خالق میں ہوں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ”یا راتم اپنی بیوی کے بس میں نہیں آئے“ اس نے جواب دیا کہ ”عورتوں کے بس میں خدا بھی نہیں آتا میں کیونکر بس میں آ جاؤں گا“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ ”خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور تمہاری طرف سے دیکھتا ہوں (یعنی جو چیز مجھے ملی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے اور تمہاری جانب سے ہے) یا یہ کہا کہ ”میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور تم سے امید رکھتا ہوں“ تو یہ برا ہے ہاں اگر یوں کہے کہ ”میں خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور اس کا ظاہری سبب تمہیں سمجھتا ہوں“ تو یہ ایک اچھی بات ہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی مخالف سے کسی بات میں قسم کھلوانی چاہی، اس مخالف نے کہا کہ ”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں“ لیکن قسم کھلانے والے نے کہا کہ ”میں خدا کی قسم نہیں چاہتا بلکہ طلاق یا عتاق کی قسم لینا چاہتا ہوں“ تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا لیکن اکثر علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ ”خدا جانتا ہے کہ میں تمہیں بیشہ دعا کے ساتھ یاد رکھتا ہوں“ تو اس کے کفر کے بارے میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔

اگر کسی شخص نے بطور ہنسی مزاق فارسی میں کہ ”من خدا یم“ یعنی اس کا مطلب یہ کہنا تھا کہ خدا آئیم تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تمہیں ہمسایہ کے حق کی پرواہ نہیں، بیوی نے کہا ”نہیں“ شوہر نے کہا ”تمہیں خاوند کے حق کی پرواہ نہیں؟ بیوی نے کہا ”نہیں“ پھر شوہر نے کہا ”تمہیں خدا کے حق کی پرواہ نہیں“ بیوی نے اس کے جواب میں بھی کہا ”نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیماری سے پریشان ہو کر یا تنگی معاش کے ابتلاء کی وجہ سے کہا کہ ”میں معلوم خدا نے مجھے پیدا کیوں کیا ہے جب کہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے میں محروم ہوں“ تو اس کے بارے میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس کی یہ بات ایک خطائے عظیم ہے۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”تم نے جو برائیاں کی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا“۔ اس نے جواب میں کہا کہ ”کیا خدا تم نے مقرر کر رکھا ہے کہ خدا وہی کرے گا جو تم کہو“ وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”خدا دوزخ بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بد نما جانور یا بد نما انسان کو دیکھ کر کہا کہ ”کیا کوئی خدا کا کار برداز نہیں ہے کہ اس نے اس قسم کا جانور یا انسان پیدا کیا“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک مفلس نے شدت افلاس میں کہا کہ ”فلاں شخص بھی اللہ کا بندہ ہے اور اس کو اس قدر نعمتیں حاصل ہیں اور میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور اتنے رنج و آلام میں مبتلا ہوں، کیا یہ انصاف ہے“ یہ کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص سے کہا گیا کہ خدا سے ڈرو، اس نے جواب دیا کہ ”خدا کہاں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ نیز اگر کسی نے یہ کہا کہ ”پیغمبر اپنی قبر میں نہیں ہیں“ یا یہ کہا کہ ”خدا کا علم قدیم نہیں ہے“ یا یہ کہا کہ ”معدوم کا علم اللہ کو نہیں ہے“ تو وہ بھی کافر ہو گیا۔

اگر کسی شخص کا نام عبد اللہ ہو اور ایک اور شخص اس کو پکارتے وقت لفظ اللہ کے بجائے حرف کاف کا اضافہ کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ پکارنے والا عالم ہو۔ اسی طرح اگر کوئی عالم لفظ خالق کی عدا تصغیر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”خدا تمہارے دل پر رحم کرے میرے دل پر نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ بات رحمت الہی

سے بے نیازی کے پیش نظر کہی ہو۔ اور اگر اس بات سے اس کا مطلب یہ ہو کہ میرا دل ثابت باثبات اللہ ہے مضطرب نہیں ہے، تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یوں قسم کھائی کہ ”خدا کی قسم اور تیری خاک پاک کی قسم“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ خدا کی قسم اور تیرے سر، تیری جان کی قسم، تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے: جو شخص انبیاء میں سے کسی بھی نبی کا اقرار نہیں کرے گایا رسولوں میں سے کسی بھی رسول کی کسی بھی سنت پر ناراضگی یا عدم اعتقاد و اطمینان کا اظہار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ابن مقاتلؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو حضرت خضر یا حضرت ذی الکفلؑ کی نبوت کا انکار کرے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کہ جس کی نبوت پر اس کی اُمت کے لوگ متفق نہ ہوئے ہوں، نقصان دہ نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر فلاں نبی ہوتا تو میں اس پر ایمان لاتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور حضرت جعفرؒ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لایا اور مجھے نہیں معلوم کہ آدم علیہ السلامؑ نبی تھے یا نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ حضرت جعفرؒ سے اس شخص کے بارہ پوچھا گیا جو انبیاء کی طرف فواحش کی نسبت کرے جیسے کسی نبی کی طرف عزم زنا کی نسبت کرنا یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہنا جیسا کہ حشو (ایک باطل فرقہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں اس قسم کا اظہار کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص کافر ہے، کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں بدگوئی ہے اور ان کی اہانت کے مترادف ہے۔

ابوذر کہتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ ”ہر نافرمانی کفر ہے“ اور پھر یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام نے نافرمانی کی“ تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے انبیاء کے حق میں بدگوئی کی، اور اگر یہ کہا کہ ”انبیاء علیہم السلام نے کبھی کوئی نافرمانی نہیں کی نہ حالت نبوت میں اور نہ اس سے پہلے“ تو بھی وہ کافر ہے کیونکہ اس نے یہ بات کہہ کر گویا نصوص (قرآن کریم کی آیات عسیٰ ربہ الا یہ وغیرہ) کی تردید کی۔

بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ ”جس شخص نے یہ نہیں جانا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے، جو شخص اپنے قلب میں کسی بھی نبی کے بارہ میں بغض رکھے وہ کافر ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”اگر فلاں اللہ کا رسول ہوتا تو میں اس پر ایمان نہ لاتا“ تو وہ کافر ہو جائے گا جیسا کہ یہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ بھی مجھے فلاں کام کا حکم دیتا تو میں نہ کرتا“۔

جس شخص نے یہ کہا کہ ”انبیاء نے جو کچھ فرمایا ہے اگر وہ سچ اور نبی بر حقیقت ہوتا تو ہم نجات پا جاتے“ وہ کافر ہو گیا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں اللہ کا رسول ہوں“ یا فارسی میں کہا کہ ”من پیغمبرم“ اور اس سے اس کی مراد بھی یہ ہے کہ ”میں اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں“ تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس وقت اس نے یہ بات کہی اور کسی دوسرے شخص نے اس سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو بعض علماء کے نزدیک معجزہ کا مطالبہ کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ جب کہ متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اگر معجزہ طلب کرنے والے کا مقصد اس شخص کو ذلیل کرنا اور اس کو عاجز کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کو ”چھوٹا سا بال“ کہا تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے یہ بات اہانت کے طور پر کہی ہے تو ان کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں نہیں جانتا کہ محمد ﷺ انسان تھے یا جن“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اگر فلاں شخص پیغمبر ہے تو میں اس سے اپنا حق لوں گا“ وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد درویشک بود (یعنی محمدؐ ایک چھوٹے فقیر تھے) یا یہ کہا کہ ”پیغمبر کا کپڑا بدبودار اور میلا پھیلا تھا۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ناخن بڑھ رہے تھے“ تو بعض علماء کے نزدیک وہ بلا کسی قید کے کافر ہو جائے گا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں کافر ہو گا جب کہ وہ یہ بات بطریق اہانت کہے۔

اگر کسی نے کسی ایسے شخص کو گالی دی جس کا نام محمد یا احمد تھا یا اس کی کنت ابو القاسم تھی اور اس کو یوں مخاطب کیا کہ ”اے زانیہ کی اولاد، تو وہ کافر ہو گیا بشرطیکہ (اس کا مقصد ہر اس شخص کو یہ گالی دینا ہو جس کا نام محمد یا احمد اور یا اس کی کنت ابو القاسم ہو اور اس طرح) نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی بھی اس کے پیش نظر ہو۔

یہ کہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا کہ ”ہر گناہ کبیرہ ہے لیکن انبیاء کے گناہ صغیرہ ہیں“ اور اگر کسی نے یہ کہا کہ ”ہر برائی کا کام جو قصداً کیا جائے گناہ کبیرہ ہے اس کام کا کرنے والا فاسق ہے“ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ”انبیاء کے معاصی قصداً تھے“ تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے انبیاء کی شان میں بدگوئی کی۔ ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ ”انبیاء کے معاصی قصداً نہیں تھے“ تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

جورافضی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں بدزبانی کرے اور نعوذ باللہ ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے ہاں اگر اس نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دی تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس کو مبتدع کہا جائے گا، معتزلی بھی مبتدع ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ خدا کا دیدار محال ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے ہاں اگر کسی نے آنحضرت ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ کافر نہیں ہوتا لیکن مستحق لعنت ہوتا ہے اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے صحابہ نہیں تھے تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن مستحق لعنت ہوگا۔

حضرت ابو بکرؓ کی امامت و خلافت کا انکار کرنے والا بعض علماء کے نزدیک تو کافر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوتا بلکہ مبتدع ہوتا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرنے والا بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ کافر کہیں، خود ان کو کافر کہنا لازم ہے، اسی طرح فرقہ زیدیہ کے تمام لوگوں کو بھی کافر کہنا واجب ہے کیونکہ وہ یہ باطل اعتقاد رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ کسی عجمی ملک میں ایک نبی کا ظہور ہوگا جو ہمارے نبی ﷺ کے دین کو منسوخ کرے گا اور ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو کالعدم کرے گا۔

ان روافض کو بھی کافر کہنا واجب ہے جو تباخ ارواح کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مرجانے والا دوبارہ دنیا میں لوٹ آئے گا اور ائمہ میں اللہ تعالیٰ کی روح حلول کئے ہوئے ہے، امام باطن کا ظہور ہوگا، جب تک اس امام باطن کا ظہور نہ ہو ادا مرو نوای معطل ہیں اور یہ کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ انہیں محمد ﷺ کی بجائے حضرت علیؓ کے پاس وحی لانی چاہئے تھی: یہ فرقہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور جو احکام مرتدوں کے بارہ میں ہیں وہی اس فرقہ کے لوگوں پر نافذ ہوتے ہیں۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔

① اگر وہ یہ اقرار کرے کہ میرے دل میں محمد ﷺ کی برائی کا کوئی خطرہ بھی نہیں گزرا بلکہ میں نے اپنی زبان سے صرف وہی الفاظ ادا کئے جن کو ادا کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا تھا درانحالیکہ ان الفاظ کی ادائیگی بھی مجھ پر سخت شاق تھی، تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کو اپنی زبان سے کلمہ کفر کی ادائیگی پر مجبور کیا گیا ہو اور اس نے وہ کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کیا ہو مگر اس کا قلب ایمان پر ثابت و مطمئن رہا ہو۔

② اگر وہ اقرار کرے کہ (جب مجھے محمد کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسائی کا خیال آگیا جس کا نام محمد تھا چنانچہ جب میں نے اپنی زبان سے محمد کے بارہ میں برے الفاظ کہے تو میری مراد وہی عیسائی تھا، اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔

③ اور اگر وہ یہ اقرار کرے کہ (جب مجھے محمد کے بارہ میں برے الفاظ کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسائی کا بھی خیال آگیا جس کا نام محمد ہے لیکن میں نے اپنی زبان سے جو برے الفاظ ادا کئے وہ اس عیسائی کے بارہ میں نہیں تھے بلکہ محمد ﷺ کے بارہ میں تھے، اس

صورت میں وہ کافر ہو جائے گا قانوناً بھی اور عند اللہ بھی۔

جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ مجنوں تھے، وہ کافر ہے، ہاں یہ کہنے والا کہ محمد ﷺ بیہوش ہو گئے تھے، کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”اگر حضرت آدم علیہ السلام (جنت میں) گیہوں نہ کھاتے تھے تو ہم اشیاء نہ ہوتے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

جس شخص نے حدیث متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا، جس شخص نے حدیث مشہور کا انکار کیا وہ بعض علماء کے مطابق تو کافر ہو گیا لیکن بعض علماء کے مطابق گمراہ ہوا کافر نہیں ہوا، اور جس شخص نے خبر واحد کا انکار کیا وہ بھی کافر نہیں ہوتا مگر اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نبی کے بارہ میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرے کہ ”وہ نبی نہ ہوتا“ تو اس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ اس نبی کا مبعوث ہونا خارج از حکمت نہ ہوتا تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کی مراد اس نبی کی توہین اور اپنے کسی بغض کا اظہار ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ فلاں چیز مثلاً کدو کو بہت پسند فرماتے تھے“ اگر سننے والے نے جواب میں کہا کہ ”میں اس کو پسند نہیں کرتا“ تو یہ کفر ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے لیکن بعض متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ بات کہ ”میں اس کو پسند نہیں کرتا“ بطور اہانت کہی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا تھا اس لئے ہم سب جو لاپے زادے ہیں“ یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ جب کھانا کھاتے تھے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے“ اگر سننے والے نے یہ کہا ”یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

جس شخص نے یہ کہا کہ ”گنواروں میں عجیب رواج ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے“ تو اگر اس نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے عمل کی حقارت کے پیش نظر کہی ہے تو وہ کافر ہو گیا اسی طرح جس شخص نے یہ کہا کہ ”موچیں پست (ہلکی) کرانے اور عمامہ (کاسرا یعنی شملہ) گلے کے نیچے تک لٹکانے کا نہ معلوم کیسا رواج ہے؟“ تو اگر اس نے یہ بات رسول کریم ﷺ کی سنت پر طنز کے طور پر کہی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کوئی بات کہی اس پر دوسرے نے اس سے کہا کہ ”جھوٹ کہتا ہے اگرچہ ساری بات پیغمبرانہ ہے“ اس کہنے سے اس پر کفر لازم ہو جائے گا ایسے ہی اگر یہ کہا کہ میں اس کی بات کو نہیں مانوں گا اگرچہ اس کی ساری بات پیغمبرانہ ہے تو اس سے بھی کفر لازم آئے گا۔

ایک شخص نے اپنے غلام کو مارنے پٹینے کا ارادہ کیا، اس سے دوسرے نے کہا کہ اسے مت مارو، اس نے کہا کہ تم تو تم، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ بھی کہیں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، یا یہ کہا کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ ”اس کو مت مارو“ تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا، ماروں گا، یہ کہنے سے اس پر کفر لازم آئے گا۔

کسی نے احادیث نبوی ﷺ سے کوئی حدیث پڑھی جس کو سن کر ایک شخص نے کہا کہ ”ہم روز خلشہ خواند“ یعنی ہر روز ابھن کی چیز پڑھتا ہے تو اگرچہ اس نے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف نہ کی ہو بلکہ پڑھنے والے کی طرف کی ہو لیکن وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس حدیث کا تعلق احکام شریعت میں سے کسی حکم کے ساتھ ہو یا دین کے ساتھ ہو، اور اگر وہ ایسی حدیث تھی کہ جس کا تعلق دین و شریعت سے نہیں تھا تو اس کی تکفیر نہیں ہوگی، اور اس کے اس قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اس کا پڑھنا غیر اولی تار ہاتھا۔

اگر کسی نے کہا ”بحرمت جو انک عربی“ اور اس جملہ سے اس کی مراد آنحضرت ﷺ تھے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کسی نے کہا کہ ”نبی کریم ﷺ ایک وقت پیغمبر تھے۔ اور ایک وقت ایسا تھا کہ پیغمبر نہ تھے“ یا اس طرح کہا کہ ”میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ قبر میں

مومن ہیں یا کافر، تو یہ کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”خلاف بات نہ کہو“ اس عورت نے کہا کہ ”پیغمبروں نے خلاف کہا ہے“ تو اس کا یہ کہنا کفر ہے تو یہ کرے اور پھر نکاح کی تجدید کرے کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے تیرا دیکھنا گویا ملک الموت کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے، تو اس کا ایسا کہنا بہت بڑی غلطی ہے اور اس کے کفر میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوگا۔

اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے یہ جملہ ملک الموت سے عداوت کی بنیاد پر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر موت سے ناگواری کی بنا پر کہا ہے تو کافر نہیں ہوگا، اور اگر یہ کہا کہ فلاں کے منہ کو ملک الموت کی طرح دشمن سمجھتا ہوں تو اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، کسی نے کہا کہ میں فلاں کی گواہی نہیں سنتا خواہ وہ جبریل و میکائیل ہو تو اس صورت میں اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اگر کسی نے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو عیب لگایا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اگر کوئی کہے کہ میں فرشتہ ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوتا، اور اگر یہ کہے کہ میں نبی ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عورت سے بغیر کسی شخص کی موجودگی کے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول کو گواہ بنایا، یا یہ کہ کہا کہ خدا اور فرشتہ کو گواہ بنایا تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کہا کہ دائیں اور بائیں والے فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس صورت میں کافر نہ ہوگا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق قرآن پاک سے ہے: اگر کسی نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے کسی آیت قرآنی کا انکار کیا یا اس کے ساتھ ٹھنٹھا محول کیا، یا عیب لگایا تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی نے دف کی تھاپ پر یا بانسری کی لے پر قرآن پڑھا تو اس نے کفر کیا، ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا دوسرے نے سن کر کہا کہ ”یہ کیا طوفان کی آواز ہے“ تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے بہت قرآن پڑھا اور مجھ سے گناہ معاف نہیں کیا گیا تو اس کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔

کسی نے کسی سے کہا کہ تو نے قل هو اللہ کی کھال ٹھنچ لی، یا یہ کہا کہ تو نے الم نشرح کا گربان پکڑ لیا، یا اس شخص سے جو کسی بیمار کے پاس سورہ لیس پڑھ رہا تھا کہا ”یس مردہ کے منہ میں مت رکھو“ یا کسی سے کہا اے انا اعطینک الکوتر سے بھی زیادہ کوتاہ۔ یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا اور اس کو کوئی کلمہ یاد نہیں آ رہا تھا اس سے کہا والتفت الساق بالساق یا کسی کے پاس بھرا ہوا پیالہ لایا اور کہا کاسا دھا ق یا کسی سے مذاق کے طور پر کہا فکانت سرابا یا ناپ تول کے وقت مذاق کے طور پر کہا و اذا کالو ہم او و زوہم یخسرون یا کسی سے یہ کہا کہ تو نے الم نشرح کی پگڑی باندھ لی ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ تو نے علم کا اظہار کیا ہے یا کسی نے کسی جگہ کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا فجمعنا ہم جمیعاً یا یہ کہا وحشرنا ہم فلم یغادر منهم احدا یا کسی سے کہا کہ تو و النازعات نزعا کیونکر پڑھتا ہے تو ان کے پیش کے ساتھ یا اسے زیر دے کر اور مراد اس کی طنز کرنا تھی، یا کسی گنچے شخص سے کہا میں تو تجھ کو اس لئے برا کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلابل دان یا کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھنے چلو یا جماعت کی نماز میں چلو، اس نے جواب میں کہا کہ میں تنہا پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان الصلوۃ تنہا تو ان تمام صورتوں میں کافر ہوگا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تو نے ایسا گھر پاک صاف کیا ہے جیسے والسماء و الطارق تو بعضوں نے کہا کہ اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا، اور امام ابو بکر اسحاق نے کہا کہ یہ کہنے والا اگر جاہل ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر وہ عالم ہے تو کافر ہوگا۔ اور اگر کسی نے کہا قاعا صفا صفا ہو گیا ہے تو اس جملہ میں بڑا خطرہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے، یا دیگر میں کچھ لگا رہا گیا اس وقت کہا و الباقیات الصالحات تو یہ بھی بڑے خطرے کی چیز ہے۔

اور جب کسی نے یہ کہا کہ قرآن عجی ہے تو وہ کافر ہو گیا، اور اگر یہ کہا کہ قرآن میں ایک کلمہ عجی ہے تو اسے کافر کہنے میں غلت نہ کرنی

چاہئے یہ قابل غور ہے، کسی سے کسی نے کہا تو قرآن پاک کیوں نہیں پڑھتا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں قرآن سے بیزار ہو چکا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، ایک شخص کو قرآن پاک کی کوئی ایسی سورت یاد ہے جسے وہ بکثرت پڑھتا رہتا ہے، دوسرے نے اس پڑھنے والے سے کہا کہ تو نے اس سورت کو کمزور روزیوں پالیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، اگر کسی نے قرآن پاک کو مثلاً فارسی میں نظم کیا، تو اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کافر ہو گیا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق نماز روزہ اور زکوٰۃ سے ہے: کسی نے کسی بیمار مسلمان سے کہا کہ تو نماز پڑھ لے اس نے اس کے جواب میں کہا خدا کی قسم میں کبھی نماز نہیں پڑھوں گا اور اس نے پھر کبھی نماز پڑھی بھی نہیں یہاں تک کہ مر گیا تو وہ کافر کہا جائے گا، اور اگر صرف یہ کہا کہ میں پڑھوں گا تو اس کے اس کہنے میں چار احتمال ہیں۔ ① ایک ٹوہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ پڑھ چکا۔ ② دوسرے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا یعنی تیرے حکم سے نہیں پڑھتا اس لئے کہ تجھ سے جو بہتر ہے وہ حکم کر چکا ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ میں پڑھتا یعنی بے باکی اور فسق کے طور پر کہا، ان تینوں صورتوں میں وہ کافر نہیں ہو گا۔ ④ چوتھے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس وجہ سے کہ مجھ پر نماز واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے، اس چوتھی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے جواب میں مطلقاً یہ کہا کہ میں نماز نہیں پڑھتا تو وہ ان وجوہ کی وجہ سے کافر نہیں ہو گا۔ کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ میں پاگل ہوں جو نماز پڑھوں اور اپنے اوپر کام بڑھاؤں یا اس طرح کہ مدت گزری کہ میں نے بیگار نہیں کی، یا یہ کہا کہ یہ کام کون آخر تک پورا کر سکتا ہے، یا یہ کہ عقل مند کو ایسے کام میں نہ پڑنا چاہئے جس کو آخر تک نباہ نہ سکے، یا یہ کہا کہ میرے واسطے اور لوگ کر لیتے ہیں یا یہ کہا کہ نماز پڑھنے سے مجھے کوئی سرفرازی نہیں مل جاتی ہے، یا کہا کہ تو نے نماز پڑھ لی تو کیا سرملندی حاصل کر لی، یا کہا کہ میں نماز کس لئے پڑھوں میرے ماں باپ تو مر چکے ہیں، یا کہا کہ نماز پڑھتی نہ پڑھتی دونوں برابر ہے یا کہا کہ اس قدر نماز پڑھ چکا کہ دل اکٹا گیا، یا کہا کہ نماز ایسی چیز نہیں ہے کہ وہ باقی رہے گی تو سڑ جائے گی۔ یہ تمام جوابات کفریہ ہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آؤ فلاں کام کے لئے نماز پڑھیں، اس نے کہا میں نے بہت نماز پڑھی میری کوئی حاجت پوری نہیں ہوئی اور جواب میں یہ بات بطور طنز و استخفاف کہی تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ایک فاسق نمازیوں کو مخاطب کر کے کہے آؤ مسلمان دیکھو اور اس کے بعد وہ فسق کی مجلس کی طرف اشارہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کسی نے کہا کہ بے نمازی ہونا کیا ہی بہتر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے کسی سے کہا کہ نماز پڑھو تاکہ تمہیں بندگی کا مٹھاس حاصل ہو، یا فارسی میں کہے نماز بخوان تا حلاوت نمازیابی۔ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ”تو ممکن کہ حلاوت بے نمازی بے بینی“ یعنی تم نماز نہ پڑھو تاکہ نماز نہ پڑھنے کی لذت محسوس کر سکو، تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

غلام سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ اس نے کہا میں نہیں پڑھتا اس لئے کہ اس کا ثواب میرے آقا کو حاصل ہو گا وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مال میں نقصان دیا لہذا میں اس کے حق میں نقصان کروں گا تو یہ جواب بھی کفر ہے۔

ایک شخص صرف رمضان میں نماز پڑھتا ہے پھر بعد میں نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ یہی بہت ہے، یا کہتا ہے یہی بہت زیادہ ہوگی اس لئے کہ رمضان کی ہر نماز ستر نمازوں کے برابر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کوئی جان بوجھ کر قبلہ کے سوا کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھے مگر اتفاق سے وہ قبلہ نکل گیا تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو گیا اور اسی پر فقیہ ابواللیث نے عمل کیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی نماز بغیر وضو پڑھے یا ناپاک کپڑوں میں پڑھے تو کافر ہو جائے گا، اور اگر کوئی جان بوجھ کر اس طرح نماز پڑھا کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ ایک شخص کو قبلہ کا پتہ نہیں چلا اس نے تحری کی یعنی غورو فکر کیا کہ قبلہ کس طرف ہے، دل نے یہ مان لیا کہ اس طرف قبلہ ہے، پھر اس نے اس طرف کو چھوڑ کر دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھی، امام ابوحنیفہؒ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں

اس کے حق میں کفر کا خوف رکھتا ہوں اس لئے کہ اس نے قبلہ سے اعراض کیا اور دوسرے مشائخ کا اس کے کفر میں اختلاف ہے شمس الانمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ جب اس نے قبلہ چھوڑ کر بطور استہزاء و اہانت دوسری طرف نماز پڑھی تو ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسی صورت میں کسی وجہ سے مبتلا ہو گیا مثلاً چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے حدت ہو گیا اور شرم کی وجہ سے اس نے سوچا کہ ظاہر نہ ہونے پائے چنانچہ چھپانے کے لئے بغیر وضو نماز پڑھتا رہا یا دشمن کے پاس تھا اور کھڑے ہو کر اس حالت میں نماز پڑھی کہ وہ پاک نہ تھا، بعض مشائخ نے یہ کہا کہ اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ اس نے ایسا استہزاء کے طور پر نہیں کیا ہے لیکن اگر کوئی ضرورت یا حیا کی وجہ سے ایسی صورت میں مبتلا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے اس قیام سے نماز کے قیام کا ارادہ نہ کرے اور نہ کچھ پڑھے اور جب ان کے ساتھ رکوع میں جائے تو وہ رکوع کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی تسبیح پڑھے تاکہ وہ کسی کے نزدیک کافر نہ ہونے پائے اور ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے سے بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔

کسی نے کہا کہ نماز فرض ہے لیکن رکوع اور سجدہ فرض نہیں تو اس کہنے سے کافر نہ ہوگا، اس لئے اس کو تاویل کی گنجائش ہے کہ نماز سے میری مراد جنازہ کی نماز تھی جس میں رکوع سجدے فرض نہیں ہیں۔ اگر کوئی رکوع اور سجدوں کی فرضیت کا بالکل انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر سرف دوسرے سجدے کی فرضیت کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہوگا اس لئے کہ اس نے اجماع اور تواتر کا رد کیا۔ کسی نے کہا کہ اگر کعبہ مکرمہ قبلہ نہ ہوتا اور اس کی جگہ بیت المقدس قبلہ ہوتا تو بھی میں کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہ پڑھتا، یا اس طرح کہا کہ اگر فلاں قبلہ ہوتا تو اس کی طرف میں منہ نہ کرتا، یا یوں کہا کہ اگر فلاں جانب کعبہ ہوتا تو میں اس طرف منہ نہ کرتا، یا یہ کہا کہ قبلہ دو ہیں ایک کعبہ، دوسرا بیت المقدس، تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ ابراہیم بن یوسفؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے دکھلانے کے لئے نماز پڑھی تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس صورت میں اس پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کے لئے ثواب ہی ہے اور وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

ایک شخص کسی کافر کے پاس آیا اور ایک دو وقت کی نماز چھوڑ دی نہیں پڑھی، اگر اس نے ایسا اس کافر کی تعظیم کی وجہ سے کیا ہے تو کافر ہوگا اور اس پر ان نمازوں کی قضاء نہیں ہے، اور اگر ایسا فسق و فجور کی وجہ سے کیا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اس کو ان نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی۔ ایک شخص نے دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ایک ماہ کے بعد اس سے شیخ وقتہ نماز کے متعلق سوال کیا گیا، اس نے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ پر فرض ہے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ہاں اگر وہ نو مسلموں میں رہتا ہے تو کافر نہ ہوگا۔

اگر کوئی مؤذن سے اذان دیتے وقت کہے کہ تو نے جھوٹ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر کوئی اذان سن کر یہ کہے کہ گھنٹے کی آواز ہے تو وہ کافر ہے ایک شخص سے کہا گیا کہ تم زکوٰۃ ادا کرو، اس نے یہ سن کر کہا کہ میں ادا نہیں کرتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، بعض حضرات علماء نے کہا کہ مطلقاً اس جواب سے کافر ہو جائے گا، اور بعض کہتے ہیں کہ احوال ظاہرہ میں اس جواب سے کافر ہوگا لیکن احوال باطنہ میں اس جواب سے کافر نہ ہوگا، اور مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی نماز کی طرح چار احتمال ہونے چاہئیں اور تین صورتوں میں کافر نہ ہوگا اور ایک صورت میں ہو جائے گا، اگر کوئی کہے کہ کاش رمضان فرض نہ ہوتا تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والے کی نیت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نیت سے یہ کہا کہ رمضان کے حقوق اس سے ادا نہیں ہو سکتے تو کافر نہ ہوگا، اگر کوئی رمضان آتے وقت یہ کہے کہ بھاری مہینہ یا بھاری مہمان آیا تو کافر ہوگا، جب رجب کا مہینہ آیا اور کسی نے کہا کہ اس کے بعد خرابی میں مبتلا ہوں گے تو اگر اس نے یہ محترم مہینوں کے لئے حقارت کے طور پر کہا ہے تو کافر ہوگا اور اگر اپنے نفس پر گرانی کو ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اس سے پہلے مسئلہ میں بھی جواب اسی تفصیل کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ایک شخص نے کہا کہ ”رمضان کا روزہ جلد گزر جائے“ تو بعض کہتے ہیں کہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ کافر نہیں

ہوگا، اور اگر کوئی کہے چند ازیں روزہ کہ مراد یہ گرفت یعنی اتنے روزے کب تک؟ میرا تو اس سے دل اکٹا گیا تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اسی طرح کوئی کہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے طاعات کو ہمارے لئے عذاب بنا دیا ہے“ اس جملہ کی اگر تاویل کی تو کافر نہ ہوگا، یا اسی طرح یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر ان طاعات کو فرض نہ کرتا تو ہمارے لئے بہتر ہوتا، اگر اس جملہ کی کوئی تاویل کرے تو کافر نہ ہوگا۔

کوئی کہے کہ ”نماز میرے لائق نہیں ہے“ یا ”حلال میرے مناسب نہیں ہے“ یا یہ کہا کہ ”کس لئے نماز پڑھوں بیوی بچے تو میں رکھتا ہی نہیں“ یا اس طرح کہا کہ ”نماز کو میں نے طاق پر رکھ دیا“ تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے: اگر کوئی بغیر کسی ظاہر سبب کے کسی عالم دین سے بغض رکھے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے، ایک شخص نے باہم صلح کروانے والے کے متعلق کہا کہ اس کا دیکھنا میرے لئے ایسا ہے جیسے خنزیر (سور) کا دیکھنا، تو اس کے کافر ہو جانے کا بھی خوف ہے، اور اس پر بھی کفر کا خوف ہے جو کسی عالم یا فقیہ کو بغیر سبب برا کہے، اور وہ کافر ہو جاتا ہے جو کسی کو اس طرح کہے کہ ”تیرے علم کے مقعد میں گدھے کا ذکر“ اور اس علم سے اس کی مراد علم دین ہو۔

ایک جاہل نے علم سیکھنے والے کو اس طرح کہا کہ ”یہ جو کچھ سیکھتے ہیں وہ کہانیاں اور داستانیں ہیں“ یا یہ کہا کہ یہ سب فریب ہے یا یہ کہا کہ میں علم حیلہ کا منکر ہوں۔ تو واضح رہے کہ یہ سب جملے کفریہ ہیں۔

ایک شخص اونچی جگہ پر بیٹھ جائے اور پھر لوگ اس سے بطور مذاق اور استہزاء مسائل پوچھنے لگیں اور اس کے بعد اس کو تکیوں سے مارنے لگیں اور سب ہٹنے لگیں تو وہ سب اس فعل کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی علم کی مجلس میں واپس آ رہا تھا اس کو کسی نے کہا کہ توبت خانہ سے آ رہا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، یا اسی طرح یہ کہا کہ مجھے علم کی مجلس سے کیا کام، یا یہ کہا کہ اس شخص ان چیزوں کے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے جو علماء کہتے ہیں تو وہ کافر ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ علم کو کاسہ اور کيسہ میں نہیں رکھ سکتے یعنی یہ علم نہ کھانے کے پیالہ میں رکھنے کے لائق ہے اور نہ روپے کی تھیلی میں اور ضرورت انہی دونوں کی ہے، یا یہ کہا کہ علم کا کیا کروں گا مجھے جیب میں چاندی چاہئے تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے بال بچوں کی اتنی مصروفیات ہے کہ علم کی مجلس میں نہیں پہنچ سکتا اور اس نے اس سے علم کی اہانت کا ارادہ کیا تو اس جملہ سے بھی کفر کا خطرہ ہے۔

کوئی عالم فقیہ، علم کا تذکرہ کر رہا تھا کوئی صحیح حدیث بیان کر رہا تھا کسی نے اسے سن کر کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے اور اسے رد کر دیا یا کہا کہ یہ بات کیا کام آوے گی روپیہ چاہئے، کہ آج اسی کو عظمت حاصل ہے علم کیا کام آتا ہے، تو یہ کفر ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ دانشمندی سے بہتر فساد برپا کرنا ہے تو یہ کفر ہے، کوئی عورت جس کا شوہر عالم ہو اگر یوں کہے کہ عالم شوہر کے اوپر لعنت ہو تو وہ کافر ہو جائے گی کسی نے کہا کہ عالموں کا فعل وہی ہے جیسے کافروں کا تو وہ اس کہنے سے اس وقت کافر ہو جائے گا جب تمام افعال میں برابری ظاہر کرے کہ اس طرح حق و باطل میں اس نے برابری کو ظاہر کیا۔

ایک شخص کا کسی فقیہ سے کسی بات میں جھگڑا ہو گیا، اس فقیہ نے اس کی کوئی شرعی وجہ بیان کی، اسے سن کر جھگڑنے والے نے کہا، یہ عالمانہ پن نہ کر، یہاں کچھ نہیں چل سکتی، تو ایسے شخص پر کفر کا خوف ہے، اگر کسی نے فقیہ سے کہا ”اے دانشمند“ ”یا اے علویک“ تو اس سے کافر نہ ہوگا اگر اس کی نیت اہانت دین کی نہیں ہے۔

ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک فقیہ عالم نے اپنی کتاب ایک دوکاندار کی دوکان میں رکھ دی اور کسی کام سے چلا گیا پھر جب وہ دوکان سے گزرا تو وہ دوکاندار نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بسولہ بھول گئے، فقیہ نے کہا تیری دوکان میں میری کتاب ہے بسولہ نہیں، دوکاندار نے کہا کہ بڑھی بسولہ سے لکڑی کا قتا ہے اور تم کتاب سے لوگوں کی گردن کاٹتے ہو۔ فقیہ نے شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل سے اس واقعہ کا شکوہ کیا۔ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم کیا۔

ایک شخص نے بیوی پر غصہ کیا اور کہا کہ تو خدا کی اطاعت کر، اور ساتھ ہی گناہ سے منع کیا، بیوی نے جواب میں کہا میں اللہ اور علم کیا جانوں میں نے اپنے کو دوزخ میں رکھ چھوڑا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئی، ایک شخص سے کہا گیا کہ علم دین کے طلب کرنے والے فرشتوں کے بازوؤں پر چلتے ہیں، اس نے کہا یہ جھوٹ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قیاس صحیح نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے مطلقاً قیاس کی صحت کا انکار کیا کسی نے کہا کہ شریذ پلاؤ کا پیالہ علم سے بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا کہ پلاؤ کا پیالہ اللہ سے بہتر ہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔ یہ اس وجہ سے کہ ”اللہ سے“ کا مطلب ”اللہ کی طرف سے“ ہو سکتا ہے اور علم میں یہ تاویل نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ ”میرے ساتھ شریعت کی طرف چلو“ اس نے کہا کہ کوئی سپاہی بلاؤ تو چلوں بے جبر و اکراہ نہیں جاسکتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ قاضی کے پاس چل اور اس نے یہی جواب دیا تو کافر نہ ہوگا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ شریعت اور حیلہ مفید نہیں ہوگا، یا یہ کہا کہ ”یہ پیش نہ جاویں گے۔ یا یہ کہا کہ میرے لئے کھجور کا حلوہ ہے شریعت کیا کروں گا یہ ساری صورتیں کفر کی ہیں، اور اگر یہ کہا کہ ”جس وقت تو نے چاند لی تھی اس وقت شریعت اور قاضی کہاں تھا“ تو اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ اور علماء متاخرین میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے قاضی سے شہر کے قاضی کو مراد لیا ہے۔ تو کافر نہ ہوگا۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ ”اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے“ اس نے جواب دیا کہ ”میں رسم پر عمل کرتا ہوں نہ کہ شریعت پر“ تو اس کہنے سے بعض کے نزدیک کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو کیا کہتی ہے شریعت کا کیا حکم ہے“ بیوی نے بلند آواز سے ڈکاری اور کہا ”ایک شرع را“ تو وہ کافر ہو جائے گی اور اس کا نکاح جاتا رہے گا۔ ایک شخص نے اپنے مخالف کے سامنے ائمہ کا فتویٰ پیش کیا، اس نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور کہا ”یہ فتوؤں کا انبار تو کیا لے آیا ہے؟“ بعضوں نے کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اس لئے اس نے شریعت کا حکم رد کر دیا۔ اسی طرح اگر اس فتویٰ کے بارے میں کچھ نہ کہا مگر فتویٰ لے کر زمین پر ڈال دیا اور کہا ”یہ کیا شریعت ہے؟“ تو بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عالم سے اپنی بیوی کے متعلق کا مسئلہ دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ تمہاری بیوی پر طلاق واقع ہو گئی پوچھنے والے نے کہا ”میں طلاق ملاق کو کیا جانوں ماں بچے گھر میں ہونے چاہئیں“ تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ دو شخصوں میں جھگڑا ہوا، اس میں سے ایک دوسرے کے پاس علماء کا فتویٰ لے کر آیا اس نے کہا ”ایسا نہیں جیسا کہ فتویٰ دیا“ یا یہ کہا کہ میں اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو تعزیر (سزا) دی جائے گی۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق حلال و حرام اور فاسق و فاجر وغیرہ کے کلام سے ہے: جو کوئی حلال کے حرام ہونے کا یا حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی حرام و حلال اس لئے بتائے کہ یہ سامان رائج ہو جائے یا ایسا جہالت کی وجہ سے کیا تو وہ کافر نہ ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام حرام لعینہ ہو، اور وہ اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے تب کافر ہوگا اور اگر حرام، حرام لغیرہ ہو اور اس کو حلال بتائے تو کافر نہ ہوگا، اور اس حرام لعینہ کو حلال سمجھنے میں کافر ہوگا جب اس کی لعینہ حرام کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، لیکن اگر حرام لعینہ کی حرمت خبر احاد سے ثابت ہوگی تو اس کے حلال کا عقیدہ رکھنے میں کافر نہ ہوگا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ایک حلال تم کو زیادہ پسند ہے یا دو حرام، اس نے کہا دونوں میں سے جو جلد پہنچ جائے، تو اس کے بارہ میں کفر کا خوف ہے، اسی طرح اس وقت بھی خوف کفر ہے جب کہے کہ ہمیں مال چاہئے خواہ حلال ہو خواہ حرام ہو، اور اگر یہ کہا کہ جب تک میں حرام پاؤں کا حلال کے پاس نہیں پھکوں گا تو اس کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے اور ثواب کی امید رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اگر فقیر کو یہ معلوم تھا کہ یہ

مال حرام ہے اور اس کے باوجود اس نے وہ مال لے لیا اور دینے والے کو عادی اور اس دینے والے نے آمین کہی تو وہ کافر ہو گا۔ ایک شخص سے کہا گیا کہ ”حلال مال کھاؤ“ اس نے کہا کہ ”مجھے تو حرام مال بہت پیارا ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ ”اس دنیا میں کسی ایک حلال کھانے والے کو لاؤ تاکہ میں اسے سجدہ کروں“ تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے ایک شخص سے کہا کہ ”حلال کھایا کرو“ جواب میں اس نے کہا کہ ”مجھے تو حرام چاہئے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

کسی فاسق کے لڑکے نے شراب پی۔ پھر اس کے عزیز و اقارب آکر اس پر روپے بچھاؤ کرنے لگے تو وہ سب کافر ہو گئے، اور اگر بچھاؤ نہیں کیا بلکہ کہا کہ ”تمہیں مبارک ہو“ تو بھی کافر ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے نہیں ثابت ہوتی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے شراب پینے والے سے کہا کہ قرآن سے شراب کی حرمت ثابت ہے پھر تو شراب کیوں پیتے ہو تو بہ کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں شرابی نے کہا کہ ”از شیر مادر شکید“ یعنی کیا ماں کے دودھ سے صبر ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہو گا، اس وجہ سے کہ یا تو یہ استفہام ہے یا شراب اور دودھ میں شغف کے اندر برابری ظاہر کرنا ہے۔

اگر کوئی حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع (صحبت) کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح وہ بھی کافر سمجھا جائے گا جو اپنی بیوی سے اغلام (لواطت) کو جائز جانے، اور نوادر میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کافر نہیں ہوتا اور اس حکم کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے شراب پی اور پھر کہا کہ ”جو شخص ہمارے اس کیف میں ہمارا شریک مسرت ہے اصل مسرت اسی کی ہے اور جو شخص ہمارے اس کیف و مسرت سے ناراض ہے وہ گھائٹے میں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح جب وہ شراب پینے میں مشغول تھا تو اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کو آشکارا کر رہا ہوں یا مسلمان ہونا ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی بدکار اور شرابی نے یہ کہا کہ اگر شراب کا کوئی قطرہ گر جائے گا۔ تو جبریل علیہ السلام اپنے پیروں سے اٹھائیں گے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک فاسق سے کسی نے کہا کہ تو ہر دن اس طرح صبح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے، اس نے کہا خوب کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ گناہوں کے متعلق کسی نے کہا کہ یہ بھی ایک مذہب ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ محیط میں ایسا ہی ہے اور تجنیس ناطقی میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والا کافر نہیں ہوتا،

اسی طرح وہ بھی کافر ہو گا جو تسبیح و تہلیل کے وقت یہ جملے کہے۔ ایک شخص نے سجان اللہ کہا، دوسرے نے کہا کہ تو نے سجان اللہ کی رونق ختم کر دی، یا کہا کہ تو نے اس کی کھال ادھیڑ دی تو وہ کافر ہو جائے گا کسی سے کہا گیا کہ تم لا الہ الا اللہ کہو اس نے کہا میں نہیں کہتا بعض مشائخ کہتے ہیں کہ یہ کفر ہے، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس کی مراد اس سے یہ تھی کہ ترے حکم سے میں لا الہ الا اللہ نہیں کہتا تو وہ کافر نہیں ہو گا، اور بعضوں نے کہا کہ مطلقاً کافر ہو جائے گا اور اگر جواب میں یہ کہا کہ تو نے یہ کلمہ پڑھ کر کیا بلندی حاصل کر لی کہ میں کہوں، تو بھی کافر ہو جائے گا، ایک بادشاہ کو چھینک آئی، اس کی چھینک پر کسی نے کہا یرحمک اللہ۔ دوسرے نے یرحمک اللہ کہنے والے سے کہا کہ بادشاہ کے لئے اس طرح مت کہو تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق یوم قیامت اور قیامت سے متعلق چیزوں سے ہے: جو کوئی قیامت یا جنت دوزخ یا میزان و پل صراط اور نامہ اعمال کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح کوئی مرنے کے بعد پھر جی اٹھنے کا انکار کر دے تو وہ بھی کافر ہے۔

کوئی شخص یہ کہے ”میں یہ نہیں جانتا کہ یہود و انصاری قیامت میں جب اٹھائے جائیں گے تو وہ آگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے یا نہیں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کر دے۔ یا مرنے کے بعد عذاب قبر کا انکار کرے یا انسان کے حشر و نشر کا انکار کر لے، لیکن انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کے حشر کا

انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کافر نہیں ہوتا جو یہ کہے کہ عذاب اور ثواب کا تعلق صرف روح سے مخصوص ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ گناہ نہ کرو اس لئے کہ ایک دوسری دنیا بھی ہے جہاں حساب و کتاب ہوگا اس نے جواب دیا کہ اس دنیا کی کس کو خبر ہے تو کافر ہو جائے گا ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض باقی تھا، اس نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر یہاں تم نہیں دیتے ہو تو قیامت میں تم سے وصول کر لوں گا اس نے جواب میں کہا جی ہاں قیامت قائم ہوگی؟ تو اگر اس نے قیامت کی توہین کے ارادہ سے ایسا کہا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے دوسرے پر ظلم و ستم ڈھایا، اس پر مظلوم نے کہا آخر قیامت کا دن آنے والا ہے اس لئے ڈرو اس نے جواب میں کہا فلاں گدھا قیامت میں ہوگا تو اس سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے اپنے قرضدار سے کہا میرے روپے دنیا میں دیدے قیامت میں روپیہ نہ ہوگا اس نے کہا کہ اچھا دس روپے اور دیدو اس دنیا میں لے لینا یا میں تمہیں وہاں دے دوں گا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ مجھے حشر سے کیا کام ہے، یا یہ کہہ کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنے دشمن سے کہا کہ میں اپنا حق تجھ سے قیامت میں وصول کر لوں گا اس نے کہا اس دن اس بھیڑ میں مجھے کہاں پائے گا؟ مشائخ کو اس کے کفر میں اختلاف ہے فقہ ابواللیث کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا اس دنیا میں سب اچھا رہنا چاہئے اس دنیا میں جو ہوگا سو ہوگا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص سے کہا گیا کہ تم آخرت کے پیش نظر دنیا سے گریز کرو اس نے کہا کہ نقد چھوڑ کر ادھار پر کون بھروسہ کرے؟ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے کہا کہ جو اس دنیا میں بے عقل و خرد ہو گا وہ اس دنیا میں اس شخص کی طرح ہوگا جس کی تھیلی پھٹی ہوئی ہے یعنی ناکارہ ہوگا امام ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا کہ اگر اس سے اس کا نشا آخرت کے ساتھ تسخر اور طنز ہے تو یہ باعث تکفیر ہوگا۔ کسی نے کسی سے کہا کہ میں تیرے ساتھ دوزخ میں جاؤں گا لیکن اندر نہیں آسکتا تو کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ جب تک تم رضوان جنت کے لئے کچھ نہیں لے جاؤ گے تو وہ جنت کا دروازہ نہیں کھولے گا تو اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کسی نے بھلائی کا حکم دینے والوں سے کہا کہ یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے اگر یہ انکار ورد کے طور پر کہا ہے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کسی نے ایک شخص سے کہا کہ فلاں کے گھر جا کر بھلی بات کا حکم کرو، جواب میں کہا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے یا مجھے اس کو اذیت دینے کی کیا وجہ ہے؟ یا کہا میں الگ تھلگ ہوں اس فضول کام سے کیا واسطہ؟ تو یہ سب کفریہ الفاظ ہیں۔

کسی نے ایک شخص سے تعزیت کرتے ہوئے کہا جو اس کی جان سے کم ہو وہ تم پر زیادہ ہو تو اس سے بھی کفر کا خوف ہے۔ یا کہا کہ تم پر زیادہ کیا جائے تو یہ جہالت اور غلطی ہے یا کہا کہ فلاں کی جان کم ہو کر تیری جان پر آگیا، تو یہ بھی جہالت ہے اور اگر یہ کہا کہ وہ مر گیا لیکن اپنی جان تیرے سپرد کر گیا تو کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص بیمار تھا وہ اچھا ہوا دوسرے نے اس سے کہا فلاں گدھا پھر بھیج دیا تو یہ بھی کفر ہے۔ ایک شخص بیمار ہوا اور اس کی بیماری بہت بڑھ گئی اور اس نے طول کھینچنا بیمار نے اتنا کر خدا کو خطاب کر کے کہا کہ خواہ تو حالت اسلام پر موت دے یا حالت کفر پر تو یہ بھی باعث کفر ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق تلقین کفر و ارتداد وغیرہ سے ہے: جب کوئی کسی کو کلمہ کفر کی تلقین کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا خواہ یہ کھیل کود اور ہنسی مذاق ہی کے طور پر کیوں نہ ہو اسی طرح وہ بھی کافر ہو جائے گا جو کسی کی بیوی کو حکم دے کہ تو مرتد ہو جا اور اس طرح اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے، امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے ایک شخص نے کسی کو حکم دیا کہ تو کافر ہو جا تو حکم دینے والا کافر ہو جائے گا خواہ جس کو حکم دیا گیا ہے وہ کافر ہو یا نہ ہو۔ امام ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص کسی کو کلمہ کفر کی تعلیم دے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مرد یا عورت کو مرتد ہونے کا حکم دے گا تو بھی وہ کافر ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ کلمہ کفر زبان سے نکالے ورنہ اس کے ساتھ ایسا ایسا کرے گا یعنی جان یا کسی عضو

کے تلف کرنے کی دھمکی دی گئی اس نے اس خوف سے کلمہ کفر زبان سے کہہ دیا تو اس کی چند صورتیں ہوں گی اگر اس نے کلمہ کفر اس طرح زبان سے ادا کیا کہ اس کا دل ایمان پر بالکل مطمئن ہے دل میں کفر کا کھٹکا تک بھی نہیں گذر اس صرف زبان سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہے تو اس صورت میں نہ قضاء اس کی تکفیر کی جائے گی اور نہ وہ عند اللہ کافر ہوگا، اور اگر کلمہ کفر زبان سے کہنے والا کہے کہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اپنے بارہ میں زمانہ ماضی میں کفر کی جھوٹی خبر دے کر چھٹکارا حاصل کر لوں میں نے مستقل کفر کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں قضا یعنی قانونا اس کے کفر کا فیصلہ دیا جائے گا اور قاضی اس میں اور اس کی بیوی میں تفریق کر دے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ کلمہ کفر کہتے وقت میرے دل میں یہ بات گذری کہ گذرے ہوئے زمانہ میں کفر کی جھوٹی خبر دے دوں لیکن زمانہ ماضی میں جھوٹے کفر کا میں نے ارادہ نہیں کیا بلکہ ایام مستقبل میں ارادہ کیا تو اس صورت میں خدا کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا اور دنیا کے حکم میں بھی۔

ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے چنانچہ اس نے پڑھی تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ ① اگر وہ یہ کہتا ہے کہ زبردستی کی وجہ سے صلیب کی طرف نماز پڑھ لی ہے لیکن دل میں کوئی وہم اس کی عقیدت کا نہیں گذرا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا نہ قضاء اور نہ فی مابینہ و بین اللہ۔ ② اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں نہ کہ صلیب کے لئے تو اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔ ③ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ میں اللہ کے لئے نماز پڑھوں لیکن میں نے اس کو چھوڑ دیا اور صلیب کے لئے نماز پڑھی تو اس صورت میں وہ قضاء بھی کافر ہوگا اور فی مابینہ و بین اللہ بھی۔

ایک مسلمان سے کہا گیا کہ تم بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے جان بوجھ کر نکالا لیکن کفر کا اعتقاد پیدا نہیں ہوا تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے ادا کیا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کفر کا کلمہ ہے مگر اس نے یہ اپنے اختیار سے کہا ہے تو تمام علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جہالت عذر شمار نہ ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا کہ کافر نہیں ہوگا مذاق کرنے والا یا ٹھٹھا محول کرنے والا جب کلمہ کفر استخفاف کے طور پر بالذات آفرینی کے طور پر کہے گا تو وہ تمام کے نزدیک کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو۔

ایک شخص کی زبان سے کلمہ کفر غلطی سے جاری ہو گیا اس طرح کہ وہ دوسرا کلمہ بولنا چاہئے تھا لیکن آگیا کفر کا کلمہ تو وہ کافر نہیں ہوگا مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے البتہ گرمی یا سردی سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا زنا یعنی جینٹو پہننے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے لیکن اگر لڑائی میں جاسوسی کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا کہ توجو کچھ کر رہا ہے اس سے بہتر کفر کرنے والا ہے، اگر اس سے اس کی نیت کفر کا اچھا جانا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور بعض علماء جیسے فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ صرف اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ مجوس نو روز کے دن جو کچھ کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان اس کی موافقت میں ان کے ساتھ نکلے گا تو کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر اس نو روز کے دن ایسی چیز خریدے گا جو کبھی نہ خریدتا تھا اور یہ خریدنا نو روز کی تعظیم کے لئے ہو تو کافر ہو جائے گا، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی چیز خریدنے سے کافر نہیں ہوگا، اس دن اگر کوئی مسلمان مشرکوں کو اس دن کی تعظیم کے اظہار کے لئے کوئی تحفہ بھیجے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا ہاں اگر ان کے بچوں کی رسم مونڈن میں دعوت قبول کرے تو اس سے کافر نہ ہوگا۔

کفار کی باتوں اور معاملہ کو اچھا جاننے والا کافر ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجوس کا یہ مذہب بہتر ہے کہ اس وقت گفتگو نہ کی جائے یا مجوس کے یہاں یہ اچھا ہے کہ حالت حیض میں بیوی کو ساتھ لیٹنے بھی نہ دیا جائے، اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے کسی شخص کی عزت و جاہ کی وجہ سے اس کے جوڑے پہننے کے وقت جانور ذبح کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور یہ ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کی عظمت کے اظہار کے لئے گائے، اونٹ یا کسی جانور کا زنج کرنا یا غازیوں اور حابیوں کی داپسی پر اس کی عظمت

کے اظہار کے لئے ایسا کرنا باعث کفر ہے۔

جو جانور کسی دیوی دیوتا یا بزرگ کے نام پر چھوڑا گیا اور نامزد کر کے اس کو شہرت دیدی گئی جیسے جاہل اور بد عقیدہ لوگ کوئی جانور مثلاً بکرا چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بکرا شیخ سدو کے نام پر ہے یا یہ گائے احمد کبیر کی ہے یا یہ مرغدار صاحب کا ہے وغیرہ وغیرہ یا کسی غیر اللہ کے نام کی عظمت اور تقریب کے لئے ایسا کیا گیا تو یہ سب کفر کی باتیں ہیں، اسی طرح بزرگوں کی قبر پر یاد ریا کے کنارے جانور ذبح کرنا یا کسی دیوی دیوتا کو بھوک دینا یہ سب کام ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ایسا ذبح مردار کے حکم میں ہے اس کا کھانا درست نہیں اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ان مواقع پر جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو دونوں صورتوں میں وہ حرام ہے کیونکہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد ہو چکا ہے تو بسم اللہ پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ایسا ہی الاشباہ والنظائر، تنویر الابصار، در مختار، منہج الغفار، فتاویٰ عالمگیری اور مطالب المؤمنین وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے۔

ان میں سے بعض کتابوں میں یہ بھی صراحت ہے کہ ایسے غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا ذبح کرنے والا کافر ہے اور یہ ذبیحہ حرام ہے علماء میں ابو حصص کبیر ابو علی دقاقؒ، عبد اللہ کاتبؒ، عبد الواحدؒ، اور ابوالحسن نوویؒ وغیرہ مشہور علماء نے یہی لکھا ہے۔ اور اس کو صحیح کہا ہے اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ تمام علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جو مسلمان کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کے تقرب و تعظیم کے لئے ذبح کرے وہ مرتد ہے اور اس کے ذبح کئے ہوئے جانور کا وہی حکم ہے جو ایک مرتد کے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو غیر اللہ کے تقرب و تعظیم کے لئے جانور ذبح کرے جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب تفسیر عزیٰ میں آیت وَمَا أَهْلُ لَغْوِ اللَّهِ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ شہرت دیا گیا ہے وہ خنزیر سے بدتر ہے اور مردار ہے جن حضرات کو تفصیل مطلوب ہو ان کو چاہئے کہ وہ تفسیر عزیٰ کی مطالعہ کریں انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے یہ مسئلہ متفق ہو کر ان کے ذہن نشین ہو جائے گا۔

ایک عورت نے اپنی کمر پرستی باندھ کر کہا کہ یہ زنا (جینٹو) ہے تو وہ کافر ہو گئی ایک شخص نے اس طرح کہا کہ خیانت کرنے سے بہتر کافری ہے تو اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اس اور اسی پر ابوالقاسم صفار کافوتیؒ ہے ایک شخص نے کسی عورت کو مارا اس عورت نے کہا تو مسلمان نہیں ہے مرد نے یہ سن کر کہا ہاں میں مسلمان نہیں ہوں تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کہا کہ تو مسلمان نہیں ہے اس نے کہا نہیں تو یہ بھی کفر ہے ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے اندر دینی حیثیت اور اسلامی غیرت نہیں کہ تم اسے پسند کر رہے ہو کہ میں ایسی مزدوروں کے ساتھ سطوت کروں؟ خاوند نے جواب میں کہا ہاں مجھ میں دینی حیثیت اور اسلامی غیرت نہیں ہے تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا۔

ایک مرد نے اپنی بیوی کو اس طرح مخاطب کیا اے یہودی، اے مجوسیہ اے کافر! عورت نے یہ سن کر کہا کہ میں ایسی ہی ہوں یا کہا ایسی ہوں تو مجھے طلاق دے دیا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ کیسی رہتی یا نہ رہتی یا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ صحبت نہ کرتی یا تم مجھے نہ رکھتے تو اس کہنے سے وہ عورت کافر ہو جائے گی، اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ اگر میں ایسی ہوں تو تم مجھے نہ رکھو تو اس سے کافر نہ ہوگی۔ اور اگر کسی بیوی نے اپنے شوہر کو مخاطب کیا اے کافر اے یہودی، اے مجوسی اے کافر! پس شوہر نے اس کے جواب میں کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کو نہ رکھتا تو وہ اسی کی وجہ سے کافر ہو گیا، اور اگر کہا کہ اگر میں ایسا ہوں تو تم میرے ساتھ نہ رہو تو اس صورت میں وہ کافر نہ ہوگا۔

اور اگر کسی اجنبی سے کہا اے کافر یہودی! اس نے کہا کہ میں ایسا ہی ہوں میرے ساتھ تم مت رہو یا کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ رہتا یا اسی طرح کا کوئی جملہ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک کام کا ارادہ کیا اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اگر تم یہ کام کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اس شوہر نے وہ کام کیا اور عورت کی بات پر توجہ نہ دی تو وہ شوہر کافر نہ ہوگا۔ اپنی بیوی کو کسی نے مخاطب کر کے کہا اے کافر! بیوی نے کہا میں نہیں تم ہو، کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا اے کافر! شوہر نے کہا کہ میں نہیں بلکہ تم کافر ہو تو اس سے میاں بیوی میں جدائی واقع نہیں ہوگی اور اگر کسی اجنبی مسلمان سے کہا اے کافر! اجنبی عورت کو کہا اے کافر! اور مخاطب مرد عورت نے

جواب میں کچھ نہیں کہا یا کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا اے کافر! اور عورت نے کچھ جواب نہ دیا یا بیوی نے اپنے شوہر کو کافر کے ساتھ خطاب کیا اور شوہر نے کچھ جواب نہ دیا تو اس صورت میں ابو بکر عثمٰنی کا قول ہے کہ کہنے والا کافر ہے اور بقیہ دوسرے علماء ملتے جلتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا، اور صحیح جواب یہ ہے کہ اگر کہنے والے کا ارادہ صرف برا بھلا کہنا مقصد ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا اور اگر وہ اعتقاد بھی یہی رکھتا ہے کہ یہ مسلمان کافر ہے اور پھر اس کو کافر سے خطاب کرتا ہے تو البتہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی عورت اپنے بچے کو کافر بچہ کے ساتھ خطاب کرے تو یہ باعث کفر نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کفر ہے اسی طرح کوئی مرد اپنے بچے کو ان الفاظ سے خطاب کرے تو وہ بھی کافر نہیں ہے اور اگر اپنے جانور کو کہا اے کافر تو اس سے کافر نہ ہوگا اور کسی شخص نے کسی مسلمان کو اے کافر اے یہودی یا اے مجوسی کہہ کر خطاب کیا اور اس مسلمان نے جواب میں لبیک کہا تو وہ کافر ہوگا۔ اگر یوں کہے کہ میں ڈر گیا کہ کہیں کافر نہ ہو جاؤں تو اس سے کافر نہ ہوگا اگر کسی نے کسی سے کہا کہ تو نے مجھے اتنا ستایا کہ میرا جی چاہا کہ کافر ہو جاؤں تو وہ کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ یہ زمانہ مسلمان رہنے کا نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ کافری کا ہے۔ بعضوں نے کہا اس سے کافر ہو جائے گا اور صاحب محیط نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا۔

ایک مجوسی اور ایک مسلمان ایک جگہ ساتھ ساتھ تھے ایک شخص نے مجوسی کو پکارا کہ اے مجوسی اب اگر مسلمان نے یہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھے پکار رہا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ دونوں اس پکارنے والے کے کسی ایک کام میں مشغول تھے، اور اگر دونوں کسی ایک کام میں مشغول نہ تھے بلکہ الگ الگ کاموں میں مشغول تھے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ اگر کوئی مسلمان کہے کہ میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اسے اس کی وجہ سے معذور قرار نہیں دیا جائے گا ایک شخص نے ایک جملہ زبان سے نکالا جسے لوگوں نے کفر پر کلمہ سمجھا حالانکہ درحقیقت وہ کلمہ کفر نہ تھا مگر اس سے ان لوگوں نے کہا کہ تو کافر ہو گیا اور تیرے اور تیری بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو گئی، اس کے جواب میں اس نے کہا کافر شدہ گیر، وزن طلاق شدہ گیر، تو کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی اور اس کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کہا کہ میں فرعون ہوں یا کہا کہ میں ابلیس ہوں تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک بدکار کو نصیحت کی اور توبہ کی ترغیب دی اس کے جواب میں اس نے کہا از پس اس ہمہ کلام مغال بر سر نہم تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے ساتھ رہنے سے کافر ہونا بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گی ایک عورت نے کہا کہ اگر میں ایسا کام کروں تو کافر ہوں ابو بکر محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ عورت کافر ہو گئی اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور قاضی علی السعدی کا کہنا ہے کہ یہ جملہ تعلیق و یمنین ہے کفر نہیں ہے ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تم اس کے بعد مجھ پر ظلم کرو گے یا یہ کہا کہ اگر تم میرے لئے ایسی چیز نہ خریدو گے تو میں کافر ہو جاؤں گی تو وہ فوراً یہ کہتے ہی کافر ہو گئی۔

ایک شخص نے تمثیل کے طور پر کہا کہ میں مجوسی تھا مگر مسلمان ہو گیا یہ صرف زبان سے بطور حکایت کہا اعتقاداً نہ کہا تو بھی وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیتہ کریگا تو وہ اس سے کافر نہ ہوگا ایک شخص نے کسی مسلمان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا ایمان چھین لے اس نے اس کے جواب میں آمین کہا تو وہ دونوں کافر ہو جائیں گے کسی شخص نے کسی کو تکلیف دی اس نے کہا کہ مجھے مت ستاؤ میں مسلمان ہوں ستانے والے نے جواب دیا چاہے مسلمان رہو چاہے کافر تو وہ ایذا دینے والا کافر ہو جائے گا یا کہا کہ اگر تو کافر بھی ہو جائے تو میرا کیا نقصان تو اس سے بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا لوگوں نے اس کو تحفے دیئے دیئے ایک مسلمان نے یہ دیکھ کر کہا کہ کاش میں بھی کافر ہوتا اور پھر مسلمان ہوتا تو لوگ مجھ کو بھی تحفے دیئے دیتے یا اس نے یہ بات کہی نہیں لیکن دل میں اس کی آرزو کی تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ شراب کو حرام نہ کرتا تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ ظلم و زنا کو حرام نہ کرتا یا ناحق قتل و خوں ریزی کو حرام نہ کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ کبھی بھی حلال نہ رہیں گویا پہلی صورت میں ایسی چیز کی آرزو کی ہو۔

محال نہیں اور دوسری میں ایسی چیز کی آرزو کی جو محال ہے اسی طرح اگر کوئی تہزو کرے کہ بھائی بہن کے درمیان نکاح حرام نہ ہوتا تو اس سے کافر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شروع میں حلال رہ چکا ہے لہذا محال نہیں کہا جائے گا۔ ماحصل یہ ہوا کہ جو چیز کبھی حلال تھی اور بعد میں حرام ہو گئی اس کے حلال ہونے کی تمنا کرنا موجب کفر نہیں ہے۔

ایک مسلمان نے کسی خوبصورت گدا زبڈن عیسائی عورت کو دیکھ کر آرزو کی کہ کاش میں عیسائی ہوتا کہ اس سے بیاہ کر سکتا، تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کسی سے کہا حق بات پر میری مدد کرو اس نے کہا کہ کہیں مدد حق پر کی جاتی ہے میں ناحق پر البتہ تیری مدد کروں گا تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اس درخت کو پیدا کیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی مراد درخت لگانا سمجھی جائے گی ہاں اگر کوئی حقیقتاً پیدا کرنا مراد لے تو کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کہا کہ جب تک میرے یہ بازو موجود ہیں میری روزی کم نہ ہوگی تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس پر کفر کا خوف ہے! اگر کوئی یہ کہے کہ درویشی یا تصوف بدبختی ہے تو یہ بہت بری بات ہے۔

کسی نے چاند کے گرد کوئی دائرہ دیکھا اور دعویٰ کیا کہ بارش ہوگی اور اس طرح اس نے غیب کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک نجوی نے کسی سے کہا کہ تیری بیوی حاملہ ہے اور اس نے اس پر اعتقاد جمایا تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے الو کی آواز سنی اور پھر کسی سے کہا کہ بیمار مر جائے گا یا کوئی مصیبت آئے گی یا اسی طرح کو ابولا اور اس کی آواز سن کر کسی نے کہا کہ کوئی سفر سے آرہا ہے تو ایسے شخص کے کفر میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔ کسی نے کوئی ناجائز بات کہی دوسرے نے اس سے کہا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس کہنے سے تم کافر ہو جاؤ گے! اس نے کہا کہ پھر میں کیا کروں کافر ہوتا ہوں گا تو ہو جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے قرأت کے دوران حرف ضاد کی جگہ زائچہ پایا۔ اصحاب الجنہ کی جگہ اصحاب النار پڑھا تو ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے اگر کوئی قصد ایسا پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ جو شخص کہے قسم ہے تیری زندگانی کی یا میری زندگانی کی یا اسی طرح کی کوئی اور قسم کھائے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر وہ بندے سے حرکت چاہتا ہے تو بعضوں نے کہا یہ شرک ہے ایک شخص نے کہا کہ میں ثواب و عذاب سے بری ہوں تو کہا گیا کہ وہ اس سے کافر ہو جائے گا اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص جو کچھ بھی کہے گا میں کروں گا اگرچہ وہ کفر ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی کہے کہ میں مسلمان ہونے سے بیزار ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

مامون رشید کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ خلیفہ وقت نے ایک فقیہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے کسی کپڑا بننے والے کو قتل کر دیا تھا کہ اس قاتل پر کیا واجب ہو گا فقیہ نے کہا تعزیر واجب ہے مامون نے حکم دیا کہ فقیہ کو پٹیا جائے چنانچہ اسے پٹیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر مامون نے کہا کہ میں نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ اس نے شریعت کے ساتھ استہزاء کیا اور شریعت کے ساتھ اس طرح کا مذاق کفر ہے ایک فقیر کالی کملی اوڑھے ہوئے تھا کسی نے اس کو دیکھ کر مذکر کہا تو یہ کفر ہے۔

جو ظالم بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے اگر کوئی کسی ظالم کو اے خدا سے خطاب کریگا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر کہے اے بار خدا تو اکثر مشائخ کہتے ہیں اس سے کافر نہیں ہوگا ایک عالم صغائر نامی سے ان خطیبوں کے متعلق سوال کیا گیا جو جمعہ کے دن مبوروں پر خطبہ پڑھتے ہیں اور سلطان کو عادل الا عظم یا شہنشاہ الا عظم یا مالک رقاب الامام یا سلطان ارض اللہ یا مالک بلاد اللہ یا معین خلیفہ اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں کیا بادشاہوں کو خطبہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان القاب کے بعض الفاظ کفر ہیں اور بعض معصیت اور کذب ہیں۔ اور شہنشاہ کا لفظ بغیر عظم کی صفت کے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے لئے مخصوص ہے اس کے ساتھ بندوں کی صفت بیان کرنا جائز نہیں ہے اور مالک رقاب الامام کا جملہ بادشاہ کے لئے صریح جھوٹ ہے اسی طرح بادشاہ کو سلطان ارض اللہ یا اس طرح کے لقب سے یاد کرنا بھی

جھوٹ ہے۔

امام ابو منصور نے کہا کہ اگر کوئی کسی کے آگے زمین بوسی کرے یا اس کے سامنے جھکے، یا اپنا سر جھکائے تو وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا نشا عظیم و تکریم ہے عبادت نہیں ہے اور دوسرے مشائخ نے کہا کہ جابروں کے سامنے سجدہ ریز ہونا گناہ کبیرہ ہے اور بعض عالموں نے کہا کہ اس سے وہ مطلقاً کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس میں تفصیل ہے اگر عبادت کا ارادہ کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر تعظیم کا ارادہ کیا تو کافر نہ ہوگا مگر اس کا یہ فعل حرام ہوگا اور اگر کوئی ارادہ سرے سے پایا نہ جائے تو بھی اکثر کے نزدیک کافر ہوگا زمین چومنا سجدہ کرنے کے برابر ہے ہاں زمین پر پیشانی یا رخسار رکھنے سے ہلکا جرم ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ خراج، سلطان کی ملکیت ہے تو یہ کفر ہے! اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی سے پیش آئے اور وہ یہ کہے کہ یہ سب تیری لائی ہوئی مصیبت ہے خدا کو اس میں دخل نہیں ہے تو یہ بھی کفر ہے اگر کوئی بادشاہ کے خلعت زیب تن کرتے وقت اس کی خوشنودی اور مبارکبادی کے لئے قربانی کرے گا تو کافر ہوگا اور یہ قربانی مردار کے حکم میں ہوگی اور اس کا کھانا درست نہ ہوگا۔

کہیں کہیں یہ جوہندوانہ رواج ہے کہ جب کسی کے چچک نکلتی ہے تو عورتیں کسی پتھر کا نام چچک رکھ دیتی ہیں اور اس کی پوجا کر کے بچوں کی چچک سے شفا چاہتی ہیں اور اعتقاد رکھتی ہیں کہ اس سے بچہ اچھا ہو جائے گا یہ باعث کفر ہے اور وہ عورتیں کافر ہو جاتی ہیں اور اگر ان کے شوہر بھی اسے پسند کریں تو وہ بھی کافر ہیں۔ اسی طرح دریائے کنارے جا کر پانی کو پوجنا اور وہاں بکری وغیرہ ذبح کرنا بھی خالص مشرکانہ رسم ہے اور باعث تکفیر ہے اور وہ بکری مردار کے حکم میں ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ایسے ہی گھر میں تصویر بنا کر رکھنا اور اس کی پرستش کرنا جیسا کہ آتش پرست کرتے ہیں۔ یا بچہ پیدا ہونے کے وقت شکر گف سے نقشہ بنانا اور اس میں تیل ڈالنا اور پھر بھوانی بت کے نام سے اس کی پوجا کرنا یا اس طرح اور جو دوسرے کام کئے جاتے ہیں یہ سب مشرکانہ رسم اور کفر کا باعث ہیں چنانچہ جو عورتیں یہ سب کچھ کرتی ہیں وہ کافر ہو جاتی ہیں اور ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آجکل جب تک خیانت نہ کرو اور جھوٹ نہ بولو گزراہ نہیں ہو سکتا، یا کہتا ہے کہ جب تک خرید و فروخت میں تم جھوٹ نہ بولو گے روٹی نہیں ملے گی، یا کسی سے کوئی کہے کہ تم کیوں خیانت کرتے ہو، یا کیوں جھوٹ بولتے ہو، وہ جواب دے کہ اس کے علاوہ چارہ نہیں ہے تو ان الفاظ سے وہ کافر ہو جائے گا! اگر کوئی کسی سے کہے کہ تم جھوٹ نہ بولا کرو اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ یہ بات تو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے زیادہ درست ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اگر کسی کو غصہ آئے اور دوسرا اس کا غصہ دیکھ کر کہے کہ یہ غصہ سے بہتر تو کافر ہی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایک ناجائز بات کہنے لگے دوسرا کہے یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس سے تو تم پر کفر لازم آ رہا ہے وہ جواب میں کہے کہ اگر مجھ پر کفر لازم آتا ہے تو تم کیا کرو گے۔ تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا کسی کے دل میں ایسی چیز کا خطرہ گذرا جو باعث کفر ہے اگر وہ اس کو اس حالت میں زبان پر لایا کہ وہ اسے برا جانتا ہے تو یہ ایمان کی علامت ہے اور اگر کفر کے ارادہ سے اس کو زبان پر لایا تو اسی وقت وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ سو برس کے بعد کفر اختیار کرے اگر کوئی شخص بخوشی اپنی زبان پر کلمہ کفر لایا مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہے تو وہ کافر ہو جائے گا

اور عند اللہ مؤمن باقی نہ رہے گا اور جو شخص بھول کر ایسے الفاظ زبان پر لائے جو باعث کفر نہیں ہیں تو وہ علیٰ حالہ مؤمن ہے اور اس کو نہ توبہ کا حکم دیا جائے گا اور نہ تجدید نکاح کا اگر کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی یا کوئی ایسا عمل کیا جس میں کئی صورتیں کفر کی ہوں اور ایک صورت ایسی ہو کہ کفر لازم نہ آتا ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی عدم کفر کی طرف رجحان رکھے ہاں اگر وہ شخص صراحت کے ساتھ اس صورت کو اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو اس وقت کوئی تاویل مفید نہیں ہوگی، لیکن اگر کہنے والے کی نیت میں وہ صورت ہو جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر وہ صورت اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو کسی قسم کا فتویٰ اس کے لئے کارآمد نہ ہوگا اور اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ توبہ کرے اور اس بات سے رجوع کرے اور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔

مسلمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ صبح و شام ذیل کی دعا پڑھتا رہے انشاء اللہ وہ کفر و شرک کی ہر صورت سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرَكَ بِكَ شَيْئًا وَاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ فَاَوْفِیْ مَا مَکِیْرٰی تَسُوْبَاتِ کَفْرِ کِیْ جُوْحَثِ نَفْلِ کِیْ جَارِیْ هٰی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَه پوری ہوئی۔

الفصل الاول

مرتد کی سزا قتل ہے

(۱) عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ اَتٰی عَلِیُّ بْنُ زَادِقَةَ فَاحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ بَنَیَّ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحْرِقْهُمْ لَنْهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعْدُوْا بَعْدَ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهُ فَاَقْتُلُوْهُ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ زندیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا ڈالا پھر جب اس بات کی خبر حضرت ابن عباسؓ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کو ایسے عذاب میں مبتلا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ہو جیسے کسی کو آگ میں جلاتا بلکہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔“ (بخاری)

تشریح: اصل میں ”زندیق“ مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زہشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب زند کے پیروکار ہیں لیکن اصطلاح عام میں ہر لمحہ فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی زندیق سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جن لوگوں کو زندیق کہا گیا ہے وہ دراصل عبد اللہ ابن سبا کی قوم میں سے کچھ لوگ تھے جو حدود اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور امت کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے اس عظیم فتنہ کا سرکچنے کے لئے ان سب کو پکڑوا لیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سب توبہ کریں اور یہ فتنہ پھیلانے سے باز رہیں لیکن جب انہوں نے اس سے انکار کر دیا تو حضرت علیؓ نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ کے اس گڑھے میں ڈلوادیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کا ذکر وہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک ابن عباسؓ نے سچ کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس مصلحت کے پیش نظر ان سب کو جلوا دیا کہ یہی لوگ نہیں بلکہ ان کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس قسم کی مفسدہ پر دازی سے باز رہیں۔

کسی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دو

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النَّارَ لَا يَعْذِبُ بِهَا إِلَّا اللَّهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آگ کے عذاب میں تو صرف اللہ تعالیٰ مبتلا کرتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے آگ میں جلانے کی سزا دے۔“ (بخاری)

فرقہ خوارج کی نشاندہی

(۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خِدَاتُ الْأَسْتَنَانِ

سَفَهَاءُ إِلَّا خَلَامٌ يَقُولُ مِنْ خَيْرٍ قَوْلَ الْبَرِّ لَا يُجَاوِزُ إِيْمَانُهُمْ حَنَا جَزَهُمْ يَمُوتُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمُوتُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ فَإِنَّمَا لَقِيَتْهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنِ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس زمانہ کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان ہوں گے بلکہ عقل والے ہوں گے لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے لیکن ان کا ایمان ان کے طلق سے آگے نہیں جائے گا ایمان سے مراد نماز ہے یعنی ان کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے لہذا تم میں سے جس شخص کی ایسے لوگوں سے مڈبھیڑ ہو جائے وہ انہیں قتل کر دے کیونکہ ان کے قتل کرنے کا اس شخص کو قیامت کے دن انعام ملے گا جو انہیں قتل کرے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ لوگ وہ بہترین اقوال اور اچھی باتیں بیان کریں گے جو عام طور پر خدا کے نیک بندوں کی زبانوں پر رہتی ہیں یعنی قرآن کریم کی آیات لیکن ملحوظ رہے کہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں تو من خیر قول البریہ ہے یعنی خیر کا تعلق قول سے ہے چنانچہ یہاں اسی کے مطابق ترجمہ و مطلب بیان کیا گیا ہے جب کہ مصاحف میں من قول خیر البریہ ہے یعنی اس میں خیر کا تعلق البریہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ بہترین انسان کے اقوال بیان کریں گے اس صورت میں قرآن کریم کی آیات کی بجائے رسول کریم ﷺ کی احادیث مراد ہوں گی۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ جملہ کی زیادہ مناسب اور موزوں ترکیب وہی ہے جو یہاں مشکوٰۃ میں نقل کی گئی ہے کیونکہ احادیث میں خوارج کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات پڑھیں گے اور ان سے اپنے غلط عقائد و نظریات پر استدلال کریں گے اور ان آیات کی غلط تائید کریں گے۔

جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور اس میں جلدی پیوست ہو کر فوراً نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر شکار کے خون وغیرہ سے آلودہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے نکل جائیں گے! طبی کہتے ہیں کہ اس تمثیل کی مراد ان لوگوں کا دین کے دائرہ میں داخل ہونے پھر دین کے دائرہ سے نکل جانے اور اس تیر کی مانند جو شکار میں پیوست ہو کر نکل جائے اور آلودہ نہ ہو ان لوگوں پر دین کی کسی بات کے اثر نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کا منشاء ان خوارج کی نشان دہی کرنا ہے جو امام وقت اور اسلامی حکومت کے اطاعت گزار نہیں ہوتے اور لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہیں چنانچہ ابتداء میں ان خوارج کا ظہور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا جن میں سے اکثر کو حضرت علی کرم وجہہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ: خطاباً کہتے ہیں کہ علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہی کے مسلمانوں ہی کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کے ہاں نکاح کرنا بھی جائز ہے اور ان کا زیچہ کھانا بھی درست ہے نیز ان کی گواہی بھی معتبر ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان لوگوں کے بارہ میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں پھر ہم ان کو کافر کس طرح کہہ سکتے ہیں اس کے بعد پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ منافق تو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں اس لئے انہیں منافق بھی نہیں کہا جاسکتا پھر پوچھا گیا کہ تو آخر وہ کیا ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ کے لوگ ہیں فتنہ و گمراہی نے ان کو گھیر لیا ہے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا خوارج مسلمانوں کے ایک فرقہ کا نام ہے جو گمراہی میں مبتلا ہے اس فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ بندہ نہ صرف گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔

خوارج کے بارہ میں آنحضرت کی پیش گوئی

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ أُمَّتِي فِرْقَتَيْنِ فَيُخْرَجُ مِنْ بَيْنَهُمَا

مَارَقَةً يَلْبِي قَتْلَهُمْ أَوْ لَا هُمْ بِالْحَقِّ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کچھ دنوں بعد میری امت دو فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان دونوں فرقوں میں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو حق کی اطاعت سے نکلے والی ہوگی اس جماعت کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمہ داری ان دونوں فرقوں میں سے وہ شخص پورا کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: دو فرقوں سے مراد ایک تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں کی جماعت ہے اور دوسری حضرت امیر معاویہؓ کے حامیوں کی جماعت ہے ان دونوں کے درمیان سے جو ایک تیسری جماعت پیدا ہوئی اسی کو خوارج کہا گیا ہے خوارج کو فنا کے گھاٹ اتارنے اور ان کے قتل و فساد کا دافیہ کرنے کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ متوجہ ہوئے کیونکہ اس وقت انہی کی شخصیت حق سے زیادہ قریب کا سب سے بڑا مصداق تھی۔

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جانا ہے

⑤ وَعَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوُدَّاعِ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ - (متفق علیہ)

”اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خبردار میرے بعد کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے یہ استیفاء ہے یعنی ایک الگ جملہ ہے جو اس ممانعت کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانے کی وضاحت اور بیان ہے گویا سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ کفر کے ذریعہ پیچھے پھر جانا کیونکر ممکن ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنا یعنی یہ ایک ایسا عمل ہے جو کافروں کے عمل کے مشابہ ہے یا یہ عمل کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا التَّقَى الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ أَحَدُهُمَا عَلَى أَخِيهِ السَّلَاحَ فَهَذَا فِي جُوفِ جَهَنَّمَ فَإِذَا قُتِلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبُهُ دَخَلَ هَا جَمِيعًا وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ إِذَا التَّقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفٍ فَهَذَا الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قُلْتُ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابوبکرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب دو مسلمانوں کی آپس میں اس طرح مڈ بھیر ہو کہ ان میں کا ایک اپنے دوسرے (مسلمان) بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ایک روایت میں ابوبکرؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر دو مسلمانوں کی آپس میں تلوار کے ساتھ مڈ بھیر ہو اور ان میں کا ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل و مقتول دونوں ہی دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے میں نے عرض کیا کہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو ظاہر ہے کہ اس نے چونکہ ظلم کیا ہے اس لئے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا مگر مقتول کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ کہ وہ تو مظلوم ہے اس کو دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی یعنی حریف کو قتل کرنے پر آمادہ تھا یہ اور بات ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور دوسرے کا وار بھر پور پڑا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو، ہاں اگر ان میں سے ایک حق پر ہوگا تو دوزخ کی آگ میں اسی کو ڈالا جائے گا جو ناحق پر ہوگا، لیکن یہ بھی اسی

صورت میں ہے جب کہ اشتباہ، التباس اور تاویل سے قتل سرزد نہ ہو۔
وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا اور ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام چیز کے ارتکاب کی محض آمادگی پر بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ صورت مذکورہ میں یہی نوعیت ہے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی جان کے طلب گار ہوتے ہیں ہاں اگر مقتول محض اپنے دفاع کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی نیت میں دوسرے کے قتل کی خواہش و ارادہ کا دخل نہ ہوتا تو اس سے مواخذہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت نے ”دفاعی کاروائی“ کی اجازت دی ہے۔

مرتد اور قزاقوں کی سزا

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُكْلٍ فَاسْلَمُوا فَأَجْتَنُوا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْتُوا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيُشَرِّبُوا مِنْ آبِوَالِهَاءِوَالْبَنَاهِافَفَعَلُواافَصَحُّوْافَارْتَدُّوْافَوَقَتَلُوْافَاعَاتَهَاوَأَسْتَأْفُواإِلَّابِلَ فَبَعَثَ فِي أَنْتَارِهِمْ فَأَتَى بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْوَأَرْجَلَهُمْوَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِنْهُمْ حَتَّى مَاتُواوَفِي رِوَايَةٍفَسَمَرُوا أَعْيُنَهُمْوَفِي رِوَايَةٍأَمَرَ بِمَسَامِيرٍ فَأَحْمِيَتْ فَكُلَّحَلَمَ بِهِاَوَطَرَحَهُمْ بِالْحِزَّةِ يَسْتَسْقُونَفَمَا يُسْقُونَ حَتَّى مَاتُوا(متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے اور اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ اس مرض میں مبتلا ہو گئے کہ ان کے پیٹ پھول گئے اور رنگ زرد ہو گیا آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر زکوٰۃ کے اونٹوں کے رہنے کی جگہ چلے جائیں اور وہاں ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہو گئے پھر وہ ایسی گراہی میں مبتلا ہوئے کہ مرتد ہو گئے اور مستزادیہ کہ ان اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہو تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے چند سواروں کو بھیجا جو ان سب کو پکڑ لائے۔ ان کے اس جرم کی سزا کے طور پر آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو گرم تیل میں داغا بھی نہیں گیا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں داغ دیا جاتا ہے تاکہ خون بند ہو جائے لیکن ان کے ساتھ یہ بھی نہیں کیا گیا آخر کار وہ سب مر گئے۔“

تشریح: ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں اس ارشاد گرامی سے حضرت امام محمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے یہی قول امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان جانوروں کا پیشاب نجس (ناپاک) ہے ان کی طرف سے اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا ہو گا کہ ان کے مرض کا علاج صرف اونٹ کا پیشاب ہے اس لئے آپ ﷺ نے مخصوص طور پر ان لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کا پیشاب پینا دوا کے علاوہ حلال نہیں ہے اسی طرح دوا کے طور پر پینا بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر کوئی بھی متفق نہیں ہے کہ پیشاب میں کسی مرض کی شفا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی مرض کے علاج کے لئے پینا حلال ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ نے مثلاً سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اس طرح کی سزا دی، اس کی وجہ یہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا اس لئے آنحضرت نے بطور قصاص ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا یہ وجہ تھی کہ چونکہ ان مفسدوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا یعنی مرتد بھی ہوئے، چرواہوں کو قتل بھی کیا ہے اور قزاقی بھی کی کہ لوٹ مار کر کے سارے اونٹ لے گئے اور امام وقت کو حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کے جرم کی صورت میں بطور زجر و تنبیہ اور بمصلحت امن و انتظام مجرم کو مختلف طرح کی سزائیں دے چنانچہ آپ ﷺ نے اسی کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ اس

طرح کا معاملہ کیا۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی و منشاء کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں حدود کی شرعی ہزاؤں اور قزاقوں کی سزا کے بارہ میں صریح احکام بیان کئے گئے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مثلہ کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی اس واقعہ کے بعد کا حکم ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن دوسرے بعض حضرات کا قول یہی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بلکہ اسی موقعہ پر وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قزاقوں کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا رسول دے دی جائے اور یا ان کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹ دیا جائے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو جو سزا دی وہ بطور قصاص تھی کہ انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ آخری وقت میں ان مفسدوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا، تو اس کے بارہ میں بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی قصاص کے طور پر تھا کہ ان مفسدوں نے بھی اونٹوں کے چرواہوں کو اسی طرح بغیر پانی کے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تھا چنانچہ ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہیں دیا گیا، لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کو پانی نہ دینے کا حکم آنحضرت ﷺ نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے ان مفسدوں کے تئیں انتہائی نفرت اور غصہ کے اظہار کے طور پر از خود ان کو پانی نہیں دیا۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سزا موت کا مستوجب ہو چکا ہو اور اس کو قتل کرنا واجب ہو وہ اگر پانی مانگے تو پانی دینے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

الفصل الثانی

مثلہ کی ممانعت

⑧ عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَشَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنْ الْمُثْلَةِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ أَنَسٍ -

”حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقہ خیرات دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: جسم کے کسی عضو جیسے ناک، کان، ستر یا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو مثلہ سے منع فرمانا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلی حدیث میں مذکور واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی چا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹنا جانا قصاص کے طور پر تھا۔

جانوروں کے ساتھ آنحضرت کا جذبہ رحمت

⑨ وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَنْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حِمْرَةً مَعَهَا فَرْحَانٌ فَأَخَذْنَا فَرْحَيْنِهَا فَجَاءَتِ الْحِمْرَةُ فَجَعَلَتْ تُفْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَّعَ هَذِهِ بَوْلَهَا زِدُوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةً نَمْلٌ قَدْ حَزَرَ قُتَاهَا قَالَ مَنْ حَزَرَ هَذِهِ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ النَّارُ الْأَرْبَ النَّارَ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عبداللہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حمرہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حمرہ آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا جیسی نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے جب حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو پھر آپ ﷺ نے ان چوہنیوں کے رہنے کی جگہ کو دیکھا جس کو ہم نے جلادیا تھا اور فرمایا کہ ان چوہنیوں کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پروردگار کے علاوہ کہ جو آگ کا بھی مالک ہے اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”خمرہ“ ح پر پیش اور میم پر تشدید و زبر ایک پرندے کا نام ہے جو سرخ رنگ کا اور چڑیا کی مانند چھوٹا ہوتا ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آگ کے ذریعہ کسی کو عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایاں ہے اور چونکہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے اس لئے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ میں جلائے۔

چوہنیوں کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر چوہنیاں تکلیف پہنچانے میں ابتدا کریں یعنی از خود کسی کو کاٹنے لگیں تو ان کو مار ڈالنا چاہئے ورنہ ان کو بارنا مناسب نہیں ہے، اسی طرح چوہنیوں کے بلوں کو آگ سے جلانا بھی ممنوع ہے، نیز چوہنیوں کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے اگر ایک چوہنی کاٹے تو صرف اسی کو مارا جائے اس کے ساتھ اور چوہنیوں کو مار ڈالنے کی ممانعت ہے۔

ایک باطل فرقہ کے بارہ میں پیش گوئی

⑩ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفِرْقَةٌ قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسَيِّئُونَ الْفِعْلَ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ يَمْزُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْزُقُ السَّهْمُ مِنَ الزَّمِيمَةِ لَا يَزْجَعُونَ حَتَّى يَرْتَدَّ السَّهْمُ عَلَى فَوْقِهِ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ طَوْبِي لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتْلُوهُ يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَلَيْسُوا بِمُصَافِي شَيْءٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللَّهِ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا سَيَمَّاهُمْ قَالَ التَّحْلِيْقُ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت انسؓ ابن مالک رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”عنقریب میری اُمت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا ایک فرقہ جو باتیں تو اچھی کرے گا مگر اس کا عمل برا ہوگا اس فرقہ کے لوگ قرآن کریم پڑھیں گے لیکن ان کا وہ پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا یعنی قبول نہیں ہوگا اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر، شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک کہ تیر اپنے سوافار کی طرف نہ لوٹ آئے اور وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدترین ہوں گے۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو ان لوگوں کو قتل کر دے یا وہ لوگ اس کو قتل کر دیں۔ یعنی جو شخص ان لوگوں کے فتنہ اور ان کی گمراہی کا سرکچنے کے لئے ان کا مقابلہ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے یا وہ ان لوگوں سے حق کے لئے لڑتا ہوا خود قتل ہو جائے تو دونوں صورتوں میں اس کے لئے حق تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادتوں کی خوشخبری ہے کہ پہلی صورت میں تو وہ غازی کا لقب پائے گا اور دوسری صورت میں شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرے گا وہ لوگ بظاہر تو انسانوں کو کتاب اللہ کی دعوت دیں گے لیکن رسول کریم ﷺ کی سنت اور ان کی احادیث کو ترک کرنے پر اکسائیں گے حالانکہ احادیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح ہیں کہ احادیث کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے وہ لوگ کسی معاملہ میں ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہیں یعنی وہ کسی بات میں مسلمان شمار نہیں ہوں گے جو

شخص ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتارے گا وہ اپنی جماعت میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہوگا صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کی پہچان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”سرمنڈانا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: میری اُمت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آپس میں اختلاف و افتراق کو ہوا دیں گے اور اپنی اغراض کے لئے اُمت کے اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے! یہ جملہ ایک فرقہ باتیں تو اچھی کرے گا مابقی کے جملہ کی وضاحت اور بیان ہے یعنی اُمت میں جو لوگ اختلاف و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کریں گے ان کی ایک خاص علامت یہ ہوگی کہ وہ باتیں تو بڑی اچھی اچھی کریں گے لیکن ان کا عمل بہت ہی برا ہوگا ان کی زبان سے تو یہ ظاہر ہوگا کہ پوری اُمت میں یہی لوگ ہیں جو دین کے شیدائی ہیں، خدا اور رسول ﷺ کے سچے اطاعت گزار ہیں، اور مسلمانوں کے بھی خواہ ہیں لیکن ان کے عمل و کردار کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنی اغراض کے لئے مسلم دشمن طاقتوں کا آلہ کار، اپنے نفس کے غلام اپنی خواہشات کے بندے اور مال و جاہ کی حرص میں مبتلا ہوں گے اور ان کا بنیادی مقصد اتحاد اُمت کی جڑیں کھوکھلی کرنا ہوگا۔

یہ جملہ یَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ اس فرقہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے یا تو استیناف یعنی ایک الگ جملہ ہے جو مابقی کی عبارت کی توضیح و بیان ہے یا شاطبیؒ کے مسلک کے مطابق بدل ہے یا پھر اس سے نفس اختلاف کی وضاحت مراد ہے کہ عنقریب میری اُمت کے لوگوں میں اختلاف و افتراق پیدا ہو جائے گا اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے ان میں سے ایک فرقہ حق پر ہوگا اور ایک فرقہ باطل پر ہوگا طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس تاویل کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو اسی باب کی پہلی فصل میں نقل ہو چکا ہے کہ تَكُونُ أُمَّتِي فِرْقَتَيْنِ فَنُخْرِجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَذَاقَةً يَلْبِئِي قَتْلَهُمْ أَوْ لَا هُمْ بِالْحَقِّ اس صورت میں کہا جائے گا کہ لفظ قَوْمٌ مابعد کے جملہ کا موصوف ہے اور اس کی خبر جملہ یَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ ہے اور اس جملہ کا مقصد ان دونوں فرقوں میں سے ایک فرقہ کی (جو باطل ہے) نشان دہی کرنا ہے جب کہ دوسرے فرقہ کے ذکر کو اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود بخود مفہوم ہو جاتا ہے۔

لا ینجاوِز تراقیہم ان کا پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ لوگ بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور محض آلہ کار کے طور پر قرآن کریم کو پڑھیں گے اس لئے ان کی قرات کا اثر ان مخرج حروف اور ان کی آوازوں سے آگے نہیں جائے گا جس کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کا کوئی بھی اثر نہ ان کے دل پر ہوگا اور نہ ان کے دوسرے اعضاء حرکت و عمل اثر پذیر ہوں گے چنانچہ قرآن کریم کی جن باتوں پر یقین و اعتقاد کرنا لازم ہے ان پر وہ اعتقاد و یقین نہیں رکھیں گے اور قرآن کریم کی جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے وہ ان پر عمل نہیں کریں گے۔ یا اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قرات کو اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھائے گا یعنی اس کو قبول نہیں کرے گا گویا ان کی قرات ان کے حلقوں سے آگے نہیں بڑھے گی۔

حتیٰ یرتد السهم علی فوقہ جب تک کہ تیر اپنے سو فار کی طرف نہ لوٹ آئے یہ تعلیق بالحال ہے یعنی جس طرح تیر کا اپنے سو فار اپنی چٹکی کی جگہ واپس آنا محال ہے اسی طرح ان لوگوں کا دین کی طرف پھر آنا بھی محال ہے گویا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد حتیٰ یلج العجمل فی مسم الخیاط کی مانند ہے اور اس جملے کا منشاء اس بات کو تاکید اور شدت کے ساتھ بیان کرنا ہے کیونکہ وہ لوگ سخت قسم کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور یہ غلط گمان ان کے قلب و دماغ میں بیٹھ چکا ہوگا کہ ہم حق اور ہدایت پر ہیں اس لئے ان کا دین کے دائرہ میں لوٹ آنا ناممکن ہوگا۔

”سرمنڈانا“ آپ ﷺ نے یہ بات شاید اس لئے فرمائی کہ اس زمانہ میں عرب میں سرمنڈانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ اکثر لوگ سروں پر بال رکھا کرتے تھے، اس ارشاد کا مقصد سرمنڈانے کی برائی یا تحقیر کرنا نہیں ہے کیونکہ سرمنڈانا تو خدا کے شعار اور اس کی طاعت میں سے ایک عمل ہے اور ان لوگوں کی عادات میں سے ہے جو خدا کے نیک و صالح بندے ہیں۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تخلیق سے مراد سرمنڈانا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو ”حلقہ در حلقہ بٹھانا“ مراد ہے جو ان لوگوں کی طرف سے محض نمائش اور تکلف کے طور

پر ہو گا۔

وہ تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جاسکتی ہے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدَانِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا يَأْخُذِي ثَلَاثٌ زَنَى بَعْدَ إِحْصَانٍ فَإِنَّهُ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُصَلَّبُ أَوْ يُنْفَى مِنَ الْأَرْضِ أَوْ يُقْتَلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نفس مسلمان کہ جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کا خون حلال نہیں ہے ہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ محصن ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے دوسری صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے نکلے یعنی جو مسلمان قرآنی کرے یا بغاوت کی راہ پر لگ جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور تیسری صورت قتل نفس کی ہے کہ جو مسلمان کسی کو عداوت قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”محصن“ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جو آزاد ہو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یعنی شادی شدہ ہو اور پھر اس کے بعد زنا کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کر کے ختم کر دیا جائے۔

قرآنی کرنے والے کے بارہ میں تین سزائیں بیان کی گئی ہیں ① قتل کر دیا جائے ② سولی دیا جائے۔ ③ قید میں ڈالا جائے ان تینوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ قزاق مال تو نہ لوٹ سکا ہو مگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے مال بھی لوٹا ہو اور کسی کو قتل بھی کیا ہو تو اس صورت میں اس کو سولی دی جائے گی۔ اب اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ مرجائے لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت ہو۔

تیسری سزا قید کی ہے اس کے لئے حدیث میں یُنْفَى فِي الْأَرْضِ کے الفاظ ہیں اس کے معنی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہیں کہ اس کو مسلسل شہر بدر کیا جاتا رہے یعنی اسے کسی ایک شہر میں ٹھہرنے اور رہنے نہ دیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جاتا رہے تاکہ اسے قرار و آرام نہ مل سکے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جب کہ اس نے نہ تو مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو بلکہ راگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہو اور اس طرح اس نے راستے کے امن و عافیت کی طرف سے لوگوں کو خوف و تشویش میں مبتلا کیا ہو حدیث کا یہ جز جس میں قزاقوں اور راہزنوں کی مذکورہ بالا سزائوں کا حکم ہے؟ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے کہ:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ۔ (المائدہ: ۳۳)

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بد امنی پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں، یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا زمین سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے جائیں اس اعتبار سے بظاہر حدیث میں أَوْ يُنْفَى فِي الْأَرْضِ سے پہلے یہ عبارت أَوْ يُقَطَّعُ يَدَا وَرِجْلَاهُ مِنْ خِلَافٍ بھی ہوئی چاہئے تھی تاکہ یہ حدیث مذکورہ آیت کے پوری مطابق ہو جاتی لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں تو یہ عبارت رہی ہو البتہ یہاں حدیث کے

راوی کی بھول سے نقل ہونے سے رہ گئی ہو یا راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو قصداً حذف کر دیا ہے۔“
حرف او حدیث میں بھی قرآن کی آیت میں بھی اظہار تفصیل کے لئے ہے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تخمیر کے لئے ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ امام وقت اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ مذکورہ تفصیل کا لحاظ کئے بغیر ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب جانے قزاق کو دے۔

کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی ممانعت

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتَرْزِقُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَأَنْطَلَقَ بَعْضُهُمْ إِلَى جَبَلٍ مَّعَهُ فَأَخَذَهُ فَفَرَّعَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرْزُقَ مُسْلِمًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن ابی لیلی (تابعی) کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ کسی موقع پر رات میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص جب کسی پڑاؤ پر سو گیا تو ان میں کا ایک دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور سونے والا اس سے ڈر گیا، آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی یہ حرکت دیکھ لی یا آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں سنا تو فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔“ (ابوداؤد)

اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو

(۱۳) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِجُزَيْتِهَا فَقَدْ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ تَرََعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَجَعَلَهُ فِي عُنُقِهِ فَقَدْ وَلِيَ الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابودرداءؓ اور رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی جزیہ والی زمین کو خریدا اس نے اپنی ہجرت کو توڑ دیا اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لیا اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے کوئی خرابی جزیہ والی زمین خریدی تو اس مسلمان پر اس زمین کا وہ جزیہ عائد ہوگا جو اس زمین کے پہلے مالک ذمی پر عائد تھا۔ اور طرح گویا وہ مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے جن حقوق اور جس شرف و عزت کے دائرہ میں تھا اس سے نکل جائے گا اور ایک کافر کی ذلت یعنی جزیہ کی تختی کو اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں ڈالنے والا ہوگا۔ اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر... الخ حدیث کا یہ جزء دراصل پہلے جزء کا بیان اور اس کی وضاحت ہے کہ جس مسلمان نے ایک کافر کے جزیہ کو اپنے ذمہ لے لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی ہوئی عزت دے کر کفر کی ذلت و رسوائی مول لے لی اور اس طرح اس نے کفر کو اسلام کا بدل قرار دیا۔

خطابی کہتے ہیں کہ یہاں ”جزیہ“ سے مراد ”خراج“ ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے کوئی خرابی زمین خریدے گا تو اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اب وہ اس مسلمان پر عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں

(۱۴) وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمَ فَأَعْتَصَمَ نَاسٌ مِّنْهُمْ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتْلُ فَلَبِغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِبُصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُّقِيمٍ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ؟ قَالَ لَا تَتَرَايَ نَارًا أَهْمًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جریر ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ غنم کے مقابلہ پر ایک لشکر بھیجا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ (جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کا رہن سہن قبیلہ کے کافروں ہی کے ساتھ تھا نماز کی پناہ پکڑنے لگے) یعنی لشکر والوں کو علم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں اور اس طرح وہ حملہ سے بچ جائیں لیکن ان کے قتل میں غلت سے کام لیا گیا یعنی لشکر والوں نے ان کے سجدوں کا اعتبار نہ کیا اور یہ گمان کر کے کہ یہ بھی کافر ہیں اور محض قتل سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں ان کو بھی قتل کر دیا جب اس واقعہ کی اطلاع رسول کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ان مسلمان مقتولین کے ورثاء کو آدھی دیت دیئے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس مسلمان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی بیزاری کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو کافروں سے اتنی دور رہنا چاہئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں (لیکن اگر کوئی مسلمان کافروں میں مخلوط رہا تو گویا اس نے حکم کی پرواہ نہیں کی)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: رسول کریم ﷺ نے ان مقتولین کے مسلمان ہونے کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ورثاء کو پوری دیت کا حقدار قرار نہیں دیا بلکہ آدھی دیت دیئے جانے کا حکم فرمایا اس کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کر کے گویا خود اپنے قتل میں معاونت کی جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے اپنی بیزاری اور برات کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین اور کفار کے درمیان اقامت پذیر ہو۔

”وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔“ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے سے اتنی دور اقامت اختیار کریں کہ اگر دونوں طرف آگ جلائی جائے تو مسلمانوں کی آگ کافروں نہ دیکھ سکیں اور کافروں کی آگ مسلمان نہ دیکھ سکیں۔ جیسا کہ ترجمہ میں وضاحت کی گئی ہے اس جملہ میں آنحضرت ﷺ کی اس بیزاری کی علت مذکور ہے جو آپ ﷺ نے کافروں کے درمیان رہنے والے مسلمانوں کے متعلق ظاہر فرمائی ہے۔

بلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ قَيْدُ الْفَتَنِ لَا يَفْتَكُ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ بنی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان اپنے حال یعنی مؤمن کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو ناگہاں قتل کر دے، لہذا کوئی مؤمن ناگہاں قتل نہ کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ نہ چاہئے کہ وہ غفلت میں کسی کی جان لے لے اور کسی کو اس کے حال کی تحقیق کے بغیر کہ وہ مسلمان ہے یا کافر، قتل کر دے۔ چونکہ ذمی کافر، اسلامی حکومت کی طرف سے جان و مال کی حفاظت کے عہد و یقین دہانی کے زیر سایہ ہوتا ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی مفید و غدار ہو کہ وہ مسلمانوں کے درپے آزار ہو اور فتنہ و فساد اور بد امنی پھیلاتا ہو تو اس کی بات دوسری ہے، جیسا کہ کعب ابن اشرف یہودی یا البورافع کو ناگہاں قتل کیا گیا، علاوہ ازیں ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے جو قتل کیا وہ خاص بحکم الہی تھا۔ نیز بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا قتل اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دار الحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کر دینے والا مستوجب مواخذہ نہیں

(۱۶) وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ إِلَى الشَّرْكَ فَقَدْ حَلَّ دَمُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ بنی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی غلام، شرک یعنی دار الحرب کی جانب بھاگ

جائے تو اس کا خون حلال ہوگا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اس کا خون حلال ہوگا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے غلام کو کوئی قتل کر دے تو قاتل سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ اس پر کچھ واجب ہوگا بایں سبب کہ اس غلام نے مشرکوں کی محافظت اختیار کی اور دارالاسلام کو ترک کیا۔ اور اگر کوئی غلام نہ صرف یہ کہ دارالحرب بھاگ جائے بلکہ مرتد بھی ہو جائے تو اس کا خون بطریق اولیٰ حلال ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ذی مباح الدم ہے یا نہیں؟

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْعُ فِيهِ فَحَنَفَهَا رَجُلٌ حَتَّى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذِمَّهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپؐ میں عیب نکال کر طعن کیا کرتی تھی، چنانچہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں یہ گستاخی ایک شخص برداشت نہ کر سکا اور اس نے اس عورت کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ مر گئی، نبی کریم ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی ذی کافر آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے لگے تو وہ اس عہد و ذمہ کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی حکومت میں اس کو اپنی جان و مال کی حفاظت حاصل تھی، اور وہ مباح الدم حربی وہ کافر جس کا خون مباح ہو اس کی مانند ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ذی کا عہد و ذمہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ یہ مسلک فقہ کی کتابوں میں ”کتاب الجزیہ“ کے آخر میں مذکور ہے اور ہدایہ میں اس کے دلائل بھی لکھے ہوئے ہیں۔

ساحر کو قتل کر دیا جائے

(۱۸) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ السَّاحِرَ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جادوگر کی حد (شرعی سزا) یہ ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے۔“

(ترمذی)

تشریح: علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ ویسے جادو کے مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے بشرطیکہ اس کا جادو موجب کفر ہو اور وہ توبہ نہ کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ ساحر کافر ہے، سحر کفر ہے، سحر کی کھانا بھی کفر ہے ساحر کو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے خواہ اس نے کسی مسلمان پر سحر کیا ہو یا کسی ذی پر۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ساحر کا یہ عقیدہ ہو کہ کار ساز، شیطان کی ذات ہے کہ وہ میرے لئے جو چاہتا ہے کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ سحر، مجرد خیال ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے اور سحر کا سیکھنا حرام ہے۔

در مختار کے حاشیہ طحاوی میں یہ لکھا ہے کہ سحر کی تین قسمیں ہیں ① فرض ② حرام ③ جائز اگر کوئی شخص اہل حرب کے ساحر کے توڑ کے لئے سحر سیکھے تو وہ فرض ہے، اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گا تو حرام ہے، اور اگر اس مقصد کے لئے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت پیدا کرے گا تو جائز ہے۔

سحر کے کفر ہونے میں اگرچہ ضلیٰ علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن تصحیح میں ان کی کتابوں کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ساحر کی توبہ

کا اعتبار نہ کیا جائے، ساحر اپنے سحر کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان پر سحر کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔
سحر کی طرح کہانت، نجوم، رمل اور علم شعبہ کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال بھی حرام ہے۔

الفصل الثالث

(۱۹) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يَفْتَرِقُ بَيْنَ أُمَّتَيْنِ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ - (رواہ النسائی)

”حضرت اسامہؓ ابن شریک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص امام وقت کے خلاف خروج کرے اور اس طرح وہ میری اُمت میں تفرقہ ڈالے تو اس کی گردن اڑا دو۔“ (نسائی)

تشریح: امام وقت، اُمت کے اتحاد و اجتماعیت کا بنیادی محور ہوتا ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہر مسلمان پر اسی لئے لازم ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی تعلیم اجتماعیت کا تقاضہ پورا ہوتا ہے بلکہ مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے متفق و متحد رہ کر اسلام دشمن و مسلم مخالف طاقتوں کے مقابلہ پر ایک مضبوط چٹان بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کی شان و شوکت کو باقی رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس اجتماعی دائرہ سے نکلتا ہے تو وہ صرف ایک برائی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ پوری اُمت کے اتفاق و اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو اس کے اس شک و شبہ اور اعتراض کو دور کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور اصلاح کی کوئی کوشش اس کو سرکشی و بغاوت کی راہ سے واپس نہ لاسکے تو پھر اس کو مار ڈالا جائے جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ کیا۔

خوارج کے متعلق پیشین گوئی

(۲۰) وَعَنْ شَرِيكِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ أَتَمَنَّى أَنْ أَلْقَى رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيتُ أَبَا بَرزَةَ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقُلْتُ لَهُ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَذْنِي وَرَأَيْتُهُ يُعَيِّنِي أُنْبِئْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا لَفَقَسَمَهُ فَأَعْطَى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَمَنْ عَنْ شِمَالِهِ وَلَمْ يُعْطَ مَنْ وَرَاءَهُ شَيْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ اسْوَدَّ مَظْمُومُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أبيضَانِ فغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ وَاللَّهِ لَا تَجِدُونِ بَعْدِي رَجُلًا هُوَ أَعْدَلُ مِنِّي ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَانَ هَذَا مِنْهُمْ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرِّمَّةِ سَيَمَّا هُمْ التَّخْلِيفُ لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَإِذَا لَقِيَتْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت شریکؓ ابن شہاب تابعی کہتے ہیں کہ میری ایک یہ بڑی آرزو تھی کہ میں نبی کریم ﷺ کے کسی صحابیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں اور ان سے خوارج کے بارہ میں پوچھوں کہ آج کل جو خوارج پیدا ہو رہے ہیں کیا آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی؟ چنانچہ میں ایک صحابی حضرت ابوبرزہؓ سے عید کے دن ان کے دوستوں کی موجودگی میں ملا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا، آپ ﷺ نے اس مال کو حاضرین مجلس میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جو لوگ آپ کی داہنی جانب بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیا اور جو لوگ

بائیں جانب بیٹھے تھے ان کو دیا لیکن جو لوگ آپ کے پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ شخص کالے رنگ کا تھا، اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی بات سن کر) رسول کریم ﷺ سخت غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ ”خدا کی قسم“ اتم میرے بعد کسی شخص کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے اور پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا اور یہ شخص گویا اسی گروہ کا ایک فرد ہے اس گروہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا پڑھنا ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور وہ لوگ امام وقت کے خلاف خروج و سرکشی کے ذریعہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے اس گروہ کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جائیں گے اور ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری شخص مسیح دجال یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف خروج کرے گا جب کہ وہ قیامت کے قریب دنیا میں نازل ہوں گے، لہذا جب بھی تمہارا ان سے سامنا ہو جائے ان کو قتل کر ڈالو، وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں بدترین مخلوق ہیں۔“ (نسائی)

قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے

②۱ وَعَنْ أَبِي غَالِبٍ رَأَى أَبَا أَمَامَةَ رُغُوسًا مَنْصُوبَةً عَلَى دَرَجٍ دِمَشْقَ فَقَالَ أَبُو أَمَامَةَ كِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلَى تَحْتَ أَيْمِ السَّمَاءِ خَيْرُ قَتْلَى مَنْ قَتَلُوهُ ثُمَّ قَرَأَ يَوْمَ تَبْيِضُ وَجُوهٌ وَتَسْوَدُ وَجُوهٌ الْآيَةَ قِيلَ لِأَبِي أَمَامَةَ أَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ أَسْمَعُهَا لَأَمَرْتُ بِأَنْ أُقَاتِلَ أَوْ لَأَنَّا حَتَّى عَدَسْنَا مَحَادً ثَكْمُوهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ -

”اور حضرت ابو غالبؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو امامہؓ (صحابی) نے (ایک دن) دمشق کی شاہراہ پر (خوارج کے) سرپڑے ہوئے دیکھے یا وہ سولی پر لٹکے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اس قیامت کے دن کہ بہت سے منہ سفید منور ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ ہوں گے ابو غالبؓ نے حضرت ابو امامہؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات رسول کریم ﷺ سے سنی ہے؟ ابو امامہؓ نے فرمایا اگر میں نے یہ بات ایک بار دو بار تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گناہ سنی ہوئی تو تمہارے سامنے بیان نہ کرتا یعنی اگر میں اس بات کو آنحضرت ﷺ سے اتنی کثرت سے بار بار نہ سنتا تو میں تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

تشریح: حضرت ابو امامہؓ نے جو آیت پڑھی وہ پوری یوں ہے:

يَوْمَ تَبْيِضُ وَجُوهٌ وَتَسْوَدُ وَجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وَجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ - (ال عمران ۱۰۶:۳)

”اس دن کو بہت سے منہ سفید (منور) ہوں گے اور بہت سے منہ کالے ہوں گے پس جن کے منہ کالے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے؟ تو تم نے جو کچھ کفر کیا ہے اس کے بدلے میں عذاب چکھو۔“

حدیث میں جن لوگوں کے سروں کا ذکر ہے ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ مرتد تھے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعتی تھے۔ جب کہ حضرت ابو امامہؓ سے منقول ہے کہ وہ خوارج تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الحدود

حدود کا بیان

حد کے معنی: حدود حد کی جمع ہے اور حد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں ”حدود“ ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری، زنا، شراب نوشی کی سزائیں۔ لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہو گا کہ شرعی سزاؤں کو ”حدود“ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا خوف انسان اور جرم کے درمیان حائل رہتا ہے۔

”حدود اللہ“ محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا اسی طرح مقادیر شرعی یعنی تین طلاوتوں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا لیکن واضح رہے کہ ان دونوں میں بھی ”حدود“ کا اطلاق اصل معنی ”ممنوع“ ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح و خلوت) بھی ممنوع ہے اور مقادیر شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

سزا کی تفصیل: شرعی قانون نے ”جرم و سزا“ کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سزائیں تین طرح کی ہیں۔

① وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگر ان کے اجراء کو خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے ان میں کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے، شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلاعذر شرعی روزہ توڑ دینے کا کفارہ! ② وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں، ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگر ان میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے چوری، زنا، اور شراب نوشی کی سزائیں۔ ③ وہ سزائیں جنہیں کتاب و سنت نے متعین تو نہیں کیا ہے مگر جن برے کاموں کی یہ سزائیں ہیں ان کو جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے اور سزا کے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ موقع و محل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں گویا اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق بھی حاصل ہے مگر اس دائرہ کے اندر رہ کر جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے اس طرح کی سزا شریعت میں ”تعزیر“ کہلاتی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں ”عقوبت“ ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اسی لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا، اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ بندہ اس میں تصرف

کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قابل تعزیر مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقع دمل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کمی زیادتی اور تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ حد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تعزیر قاضی یا حکومت کے سپرد ہے اسی عدم تقدیر و تحقیق کی بنا پر تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔ چونکہ ”قصاص“ بھی بندہ کا حق ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لئے اس کو بھی ”حد“ نہیں کہا جاتا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا أَفْضُ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَقَالَ الْآخَرُ أَجَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَفْضُ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنْذَنُ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَيَّ هَذَا فَرَنِي بِأَمْرٍ فَاحْزَنُونِي أَنْ عَلَى ابْنِي الرَّجْمُ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَاحْزَنُونِي أَنْ عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى أَمْرٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ أَمَّا عَنْكُمْ وَجَارِيَتُكَ فَرَدُّ عَلَيْكَ وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا ابْنِيسَ فَأَعُدْ عَلَى أَمْرٍ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفْتَ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَارْجُمَهَا (متفق علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارہ میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محض یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود طرم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت انیسؓ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”کتاب اللہ“ سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں جرم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادی شدہ زنا کار کی حد شرعی سزایہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن

بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

فاعترفت فرجمہا چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیسؒ نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس ”اقرار“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظمؒ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحت ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

غیر محسن زانی کی سزا

② وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصِنْ جُلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ

عام۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت زید ابن خالدؒ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غیر محسن زانی کے بارہ میں یہ حکم دیتے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: ”محسن“ اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا ہو۔ غیر محسن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارہ میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سزا منہ اور سر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

محسن زانی کی سزا

③ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ

تَعَالَى آيَةَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللَّهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَى مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْجَبَلُ أَوْ الْإِعْتِرَافُ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو کچھ نازل کیا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے۔ اور کتاب اللہ میں اس شخص کو رجم کرنے کا حکم ثابت ہے جو محسن ہونے کے باوجود زنا کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور یہ رجم کی سزا اس وقت دی جائے گی، جب کہ زنا کا جرم گواہوں کے ذریعہ یا حمل کے ذریعہ اور یا اعتراف و اقرار کے ذریعہ ثابت ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی تھی جو غیر محسن ہو۔ اس حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی ہے جو محسن ہو۔ محسن کی وضاحت اوپر کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے چنانچہ جو شخص محسن ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو اور اس کا جرم ثابت ہو جائے اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے کہ اس شخص کو پتھروں سے یا مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ جس آیت سے رجم کا حکم ثابت ہے وہ پہلے قرآن کریم میں موجود تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یعنی اس کے الفاظ قرآن

میں باقی نہیں رکھے گئے لیکن اس کا حکم بحالہ باقی رہا، وہ آیت یہ ہے:

الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنِيَا فَازْجُمُوهُمَا أَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

حدیث کے آخر میں زنا کے ثبوت جرم کے لئے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی ① گواہ ② حمل ③ اقرار، ان تینوں میں سے حمل کا تعلق اس عورت سے ہے جو بغیر خاوند والی ہو لیکن اس کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے، گواہوں اور اقرار کا حکم جوں کا توں ہے کہ محسن زانی کو اسی وقت رجم (سنگسار) کیا جائے گا جب کہ اس کا جرم یا تو گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو یا وہ خود اپنے جرم کا اعتراف و اقرار کرے۔

شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے

④ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الْبِكْرَ بِالْبِكْرِ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَالثَّيِّبَ بِالثَّيِّبِ جَلْدَ مِائَةٍ وَالتَّرْجُمَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا زانیہ کے بارہ میں مجھ سے یہ حکم حاصل کرو، مجھ سے یہ حکم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ مقرر کر دی ہے، جو غیر محسن مرد کسی غیر محسنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے۔ اور جو محسن مرد کسی محسنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ مقرر کر دی ہے“ یہ دراصل اس آیت کریمہ تا أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا کی وضاحت ہے۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب زانی اور زانیہ کے لئے ”حد“ مشروع ہوئی تھی چنانچہ آپ ﷺ کے اس ارشاد میں ”راہ سے مراد حد ہے جو اس سے پہلے تک مشروع نہیں تھی بلکہ اس بارہ میں وہ حکم مشروع تھا جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔“

وَاللَّاتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ (النساء ۳: ۱۵)

”تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کو گواہ کر لو، سوا گروہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ مقرر کر دے۔“

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر عورتیں زنا کی مرتکب ہوں اور گواہوں کے ذریعہ ان کا یہ جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھر میں قید کر دیا جائے یا آنکہ اسی قید کی حالت میں وہ مرجائیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے کوئی راہ یعنی حد مقرر کی جائے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ”حد“ کا حکم نازل فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے یہ راہ یعنی حد مقرر فرمادی ہے اور پھر اس کے بعد آپ نے ”حد“ کی وضاحت فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی محسن (شادی شدہ) زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور سنگسار بھی کیا جائے، چنانچہ علماء ظواہر نے اور صحابہ و تابعین میں سے بعض نے اس پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جو زانی سنگسار کا مستوجب قرار پا چکا ہو اس کے حق میں سو کوڑے مارے جانے کی سزا کا اعدام ہوگی یعنی اس کو صرف سنگسار کیا جائے گا۔ سو

بڑے نہیں رہے جائیں۔ یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص ماعز کو جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کے مرتکب قرار دیئے تھے صرف سنگسار کیا تھا ان کو سو کوڑے مارنے کا حکم نہیں تھا، اسی طرح آگے آنے والی ایک حدیث میں ایک غامدیہ عورت کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یا حضرت انیس کی جو حدیث پیچھے گزری ہے ان سے بھی یکی ثابت ہوتا ہے۔

(۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَأَمْرًا زَنِيًّا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ قَالُوا نَقْضُحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ فَأَتَوْا بِالتَّوْرَةِ فَتَشَرُّوْهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ ازْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَمَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ازْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوْخٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ فِيهَا آيَةَ الرَّجْمِ وَلَكِنَّا نَكْتَاتُكُمْ تَبَيَّنَّا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرَجَمَا۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم میں سے ایک عورت اور ایک مرد نے جو دونوں محسن یعنی شادی شدہ تھے نے زنا کیا؟ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تورات میں رجم کے بارہ میں کیا پڑھا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں ان کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، تورات میں بھی رجم کا حکم مذکور ہے تورات لاؤ میں تمہیں رجم کا حکم دکھاتا ہوں چنانچہ جب تورات لائی گئی اور اس کو کھولا گیا تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے جھٹ سے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کے بارہ میں آیت تھی یعنی اس نے اپنے ہاتھوں سے رجم کی آیت کو چھپانے کی کوشش کی اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ اے محمدؐ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اس شخص سے (کہ جس نے رجم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی) کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ، اور پھر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ ”اے محمدؐ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے۔“ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیئے گئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن سلام پہلے یہودی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ ہدایت پر گامزن کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا شمار بڑے اونچے درجہ کے علماء یہود میں ہوتا تھا تورات پر عبور رکھتے تھے، چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی روایتی تلبیس و تحریف سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ تورات میں زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرے اس کو تعزیر کے ذریعہ ذلیل و رسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس کی تکذیب کی اور یہ بتایا کہ تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سراسر تحریف ہے تورات میں رجم کا حکم موجود ہے اور پھر جب انہوں نے تورات منگائی اس میں مذکور رجم کی آیت دکھانی چاہی تو اس موقع پر بھی یہودیوں نے اپنی عیاری و مکاری دکھانی چاہی اور ان میں سے ایک شخص نے ایک روایت کے مطابق جس کا نام عبداللہ ابن صوریہ تھا، اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کی آیت مذکور تھی۔ اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا مگر عبداللہ ابن سلام نے ان کی اس عیاری کار از بھی طشت از باہم کر دیا۔

اگر یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ رجم (سنگساری) کا سزاوار ہونے کے لئے محسن شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محسن ہونے کے لئے مسلمان

ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اسی زانی کو دی جاسکتی ہے جو محض ہو اور محض کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب ہے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان یہود کو رجم کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم کے سزاوار کے لئے محض ہونا شرط نہیں تھا، پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ اس بارہ میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محض ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق ”محض“ کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا ہو جو مسلمان نہ ہو، نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرادیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو، بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہو گا یا ان کے زنا کی چار مسلمانوں نے گواہی دی ہو گی اور اسی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہو گا۔

اس موقع پر ملا علی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے یہاں اس کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے اہل علم ان کی کتاب ”مرقات“ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

زنا کے اقراری مجرم کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا فیصلہ رجم

① وَعَنْ أَنِي هُرَيْرَةَ قَالَتْ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا شَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْلَكَ جُنُودٌ قَالَ لَأَقْتُلَ أَخْصَنْتُ؟ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَذْهَبُ بِهِ فَأَرْجُمُهُ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِينَةِ فَلَمَّا أَرْلَقْنَاهُ الْحِجَارَةَ هَرَبَ حَتَّى أَذْرَكْنَاهُ بِالْحِزَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتَّى مَاتَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِهِ قَالَ نَعَمْ فَأَمْرَبَهُ فَرَجِمَ بِالْمُصْلَى فَلَمَّا أَرْلَقْنَاهُ الْحِجَارَةَ فَرَفَأْزَكَ فَرَجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ أَوْ صَلَّى عَلَيْهِ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے آواز دی ”یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے“ آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا پھر آپ ﷺ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ ﷺ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو محض ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور

اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو ”حرہ“ میں جا کر پکڑا مینہ کا وہ مسافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مر گیا۔“ (بخاری و مسلم)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابرؓ سے منقول ہے آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر کہ کیا تو محسن ہے؟ اس شخص کے جواب ”ہاں“ کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا، جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا، اس کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف و توصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا وصلی علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی۔

تشریح: اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ ﷺ کے سامنے اگر اپنے جرم کا اقرار کر کے اور گویا ہر دفعہ میں تبدیل مجلس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے اگر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے لازم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

”کیا تو دیوانہ ہے؟“ یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود افساء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے بچنے کا پختہ عہد و عزم کرو۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم و گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ اسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم و گناہ پر شرمسار و نادم ہو کر خدا سے توبہ و استغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق و تفتیش میں پوری پوری سعی کرنی چاہئے تاکہ فیصلہ میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز یہ جملہ اس طرف بھی ارشاد کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہو گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

”کیا تو محسن ہے؟“ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام وقت و حاکم یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارہ میں تحقیق کر لے جو سزا (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محسن ہونا وغیرہ، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو۔ نیز اس ارشاد سے کنایہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو مغانی دے کر زنا کی حد ساقط کر دی جائے۔

”وہ بھاگ کھڑا ہوا۔“ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے لٹکا کر نہ مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو جرم کی سزا دی جا رہی ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (سینہ تک) گاڑ کر سنگسار کیا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غامدیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

”یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا۔“ اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہو ہو اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچھا کیا جائے اور اس کو سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے کیونکہ اس کا بھاگنا دراصل اس کے رجوع

(جرم سے انکار کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کار آمد نہیں ہوگا۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ فرجہ بالمصلیٰ (چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا) میں مصلیٰ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاریؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جنازے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہوتا جو مسجد کا ہوتا ہے تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی تقدیس و احترام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

مساجد میں حد و تعزیر جاری نہ کی جائیں: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں کسی پر کوئی حد جاری کی جائے اور نہ کسی کو کوئی تعزیر دی جائے کیونکہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے اور اس کی بنیاد آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

قال جنبا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم وشرانکم وبيع واقامة حدودکم وجمروہافنی جمعکم وضعہ اعلیٰ ابوہا المطاہر۔

”آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں سے، دیوانوں سے، شور مچانے سے، خرید و فروخت کرنے سے اور حد قائم کرنے سے بچائے رکھو، اور جمعہ کے دن مسجدوں کو اگر کی دھوئی دو نیز مسجدوں کے دروازوں پر طہارت (وضو کی جگہ بناؤ۔“

جب تک زانی کے بارہ میں پوری تحقیق نہ کر لو اس کی سزا کا فیصلہ نہ کرو

④ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ لَعَلَّكَ قَبِلْتَ أَوْ غَمَزْتَ أَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَأْزِمُكَ اللَّهُ قَالَ أَنْتُمْهَا لَا يَكُنِّي قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذَلِكَ أَمَرَ بِرَجْمِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک، نبی کریم ﷺ کے پاس (مسجد نبوی میں) آئے اور کہا کہ ”مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شاید تم نے اجنبیہ کا بوسہ لیا ہو گا، یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو گا یا دیکھا ہو گا یعنی یہ چیزیں زنا کا باعث بنتی ہیں تم ان میں سے کوئی حرکت کر گزرے ہوں گے اور اب اسی کو زنا سے تعبیر کر رہے ہو!“ انہوں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے جماع کیا ہے۔ اور راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات اشارے میں نہیں پوچھی بلکہ صاف لفظوں میں پوچھا کہ کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ ماعز نے کہا کہ ہاں میں نے جماع کیا ہو۔“ اس (تحقیق و تفتیش) کے بعد آپ ﷺ نے ماعز کو سنگسار کئے جانے کا حکم فرمایا۔“ (بخاری)

اقامت حد گناہ کو ساقط کر دیتی ہے

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَ أَطَهَّرَكَ قَالَ مِنَ الزَّنا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْهَ جُنُونٍ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ فَقَالَ أَشْرَبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنَكَّهَا فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ فَقَالَ أَرَنْتِ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرَجَمَ فَلْيَبْشُرُوا يَوْمَئِذٍ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوْ سَعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَتْهُ أَمْرًا مِّنْ غَامِدٍ مِّنَ الْأَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتَوْبِنِ إِلَيْهِ فَقَالَتْ تَوْبِنَا أَنْ تَوَدَّ دَنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزَ بْنَ

مَا لِكَ اِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزَّوْنِ فَقَالَ اَنْتِ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتَّى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكَ قَالَ فَكَفَّلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ الْغَامِدِيَّةَ فَقَالَ اِذَا لَا تَزْجُمُهَا وَنَدَّغْ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مِنْ يَرْضَعُهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ اِلَى رَضَاعِهِ يَأْتِيكَ اللَّهُ قَالَ فَرَجَمَهَا وَفِي رَوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ لَهَا اَذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اَذْهَبِي فَارْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطَمِيهِ فَلَمَّا فَطَمْتُهُ اَنَّهُ بِالصَّبِيِّ وَفِي يَدِهِ كِسْرَةٌ خُبِرَ فَقَالَتْ هَذَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ أَمَرَهَا فَخَفَرَهَا إِلَى صَدْرِهَا وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوهَا فَيَقْبَلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَجَرٍ فَرَمَى رَأْسَهَا فَتَنْضَحُ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَتْ بِهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ ثُمَّ أَمَرَهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت ماعز ابن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے اس گناہ کی معافی کا سبب بن جائے) آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے واپس جا یعنی زبان کے ذریعہ استغفار کر اور دل سے توبہ کر راوی کہتے ہیں وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر جا کر پھر واپس آگیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، نبی کریم ﷺ نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، چار مرتبہ اسی طرح ہوا، اور (جب چوتھی بار ماعز نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے) تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کسی چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) زنا کے گناہ سے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات سن کر صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا یہ دیوانہ ہے؟ (صحابہؓ کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ (یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ سونگھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرت ﷺ نے پھر ماعز سے پوچھا کہ کیا (واقعی) تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو یا تین روز اسی طرح گزر گئے یعنی مجلس نبویؐ میں ماعز کی سنگساری کے بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریم ﷺ شریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ماعز کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرو بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے ایک خاندان غامد میں سے تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ سے استغفار توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے ماعز ابن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟ اور درنا خالیکہ (میں) وہ عورت (ہوں) جو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے لہذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کی گنجائش تھی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو! (یعنی آنحضرت ﷺ) نے ایک طرح سے اپنے تعافیل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے! اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غامدہ یہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کے کسن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا

کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے۔) ایک اور انصاری (یہ سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس بچہ کے دودھ پلانے اور اس کی خبر گیری کا میں ذمہ دار ہوں“ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو سنگسار کیا یعنی اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ جابجہ تک کہ تو ولادت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر) پھر جب وہ ولادت سے فارغ ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا جا اس بچہ کو دودھ پلاتا آنکہ تو اس کا دودھ چھڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چھڑا دیا تو اس بچہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جو اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالدؓ کے منہ پر آکر پڑا تو حضرت خالدؓ اس کو برا بھلا کہنے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔“ (مسلم)

تشریح: بلاشبہ ماعز نے ایسی توبہ کی اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے ماعزؓ کی سعادت اور اس کی توبہ کی فضیلت کو ظاہر فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اس مغفرت اور رحمت کو لازم کرتی ہے جس کا دامن، مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی جماعت پر سایہ فگن ہو سکتا ہے یہاں اقامت حد (حد کے قائم ہونے) کو توبہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جس طرح توبہ کے ذریعہ گناہ دھل جاتے ہیں اسی طرح حد جاری ہونے سے بھی گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے ”ابن مالک“ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ حاملہ جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اس پر حد قائم نہ کی جائے تاکہ ایک بے گناہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے ہلاک کرنا لازم نہ آئے۔ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زانیہ کو سنگسار کرنے میں اس وقت تک کی مہلت دی جائے جب تک کہ اس کا وہ بچہ جو اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس سے مستغنی نہ ہو جائے بشرطیکہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ ہو، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

اگر ایسی توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیر شرعی طور پر اور نامناسب طریقوں سے لوگوں سے محصول ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ بڑے گناہگار ہیں کیونکہ اس طرح کے محصول و ٹیکس وصول کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا مال زور زبردستی سے اور ظلم کر کے چھین لیا جائے۔

حدیث کے آخری جملہ میں لفظ صلیٰ مسلم کے تمام راویوں سے صاد اور لام کے زیر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ منقول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی تھی جب کہ طبری کے نزدیک اور ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد کی روایت میں یہ لفظ صاد کے پیش اور لام کے زیر یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ منقول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھی چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں تو صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ لم یصل علیہا یعنی آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں سنگسار کئے جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کے ہاں اس کی نماز جنازہ

پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ گو اور اہل قبلہ ہو اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں حضرت امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ ”صلی“ کو صاد اور لام کے زیر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبریؒ کے نزدیک یہ لفظ صاد کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابن ابی شیبہؒ ابو داؤدؒ اور امام نوویؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے لہذا اس بارہ میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ ماقبل کے الفاظ ثم امر بها اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہلانے کفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ امر بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجعت ثم صلی علیہا فقال له عمر تصلی علیہا یا نبی اللہ وقد زنت یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔ اور ابو داؤدؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ثم امرهم یصلوا علیہا (یعنی پھر آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، قاضی عیاضؒ نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلمؒ نے اپنی روایت میں آنحضرت ﷺ کا معاذ ابن مالک کے جنازے کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاریؒ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ ”صلی“ صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہاں صاحب مشکوٰۃ نے اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات، نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوٰۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ نقل کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے معتمد و صحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کے جنازے کی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی تو انہوں نے لفظ صلی کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تاکہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صورت ابہام سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارہ میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جمہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

بہر کیف یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کر دیتی ہے جس کی سزا میں اس کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زید زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزا میں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایک بات اور نوویؒ کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے مخالف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روئی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہذا دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوئی تاکہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں۔ پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا، اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچہ کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری لیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے مجازاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا۔

بدکار لونڈی کی سزا

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا زَنَتْ أَمَةٌ أَحَدَكُمْ فَتَبَيَّنَ زَنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُتْرَبْ عَلَيْهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زَنَاهَا فَلْيَبْغِلْهَا وَلَوْ بِحَبْلِ مِنْ شَعْرٍ - (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی، زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے (یعنی اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے) تو وہ اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اگر وہ پھر زنا کی مرتکب ہو تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے، اور اگر وہ تیسری مرتبہ زنا کی مرتکب ہو اور اس کی زنا کاری ظاہر ثابت ہو جائے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی (یعنی حقیر ترین چیز) ہی کے بدلے کیوں نہ بیچنا پڑے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تو اوہ اس پر حد جاری کرے، یعنی اس کو پچاس کوڑے مارے! یہ واضح رہے کہ لونڈی غلام کی حد، آزاد مرد عورت کی بہ نسبت آدھی حد ہے اور لونڈی غلام کے لئے سنگساری کی سزا مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مملوک پر خود بخود حد جاری کرے جب کہ حنفی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ حکم وہ اس پر حد جاری کرے دراصل سبب پر محمول ہے یعنی اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی زنا کار لونڈی پر حد جاری ہونے کا سبب اور واسطہ بنے بایں طور کہ وہ اس لونڈی کو حاکم کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے۔

اور اس کو عار نہ دلائے کا مطلب یہ ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد اس لونڈی پر لعن طعن نہ کرے اور نہ اس کو حد جاری ہونے کی عار وغیرہ دلائے کیونکہ جب اس نے حد کی صورت میں اپنے گناہ کا کفارہ بھردیا اور وہ گناہ سے پاک ہو گئی تو اب اس پر لعن طعن کیسا اور اسے عار کیوں دلائی جائے! اور یہ حکم خاص طور پر لونڈی ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آزاد کا بھی یہی حکم ہے لیکن لونڈیاں چونکہ توبہ و سرزنش کا محل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر لونڈی کے بارے میں یہ حکم بیان کیا گیا۔

وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ چاہے تو حد جاری کرنے کے بعد اس کو بیچے اور چاہے حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دینا چاہئے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق و فاجر اور اہل معاصی کے ساتھ رہن سہن کو ترک کر دینا اور اس طرح کی لونڈی کو بیچ دینا مستحب ہے لیکن علماء ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا عَلَى أَرْقَانِكُمُ الْحَدَّ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ فَإِنَّ أَمَةً لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا فَإِذَا هِيَ حَدِيثٌ عَهْدٍ بِنَفْسٍ فَحَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ دَعَاهَا حَتَّى يَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ أَقِمَ عَلَيْهَا الْحَدَّ وَأَقِيمُوا الْحَدَّ وَدَعُوا عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ -

”اور حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو پچاس کوڑے مارو خواہ وہ محسن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محسن۔“ رسول کریم ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کے ولادت ہوئی ہے تو مجھے

اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔ (مسلم)

اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بارہ میں ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے برادران غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محسن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کا سزا اور گردانا چاچکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محسن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزا اور گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق و سل وغیرہ یا وہ ناقص و ضعیف الخلق ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سونٹیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت جائزے میں بلکہ اس کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

اگر زنا کا اقراری مجرم اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

⑪ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَا عَزَّ الْأَسْلَمِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدَرَزَنِي فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدَرَزَنِي فَأَمَرَبِهِ فِي الْبَرَابِعِ فَأَخْرَجَ إِلَى الْحِوْرَةِ فَرَجَمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَزَسْتُ حَتَّى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيٌ جَمَلٌ فَضَرَبَهُ بِهِ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتَّى مَاتَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ فَرَحِنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكَتُمُوهُ زَوَاهِ التَّزْمِذِي وَابْنِ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ هَلَّا تَرَكَتُمُوهُ لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماغز سلمیؓ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے گھوم کر یعنی تبدیل مجلس کو کے پھر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت ﷺ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے زنا کیا ہے! آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حرہ میں لایا گیا جو مدینہ کا کالے پتھروں والا مضافاتی علاقہ ہے اور اس کو پتھر مارے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذر جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جڑے کی ہڈی تھی، اس شخص نے اسی جڑے کی ہڈی

سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کو مارا تا آنکہ وہ مر گیا۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سنگسار کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟“ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا۔

تشریح: یتوب فیتوب اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی ندامت و شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے۔ اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی، اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ماعز کا اعتراف جرم

⑫ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ أَحَقُّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ قَدْ وَقَعْتَ عَلَى جَارِيَةٍ أَلْ فَلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدْتُ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ فَأَمَرَهُ بِرَجْمٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ماعزؓ بن مالک سے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے فلاں شخص کی لونڈی سے زنا کیا ہے؟ ماعزؓ نے عرض کیا کہ ہاں (یہ سچ ہے) اور اس نے یہ (چار مجلسوں میں) چار مرتبہ اقرار کیا۔ لہذا رسول کریم ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم فرمایا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا!“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں صاحب مصابح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پہلی فصل کے بجائے یہاں دوسری فصل میں کیوں نقل کیا؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعزؓ کے ارتکاب زنا کا علم تھا اور پھر آپ ﷺ نے اس سے اعتراف جرم کرایا جب کہ دوسری احادیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے؟ گویا اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم تضاد نظر آتا ہے لہذا ان کے درمیان وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ دراصل اس حدیث میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور پورا واقعہ نقل کئے بغیر صرف رحم کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری احادیث میں واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا چنانچہ یہ اغلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعزؓ کے ارتکاب زنا کا علم پہلے سے ہو گا پھر بعد میں آپ ﷺ نے خود ماعزؓ سے اس کا اقرار کرایا اور صورت وہ اختیار کی جو دوسری احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ جب ماعزؓ اپنے ارتکاب زنا کا اقرار کرتا تو آپ ﷺ اس کی طرف سے اپنا منہ پھر لیتے تھے، اس طرح آپ ﷺ نے جب گویا چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کر لیا تب سنگساری کا حکم صادر فرمایا، اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم کوئی تضاد نہیں رہا۔

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو

⑬ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعِيمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَاعِزًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْرَأَهُ عِنْدَهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ وَقَالَ

لَهْزَالٍ لَوْ سَتَرْتَهُ بِغُيُوبِكَ كَانَ خَيْرًا لَكَ قَالَ ابْنُ الْمُكَدِّرِ إِنَّ هَذَا أَمْرٌ مَا عِزًّا أَنْ يَأْتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي خَيْرٍ (رواه البوداذر)

”اور حضرت زید ابن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعزؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے (چار
مجلسوں) چار مرتبہ (اپنے زنا) کا اقرار کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا نیز آنحضرت ﷺ
نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم ماعزؓ کو اپنے کپڑے سے چھپا لیتے یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو ظاہر نہ کرتے تو یہ
تمہارے لئے بہتر ہوتا ابن مکررؓ جو تابعی اور اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ ہزالؓ ہی نے ماعزؓ سے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنے واقعہ سے آگاہ کر دو۔“ (البوداذر)

تشریح: ہزالؓ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اس کو انہوں نے آزاد کر دیا تھا اسی فاطمہ سے ماعزؓ نے زنا کا ارتکاب کیا اور
جب ہزالؓ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے ماعزؓ کو آمادہ کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر واقعہ کی اطلاع دے اور اپنے جرم کا
اعتراف کر لے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کے گناہ کا افشاء نہ کرتے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیتے تو یہ
تمہارے لئے بہتر ہوتا کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی سے نوازتا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا۔

کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں

(۱۴) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
تَعَاَزَوْا الْحُدُودَ فِيمَا يَبْتَغِيكُمْ فَمَا بَلَغْنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ۔ (رواه البوداذر والنسائی)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے
فرمایا تم آپس میں اپنی حدود کو معاف و محو کر دیا کرو اس سے پہلے کہ ان کی خبر مجھ تک پہنچے ہاں اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی اور وہ
ثابت ہو جائے گا تو پھر اس پر حد جاری کرنا واجب یعنی فرض ہو جائے گا۔“ (البوداذر، نسائی)

تشریح: حدود کو معاف و محو کر دیا کرو یہ دراصل عوام سے خطاب ہے چنانچہ ان کو اس احسان کی تلقین کی جا رہی ہے کہ اگر تم میں سے کسی
شخص سے کوئی گناہ جرم سرزد ہو جائے تو اس کا قضیہ حاکم کے سامنے نہ لے جاؤ بلکہ اس سے درگزر کرو۔ ہاں اگر وہ قضیہ حاکم کے پاس
پہنچ جائے گا تو پھر حاکم کے لئے یہ جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس کو معاف کر دے۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنے ارشاد اگر جرم کی اطلاع مجھ تک
پہنچ جائے گی کے ذریعہ اسی کو واضح کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ قضیہ حاکم کے پاس پہنچ جائے اور اس میں حد واجب ہوتی ہو تو
اس حد کو معاف کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہو گا۔

حدیث کا مطلق مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر کسی مملوک (غلام یا لونڈی) سے اس قسم کا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے
آقا کو نہ تو خود اس مملوک پر حد جاری کرنا چاہئے اور نہ اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس مملوک کو حاکم کے سامنے پیش کرے بلکہ
چاہئے کہ وہ اس کو معاف کر دے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث میں ”معاف کرنے“ کا حکم دیا گیا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

عزت داروں کی لغزشوں سے درگزر کرنا چاہئے

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْبِلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَشْرًا تَهْتِمُ إِلَّا الْحُدُودَ۔ (رواه البوداذر)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عزت داروں کی خطائیں معاف کرو علاوہ حدوں کے کہ ان کی معافی جائز نہیں

ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ناگہانی طور پر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو معاف کر دیا جائے، سزا و عقوبت میں مبتلا کر کے ظاہری طور پر ان کو ذلیل و رسوا مت کرو خواہ ان کی اس لغزش و گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہاں اگر ان سے کوئی ایسا جرم صادر ہو جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کرنا واجب ہوتا ہو تو اس جرم کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ اس جرم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ گویا اس حکم کے مخاطب دو سرے لوگ بھی ہیں نیز یہ حکم بھی استحباب کے طور پر ہے۔

شبہ کافاندہ ملزم کو ملنا چاہئے

(۱۹) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ رَأَوْا الْخُذُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرُجٌ فَخَلُّوْا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يَخْطِي فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَخْطِي فِي الْعُقُوبَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ قَدْرَوِي عَنْهَا وَلَمْ يَرْفَعْ وَهُوَ أَصَحُّ۔

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ، اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو ”حد“ سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کافاندہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے ہو؟ کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کی بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماعزؓ وغیرہ سے آنحضرت ﷺ نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ و تاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برأت میں بہر حال ایک مسلمان کی جان و عزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

(۱۷) وَعَنْ وَاثِلِ بْنِ خُجْرٍ قَالَ اسْتَكْرَهَتْ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَرَأَتْهَا الْحُدُودَ وَأَقَامَهُ عَلَى الذِّى أَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا - (رواه الترمذی)

”اور حضرت وائلؓ ابن حجر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا اس عورت کو تو حد سے برات دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے ہر بھی دلویا۔“ (ترمذی)

تشریح: راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں ”مہر“ سے مراد ”عقر“ ہے اور ”عقر“ صحبت حرام اور صحبت تشبہ کے مابین (عوض اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار واجب ہوتی۔ بر جندی فتاویٰ عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ ”عقر“ مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

(۱۸) وَعَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيدُ الصَّلَاةَ فَتَلْقَاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَمَرَّتْ عَصَابَةً مِنَ الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَتْ إِنَّ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَاخْذُوا الرَّجُلَ فَاتَّبَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا أَذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا أَرْجُمُوهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَتْهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقَبِلَ مِنْهُمْ - (رواه البوداد و الترمذی)

”اور حضرت وائلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا، جب کچھ مہاجر صحابہؓ دوسرے گزرے تو اس عورت نے ان سے بتایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے یعنی میرے اوپر کپڑا ڈال کر مجھے بے بس کر دیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے توبہ فرمایا کہ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا دخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور و بے بس بھی کر دیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ وہ محض تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگسار کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کر کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔“

(ترمذی، البوداد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا بھگت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت ہرا کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

ایک زنا کی دو سزائیں

(۱۹) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا زَنَى بِامْرَأَةٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَدَهُ الْحَدَّ ثُمَّ أَخْبَرَ أَنَّهُ مُخَصَّنٌ فَأَمَرَ بِهِ فُوجِمَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد، کوڑے مارے گئے، اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص مخن ہے تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے پہلے کوڑے مارنے کا جو حکم دیا اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بتایا گیا ہو گا کہ وہ شخص غیر مخن غیر شادی شدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو بتایا نہیں گیا ہو گا بلکہ خود آپ ﷺ نے ہی گمان کیا ہو گا کہ یہ غیر مخن ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو کوڑے کی سزا دی، لیکن جب بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ شخص مخن ہے اور مخن ہونے کی وجہ سے سنگساری کا سزاوار ہے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام وقت (حاکم شرعی) کسی کو حد کی کوئی سزا دے اور پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ مجرم حد کی اس سزا کا نہیں بلکہ حد کی کسی دوسری سزا کا مستوجب ہے مثلاً اس کو کوڑے مارنے کی سزا دی مگر بعد میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں یہ سنگساری کا سزاوار ہے تو اس حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ اس سزا کو جاری کرے جس کا وہ مجرم شرعی طور پر مستوجب ہے۔

بیمار مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ

(۲۰) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُخَدَّجٍ سَقِيمٍ فَوُجِدَ عَلَى أَمَةٍ مِنْ إِمَائِهِمْ يَحْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا لَهُ عَشْكَالًا فِيهِ مِائَةُ شَمْرَاجٍ فَاضْرِبُوهُ ضَرْبَةً - رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نَحْوُهُ -

”اور حضرت سعید بن سعد بن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد بن عبادہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے جو اپنے محلہ کا ایک ناقص الخلق کمزور اور بیمار شخص تھا (اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی اس شخص کو اہل محلہ کو لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا)، نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی (بڑی) ٹہنی لوجس میں سو چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو (شرح السنہ) ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: ”ایک دفعہ مارو“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بڑی ٹہنی کو اس طرح ایک دفعہ مارو کہ اس کی ساری سو ٹہنیوں کی چوٹ اس کے جسم کو پہنچ جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام حاکم کو اس بات کی نگہبانی کرنی چاہئے کہ جس شخص کو کوڑے مارنے کی سزا دی جا رہی ہو وہ مر نہ جائے۔ اور یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی مریض کسی حد کا مستوجب ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے اور جس مریض کے اچھا ہونے کی توقع ہی نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کی جائے جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔

اعلام کی سزا

(۲۱) وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ تُمُوءَهُ يَعْمَلُ عَمَلِ قَوْمِ لُوطٍ

فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی شخص کو قوم لوط کا سائل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اغلام کی حد کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول اور صاحبینؒ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ فاعل غلام کرنے والے کی حد وہی ہے جو زانی کی حد ہے یعنی اگر وہ محسن ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محسن ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ اغلام کرنے والے کو بہر صورت سنگسار کیا جائے خواہ وہ محسن ہو یا غیر محسن ہو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ غافل و مفعول اغلام کرنے والے اور غلام کرانے والے دونوں ہی کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان کے قتل کا طریقہ کیا ہو تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر مکان گرا دیا جائے تاکہ وہ اس کے نیچے دب کر مر جائیں اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کو پہاڑ کے اوپر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔ اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اغلام کی سزا کے یقین کا اختیار حاکم وقت کے سپرد ہے کہ اگر وہ چاہے تو اغلام کرنے والے کو قتل کر دے جب کہ یہ برائی اس کی عادت بن چکی ہو، نیز چاہے اس کو مارے اور چاہے قید خانہ میں ڈال دے۔

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کی سزا

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَى بِهِيمَةً فَاَقْتُلُوهُ وَافْتُلُوهُمَا مَعَهُ قَيْلَ لَابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ شَيْئًا وَلَكِنْ أَرَاهُ كَرِهَ أَنْ يُؤْكَلَ لَحْمُهَا أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فَعِلَ بِهَا ذَلِكَ۔ (رواہ الترمذی والبوداذ و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس کو قتل کر دو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ جانور کے بارہ میں یہ حکم کیوں ہے یعنی جانور نہ تو قتل رکھتا ہے اور نہ وہ مکلف ہے تو اس کو قتل کرنے کا کیوں حکم ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کی حکمت و مصلحت کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے تو کچھ نہیں سنا ہے البتہ میرا گمان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ جس جانور کے ساتھ بد فعلی کی گئی ہے اس کا گوشت کھایا جائے یا اس کے دودھ بالوں اور اس کی افزائش نسل سے فائدہ اٹھایا جائے اور جب اس جانور سے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھانا مکروہ ہوا تو پھر اسی کو قتل کر دینا ہی ضروری ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

تشریح: اس کو قتل کر دو سے مراد یہ ہے کہ اس کی بہت سخت پٹائی کرو۔ گویا اس کو قتل کر دینے کا حکم سخت زجر و تہدیر کے طور پر ہے اس کو واقعہ قتل کر دینا مراد نہیں ہے۔

”اس کے جانور کو بھی قتل کر دو“ اس حکم کی حکمت و علت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رکھا گیا تو ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے اس کے ساتھ بد فعلی کی ہے اس کا نطفہ اس کے رحم میں قرار پا جائے اور اس کے نتیجہ میں ایک حیوان بصورت انسان پیدا ہو جائے اس لئے اس صورت حال سے بچنے کے لئے اس کو مار ڈالنا ہی ضروری ہے یا یہ کہ اس جانور کی موجودگی اس کے مالک کو دنیاوی ذلت و رسوائی سے دوچار کر سکتی ہے لہذا اس کو مار ڈالا جائے۔

شرح مظہر میں لکھا ہے کہ چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ

تعمیراً کوئی دوسری سزا دی جائے اور یہ حدیث زجر و توبخ پر محمول ہے رہی جانور کی بات تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کے بارہ میں دونوں صورتیں ہیں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری مفہوم پیش نظر ہو تو اسکو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کو ملحوظ رکھا جائے کہ جانور کا گوشت کھانا مقصود یا حلال نہ ہو اس کو ذبح کرنے کی ممانعت منقول ہے تو اس جانور کو قتل نہ کیا جائے۔

اغلام، بدترین برائی ہے

(۲۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي عَمَلُ قَوْمٍ لُوطٍ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنی امت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (یعنی اغلام) ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: یعنی مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میری امت کے لوگ خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر بے صبری نہ کر بیٹھیں اور اس برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام نہایت برا اور سخت قبیح ہے اور اس کی حرمت بڑی شدید ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری امت کے لوگ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس کی وجہ سے انہیں عذاب الہی میں گرفتار ہونا پڑے۔

ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر تہمت زنا کی سزا

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي بَكْرٍ بَنِي لَيْثٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْرَأَهُ زَنًى بِامْرَأَةٍ أَزْبَعَ مَوَاتٍ فَجَلَدَهُ مِائَةً وَكَانَ يَكْزُرُ أَثَمَ الْبَيْتَةِ عَلَى الْمَرْأَةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللَّهِ يَارَسُولَ اللَّهِ فَجَلَدَ حَدَّ الْفَرْيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن بکر بن لیث کے خاندان کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اقرار کیا کہ اس نے (یعنی میں نے) ایک عورت کے ساتھ چار بار یعنی چار مجلسوں میں زنا کیا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور وہ شخص غیر محسن یعنی کنوارا تھا پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے اس عورت کی زنا کاری پر گواہ طلب کئے، عورت نے عرض کیا کہ ”خدا کی قسم یارسول اللہ! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے“ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر تہمت لگانے کی حد جاری کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”گواہ طلب کئے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار پر اس کو زنا کی سزا دی گئی یعنی اس کے سو کوڑے مارے گئے اور چونکہ یہ بات اس عورت کو بھی زنا کا مرتکب گردانتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے کہا کہ اب تم ایسے گواہوں کو پیش کرو جو اس عورت کے ساتھ تمہارے زنا کو ثابت کریں مگر جب وہ شخص گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے یہ میری طرف زنا کی نسبت کر رہا ہے حالانکہ میں اس برائی سے پاک ہوں اس طرح اس عورت نے یہ ثابت کیا کہ اس مرد نے اس پر تہمت لگائی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو دوسری سزا تہمت لگانے کی دی یعنی اتنی کوڑے مارے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کو سزا

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَذَكَرَ ذَلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمَنْبَرِ أَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَالْمَرْأَةِ فَضُرِبُوا حَدَّهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میری برات نازل ہوئی یعنی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کا ذکر کیا اور پھر جب آپ ﷺ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کو سزا دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ تہمت لگانے کی ان پر حد جاری کی گئی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نعوذ باللہ زنا کا بہتان لگایا تھا اور آنحضرت ﷺ کے دل میں بھی ان کی طرف سے کچھ شک پڑ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی برات نازل کی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے دامن عفت و عصمت پر تہمت کے جو چھینٹے ڈالے گئے ان کا تعلق محض ایک سازش اور چند لوگوں کی مفسدہ پردازی سے تھا، چنانچہ جب حضرت عائشہؓ کی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں جو سورہ نور میں ہیں تو آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حرم نبوی ﷺ کی تقدیس و حرمت کی لاج رکھ لی ہے اور عائشہ کو عفت مآب و پاک دامن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں آپ نے نازل ہونے والی آیتوں کا ذکر کیا پھر منبر سے اترتے ہی آپ نے ان لوگوں پر حد قذف تہمت لگانے کی شرعی سزا کہ وہ اسی کوڑے ہیں جاری کرنے کا حکم دیا جنہوں نے اس ناپاک سازش میں حصہ لیا تھا، ان میں دو مرد تھے جن کا نام مسطح اور جہان ابن ثابت تھا اور ایک عورت تھی جس کا نام حمنہ بنت جحش تھا اور جو اس واقعہ میں سب سے بڑی فتنہ پرداز تھی ان سب کو اسی کوڑے مارے گئے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزاوار ہوگا

(۲۶) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيقِ الْأَمَارَةِ وَقَعَ عَلَى وَلِيدَةٍ مِنَ الْخُمْسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتَّى اقْتَضَاهَا فَجَلَدَهُ عُمُرُو لَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا۔ (رواہ البخاری)

”حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ بنت ابوعبیدہؓ نے ان سے بیان کیا کہ امارت و غلامت یعنی حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایک غلام نے ایک ایسی لونڈی سے زنا کرنا چاہا جو مال غنیمت کے شخص میں سے تھی اور جب وہ لونڈی اس بدکاری کے لئے تیار نہیں ہوئی تو اس نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا یہاں تک کہ اس کی بکارت یعنی اس کے کنوار پنے کو زائل کر دیا چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو پچاس درے لگوائے اور اس لونڈی کے درے نہیں لگوائے یعنی اس کو اس بدکاری کی سزا نہیں دی کیونکہ اس غلام نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا تھا۔“ (بخاری)

ماعر کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل

(۲۷) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعِيمٍ بَنِ هَزَالٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ مَا عِزُّ بْنُ مَالِكٍ يَتِيمًا فِي حَجَرٍ أَبِي فَاصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَأَنْتَ يُرِيدُ بِذَلِكَ رَجَاءً أَنْ يَكُونَ لَهُ مَخْرَجٌ فَأَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَاقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللَّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَاقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللَّهِ حَتَّى قَالَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَمِنْ قَالَ بِفُلَانَةٍ قَالَ هَلْ صَاحَبْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَمِرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ فَأُخْرِجَ بِهِ إِلَى الْحِزَّةِ فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَرَعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ أَصْحَابُهُ فَتَنَزَّعَ لَهُ بِوُطَيْفٍ نَعِيرٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَتَلَهُ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَا تَرَكْتُمُوهُ لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوبَ فَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت زید ابن نعیم ابن ہزال اپنے والد حضرت نعیم ابن ہزال سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت نعیم نے کہا کہ ماعز ابن مالک یتیم تھا اور میرے والد حضرت ہزال کی پرورش میں تھا اس نے جوان ہو کر محلہ کی ایک لونڈی سے زنا کر لیا جب میرے والد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چلا جا اور جو کچھ تو نے کیا ہے وہ آپ ﷺ کو بتا دے شاید آنحضرت ﷺ تیری مغفرت کی دعا کر دیں اور میرے والد کے اس کہنے کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ استغفار گناہ سے اس کی نجات کا سبب بن جائے یعنی میرے والد کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اور آنحضرت ﷺ اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے ماعز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ وہاں سے ہٹ گیا اور پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے یہاں تک کہ اس نے یہ بات چار بار یعنی چار مجلسوں میں کہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ بات چار بار کہی ہے یعنی چار بار اقرار کرنے سے تیرا جرم زنا ثابت ہو گیا ہے اب یہ بتا کہ تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے اس نے نام لے کر کہا کہ فلاں عورت کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس کے ساتھ بخواب یعنی ہم آغوش ہوا تھا اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے بدن کو اپنے بدن سے لپٹایا تھا؟ اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور جب وہاں سنگسار کیا جانے لگا اور اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو وہ بدحواس ہو گیا یعنی وہ پتھروں کی چوٹ برداشت نہ کر سکا اور چہاں سنگسار کیا جا رہا تھا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا راستہ میں اس کو عبد اللہ ابن انیس ملے جن کے ساتھی یا ماعز کو سنگسار کرنے والے تھک گئے تھے عبد اللہ نے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی اٹھائی اور اس سے ماعز کو مارا یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ختم کو ڈالا اس کے بعد عبد اللہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے سنگساری کئے بغیر ہی اس کا گناہ معاف کر دیتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس کو حرہ لے جایا گیا۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت میں تو یہ ہے کہ ماعز کو مصلیٰ میں سنگسار کیا گیا اور مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کو بقیع غرقہ لے جایا گیا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن اگر یہ بات ملحوظ رہے کہ مصلیٰ سے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ مراد ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ وہیں بقیع غرقہ میں تھی تو پھر کوئی تضاد نہیں رہے گا یہی بات کہ ترمذی کی روایت میں جو یہ منقول ہے کہ ماعز کے چوتھی بار اقرار کرنے کے بعد اس کی سنگساری کا حکم جاری کیا گیا چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور وہاں سنگسار کیا گیا جیسا کہ یہاں ابوداؤد کی روایت میں بھی یہی ہے کہ اس کو حرہ لے جایا گیا تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ جب وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر بھاگا تو اس کا پیچھا کیا گیا تا آنکہ اس کو حرہ لے جایا گیا یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ پھر یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوگی کہ ماعز کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ لے جایا گیا تھا کیونکہ صحاح اور حسان کی روایتیں اس بات کی مؤید ہیں کہ شروع میں ماعز کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ کی طرف نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ جب اس کو سنگسار کیا جانے لگا تو وہ خود بھاگ کر حرہ چلا گیا تھا یا یہ توجیہ کی جائے کہ مصلیٰ جہاں ماعز کو سنگسار کیا گیا حرہ ہی کے آس پاس ہو گا لہذا کسی راوی نے تو مصلیٰ کا ذکر کیا اور کسی راوی نے حرہ کا اس صورت میں دونوں احادیث کے مفہوم میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

زنا کی کثرت کا وبال

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الزَّوْنُ إِلَّا

أُخِذُوا بِالسِّنَّةِ وَمِمَّنْ قَوْمٌ يَنْظُرُونَ فِيهِمُ الرِّشَاءَ إِلَّا أَخِذُوا بِاللُّغْبِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت عمروؓ ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قحط اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب (دخوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔“ (احمد)

تشریح: ”رشوت“ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت و محنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کے بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دینی یا اس میں سہی و کوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت و مشقت کے بقدر مال دینا رشوت نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

بہر کیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت محض ایک سماجی برائی اور ایک شرعی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ظلم بھی ہے کہ جس کی سزا آخرت میں تو ملے ہی گی اس کا وبال مختلف صورتوں میں اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ یہاں حدیث میں اسی ذکر کیا گیا ہے کہ رشوت کی نحوست ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ نیز اسے بزدل بنا کر غیروں کی ہیبت میں اور اپنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

غیروں کی ہیبت تو یوں مسلط ہو جاتی ہے کہ راشی رشوت لینے والا اپنا ضمیر و ایمان بیچ ڈالتا ہے اور جب وہ ضمیر و ایمان داری کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے وہ ساری توانائی اور قوت ختم ہو جاتی ہے جو اس کو غیروں کے مقابلہ پر عظمت و برتری کا احساس دلاتی ہے۔ اپنوں کا خوف اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی حاکم و کارکن رشوت نہیں لیتا تو وہ اپنا حکم اپنے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر جاری کرتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ رشوت سے آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے جو اسے قدم قدم پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور اجرائے احکام سے جھجکا تا رہتا ہے کہ اس کے کسی حکم یا کسی کارروائی سے کوئی ایسا شخص ناراض نہ ہو جائے جس سے کہ اس کو رشوت کی صورت میں ناجائز مالی فائدے حاصل ہیں یا جو اس کو رشوت ستانی کے جرم کا رازدار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاکم و کارکن ہیبت و خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پورا نظام حکومت بہت خوفناک قسم کی بد حالی و بے اعتمادی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ساری قوم بے اطمینانی اور مصائب و پریشانیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

اغلام لعنت کا باعث ہے

(۲۹) وَعَنْ بَنِي عَبَّاسٍ وَابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُونٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ - رَوَاهُ دُرَيْمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَلِيًّا أَحْرَقَهُمَا وَأَبَا بَكْرٍ هَدَمَ عَلَيْهِمَا حَائِطًا -

”اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قوم لوط کا ساعل یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔“ (زرین)

اور زرینؓ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ”حضرت علیؓ نے بطور سزا اغلام کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو جلوا دیا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے ان پر دیوار گروادی تھی۔“

تشریح: جامع صغیر میں امام احمدؒ نے حضرت حسنؒ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنی ماں کو برا کہے وہ ملعون ہے جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے جو شخص اسلامی سلطنت کی زمین کی سرحدوں میں رد و بدل کرے وہ ملعون ہے جو شخص کسی اندھے کو غلط راستہ بتائے وہ ملعون ہے جو شخص جانور سے بد فعلی کرے وہ ملعون ہے

اور جو شخص قوم لوط کا سا عمل کرے یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔

(۳۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ عزوجل اس شخص پر نظر رحمت نہیں کرتا جو کسی مرد یا عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔“ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا

(۳۱) وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ وَهَذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ وَهُوَ مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَأَقْتُلُوهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ -

”اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے (بطریق مرفوع) کہا کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے وہ حد کا سزاوار نہیں لیکن قابل تعزیر ہے اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی سفیان نے) کہا کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی اس پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو دوسری فصل میں ان سے نقل کی گئی ہے اور وہ پہلی حدیث یہ ہے کہ جو شخص جانور سے بد فعلی کرے اس کو مار ڈالو چنانچہ علماء نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا البتہ بطور تعزیر اس کو کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔“

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے لیکن اس صورت میں سفیان ثوریؒ کے اس قول کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کے کوئی معنی نہیں رہیں گے لہذا صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا خُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةٌ لَا يَمُ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبادہؓ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قریب و بعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور خبردار اللہ کا حکم یعنی حد جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: قریب و بعید سے نزدیک کے اور دور کے رشتے دار مراد ہیں کہ اگر مجرم تمہارا دور کا جاننے والا ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو اور اگر نزدیکی رشتہ دار ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو ایسا نہ ہو کہ دور کے جاننے والے پر تو حد جاری کر دو اور نزدیکی رشتہ دار پر حد جاری کرنے سے باز رہو یا یہ کہ قریب سے مراد کمزور ہے کہ اس تک پہنچنا نزدیک اور اس پر حد جاری کرنا آسان ہوتا ہے اور بعید سے مراد قوی ہے کہ اس تک پہنچنا بعید اور اس پر حد جاری کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہی مراد حدیث کی منشاء کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہاں بھی ہدایت دینا مقصد ہے کہ حد ہر مجرم پر جاری کرو خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا کمزور ہو یا قوی اور اپنا عزیز ہو یا غیر عزیز ہو۔

حد جاری کرنے کے دور رس فوائد

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ خُدُودِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرٍ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي

بَلَادِ اللَّهِ - رَوَاهُ بْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التَّسَائِي عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا جاری کرنا خدا کے تمام شہروں پر چالیس رات تک بارش برسنے سے بہتر ہے (ابن ماجہ) نسائی نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ حد جاری کرنا گویا مخلوق کو گناہ اور معاصی کے ارتکاب سے روکنا ہے اور یہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے یعنی نزول برکات کا سبب ہے، اس کے برخلاف حدود کو معاف کرنا یا ان کو جاری کرنے میں سستی کرنا گویا مخلوق کو گناہ و معاصی میں مبتلا ہونے کا موقع دینا ہے اور یہ چیز یعنی گناہ و معاصی کا پھیل جانا قحط سالی میں گرفتار ہونے کا سبب اور انسان ہی نہیں بلکہ غیر انسانی مخلوق کو بھی ہلاکت و بربادی کے دروازے پر پہنچانے کا ذریعہ ہے جیسا کہ منقول ہے کہ جاری بنی آدم کے گناہوں کے سبب مارے دہلا پے کے مرجاتا ہے یعنی انسان عمومی طور پر برائیوں کی راہ پر لگ جاتا ہے اور گناہ و معاصی کے ارتکاب کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا اور جب بارش نہیں ہوتی تو صرف انسانوں ہی کے لئے قحط نہیں پھیلتا بلکہ اس کی وجہ سے چرند و پرند بھی اپنے رزق سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مرنے لگتے ہیں۔

”جباری“ ایک جانور کا نام ہے یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ دور دور سے اپنے چارہ تلاش کر کے لاتا ہے۔

بَابُ قَطْعِ السَّرِقَةِ

چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

طیبیؒ نے کہا ہے کہ قطع السرقة میں اضافت بجذف مضاف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب قطع اهل السرقة۔

سرقہ کے معنی: سرقہ سین کے زیر اور را کے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے محرم مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت۔

چوری کی سزا اور اس کا نصاب: یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہو گئی کہ اسلامی قانون میں چور کی سزا قطعید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارہ میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطعید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعیؒ چوتھائی دینار سونایا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطعید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ

”ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطعید نہیں ہے۔“

نیز ہدایہ کے قول کے مطابق اس بارہ میں ”اکثر“ پر عمل کرنا ”اقل“ پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اور ”اقل“ میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ کانٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایک ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے شنیؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ ابن ابی شیبہؒ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کانٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیث

① عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ الْأَبْرُجِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا۔ (متن علیہ)

”حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے حنفیہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

ڈھال کی قیمت کے تعین میں اختلافی اقوال

② وَعَنْ بَنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمٍ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا داہنا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شنیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہؓ ابن عمروؓ ابن العاصؓ سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباسؓ اور عمرو ابن شعیبؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمامؒ نے بھی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور عینیؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر حنفیہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع یہ ہاتھ کانٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمرؓ کی اس روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم تعین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتَقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتَقْطَعُ يَدُهُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا

ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلا تعین گنہگاروں پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَلْاَلْعَنْتُ اللّٰہُ عَلٰی الظّٰلِمِیْنَ سے بھی ثابت ہوتی ہے ہاں کسی شخص کو متعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے سلسلے میں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہو سکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوتھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے لہذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بیضہ آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو مجاہدین اور فوجی اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رسی سے نشی کی رسی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی کے چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور کتر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟

(۴) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثْرٍ۔

(رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجہ)

”حضرت رافعؓ ابن خدیجؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گائے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔“ (مالک، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ ترمیوہ پھل چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز ہو محرز کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے اسی طرح خشک میوہ جو درخت پر لگا ہوا ہو اور وہ کھیتی جو کاٹ کر کھلیان میں جمع نہ کی گئی ہو ان کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اسی پر گوشت و دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو دیرپانہ ہوں اور جلدی ہی خراب و متغیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظم کے علاوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور حقیر ہوں اور جو دار اسلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نرسل پھل پرندہ ہڑتال اور چونا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔

(۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعْلَقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْعَرَبِيُّ فَلْيُعْ فَتَمَنَّ الْمَجْنُونُ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے

ہیں کہ آپ ﷺ سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطعید کا سزاوار ہوگا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطعید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ محرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھلیان میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطعید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ محرز ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہوا ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے خواہ وہ پھل محرز ہو یا غیر محرز۔ اس حدیث کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں ”جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو“ کی قید کا تعلق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں رواج تھا (کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے ان کو کھلیان وغیرہ میں پھیلا دیا جاتا تھا اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا) اور حنفیہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطعید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھلیان وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطعید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھلیان وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو جیسا کہ ”شمر“ (تازہ پھل) کے بارہ میں پچھلی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ یہ حدیث نہ صرف پچھلی حدیث لاقطع فی ثمر و لا کثر کے مطلق مفہوم کے معارض ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد و لاقطع فی الطعام (کھانے کی چوری میں قطعید کی سزا نہیں ہے) کے بھی معارض ہے چونکہ حدود کے باب میں ضروری ہے کہ مسلمان کی جان اور اس کے اعضاء کے تحفظ کے پیش نظر حد جاری کرنے میں حتی الامکان احتیاط و رعایت کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایسے نکتہ و پہلو کو ترجیح دی جائے جس سے نفاذ حد کم سے کم قابل عمل رہے اس لئے ان احادیث کے تعارض کی صورت میں اس حدیث کو ترجیح دی جانی چاہئے جس کا مفہوم پھل کی چوری کے سلسلے میں بالکل مطلق ہے۔ اس موقع پر بھی ملا علی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ الْمَكِّيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَلَا فِي حَرِيسَةِ جَبَلٍ فَإِذَا أَوَاهُ الْمَوَاحُ وَالْجَرِيُّ فَلَا قَطْعَ فِيمَا بَلَغَ ثَمَرُ الْمَجْنِ - (روا نک)

”اور حضرت عبداللہ ابن عبد الرحمن ابن ابوسعید الخدریؒ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”درخت پر لگے ہوئے میوے اور پہاڑوں پر چرنے والے جانوروں کے مقدمہ میں قطعید کی سزا نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی پہاڑی جانور کو جانوروں کے بندھنے کی جگہ لاکر باندھ دے یا میوے کو (خشک ہونے کے بعد) کھلیان میں جمع کر دے تو اس کی چوری میں قطعید کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ شے مسروقہ کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہو۔“ (مالک)

تشریح: طبیب کہتے ہیں کہ لفظ حَرِيسَة دراصل مفعول کے معنی میں ہے گویا حَرِيسَة جبل معنی کے اعتبار سے محروسہ جبل ہے اور محروسہ جبل اس جانور کو کہتے ہیں جو پہاڑوں پر چرتا پھرتا ہو اور کوئی شخص اس کی حفاظت نہ کرتا ہو یعنی وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو، ایسے ہی جانور کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پکڑ لائے تو اس پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ جانور محرز ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے، ہاں اگر پہلے سے کسی شخص نے اس جانور کو پکڑ کر اپنے یہاں باندھ رکھا ہے تو چونکہ اب وہ جانور ایک شخص کی

ملکیت میں آگیا ہے اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص اس کو وہاں سے چرائے گا اور اس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہوگی تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنتَهَبِ قَطْعٌ وَمَنْ انتَهَبَ نَهْبَةً مَشْهُورَةً فَلَيْسَ مِتًّا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹنے والے میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا نہیں ہے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”لٹیرا“ (لوٹنے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کا مال زبردستی حاصل کرے اس طرح لوگوں کا مال لوٹنا اگرچہ چوری جیسے مال اڑانے سے بدتر ہے لیکن ایسے شخص پر ”چور“ کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ چور اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ چھپا کر لوگوں کا مال اڑائے۔

خائن قطع ید کا سزاوار نہیں

⑤ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى فِي شَرْحِ السُّنَنِ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِذَاءَهُ فَجَاءَ سَارِقٌ وَآخَذَ رِذَاءَهُ فَآخَذَهُ صَفْوَانٌ فَجَاءَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ أَنْ تُقَطَعَ يَدُهُ فَقَالَ صَفْوَانُ إِنِّي لَمْ أَرِدْ هَذَا هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ وَزَوَى نَحْوَهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچھے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور صاحب مصابح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی) اور بھاگتا چلا گیا مگر صفوانؓ نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے) (خود مجرم کے اقرار پر) گواہوں کی ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوانؓ (کو رحم آگیا اور انہوں نے کہا کہ ”اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اس کو معاف فرمادیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کر دی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیتا تھا۔“ اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوانؓ سے) اور دارمیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی۔“

تشریح: ”خائن“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز ضائع ہو گئی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسا شخص بہت گنہ گار ہوتا ہے مگر قطع ید کا مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح ”محرز“ یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لٹیرے اور اچکے کو بھی قطع ید کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کامل چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ پچھلی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا یہ مسلک ہے۔

”سر کے نیچے چادر رکھنے“ کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا ”حرز“ ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے، اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف نہیں ہو گا! اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا نہیں بچا سکتا، خود مدعی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی، ہاں حاکم کے پاس قصہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا مالک اس شخص (چور) کو بیہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زعفران، امام شافعی اور امام احمدؒ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوانؒ کی مذکورہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حاکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ و زیادتی کے ساتھ ہے لہذا اس اضافہ و زیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

⑨ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُقَطَّعُ الْأَيْدِيُّ فِي الْغَزْوِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابُودَاوُدُ وَالتَّسَنُّيُّ إِلَّا أَنَّهُمَا قَالَا فِي السَّفَرِ بَدَلِ الْغَزْوِ -

”اور حضرت بسر بن اربطہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔“ (اس روایت کو ترمذی، دارمی، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ”غزوہ“ کی بجائے ”سفر“ کا لفظ ہے۔“

تشریح: ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ جب اسلامی لشکر دار الحرب میں کفار سے برسر جہاد ہو اور امام وقت ان میں موجود نہ ہو بلکہ امیر لشکر ان کا کارپرداز ہو اور اس وقت (جہاد میں) کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس طرح دوسری حدود بھی جاری نہ کی جائیں۔ چنانچہ بعض فقہانے اس پر عمل کیا ہے اور اس کی بنیاد یہ احتمال ہے۔ کہ مبادا وہ شخص (اس سزا کے خوف سے) دار الحرب ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالے اور اس طرح وہ فتنہ و گمراہی میں مبتلا ہو جائے یا یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے مجاہدین میں بددلی اور تفرقہ نہ پیدا ہو جائے۔ طبری نے وضاحت کی ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہ ہونے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کا کوئی فرد مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کا بھی حق ہے۔

طبری کہتے ہیں ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ”سفر“ کا جو لفظ مطلق نقل کیا گیا ہے اس کو مقید پر محمول کیا جائے یعنی ”سفر“ سے ”سفر جہاد“ مراد لیا جائے۔

دوبارہ اور سہ بارہ چوری کرنے کی سزا

⑩ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي السَّارِقِ إِنْ سَرَقَ فَأَقْطَعُوا يَدَهُ ثُمَّ إِنْ

سَرَقَ فَاَقْطَعُوا رِجْلَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاَقْطَعُوا يَدَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاَقْطَعُوا رِجْلَهُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چور کے بارے میں فرمایا کہ ”جب وہ چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) پیر کاٹا جائے۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنا اور پھر دوبارہ چوری کرنے پر بایاں پیر کاٹنا تو علماء کا متفقہ مسلک ہے لیکن پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر بایاں ہاتھ کاٹنے اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں پیر کاٹنے کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے، لیکن حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ اسی میں مرجائے یا تو یہ کرے امام اعظمؒ کے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اول تو اس بات پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا، دوم یہ کہ کسی شخص کو اس کے چاروں ہاتھ پیر سے محروم کر دینا گویا اس کو اپنے وجود کی بقا کے سارے ذرائع و اسباب سے محروم کر دینا ہے جو اس کے حق میں ”سزا“ سے بڑھ کر ایک قسم کی ”زیادتی“ ہے جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث تہدید و سیاسی مصالح پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے چنانچہ طحاویؒ نے اس حدیث پر ان الفاظ میں طعن کیا ہے کہ میں نے صحابہؓ کے بہت سارے آثار و قضایا (اور نظائر و فیعلے) دیکھے لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں مل سکی، علاوہ ازیں میں نے بہت سے حفاظ حدیث سے ملاقات کی وہ سب اس حدیث (کی واقفیت) سے انکار کرتے تھے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ پیر کاٹنے کے بارے میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ گھٹنے کے پاس سے پاؤں کاٹا جائے۔

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جِئْتُ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقْطَعُوهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الثَّالِيَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوهُ فَقُطِعَ فَأَتَنِي بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوهُ فَأَنْطَلَقْنَا بِهِ فَمَقَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَزَ نَاهُ فَأَلْقَيْنَاهُ فِي بَيْتٍ وَرَمَيْنَا عَلَيْهِ الْحِجَارَةَ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ وَرَوَى فِي شَرْحِ السُّنَنِ فِي قِطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْطَعُوهُ ثُمَّ اخْسَمُوهُ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (اس کا بایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا بایاں پاؤں) کاٹ دیا گیا، پھر تیسری مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا۔ (اس کا بایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب پانچویں مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو (پکڑ کر) لے گئے اور مار ڈالا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کو کھینچنے ہوئے لائے اور کنویں میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینک دیے (ابوداؤد، نسائی) اور بغویؒ نے شرح السنۃ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ”اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس (ہاتھ کو داغ دو۔“

تشریح: ”اور پھر اس کو داغ دو“ کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تیل یا گرم لوہے سے داغ دو تاکہ خون بند ہو جائے اگر داغ نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی فقہ و عالم نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالنا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی لای محل دم امرء الا باحدی ثلث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس چور کو مار ڈالنے کا جو حکم دیا وہ سیاسی و انتظامی مصالح کی بناء پر تھا، چنانچہ امام وقت (حاکم) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفسدہ پر دازوں، چور اچکوں اور ملکی امن و قانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا ہو گا کہ یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کا خون مباح کر دیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس لئے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو اتنی سخت سزا دی گئی بہر کیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح بھیج کر کنوئیں میں ڈال دینا ہرگز مباح نہ ہوتا۔

چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینے کا مسئلہ

⑫ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ أُنْثِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَتْ يَدُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِقَتْ فِي عُنُقِهِ۔ (رواہ الترمذی والبوداذود والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت فضالہ ابن عبیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا جائے (تاکہ اس سے دوسرے عبرت پکڑیں) چنانچہ وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔“ (البوداذود، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ سے یہ منقول ہے کہ چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینا سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ امام (حاکم) کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ مناسب جانے تو چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دے، یہ سنت نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا ہو۔

جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو

⑬ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوكُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ۔

(رواہ البوداذود والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔“ (البوداذود، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: نش نون کے زبر اور شین کے پیش کے ساتھ نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کو کہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کر کے وہ ”عیب دار“ ہو گیا ہے اور عیب دار غلام کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ وہ بھگوتا ہو یا غیر بھگوتا۔ اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالکہ کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھروالوں کے مال و اسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی

ہے اس صورت میں ”حرز“ کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطعہ کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

الفصل الثالث

مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوا مَا كُنَّا نَرَاكَ تَبْلُغُ بِهِ هَذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتَهَا۔ (رواہ النسائی)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائیں گے (بلکہ ہمارا گمان تو یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کر دیں گے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا ”اگر فاطمہ (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کنوا دیتا۔“ (نسائی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چور کوئی ایسا شخص تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی قرابت تھی، یا آپ ﷺ کے متعلقین میں سے کوئی فرد تھا اور اسی وجہ سے صحابہؓ کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور رعایت کئے جانے کا امکان تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے واضح کر دیا کہ قطعہ کی سزا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو نافذ کرنا مجھ پر واجب ہے، اس میں چشم پوشی کرنا نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کے حق میں بے جا مداخلت کے مترادف بھی ہے اگر بالفرض میرے جگر کا ٹکڑا فاطمہؓ سے بھی یہ فعل صادر ہوتا تو میں اس پر بھی یہ سزا نافذ کرتا اور اس کے ہاتھ کنوا دیتا۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۵) وَعَنْ بَنِي عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بِغُلَامٍ لَهُ فَقَالَ اقْطَعْ يَدَهُ فَإِنَّهُ سَرَقَ مِزْآةً لَمْ أَمُرْ أَنْي فَقَالَ عُمَرُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ وَهُوَ خَادِمُكُمْ أَخَذَ مِنْكُمْ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اپنے غلام کو لے کر آیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ کنوا دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”یہ قطعہ کا مستوجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارا خدمت گار ہے اور تمہاری ہی چیز اس نے لی ہے۔“ (مالک)

تشریح: گویا حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کے ذریعہ اس پر قطعہ کی سزا نافذ نہ کرنے کی علت و وجہ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اذن (یعنی اجازت) کا پایا جانا ہے کہ تمہارے خادم ہونے کی حیثیت سے جب اس کو تمہارے ساتھ رہنے پہنچے اور تمہارے مال و اسباب کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل ہے اور اس اعتبار سے تمہارے اور تمہارے گھر کا مال خود تمہاری مرضی سے اس کی دسترس میں ہے تو اس صورت میں ”احراز یعنی مال کا غیر کی دسترس سے محفوظ ہونا“ نہ رہا اور جب ”احراز“ نہ رہا تو پھر یہ قطعہ کی سزا وار بھی نہیں ہو گا چنانچہ حنفیہ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرے علماء کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟

(۱۶) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ كَيْفَ أَنْتَ إِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ يَكُونُ الْبَيْتُ فِيهِ بِالْوَصِيفِ يَعْنِي الْقَبْرَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّبْرِ قَالَ

حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ تَقَطَّعَ يَدَ النَّبَاشِ لِأَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْمَيِّتِ بَيْتَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”اے ابوذرؓ!“ میں نے عرض کیا ”میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور فرمانبردار ہوں، فرمائیے کیا ارشاد ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت (یعنی کوئی وبا اپنی لپیٹ میں لے لے گی) (کہا) اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہو گے یا صبر و استقامت کی راہ اختیار کرو گے؟“ اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وبا کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی) میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبر و استقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا سکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس وقت تم پر صبر لازم ہے“ حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت حماد ابن ابوسلیمان نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا کیا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے چونکہ قبر کو گھر کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی ”حرز“ ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حمادؓ کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ ”حرز“ کے حکم میں ہو جس پر ”گھر“ کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چراتا ہے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان موجود نہ ہو تو متفقہ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال کی چوری کی ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ ”حرز“ نہیں رہا، اور جب اس صورت میں ”حرز“ کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع ید کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح ”قبر“ کو اگرچہ ”گھر“ فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ ”حرز“ یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن چور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ تینوں ائمہ اور حنفیہ میں سے (حضرت امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس مسئلہ کی باقی تفصیل ”مرقات“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُودِ

حدود کے مقدمہ میں سفارش کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہوگا کہ امام یعنی حاکم کو سفارش کرنا کہ وہ فلاں مجرم کو معاف کر دے اور اس پر حد جاری نہ کرے، جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ حاکم اس سفارش کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حدود میں سفارش نہیں قبول کی جاسکتی

① عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومَةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا وَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حَبْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أَسَامَةُ فَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِي حَدِّ مَنْ حُدِّدَ اللَّهُ ثُمَّ قَامَ فَانْتَخَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَآيَمَ اللَّهُ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا- مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رَوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتْ امْرَأَةً مَخْرُومِيَّةً تَسْتَعِينُ الْمَتَاعَ وَتَجْحِذُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاتَى أَهْلُهَا أُبْسَامَةَ فَكَلَّمُوهُ فَكَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ-

”حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) قریشی صحابہؓ ایک مخدومی عورت کے بارے میں بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی (اور لوگوں سے عاریتہ) سامان لے کر مکر بھی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) ان قریشی صحابہؓ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمہ میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے گفتگو (یعنی سفارش) کر سکتا ہے، اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے رسول کریم ﷺ کو بہت محبت و تعلق ہے اس لئے اس بارہ میں آپ سے کچھ کہنے کی جرات اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی (چنانچہ ان سب نے حضرت اسامہؓ کو اس پر تیار کیا کہ وہ اس عورت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کریں) حضرت اسامہؓ نے (ان لوگوں کے کہنے پر) آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی، رسول کریم ﷺ نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ ”تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟“ اور پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور (حمد و ثنائے کے بعد اس خطبہ میں) فرمایا کہ ”تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے اگر کوئی شریف آدمی (یعنی دنیاوی عزت و طاقت رکھنے والا) چوری کرتا تو وہ اس کو (سزا دیے بغیر) چھوڑ دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کمزور و غریب آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، قسم ہے خدا کی! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ”ایک مخدومی عورت (کی یہ عادت) تھی کہ وہ لوگوں سے عاریتہ کوئی چیز لیتی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا (جب) اس عورت کے اعزاء (کو اس کا علم ہوا تو وہ) حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی (کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کریں) اور پھر حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق عرض کیا۔“ اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ مذکور ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کئے گئے ہیں“

تشریح: حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبد الاسد تھا اور وہ حضرت ابوسلمہؓ کے بھائی کی بیٹی تھی، چونکہ وہ بنی مخزوم سے تھی جو قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس لئے قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو ”مخزومیہ“ کہا گیا ہے۔ اس حدیث کے بموجب تمام علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب حد کا کوئی قضیہ امام (حاکم) کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کے حق میں امام سے سفارش کرنا بھی حرام ہے اور کسی دوسرے سے سفارش کرنا بھی حرام ہے۔ ہاں امام کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے سفارش کرنے کرانے کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس میں حد جاری نہ ہوتی ہو بلکہ ”تعزیر“ نافذ ہوتی ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا اور سفارش کرنا بہر صورت جائز ہے خواہ اس کا قضیہ امام کے پاس پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو کیونکہ ایسی صورت میں سفارش کرنا نہ صرف یہ کہ آسان ہے بلکہ مستحب بھی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ کوئی شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔

مسلمؒ کی جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریتہ چیزیں لے کر مکر جاتی تھی حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے اور شرعی مسئلہ کے بھی منافی ہے، چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں ”انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لئے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی تھی

اور اس کو قطعید کی جو سزا دی گئی اس کا تعلق اس کے چوری کے جرم سے تھا جیسا کہ پہلی روایت (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) میں بیان ہوا۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ دوسری روایت لفظ و ترجمہ کے بعد لفظ فسرقت مقدر ہے، یعنی یہ لفظ ”فسرقت“ اگرچہ عبارت میں نہیں ہے مگر اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص کسی سے عاریہ کوئی چیز لے کر اس کو مکر جائے اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی جب کہ حضرت امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

هذا الباب خال عن الفصل الثانی۔ اس باب میں دوسری نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حد میں سفارش کرنے والا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے

② عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَالَثَ شَفَاعَتَهُ ذُنُوبَ حَدِّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ تَعَالَى حَتَّى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيهِ أَسْكَنَهُ اللَّهُ رَذْعَةَ الْخَبَالِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ مَنْ أَعَانَ عَلَى خِصْمٍ لَا يَذَرِي أَحَقُّ أَمْ بَاطِلٌ فَهُوَ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَ -

”حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے درمیان حائل ہو (یعنی جو شخص اپنی سفارش کے ذریعہ حاکم کو نفاذ حد سے روکے) اس نے اللہ تعالیٰ سے ضد کی (اور گویا اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ حد جاری کی جائے) اور جو شخص جانتے ہوئے بھی کسی ناحق اور جھوٹی بات میں کسی سے جھگڑتا ہے) تو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے۔ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں پائی جاتی (یعنی کسی مؤمن کو کوئی عیب لگائے یا اس کی طرف کسی غلط بات کی تہمت کر کے اس کو نقصان پہنچائے) تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک وہ نہیں کے کچھ، پیپ اور خون میں رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل آئے یعنی جب تک کہ وہ توبہ کر کے اس گناہ سے نہ نکل آئے وہ دوزخیوں کی سی حالت میں رہے گا، یا یہ کہ جب تک کہ وہ اس گناہ عذاب کو بھگت کر پاک نہ ہو جائے دوزخیوں کے درمیان رہے گا) اس روایت کو احمدؒ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”جو شخص کسی ایسے جھگڑے میں مدد کرے جس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو علم نہیں تو جب تک کہ وہ اپنی مدد سے باز نہ آجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا۔“

اقرار جرم پر چوری کی سزا

③ وَعَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الْمُخَزُومِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِلَصٍّ قَدْ اعْتَرَفَ اعْتِرَافًا وَلَمْ يُوْجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلَى فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَعْتَرِفُ فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَ فَجِئَ بِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَآتُوبُ إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ثَلَاثًا - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ هَكَذَا وَجَدْتُ فِي الْأُصُولِ الْأَرْبَعَةِ وَجَامِعِ الْأُصُولِ وَشُعْبِ الْإِيمَانِ وَمَعَالِمِ الشُّنَنِ عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ وَفِي نُسْخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ أَبِي رَمْثَةَ بِالرَّاءِ وَالشَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلِ الْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ -

”اور حضرت ابوامیہ مخزومیؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح

اعتراف و اقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے“ اس نے کہا کہ ”ہاں! میں نے چوری کی ہے“ آنحضرت نے دوبار تین بار یہ کہا (کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے) مگر وہ ہر بار یہ اعتراف و اقرار کرتا تھا (کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر کہنے کے بعد اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”(اپنی زبان کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو۔“ اس نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریم ﷺ نے تین بار فرمایا ”اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔“ (ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ واری) اور (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو ان چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، واری) میں جامع الاصول میں، اور بیہقی کی شعب الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح یعنی ابوامیہ سے منقول پایا ہے لیکن مصابیح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورمثہ (ہمزہ اور یا کی بجائے راء مسورہ اور ثامثہ کے ساتھ) منقول ہے مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورمثہ سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورمثہ اگرچہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔“

تشریح: ”اس ارشاد میں ”میں خیال نہیں کرتا الخ“ سے آنحضرت ﷺ کا انشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تاکہ اس پر سے حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد ”تلقین عذر“ ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی ”تلقین عذر“ اور ”تلقین رجوع“ صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گناہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی اصل گناہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ شراب کی حد کا بیان

شراب کی حرمت: شراب جس کو امام الخبائثؒ کہا گیا ہے، بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ہی جزو زندگی کا درجہ رکھتی تھی اس لئے بعثت نبوی کے بعد ابتدا اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا، اور عام طور پر لوگ اس کو پینے پلانے میں مبتلا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی تھی، اور حضرت عمرؓ کے قول انہما تذهب المال و تذهب العقل (یہ شراب مال کو بھی برباد کرتی ہے اور عقل کو بھی ختم کرتی ہے) کے پیش نظر لوگوں میں یہ احساس تمنا بھی روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ اس کی اباحت جتنی جلد ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، اور چونکہ پوری سوسائٹی اس لعنت میں گرفتار تھی اور یہ ایک ایسی عادت تھی جس کی جڑیں پورے معاشرہ میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مصلحت شریعت یہ تھی کہ اس کی حرمت کا نفاذ دفعتاً کرنے کی بجائے بتدریج روبہ عمل لایا جائے اور عام لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اس طرح جاگزیں کی جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس لعنت سے بھی نجات پا جائیں، چنانچہ جب کچھ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ ۚ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔

”اے محمد ﷺ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔“

جو سعید و صلی پہلے ہی سے شراب کے مضر اثرات کا احساس رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً بیزار تھے ان کے لئے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ قرآن کریم نے ”شراب“ کو گناہ کہہ دیا لہذا انہوں نے شراب نوشی قطعاً ترک کر دی، لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسے نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور پھر اس سلسلہ میں دوسری آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ-

”اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مت ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔“

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک اور ضرب لگائی، اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ-

”اے ایمان والو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے بیرہ سب گندی چیزیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب نوشی بالکل بند ہو گئی، شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بننے لگی اور اس شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہو گیا۔

شراب نوشی کی سزا: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت کے حکم اور اجماع امت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پئے وہ ”حد“ (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو جمہور علماء کے قول کے مطابق ”اسی ۸۰ کوڑے مارنا“ ہے خفیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق ”چالیس کوڑے مارنا“ ہے

سزا کا نفاذ: اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم و قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت شراب کی بوموجود ہو یا اس کو نشہ کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگرچہ وہ نشہ میز پینے کی وجہ سے ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کا ایک مرتبہ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کر لے نیز یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہو تو اس کو اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جب کہ اس کا نشہ ختم ہو جائے نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بو ختم ہو گئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بو ختم ہو گئی ہو تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بو پائی گئی یا اس نے صرف شراب کی قے کی، یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر گیا۔ اور یا اس نے نشہ کی حالت میں اقرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو واجب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد و عورت اور زمین و آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبزین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ ”نشہ“ سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ہزبان اور وہی تباہی باتیں کہنے لگے۔ حنفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا

① وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِي النَّخْمِ بِالْجَرِيدِ وَالتَّلْعَالِ وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَضْرِبُ فِي النَّخْمِ بِالتَّلْعَالِ وَالْجَرِيدِ أَرْبَعِينَ -

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب نوشی کی حد (سزائیں) کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔“ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔“

تشریح: پہلی روایت میں تو حد کا ذکر عدد کے تعین کے بغیر ہے اس اعتبار سے وہ مجمل ہے جس کی وضاحت دوسری روایت نے کی ہے۔ جس میں عدد کا تعین کیا گیا ہے اور وہ چالیس ہے چنانچہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے مسلک کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں سے نوشی کی شرعی سزا اتنی کوڑے مارنا بیان کیا گیا ہے ملا علی قادریؒ نے ان احادیث کو اپنی کتاب مرقات میں نقل کیا ہے۔

اتنی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی ہے

② وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ يُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرَةَ ابْنِ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خَلِيفَةِ عُمَرَ فَتَقُومُ عَلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنَعَالِنَا وَارْدِينَا حَتَّى كَانَ آخِرَ أَمْرَةِ عُمَرَ فَبَجَلَدَ أَرْبَعِينَ حَتَّى إِذَا عَنَّا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکرؓ کے ایام خلافت میں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دور میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی شراب پینے والا لایا جاتا تو ہم اٹھ کر اس کو اپنے ہاتھوں اپنے جوتوں اور اپنی چادروں سے یعنی چادروں سے کوڑے بنا کر اس کی پٹائی کرتے پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے یہاں تک کہ جب شراب پینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور سرکش بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت سائب ابن یزید کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت شراب نوشی کی حد کا نفاذ عدد کے تعین کے بغیر ہوتا تھا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس زمانہ میں شراب پینے کی سزا چالیس کوڑوں سے بھی کم تھی جیسا کہ ان کے قول پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے واضح ہوا کہ شراب کی حد کے طور پر اسی کوڑے کی سزا عہد نبوی ﷺ میں نافذ نہیں تھی بلکہ عہد صحابہ میں طے پائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کے معاملہ میں بڑھتی ہوئی سرکشی کو دیکھتے ہوئے اور قانونی و انتظامی مصالح کے پیش نظر

شراب پینے والے کو اسی ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا متعین کی اور اسی پر تمام صحابہ کا اجماع و اتفاق ہو گیا لہذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور اس سزا کو حضرت عمر فاروقؓ نے کمال کیا بایں طور کہ انہوں نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی اور اگرچہ سب سنت ہے لیکن اسی کوڑے ہی پر اجماع و اتفاق ہے۔

الفصل الثانی

شرابی کو قتل کر دینے کا حکم منسوخ ہے

(۳) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ قَالَ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ بَرَجْلٌ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَضْرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُو نَيْبٍ وَفِي أُخْرَى لَهُمَا وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ بَنُو عُمَرُو وَمُعَاوِيَةُ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَالشَّرِيدُ إِلَى قَوْلِهِ فَاقْتُلُوهُ.

”حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص شراب پئے اس کو کوڑے مارو اور جو شخص بار بار پئے یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ پیتا ہوا پایا جائے تو اس کو قتل کر ڈالو حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے اس کی پٹائی کی اور اس کو قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابو داؤد کی ایک اور روایت میں اور نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں جو انہوں نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عمر، حضرت معاویہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت شریہؓ بھی شامل ہیں یہ حدیث لفظاً قتلہ تک منقول ہے یعنی ان روایتوں میں ثُمَّ أَتَى الْخَمْرَ کی عبارت نہیں ہے۔“

تشریح: تو اس کو قتل کر ڈالو اس حکم سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس شخص کی بہت پٹائی کرو اور خوب مارو، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ حکم زجر و تہدید کے طور پر اور قانونی و انتظامی مصالح کے پیش نظر دیا تھا اس کا تعلق کسی مستقل قانون اور وجوب سے نہیں تھا نیز بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اس کو قتل نہیں کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتل کر دینے کا حکم یا تو زجر و تہدید اور قانونی و انتظامی مصلحتوں کی بناء پر تھا یا پہلے تو یہی حکم تھا مگر بعد میں آپ نے خود اپنے اس عمل سے کہ اس کو قتل نہیں کیا یہ حکم منسوخ قرار دے دیا۔

نوویؒ نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو متروک العمل قرار دینے پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہو ان دونوں میں سے ایک حدیث تو وہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی خوف و دہشت یا بارش نہ ہو تب بھی جمع بین الصلوٰتین کی اجازت ہے اور دوسری حدیث یہ ہے جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے گویا امام ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے منسوخ ہے اور اس کی منسوخی پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔

شرابی کی تحقیر

(۴) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَزْهَرَ قَالَ كَانَتْ أُنْظَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بَرَجْلٌ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اضْرِبُوهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْمِثْقَلِ قَالَ ابْنُ

وَهُبْ يَغْنَى الْجَرِيدَةَ الرُّطْبَةَ ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَرَابًا مِنَ الْأَرْضِ فَرَمَى بِهِ فِي وَجْهِهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن ازہر کہتے ہیں کہ گویا وہ منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی پٹائی کرو چنانچہ ان لوگوں میں سے بعض نے اس کو جوتوں سے مارا اور بعض نے کھجور کی ٹہنی (چھڑی) سے مارا۔ حضرت ابن وہبؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے میتخہ سے کھجور کی ہری ٹہنی جس پر پتے نہ ہوں یعنی چھڑی مرادی تھی۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ نے بیان کیا کہ جب سب لوگ اس شراب کی پٹائی کر چکے تو آنحضرت ﷺ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر پھینک دی اس کے منہ پر مٹی پھینک کر گویا آپ ﷺ نے اس کے تئیں حقارت کا اظہار کیا کیونکہ اس نے شراب پی کر ایک بہت ہی شنیع فعل کا ارتکاب کیا تھا۔“ (ابوداؤد)

شرابی کو سزا دو اس کو عار دلاؤ لیکن اس کے حق میں بددعا نہ کرو

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ اضْرِبُوهُ فَمَتَّأَ الضَّارِبُ بِيَدِهِ وَالضَّارِبُ بِنُفُوهِهِ وَالضَّارِبُ بِنَفْلِهِ ثُمَّ قَالَ بَكَيْتُوهُ فَاقْبَلُوا عَلَيْهِ يَقُولُونَ مَا اتَّقَيْتَ اللَّهُ مَا خَشِيتَ اللَّهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ أَخْزَاكَ اللَّهُ قَالَ لَا تَقُولُوا هَكَذَا لَا تُعِيشُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ وَلَكِنْ قُولُوا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ چنانچہ ہم میں سے بعض نے اپنی جوتیوں سے اس کی پٹائی کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب زبان سے اس کو تنبیہ کرو دو اور عار دلاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہنا شروع کیا کہ تو نے اللہ کی مخالفت سے اجتناب نہیں کیا تو خدا سے نہیں ڈرا اور تو رسول اللہ ﷺ کی متابعت ترک کرنے یا اس حالت میں آپ کے سامنے آنے سے بھی نہیں شرمایا۔ اور پھر جب بعض لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ تجھ کو (دنیا و آخرت دونوں جگہ یا آخرت میں) ذلیل و رسوا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر شیطان کے غالب ہو جانے میں مدد نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ! اس کا گناہ مٹا کر اس کو بخش دے اور اس کو طاعت و نیکی کی توفیق عطا فرما کر اس پر رحم کر یا اس کو دنیا میں بخش دے اور عاقبت میں اس پر اپنا رحم فرما۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے زبان سے تنبیہ کرنے کا جو حکم دیا وہ استحباب کے طور پر تھا جب کہ آپ ﷺ کا پہلا حکم کہ اس کی پٹائی کرو وجوب کے طور پر تھا۔

اس پر شیطان کے عذاب ہو جانے میں مدد نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی بددعا کر کے شیطان کی اعانت نہ کرو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اسکو ذلیل و رسوا کر دے گا تو اس پر شیطان کا تسلط ہو جائے گا یا جب وہ تم کو یہ بددعا کرتے ہوئے سنے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس ہو جائے گا اور یہ مایوسی و ناامیدی اس کو گناہوں میں مہمک رکھے گی اس طرح اس پر اپنا غلبہ رکھنے کا شیطان کا مقصد بھی پورا ہوگا اور اس کا گناہوں پر اصرار و تکرار اللہ کے غضب کا سبب بھی ہوگا لہذا اس اعتبار سے تمہاری بددعا شیطان کے بہکانے میں مددگار ہوگی۔

بلکہ یوں کہو اس حکم کا مطلب یا تو یہ تھا کہ شروع ہی میں اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرنی چاہئے یا یہ کہ اب اس کے لئے دعا مغفرت و رحمت کرو، اور زیادہ صحیح یہی بات ہے کیونکہ شروع میں تو اس کو عار دلا نا مطلوب تھا اور ظاہر ہے کہ اس دعا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ کے ساتھ عار دلانے یا اس کو تنبیہ کرنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں

⑥ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكَرَ فَلَقِيَ يَمِيلُ فِي الْفَجِّ فَأَنْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاضَى ذَا الْعَبَّاسِ انْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالتَزَمَهُ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحَّحَكَ فَقَالَ أَفَعَلَهَا وَلَمْ يَأْمُرْ فِيهِ بِشَيْءٍ ۖ - (رواه البزار)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی اور بدست ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو راستہ میں اس حال میں پایا کہ وہ جھومتا چلا جاتا تھا جیسا کہ شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے جھومتے راستہ چلتے ہیں، چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے چلے، لیکن جب وہ حضرت عباسؓ کے مکان کے قریب پہنچا تو لوگوں کے ہاتھ سے چھٹ گیا اور حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر ان سے چٹ گیا یعنی اس نے اس طرح حضرت عباسؓ سے سفارش اور پناہ چاہی جب نبی کریم ﷺ سے یہ بیان کیا گیا تو آپ ﷺ ہنس دیے اور فرمایا کیا اس نے ایسا کہا اور پھر آپ ﷺ نے اس کے بارہ کوئی حکم نہیں دیا۔“

(البزار)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے نہ تو اس شخص پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کو کوئی دوسری سزا دی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کا شراب پینا نہ تو خود اس کے اقرار سے اور نہ عادل گواہوں کی گواہی کے ذریعہ ثابت ہوا۔ اگر وہ دہر بار رسالت میں حاضر ہو کر اپنی شراب نوشی کا اعتراف و اقرار کرتا یا گواہوں کے ذریعہ اس کی شراب نوشی کا جرم ثابت ہوتا تو یقیناً اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اور جہاں تک اس شخص کا راستہ میں نشہ کی حالت میں پائے جانے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ ہے کہ شرعی قانون کی نظر میں کسی شخص کا محض راستہ میں لڑکھڑاتے اور جھومتے ہوئے چلنا اس نشہ کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے جو اس پر حد کے جاری ہونے کو واجب کرے۔

الفصل الثالث

جو شخص سزاء کوڑے کھاتے ہوئے مرجائے اس کی دیت واجب نہیں ہوگی

⑦ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ التَّخَفِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ مَا كُنْتُ لَاؤِيْمُ عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتُ فَأَجِدُ فِي نَفْسِي مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا صَاحِبَ الْحُمْرِ فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَكَدْبَتْهُ وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْئَلْهُ - (متفق علیہ)

”حضرت عمیر ابن سعید نخعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور وہ شخص حد مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا یعنی مجھے کوئی غم نہیں ہو گا کیونکہ اس پر حد جاری کرنا شریعت کے حکم کے مطابق ہو گا اور شریعت کے حکم کے نفاذ میں رحم و شفقت کا کوئی محل نہیں ہے ہاں شراب پینے والے کی بات دوسری ہے کہ اگر وہ چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو میں اس کی دیت بھروں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا متعین نہیں فرمائی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حد مقرر نہیں فرمائی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا متعین نہیں کیا ہے کہ اتنے کوڑے مارنے چاہئیں اگرچہ بعض احادیث میں چالیس یا چالیس کے مانند کے عدد کا ذکر ہے اس لئے اگر میں نے کسی شراب پینے والے کو اسی ۸۰ کوڑے مارے اور وہ مر گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید یہ زیادتی میری طرف سے منسوب ہو جائے اس اعتبار سے میں اس مرنے والے کی دیت ادا کروں گا۔ حضرت علیؓ کی یہ بات محض احتیاط پسندی پر محمول ہے حالانکہ جب عمرؓ نے شراب پینے والے کو سزاء مارے جانے والے

کوڑوں کی تعداد متعین کرنی چاہی اور صحابہؓ نے اس بارہ میں مشورہ کیا تو خود حضرت علیؓ نے یہ فرمایا کہ شرابی کو اسی کوڑے مارنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے شراب نوشی کا سزا کا تعین

(۸) وَعَنْ ثَوْرِبْنِ زَيْدٍ الدَّبْلَمِيِّ قَالَ إِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ أَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِينَ جَلْدَةً فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَإِذَا سَكِرَ هَذَى وَإِذَا هَذَى افْتَرَى فَجَلِدْ عُمَرَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِينَ - (رواہ مالک)

”اور حضرت ثور ابن زید دہلی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کی حد سزا کے تعین کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بد مست ہو جاتا ہے اور ہڈیاں بکتا ہے اور جب ہڈیاں بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔“ (مالک)

تشریح: حضرت علیؓ نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جاندار بات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول فول بکتا ہے اور خواہ مخواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا، اس اعتبار سے اس کا نشہ گویا قذف و افتراء پر وازی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگانے کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ قذف بہتان تراشی کی سزا اسی کوڑے ہے لہذا قذف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے گویا حضرت علیؓ نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشے کی حالت میں اول فول بکتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لئے ہر شرابی کے لئے یہ ایک ہی سزا مقرر ہوگی خواہ نشہ کی حالت میں اول فول بکے یا نہ بکے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہر حال حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے متعین فرمائی جس پر تمام صحابہؓ نے اجماع و اتفاق کیا۔

بَابُ مَا لَا يُدْعَى عَلَى الْمَحْذُودِ

جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے وہ حد (شرعی سزا) کا مستوجب ہوتا ہو اور پھر اس پر وہ حد جاری ہو جائے تو اس کے حق میں کسی طرح کی بددعا نہ کی جائے جیسا کہ جب ایک شخص نے ایک شراب پینے والے کے حق میں یہ بددعا کی اخراک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ یوں نہ کہو بلکہ اس کے حق میں مغفرت و رحمت کی دعا کرو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

کسی گناہگار پر لعنت بھیجنا ناجائز ہے

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ يُلْقِبُ حِمَارًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأَتَى بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجَلَدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللَّهُمَّ الْعَنَهُ مَا

اَكْثَرَ مَا يُؤْتِي بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جس کا نام تو عبد اللہ تھا مگر اس کی بیوقوفی کی وجہ سے اس کو حمار یعنی گدھا کہا جاتا تھا وہ اپنی حماقت آمیز باتوں سے نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ شراب پینے کے جرم میں اس پر حد جاری فرما چکے تھے پھر وہ ایک اور دن آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اس کو کوڑے مارے گئے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر تیری لعنت ہو، اس کو کتنی کثرت کے ساتھ بار بار شراب پینے کے جرم میں پکڑ کر لایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو خدا کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کو مخصوص کر کے اس پر لعنت بھیجا جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت قرب الہی کا سبب ہے لہذا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھنے والے پر لعنت بھیجنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اضْرِبُوهُ فَمَا الضَّارِبُ يَبْدُوهُ وَالضَّارِبُ يَنْعَلُهُ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ أَخْرَاكَ اللَّهُ قَالَ لَا تَقُولُوا هَكَذَا لَا تَتَّبِعُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی پٹائی کرو چنانچہ ہم میں سے بعض نے اس کو اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتوں سے مارا اور بعض نے اپنے کپڑے کا کوزا بنا کر اس سے مارا جب وہ شخص واپس جانے لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر غالب ہونے میں شیطان کی مدد نہ کرو۔“ (بخاری)

الفصل الثانی

جو مجرم سزا پا چکا ہے اس کی آبروریزی مردار کھانے کے مترادف ہے

③ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ الْأَسْلَمِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَنَّهُ أَصَابَ امْرَأَةً حَرَامًا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَلِكَ يُعْرَضُ عَنْهُ فَأَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ أَبْكُنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ حَتَّى غَابَ ذَلِكَ مِنْكَ فِي ذَلِكَ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا يَغِيبُ الْمَرْوُودُ فِي الْمَكْحَلَةِ وَلَوْ شَاءَ فِي الْبُشْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَذَرِي مَا الزَّانَا قَالَ نَعَمْ أَتَيْتُ مِنْهَا حَرَامًا مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ حَلَالًا قَالَ فَمَا تَرِيدُ بِهَذَا الْقَوْلِ قَالَ أُرِيدُ أَنْ تُطَهِّرَنِي فَأَمْرَبَهُ فَرَجَمَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَيْنَ مِنْ أَصْحَابِهِ يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْظِرْ إِلَى هَذَا الَّذِي سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدْعُهُ نَفْسُهُ حَتَّى رَجَمَ الْكَلْبُ فَسَكَتَ عَنْهُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتَّى مَرَّ بِجَنَافَةِ حِمَارٍ شَابِلٍ بِرَجُلِهِ فَقَالَ أَيْنَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَقَالَ نَحْنُ ذَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ انْزِلَا فَكُلَا مِنْ جَنَافَةِ هَذَا الْحِمَارِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هَذَا قَالَ فَمَا نَلْسُمَا مِنْ عِزٍّ أَخِيحْنُكُمَا إِنَّمَا أَشَدُّ مِنْ أَكْلِ مِنْهُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الْآنَ لَقِيَ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ يَنْغِمِشُ فِيهَا۔

(رواہ ابو داؤد)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارہ میں چار بار یعنی چار مجلسوں میں یہ گواہی دی (یعنی یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ بطریق زنا، جماع کیا ہے، اور آنحضرت ﷺ ہر بار (اس کے اقرار کرنے پر) منہ پھیر لیتے

تھے) تاکہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے اور حد سے بچ جائے) اور پھر پانچویں بار اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں!“ آپ ﷺ نے فرمایا (کیا تو نے اس طرح صحبت کی کہ وہ (یعنی تیرا عضو مخصوص) اس (عورت کے حصہ مخصوص) میں غائب ہو گیا؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا اس طرح) جس طرح سلائی، سرمہ دانی میں اور رسی کنویں میں غائب ہو جاتی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں!“ آپ نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے کہا ”ہاں! میں نے اس عورت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(اچھا یہ بتا) یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے تیرا مقصد کیا ہے؟“ اس نے کہا کہ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ (مجھ پر حد جاری فرما کر) مجھ کو (اس گناہ سے) پاک کر دیجئے۔“ چنانچہ (اتنی جرح کرنے کے بعد جب اس کا جرم زنا بالکل ثابت ہو گیا تو) آنحضرت ﷺ نے (اس کی سنگساری کا) حکم جاری فرمایا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا: ”اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقرار گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔“ آپ ﷺ نے (یہ سن کر اس وقت) تو ان دونوں سے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ دیر تک چلنے کے بعد ایک مرے ہوئے گدھے کے قریب سے گزرے جس کے پاؤں (اس کا جسم بہت زیادہ پھول جانے کے سبب) اوپر اٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہا ہیں (جنہوں نے ماعزؓ کی اس وجہ سے تجفیر کی تھی کہ اس کو سنگسار کیا گیا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ!“ ہم دونوں (حاضر ہیں)۔“ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔“ انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کا گوشت کون کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت کھائے جانے کے قابل نہیں ہے آپ ہم سے اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو آبروریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ سخت (بری بات) ہے، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ (ماعزؓ) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔“ (البوداؤذ)

④ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا أَقِيمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذَلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ - رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ -

”اور حضرت خزیمہؓ ابن ثابت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور پھر اس پر اس گناہ کی حد جاری کی جائے مثلاً کسی شخص نے زنا کیا اور اس کو کوڑے مارے گئے، یا کسی شخص نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا) تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کفارہ ہے (یعنی حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص اس گناہ سے پاک و صاف ہو جائے گا) (شرح السنۃ)

جس گناہ پر سزا جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا

⑤ وَعَنْ عَلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَصَابَ حَدًّا فَعَجَلَ عَقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا فَلِلَّهِ أَغْدَلُ مِنْ أَنْ يُنْشَى عَلَى عَبْدِهِ وَالْعُقُوبَةُ فِي الْآخِرَةِ وَمَنْ أَصَابَ حَدًّا فَاسْتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَلِلَّهِ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يُعَوِّدَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص، حد کا سزاوار ہو (یعنی کوئی ایسا گناہ کرے جس پر حد متعین ہے) اور پھر اسی دنیا میں اس کو اس کی سزا دے دی گئی (یعنی اس پر حد جاری کی گئی یا تعزیری یعنی کوئی اور سزا دی گئی تو) (آخرت میں اس کو اس گناہ کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی شان عدل تھی یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے، اور جو شخص کسی حد (یعنی گناہ) کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپا لیا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ

کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ وہ اس چیز پر دوبارہ مواخذہ کرے جس کو وہ معاف کر چکا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپا لیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے ندامت و شرم ساری کے ساتھ اپنے گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کا طلب گار ہوا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کی پردہ پوشی فرمائی اور اس طرح اس کو اسی دنیا میں معاف کر دیا تو اللہ اس کی شان کریمی سے یہ امید ہے کہ آخرت میں بھی اس کو معاف کر دے۔

اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے

جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو (اسی دنیا میں اس کی سزا بھگتنے کے لئے) اس کو ظاہر کرنا (یعنی حاکم کے سامنے خود اپنے گناہ کا اقرار کرنا) اگرچہ اس کے ایمان کی چٹنگی، اس کے قلب و احساس کی سلامتی اور اس خدا ترسی کا مظہر ہو گا لیکن اس کے حق میں زیادہ بہتر اور اولیٰ بات یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو چھپا کر اپنے نفس کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و طلب مغفرت و بخشش کرے۔

بَابُ التَّعْزِيرِ تعزیر کا بیان

”تعزیر“ کی اصل ہے ”عزر“ جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم درجہ کی ہو اور تنبیہ اور تادیب کے طور پر کسی کو دی جائے۔ اور اس سزا کو ”تعزیر“ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ و جرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس کی وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) بھگتنی پڑی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ ”حد“ تو وہ خاص سزا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور ساتھ ہی متعین ہے، حاکم کو صرف اس سزا کے نفاذ کا اختیار حاصل ہے اس کی قانون سازی یا اس میں کسی تغیر و تبدل کا حق اس کو حاصل نہیں ہے، اس کے برخلاف ”تعزیر“ وہ سزا ہے جس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین حاکم کی رائے پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ موقع و محل اور اقتضاء وقت و ضرورت کے مطابق جو سزا چاہے متعین کرے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جاسکتی ہے

① عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نُبَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلْدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو بردہ ابن نبیر، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ انتالیس سے زیادہ نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہو سکتے ہیں، البتہ کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح اس مسئلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی و شدت میں اس سے بھی بڑھ جانے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الفصل الثانی

مجرم کے منہ پر نہ مارو

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (کسی مجرم کو سزا) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس مجرم کے) منہ کو بچائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور حد کوڑے مارے جائیں یا بطور تعزیر و تادیب اس کی پٹائی کی جائے تو بہر صورت یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے کو بچایا جائے یعنی اس کے چہرے پر نہ مارا جائے۔

بدزبانی کی سزا

③ وَعَنْ بَنِي عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَأْتِيَهُ دِيٌّ فَأَضْرِبْهُ عَشْرِينَ وَإِذَا قَالَ يَأْمُحُشْتُ فَأَضْرِبْهُ عَشْرِينَ وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرُومٍ فَأَقْتُلُوهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے ”اے یہودی“ تو اس کو بیس کوڑے مارو، اور اگر اے محنت“ کہے تب بھی اس کو بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہوا اس کو مار ڈالو۔“ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”محنت“ اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء اور بات چیت کے انداز میں زنانہ پن ہو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو زنا اور زنا نہ بھی کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی غلام پر یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر (کوئی سزا) دی جانی چاہئے۔ اسی طرح اس شخص کو بھی تعزیر دی جائے جو کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائے مثلاً ان الفاظ کے ذریعہ اس کو مخاطب کرے اے فاسق، اے فاجر، اے کافر، اے خبیث، اے چور، اے منافق، اے لوطی یعنی اغلام باز، اے یہودی، اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے، اے سود خوار، اے دیوث، اے محنت، اے خائن، اے رند کی اولاد اے بدکار عورت کے بچے، اے زندیق، اے کتے، اے زانیوں یا چوروں کے پشت پناہ اور اے حرامزادے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ان الفاظ کے ذریعہ مخاطب کرے تو وہ قابل تعزیر نہیں ہوگا، اے گدھے، اے کتے، اے بندر، اے بکرے، اے الو، اے سانپ، اے سور، اے بیل، اے بھیڑیے، اے حجام، اے حجام کی اولاد (در انحالیکہ وہ کسی حجام کی اولاد نہ ہو) اے ولد الحرام، اے ناکس، اے منکوس، اے مسخرے، اے ٹھٹھے باز، عیار اے بیوقوف اور اے وہمی۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ علماء نے اس شخص کو تعزیر دینا پسند کیا ہے جو مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو مخاطب کرے جو شرفاء میں سے ہو۔

خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعزیر (کوئی سزا) دے جب کہ وہ کہنے کے باوجود اس کے سامنے زینت و آرائش کرنے سے اجتناب کرتی ہو یا وہ اس کو اپنے بستر پر (بستری کے لئے) بلائے اور وہ انکار کر دے، یا وہ نماز نہ پڑھتی ہو، یا سہل جنابت ترک کرتی ہو اور یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر آتی جاتی ہو۔

”جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔“ حضرت امام احمدؒ نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زجر و تہدید سے ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے کہ جو شخص حلال اور ہلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے کہ اگر زانی محسن (شاذ شدہ) ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محسن (کنوارا) ہو تو کوڑے مارے جائیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

④ وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَجَدْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَخْرِقُوا مَتَاعَهُ وَاضْرِبُوهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تم کسی ایسے شخص کو پکڑو جس نے خدا کی راہ میں خیانت کی ہو (یعنی اس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چیر لیا ہو) تو اس کا مال و اسباب جلا ڈالو اور اس کی پٹائی کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”اس کا مال و اسباب جلا ڈالو“ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرائے بطور سزا اس کا مال و اسباب جلا کر نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم کہ ”اس کا مال و اسباب جلا ڈالو“ اسلام سے ابتدائی زمانہ میں نافذ تھا مگر بعد میں منسوخ قرار دے دیا گیا۔ یا یہ کہ یہ ارشاد دراصل تغلیط اور تشدید پر محمول ہے حضرت امام احمدؒ نے اس حکم کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس شخص کا تمام مال و اسباب جلا دیا جائے۔ البتہ اگر اس کے سامان میں قرآن کریم، ہتھیار اور جانور بھی ہوں تو ان کو نہ جلا دیا جائے۔ نیز بطریق تعزیر اس کی پٹائی کی جائے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مال غنیمت کی چوری کرنے والا قطعید کا سزاوار نہیں ہوتا۔

بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَوَعِيدِ شَارِبِهَا

شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان

اس باب میں ایک تو خمر یعنی شراب کی حقیقت کو بیان کیا جائے گا کہ خمر کس کو کہتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بیان ہوگی کہ شراب پینے والے کے بارے میں کس چیز کا خوف ہے اور اس کے حق میں کیا کیا وعیدیں منقول ہیں۔

خمر کسے کہتے ہیں؟ قاسوس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا اور کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے (یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں ”خمر“ کے معنی ہیں ”دھاپنا، چھپنا، غلط

کرنا“ اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط و خبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو ”خمر“ کہا گیا۔

نشہ آور چیزوں کی قسمیں: جو چیزیں نشہ پیدا کرتی ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو شراب کی ہے جو انگور سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا عرق نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں ابال پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، صحیح تر اور مختار قول کے مطابق اس میں جھاگ کا پیدا ہونا شرط نہیں ہے اس کو عربی میں ”خمر“ کہتے ہیں۔

دوسری قسم یہ کہ انگور کے عرق کو قدرے جوش دے کر رکھ دیتے ہیں اس کو عربی میں ”بادق“ اور فارسی میں ”بادہ“ کہتے ہیں اور انگور کا وہ عرق جس کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا تین چوتھا حصہ جل کر صرف تین چوتھا حصہ رہ جاتا ہے۔ ”طلا“ کہلاتا ہے۔

تیسری قسم ”نقیع التمر“ ہے جس کو ”سکر“ بھی کہتے ہیں یعنی تر خرم کا وہ شربت جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور چوتھی قسم ”نقیع الزبيب“ ہے یعنی مٹی اور کشمش وغیرہ کا وہ شربت جس میں ابال اور جھاگ پیدا ہو جائے۔

ان چاروں قسموں میں سے پہلی قسم تو بلا کسی قید کے حرام ہے اور باقی تین قسمیں اس صورت میں بہ اتفاق حرام ہیں جب کہ ان کو جوش دے کر رکھ دیا جائے اور ان میں گاڑھا پن آجائے کیونکہ اس صورت میں ان چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ان میں مذکورہ چیزیں نہ پائی جائیں تو ان کو حرام نہیں کہیں گے مثلاً کچھ دیر کے لئے پانی میں خرما بھگو کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی شربت کی طرح ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہ ہو تو اس کا پینا درست ہو گا۔

ان کے علاوہ پینے کے چار مشروب اور ہیں جن کا پینا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ ان کو معمولی طور پر اس طرح جوش دیا گیا ان میں نشہ پیدا نہ ہو اور اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا ہو تو یہ قسمیں بھی حرام ہوں گی، اسی طرح اگر ان کو جوش دیئے بغیر کافی عرصہ کے لئے رکھ دیا گیا ان میں جھاگ پیدا ہو گیا تب بھی ان کا پینا حرام ہو گا۔ ان چاروں میں سے ایک قسم تو ”نبیذ“ ہے۔ یعنی وہ مشروب جو خرما سے بنایا گیا ہو اور اس کو قدرے جوش دیا گیا ہو، اگر اس میں کچھ گاڑھا پن بھی آگیا ہو تو اس کا پینا جائز ہے۔

دوسری قسم ”خلیط“ ہے یعنی وہ شربت جو خرما اور مٹی کو قدرے جوش دے کر ان سے نکالا گیا ہو۔

تیسری قسم وہ نبیذ ہے جو شہد، گہیوں، جو اور جو اور وغیرہ کو پانی میں قدرے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔

اور چوتھی قسم مثلث یعنی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگور کے عرق کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا دو حصہ خشک ہو جاتا ہے اور ایک حصہ شراب کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔

ان چاروں چیزوں کے بارہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پئے تو جائز ہے اور اگر لہو و لعب کے طور پر اور جنسی لذت کے لئے پئے تو حرام ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک میں اہل تحقیق کا فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ یمنی شرح کنز میں لکھا ہے کہ ”حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اور بدست بنادیتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے خواہ کسی طرح کا نشہ ہو کیونکہ ابن ماجہ اور دارقطنی کی روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور ساری نشہ آور چیزیں حرام ہیں، لہذا حنفی مسلک میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز ”شراب“ ہے اور حرام ہے خواہ وہ ”مشروب“ کی صورت میں ہو اور انگور یا کھجور یا مٹی یا شہد سے بنے یا گہیوں، جو، باجرہ یا جو ار سے بنے اور خواہ وہ کسی درخت کا عرق ہو جیسے تازی وغیرہ یا کوئی گھاس ہو جیسے بھگ وغیرہ اسی طرح وہ ہر مقدار میں حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، نیز اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو مفتی یہ قول کے مطابق اس کی طلاق واقع

ہو جائے گی خواہ شراب کانشہ ہو یا میز و غیرہ کا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ نیز محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، اور اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مشروب نجس و حرام اور شراب کے حکم میں ہے جس میں ابال، گازہا پین اور جھاگ پیدا ہو گیا ہو، اس کے علاوہ اور چیزیں جب تک کہ ان میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہیں۔ لیکن حنفی مسلک کے احتیاط پسند مصنفین کے ہاں فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ نہایہ، یعنی ذیلی، در مختار، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ حمادیہ اور شرح مواہب الرحمن میں مذکور ہے بلکہ شرح وہابیہ وغیرہ میں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول بھی حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی منقول ہے، اس صورت میں یہ مسئلہ تمام ائمہ و مجتہدین کا متفقہ ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالعلی لکھنوی نے ایک استفتاء کے جواب میں تازی اور نان پاؤ (ایک قسم کی خمیری روٹی) کی حرمت کو ظاہر کرتے ہوئے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق و تفصیل اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور تیس چالیس حنفی و شافعی علماء نے اپنی تصدیق کی مہر ثبت کی ہیں۔

نشہ آور چیزوں میں ایک قسم بھنگ، نشہ لانے والی گھاس اور جڑی بوٹیاں اور افیون ہیں کہ ان کو کھانا پینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں بھی انسان کی عقل کو تباہ کرتی ہیں اور ذکر اللہ و نماز وغیرہ سے باز رکھتی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بھنگ وغیرہ کو حلال جانے وہ زندیق و بدعتی ہے، بلکہ فقیہ نجم الدین زہدؒ نے تو ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس کو قتل کو دینا مباح جانا ہے۔ اسی طرح تمباکو بھی حرام ہے جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حقہ نوشی کو مکروہ تنزیہی کہا ہے کیونکہ حقہ پینے والے کے منہ سے پیاز و لہسن کے مانند بد بو بھی نہیں بلکہ اس میں ایک طرح سے دوزخیوں کی مشابہت بھی ہے۔ کہ جس طرح دوزخیوں کے منہ سے دھواں نکلے گا اسی طرح حقہ پینے والے کے منہ سے بھی دھواں نکلتا ہے، علاوہ ازیں حقہ نوشی ایک ایسی عادت ہے جس کو سلیم طبع، مکروہ جانتی ہے اور حقہ پینے سے بدن میں بہت زیادہ کستی پیدا ہو جاتی ہے اور بعضوں پر غشی بھی طاری ہوتی ہے اور یہ چیز ”مفتر“ میں داخل ہے اور ایک روایت کے مطابق جس کو حضرت امام احمدؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

جو چیز مفتر یعنی مستی پیدا کرنے والی ہو وہ حرام ہے۔ صاحب صراح اور صحاح نے ”مفتر“ کے معنی ”مستی پیدا کرنے والا“ لکھا ہے اور حضرت امام ابوالقاسم حسین ابن محمد ابن مفضل راغب نے اپنی کتاب ”مفردات القرآن“ میں ”مفتر“ اور ”فتور“ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”تیزی کے بعد تھم جانا، شدت (چستی) کے بعد نرم (صحت) کے بعد کمزور ہو جانا“ چنانچہ یہ معنی حقہ پینے والے پر صادق آتے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مفتر کے معنی میں ”بدن کا گرم ہو جانا“ بھی داخل ہے تو یہ شاذ معنی ہے جو اکثر علماء لغت کی تحقیق کے خلاف ہے یا اس سے ”اندر کی گرمی“ مراد ہے۔ بہر حال حقہ نوشی حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی سے بعید ہے کیونکہ حقہ، مسواک کی سنت کے منافی ہے بایں وجہ کہ مسواک منہ کو بد بو سے پاک کرتی ہے جب کہ حقہ منہ کو بد بو دار بناتا ہے اور مسواک کے بارہ میں یہ حدیث صحاح وغیرہ میں منقول ہے کہ:

الْبَسْوَاكُ مَظْهَرَةٌ لِلْفَمِّ وَمَرَصَاتُ لِلزَّبِّ۔

”مسواک منہ کی صفائی و پاکیزگی کا ذریعہ اور حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے۔“

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ: النَّخْلَةِ وَالْعِنْبَةِ۔ متفق

علیہ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصر، یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ کُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یکنواخت ہوتا ہے۔

② وَعَنِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلَى مِثْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ الْعَنْبِ، النَّخْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَمَزَ الْعَقْلُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ نے رسول کریم ﷺ کے منبر پر (کھڑے ہو کر) خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ”شراب کی حرمت نازل ہو گئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے جو سے اور شہد سے، اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔“ (بخاری)

تشریح: علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ”اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

پہلے زیادہ تر کھجور سے شراب بنتی تھی

③ وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ خَرِمَتِ الْخَمْرُ حِينَ خَرِمَتْ وَمَا نَجِدُ خَمْرَ الْأَعْنَابِ إِلَّا قَلِيلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ النَّخْرُ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی اسی وقت اس کی حرمت (نافذ) ہو گئی تھی اور (اس وقت) ہمیں انگور کی شراب کم ملتی تھی ہماری شراب زیادہ تر کھجور اور خشک کھجور سے بنتی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: کھجور کے درخت پر پہلے جو شگوفہ لگتا ہے اس کو عربی میں ”طلع“ کہتے ہیں اور وہ کھجور کی ابتدائی حالت ہوتی ہے پھر اس کے بعد ”خلال“ پھر ”بسر“ پھر (رطب) اور پھر خشک ہو جانے کے بعد اس کی آخری شکل ”تمر“ ہوتی ہے۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

④ وَعَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْعِ وَهُوَ بَيْنَهُ الْعَسَلُ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے بیع یعنی شہد کی نیب کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ آیا اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ مشروب جو نشہ لائے، حرام ہے۔“ (بخاری مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تو ”بیع“ کو باکے زیر اور تاکے جزم کے ساتھ یعنی ”بیع“ نقل کیا گیا ہے جب کہ یہ بعض جگہ تاکے زیر کے ساتھ منقول ہے ”شہد کی نیب“ اس شہد کو کہتے ہیں جس کو کسی برتن میں ڈال کر رکھ چھوڑا جائے تاکہ کھجور کی نیب کی طرح اس میں ایک خاص قسم کی تیزی پیدا ہو جائے، چنانچہ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر شہد کی نیب بھی نشہ لائے تو وہ بھی حرام ہے اور

تمری نبیذ کا بھی یہی حکم ہے کہا جاتا ہے کہ اہل یمن کی شراب پیکر بتی ہوتی ہے۔

جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا وہ شراب طہور سے محروم رہیگا

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْرِكُ مِنْهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرُفْ بِهَا فِي الْآخِرَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو چیز نشہ لائے وہ شراب ہے اور جو چیز نشہ لانے والی ہے وہ حرام ہے (خواہ مقدار میں تھوڑی ہو یا زیادہ ہو) اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور ہمیشہ پیتا رہے گا یہاں تک کہ بغیر توبہ کے مرجائے گا تو اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا“ سے مراد یہ تو اس شخص کی حالت کو بیان کرنا ہے۔ شراب کو حلال جانتے ہوئے ہمیشہ پیتا تھا۔ یا یہ ارشاد زبرد تو خج اور شراب پینے کی شدید ممانعت پر محمول ہے، اور یہ مراد ہے کہ اس شخص کو آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ شراب طہور پینا نصیب نہیں ہوگا جو نجات یافتہ اور جنت میں پہلے داخل ہونے والوں میں ہوں گے۔

شرابی کے بارے میں وعید

⑥ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُونَهُ بَارِضِهِمْ مِنَ الذَّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمَزْزُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللَّهِ عَهْدَ الْيَمَنِ يَشْرَبُ الْمُسْكِرُ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ قَالَ عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ غُصَاةُ أَهْلِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یمن کا ایک شخص (در بار نبوی ﷺ) میں آیا اور نبی کریم ﷺ سے جواری شراب کے بارہ میں پوچھا جو یمن میں پی جاتی تھی اور جس کو ”مزر“ کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ”کیا وہ نشہ لاتی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، اور (یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی کوئی بھی چیز پئے گا وہ اس کو طینہ الخبال ”پلائے گا۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! طینہ الخبال کیا ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خبال“ دوزخیوں کا پسینہ ہے۔ یا فرمایا کہ۔ خبال وہ پیپ اور لہو ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ترجمہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا پسینہ۔ یا۔ ان کے زخموں سے بہنے والا لہو اور پیپ ”خبال“ کے معنی ہیں۔ اور ”طینت“ کے معنی ہیں تلچھٹ۔

نبیذ کے بارے میں ایک حکم

⑦ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ خَلِيطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزَّيْتِ وَالشَّمْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزَّهْوِ وَالرُّطْبِ وَقَالَ انْتَبِذْ وَاتَّكِلْ وَاحِدٌ عَلَى حِدَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خشک کھجور اور کچی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، خشک کھجور اور خشک انگور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور کچی کھجور اور تر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے کہ (اگر نبیذ بنانا ہی ہو تو) ان میں سے ہر ایک کی ایک انگ نبیذ بناؤ۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے دو پھلوں کو ملا کر بھگونے (یعنی ان کا نبیذ بنانے) سے منع فرمایا اور الگ الگ کر کے بھگونے (اور اس کی نبیذ بنانے) کو جائز رکھا اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دو مختلف طرح کے پھل ایک ساتھ بھگوئے جائیں گے تو ایک پر پانی جلد اثر کرے گا۔ اور دوسرے پر دیر سے، نتیجہ یہ ہوگا جو پانی سے جلد تغیر قبول کرے گا اس میں نشہ پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر دوسرے تک پہنچے گا، اس طرح جو نبیذ تیار ہوگی اس میں ایک نشہ آور چیز کے مخلوط ہو جانے کا قوی امکان ہوگا جس کا امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا لہذا جب اس نبیذ کو پیا جائے گا تو گویا ایک حرام چیز کو پینا لازم آئے گا۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسی بنیاد پر اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی نبیذ پینا جو دو پھلوں کو باہم بھگو کر بنائی گئی ہو، حرام ہے خواہ اس میں نشہ ہو یا نشہ نہ ہو لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایسی نبیذ کا پینا اسی صورت میں حرام ہوگا جب کہ وہ نشہ آور ہو۔

شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے

(۸) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَّلَ عَنِ الْخَمْرِ يَتَّخِذُ خَلًّا فَقَالَ لَا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں نمک و پیاز وغیرہ ڈال کر اس) کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں۔“ (مسلم)

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شراب، سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس کو کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہوگا خواہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر مثلاً زیادہ دن رکھے رہنے یا دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے خود بخود اس کا سرکہ بن گیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ڈالے بغیر مثلاً دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا سرکہ بن گیا ہو تو اس کے بارہ میں ان کے دو قول ہیں جس میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شراب، شراب نہیں رہے گی بلکہ اس میں پانی آجائے گی اور اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اول تو بلا کسی قید کے یہ فرمایا ہے کہ نَعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ (بہترین سالن، سرکہ ہے) لہذا جو چیز بھی سرکہ ہوگی اس کا استعمال حلال ہوگا، دوسرے جب شراب میں سے وہ بری خاصیت نکل گئی جس کی وجہ سے وہ حرام تھی اور اس میں اچھی خاصیت پیدا ہو گئی تو اب وہ ایک مباح چیز کے درجہ میں آگئی لہذا اس کا کھانا پینا حلال ہوگا جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو حلال اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا اور لوگوں نے بڑی طویل عادت کو ترک کر کے شراب سے منہ موڑا تھا، اور یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو ایک طویل عادت کے بعد چھوڑتا ہے اس کی طرف اس کی طبیعت اور خواہش کا میلان کافی عرصہ تک رہتا ہے، لہذا آنحضرت ﷺ نے اس وقت شیطان کی مداخلت سے خوف محسوس فرما کر کہ مبادا شیطان لعین کو اپنا حربہ آزمائے گا موقع مل جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس چیز کو شراب پینے کا وسیلہ بنالیں، آپ نے اس کو حلال نہیں فرمایا لیکن شراب کی حرمت پر طویل عرصہ گزر جانے اور شراب کی طرف لوگوں کے میلان کے ہلکے سے بھی شائبے کی جڑیں تک اکھڑ جانے کے بعد جب اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا اور اس طرح وہ ”مصلحت“ ختم ہو گئی جس کی بناءً اس کو حلال نہ فرمایا گیا تھا تو وہ حرمت زائل ہو گئی اور پھر شراب سے بنے ہوئے سرکہ کو استعمال کرنا بھی حلال ہو گیا۔ علاوہ ازیں صاحب ہدایہ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کو بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفت میں حضرت جابرؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

خَيْرٌ خَلِكُمْ خَلُّ خَمْرِكُمْ - (بیہقی)

”یعنی تمہارے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے۔ جو شراب سے بنا ہو۔“

شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

⑨ وَعَنْ وائِلِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ بْنِ سُؤَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمْرِ فَتَهَاها فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ - (رواه مسلم)

”اور حضرت وائل حضریؓ روایت کرتے ہیں کہ طارق ابن سوید نے نبی کریم ﷺ سے شراب نوشی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا، پھر طارقؓ نے کہا کہ ہم تو شراب وودا کے طور پر استعمال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ دوا نہیں ہے بلکہ (خود آلیہ) تیار کیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اکثر علماء نے شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنے سے منع کیا ہے جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر حاذق طبیب و معالج کے کہنے کے مطابق شراب ہی کسی مرض کا واحد علاج ہو یعنی معالج یہ کہے کہ اس مرض کی بس شراب ہی دوا ہے اور کوئی دوا نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال مباح ہو گا۔ اسی طرح اگر حلق میں کوئی لقمہ وغیرہ اٹک جائے اور اس کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو نیز اس وقت پانی یا ایسی اور کوئی چیز موجود نہ ہو جس سے وہ لقمہ وغیرہ حلق سے اتر جائے تو اس صورت میں تمام علماء کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ صرف اتنی شراب پی لینا حلال ہے جس سے وہ لقمہ وغیرہ حلق سے نیچے چلا جائے۔

کسی حرام چیز میں اللہ نے شفا نہیں رکھی ہے: پچھلے باب کے ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ شراب کی حرمت دفعۃً نازل ہونے کی بجائے بتدریج نازل ہوئی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں جو پہلی آیت نازل ہوئی ہے وہ بھی اس موقع پر نفل کی گئی ہے، اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ منافع للناس یعنی اس شراب میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔ ”وہ فائدے کیا ہیں، اس بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن بعض مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ ”فائدے“ سے مراد انسانی بدن کی صحت ہے کہ شراب انسان کی جسم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے یا اس کے ذریعہ کسی مرض سے نجات مل سکتی ہے۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ ”اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّانِي

شراب نوشی کا وبال

١٠ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ لَمْ يَنْسِبِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ التَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ -

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (پہلی مرتبہ) شراب پیتا ہے (اور توبہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا، پھر اگر وہ (خلوص دل سے) توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، پھر اگر وہ (دوسری مرتبہ) شراب پیچا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ

جو تھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (نہ صرف یہ کہ) چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا (بلکہ) اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ (بھی) قبول نہیں کرتا اور (آخرت میں) اس کو دوزخیوں کی پیپ اور لہو کی نہر سے پلائے گا۔“ (ترمذی) نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس روایت کو عبد اللہ ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”اس کی نماز قبول نہیں کرتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ وقت پر نماز کی ادائیگی کا فرض اس پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں خاص طور پر نماز کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی جو تمام بدنی عبادتوں میں سب سے افضل ہے تو دوسری عبادتیں بطریق اولیٰ قبول نہیں ہوں گی نیز ”چالیس دن“ کی تعداد شاید اس لئے لگائی گئی ہے کہ شراب پینے والے کے باطن میں شراب کا اثر مختلف نوعیتوں سے اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو تھی میں توبہ قبول نہیں کی جاتی دراصل زجر و تشدید اور سخت تنبیہ پر محمول ہے کیونکہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ”جس شخص نے گناہ سے توبہ کی اور نادام ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھی تو اس نے اصرار نہیں کیا (یعنی ایسے شخص کو ”مصر“ نہیں کہہ سکتے اور اس کی توبہ قبول ہوگی) اگرچہ ایک ہی دن میں وہی گناہ شرابا کرے“ یا یہ مراد ہے کہ جو شخص بار بار شراب پیتا ہے تو اس اثم النجیث کے ارتکاب کی نحوست کی وجہ سے اس کو حقیقی توبہ کی توفیق عطا نہیں ہوتی اور آخر کار وہ ”مصر“ مر جاتا ہے۔

نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْكُرُ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ۔ (رواہ الترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو چیز نشہ لاتی ہو اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر مثلاً شراب کی کوئی ایسی قسم ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہے، کم مقدار نشہ نہیں لاتی تو یہ نہیں ہے کہ اس کو کم مقدار میں پینا جائز ہو گا بلکہ اس کی کم مقدار بھی حرام ہوگی کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ پہلے جس چیز کی کم مقدار کو اختیار کرتا ہے وہی کم مقدار اس کو زیادہ مقدار تک پہنچا دیتی ہے لہذا اس کم مقدار سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہو گا۔

مسکر چیز کا ایک چلو بھی حرام ہے

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْكُرُ مِنْهُ الْفَرْقُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس چیز (مثلاً شراب) کا ایک ”فرق“ (یعنی آٹھ سیر کی مقدار) نشہ لائے اس کا ایک بھرا ہوا چلو بھی حرام ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس نشہ آور چیز کی زیادہ مقدار حرام ہے۔ اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

① وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّيْتِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ

غریب۔

”اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”گیہوں کی بھی شراب ہوتی ہے، جو کی بھی شراب ہوتی ہے، کھجور کی بھی شراب ہوتی ہے، انگور کی بھی شراب ہوتی ہے اور شہد کی بھی شراب ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ بس انہی چیزوں سے شراب بنتی ہے، بلکہ ان چیزوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شراب انہی چیزوں سے بنتی ہے۔ اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو نہیں کہتے جب کہ ابن ملک کہتے ہیں کہ یہاں انگوری شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کی شراب کو بھی خمر مجازاً کہا گیا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ ان چیزوں کی شراب (یانثہ آور نیزہ) بھی انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب مال مقوم نہیں ہے

(۱۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٍ فَقَالَ أَهْرٍ يَقُوفُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سامان و اسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورہ مائدہ (کی وہ آیت انما الخمر الایہ نازل ہوئی) جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے اور جو باب حد النحر کے ابتدا میں نقل کی جا چکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو پھینک دو۔“ (ترمذی)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب مقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک دینا ہی ضروری ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِأَيْتَامٍ فِي جَجْرِي فَقَالَ أَهْرٍ الْقَحْمَرُ وَالْأَكْسِرُ الدِّنَانُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَفَهُ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَيْتَامٍ وَرَثُوا خَمْرًا فَقَالَ أَهْرٍ فَهَافَا أَفَلَا أَجْعَلُهَا حَلَالًا فَقَالَ لَا۔

”اور حضرت انسؓ حضرت ابو طلحہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابو طلحہؓ نے) عرض کیا کہ ”یا نبی اللہ! میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”شراب کو پھینک دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔“ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔“

تشریح: حضرت ابو طلحہؓ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارہ میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہو گئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو پہاڑا لو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کر گئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ

شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو، اسی طرح آپ ﷺ نے اس شراب کا سرکہ بنالینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت ”نہی تنزیہی“ کے طور پر ہے۔

الفصل الثالث

ہر مسکرو مفتر چیز حرام ہے

(۱۶) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس چیز (کو کھانے پینے) سے منع فرمایا ہے جو نشہ آور اور مفتر ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: نہایہ میں لکھا ہے کہ ”مفتر“ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پینے سے قلب و دماغ میں گرمی سرایت کر جائے اور ان اعضاء ربیعہ میں فتور یعنی ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے چنانچہ ”افتراء الرجل“ کسی شخص کے بارے میں اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں اور گوشہ چشم مضحک ہو جاتا ہے جیسے جو شخص بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں یا ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے آنکھیں چندھیائی سی رہتی ہیں۔

اس ارشاد گرامی سے بخ (خراسانی) اجوائن یا بھنگ (اور دوسری مغیرات اور مفتر چیزوں کی حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے

(۱۷) وَعَنْ دِينَارٍ الْحَمِيرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَارِضٌ بَارِدَةٌ وَنُعَالِجُ فِيهَا عَمَلًا شَدِيدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هَذَا الْقَمْحِ نَتَّقُوهُ بِهٖ عَلَى أَعْمَالِنَا وَعَلَى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرَ تَارِكِيهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت دینار حمیریؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک سرد علاقے کے باشندے ہیں جہاں ہمیں سخت محنت کے کام کرنے پڑتے ہیں (اور وہ سخت محنت بہت زیادہ جسمانی مشقت کے متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے) ہم لوگ گیہوں سے شراب تیار کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہم اپنی محنت کے لئے طاقت حاصل کرتے ہیں اور اس کی قوت سے اپنے علاقے کی سردی پر قابو پاتے ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟“ میں نے عرض کیا ”ہاں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو پھر اس سے اجتناب کرو۔“ میں نے عرض کیا ”لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر لوگ اس کو پینا بند نہ کریں (اور اس کو حلال جانیں) تو ان سے قتال کرو۔“ (ابوداؤد)

شراب اور جوئے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكَؤُوبَةِ وَالْغُبُورِ وَأَقَالَ كُلَّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے اور جو کھیلنے سے منع فرمایا اور کوبہ اور غُبُر سے بھی منع کیا ہے، نیز فرمایا کہ ”جو چیز بھی نشہ لائے وہ حرام ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ ”کوبہ“ نزد (ایک کھیل) اور شطرنج کو کہتے ہیں، اسی طرح طبل یعنی نقارے سے اور برط کو بھی ”کوبہ“ کہتے ہیں، چونکہ یہ ساری ہی چیزیں ممنوع ہیں اس لئے یہاں کوبہ سے جو بھی چیز مراد لی جائے صحیح ہے۔ ”غُبُر“ ایک قسم کی شراب کا نام ہے جو پنے سے بنی تھی اور عام طور پر جھشی بنایا کرتے تھے۔

شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا

(۱۹) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌ وَلَا قَمَّازٌ وَلَا مَنَانٌ وَلَا مُذْمٌ خُمْرٍ - رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا وَلَدٌ زَنِيَّةٌ بَدَلُ قَمَّازٍ -

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (جو بندگان خاص نجات پا کر شروع میں جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ) جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو اپنے ماں باپ کی (بلاوجہ شرع) نافرمانی کرتا ہے، نہ جواری داخل ہوگا، نہ وہ شخص داخل ہوگا جو فقراء کو صدقہ دے کر احسان جتاتا ہے، اور نہ وہ شخص داخل ہوگا جو ہمیشہ شراب پیتا ہے (داری) اور داری ہی کی ایک روایت میں ”نہ جواری داخل ہوگا“ کے بجائے یہ ہے کہ ”نہ ولد الزنا (جنت میں) داخل ہوگا۔“

تشریح: موجودہ زمانے کے اعتبار سے ہر وہ کھیل جو ہے جس میں عام طور پر شرط باندھی جاتی ہے کہ جیتنے والا ہارنے والے سے اتنے روپے یا فلاں چیز لے لے گا جیسے تاش و نرد اور شطرنج وغیرہ، اسی طرح ”سٹ“ بھی جوئے کے حکم میں داخل ہے۔
”طبی“ کے قول کے مطابق منان کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی ”کسی فقیر و محتاج کو صدقہ و خیرات دے کر اس پر احسان جتانا“ لیکن ایک احتمال یہ بھی ممکن ہے کہ منان دراصل من سے ہو جس کے معنی ”قطع“ کے ہیں اس طرح منان وہ شخص ہو جو رشتوں ناتوں کو قطع کرنے والا ہو۔

یہ حدیث کہ ”ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ نہ تو صحیح ہے اور نہ اس کو موضوع ہی قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ ایک ضعیف روایت ہے، تاہم اگر اس کے کسی درجہ میں صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس صورت میں اس کی تاویل اور وضاحت یہ ہے کہ جو اولاد زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے وہ چونکہ باپ کی تربیت و نگرانی سے محروم رہتی ہے اور ماں کی بدکرداری کا سایہ اس کے اوپر ہوتا ہے اس لئے وہ عام طور پر بگڑ جاتی ہے اور ظاہری و باطنی تربیت نہ پانے کی وجہ سے مختلف طرح کی برائیوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور مال کا روہ عذاب خداوندی میں گرفتار رہتی ہے، مزید برآں جس طرح حرام ذرائع مثلاً جوئے اور سود سے کمائے جانے والے مال میں ایک طرح کی ”نحوست“ ہوتی ہے اس طرح ولد الزنا میں بھی ایک طرح کی نحوست ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسے نطفے سے وجود میں آتا ہے جو ”حرام جگہ“ میں ”حرام ذریعہ“ سے قرار پایا تھا۔ یا یہ کہا جائے کہ اس ارشاد ”ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ کے ذریعہ دراصل زانی پر تعزیر و تشدید مقصود ہے جو اس (ولد الزنا) کی پیدائش کا سبب بنا ہے۔

علاوہ ازیں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”ولد الزنا“ سے مراد وہ شخص ہے جو زنا پر مواظبت و مداومت اختیار کرتا ہے اور بدکاری اس کی عادت بن جاتی ہے جیسے بہادروں کو ”بنو الحرب“ (یعنی جنگ کی اولاد) یا مسلمانوں کو بنو الاسلام (یعنی اسلام کی اولاد) کہہ دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ولد الزنا شخص اس وجہ سے کہ وہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے، عذاب خداوندی میں گرفتار ہو گیا اس کو جنت کی سعادت سے محروم رکھا جائے گا کیونکہ جس برائی نے اس کو جنم دیا۔ ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

شرابی کے بارے میں ایک وعید

(۲۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ وَهَدَى لِّلْعَالَمِينَ وَأَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِمَحَقِّ الْمَعَازِفِ وَالْمَرَامِيرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلْبِ وَأَمَرَ الْجَاهِلِيَّةَ وَحَلَفَ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِعِزَّتِي لَا يَشْرَبُ عِنْدَ مَنْ عِبَدَتِي جُرْعَةً مِنْ خُمْرٍ إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِجَاضِ الْقَدَسِ -

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پوری دنیا کے لئے رحمت اور تمام عالم کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے، اور میرے بزرگ و برتر خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں، مزامیر، بتوں، سولیوں اور زمانہ جاہلیت (یعنی حالت کفر) کے تمام رسوم و عادات کو مٹا دوں، اور میرے بزرگ و برتر خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے گا میں اس کو (آخر میں) اسی کے بقدر روزنیوں کی پیپ پلاؤں گا، اور جو بندہ میرے خوف سے شراب پینا چھوڑ دیا گا میں اس کو (آخرت میں) پاک حوضوں (یعنی جنت کی نہروں) سے (شراب طہور) پلاؤں گا۔“ (احمد)

تشریح: ”باجوں“ سے ڈھول، ڈھولکی، نقارہ، تاشہ، طبلہ، طنبورہ، سارنگی، ستار اور اسی قسم کے دوسرے باجے مراد ہیں۔ اسی طرح ”مزامیر“ سے شہنائی، چنگ، بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔

یہ حدیث باجوں اور مزامیر کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ قدیم سے اہل فسق اور گمراہ لوگوں کے رسوم و عادات میں داخل رہی ہیں۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ راگ و نغمہ، باجوں اور مزامیر کے ساتھ تو حرام ہے اور محض آواز کے ساتھ مکروہ ہے، نیز اجنبی عورتوں سے سننا سخت حرام ہے۔

”سولی“ سے مراد وہ صلیبی نشان (کر اس) ہے جو عیسائیوں کے ہاں ایک مقدس علامت اور قومی و مذہبی نشان ہے جو اس شکل میں ہوتا ہے یعنی ایک خط دوسرے خط کو کاٹتا ہے۔ یہ دراصل اس سولی کا نشان ہے جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھایا گیا تھا، اسی مناسبت سے عیسائی اس نشان کو بہت ہی مقدس اور بابرکت سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے مرد و عورت اس نشان کو مختلف صورتوں میں اپنے جہم پر آویزاں رکھتے ہیں بلکہ اپنی اور تمام چیزوں پر بھی یہ نشان بناتے ہیں، اس سے ان کا مقصد حصول برکت بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کی حسرتناکی اور غمگینی کو یاد رکھنا بھی ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کو اس نشان کے نیست و نابود کرنے کا بھی حکم دیا گیا اور مسلمانوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو استعمال نہ کریں جس پر یہ نشان ہو اور نہ اپنی کسی چیز پر یہ نشان بنائیں کیونکہ اس سے ایک غیر قوم کی مشابہت ہوگی ہے جو اسلام میں سخت حرام ہے۔

زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سراسر باطل ہیں اور جو زمانہ اسلام سے قبل کثرت سے رائج تھیں جیسے نوحہ و بین کرنا، اپنی نسل یا اپنے خاندان پر بے جا فخر کرنا اور دوسروں کے نسب میں طعن و طنز کرنا وغیرہ وغیرہ۔

والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں

②۱ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مَذْمُونُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُ وَالذَّيْوُثُ الَّذِي يَقْرُفِي أَهْلَهُ الْخُبْثُ۔ (رواہ احمد والنسائی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین طرح کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے (یہ نجات یافتہ بندوں کے ساتھ ابتداء جنت میں داخل ہونا ان تینوں پر حرام قرار دیا ہے) ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیوث کہ جو اپنے اہل و عیال میں ناپاکی پیدا کرے۔“ (احمد، نسائی)

تشریح: ”جو اپنے اہل و عیال میں ناپاکی پیدا کرے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی، اپنی لونڈی یا اپنی کسی اور رشتہ دار کو برائی اور بد چلتی کی راہ پر لگائے یعنی انہیں غیر مردوں کے ساتھ ہم بستر ہونے یا مقدمات زنا جیسے بوس و کنار اور غیر مجاہبانہ اختلاط وغیرہ پر مجبور کرے، یا انہیں اس کا موقع دے۔ اسی حکم میں اور تمام گناہ جیسے شراب نوشی، اور غسل جنابت کا ترک وغیرہ بھی شامل ہیں، یعنی اگر وہ شخص اپنی بیوی

کو شراب پیتے دیکھے یا اس کو غسل جنابت ترک کرتے دیکھے یا اسی طرح کے کسی اور گناہ میں مبتلا دیکھے اور اس کو اس سے منع نہ کرے تو یہ بھی دیوثی ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ ”دیوث“ اس بے غیرت شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اہل یعنی اپنی عورت کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے لیکن نہ تو اس کو اس کی وجہ سے کوئی غیرت محسوس ہو اور نہ اس کو اس برائی سے منع کرے (یعنی اپنی عورت کے پاس غیر مردوں کا آنا گوارا کرے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ ”دیوث“ کو کشخان اور ”قرنان“ بھی کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات نے دیوث، کشخان اور قرنان کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق و امتیاز پیدا کیا ہے، یعنی دیوث وہ ہے جو غیر مرد کو اپنی عورت کے پاس آنے دے کشخان وہ ہے جو اپنی بیہوشوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُذْمَنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وَمُصَدِّقُ السَّخْرِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”تین طرح کے لوگ جنت میں (ابتداءً) داخل ہونے سے محروم رہیں گے۔ ① ہمیشہ شراب پینے والا۔ ② ناتے کا توڑنے والا۔ ③ سحر یقین کرنے والا۔“ (احمد)

تشریح: ”سحر یقین کرنے والا“ سے وہ شخص مراد ہے جو سحر کو مؤثر بالذات جانے، ورنہ سحر پر بایں معنی یقین کرنا صحیح ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم سے اس کا اثر انداز واقع ہونا ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ اَلَسَّخْرُ حَقٌّ یعنی سحر ایک حقیقت ہے۔

شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے

(۲۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُذْمَنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى كَعَابِدٍ وَثَنَ رِوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص ہمیشہ شراب نوشی میں مبتلا رہے اور پھر مر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔“ (احمد) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمد ابن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے نیز بیہقیؒ نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں محمد ابن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔“

(۲۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَا أَبَالِي شَرِبْتُ الْخَمْرَ أَوْ عَبَدْتُ هَذِهِ السَّارِيَةَ دُونَ اللَّهِ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ”میں اس میں کوئی فکر (فرق) نہیں کرتا کہ میں شراب پیوں یا اللہ کے سوا اس ستون (یعنی پتھر کے بت) کو پوجوں۔“ (نسائی)

تشریح: اس ارشاد سے حضرت ابو موسیٰؒ کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ میرے نزدیک شراب نوشی اور بت پرستی دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الامارۃ والقضاء

امارت و قضاء کا بیان

امارت سے مراد ”سرکاری و حکمرانی“ ہے اور قضا سے مراد ”شرعی عدالت“ ہے اسلامی نظام حکومت کی عمارت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں! امیر و امام (یعنی سربراہ مملکت) اسلام کے قانون اساسی کا محافظ، نظم حکومت اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ذمہ دار حفاظت مذہب اور امت اسلامیہ کی طاقت و قوت کا امین، اور امور عامہ کا نگہبان ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے افراد کا تعلق جن امور سے ہے ان سب پر امیر و امام ہی کا اختیار کار فرما ہوتا ہے۔

قاضی، اسلامی عدالت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے شہریوں کے حقوق (امن، آزادی، مساوات) کا محافظ ہوتا ہے اور وہ معاملات کا فیصلہ کرنے میں شریعت کی طرف سے حکم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے نزاعی مقدمات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا اس سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل و انصاف، دیانت داری اور ایمانداری کے تقاضوں کو ہر حالت میں مد نظر رکھے۔

اسلام اور حکومت

اسلام، دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسلام جس طرح انسانیت عامہ کی دینی، مذہبی اور اخلاقی، اخروی فلاح کا سب سے آخری اور مکمل قانون ہدایت ہے اس طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جو انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام تنظیم کے لئے حکومت و سیاست سے اپنے تعلق کو برملا اظہار کرتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے اس کو حکومت حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہو سکتا ہے اس کو محض ایک ایسا نظام نہیں کہا جاسکتا ہے جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہیے جو خدا ترس و خدا شناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات و نظریات کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی ﷺ جو قرآنی ہدایات کی شارح و ترجمان ہیں، ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت و سیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے پیرایہ میں اور کہیں نعمت الہی کو ظاہری کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت کے درمیان تعلق ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدے و تصور کے مطابق چونکہ یہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس زمین میں حکومت خدا کا حق ہے اس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے اور اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا

جائے۔

ہم میں سے جو کج فکر لوگ ”مذہب اور سیاست“ کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو سیاست و حکومت سے بالکل بے تعلق دے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی معنی میں آج تک حکومت کو ”مذہب“ سے آزاد نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضحک کرنے کے لئے ”مذہب“ اور سیاست و حکومت کی مستقل بحثیں پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمہ فکر و عمل میں دین اور دنیا کی پلیدی کا زہر گھول رہا ہے۔

کتاب الامارۃ والقضاء سے اس کتاب کا جو حصہ شروع ہو رہا ہے اور اس میں جو احادیث نقل ہوں گی وہ اس دعویٰ کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام اور حکومت و سیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں ان احادیث میں امیر و خلیفہ قاضی و منصف، عوام اور رعایا، ملک و فوج اور نظم و حکومت کے دیگر گوشوں سے متعلق جو ہدایات و احکام بیان کئے جائیں گے ان سے واضح ہو گا کہ حکومت و سیاست بھی اسلام کا ایک موضوع ہے۔

الفصل الاول

امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يُعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْأَمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيَتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بَعْضُهُ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری فرمانبرداری کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اپنے امیر (سرور) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس شخص نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی! اور یاد رکھو، امام یعنی سربراہ مملکت (مسلمانوں کے لئے) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے سے (یعنی اس کی طاقت کے بل بوتہ پر) جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ (دشمنوں کی آفات و بلیات سے) حفاظت حاصل کی جاتی ہے! پس (اگر وہ) امام (اللہ سے ڈر کر) اس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اس کی وجہ سے وہ امام بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی اس کے احکام و فیصلے، اللہ کے خوف، قانون الہی کی روح اور عدل و انصاف سے خالی ہوں) تو اس کی وجہ سے وہ سخت گنہ گار ہو گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام (سربراہ مملکت) کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ڈھال جنگ میں (دشمن کے تیر و تلوار سے بچاتی ہے اسی طرح امام کا وجود، مسلمانوں کو دشمنان دین کے حملوں اور ان کی آفات و بلاؤں سے بچانے کا باعث ہے۔

اگر کسی کمتر شخص کو امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے

② وَعَنْ أُمِّ الْحُسَيْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَمِيرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقْوَدُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمِعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی نکلے اور کن کئے غلام کو بھی تمہارا حاکم بنایا جائے اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق تم پر حکمرانی کرے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد اولو الامر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اور اس اہمیت کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لئے ”غلام“ کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے ”جو شخص مسجد بنائے اگرچہ وہ چڑیا کے گھونسلے کی

مانند ہوا۔“ سے ظاہر ہے کہ مسجد چڑیا کے گھونسلے کی مانند کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس ارشاد کا مقصد مسجد بنانے کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے اسی طرح یہاں بھی ”غلام“ کے ذکر سے مبالغہ مقصود ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ وہ غلام جو بادشاہ یا خلیفہ اعظم (سربراہ مملکت) کا نائب ہو یا اسے کسی خاص علاقہ کا حاکم بنایا گیا ہو۔ اس ساری تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ ”غلام“ کو امیر و امام (سربراہ مملکت) بنانا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام احادیث میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جن میں غلام کی امارت و سرداری کا ذکر ہے۔
 ”کتنا اور کن کتا“ کے الفاظ بھی مقصد کو مؤکد کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور ان سے مراد ”حقیر و کمتر“ غلام ہے حاصل یہ کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے امیر و امام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے منصب امارت و امت کی پوری عزت و توقیر کریں خواہ وہ امیر اپنی ذاتی حیثیت میں کتنا ہی کمتر کیوں نہ ہوں۔

④ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتَعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَانَ رَأْسَهُ زِينَةً۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (اپنے امیر و حاکم کا فرمان سنو) اور (اس کے اوامر و نواہی کی) اطاعت کرو۔ تاوقتیکہ اس کا کوئی حکم و فرمان اللہ کے اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو) اگرچہ تم پر کسی ایسے غلام ہی کو حکمران کیوں نہ بنایا گیا ہو جس کا سر (چھوٹے پن اور سیاہی میں) انکسور (کی مانند) ہو۔“ (بخاری)

غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے امیر و حاکم کی بات کو“ سنا اور (اس کے احکام کی) فرمانبرداری کرنا ہر حالت میں مرد مسلم پر واجب ہے خواہ (اس کا کوئی حکم اس کو پسند ہو یا پسند نہ ہو) تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات کا حکم نہ کیا جائے۔ لہذا جب حاکم کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے میں گناہ ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امیر و حاکم کی بات کو سنا اور اس کے احکام و فرامین کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اس کا حکم و فرمان طبیعت و پسند کے موافق ہو یا غیر موافق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی حکم شریعت کی حدود سے متجاوز نہ ہو لہذا اگر امیر و حاکم کوئی ایسا حکم و فرمان جاری کرے جس پر عمل کرنے سے گناہ لازم آتا ہو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بھی امیر و حاکم کے خلاف بغاوت کرنا یا اس سے جنگ و جدال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی بھی ایسے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے جس کا تعلق گناہ سے ہو (خواہ وہ حکم امیر و حاکم کی طرف سے ہو یا ماں باپ اور استاد پیر وغیرہ کی جانب سے ہو) اطاعت و فرمانبرداری تو صرف اچھے حکم میں واجب ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اطاعت و فرمانبرداری کا عہد

⑥ وَعَنْ عَبْدِ بَنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَالْمُنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَىٰ أَثَرِهِ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ أَنْ لَا تَنَازَعَ الْأَمْرَ أَهْلُهُ وَعَلَىٰ أَنْ تَقُولَ بِالْحَقِّ إِنَّمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّا تَمِمْ وَفِي رِوَايَةٍ وَعَلَىٰ أَنْ لَا تَنَازَعَ الْأَمْرَ أَهْلُهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بِأَبَوَائِنَا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے روبرو ان امور کا عہد کیا کہ ”ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے) سنیں گے (اور ہر قسم کے حالات میں آپ ﷺ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تنگی اور سخت حالات میں بھی اور آسان و خوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی ہم پر ترجیح دی جائے گی (تو ہم صبر کریں گے۔ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے، ہم (جب زبان سے کوئی بات کہیں گے تو) حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں (یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے) اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو جگہ سے نہیں نکالیں گے۔“ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو) ہاں اگر تم صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں، دلیل ہو) اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہم پر ترجیح دی جائے گی“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہو گا یعنی بخشش و انعام اور اعزاز و مناصب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح و تفضیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ صبر کرنا) چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نباہتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے صبر و تحمل کی راہ کو اختیار کیا۔

”ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت و حکومت کی طلب و خواہش نہیں کریں گے ہم پر جس شخص کو امیر و حاکم بنادیا جائیگا ہم اس کو معزول نہیں کریں گے اور اپنے امیر و حاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔ روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر و حاکم کے قول و فعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا واجب ہو گا۔

فسق و فجور، عزل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟

اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوا کہ امام یعنی سربراہ مملکت کو معزول کرنے کی اسی صورت میں اجازت ہے جب کہ وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب ہو اور اس کا کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں اتنے واضح طور پر ثابت ہو کہ اس امام کے لئے اس کفر کی کوئی بھی تاویل کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جاسکتا ہے یہی مسئلہ ہرقاضی و امیر کا ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں ان ائمہ کے اختلافی اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو فاسق شخص اس بات کا اہل نہیں ہو گا کہ اس کو ولایت (کسی کا ولی ہونے کی ذمہ داری سونپی جائے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ فاسق، ولایت کا اہل ہو سکتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق باپ کے لئے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔

فرمانبرداری بقدر طاقت

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا

اَسْتَطَعْتُمْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے (یعنی اس بات کا عہد کرتے) کہ ہم (آپ کی ہدایات کو) توجہ سے سنیں گے اور (آپ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے کہ ”ان امور میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے یا تو اپنے مذکورہ ارشاد کے ذریعہ صحابہ کو یہ رخصت (یعنی آسانی و سہولت) عطا فرمائی کہ تم سے جس قدر فرمانبرداری ہو سکے اس قدر کرو۔ یا یہ ارشاد اسی بات کی تاکید و تشدید کے لئے تھا کہ تم جتنی فرمانبرداری کر سکو اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی یا قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔

ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْزُهُ فَلْيُضْمِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يَفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص اپنے امیر و سردار کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو (شرعاً یا طبعاً) پسند نہ ہو تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہئے اور اس کی وجہ سے امام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر (بھی) جدا ہوا اور (توبہ کے بغیر اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی موت، اہل جاہلیت کی موت کی مانند ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے امام و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری سے اپنے کو آزاد کر لیا اور مسلمانوں کی جماعت (تنظیم) سے علیحدگی اختیار کر لی اور تمام مسلمانوں کے اجتماع و اتحاد کی مخالفت پر کمر بستہ رہا اور پھر اسی حالت میں وہ مر گیا تو گویا زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی موت مرا اور اس مشابہت کی بنیاد ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ چونکہ دین سے بے بہرہ تھے اس لئے وہ اپنے امیر و سردار کی اطاعت کرتے تھے نہ اپنے امام (رہنما) کی ہدایت کو مانتے تھے بلکہ ان سے وہ علی الاعلان بیزاری کا اظہار کرتے تھے اسی طرح چونکہ ان کے یہاں ملی شیرازہ بندی اور اجتماعی تنظیم کا کوئی اہتمام نہیں تھا اس لئے وہ نہ کسی چیز پر اجتماع و اتحاد کا مظاہرہ کرتے تھے اور نہ کسی رائے پر متفق ہوتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ملت کی شیرازہ بندی، مسلمانوں کی مضبوط اجتماعی تنظیم، لیڈر شپ پر مکمل اعتماد اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور ملی امور میں آپس میں اتفاق و اتحاد کی بڑی اہمیت ہے بلکہ یہ چیزیں دین کا مطلوب ہیں اور دین کی سر بلندی کا بنیادی عنصر ہیں۔

تعصب کے خلاف تنبیہ

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصْبِيَّةٍ أَوْ يُدْعُو لِعَصْبِيَّةٍ أَوْ يُنْصِرُ عَصْبِيَّةً فَقَتِلَ فَقَتْلُهُ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي بِسَيْفِهِ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص، امام (سربراہ مملکت) کی اطاعت

و فرمانبرداری سے نکل جائے اور اسلام کی جماعت (ملت کی اجتماعی ہیت) سے علیحدگی اختیار کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مرادف ہوگا، جو شخص کسی ایسے جھڑے کے نیچے یعنی کسی ایسے مقصد کے لئے لڑا جس کا حق و باطل ہونا ظاہر نہ ہو درانحالیکہ وہ تعصب سے غضبناک ہوا اور متعصب ہوا اور تعصب کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا یا تعصب کی وجہ سے کسی کی مدد کی (یعنی اس کا لڑنا غضبناک ہونا لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا یا کسی کی مدد کرنا اعلاء کلمۃ الحق اور دین سے اظہار کے لئے نہیں تھا بلکہ محض تعصب یعنی اپنی قوم کے ظلم کی حمایت اور اس کی ناروا جانب داری کی بنیاد پر تھا) اور اسی حالت میں (وہ مارا گیا تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگا اور جس شخص نے میری اُمت کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس کے ذریعہ میری اُمت کے اچھے اور برے آدمیوں کو مارا اور میری اُمت کے مسلمان کی پرواہ نہیں کی (یعنی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ایک مسلمان کو مارنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کا وبال و عذاب کتنا سخت ہے) اور نہ اس نے عہد والے کے عہد کو پورا کیا تو نہ وہ میری اُمت میں سے ہے (یعنی میرے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔) ”مسلم“

بہترین اور بدترین حاکم

⑩ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشَجَعِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تَبْغِضُونَهُمْ وَيَبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَتَلْعَنُونَ نَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَنَايِدُهُمْ عِنْدَ ذَلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ إِلَّا مَنْ وَافَى عَلَيْهِ وَالْفَرَاةَ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلْيَكُفُّهُ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارے حاکموں میں سے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لئے اور وہ تمہارے لئے دعا کریں اور اس کی وجہ سے آپس میں ربط و تعلق اور محبت پیدا ہو) اور تمہارے حاکموں میں سے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض و عداوت رکھو اور وہ تم سے بغض و عداوت رکھیں اور تم ان پر اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔“ حضرت عوف کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا اس صورت میں ہم ان سے کئے ہوئے عہد وفاداری کو توڑ نہ ڈالیں (یعنی کیا ان بدترین حاکموں کو معزول نہ کر دیں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں، نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں! خبردار! جس شخص کو تم پر حاکم مقرر کیا جائے اور تم اس کا کوئی ایسا فعل دیکھو جو خدا کی نافرمانی (گناہ) پر مبنی ہو تو اس کے اس گناہ کے فعل کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار نہ ہونا چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں“ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کا نماز کو ترک کر دینا مسلمانوں کے کئے ہوئے عہد وفاداری کو توڑ ڈالنے کا موجب اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہو جانے کا سبب ہے کہ جس طرح اگر سربراہ مملکت صریح کفر کا مرتکب ہو جائے تو مسلمان اپنا عہد وفاداری توڑ کر اس کو معزول کر سکتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہو سکتے ہیں، اسی طرح اگر وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے تین اپنا عہد وفاداری توڑ دیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر دیں! کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور کفر و ایمان کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے گناہ چونکہ ترک نماز کی طرح نہیں ہیں اس لئے ان کا ارتکاب عہد وفاداری کو توڑنے اور اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہونے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس ارشاد گرامی میں ترک نماز پر سخت ترین زجر و تنبیہ اور عظیم تہدید ہے۔

حاکم کی بے راہ روی پر اس کو ٹوکنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے

⑪ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أَمْرَاءٌ تَعْرِفُونَ وَتُشْكِرُونَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرَأَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا أَفَلَا نَقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلُّوا إِلَّا مَا صَلُّوا إِيَّيْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهِ وَأَنْكَرَ بِقَلْبِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے لوگ بھی تم پر حاکم مقرر کئے جائیں گے جو اچھے برے دونوں قسم کے کام کریں گے لہذا جس شخص نے انکار کیا (یعنی جو شخص اپنے حاکم کے سامنے زبان سے یہ کہنے پر قادر ہو کہ تمہارا یہ فعل برا ہے اور اس نے اس طرح کہہ بھی دیا) تو وہ نفاق اور مداہنت سے پاک اور (اپنی ذمہ داری سے) بری ہو گیا، اور جس شخص نے مکروہ جانا (یعنی جو شخص حاکم کے منہ پر اس کے کسی برے فعل کو بیان کر دینے پر قادر نہ ہو لیکن اپنے دل سے اس کے اس فعل کو برا سمجھے) تو وہ سالم رہا (یعنی اس فعل کی برائی و گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہونے سے محفوظ رہا) لیکن جو شخص (حاکم کے برے افعال پر دل سے) خوش ہوا اور (خود بھی ان برے افعال میں مبتلا ہو کر گویا حاکم کی اتباع کی) تو وہ گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”(ایسی صورت میں جب کہ حکام برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی بے راہ روی کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگے تو کیا ہم ان کے خلاف جنگ نہ کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں!“ جب تک وہ نماز پڑھیں، نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں۔“ یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا۔“ (مسلم)

تشریح: روایت کے آخری الفاظ ”یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا“ کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو یہ لکھا ہے کہ راوی کی عبارت ہے جس کے ذریعہ انہوں نے حدیث کے الفاظ ومن کرہ فقد سلم کی توجیہ کی ہے، جب کہ ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ راوی نے اس عبارت کے ذریعہ حدیث کے ان دونوں جملوں فمن انکر اور ومن کرہ الخ کی توجیہ کی ہے۔

اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرمانبرداری کی جائے

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي اثْرَةً وَأُمُورًا تُشْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ آذُوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّكُمْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ”تم میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک اور بہت سی ایسی چیزوں کو دیکھو گے جس کو تم برا سمجھو گے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کیا ہدایت دیتے ہیں (کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم ان (حاکموں) کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کریں بائیں طور کہ تمہاری حق تلفی کریں تو ایسی صورت میں بھی ان کے تئیں تمہارا رویہ یہی ہونا چاہئے کہ تم ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو یعنی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور ان کے مدد گار و معین بنے رہو اور وہ تمہارے حق کی ادائیگی میں جو کوتاہی کریں ان پر صبر کرو اور بارگاہ کبریائی میں التجا کرو کہ وہ تمہیں تمہارے حق کا نعم البدل عطا کرے۔

⑬ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةَ بْنَ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أَمْرَاءٌ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوا وَاطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حَمَلُوا

وَعَلَيْكُمْ مَا حَمَلْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت واکلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ ابن یزید جعفی نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا اور کہا کہ ”یا رسول اللہ! اس بارہ میں ہمارے لئے آپ ﷺ کی کیا ہدایت ہے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حق (یعنی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کریں لیکن ہمیں ہمارا حق (یعنی عدل و انصاف اور مال غنیمت کا حصہ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا ”تم ظاہر میں ان کی بات سنو اور باطن میں) ان کی فرمانبرداری کرو (یعنی ان کی بات اور ان کے احکام کو سننا ظاہری اطاعت ہے) اور ان احکام پر عمل کرنا باطنی فرمانبرداری ہے (یاد رکھو! ان پر وہ چیز فرض ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے) (یعنی رعایا کو عدل و انصاف دینا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تمہارے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے) (یعنی اپنے حاکم و سردار کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگر ان حاکموں کی طرف سے تمہاری حق تلفی ہو یا اور کوئی مصیبت پیش آئے تو اس پر صبر کرنا۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم و رعایا میں نہ ہر ایک کے سپرد جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا ہر ایک پر واجب ہے جس طرح حاکم کے کاندھوں پر عوام کے حقوق کا تحفظ اور ان کو عدل و انصاف دینے کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر واجب ہے، اسی طرح رعایا کے کاندھوں پر اپنے حاکم کی مدد و اعانت اور اس اطاعت کی فرمانبرداری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا رعایا پر واجب ہے لہذا دونوں ہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں۔

امام کی اطاعت سے دست بردار ہونے والے کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةِ لِقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص امام یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کے پاس (ایمان کی) دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن امام کی بیعت (یعنی امام برحق کی اطاعت) سے آزاد ہو (یعنی وہ امام برحق کا باغی ہو کر ماجائے) تو اس کی موت جاہلیت پر مرنے کے مرادف ہوگی۔“ (مسلم)

خلیفہ و امیر کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت و امارت کا دعویٰ کرے تو اس کو تسلیم نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا أَفَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فَوَاطِنَ الْأَوَّلِ فَلَا أَوَّلَ اعْظُواهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”بنی اسرائیل کو انبیاء ادب و تہذیب سکھایا کرتے تھے چنانچہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین کوئی دوسرا نبی ہو جاتا (اس طرح یکے بعد دیگرے انبیاء اپنی قوم کی تربیت کیا کرتے تھے۔) لیکن میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے البتہ میرے بعد امراء و خلفاء ہونگے اور بہت ہوں گے (جن کے ذمے) امت کی راہنمائی و نگہبانی ہوگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جب بیک وقت متعدد امراء ملک و امت کی سیادت کے دعویدار ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے تو اس وقت کے لئے آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”پہلے امیر کی بیعت پوری کرو (پھر دوسرے زمانہ میں) پہلے امیر کی (یعنی جب بھی بیک وقت مثلاً دو امیر اپنی سیادت کا دعویٰ کریں تو اس امیر کی بیعت و طاعت کرو جو پہلے

مقرر ہوا ہو اور دوسرے کی مطلق پیروی نہ کرو) اور ان کے حقوق ادا کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق کی انکبداشت و حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کے بارہ میں وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: فوایعہ الاول فالاول کا مطلب یہ کہ اس خلیفہ و امیر کی بیعت پوری کرو جو پہلے مقرر ہوا پھر اس خلیفہ و امیر کی اطاعت کرو جو اس کے بعد مقرر ہوا! اور اس دوسرے خلیفہ و امیر کو ”اول“ اس امیر و خلیفہ کی نسبت سے فرمایا گیا ہے جو اس کے بعد مقرر ہو گا۔ گویا حاصل یہ ہے کہ جس طرح علی الترتیب ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو اسی طرح تم بھی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت و اطاعت کرنا۔ ہاں اگر ایک ہی وقت میں دو شخص امارت و خلافت کا دعویٰ کریں تو تم اس شخص کی بیعت و اطاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہے اور دوسرے کے بارہ میں یہ سمجھو کہ یہ شخص حکومت و سیاست کے لالچ میں غلط دعویٰ کر رہا ہے لہذا اس کو اپنا خلیفہ و امیر ماننے سے انکار کرو، چنانچہ آگے جو حدیث آرہی ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

اعطوہم حقہم (ان کے حقوق ادا کرو) گویا پہلے جملہ فوایعہ الاول (پہلے امیر کی اطاعت پوری کرو) کا بدلہ ہے اور حدیث کے آخری الفاظ یعنی فَإِنَّ اللَّهَ سَأَلَهُمُ الْخِرَاءَ پہلے جملہ کی علت کو بیان کرتے ہیں جس میں خلیفہ و امیر کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، گویا اس جملہ میں اختصار کو اختیار کیا گیا ہے، پورا مفہوم یہ ہے کہ تم ان کے حقوق ادا کرو اگرچہ وہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔

حدیث کے آخر میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خلیفہ و امیر (سربراہ مملکت) کو رعایا کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی کی جو ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ اس کے لئے قیامت کے دن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جواب دہ ہو گا، اس نے دنیا میں جن لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی اس سے ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی اور وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا تو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بُويعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَأَقْتُلُوا الْأَجْرَ مِنْهُمَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔“ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد کا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔“ (مسلم)

تشریح: اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اپنی خلافت و امارت کا اعلان کر دے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور خدا کے حکم کے مطابق پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی اطاعت قبول کر لے یا اسی حالت میں مارا جائے کیونکہ وہ خدا کے حکم اور اسلامی مملکت کا باغی ہے اور باغی کی یہی سزا ہے کہ اگر وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آئے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

بعض حضرات نے ”اس کو قتل کر ڈالو“ کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لیا ہے اور وہ اپنی بیعت اور اپنا عہد فتح کر دیں اور اس شخص کو اس طرح کمزور کر دیں کہ وہ خلیفہ کے خلاف شورش نہ پھیلا سکے۔

جو شخص اُمت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو

(۱۷) وَعَنْ عُرْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَيَكُونُ هَنَاتٍ وَهَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَفْرُقَ أُمَّرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَأُضْرَبُوا بِالسَّيْفِ كَأَنَّمَا مِنْ كَانَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عرفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”عنقریب تخریب و فساد رونما ہوں گے، لہذا جو شخص اس

امت میں تفریق پیدا کرنا چاہے درناحالیکہ امت آپس میں متحد و متفق ہو تو اس شخص کو تلوار سے اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔“ (مسلم)

تشریح: ”عنقریب تخریب و فساد رونما ہوں گے“ کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا توں توں دین کے مخالف اور دشمن طاقتوں کی فتنہ پردازیاں بڑھتی جائیں گی، وہ مختلف طریقے سے امت میں انتشار پیدا کر کے تخریب و فساد کے شعلے بھڑکائیں گے وہ کوشش کریں گے کہ ملت اسلامیہ کے درمیان سے اتحاد و اتفاق کی رو کو نکال لیں اور چونکہ ”امارت و سیادت انسان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے اس لئے کچھ مسلمان اس انسانی کمزوری سے مجبور ہو کر ان کی سازشوں کا شکار ہو جائیں گے اور طلب امارت و حصول جاہ کے لئے مسلم مخالف طاقتوں کا آلہ کار بن کر طرح طرح کے فتنوں کو جگائیں گے۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ تمام بد امنی و انتشار کی فضا پیدا ہو جائے گی اور امت گروہ بندیوں اور تفرقوں کا شکار ہو جائے گی۔ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص پہلے سے ان کی قیادت کے مرتبہ پر فائز ہے اور جس کو وہ شروع میں اپنا مرجع اطاعت بنا چکے ہیں اسی کے جھنڈے کے نیچے جمع رہیں اور اس کی قیادت میں ہر اس طبقہ اور فرد کے فتنوں کی سرکوبی کریں جو امت کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی کر رہا ہو، کیونکہ (اصل میں امیر و خلیفہ وہی شخص ہے اور اسی کی قیادت قائل اطاعت ہے۔

”خواہ وہ کوئی بھی ہو“ کے ذریعے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ امت کا اتحاد، فرد کی حیثیت و شخصیت پر مقدم ہے اگر امت کے اتحاد اور ملت کی اجتماعی حیثیت کو بچانے کے لئے کسی بھی بڑے سے بڑے فرد کو راستہ سے ہٹانا پڑے تو اس میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرنی چاہئے خواہ وہ شخص کتنا ہی کوئی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ اور دیکھنے میں کتنا ہی بڑا شیخ طریقت اور کتنا ہی معزز و حیثیت دار کیوں نہ ہو بلکہ یہاں تک ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ایسا شخص امارت و سیادت کا دعویٰ کرے جو حقیقت میں بھی اس منصب کا زیادہ سے زیادہ اہل ہے تو علماء لکھتے ہیں کہ اس کو بھی قتل کر دینا چاہئے کیونکہ فتنہ و فساد اور امت میں تفریق پیدا کرنے کا باعث ہونے کی وجہ سے وہ قتل ہوا کا مستحق ہے بشرطیکہ جو شخص پہلے منصب امارت و امامت پر فائز ہے وہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ہو اور اس کو معزول کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو۔

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ اتَّكَمَ وَأَمَرَكُمْ جَمِيعٌ عَلَى زَجَلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يَفْرِقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عرفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (امام وقت کے خلاف بغاوت کر کے اور اپنی خلافت و امارت کا اعلان کر کے) تمہارے پاس آئے درناحالیکہ تم سب (پہلے سے) ایک شخص پر متفق اور ایک خلیفہ پر متحد ہو اور وہ شخص تمہاری لاشی کو چیرے یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔“ (مسلم)

تشریح: ”لاٹھی چیرنے“ کو کتنا یہ ”مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے“ کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، گویا مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد اور کسی ایک رائے پر مجتمع ہو جانے کو ”لاٹھی“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت میں رخنہ اندازی کو ”چیرنے“ کا مفہوم دیا گیا ہے۔

أَوْ يَفْرِقَ جَمَاعَتَكُمْ (یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روای نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو پہلا جملہ ان یسوق عصاکم ارشاد فرمایا تھا یا یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ہی جملے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے، اس صورت میں پہلے جملہ کو دنیاوی امور یعنی مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں انتشار پیدا کرنے پر محمول کیا جائے اور دوسرے جملہ کو دینی احکام یعنی مسلمانوں کی دینی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات میں فتنہ پردازوں پر محمول کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةً يَدِهِ وَثَمَرَةً قَلْبِهِ

فَلْيُطِغَهُ إِنْ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ آخِرُ نَسَائِغِهِ فَاصْرِبُوا عَنْقُ الْأَخْرِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے امام سے بیعت کی بائیں طور کہ اس کو اپنا ہاتھ دے کر اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا اور خلوص دل سے بھی اس کی حاکمیت و قیادت کو قبول کیا تو اس کو چاہئے کہ وہ (حتی المقدور) اس امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور پھر اگر کوئی دوسرا شخص اپنی امامت کا اعلان کر دے اور اپنے امام کے خلاف بغاوت کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔“ (مسلم)

حکومت و امارت کے طلب گار نہ بنو

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فُسْأَلُ الْإِمَارَةِ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَكَلَّتْ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم حکومت و سیادت کو طلب نہ کرو کیونکہ اگر تمہاری خواہش اور طلب پر تم کو حکومت و سیادت دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا (تاکہ تم اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دو در آنحالیکہ منصب و امارت کی ذمہ داریاں اتنی دشوار اور مشقت طلب ہیں کہ بغیر مدد الہی کے کوئی شخص ان کو انجام نہیں دے سکتا اور اگر تمہاری خواہش و طلب کے بغیر تمہیں حکومت و سیادت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائیگی (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے تمہیں یہ توفیق بخشی جائے گی کہ تم عدل و انصاف اور نظم و ضبط کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکو۔“ (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَخْرُصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَتَسْكُونُونَ نِدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضَعَةُ وَبُسْتِ الْفَاطِمَةِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”(میں دیکھ رہا ہوں کہ) تم آنے والے زمانہ میں حکومت و سیادت کی حرص میں مبتلا ہو گے حالانکہ وہ حکومت و سیادت (جو حرص و طلب کے ساتھ ملے) قیامت کے دن پشیمانی کا موجب ہے (یاد رکھو) حکومت و سیادت دودھ پلانے والی بھی ہے اور دودھ چھڑانے والی بھی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حکومت و سیادت کی ابتداء دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ اور اس کی انتہا کو دودھ چھڑانے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جب کسی شخص کے پاس حکومت و سیادت آتی ہے تو وہ دودھ پلانے والی عورت کی طرح بہت اچھی لگتی ہے اور جب موت کا آہنی پنجہ اس کو حکومت و سیادت سے جدا کر دیتا ہے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص راج گدی سنبھال لیتا ہے تو وہی حکومت و سیادت اس وقت دودھ چھڑانے والی عورت کی طرح بری لگتی ہے لہذا یہ بات مردانہ کے لائق نہیں ہے کہ وہ ایسی لذت کے حصول کی خواہش و کوشش کرے جس کا انجام حسرت و غم ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضْرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَأَنَّهَا أَمَانَةٌ وَأَنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خَزْئٌ وَنِدَامَةٌ الْأَمْنُ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا. وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ لَهُ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أَحِبُّ لَكَ مَا أَحْبُّ لِنَفْسِي لَا تَأْمُرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلِّ مَالَ يَتِيمٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے (کسی جگہ کا) عامل (حاکم) کیوں نہیں بتا دیتے؟ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے (میری یہ بات سن کر) آنحضرت ﷺ نے (ازراہ لطف و شفقت) میرے مونڈھے پر اپنا ہاتھ مارا اور پھر فرمایا کہ ”ابو ذرؓ! تم ناتواں ہو اور یہ سرداری (خدا کی طرف سے) ایک امانت ہے جس کے ساتھ بندوں کے حقوق متعلق ہیں اور اس میں خیانت نہیں کرنی چاہئے) اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سرداری قیامت کے دن رسوائی و پشیمانی کا باعث ہوگی الا یہ کہ جس شخص نے اس

(سرداری کو حق کے ساتھ حاصل کیا اور اس حق کو ادا کیا جو اس سرداری کے تئیں اس پر ہے) یعنی جو شخص مستحق ہونے کی وجہ سے سردار بنایا گیا اور پھر اس نے اپنے زمانہ میں حکومت میں عدل و انصاف کا نام روشن کیا اور رعایا کے ساتھ احسان و خیر خواہی کا برتاؤ کیا تو وہ سرداری اس کے لئے رسوائی اور وبال کا باعث نہیں ہوگی) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”بو ذرا میں تمہیں ناتواں دیکھتا ہوں (کہ سرداری کا بار برداشت نہیں کر سکو گے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم دو آدمیوں کا بھی سردار و عامل نہ بننا اور کسی یتیم کے بھی مال کی کارپردازی و نگرانی نہ کرنا۔“ (مسلم)

تشریح: ”جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں تمہاری طرح ضعیف و ناتواں ہوتا تو میں اس سرداری و حاکمیت کے بجائے کہ نہ اٹھاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت بھی دی ہے اور پھر تحمل بھی عطا کیا ہے، اگر حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو تحمل عطا نہ ہوتا تو میں ہرگز اس بار لو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت و سیادت سے پرہیز کرنے کے بارے میں یہ حدیث اصل عظیم اور سب سے بڑی رہنما ہے بطور خاص اس شخص کے لئے جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔“

جو شخص خود کسی عہدہ و منصب کا طلب گار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو

(۲۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَمِي فَقَالَ أَحَدُهُمَا يَا رَسُولَ اللَّهِ آمُرْنَا عَلَى بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللَّهُ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّا وَاللَّهِ لَا نُؤَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اور میرے چچا کی اولاد میں سے دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو (تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا) حاکم بنایا ہے، مجھ کو کسی جگہ یا کسی کام کا حاکم و والی مقرر فرما دیجئے۔“ دوسرے نے بھی اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم! ہم (دین و شریعت کے) ان امور میں کسی بھی ایسے شخص کو والی اور ذمہ دار نہیں بناتے جو ہم سے ولایت و ذمہ داری کا طلب گار ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم اپنے کام پر اس شخص کو (عامل کارپرداز) مقرر نہیں کرتے جو اس کا ارادہ (یعنی عامل ہو نیکی خواہش رکھے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی خدمت و ذمہ داری کا طالب ہوتا اور آپ ﷺ سے اس کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اس کو اس کام پر مقرر نہ فرماتے کیونکہ کسی منصب کا طالب ہونا جب جاہ پر دلالت کرتا ہے جو آخر کار طالب کے حق میں خرابی کا باعث ہوتا ہے۔

حکومت و امارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے

(۲۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الْأَمْرِ حَتَّى يَفْقَهُ فِيهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لوگوں میں بہتر تم اس شخص کو پاؤ گے جو اس چیز (یعنی حکومت و سیادت) کو ناپسند کرنے کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت ہو یہاں تک کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص حکومت و سیادت کے منصب و اختیارات کو قبول کرنا سخت ناپسند کرے اس کو لوگوں میں کا بہترین شخص

جانو یہاں تک کہ وہ اگر کسی وجہ سے اس منصب کو قبول کرے تو اس کو بھی آخر کار وہی ندامت و پشیمانی ہوگی جو اس منصب کا آخری انجام ہے۔

طبی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایسے شخص کو جو حکومت و سیادت سے سخت متفر ہو تم ایک بہترین شخص پاؤ گے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی اس نفرت پر قائم نہ رہ سکا اور حکومت و سیادت کی طلب میں مبتلا ہو گیا تو اس وقت وہ لوگوں میں کا بہترین نہیں بلکہ بدترین شخص ہوگا۔

قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غُمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُلُكُمْ زَاعَ وَكُلَّكُمْ مَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَاَلَا تَذَرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ زَاعٌ وَهُوَ مَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ زَاعٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى نَيْتِ رَوْحِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْنُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ زَاعٌ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْنُولٌ عَنْهُ الْأَفْكَالُكُمْ زَاعٌ وَكُلَّكُمْ مَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہ ہونا پڑے گا، لہذا امام یعنی سربراہ مملکت و حکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھروالوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھروالوں کے بارہ میں جواب دہی کرنا ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اس کو ان کے حقوق کے بارہ میں جوابدہی کرنی ہوگی اور غلام مزد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی لہذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارہ میں جواب دہ ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”رعیت“ اس چیز کو کہتے ہیں جو نگہبان کی حفاظت و نگرانی میں ہو، چنانچہ کسی ملک کے باشندوں کو اس ملک کے حکمران کی رعیت اور رعایا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب حکمران کی حفاظت و نگرانی میں ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص نگہبان ہے کہ مرد کے لئے گھروالے اس کی رعیت ہیں، عورت کے لئے خاوند کا گھر بار اور اس کے بچے اس کی رعیت ہیں اور غلام کے مالک کا مال اس کی رعیت ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے جسم کے اعضاء حواس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے اعضاء حواس کے بارے میں بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ تم نے ان اعضاء کو کہاں کہاں اور کس کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کو حدیث میں اس لئے نقل نہیں کیا گیا کہ یہ بالکل ظاہرات ہے۔

خائن و ظالم حاکم کے بارے میں وعید

(۲۶) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّتَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٍ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت معقلؓ ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی شخص حکومت و سیادت حاصل کر کے اپنی رعیت پر حکمرانی کرے اور پھر اس حالت میں مر جائے کہ وہ اپنی رعیت پر ظلم اور ان کے حقوق میں خیانت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ابتداء میں جنت میں داخل ہونے سے محروم کر دیا جائے گا۔ یا یہ ارشاد گرامی ”مستحل“ یعنی اس حاکم پر محمول ہے جو خیانت اور ظلم کو حلال جان کر ظالم و خائن بنا ہو اور یا یہ کہ آپ نے

زجر و تنبیہ اور سخت وعید کے طور پر یہ فرمایا ہو۔

رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنے والا حاکم جنت کی بوسے محروم رکھا جائے گا

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحْطَظْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَايِحَةَ الْجَنَّةِ. (متفق علیہ)

”اور حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ جس شخص سے رعیت کی نگہبانی کرائے یعنی جس شخص کو رعیت کا حاکم و نگہبان بنائے (اور وہ بھلائی و خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو وہ بہشت کی بونہ پائے گا۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”تو وہ جنت کی بونہ پائے گا۔“ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بہشت کی بونہ پانے والوں کے ساتھ بونہ پائے گا حالانکہ بہشت کی بونہ سوبرس کی مسافت کے فاصلے سے بھی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ بہشت کی بونہ پائے گا اور یہ یہ کہ اگر وہ کفر پر مریے گا یا رعایا پر ظلم کرنے کو حلال جانے اور اسی عقیدے پر مرجائے تو اس کو مطلق بہشت کی بومیر نہیں ہوگی۔

بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے

(۲۸) وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْخَطَمَةُ. (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (بارگاہ قاضی الحاجات میں یہ عرض کی ”اے میرے پروردگار! جس شخص کو میری امت کے (دینی و دنیاوی) امور میں سے کسی کا دل و متصرف بنایا گیا اور پھر اس نے (اپنے اختیار و ولایت و تصرف کے ذریعہ) میری امت کے لوگوں پر مشقت و سختی مسلط کر دی تو اس شخص پر تو بھی، مشقت و سختی مسلط کر دے اور جس شخص کو میری امت کے امور میں کسی چیز کا دال و متصرف بنایا گیا اور اس نے میری امت کے لوگوں کے ساتھ نرمی و بھلائی کا برتاؤ کیا تو اس شخص کے ساتھ تو بھی نرمی و عنایت کا معاملہ فرما۔“ (مسلم)

عادل حکمران کا مرتبہ عظیم

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُنْفِطِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى

مَنَابِرٍ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينِ الَّذِينَ يُعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَاؤُلُوا. (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بلا شک عادل حکمران، اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر جگہ پائیں گے جو رحمن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (اور عادل حکمران وہ ہیں) جو اپنے احکام اپنے اہل اور اپنے زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: ”داہنے ہاتھ کی طرف الخ“ یہ اللہ کے نزدیک عادل حکمران کے مرتبہ عظیم اور جلالت قدر کا کنایہ پیرایہ بیان ہے کیونکہ جو شخص عظیم قدر ہوتا ہے۔ وہ دائیں طرف کھڑا ہوتا یا بیٹھتا ہے۔

”اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں“ یہ دفع توہم کے لئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ داہنا ہاتھ، بائیں ہاتھ کے مقابل میں کہا گیا ہے کیونکہ بائیں ہاتھ نسبتاً کمزور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کمزوری اور نقصان سے پاک و منزہ ہے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ کی نسبت تشابہات میں سے ہے کہ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم ظاہری طور پر ”ہاتھ“ سے مراد قوت و غلبہ ہے۔

”حکام میں عدل و انصاف“ کا مطلب یہ ہے کہ حکومت و امارت کے تعلق سے ان کے ذمے جو امور ہیں ان کی انجام دہی میں وہ انصاف، ایمان داری اور دیانت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اہل میں عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں خواہ وہ ان کے اہل و عیال ہوں یا رعیت کے عام لوگ ہوں سب کے حقوق کی ادائیگی میں جو ان پر واجب ہیں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔

اسی طرح ”زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف“ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی ولایت و نگہبانی میں ہیں جیسے یتیم اور غریب کی پرورش اور وقف کے مال کی خبرگیری وغیرہ، ان میں وہ پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔ ایک مرد حق گو کا قول ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں بھی عدل و انصاف کرے بایں طور کہ اپنے اوقات ایسی چیزوں میں ضائع نہ کرے جن میں اپنا وقت صرف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی چیزوں اور مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رکھے اور حق تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور ممنوع چیزوں سے اجتناب پر مداومت اختیار کرے جیسا کہ اولیاء کرام اور اہل اللہ کا طریقہ ہے، یا اپنے وقت کا اکثر حصہ ان چیزوں میں مشغول رکھے جیسا کہ مؤمنین و صالحین کا معمول ہے۔

ہر حاکم و امیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں

(۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بَطَانَتَانِ بَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحْضُهُ عَلَيْهِ وَبَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحْضُهُ عَلَيْهِ وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَهُ اللَّهُ (رواد البخاری)

”اور حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا اور ایسا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا جس کے لئے دو چھپے ہوئے رفیق نہ ہوں، ایک چھپا ہوا رفیق تو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور دوسرا چھپا ہوا رفیق برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کی طرف راغب کرتا ہے اور معصوم (بے گناہ) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا۔“ (بخاری)

تشریح: دو چھپے ہوئے رفیقوں سے مراد فرشتے اور شیطان ہیں یہ دونوں انسان کے باطن میں رہتے ہیں چنانچہ فرشتہ تو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا رہتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے جب کہ شیطان برے کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے اور برائی کی طرف دھکیلتا رہتا ہے۔ ”اور معصوم وہ ہے الخ“ کے ذریعہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین، خلفاء راشدین اور بعض دوسرے خلفاء و امراء کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو اللہ نے شیطان کے شر و فتنہ سے محفوظ رکھا ہے۔

”دور رفیقوں“ سے مراد وزیر و مشیر ہو سکتے ہیں جو خلیفہ کے ساتھ ہر دم رہنے کی وجہ سے بطنانہ (استرا) سے مشابہ ہو گئے ہیں، چنانچہ ہر نبی اور خلیفہ کے ساتھ جو مشیر کار اور مصاحب رہتے تھے ان میں دو مختلف خیالات کے حامل افراد بھی ہوتے تھے یا ان کے ساتھ دو جماعتیں ہوتی تھیں جو آپس میں مختلف الرائے ہوتی تھیں جیسا کہ عام طور پر امراء و سلاطین اور والیان ریاست کے یہاں دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان کے مصاحب، مشیران کار اور کارپرداز ہوتے ہیں ان کے خیالات اور آراء کا بعد میں المشرقیں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے جو لوگ اچھے خیالات کے اور صاحب الرائے ہوتے ہیں وہ اپنے والی و امیر کو اچھے مشورے دیتے ہیں اور جن کے خیالات فاسد ہوتے ہیں یا جن کے طبائع میں برائی کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے والی و امیر کو غلط مشورے دیتے ہیں اور ان کو برائی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں آگے اللہ کی مصلحت کار فرما ہوتی ہے کہ وہ جس والی و امیر کو چاہتا ہے برے مصاحبین کے خیالات اور ان کے مشورے قبول کرنے سے بچاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ہاں حضرت قیس ابن سعدؓ کا منصب

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشَّرْطِ مِنَ الْأَمِيرِ -

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں حضرت قیسؓ ابن سعد کے سپرد وہ خدمت تھی جو امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال انجام دیتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت قیسؓ ابن سعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ جو احکام دیں وہ ان کو جاری و نافذ کریں جیسا کہ امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال اس خدمت پر مقرر رہتے ہیں۔

عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی

(۳۳) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَكَوْا عَلَيْهِمْ بَنَتْ كَسْرَى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریؓ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنا لیا ہے تو فرمایا کہ ”وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور کا حاکم دوالی کسی عورت کو بنایا ہو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مرد ہی ہو سکتا ہے عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں۔

الفصل الثانی

ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۴) عَنِ الْحَارِثِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسِّنْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَبْلَ شَهْرِ فَقَدْ حَلَعَ رِقَّةَ الْأَسْلَافِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ تَوَاجَعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعَايِ الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جُنْحَى جَهَنَّمَ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ - (رواہ احمد و ترمذی)

”حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ (۱) مسلمانوں کی جماعت کا رقوم و عمل اور اعتقاد میں) اطاعت کرو یعنی ملت کی اجتماعی ہیئت کو بہر صورت برقرار کرو اور سربراہان ملت کی طرف سے جو احکام جاری ہوں ان کو ہر حالت میں تسلیم کرو اور ان کی اطاعت کرو (۲) امراء علماء (شریعت کے مطابق) جو ہدایت دیں ان کو سنو اور تسلیم کرو (۳) علماء کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرو (۴) ہجرت کرو (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرو! اور یاد رکھو جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے (گویا) اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال دیا الایہ کہ وہ واپس آجائے اور جس شخص نے پکارا جاہلیت کا سا پکارنا، وہ (گویا) دوزخیوں کی جماعت کا فرد ہے اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: ”ہجرت کرو“ اس حکم میں ”ہجرت“ سے مراد ہے کہ دار الکفر میں رہنے والا مسلمان ترک وطن کر کے دار الاسلام چلا جائے یا اگر کسی ایسے مسلم ملک یا شہر میں ہو جو بدعات و منہیات کا گڑھ ہونے کی وجہ سے ”دار البدعة“ کے حکم میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ملک یا ایسے شہر میں چلا جائے جو سنت دین کا مرکز ہونے کی وجہ سے دار السنۃ کے حکم میں ہو! اسی طرح گناہ معصیت کی زندگی کو چھوڑ کر توبہ و انابت الی اللہ کی راہ کو اختیار کر لینا بھی ”ہجرت“ کے حکم میں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أَلْفَهَا جُزْءً مِّنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ۔

”وہ شخص (بھی) مہاجر ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے اللہ نے روکا۔“

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو“ اس حکم میں ”جہاد“ سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی ترقی و شوکت، دین کی سر بلندی اور روئے زمین پر قانون الہی کے غلبہ کے لئے اسلام دشمن طاقتوں اور کافروں سے جنگ کرو، نیز اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے باز رکھ کر اس کو مارنا بھی ”جہاد“ ہے کیونکہ انسان کے ساتھ اس کے نفس کی دشمنی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ اور چیز نہیں ہے۔

”جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہو الخ“ یعنی جس مسلمان نے اس چیز کو ترک کیا جس پر پوری ملت عمل پیرا ہے جیسے سنت کو اختیار کرنا، بدعات سے اجتناب کرنا، امام و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگرچہ اس نے ان چیزوں کو بہت معمولی درجے میں ترک کیا ہو تو اس نے گویا اسلام کی فرمانبرداری کا پتہ اپنی گردن سے نکال دیا یعنی اس نے اسلام کے تئیں اپنے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور اپنی اس ذمہ داری کو ختم کر دیا جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر واجب تھی۔ یا یہ کہ خود (اسلام اس سے بری الذمہ ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اپنے اس (فعل) (ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی) سے باز آگیا اور اس نے اپنی بد عملی سے رجوع کر لیا تو پھر وہ پہلے ہی کی طرح اسلام کا ایک فرمانبردار فرد ہو جائے گا۔

”اور جس شخص نے پکارا جاہلیت کا سا پکارنا الخ سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کی طرف بلایا اور اس طرح وہ مخلوق کو اسلام مخالف عقائد و نظریات اور باطل رسوم و عادات میں مبتلا کرنے کا باعث ہوا اور بعض حضرات یہ مراد بیان کرتے ہیں کہ اس نے کسی حادثہ و حملہ کے وقت اس طرح لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کسی شخص پر دشمن غالب آجاتا تھا تو اپنی مدد کے لئے لوگوں سے آباد بلندیوں فریاد کرتا ”اے فلاں شخص کے خاندان والو! اے فلاں شخص کے خاندان والو۔ چنانچہ وہ لوگ اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے قطع نظر اس بات کے کہ وہ شخص ظالم ہے یا مظلوم ہے۔“

امیر و والی کی اہانت کرو

(۳۵) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مَنِيرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رَفَاقٌ فَقَالَ ابُو بَلَالٍ انْظُرُوا إِلَى أَمِيرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت زیاد ابن کسبؓ عدوی (تابعی) کہتے ہیں (ایک دن) میں حضرت ابوبکرؓ (صحابی) کے ہمراہ حضرت عامرؓ کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا جب کہ وہ (ابن عامر) خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے (اسی موقع پر ایک تابعی) ابوبلالؓ نے کہا کہ ”ذرا تم ہمارے اس امیر کو تودھیجو، اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں!؟“ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”خاموش! میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص بادشاہ کی اہانت کرے گا جس کو اللہ نے (اپنی مخلوق کے کاموں کی انجام دہی کے لئے) زمین پر مقرر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو سب کو خوار کرے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: ”اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں۔“ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت ابن عامر نے کسی ایسے کپڑے کا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے جیسے حریر یا کوئی دوسرا ریشمی کپڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو اس بات سے منع کیا کہ وہ حضرت ابن عامر کو مطعون نہ کریں تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ ایسے موقع پر ابوبلالؓ کی نصیحت کہیں تکا فضیحتی اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد پیدا ہو جانے کا باعث نہ بن جائے۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کپڑے ریشمی نہ رہے ہوں بلکہ بہت اعلیٰ قسم کے اور بہت زیادہ باریک رہے ہوں جو عام طور پر اہل

عیش و تنعم کا لباس ہوتا ہے اور زہد و عابد لوگ جس سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے حضرت ابوبلالؓ نے اس کپڑے کو فاسقوں کے لباس سے تشبیہ دی ہے بعض مارفین کا یہ قول ہے کہ **مَنْ رَقَّ ثَوْبُهُ رَقَّ دِينُهُ** ”جس شخص نے بہت باریک کپڑے پہنے اس نے اپنے دین کو باریک کیا۔“

اگر امیر و حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو

(۳۶) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔
”اور حضرت نواسؓ ابن سمعان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مخلوق کے کسی ایسے حکم کی بھی تابعداری جائز نہیں جس نے خالق کی نافرمانی ہو۔“ (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے اگر مخلوق (کوئی انسان) خواہ وہ امیر و حاکم ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے سے خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی ہوتی ہو اور گناہ لازم آتا ہو تو اس حکم کو مطلقاً نہ ماننا چاہئے۔ ہاں اگر کسی شخص کو اس کی اطاعت پر بزور طاقت مجبور کیا گیا ہو تو اس صورت میں گناہ نہیں۔

امیر و حاکم کا انجام

(۳۷) وَعَنْ أَبِي خُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَمِيرٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ أَوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُولًا حَتَّى يَنْفَكَ عَنْهُ الْعَذْلُ أَوْ يُؤْبَقَهُ الْجَوْزُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر امیر و حاکم، خواہ وہ دس ہی آدمیوں کا امیر و حاکم کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا اس کی گردن میں طوق ہو گا یہاں تک کہ اس کو اس طوق سے یا تو اس کا عدل نجات دلائے گا یا اس کا ظلم ہلاک کرے گا۔“ (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بار تو ہر حاکم خواہ وہ عادل ہو یا ظالم، بارگاہ رب العزت میں باندھ کر لایا جائے گا اور پھر تحقیق کے بعد اگر وہ عادل ثابت ہو گا اس کو نجات دے دی جائے گی اور اگر ظالم ثابت ہو گا تو ہلاکت یعنی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

قیامت کے دن امراء و حکام کی حسرت ناک

(۳۸) وَعَنْ أَبِي خُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِيلَ لِلْأَمْوَاءِ وَنِيلَ لِلْعَرْفَاءِ وَنِيلَ لِلْأَمْنَاءِ لِيَتَمَيَّنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ تَرَوْا صِيفَهُمْ مُعَلَّقَةً بِالشَّرَايَا يَتَحَلَّجُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَأَنْهُمْ لَمْ يَلَوْا عَمَلًا۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَفِي رَوَايَةٍ أَنْ ذَوَانِهِمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالشَّرَايَا يَتَذَبَذَبُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَكُونُوا عَمَلُوا عَلَى شَيْءٍ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”افسوس ہے امراء و حکام پر، افسوس ہے چودھریوں پر، افسوس ہے امینوں پر! بہت سے لوگ قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ (کاش دنیا میں) ان کی پیشانیوں کے بال ثریا میں باندھ کر ان کو لٹکا دیا جاتا اور زمین و آسمان کے درمیان جھولتے رہتے لیکن ان کو کسی کام کی ولایت و سرداری نہ ملتی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: لفظ ”وِیل“ کے معنی ہیں ”وہ غم، ہلاکت اور دکھ و تکلیف جو عذاب کی وجہ سے ہو۔“ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”وِیل“ دوزخ کے ایک (نالے) کھائی کا نام ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ”وِیل“ دوزخ کا ایک نالا ہے جس میں کافر چالیس برس تک گرتا لڑھکتا چلا جائے گا۔ مگر تک نہیں پہنچے گا۔“

”امین“ اس کارپرداز کو کہتے ہیں جس کو حاکم نے صدقات اور خراج محصولات لینے پر مقرر کیا ہو۔ یا وہ مسلمانوں کے دوسرے قسم کے مال و اسباب کا نگران و محافظ بنایا گیا ہو۔ اور یا حاکم کے علاوہ کسی اور شخص نے اس کو اپنے مال کا امانت دار بنایا ہو۔

”ثریا“ ان پانچ ستاروں کا مجموعہ کا نام ہے جو پاس پاس رہتے ہیں اور جن میں روشنی کم ہوتی ہے۔ پیشانی کے بل دریا میں باندھ کر لٹکانا دراصل ذلت و خواری کی تمثیل ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امراء و حکام قیامت کے دن یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ہمیں لوگوں میں جو برتری و حاکمیت، شان و شوکت اور عزت و ریاست حاصل تھی آج اس کے بدلے میں ہمیں یہاں کی ذلت و خواری اور سبکی و سزامل رہی ہے تو وہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوگوں پر وہ برتری و فوقیت اور عزت اور ریاست حاصل نہ ہوتی بلکہ ان کے مقابلہ میں ذلت و خواری اور کمتری ملتی جو یہاں کی ذلت و خواری سے کہیں کم و ہلکی ہوتی، یہاں تک کہ ہمارے سر کے بالوں کو کسی بلند چیز سے باندھ کر ہمیں معلق کر دیا جاتا اور لوگ ہماری عزت و ریاست اور رفعت کی بجائے اس ذلت و کمتری کا مشاہدہ کرتے۔

حدیث کا مقصد یہ تلقین کرنا ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی خدمت سپرد کی جائے یا اس کو کسی جگہ کا یا کچھ لوگوں کا امیر و والی بنایا جائے تو وہ عدل و انصاف کرے کہ عادل و منصف امیر و حاکم کے حق میں بہت زیادہ ثواب کی بشارتیں ہیں اور نہ کسی کے ساتھ ظلم و جور کا معاملہ کرے اور نہ کسی کی حق تلفی کرے کہ ظلم و جور اور حق تلفی کرنے والوں کا یہ حشر ہو گا جو حدیث میں مذکور ہوا۔

امیر و چودھریوں اور امینوں پر افسوس کا اظہار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مناصب اور ذمہ داریاں عام طور پر لغزش میں مبتلا کر دیتی ہیں اور باطل کی طرف مائل کرتی ہیں اور ان کے امور کی انجام دہی میں عدل و انصاف اور راہ راست پر جمے رہنے کے تقاضے کم ہی پورے ہوتے ہیں۔ ہاں جن کو حق تعالیٰ کی حفاظت و مدد اور توفیق نیک حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے مناصب کی ذمہ داریوں کو ان کے شرائط کے مطابق پورا کرتے ہیں۔

اکثر چودھری دوزخ میں جائیں گے

(۳۹) وَعَنْ غَالِبِ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَوَافَةَ حَقٌّ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عَوَافَةٍ وَلَكِنَّ الْعَوَافَةَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت غالب قطان ایک شخص سے اور وہ شخص اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”چودھراست ایک حقیقت ہے اور لوگوں کے لئے چودھریوں کا ہونا ضروری ہے لیکن چودھری دوزخ میں جائیں گے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”چودھراست ایک حقیقت ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے چودھری ہونا ایک امر واقع ہے اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج مسلم ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (اکثر) چودھری دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ اپنی چودھراست میں حق و انصاف سے کام نہیں لیں گے اور عدل و ایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھیں گے۔ اس اعتبار سے چودھراست کو قبول کرنا ہلاکت و عذاب کا سخت خطرہ مول لینا ہے لہذا عاقل و دانا کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ہوشیار رہے اور اس منصب کو قبول کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرے تاکہ وہ کسی ایسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب کا مستوجب بنا دے۔“

احق سردار و حاکم سے خدا کی پناہ چاہو

(۴۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِيذُكَ بِاللَّهِ مِنْ إِمَارَةِ الشُّفَهَاءِ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أُمَرَاءُ سَيَكُونُونَ مِنْ بَعْدِي مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلْيَسُوا مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُجْنِهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَأُولَئِكَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ وَأُولَئِكَ يَرُدُّونَ عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

”اور حضرت کعبؓ ابن عجرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”میں تمکو جو قوف لوگوں کی سرداری کے طور طریقوں سے یا ان کی مصاحبت و حمایت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔“ کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟“ (یعنی اس طرح کی سرداری کب ہوگی اور کیونکر ہوگی اور وہ کون لوگ ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میرے بعد (بعض زمانوں میں) جو لوگ امیر و حاکم ہوں گے (وہ احمق و نادان آئین جہان بینی سے نابلد اور جھوٹے اور ظالم ہوں گے، لہذا جو لوگ ان (احق و نادان اور کذاب و ظالم امیروں و حاکموں) کے پاس گئے (یعنی ان کی مصاحبت و اختیار کی اور ان کے جھوٹ کو سچ کہا (اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ) ان کے ظلم کی امداد و حمایت کی تو نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں ان سے کوئی تعلق رکھتا ہوں (بلکہ ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں) اور نہ وہ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے اور جو لوگ نہ تو ان امیروں اور حاکموں کے پاس گئے اور نہ ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور نہ ان کے ظلم کی امداد و حمایت کی تو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔“ (ترمذی و نسائی)

تشریح: ”اور نہ وہ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے“ میں ”حوض“ سے مراد یا تو ”حوض کوثر“ ہے کہ ان لوگوں کو حوض کوثر پر میرے پاس آنے کی اجازت نہیں ہوگی یا ”جنت“ مراد ہے کہ ان لوگوں کو جنت میں میرے پاس نہیں آنے دیا جائے گا۔ یہ ارشاد گرامی گویا اس بات کو سخت و عید کے طور پر واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حکومت اور نظام مملکت کی رکیت اختیار کرتا ہے یا اس کی امداد و حمایت کو اپنا شیوہ بناتا ہے جس کی باگ ڈور کم ظرف اور احمق لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کا سایہ میں خدا کے بندوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص میں ایمان کا فقد ان ہے اور وہ شخص مسلمان کہلانے کا حق نہیں ہے۔

سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے

(۴۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّنِدَ غَفَلَ وَمَنْ اتَّبَعَ السُّلْطَانَ أَفْتِنَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاحْمَدُ وَالتَّسْلِيُّ وَفِي رَوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ أَفْتِنَ وَمَا أَزْدَادَ عَبْدًا مِنَ السُّلْطَانِ دُثْرًا إِلَّا أَزْدَادَ مِنَ اللَّهِ بُعْدًا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جنگلی (دیہات) میں رہتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے، جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے (احمد، ترمذی، نسائی) اور ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے کہ (جو شخص بادشاہ کی ملازمت میں رہتا ہے) (یعنی اس کے ہاں ہر وقت حاضریاں و حاشیہ نشین اور مددگار رہتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کا جتنا زیادہ قرب چاہتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

تشریح: ”جو شخص جنگلی (دیہات) میں رہتا ہے“ سے دیہات میں رہنے والوں کی ہنگ و تھیک مراد نہیں ہے اور نہ ان کو کتر بنانا مقصود ہے بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دیہات و گاؤں میں رہنے والے لوگوں کو چونکہ علماء و صلحاء اور اولیاء اللہ کی صحبت میں نہیں ہوتی اس لئے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں علم و معرفت عقل و دانش اور فہم و ذکاوت کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی۔

”جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ازراہ ہوا و لعب اور حصول لذت و خوشی کی خاطر ہر وقت شکار کی دھن میں رہتا ہے وہ طاعات و عبادت اور جمعہ اور جماعت نماز کے التزام سے غافل ہو جاتا ہے نیز اس میں شفقت و محبت اور نرم خوئی کی صفات ختم ہو جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ اس ارشاد کے ذریعہ ان لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے جو شکار کو عادت بنا لیتے ہیں اور حلال رزق حاصل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ لُحْص تفریح اور وقت گزاری کے لئے اپنے اوقات کا اکثر حصہ اس میں مصروف رکھتے ہیں، ورنہ تو جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے مطلق شکار کے مباح و حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور بعض صحابہؓ نے شکار کیا ہے البتہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں علماء

نے لکھا ہے کہ آپ نے خود بہ نفس نفیس کبھی شکار نہیں کیا ہے لیکن کسی کو شکار کرنے سے منع نہیں کیا ہے۔

حدیث کے آخر میں بادشاہ و حاکم کی حاشیہ نشینی اور دربار حکومت میں حاضری کی خرابی کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص بغیر کسی ضرورت و حاجت کے بادشاہ و حاکم کی چوکھٹ پر گیا وہ قتل میں مبتلا ہو گیا کیونکہ اگر وہ بادشاہ و حاکم کے ان افعال و اعمال کی موافقت و حمایت کرے گا جو خلاف شرع ہوں تو اس کا دین خطرہ میں پڑے گا اور اگر ان کی مخالفت کرے گا تو اپنی دنیا خراب کرے گا مظہر کہتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ و حاکم کے دربار میں حاضر ہوا اور وہاں مہمانت اختیار کی (یعنی ان کے خلاف شرع امور پر ان کو ٹوکا نہیں) تو اس نے قتل میں اپنے آپ کو مبتلا کیا (یعنی اپنا دین خطرے میں ڈالا) اور اگر اس نے مہمانت اختیار نہیں کی بلکہ انکو نصیحت کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو اس صورت میں دربار حکومت میں اس کی حاضری جہاد سے بھی افضل ہوگی۔

دہلوی نے مسند فردوس میں حضرت علیؑ سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ:

مَنْ ارَادَ اَدْعَاةً عَلِمًا وَلَمْ يَزِدْ فِي الدُّنْيَا هَذَا لَمْ يَزِدْ مِنَ اللَّهِ اِلَّا بُعْثًا۔

”جس شخص نے اپنا علم تو زیادہ کیا لیکن دنیا کے (مال و متاع) میں بے رغبتی کو زیادہ نہیں کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوری کو زیادہ کیا۔“

گمنامی راحت کا باعث ہے اور شہرت، آفت کا باعث

(۴۲) وَعَنْ الْمُقَدِّمِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرَبَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَفَلَحْتُ يَا قَدْ بَنِمَ إِنْ مُتُّ وَلَمْ تَكُنْ أَمِيرًا وَلَا كَاتِبًا وَلَا عَرِيفًا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مقدم ابن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی مقدم) کے مونڈھے پر اپنے ہاتھ مار کر فرمایا اے قدم! اگر اس حالت میں تمہاری موت ہو کہ نہ تو تم امیر و حاکم ہو، نہ منشی ہو اور نہ چودھری تو تم نے فلاح پائی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گمنامی و بے منصبی راحت ہے اور شہرت و منصب آفت ہے۔

لوگوں سے خلاف شرع محصول و ٹیکس وصول کرنے والا حاکم جنت سے محروم رہے گا

(۴۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ يَعْشِي النَّاسَ۔ (رواہ احمد ابو داؤد والدارمی)

”اور حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا“ صاحب مکس سے آنحضرت ﷺ کی مراد (حاکم کا کارپرداز) ہے جو لوگوں سے خلاف شرع محصولات و ٹیکس وصول کرتا ہے۔“ (احمد ابو داؤد و دارمی)

امام عادل کی فضیلت

(۴۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَقْرَبُهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامًا عَادِلًا وَإِنْ أَبْغَضَ النَّاسُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَشَدَّهُمْ عَذَابًا وَفِي رِوَايَةٍ وَأَبْعَدُهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامًا جَائِرًا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس (یعنی مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہو گا وہ عادل امام و حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا سزاوار اور ایک روایت میں یہ ہے کہ۔ اللہ سے سب سے زیادہ دور جو شخص“

”ظالم امام و حاکم ہے۔“ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے

(۴۵) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَانِبٍ زَوَاهِ التَّزْمِيدِ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتَّسَانِيُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ۔

”اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سب سے بہتر جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔“ (ترمذیؒ کا ابو داؤد، ابن ماجہ) اور احمد و نسائی نے اس روایت کو طارق ابن شہابؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: جابر و ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص کسی دشمن سے جہاد کرتا ہے وہ خوف و امید دونوں کے درمیان رہتا ہے اگر اس کو یہ خوف ہوتا کہ شاید دشمن مجھ پر غالب آجائے اور میں مجروح یا شہید ہو جاں تو اس کے ساتھ ہی اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ میں اس دشمن کو زیر کر کے اپنی جان کو پوری طرح بچا لوں گا۔ اس کے برخلاف جو شخص ظالم و جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے امید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نہیں ہوتی بلکہ خوف ہی خوف ہوتا ہے چنانچہ وہ اس حکمران کے مکمل اختیار و قبضہ میں ہونے کی وجہ سے اس یقین کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتا ہے کہ اس کا انجام دنیا میں نری تباہی و نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس مہم میں انسان کو اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی ہلکی سی امید بھی نہ ہو اس کو انجام دینا اس مہم کو انجام دینے سے کہیں زیادہ صبر آزما، ہمت طلب اور مردانگی کا کام اور بدرجہا افضل ہو گا جس کی انجام دہی میں اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی بہتر حد تک امید ہو۔ اس کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا ہے کہ حکمران کا ظلم و جور ان تمام لوگوں کو متاثر کرتا ہے جو اس کی رعیت میں ہوتے ہیں وہ کوئی دو چار دس آدمی نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں بندگان خدا ہوتے ہیں لہذا جب کوئی شخص اس حکمران کو اس کے ظلم و جور سے روکے گا وہ اپنے اس عمل سے خدا کی کثیر مخلوق کو فائدہ پہنچائے گا۔ جب کہ دشمن سے جہاد کرنے میں یہ بات نہیں۔

ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کا انداز

شیخ ابو حامد نے احیاء میں لکھا ہے کہ بادشاہ و حکمران کو امر بالمعروف یہ ہے کہ اس کو اس کی بے راہ روی سے روکا جائے اور اس کے بوجہ اعمال و افعال مبنی بر غلط ہوں۔ ان کو اس پر واضح کیا جائے یعنی اسے یہ بتایا جائے کہ تمہارا یہ کام عدل و انصاف کے خلاف ہے، تمہارا یہ فیصلہ یا یہ فرمان، قانون اور نظام حکمرانی کے مطابق نہیں ہے اور تمہارا یہ فعل دین و اخلاق اور خدا کے حکم کے منافی ہے، لیکن رعایا کے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکمران کو اس کے کسی غلط کام و فعل سے تشدد کے ذریعہ روکے کیونکہ یہ ملک میں فتنہ و فساد اور قوم میں انتشار و افتراق کا باعث ہو گا اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص کسی حکمران کو اس کی غلط روی سے روکنے کے لئے تند و تیز الفاظ، درشت و غضبناک لہجہ اور سخت کلامی اختیار کرے مثلاً وہ اس کو ”ظالم“ کہہ کر مخاطب کرے یا یوں کہے مَنْ لَا يَخَافُ اللَّهَ (اے خدا سے نہ ڈرنے والے شخص) وغیرہ وغیرہ، تو اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر اس شخص کا درشت لب و لہجہ اور اس کے تند و تیز الفاظ اس شخص کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جانے کا باعث ہوں تو یہ (سخت کلامی) جائز نہیں۔ اور اگر اس شخص کو اس کا خوف نہیں کہ میری سخت کلامی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جائیں گے بلکہ صرف میری ہی جان پر بنے گی تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ سلف (پہلے زمانوں کے مردان حق آگاہ) کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی جان کی ہلاکت کا خوف لئے بغیر حکمرانوں کو ان کی غلط روی سے پوری پوری سختی سے ٹوکا کرتے تھے اس لئے وہ جانتے تھے کہ اگر اس کے نتیجے میں حکمران کا عتاب جان کی ہلاکت کا باعث بن گیا تو اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جہاد میں شہادت کا درجہ نصیب ہو گا۔

حکمران کے صالح مشیر کار اس کی فلاح کا باعث ہوتے ہیں

(۳۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِالْأَمِيرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهُ وَزِيرًا صَدِيقًا إِنْ نَسِيَ ذِكْرَهُ وَإِنْ ذَكَرَ أَعَانَهُ وَإِذَا أَرَادَ بِهِ غَيْرَ ذَلِكَ جَعَلَ لَهُ وَزِيرًا سَوِيًّا إِنْ نَسِيَ لَمْ يَذْكُرْهُ وَإِنْ ذَكَرَ لَمْ يَنْعُدْهُ

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی امیر (حکمران) کی (دینی و دنیاوی) بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سچا (یعنی راست گفتار و راست کردار) وزیر و مشیر مقرر فرما دیتا ہے کہ جب وہ امیر (خدا کے احکام کو) بھول جاتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد دلاتا ہے (اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد رکھنے میں) مدد دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کی بھلائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس پر بد وزیر و مشیر مسلط کر دیتا ہے۔ اور اگر امیر خدا کے احکام کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد نہیں دلاتا اگر وہ فراموش نہیں کرتا تو وہ وزیر اس کی مدد نہیں کرتا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

رعایا کے تئیں حکمران کا شک و شبہ عام انتشار و بددلی کا باعث ہے

(۳۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ الْأَمِيرُ إِذَا اتَّبَعِيَ الرَّيَّةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”حکمران جب لوگوں میں شک و شبہ کی بات دھونڈتا ہے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آئین جہانبانی کے ایک بڑے اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ملک و قوم کی سالمیت عوام کی فلاح و بہبودی اور عام اطمینان و امن کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکمران اور رعایا کے درمیان مکمل اعتماد ہو بطور خاص حکمران کو یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کو اپنی رعایا کے تئیں اپنے اعتماد کا اظہار کرنا ہے! جو تنگ نظر اور کم ظرف حکمران اپنی مملکت کے عام لوگوں یا کسی خاص طبقے کے بارے میں مستقل طور پر شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی وفاداری پر یا ان کی حرکات و سکنات پر بدگمانی کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کر کے ان سے مواخذہ کرتے ہیں اور ان کو مختلف قسم کی سزاؤں اور عقوبتوں میں گرفتار کرتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی حکمرانی کی جڑیں کھودتے ہیں کیونکہ اس صورت حال سے نہ صرف یہ کہ جن طبقوں پر مستقل شک و شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے ان کے حالات و گرگوں ہو جاتے ہیں بلکہ ملک و قوم میں بے اطمینانی اور اضطراب و انتشار کی عام فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا مقصد جہاں لوگوں کے احوال کے تجسس اور ان کے عیوب تلاش کرنے سے منع کرنا ہے وہیں اس بات کا حکم دینا بھی ہے کہ اگر لوگوں میں کچھ عیوب ہوں تو ان کی پردہ پوشی کی جائے اور ان سے جو گناہ و لغزشیں سرزد ہوں ان سے درگزر کیا جائے۔

(۳۸) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّكَ إِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدَتْهُمْ رِوَاةُ النَّبِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ

”اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”جب تم لوگوں کے (پوشیدہ) عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کو خرابی میں مبتلا کرو گے۔“ (بیہقی)

حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے

(۳۹) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ وَأَنْتُمْ مِنْ بَعْدِي سَيَسْتَأْذِنُونَ بِهَذَا الْقَتْلِ قُلْتُ أَمَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ أَضَعُ سَيْفِي عَلَى عَاتِقِي ثُمَّ أَضْرِبُ بِهِ حَتَّى أَلْقَاكَ قَالَ أَوْ لَا أَذْلِكَ عَلَى خَيْرٍ مِنْ ذَلِكَ

تَضَرُّ حَتَّى تَلْقَانِي - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (میں مخاطب کر کے) فرمایا ”میرے بعد تم حاکموں اور سرداروں کے ساتھ اس وقت کی برتاؤ کرو گے جب کہ وہ اس فنی کو خود رکھ لیں گے (آیا صبر کی راہ اختیار کرو گے یا ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے؟) میں نے عرض کیا ”سن لیجئے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں! اپنی تلوار کا ندھ پر رکھوں گا اور پھر اس کے سبب آپ سے جا ملوں گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں اس تلوار اٹھانے سے بہتر بات نہ بتا دوں؟ (تو سنو) تم اس وقت صبر کی راہ اختیار کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو! (کیونکہ کسی دنیاوی حق کے تلف ہونے کی صورت میں تلوار اٹھانے سے صبر کرنا اور خاموش رہنا بہتر بھی ہے اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی اور زہد کے شایان شان بھی ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: فنی اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ و جدل کے حاصل ہو جیسے خراج و جزیہ یا اس قسم کے وہ دوسرے ٹیکس جو اسلامی مملکت میں غیر مسلموں سے وصول کئے جاتے ہیں اور کفار سے جو مال جنگ و جدل سے حاصل ہوتا ہے اس کو ”غنیمت“ کہتے ہیں۔ فنی کا حکم یہ ہے کہ حاصل شدہ مال کے چار حصے تو تمام مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے جب کہ غنیمت میں جو مال حاصل ہوتا ہے اس کے چار حصے بیت المال میں داخل ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس فنی کے بارے میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر کوئی حکمران اس کو اپنے تصرف میں لے آئے اور مستحقین میں تقسیم نہ کرے تو اگرچہ یہ حق تلفی ہے اور مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حکمران سے اپنا اپنا حصہ وصول کریں لیکن محض اس مال کے لئے اس حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے اور تشدد کی راہ اختیار کرنے سے بہتر یہ ہے کہ صبر کی راہ اختیار کی جائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس ارشاد گرامی کے مفہوم میں فنی اور غنیمت دونوں شامل ہیں، نیز اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ جو حکمران فنی یا غنیمت کے سارے مال کو اپنے تصرف میں لا کر بیت المال کو نقصان پہنچائے گا اور مسلمانوں کی حق تلفی کرے گا وہ ظالم ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام عادل کی فضیلت

﴿٥٠﴾ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَذَرُونَ مِنَ السَّابِقُونَ إِلَى ظِلِّ اللَّهِ عِزَّوْ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ الَّذِينَ إِذَا أُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوهُ وَإِذَا سُبِلُوا بَذَلُوهُ وَحَكَمُوا النَّاسَ كَحُكْمِهِمْ لَأَنْفُسِهِمْ-

”حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا ”جانتے ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل (کے) عرش یا اس کے لطف و کرم کے سایہ کی طرف سبقت لے جانے والے کون لوگ ہیں؟ (یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش یا اس کے فضل و کرم کے سایہ میں جائیں گے؟)“ صحابہؓ نے عرض کیا ”اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے والے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”سبقت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات رکھی جاتی ہے تو وہ قبول کرتے ہیں، جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔“

تشریح: اسی حدیث میں عادل حکمرانوں کے تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عنایات و کرم اور اس کے سایہ کے سب سے پہلے حق ہولگے عادل حکمرانوں کا پہلا وصف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے رعایا کی بھلائی و بہتری اور عدل و مساوت کے تعلق سے کوئی صحیح اور حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

دوسرا وصف یہ ہے کہ جب رعایا ان سے اپنا حق مانگتی ہے تو وہ اس کا حق دیتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور بہتری اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اسی کو رعایا کے لئے بھی پسند کرتے ہیں اگر وہ اپنی راحت اور اپنا چین چاہتے ہیں تو رعایا کے حق میں بھی وہ یہی چاہتے ہیں کہ عام لوگ راحت و چین اور امن و سکون کے ساتھ رہیں، خود غرض اور عیش کوش حکمرانوں کی طرح کاشیوہ یہ نہیں ہوتا کہ خود تو عیش و عشرت اور شہوت رانیوں میں مبتلا رہیں اور رعایا کو سختی اور بد حالی میں رہنے دیں۔

حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرت ﷺ کا خوف

(۵۱) وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَلَاثٌ أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي إِلَّا سِتْنَاءً بِالْأَنْوَاءِ وَخَيْفَ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيبَ بِالْقَدْرِ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”میں اپنی امت کے حق میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ ان کو اختیار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے) ایک تو چاند کی منازل کے حساب سے بارش مانگنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے تقدیر کا جھٹلانا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ تقدیر الہی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ خود اس کا خالق ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت قدریہ کا مسلک ہے۔“

تشریح: انواء۔ نوء۔ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی تو ”اٹھنا“ اور (گرتا) ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال چاند کی منازل کے مفہوم میں ہوتا ہے اقدیم علماء فلکیات کے مطابق چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے غالباً اسی لئے ”اٹھنے اور گرنے“ سے ”طلوع اور غروب“ مراد لے کر ”انواء“ کو چاند کی منازل کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال عرب کے مشرکین بارش کو ان منازل کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ چونکہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے اس لئے دوسری احادیث میں یہ عقیدہ رکھنے سے صریح ممانعت مذکور ہے۔ توحید کی اہمیت کو واضح کرنے اور شرک کے ایہام سے دور رکھنے کے لئے اس پر لفظ ”کفر“ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بلا وجہ نہ تو امین بنو اور نہ حاکم بنو

(۵۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَيَّامٍ أَعْقِلْ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا يَقَالُ لَكَ بَعْدَ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمَ السَّابِعُ قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فِي سِرِّكَ وَأَمْرِكَ وَعَلَانِيَتِهِ وَإِذَا أَسَاءَتْ فَأَحْسِنْ وَلَا تَسْأَلَنَّ أَحَدًا شَيْئًا وَإِنْ سَقَطَ سَوْطُكَ وَلَا تَقْبِضْ أَمَانَةً وَلَا تَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ چھ دن تک مجھ سے یہ فرماتے رہے کہ ”ابو ذر! بعد میں جو بات تم سے کہی جائے والی ہے اس کے لئے تیار ہو (یعنی آنحضرت ﷺ چھ دن تک مجھے آگاہ کرتے رہے کہ میں تمہیں ایک ہدایت دوں گا تم اس پر خوب غور کرنا اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا) چنانچہ جب ساتواں دن ہوا تو آپ نے فرمایا ”میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی نیکی بھی کرنا کیونکہ وہ برائی کو مٹا دیتی ہے یا یہ مقصد ہے کہ اگر تم کسی کے ساتھ کوئی برا سلوک کر بیٹھو تو اس کے ساتھ (نیکی کا) سلوک بھی کرو (مخلوق) کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا اگرچہ تمہارا کوڑا ہی کیوں نہ گر پڑا ہو (یعنی اگر کوڑا گرے تو اس کو اٹھانے کے لئے بھی کسی سے نہ کہو) کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا اور دو آدمیوں کے حکم نہ بننا۔“

تشریح: ”کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا“ کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا احتیاط اور دور اندیشی کے

خلاف ہے کیونکہ نفس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وسوسہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو جائے اور امانت میں خیانت کا ارتکاب ہو جائے یا اگر خیانت کا ارتکاب نہ بھی ہو تو یہ چیز تہمت کا محل تو ہے ہی کہ کسی وجہ سے خود امانت کا مالک یا کوئی دوسرا شخص تم پر خیانت کی تہمت لگا دے۔

حکمران کے حق میں حکومت کے تین تدریجی مرحلے

(۵۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَلِي أَمْرَ عَشْرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مَغْلُولًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَذُّهُ إِلَى عُنُقِهِ فَكَيْفَ بَرُّهُ أَوْ أَوْتَقَهُ ائْتَمَهُ أَوْ لَهَا مَلَامَةٌ وَ أَوْ سَطَطَهَا نَدَامَةً وَ اخْرَجَهَا حَزَنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”اور حضرت ابو امامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (دس آدمیوں کی) (بھی) یا اس سچرا لگوں کی حکمرانی قبول کی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح طوق میں جکڑا ہوا حاضر کرے گا (یعنی میدان حشر میں اٹھائے گا) کہ اس کے ہاتھ نے اس کی گردن کو جکڑ رکھا ہو گا یہاں تک کہ یا تو اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی (یعنی اگر اس نے دنیا میں اپنے زیر دستوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور حسن سلوک کیا ہو گا تو یہ اس کی نجات کا باعث بنے گا یا اس کا گناہ (یعنی اپنے زیر دستوں پر اس کا کیا ہوا ظلم وغیرہ) اس کو ہلاکت (عذاب) میں مبتلا کر دیگا۔ (یاد رکھو) سرداری و حکمرانی کی ابتداء ملامت ہے اس کا اور میان پیشانی و ندامت ہے اور اس کا آخر قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی ہے۔“

تشریح: حکومت و سرداری اگرچہ انسان کی طبعی خواہش ہے اور کم ہی انسان ایسے ہوں گے جن کو اس کے حصول کی تمنا نہیں ہوگی لیکن اس حکومت و سرداری کی حقیقت اور اس کا مال کیا ہے؟ اس کو یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ جب کوئی شخص حکومت و سیادت کی مسند پر فائز ہوتا ہے تو اس کا ابتدائی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر طرف سے ملامت کے تیر کا نشانہ بنا پڑتا ہے، لوگ مطعون کرتے ہیں کہ اس نے ایسا کیا و یا کیا، کوئی اختیارات کے ناجائز استعمال کا الزام عائد کرتا ہے، کوئی خویش پروری اور جھنہ داری کی تہمت لگاتا ہے تو کوئی فرائض حکومت کی انجام دہی میں غفلت کا لازم گردانتا ہے غرضیکہ ہر طرف سے طعن و تشنیع، سب و شتم اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہے اس کے بعد درمیانی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ حکمران حکومت کی سخت کوشیوں اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بد دل ہو کر سخت ندامت و پشیمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس منصب کو کیوں قبول کیا اور اس محنت و مصیبت میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کیا اور پھر اس کا آخری حصہ ذلت و رسوائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ دنیا کی ذلت و رسوائی بھی اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی ادنیٰ کی ذلت و رسوائی تو یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے اس کو اس منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے تو اس کی خواری و تحقیر ہوتی ہے یا اگر رعایا اس کے طرز حکومت اور انتظام سلطنت سے مطمئن نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں اس کے تین سخت قسم کی نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک حکمران کے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں ذلت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی یہ ہے کہ وہ اپنے دور حکومت میں جو کچھ کرتا ہے اس کی جوابدہی حکم الحاکمین کی بارگاہ میں کرنی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سے جو کوتاہیاں، جو ظلم اور جو غلط افعال سرزد ہوئے ہیں ان کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ فاعنبر وایا اولی الابصار۔

یہاں حدیث میں صرف قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے دنیا کی خواری و مذکور نہیں ہے اس کی وجہ یہ کہ قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی دنیا کی ذلت و رسوائی سے کہیں زیادہ سخت ہے اسی لئے اس کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت معاویہؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی

(۵۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ إِنَّ وَلِيْتَ أَمْرًا فَاتَّقِ اللَّهَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَا زِلْتُ

أَظُنُّ أَنِّي مُبْتَلَى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ابْتَلَيْتُ-

”اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”معاویہ! اگر تمہیں کسی کام (یا کسی جگہ) امیر و حاکم بنایا جائے تو امور حکومت کی انجام دہی میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔“ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ برابر خیال کرتا رہا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کے بموجب میں کسی کام (یعنی امارت و سرداری میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں مبتلا کیا گیا) یعنی آنحضرت ﷺ کا فرمان صحیح ہوا اور امارت و سرداری میرا نصیب ہوئی۔“

آنے والے زمانے کے بارے میں پیشین گوئی

(۵۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَامَارَةِ الصَّبِيَّانِ- رَوَى الْأَحَادِيثُ السَّبْعَةُ أَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ حَدِيثَ مُعَاوِيَةَ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ-

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تر سال کی ابتداء سے اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگو۔ مذکورہ بالا چھ حدیثوں کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بیہقی نے بھی دلائل النبوة میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”تر سال کی ابتداء“ سے مراد سن ہجری کی ساتویں دہائی ہے جس کی ابتداء ۶۱ھ سے ہو جاتی ہے ۶۰ھ کے آخر میں حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ان کی وفات پر پورا ہوا اور یزید ابن معاویہؓ کی امارت قائم ہوئی اس کے ساتھ ہی حکومت پر سے ”صحابیت“ کا بابرکت سایہ اقتدار مکمل طور پر اٹھ گیا اور اس کے بعد سے اُمت کی تاریخ حکومت کا وہ دور شروع ہو گیا جو افتراق اور انتشار، فتنہ و فساد، ظلم و جور، حصول اقتدار کی کشمکش اور ملوکیت کی فتنہ سامانیاں اپنے دامن میں لے کر آیا۔ یزید کل تین سال آٹھ ماہ تحت حکومت پر رہا اس دوران میں اس کی حکومت کا سب سے شرمناک واقعہ ”سانحہ کربلا“ ہے۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید ابن معاویہ برائے نام تخت نشین ہوا اور آخر میں حکومت کی باگ ڈور بنو امیہ کے سفیانی خاندان سے نکل کر بنی مروان کے ہاتھ آگئی۔

حدیث میں انہی بنی مروان کی حکومت کو ”بچوں کی حکومت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بنی مروان کے زمانہ حکومت میں اقتدار کی رسہ کشی، استبداد و جبر، مذہبی انتشار و فتنہ، دین سے برگشتگی، خاندانی و قبائلی عصبیت، اسلامی شعائر سے لاپرواہی اور بزرگان حق کے ساتھ سختی و تشدد کا جو مظاہرہ ہوا اس نے پورے نظام حکومت و مملکت کو ”باز پچہ اطفال“ بنا کر رکھ دیا تھا۔ رسوائے تاریخ ظالم حجاج ابن یوسف، بنی مروان ہی کے عہد حکومت کا سب سے بڑا معتمد والی تھا جو اپنے ظلم و ستم میں چنگیز و ہلاکو سے کم بدنام نہیں ہے۔

سن ہجری کی ساتویں دہائی کی ابتداء سے یزید ابن معاویہ کی امارت کی صورت میں رونما ہونے والی ہولناکیوں اور اس کے بعد کے عرصہ میں بنی مروان کی حکومت کی ستم رانیاں و وقوع پذیر ہونے سے ساہا سال پہلے نگاہ نبوت کے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند تھیں اور آپ ﷺ کی فراست محکم آنے والے اس زمانہ کا اور اک کر رہی تھی جس میں اُمت کی اجتماعی ہیبت اور اس کی ملی خصوصیات کو چند خود غرض، مفاد پرست اور دنیا دار حکمران اپنے اقتدار طلبی اور عیش رانیوں پر قربان کرنے والے تھے۔ لہذا آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اس وقت پیش آنے والے سخت ترین حالات اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کے عہد حکومت سے خدا کی پناہ مانگو کہ خدا تم میں سے کسی کو وہ زمانہ نہ دکھائے۔

جیسے عمل کرو گے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے

(۵۶) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ هَاشِمٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَمَا تَكُونُونَ كَذَلِكَ يُؤْمَرُ عَلَيْكُمْ۔

”اور حضرت یحییٰ بن ہاشم، حضرت یونس ابن اسحاق سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جیسے تم ہو گے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران مقرر کئے جائیں گے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے طور طریقے اور تمہارے اعمال جیسے ہوں گے ویسے ہی تم پر حاکم و عامل مقرر ہوں گے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر تم برے اعمال کرو گے تو تمہارے حاکم بھی برے ہوں گے۔

بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے

(۵۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ يَأْوِي إِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِهِ فَإِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ وَعَلَى الرِّعْيَةِ الشُّكْرُ وَإِذَا جَارَ كَانَ عَلَيْهِ الْأَصْرُ وَعَلَى الرِّعْيَةِ الصَّبْرُ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بادشاہ، روئے زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کے نیچے خدا کے بندوں میں سے مظلوم بندہ پناہ حاصل کرتا ہے لہذا جب بادشاہ عدل و انصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور رعایا پر اس کا شکر واجب ہوتا ہے اور جب وہ ظلم و طغیالی کرتا ہے تو وہ گنہ گار ہوتا ہے اور رعایا پر صبر لازم ہوتا ہے۔“

تشریح: بادشاہ کے وجود کو ”خدا کا سایہ“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ سورج کی تپش و گرمی کی انہا سے بچاتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت کے لوگوں کو مختلف قسم کی ایذاؤں اور سختیوں سے بچاتا ہے انہی بڑا اوقات ”لفظ سایہ“ سے کنایت ”محافظت و حمایت“ کا مفہوم بھی مراد لیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو بادشاہ کے وجود کا بجا طور پر اپنی رعایا کے لئے ”محافظت و حمایت“ کا سب سے بڑا ذریعہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

طبی نے یہ وضاحت کی ہے کہ لفظ ”ظل اللہ“ ایک تشبیہ ہے اور عبادت یأوی الیہ کل مظلوم الخ اس تشبیہ کی وضاحت اور مراد بیان کرتی ہے یعنی لوگ جس طرح سایہ کی ٹھنڈک میں سورج کی گرمی سے راحت پاتے ہیں اسی طرح بادشاہ کے عدل کی ٹھنڈک میں ظلم و جور کی گرمی سے راحت پاتے ہیں۔

”ظل اللہ“ میں اللہ کی طرف ظل (سایہ) کی نسبت اس (سایہ) کی عظمت و برتری کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ بیت اللہ میں اللہ کی طرف بیت کی نسبت اس (بیت) کی عظمت و برتری کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ سایہ (یعنی بادشاہ) دوسرے سالیوں کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے تعلق سے اپنی الگ شان اور خصوصیت و برتری رکھتا ہے کیونکہ اس کو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) قرار دیا گیا ہے کہ اس کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے عدل و احسان کو اس کے بندوں پر پھیلانا ہے۔

قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا

(۵۸) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادِ اللَّهِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ وَفَافِقٌ وَإِنْ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ۔

”اور حضرت عمرؓ ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں بلند مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر جو شخص ہو گا وہ عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر جو شخص ہو گا وہ ظالم اور سختی کرنے والا حاکم ہے۔“

کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا بھی عذاب کا سزاوار کرتا ہے

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ إِلَى أَخِيهِ نَظْرَةً يُخِيفُ نَفْسَهُ أَخَافَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - رَوَى الْأَحَادِيثُ أَرْبَعَةَ الْبُيُوتِ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ فِي حَدِيثٍ يَخِينِي هَذَا مُنْقَطِعٌ وَرِوَايَتُهُ ضَعِيفٌ -

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے کسی بھائی کی طرف ڈراوے والی نظر دیکھے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے گا۔“ مذکورہ چاروں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور بیہقی ابن ہاشم کی روایت کے بارے میں کہنا ہے کہ یہ منقطع ہے اور بیہقی کی روایت ضعیف (مجھی جاتی) ہے۔“

تشریح: اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جب کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا قیامت کے دن عذاب کا سزاوار بنائے گا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے والے کا کیا حشر ہوگا؟

حکمران کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو

(۶۰) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ قُلُوبُ الْمُلُوكِ فِي يَدِي وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُونِي حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ بِالسَّخَطَةِ وَالتَّقْمَةِ فَسَامُوهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ وَلَكِنْ اشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كُنِيَ أَكْفَيْكُمْ مُلُوكَكُمْ - رَوَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحَلَبِيَّةِ -

”اور حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضہ قدرت) میں ہیں لہذا جب میرے (اکثر) بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل و نرم) خواہ بادشاہوں کے دلوں کو غضبناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے (ایسی صورت میں) تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع و زاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو تاکہ میں تمہارے ان بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔“ اس روایت کو ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ رعایا کے تئیں حکمرانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل، نرم خو اور شفیق و کرم گستر بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ خدا کی سرکشی و طغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بد خوئی و بد کرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضبناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے لہذا حکمران کے ظلم و ستم اور اس کی سخت گیری و نا انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لئے بددعا کرنے کی بجائے یہ راہ اختیار کرنی چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اپنی بد اعمالیوں پر پنداشت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا جائے، اللہ کے دربار میں عاجزی و زاری کے ساتھ التجا و فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے تاکہ رحمت خداوندی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔

بَابُ مَا عَلَى الْوَالِدِ مِنَ التَّيْسِيرِ

حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان

گزشتہ باب میں اس بات کا ذکر تھا کہ رعایا کو اپنے حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہئے اب اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ حاکموں کو بھی اپنی رعایا کے لوگوں پر نرمی و شفقت کرنی چاہئے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حکمران کو اپنی رعایا کے تئیں نرم روی اختیار کرنی چاہئے

① عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ بَشِّرْهُ وَلَا تَنْفِرْ وَلَا يَسِرْ وَلَا تَعْسِرْ وَلَا تَسْكِنْ وَلَا تَنْفِرْ وَلَا تَسْكِنْ (متفق عليه)

”حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو اپنے کسی کام پر مامور کر کے (یعنی کسی جگہ کا حکم بنا کر) بھیجتے تو ان کو یہ ہدایت فرماتے کہ لوگوں کو طاعات و عبادات اور نیک کام کرنے پر اجر و ثواب کی بشارت دیتے رہنا اور ان کو ان کے گناہوں پر خدا کے عذاب سے (اتنا زیادہ) مت ڈرانا کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائیں نیز (لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرنا (یعنی ان سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی میں نرمی و آسانی کا طریقہ اختیار کرنا) اور (لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کا مل واجب مقدار سے زیادہ وصول کر کے) ان کو دشواری و تنگی میں مبتلا نہ کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرْ وَلَا تَعْسِرْ وَلَا يَسِرْ وَلَا تَسْكِنْ وَلَا تَنْفِرْ وَلَا تَسْكِنْ (متفق عليه)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حاکموں اور عاملوں کے لئے) فرمایا ”(لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرو (ان کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرو) (ان کو خدا کی نعمتوں کی بشارت کے ذریعہ) تسکین و تسلی دو، اور ان کو خدا کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرانے کے ذریعہ یا ان پر ایسے دشوار اور سخت بوجھ ڈال کر کہ جو ان کو خدا کی نافرمانی پر مجبور کر دے (نفرت و خوف میں مبتلا نہ کرو۔“ (بخاری و مسلم)

③ وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدَّةَ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرْ وَلَا تَعْسِرْ وَلَا يَسِرْ وَلَا تَسْكِنْ وَلَا تَنْفِرْ وَلَا تَسْكِنْ وَلَا تَخْلِفْ (متفق عليه)

”اور حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کے دادا یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا اور ان سے ”فرمایا کہ آسانی کا برتاؤ کرنا، مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرنا بشارت دیتے رہنا، خوف و مایوسی میں مبتلا نہ کرنا، باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحیح یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ یہاں یوں نقل کرتے ہیں عن ابن ابی بردۃ الخ یعنی ابی بردہ کے ساتھ ”ابن“ کا لفظ بھی لاتے کیونکہ ابو بردہؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے ہیں نہ کہ پوتے، اور ان (ابو بردہ) سے ان کے صاحبزادگان عبد اللہ، یوسف، سعید اور بلال روایت حدیث کرتے ہیں، چنانچہ یہاں جو حدیث نقل ہوئی ہے سعید ابن ابی بردہ سے مروی ہے جیسا کہ صحیح بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن ابی بردہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (حضرت ابو بردہؓ) سے سنا وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے میرے باپ یعنی

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا۔“

قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَادِرَ يَنْصَبُ لَهُ لُؤَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقَالُ هَذِهِ غَذْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن عہد شکن (کی فضیحت و رسوائی کے لئے) ایک نشان لٹھڑا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ عَادِرٍ لُؤَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان (مقرر) ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ عَادِرٍ لُؤَاءٌ عِنْدَ اسْتِثْنَاءِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفِي رِوَايَةٍ لِكُلِّ عَادِرٍ لُؤَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَذْرِهِ الْأَوَّلِ وَلَا غَادِرَ أَغْظَمَ غَذْرًا مِنْ أَمِيرٍ عَامَّةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”قیامت کے دن ہر عہد شکن (کی رسوائی و فضیحت کی تشہیر) کے لئے اس کے مقعد کے قریب ایک نشان ہوگا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا“ (یعنی اس کی جتنی زیادہ عہد شکنی ہوگی اسی قدر وہ نشان اور اس کی تشہیر زیادہ ہوگی) خبردار! کوئی عہد شکن، عہد شکنی کے اعتبار سے امام عام (یعنی حکمران وقت) سے بڑا نہیں (یعنی حکمران کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے۔)“ (مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارے میں وعید

⑦ عَنْ عُمَرَ وَبْنِ مَرْثَةَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَاحْتَجَبَ دُونَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتْهُمْ وَفَقَّرَهُمْ حَاجَتُهُ وَخَلَّتْهُ وَفَقَّرَهُ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلَى خَوَانِجِ النَّاسِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ۔ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا حَمْدَ إِلَّا لِلَّهِ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتْهُ وَحَاجَتُهُ وَمُسْكِنَتُهُ۔

”حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا ولی و حاکم بنایا اور اس نے (مسلمانوں کی حاجت، عرضداشت اور محتاجی سے) حجاب کیا (یعنی اس کی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ اس (والی و حاکم) کی حاجت عرضداشت اور محتاجی سے حجاب فرمائے گا یعنی اس کو اس کے مطلوب سے دور رکھے گا۔ اور اس کی دعا قبول نہیں کرے گا۔“ حضرت امیر معاویہؓ (یہ حدیث سن کر بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک شخص کو (اس کام) پر مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا رہے۔) (ابوداؤد و ترمذی) اور ترمذیؓ کی ایک اور روایت میں اور احمدؓ کی روایت میں یوں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس (والی و حاکم) کی حاجت، عرضداشت اور محتاجی پر آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

رعایا پر اپنے دروازے رکھنے والے حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہونگے

⑧ عَنْ أَبِي الشَّامِخِ الْأَزْدِيِّ عَنِ ابْنِ عِمٍّ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَتَى مُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ أَغْلَقَ بَابَهُ ذُوْنَ الْمُسْلِمِينَ أَوْ الْمَظْلُومِ أَوْ ذِي الْحَاجَةِ أَغْلَقَ اللَّهُ ذُوْنَ أَبْوَابِ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ وَفَقَرَهُ أَفْقَرَهُ مَا يَكُونُ إِلَيْهِ۔

”حضرت ابو شامخ ازدی سے روایت ہے کہ ان کے چچا زاد بھائی جو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی تھے (ایک دن حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے) اور جب ان کی خدمت میں باریاب ہوئے تو کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو لوگوں کے کسی کام کا ولی دیا گیا اور اس نے مسلمانوں پر یا کسی مظلوم پر، اور یا کسی حاجت مند پر اپنے دروازے بند رکھے (یعنی ان کو ان کی اپنی حاجت و ضرورت کے وقت اپنے پاس نہ آنے دیا یا اس کی حاجت روائی نہ کی) تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی ضرورت و حاجت اور محتاجی کے وقت جب کہ وہ اس کی طرف بہت زیادہ حاجت مند محتاج ہو اپنی رحمت کے دروازے بند رکھے گا (یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا اپنی عقبی کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت و ضرورت کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو پورا نہیں کرے گا) اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔“

اپنے حکام کو حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات

⑨ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا بَعَثَ عَمَلًا شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا تَزْكُبُوا بِرْذُونًا وَلَا تَأْكُلُوا نَفْسًا وَلَا تَلْبَسُوا زِينًا وَلَا تُغْلِقُوا أَبْوَابَكُمْ ذُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَإِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمْ الْعُقُوبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ رَوَاهُمَا النَّبِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب عمل (حکام) کو روانہ کرتے تو ان سے یہ شرط کر لیتے (یعنی ان کو یہ ہدایات دیتے) کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا (میدہ و باریک آنے کی روٹی وغیرہ نہ کھانا باریک کپڑے نہ پہننا اور لوگوں کی حاجت و ضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا (یاد رکھو) اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم دنیا و عاقبت) میں سزا کے حق ہو جاؤ گے، اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دور تک) پہنچانے جاتے۔ یہ دونوں حدیثیں نبیؐ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔“ (نبیؐ)

تشریح: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونے کی ممانعت کی علت چونکہ تکبر اور اتراہٹ ہے اس لئے عربی گھوڑے پر سوار ہونے کی ممانعت بطریق اولیٰ ہوگی۔

طبی کہتے ہیں کہ ترکی گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کرنا دراصل تکبر و اتراہٹ سے منع کرنا ہے میدہ کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا، اسراف اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے اور حاجتوں پر اپنے دروازے بند رکھنے سے منع کرنا، مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنے سے منع کرنا ہے۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَاءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

جیسا کہ کتاب الامارۃ و قضاء کے ابتدائیہ میں بتایا گیا تھا کہ اسلامی نظام حکومت کا اصل محور امام و امیر یعنی سربراہ مملکت اور قاضی

ہوتے ہیں، چنانچہ گزشتہ دونوں ابواب میں امام و امیر کے متعلقات کو بیان کیا گیا اب اس باب میں منصب قضاء کا بیان ہوگا اور اس سلسلہ میں بطور خاص دونوں کا ذکر کیا جائے گا ایک تو یہ کہ قاضی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں صرف اسلامی قانون کے مآخذ یعنی کتاب و سنت اور اجتہاد کو رہنما بنائے اور اس کا کوئی فیصلہ و حکم ان چیزوں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ منصب قضاء اپنی اہمیت و عظمت اور اپنی بھرپور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ ہر شخص کو اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بلکہ جہاں تک ہو سکے۔ اس منصب کو قبول کرنے سے ڈرنا اور اجتناب کرنا چاہئے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

غصہ کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کیا جائے

① عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانُ۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جب کوئی حاکم و قاضی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت دو آدمیوں (کے نزاعی معاملے) میں فیصلہ نہ دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غصہ کی حالت میں چونکہ غور و فکر کی قوت مغلوب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں مبنی بر انصاف کے فیصلے کا صادر ہونا محمل نظر ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ کوئی حاکم و قاضی غیض و غضب کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کرے تاکہ اس کا غیض و غضب، اس کے غور و فکر اور اجتہاد میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ منصفانہ فیصلہ دے سکے اسی طرح سخت گرمی و سخت سردی، بھوک پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی کوئی حکم و فیصلہ نہ دے کیونکہ ان اوقات میں بھی حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ حاضر نہیں رہتا۔ لہذا اگر کوئی حاکم و قاضی ان احوال میں حکم و فیصلہ دے گا تو وہ کراہت کے ساتھ جاری و نفاذ ہوگا۔

قاضی کو اجتہاد کا اختیار

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَوَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدْ وَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی حاکم فیصلہ دینے کا ارادہ کرے اور اجتہاد کرے یعنی غور و فکر کے ذریعہ حکم و فیصلہ دے اور پھر اس کا وہ حکم و فیصلہ صحیح یعنی کتاب و سنت کے موافق ہو تو اس کا دوہرا اجر ملے گا ایک اجر تو اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر صحیح فیصلہ پر پہنچنے کا اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم و فیصلہ دیا جس میں اس نے اجتہاد کیا لیکن (نتیجہ اخذ کرنے میں) چوک گیا (یعنی صحیح حکم تک پہنچنے میں خطا کر گیا) تو اس کو ایک اجر ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم و قاضی کسی سے قضیہ و معاملہ کا حکم و فیصلہ دینا چاہے جس کے بارے میں کتاب و سنت اور اسلامی فقہ میں کوئی صریح اور واضح ہدایت نہیں ہے اور پھر وہ اجتہاد کرے یعنی کتاب و سنت کے احکام و تعلیمات و فقہ اسلامی کے مسائل اور اسلامی عدالتوں کے نظائر میں پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد وہ کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جس کے بارے میں اس کے ضمیر کی رہنمائی نہ ہو کہ یہ مبنی بر حق ہے اور پھر وہی نتیجہ اس کا حکم و فیصلہ بن جائے تو وہ حکم و فیصلہ ظاہری قانون کے اعتبار سے تو بالکل صحیح تسلیم کیا جائے گا البتہ عقبی کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ اگر حقیقت میں بھی وہ فیصلہ کتاب و سنت کی نشاء کے موافق رہا تو اس کو دو اجر ملیں گے، اور اگر اس کا فیصلہ کتاب و سنت کے موافق نہیں ہوا ہے تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔ بالکل یہی حکم مجتہد کا ہے کہ اگر وہ

استنباط مسائل کے وقت اپنے اجتہاد کے نتیجے میں کتاب و سنت کی منشاء تک پہنچ گیا تو اس کو دوا اجر ملیں گے اور اگر کتاب و سنت کی منشاء تک پہنچنے میں خطا کر گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔ لہذا یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی اسلام کو ایسی جزئیات میں اجتہاد کا اختیار حاصل ہے جو اسلامی قانون کے ماخذ میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں اور جن کا کوئی حکم واضح نہیں ہے وہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی تو صحیح حکم تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطا کرتا ہے یعنی صحیح حکم تک نہیں پہنچ پاتا لیکن اجر و ثواب اس کو ہر صورت ملتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا حکم و مسئلہ، نصوص یعنی کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ اور اجماع امت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنا تحریر قبلہ کی مانند ہوگا جس طرح اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے قبلہ کی سمت کا پتہ نہ چلے اور وہ نماز کے وقت غور و فکر اور تحریر کر کے اپنے گمان غالب کے مطابق قبلہ کی کوئی سمت مقرر کر لے اور اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ حقیقت میں قبلہ اس سمت نہ ہو اسی طرح قیاس پر عمل کرنے والا، مصیبت یعنی درست عمل کرنے والا ہوگا اگرچہ اس قیاس میں اس سے خطا غلطی ہو گئی ہو۔

الفصل الثانی

منصب قضاء ایک ابتلاء ہے

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ مَسْكِينٍ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”ذبح“ سے اس کے متعارف معنی (یعنی ہلاکت بدن) مراد نہیں ہے بلکہ غیر متعارف معنی ”ذبحی“ و روحانی ہلاکت“ مراد ہے۔ چنانچہ جس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت کی الجھن و پریشانی اور روحانی، (اذیت) یا یوں کہئے۔ کہ درد بے دوا اور مفت کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے بلکہ اس کو اپنی عاقبت کی خرابی کا خوف بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ چھری سے ذبح ہو جانا صرف لمحہ بھر کے لئے اذیت برداشت کرنا ہے جب کہ یہ اذیت عمر بھر کی ہے بلکہ اس کی حسرت و پشیمانی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

قاضی بننے کی خواہش نہ کرو

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَّأَلَ وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَكْرَهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يَسْدِدُهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (اپنے دل میں) منصب و قضا کی طلب و خواہش کرے اور پھر (سربراہ مملکت سے) اس کا خواستگار ہو (یہاں تک کہ اس کی خواست گاری پر اس کو قاضی بنا دیا جائے) تو وہ منصب اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق حاصل نہیں ہوتی) اور جس کو (اس کی طلب و خواہش کے بغیر) زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا جو اس کو گفتار و کردار میں راست و درست رکھتا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جنتی اور دوزخی قاضی!

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْحِجَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْحِجَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَى فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوہریرہؓ و ابن ماجہ)

”اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک طرح کے تو جنت میں جانے والے اور دوسری طرح کے دوزخ میں جانے والے! لہذا جنت میں جانے والا قاضی تو وہ شخص ہے جس نے حق کو جانا (یعنی یہ جانا کہ حق اس بات میں ہے) اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو جانا مگر (اس کے باوجود) اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا (یعنی اس نے دیدہ و دانستہ حق کو اپنا مال کیا تو وہ دوزخی ہے، اسی طرح جو اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا تو بھی دوزخی ہے) کیونکہ اس نے حق رسی میں کوتاہی اور تقصیر کی۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَنَالَهُ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جُوزُهُ فَلَهُ الْحِجَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جُوزُهُ عَدْلُهُ فَلَهُ النَّارُ۔ (رواہ ابوہریرہؓ و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار ہو ایساں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اس کا عدل و انصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس شخص کا ظلم اس کے عدل و انصاف پر غالب رہا تو وہ دوزخ کا سزاوار ہوگا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ظاہری مفہوم کے مطابق ظلم پر عدل کے اور عدل پر ظلم کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ ہو اور وہ دوسرا بھی وجود رکھتا ہو اور چونکہ حکم غالب کے مطابق ہوتا ہے اس لئے اگر عدل و انصاف غالب ہوگا تو جنت ملے گی اور اگر ظلم غالب ہوگا تو دوزخ ملے گی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں ”غالب“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ کا ہو کہ دوسرے کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ مثلاً اس کے عدل و انصاف کا وصف اس طرح حاوی ہو کہ اس کا ظلم سرنہ اٹھا سکے۔ یا اس کے ظلم کی خصلت اتنی حاوی ہو کہ اس کے مقابلہ پر اس کا عدل ظاہر نہ ہو سکے۔

قیاس و اجتہاد برحق ہے

④ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ قَالَ اجْتَهِدْ رَأْيَ وَلَا أَلَوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی و ابوہریرہؓ و الدارمی)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب ان (معاذؓ) کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ”میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کے موافق فیصلہ کروں گا۔“ ”فرمایا“ ”اگر تمہیں وہ مسئلہ (مصرحتہ) کتاب اللہ میں نہ ملا؟“ انہوں نے کہا ”پھر میں سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) کے موافق فیصلہ کروں گا۔“ ”فرمایا“ ”اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ (ﷺ) میں بھی نہ ملا؟“ انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے اجتہاد و حقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔“ ”معاذؓ (یا وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے،

کہتے ہیں کہ آنحضرت نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذؓ کے سینے پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو، اور فرمایا) ”تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول (یعنی معاذؓ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس (اللہ) کا رسول ﷺ راضی ہو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: ”میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا“ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب و سنت میں مذکور ہیں بایں طور کہ کتاب و سنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں ان کے مطابق اس قضیہ کا حکم و فیصلہ کروں گا۔

منظرؒ نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے میں غور و فکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے وہ کون سے ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم و فیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے، چنانچہ ائمہ مجتہدینؒ کے یہاں اس قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ مجتہدین نے قیاس کی علت و بنیاد میں اختلاف کیا ہے مثلاً گہیوں کے ربو (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں نفس (یعنی صریح حکم) ہے جب کہ ربوز کے بارے میں ایسی نص نہیں ہے۔ لہذا حضرت امام شافعیؒ نے ربوز کو گہیوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربو کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گہیوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت اس کا ”کھائی جانے والی چیز“ ہونا ہے اور چونکہ ربوز بھی ”کھائی جانے والی چیز ہے“ اس لئے گہیوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربو بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظمؒ، ابوحنیفہؒ کے نزدیک گہیوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا تکمیل (یا موزون) ہونا ہے اس لئے انہوں نے گہیوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربو بھی حرام ہے۔

بہر حال یہ حدیث قیاس و اجتہاد کے مشروع ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے اور اصحاب طواہر (غیر مقلدین) کے مسلک کے خلاف ہے جو قیاس و اجتہاد کے منکر ہیں۔

مدعا علیہ کا بیان سے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَرْسُلُنِي وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيَنْتَبِثَ لِسَانُكَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخِرِ فَإِنَّهُ آخَرُى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَّكَتُ فِي قَضَاءٍ بَعْدَ وَسْنَدٍ كَرِ حَدِيثِ ام سلمة انما اقضى بينكم برأى فى باب الاقضية والشهادات ان شاء الله تعالى - (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (جب) رسول کریم ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو جو ان کو قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں (جو اپنی کم عمری کی وجہ سے نا تجربہ کار بھی ہے اور) جس کو (منصب قضا کی ذمہ داریوں کا پوری طرح علم بھی نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تم اس بارے میں کچھ فکر نہ کرو) اللہ تمہارے دل کو فہم و فراست کی ہدایت عطا کرے گا اور تمہاری زبان کو صحیح اور برحق حکم و فیصلہ کرنے پر ثابت رکھے گا۔ (پھر آنحضرت ﷺ نے منصب قضا کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں یہ تعلیم و ہدایت دی کہ جب تمہارے پاس دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئیں تو تم پہلے آدمی (یعنی مدعا علیہ) کا بیان نہ سن لو کیونکہ یہ (مدعا علیہ) کا بیان تمہیں (صحیح حکم و فیصلہ دینے میں اچھی مدد دے گا۔“ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی) اس مبارک دعا کی برکت سے اور آپ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم پر عمل کرنے کے بعد میں کسی بھی قضیہ کا حکم و فیصلہ کرنے میں مذذب نہیں ہوا۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام

⑨ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ أَخَذَ بِقَفَاةِ نَفْسِهِ يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَإِنْ قَالَ أَلْقِهِ الْقَاهُ فِي مَهْوَاةٍ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا.

(رواہ احمد وابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر وہ حاکم جو لوگوں پر اپنا حکم و فیصلہ جاری و نافذ کرتا ہے قیامت کے دن (ا حکم الحاکمین کی بارگاہ میں) اس طرح پیش کیا جائے گا کہ ایک فرشتہ اس کی گدی پکڑے ہوگا۔ پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے (کھڑا ہے گا، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دے گا کہ اس کو (دوزخ میں) ڈال دو تو وہ اس کو دوزخ کے) گڑھے میں ڈال دے گا جو چالیس برس کی مسافت کے بقدر (گہرا) ہوگا۔“ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی، شعب الایمان)

تشریح: ”پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا“ سے مراد فرشتہ کی اس حالت کو بیان کرنا ہے جس میں وہ حکم خداوندی کا منتظر ہوگا، یعنی جس طرح بادشاہ کے ہاں یہ درباری آداب میں سے ہے کہ جب وہاں کوئی ملزم پیش کیا جاتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ انتظار کرتا ہے کہ بادشاہ حاکم کی طرف سے کیا حکم و فیصلہ صادر ہوتا ہے، اسی طرح وہ فرشتہ بھی اس حاکم کو بارگاہ رب العزت میں پیش کر کے اس انتظار میں کھڑا ہے گا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

”چالیس برس کے بقدر سے مراد اس گڑھے کی گہرائی کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے کہ اس سے اس مدت کی تعمین و تدبیر و تدبیر بہشت میں پہنچایا جائے۔ جیسا کہ کتاب الامارۃ والنصاء میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے واضح ہو چکا ہے۔“

قیامت کے دن قاضی کی حسرتناک آرزو؟

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِيِ الْعَدْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي تَمْرَةٍ قَطُّ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن (جب حاکموں، سرداروں، اور قانون و انصاف کے ذمہ داروں سے سخت مواخذہ ہو رہا ہوگا تو) عادل و منصف قاضی کے لئے بھی ایک ایسا لمحہ آئے گا جس میں وہ یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کو دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے (بھی) قضیہ کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام نہ دینا پڑتی ہو۔“ (احمد)

عادل و منصف کو حق تعالیٰ کی توفیق و تائید حاصل رہتی ہے

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِيِ مَا لَمْ يَخْزُ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ۔ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَفِي رِوَايَةٍ فَإِذَا جَارَ وَكَلَهُ إِلَى نَفْسِهِ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قاضی جب تک ظلم و نا انصافی کی راہ اختیار نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی توفیق و تائید اس کے شامل حال ہوتی ہے لیکن جب وہ ظلم و نا انصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتا ہے (یعنی اس کے اوپر سے حق تعالیٰ کی تائید و توفیق کا سایہ ہٹ جاتا ہے اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے

(ترمذی ۱۰۱۰ ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قاضی جب ظلم و نا انصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو اس کے سپرد کر دیتا ہے (یعنی اس کو اپنی توفیق و تائید سے محروم کر دیتا ہے۔“

⑫ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُودِيًّا اخْتَصَمَا إِلَى عُمَرَ فَرَأَى الْحَقَّ لِلْيَهُودِيِّ فَقَضَى لَهُ عُمَرُ بِهِ فَقَالَ لَهُ الْيَهُودِيُّ وَاللَّهِ لَقَدْ فَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضْرَتَهُ عُمَرُ بِالذِّمَّةِ وَقَالَ وَمَا يَذْرُوكَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَاللَّهِ إِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِي بِالْحَقِّ إِلَّا كَانَ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهِ مَلَكٌ يُسَدُّ ذَانِهِ وَيُوقِفُ قَائِمَهُ لِلْحَقِّ مَا دَامَ مَعَ الْحَقِّ فَإِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَزَّ جَاوَزَ كَأَفٍّ (رواہ مالک)

”اور حضرت سعید ابن مسیبؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑالے کر آئے حضرت عمرؓ نے جب (قضیہ کی تحقیق کے بعد) یہ دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو انہوں نے اس (یہودی) کے حق میں فیصلہ دیا اس یہودی نے (اپنے حق میں فیصلہ سن کر) کہا ”خدا کی قسم! آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر) اس کے ایک درہ مارا اور فرمایا تجھے کیسے علم ہوا کہ میں نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے؟ یہودی نے کہا ”خدا کی قسم! ہم نے توراۃ میں (یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ جو بھی قاضی حق کے مطابق فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے اور اس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے وہ دونوں فرشتے اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق پر رہتا ہے، اور جب قاضی حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مالک)

تشریح: ایک خلیجان تو یہ واقع ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس یہودی کو اپنے درے سے کیوں مارا اور آنحیا لیکہ اس نے ان کے فیصلہ کے منصفانہ اور برحق ہونے کا اقرار و اعتراف کیا تھا؟ اور ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عمرؓ کے سوال ”تجھے کو یہ کیسے معلوم ہوا الخ“ اور یہودی کے جواب ”ہم نے توراۃ میں پایا ہے الخ“ میں مطابقت کیا ہوئی۔“ پہلے خلیجان کا جواب تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہودی کو کسی سزایا غصہ کے طور پر نہیں مارا تھا بلکہ نرمی اور خوش طبعی کے طور پر مارا تھا اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو یہودی سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ اس تنازعہ میں حق پر کون ہے، لہذا جب اس یہودی نے دیکھا کہ اگر حضرت عمرؓ حق سے انحراف کرتے تو فریق مخالف یعنی مسلمان کے حق میں فیصلہ کرتے، اس صورت میں ان کا فیصلہ جی بر انصاف ہوتا اور نہ ان کا حق پر قائم رہنا ظاہر ہوتا۔ لہذا جب انہوں نے مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ حق پر قائم ہیں اور انہوں نے انصاف سے انحراف نہیں کیا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے سے حضرت ابن عمرؓ کا انکار

⑬ وَعَنْ ابْنِ مُوَهَّبٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ أَفْضَى بَيْنَ النَّاسِ قَالَ أَوْتَعَا فَنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ مَا تَكْرَهُ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ كَانَ أَبُوكَ يَقْضِي قَالَ لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضَى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ أَنْ يَنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَّافًا فَمَارَ جَعَةً بَعْدَ ذَلِكَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ - وَفِي رِوَايَةِ زَيْنٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا أَقْضِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَإِنْ أَبَاكَ كَانَ يَقْضِي فَقَالَ إِنْ أَبِي لَوْ أَشْكَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ أَشْكَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ سَأَلَ جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنِّي لَا أَجِدُ مَنْ أَسْأَلُهُ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَادَ بِاللَّهِ فَقَدْ عَادَ بِعَظِيمٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ عَادَ بِاللَّهِ فَأَعْيَدُوهُ وَإِنِّي أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تَجْعَلَنِي قَاضِيًا فَاعْفَاهُ وَقَالَ لَا تُخْبِرَ أَحَدًا -

”اور حضرت ابن موهبؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ نے (اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ”لوگوں کا قاضی

بن جاؤ (یعنی حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں منصب قضا کی پیش کش کی) حضرت ابن عمرؓ نے کہا ”امیر المؤمنین! مجھ کو تو اس کام سے معاف رکھئے۔“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”تم اس منصب کو کیوں ناپسند کرتے ہو! حالانکہ تمہارے والد حضرت عمر فاروقؓ (اپنے دور خلافت کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں) قضاء کا کام کرتے تھے؟“ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص منصب قضاء پر فائز ہو اور مبنی بر انصاف فیصلے کرے تو وہ اس لائق ہے کہ وہ اس منصب سے برابر برابر جدا ہو (یعنی نہ نقصان پہنچائے نہ فائدہ نہ ثواب پائے نہ عذاب۔)“ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی (ترمذی) اور رزین کی روایت میں جو انہوں نے حضرت تابعؓ سے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں ”کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا ”امیر المؤمنین“ میں (تو) دو آدمیوں کے درمیان (بھی) کوئی حکم فیصلہ نہیں کروں گا (چہ جائیکہ بہت زیادہ لوگوں کا قاضی بنوں۔“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”تمہارے والد (حضرت عمرؓ) تو لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے؟“ حضرت ابن عمرؓ نے کہا ”میرے والد کی بات تو یہ تھی کہ اگر ان کو کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ رسول کریم ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول کریم ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی تو آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے پوچھ لیا کرتے تھے جب کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پاتا جس سے پوچھ لیا کروں گا اور میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اس نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔“ نیز میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ مانگے اس کو پناہ دو۔“ لہذا میں اللہ تعالیٰ کے ذریعے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی مقرر کریں“ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیا، لیکن ان سے فرمایا کہ ”کسی اور کو آگاہ نہ کرنا کہ وہ منصب قضا قبول نہ کرے ورنہ لوگ عام طور پر اس منصب کو قبول کرنے سے گریز کرنے لگیں گے اور نظام حکومت معطل ہو کر رہ جائے گا۔“

بَابُ رِزْقِ الْوَلَاءِ وَ هَذَا يَأْهُمُ حکام کو تنخواہ اور ہدایا و تحائف دینے کا بیان

اس باب میں یہ بیان ہو گا کہ حکام و عمال کے لئے بیت الامال سے بطور تنخواہ و اجرت کچھ مقرر کیا جائے یا نہیں اور یہ کہ اگر کوئی شخص حاکم کے لئے بطور ہدیہ و تحفہ کوئی چیز لائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں نہ تو تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تمہیں محروم رکھتا ہوں، میں تو صرف بانٹنے والا ہوں کہ جس جگہ مجھے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے میں وہاں رکھ دیتا ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان مال تقسیم کرتے ہوئے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے تاکہ وہ تقسیم و کمی بیشی کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لائیں، چنانچہ ”مَا أُعْطِيَكُمْ الْخ“ کا مطلب یہ ہے کہ نہ عطا کرنا میرے بس میں ہے اور نہ تمہیں محروم رکھنا میرے اختیار میں ہے کہ اگر میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے اس کو دیا ہے یا اگر کسی کو نہیں

دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس لئے میں نے اس کو نہیں دیا، بلکہ میں صرف بانٹنے والا ہوں اس لئے جو کچھ بھی دیتا ہوں یا نہیں دیتا ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے، جہاں اور جس کو دینے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہاں باور اس کو دیتا ہوں اور جہاں اور جس کو نہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے میں وہاں اور اس کو نہیں دیتا۔

قومی خزانے اور بیت المال میں ناحق تصرف کرنے والوں کے بارے میں وعید

② وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمْ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت خولہ انصاریہؓ یہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بہت سے لوگ خدا کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ، غنیمت اور بیت المال کے مال میں امام و حکمران کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے ہیں اور اپنے حق اور اپنی محنت سے زیادہ وصول کرتے ہیں وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے۔“ (بخاری)

امام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے

③ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ ابْنُ بَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِي أَنَّ حِزْفِي لَمْ تَكُنْ تَعِجُزُ عَنْ مُؤْنَةِ أَهْلِي وَشُعْلَتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَسَيَاكُلُ أُلُي بَكْرٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ یہ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ ”میری قوم کے لوگ (یعنی مسلمان) جانتے ہیں کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے کافی تھا، اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں (اور اس کی وجہ سے ابوبکر کے اہل و عیال بیت المال) کے مال سے کھائیں گے اور ابوبکر اس بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کرنے اس کی حفاظت کرنے اور اس کو مسلمانوں کی ضروریات و دیگر مصارف میں اس کو خرچ کرنے کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرے گا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابوبکر صدیقؓ بازار میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اس کے ذریعہ اپنے اہل و عیال کے مصارف پورے کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں نے ان کو منصب خلافت پر فائز کیا تو انہوں نے صحابہؓ کو اطلاع دے دی کہ اب میں امور خلافت کی انجام دہی اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا، لہذا اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے بقدر بیت المال سے تنخواہ لیا کروں گا۔

جلیل القدر صحابہؓ کی تجارتیں

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں تو معلوم ہوا کہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ غلہ کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ہاں کھجوروں اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا اور حضرت عباسؓ عطاری کرتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تجارت کی انواع میں سب سے بہتر تجارت کپڑے کی اور پھر عطر کی ہے، نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور دوزخی تجارت کرتے تو صرف یعنی سونے چاندی کی تجارت کرتے۔

الفصل الثانی

تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے

④ وَعَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اسْتَعْمَلَنَا عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ

غلُولُ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت بریدہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس کو رزق دیا یعنی اس کے اس کام کی اجرت و تنخواہ مقرر کر دی اس بعد اگر وہ (اپنی تنخواہ سے زائد) کچھ وصول کرے گا تو یہ مال نسیئت میں خیانت ہے۔“

(ابوداؤد)

عالم کی اجرت

⑤ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَلْتَنِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں مجھے عالم بنایا گیا اور اس کی اجرت (تنخواہ) مجھ کو دی گئی۔“ (ابوداؤد)

حضرت معاذؓ کو ہدایت

⑥ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِيَّ أَثَرِي فَرَدَدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ نَصِيبَيْنِ شَيْنًا بَغِيرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهَذَا دَعَوْتُكَ فَأَمُضْ لِعَمَلِكَ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے (عالم) بنا کر یمن بھیجا (جب میں یمن جانے کے لئے روانہ ہوا اور کچھ دور چلا گیا) تو آپ ﷺ نے (مجھے بلانے کے لئے ایک شخص کو) میرے پیچھے بھیجا میں لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم جانتے ہو میں نے تمہیں بلانے کے لئے (آدی) کیوں بھیجا تھا؟ (میں نے یہ آگاہی دینے کے لئے تمہیں بلایا ہے کہ تم (اپنی مدت ملازمت کے دوران) میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے، اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جس میں اس نے خیانت کی ہے یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا، اب تم اپنے کام پر جاؤ۔“ (ترمذی)

بلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کفیل ہوگا

⑦ وَعَنِ الْمُسْتَوْدِ بْنِ شَدَادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا - وَفِي رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ غَالٍ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت مستورد بن شدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کو ہم نے عالم (کسی جگہ کا حاکم و کارپرداز) بنایا (اگر اس کے بیوی نہ ہو تو) اس کو چاہئے کہ وہ ایک بیوی بیاہ لے، اگر اس کے پاس کوئی خادم (غلام و لونڈی) نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک خادم خرید لے، اور اگر اس کا کوئی گھر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک گھر بنا لے یا خرید لے۔“ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”اگر وہ اس کے علاوہ کچھ لے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہوگا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زیر تصرف بیت المال سے اپنی بیوی کے مہر، اس کے نان نفقے اور اس کے لباس کے بقدر حاجت (بلا اسراف) روپیہ و مال لے سکتا ہے، اسی طرح وہ اپنی رہائشی ضروریات کے مطابق ایک مکان اور خدمت کے لئے خادم (کی قیمت و اجرت کے بقدر بھی اس بیت المال سے لے سکتا ہے البتہ اگر وہ ان ضرورت و حاجت سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے حق میں حرام ہوگا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس عامل کے لئے کوئی تنخواہ واجرت مقرر نہ کی گئی ہو اور بیت المال اس کی (تنخواہ واجرت کا اور اس کے مذکورہ مصارف) کا قائل ہو سکتا ہو۔

قومی محاصل و بیت المال میں خیانت نہ کرو

⑧ وَعَنْ عَبْدِ بْنِ عَمِيرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكُنْتُمْ مِنْهُ مَخْطِطًا فَمَا فَوْقَهُ فَهُوَ غَالٌ يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْبِلْ عَنِّي عَمَلًا قَالَ وَمَا ذَلِكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذًا وَكَذَا قَالَ وَأَنَا أَقُولُ ذَلِكَ مَنْ اسْتَعْمَلَنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَلْيَأْتِ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ فَمَا أَوتَيْتُ بِهِ أَخَذَهُ وَمَا نَهَيْ عَنْهُ انْتَهَى - رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ -

”اور حضرت عدیٰ ابن عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ”لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے کسی کام کا عامل بنایا جائے (یعنی جس کو ہم کسی خدمت مثلاً زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے پر مامور کریں) اور وہ اپنے اس کام کے حاصل (آمدنی) میں سے سوئی برابر یا اس سے زائد ہم سے چھپائے (یعنی وہ جو کچھ وصول تحصیل کرے اس میں سے ہماری اجازت اور ہمارے علم کے بغیر تھوڑا یا بہت لے لے) تو وہ خیانت کرنے والا ہے اور وہ قیامت کے دن اس (خیانت کی ہوئی چیز) کو لے کر آئے گا۔“ (یہ سن کر ایک انصاری شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ نے (وصول تحصیل کا) جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ مجھ سے واپس لے لیجئے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کیوں؟“ اس نے عرض کیا کہ میں نے جو آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ نے اس کام کے سلسلے میں جو وعید بیان فرمائی ہے اس کی وجہ سے میں بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ کام لغزش سے تو خالی نہیں ہے، اگر میں کسی لغزش میں مبتلا ہو گیا تو قیامت کے دن کیا جواب دوں گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، میں پھر یہی کہتا ہوں کہ ہم جس شخص کو عامل مقرر کریں اس کو چاہئے کہ وہ جو کچھ وصول کریں، وہ تھوڑا ہو یا زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے اور اس میں سے اس کو (اس کی اجرت تنخواہ کے طور پر) جس قدر دیا جائے وہ اس کو لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے (اب اس واضح ہدایت و تنبیہ کے بعد جو شخص اس کام کو انجام دے سکے وہ اس کی ذمہ داری قبول کرے اور جو شخص ان شرائط کے ساتھ اس کی انجام دہی میں اپنے کو معذور سمجھے وہ اس کی ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔“ مسلم و ابوداؤد۔ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔“

رشوت دینے، لینے والے پر آنحضرت ﷺ کی لعنت

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمِيرَةَ وَقَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ الرَّائِشُ يَعْنِي الَّذِي يَمْشِي بَيْنَهُمَا -

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔“ ابوداؤد ابن ماجہ۔ ”ترمذی“ نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ ابن عمرو اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا ہے نیز بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رائش یعنی وہ شخص جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان واسطہ و ذریعہ بنے اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔“

تشریح: رشوت (یاراء کے پیش کے ساتھ یعنی رشوت) اس مال کو کہتے ہیں جو کسی (حاکم و عامل وغیرہ) کو اس مقصد کے لئے دیا جائے کہ وہ باطل (ناحق) کو حق کر دے اور حق کو باطل کر دے۔ ہاں اگر اپنا حق ثابت کرنے یا اپنے اوپر ہونے والے کے دفعیہ کے لئے کچھ دیا

جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ایک اچھی چیز ہے

⑩ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَجْمَعَ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ وَثِيَابَكَ ثُمَّ انْتَبَيْ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ بَاعْ عَمْرُو ائِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَيْكَ لِأَتَبْعَكَ فِيهِ وَجْهٌ يُسَلِّمُكَ اللَّهُ وَيُغْنِيكَ وَأَزْعَبُ لَكَ رَغْبَةً مِنَ الْمَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَتْ هِجْرَتِي لِلْمَالِ وَمَا كَانَتْ إِلَّا لِلَّهِ وَلِوَسْؤِهِ قَالَ نِعْمًا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ زَوَاهُ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ وَزَوَى أَحْمَدُ نَحْوَهُ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

”اور حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے کسی شخص کے ذریعہ میرے پاس یہ کہلا بھیجا کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے کپڑوں کو اکٹھا کر لو (یعنی سفر کی تیاری کر لو) اور پھر میرے پاس آ جاؤ حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق سفر کی تیاری کر کے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت وضو کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ عمرو! میں نے تمہارے پاس آدمی بھیج کر تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں ایک طرف (یعنی کسی جگہ کا حاکم یا عامل بنا کر) بھیجوں، اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت و سلامتی کے ساتھ رکھے، تمہیں مال غنیمت عطا فرمائے اور میں بھی تمہیں کچھ مال دوں۔“ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا ہجرت کرنا (یعنی میرا ایمان قبول کرنا اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ ﷺ کے پاس آ جانا) مال کی خاطر نہیں تھا (بلکہ میرا ایمان قبول کرنا خالصہً للہ تھا اور) میری ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی و رضا کے لئے تھی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نیک بخت آدمی کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔“ (شرح السنۃ) امام احمدؒ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (نیک مرد کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔“

تشریح: حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۵ھ میں اسلام قبول کیا اور حضرت خالد ابن ولیدؓ کی ہمراہی میں حبشہ سے مدینہ کو ہجرت کی بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو عمان کا حاکم مقرر فرمایا تھا، اغلب ہے کہ اس روایت کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ ان کو بطور حاکم عامل عمان بھیجا جا رہا تھا۔ اچھا مال وہ ہے جو حلال ذریعہ سے کمایا گیا ہو اور اچھی جگہوں اور نیک مصارف میں خرچ کیا گیا ہو ”اور نیک بخت مرد“ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ و تحفہ قبول نہ کرے

⑪ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِأَخِي شَفَاعَةً فَاهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ آتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرَّبِّ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی بادشاہ و حکم سے) کسی شخص (مثلاً زید) کی سفارش کرے اور وہ (زید) اس (سفارش کرنے والے) کے پاس سفارش کے عوض کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ بھیجے اور وہ سفارش کرنے والا اس تحفہ کو قبول کرے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہوا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس طرح کا تحفہ ہدیہ اگرچہ ”رشوت“ کی تعریف میں آتا ہے مگر اس کو ”سود“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ وہ سفارش کرنے والے کو بلا کسی عوض کے حاصل ہوا ہے۔

بَابُ الْأَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ

قَضِيَّوْنَ اور شہادتوں کا بیان

”قضیہ“ اس نزاعی معاملے کو کہتے ہیں جو حاکم وقاضی کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی حکم و فیصلہ کرے۔ اور ”شہادت“ گواہی دینے کو کہتے ہیں اور ”گواہی“ کا مطلب ہے ”دو فریقوں میں سے ایک فریق کے مقابلہ پر دوسرے فریق کے حق کا اثبات کرنا۔“

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مدعی کا دعویٰ گواہوں کے بغیر معتبر نہیں

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَ أَمْوَالِهِمْ وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي شَرْحِهِ لِلتَّوْبِ أَنَّهُ قَالَ وَجَاءَ فِي رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ أَوْ صَحِيحٍ زِيَادَةُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا لَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔

”حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر (ان کا مدعا) دیا جائے (یعنی اگر مدعی سے نہ تو گواہ طلب کئے جائیں اور نہ مدعا علیہ سے تصدیق کی جائے بلکہ محض اس کے دعویٰ پر اس کا از قسم مال و جان مدعا کو دے دیا جائے) تو لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور اپنے مال کا (جھوٹا) دعویٰ کرنے لگیں (لہذا صرف مدعی کا بلا گواہی کے بیان معتبر نہیں ہے) لیکن قسم کھانا مدعا علیہ پر ضروری ہے (مسلم) اور نوویؒ اپنی کتاب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بیہقی کی روایت میں جو حسن یا صحیح اسناد سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ سے (مذکورہ بالا حدیث میں بطریق مرفوع ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ ”گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے یعنی مدعا علیہ۔“

تشریح: ”لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریق دوم یعنی مدعا علیہ، فریق اول یعنی مدعی کے دعویٰ سے انکار کرے اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس (مدعا علیہ) پر قسم کھانا ضروری ہے اس (مسلم کی) روایت میں مدعی سے گواہ طلب کرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ یہ یعنی مدعی کا گواہ پیش کرنے کا ذمہ دار ہونا شریعت کا ثابت شدہ اور بالکل ظاہری ضابطہ ہے اس اعتبار سے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے، اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے تو پھر مدعا علیہ قسم اور جحد (انکار) کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق رکھتا ہے، یہ مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت سے ظاہر ہے۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید

② وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبِيرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَفْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرَأٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ فَانْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَ ذَلِكَ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی خیر پر متعید ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات

کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔“ چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِلٰى اٰخِرِ الْاَيَةِ۔۔۔“ (بخاری)

تشریح: پوری آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلٰقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يَكْلِمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (ال عمران ۷۷:۳)

”یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں، بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ اپنی قسموں کے، ان لوگوں کو) کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہیں ملے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے (الطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (انظر محبت سے، دیکھیں گے۔ اور نہ (ان کے گناہوں کو معاف کر کے) ان کو پاک کریں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔“

حدیث کی عبارت من حلف علی یمین ”صبر“ کے لغوی معنی ہیں ”جس، روکنا، لزوم“ اور ”یسین صبر“ سے مراد یہ کہ حاکم عدالت میں کسی شخص کو اس وقت تک کے لئے مجبور (مقید) کر دے جب تک کہ وہ قسم نہ کھائے اس صورت میں مسلم حاکم کی اطاعت میں اس شخص پر قسم کھانا لازم ہے گویا علی یمین صبر میں ”علی“ حرف با کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مخلوف علیہ ہے! بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”یسین صبر“ یہ ہے کہ کسی چیز پر قسم کھانے والا اس مقصد سے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا مال تلف کر دے یا اس کو ہرپ کر لے، چنانچہ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو، کے الفاظ سے اسی مفہوم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(۳) وَعَنْ أَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ افْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ يَمِيْنِهِ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ”وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَزَالِكُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا حق غصب کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کر دیا۔“ ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ ﷺ سے عرض کیا ”اگرچہ وہ حق کوئی معمولی ہی چیز ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(ہاں) اگرچہ پیلو کے درخت کا ایک ٹکڑا (یعنی مسواک) ہی کیوں نہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: ”اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا“ اس جملہ کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہو گا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر دے! اسی طرح ”بہشت کو اس پر حرام کر دیا۔“ کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول و بلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم قرار دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہرپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی زہی کا حق مارے۔

مدعی کو ایک ہدایت

(۴) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاَنْتُمْ تَخْتَصِمُونَ اِلَيّْ وَلَعَلَّ بَعْضُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ الْحَقُّ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَاُقْضٰى لَهُ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشْيٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَأْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قہقے (جھگڑے) لے کر میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ بیان کا حامل ہو اور میں اس کا مدلل بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں لہذا وہ شخص کے میں جس کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو حقیقت میں اس کے بھائی مسلمان کی ہو، اس چیز کو نہ لے کیونکہ (ایسی صورت میں گویا) میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر دوں گا۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں ایک انسان ہوں“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سہو اور نسیان کسی انسان سے بعید نہیں ہے اور انسان کی فطرت اور وضع بشری کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ کے صرف اسی پہلو کو دیکھے جو ظاہری طور پر عیاں ہو اور اس کے متعلق اسی بات کو قبول کرے جو ایک کھلی ہوئی دلیل کی صورت میں اس کے سامنے آئے اور چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں اور اس حیثیت سے وہ تمام احکام و عوارض مجھ پر بھی پیش آتے ہیں جو بشریت کا خاصہ ہیں اور جن کا تعلق انسانی جبلت سے ہے، لہذا جن معاملات میں مجھے وحی کے ذریعہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے حقیقت رسی کی قوت عطا کی جاتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے تعلیم و ہدایت دی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں مجھے انہی ضابطوں اور قاعدوں کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جن کی بنیاد انسانی عقل اور بشری تقاضوں پر ہے۔ چنانچہ جب میرے سامنے کوئی قضیہ آتا ہے تو میں اس کے ظاہری پہلوؤں کے مطابق ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر مدعی اپنے گواہ اور اپنے زور بیان سے میرے سامنے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس نے جس چیز کا مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں کہ ظاہری حکم کا تقاضہ یہی ہے اب اس کے بعد مدعی جانے کہ اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح ہے اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو وہ اپنی مراد پالے۔ لیکن اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح نہ تھا اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ کسی دوسرے کا حق تھا اور میں نے اس کے ظاہری دلائل و ثبوت اور اس کی چرب زبانی اور قہقہہ لسانی سے یہ سمجھا کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اس کا مدعا اس کو دلوادیا تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو ملتا ہے۔ اس سے اجتناب کرے۔

ناحق مقدمہ بازی کرنے والے کے بارے میں وعید

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَيَّ اللَّهُ أَلَا تَذَلُّنَّ الْخِصَمَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین اور مبغوض ترین وہ شخص ہے جو بہت زیادہ ناحق جھگڑے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

کیا مدعی ایک گواہ اور ایک قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہے

⑥ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بَيْنَ بَيْنِ وَشَاهِدٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک قضیہ میں) ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکے تو اس (مدعی) سے دوسرے گواہ کے بدلے ایک قسم لے لی جائے اور اس قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام قرار دے کر اس کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے، اور چونکہ قرآن کے حکم کو خبر واحد

کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اس روایت کی بناء پر ایسے کسی مسلک کی بنیاد صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن کے حکم کے منافی ہو۔ در آنحالیکہ اس روایت کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے جب مدعی اپنا دعویٰ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکا ہو تو چونکہ وہ اپنے ثبوت شہادت کی تکمیل نہ کر سکا اور آنحضرت ﷺ نے صرف ایک گواہ کے وجود کا اعتبار نہیں کیا اس لئے مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا، مدعا علیہ کے قسم کھانے کے بعد آپ ﷺ نے اس قضیہ کا فیصلہ دیا۔ اسی کو راوی نے ”ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دینے سے تعبیر کیا۔

طبی کہتے ہیں ائمہ کا یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے جب کہ قضیہ کا تعلق کسی مالی دعویٰ سے ہو اگر دعویٰ کا تعلق مال کے علاوہ کسی اور معاملہ سے ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ گواہ اور قسم (یعنی مدعی) کی طرف سے مثلاً ایک گواہ پیش کرنے اور ایک قسم کھانے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی قسم کیوں نہ ہو

④ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَايِلَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ زَجَلٌ مِنْ حَضْرَةِ مَوْتٍ وَزَجَلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَةُ مَيِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا غُلِبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَةِ مَيِّ الْكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يَبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ فَانْطَلِقْ لِي خَلِيفَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَذْبَرَ لَيْنَ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لِيَلْقِيَنَّ اللَّهُ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت علقمہ ابن وائلؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص ضرعوت کا رہنے والا اور ایک شخص کندہ کا۔ دونوں حاضر ہوئے حضری (یعنی ضرعوت کے رہنے والے) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس شخص نے میری زمین (کو غصب کر کے اس) پر قبضہ کر لیا ہے۔“ کندی نے کہا کہ ”وہ میری زمین ہے اور میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضے) میں ہے، اس شخص کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔“ رسول کریم ﷺ نے ”دونوں فریق کا بیان سن کر حضری سے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟“ اس نے کہا کہ ”نہیں!“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو اب تمہارے دعویٰ کا دار و مدار اس (مدعا علیہ کی قسم پر ہے) کہ اگر یہ قسم کھانے سے انکار کر دے گا تو تمہارا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھائی تو تمہارا دعویٰ باطل کر دیا جائے گا“ اس (حضری) نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! یہ شخص تو فاجر (جھوٹا ہے) اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اور اس کو کسی چیز سے پرہیز نہیں۔“ آپ نے فرمایا۔ ”(بہر حال) تمہارے لئے اس شخص کی طرف سے سوائے اس (قسم) کے اور کچھ نہیں ہے۔“ (یہ سن کر وہ کندی) شخص قسم کھانے کے لئے چلا اور جب اس نے پیٹھ پھیری تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر یہ شخص اس حضری کے مال پر قسم کھائے گا تاکہ اس کا مال زبردستی ہضم کر جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کر گے کہ وہ (اللہ) اس سے بیزار ہو گا۔“ (مسلم)

تشریح: ”وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا“ ممکن ہے کہ اس کا چلنا اس اعتبار سے ہے کہ جیسے شافعیہ کے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ یہ قسم کھانے والا پہلے وضو کرتا ہے اور پھر ایک خاص وقت میں یعنی جمعہ کے روز عصر کے بعد قسم کھاتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مدعی کی طرف سے پیٹھ پھیر کر آنحضرت ﷺ کی طرف چلا، تاکہ آپ کے پاس پہنچ کر قسم کھائے۔“

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے نکلے ہیں کہ ایک تو یہ کہ اس طرح کے قضیے میں اس اجنبی سے قبضے والا اولیٰ ہے۔ جو اس کے زیر چیز رد دعویٰ کرے۔

دوسرا یہ کہ مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے جب کہ وہ مدعی کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے۔
اور تیسرا یہ کہ فاجر مدعا علیہ کی قسم کو بھی اس طرح تسلیم و قبول کیا جائے جس طرح عادل مدعا علیہ کی قسم تسلیم و قبول کی جاتی ہے نیز
اس قسم کھالینے کی وجہ سے اس پر سے مدعی کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے (لیکن یہ واضح رہے کہ اگر عدالت میں جج گواہی سے مدعا علیہ کی قسم کا
جھوٹ معلوم ہو جائے تو پھر اس کی قسم کا لعدم قرار پائے گی۔)

جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا ٹھکانا دوزخ ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلَيْتَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی
نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔“ (مسلم)

بہترین گواہ کون ہے

⑨ وَحَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَخْبَرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْسَأَ الْبَاءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے بارے میں نہ بتا دوں؟ (تو سنو کہ) گواہوں
میں بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے گواہی دے دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گواہی دراصل ”بیان حقیقت“ کا دوسرا نام ہے اور حقیقت بیان کرنے کو طلب و درخواست پر موقوف رکھنا غیر
موزوں بات ہے۔ لہذا بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے اور قبل اس کے اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم وہ ہو اور یہ کہ
کیا تم گواہی دینا چاہتے ہو، وہ از خود گواہی دیدے اور اس طرح حق کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری پوری کرے۔

بغیر طلب کے گواہی دینی چاہئے یا نہیں؟

لیکن اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر طلب کے گواہی دیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کی ہدایت
یہی ہے کہ جب تک گواہی طلب نہ کی جائے اس وقت تک گواہی نہ دی جائے، گواہی طلب کئے جانے کے بعد گواہی دینا واجب ہے اور
حدود میں گواہی کا چھپانا افضل ہے۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ جس سے بغیر طلب کے گواہی دینے والے کا بہترین گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارہ
میں حنفیہ کی طرف سے دو تاویلیں کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اس شخص پر محمول ہے جو کسی کے حق کا گواہ ہے لیکن مدعی
کو اس کے گواہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ لہذا اس کو چاہئے کہ وہ مدعی کو بتا دے کہ میں اس قضیہ میں تمہارا گواہ ہوں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق میں گواہی دینے سے ہے۔ جیسے زکوٰۃ، کفارہ، رویت ہلال اور وصیت اور
اسی طرح کی دوسری چیزیں، لہذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا شاہد ہو۔ مثلاً اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم و قاضی کے ہاں
حاضر ہو اور گواہی دے۔

ان دونوں تاویلوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ارشاد گرامی اس حکم کو بطور مبالغہ بیان کرنے پر محمول ہے کہ جو شخص کسی
قضیہ میں گواہ کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے گواہی طلب کی گئی ہو تو اس طلب گواہی کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ گواہی دینے کی اپنی ذمہ

داری کو جلد سے جلد پورا کرے اور بغیر طلب کے گواہی دینے کی جو مذمت منقول ہے وہ اس کے عکس پر محمول ہے۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی

⑩ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجْعَلُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةَ أَحَدِهِمْ يَمِينُهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں یعنی صحابہؓ پھر وہ جو ان کے متصل ہیں یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں یعنی تبع تابعین اور پھر (آخر میں) ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہلے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے پہلے ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔“ سے گواہی قسم میں محالت پسندی و زیادتی کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ غلت و زیادتی کی وجہ سے گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر لاپرواہ ہو گا کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائے گا اور کبھی پہلے گواہی دے گا اور پھر قسم کھائے گا۔

مظہر نے کہا ہے کہ یہ جملہ گواہی قسم میں تیز روی و غلت پسندی کی تمثیل کے طور پر ہے۔ یعنی وہ گواہی دینے اور قسم کھانے میں اتنی تیزی اور پھرتی دکھایا کرے گا کہ نہ تو اس کو دین کی کوئی پرواہ ہوگی اور نہ وہ ان چیزوں میں کوئی پرواہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ پہلے قسم کھائے یا پہلے گواہی دے۔ یا یہ کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے پہلے قسم کھائی ہے یا پہلے گواہی دی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی دراصل جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے عام ہو جانے کی خبر دینے کے طور پر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ گواہی دینے کو پیشہ بنالیں گے اور جھوٹی قسم کھانا ان کا تکیہ کلام بن جائے گا۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر رواج ہے کہ پیشہ ور گواہ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے پھرتے ہیں اور ان کو اس بات کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ وہ چند روپوں کی خاطر عدالت میں جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی دے کر اپنی آخرت کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی کو ترویج دے گا یعنی یوں کہے گا کہ ”خدا کی قسم! میں سچا گواہ ہوں۔“ اور کبھی گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دے گا یعنی یہ اعلان کرتا پھرے گا کہ ”لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ رہیں۔“

قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر

⑪ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَى قَوْمِ الْيَمِينِ فَاسْتَرْعَوْا فَأَمَرَ أَنْ يُسْهِمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ أَيُّهُمْ يَخْلِفُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا (یعنی ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ مدعی صحیح نہیں ہے) چنانچہ ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی دکھائی تو آپ نے فرمایا کہ ”قسم کھانے کے لئے ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے۔“ (بخاری)

تشریح: عبارت کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں کچھ لوگوں کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ ان لوگوں (مدعیان) نے مدعی کو صحیح ماننے سے انکار کیا۔ آنحضرت نے ان لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی

دکھائی، یعنی ہر شخص قسم کھانے کے لئے مستعد نظر آنے لگا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں سے قسم نہیں کھلائی بلکہ یہ حکم دیا کہ تم اپنے درمیان قرعہ ڈالو، قرعہ میں جس کا نام نکلے وہی قسم کھائے۔

لیکن شارحین نے اس مسئلہ کی یہ صورت لکھی ہے کہ مثلاً دو مختلف آدمیوں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو تیسرے شخص کے پاس ہے۔ ان دونوں (مدعیوں) میں سے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ وہ چیز میری ہے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی گواہ نہیں رکھتا، یا یہ کہ دونوں ہی کے پاس گواہ ہیں لیکن وہ تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ چیز ان دونوں میں سے کس کی ہے، لہذا اس صورت میں ان دونوں مدعیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے اور ان میں سے جس کے نام قرعہ نکلے اس سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے جب وہ قسم کھائے تو وہ چیز اس شخص کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں قسم کھانے کی ذمہ داری مدعی پر عائد ہوتی ہے۔ جب کہ قسم مدعا علیہ کو کھانی چاہئے تو بظاہر اس (مدعی) سے قسم کھلوانا اس اعتبار سے ہے کہ ان دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کا منکر ہوتا ہے اور ضابطہ یہی ہے کہ والیمین علی من انکر یعنی قسم اس شخص کو کھانی چاہئے جو منکر ہو۔

بہر حال مذکورہ بالا دونوں صورتیں حدیث کے ظاہری مفہوم کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں لیکن جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت علیؑ اس کے قائل تھے جو مذکورہ صورت میں بیان ہوا لیکن حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے قضیہ میں حاکم عدالت کو چاہئے کہ وہ چیز اسی تیسرے شخص کے پاس چھوڑ دے اور دونوں مدعیوں میں سے کسی کو بھی نہ دلوائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس چیز کو ان دونوں مدعیوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا جائے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول حضرت علیؑ کے قول کے مطابق ہے اور دوسرا قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ آگے حضرت ائمہ سلمہؒ کی جو روایت آ رہی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی موید ہے۔

الفصل الثانی

گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے

(۱۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّبِيَّةُ عَلَى الْمُدَّعِيِ وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرنا مدعی کا حق ہے اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کو صحیح ماننے سے انکار کر دے اور مدعی اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کرے تو مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے۔

اگر ایک ہی چیز کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فِي مَوَارِيثَ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا يَتِيَّةٌ إِلَّا دَعَاهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَيْتُ لَهُ بَشَى مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَقِّي هَذَا لِصَاحِبِي فَقَالَ لَا وَلَكِنْ أَذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا ثُمَّ لِيَحْلِلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهُ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بِرَأْيِي فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت اُم سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے دو آدمیوں کے قضیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو اپنا ایک میراث کا معاملہ لے کر

آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور ان دونوں میں سے کسی کا کوئی گواہ نہیں تھا بلکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا یعنی ان میں سے ایک شخص نے دربار رسالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں چیز میری ہے جو مجھے میراث میں ملی ہے اور دوسرے شخص نے بھی اسی چیز کے بارے میں یہی دعویٰ کیا اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہیں رکھتا تھا) آپ ﷺ نے (ان دونوں کے جواب سن کر فرمایا۔ “ (یاد رکھو) میں جس شخص کے لئے کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو اس کے بھائی کا حق ہو تو وہ چیز اس کے لئے آگ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہوگی (یعنی اگر مثلاً مدی نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی نہیں ہے بلکہ واقعہ مدعا علیہ کی ہے لیکن اس نے جھوٹے گواہوں یا جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور میں نے ظاہری قانون کے مطابق اس کی گواہیوں اور قسم پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ چیز اس کو دلوادی تو اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ چیز اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوگی یعنی اس کو دوزخ کی آگ کا سزاوار بنا لے گی) ان دونوں میں سے ہر ایک نے (یہ سن کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرا حق میرے ساتھی (یعنی فریق مخالف) کے لئے ہے (میں اپنا دعویٰ ترک کرتا ہوں)“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں!“ (یہ کیسے ممکن ہے کہ چیز ایک ہو اور اس کے حق دار دو ہوں) بلکہ تم دونوں جاؤ اس چیز کو (آدھوں آدھ) تقسیم کر لو اور اپنا اپنا حق لے لو (یعنی تقسیم میں عدل و ایمان داری کو ملحوظ رکھو) اور (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے اس چیز کے دو حصے کر لو) اور اگر یہ تنازعہ ہو کہ ان دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ کس کو ملے تو ان دونوں حصوں کو قرعہ پر ڈال لو (تاکہ ملے ہو جائے کہ ان دونوں حصوں میں کون سا حصہ کس شخص کو ملے گا) اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک اس حصہ کو لے لے جس پر اس کا قرعہ نکلا ہے اور پھر تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنا (وہ) حق اپنے ساتھی کو معاف کر دے (جو اس کی طرف سے چلا گیا ہو۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں تم دونوں کے درمیان یہ فیصلہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے کر رہا ہوں۔ اس معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔“ (ابوداؤد)

قابض کے حق میں فیصلہ

(۱۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ زُجْلَيْنَ تَدَا عِيَادَاتَهُ فَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيْتَةَ إِنَّهَا ذَابَتْهُ نَجَحَهَا فَقَضَىٰ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِهِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دربار رسالت میں (ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ جانور اس کا (یعنی میں نے ہی اس کی ماں پر رز کو چھوڑا تھا جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا اور اس طرح اس کے پیدا ہونے کا میں ہی سبب بنا تھا) گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہی دعویٰ کیا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس جانور کو اس شخص کا حق قرار دیا جس کے وہ قبضے میں تھا۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ ہو جس میں کسی چیز کی ملکیت کو ثابت کرنے کے لئے دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں تو دونوں میں سے اس فریق کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ جس کے قبضے میں وہ چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ قضیہ کسی جانور کے متعلق ہو اور ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ اس جانور کو اسی نے جنوایا ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ پیش ہو جس میں دو آدمیوں نے ایک جانور یا کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور وہ جانور کسی ایک کے قبضے میں ہو تو اس جانور یا اس چیز پر قابض کا حق تسلیم کیا جائے گا اور اس سے قسم کھلوائی جائے گی۔ ہاں اگر فریق مخالف نے اپنے گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جانور یا یہ چیز قابض کی نہیں ہے بلکہ اس فریق کی ہے تو وہ جانور یا وہ چیز قابض سے لے کر دوسرے فریق کے حوالے کرادی جائے گی اور اگر یہ صورت ہو کہ دونوں ہی فریق اپنے اپنے گواہ پیش کر دیں تو پھر

قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔

حنفی مسلک میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مذکورہ صورت میں (یعنی جب کہ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں) قابض کے گواہوں کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ دوسرے فریق کے گواہوں کا اعتبار کیا جائے اور وہ چیز قابض کے قبضے سے نکلوا کہ دوسرے فریق کے سپرد کردی جائے، لیکن اگر دعویٰ کا تعلق جانور کے جوانے سے ہو یعنی ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنوایا ہے اور پھر ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے تو پھر قابض کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اور اگر قضیہ کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو جو دونوں فریق کے قبضے میں ہو اور دونوں فریق اس کے پورے حصے پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں تو دونوں سے قسم کھلائی جائے اور اس چیز کو دونوں کے درمیان ہر ایک کے قبضے کے مطابق تقسیم کردی جائے اسی طرح اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہو مگر دونوں ہی اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کریں تو اس چیز کو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

دو مدعیوں کے درمیان متنازعہ مال کی تقسیم

(۱۵) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ زَجْلِينَ إِذْ عَيَّا بَعِيزًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَيْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ - وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ أَنَّ زَجْلِينَ إِذْ عَيَّا بَعِيزًا لِيَسْتَلِوا أَحَدٍ مِنْهُمَا يَسْتَلِوا أَحَدَهُمَا فَجَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا -

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا (یعنی ہر ایک نے کہنا یہ اونٹ میرا ہے) اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) دو دو گواہ پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔“ (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی وابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔“ کے بارے میں خطابيؒ کہتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ۔ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہوگا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ رکھتا تھا۔

پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں مدعی اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکور قبضے الگ الگ ہوں، اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ روایتوں کا تعلق ایک ہی قبضے سے ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ پہلی روایت میں تو نفس واقعہ کا بیان ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہے اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کئے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں لہذا وہ دونوں ہی ایسے دو مدعیوں کی مانند ہوئے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔ ”اس اعتبار سے“ ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔“ کے معنی یہ ہوں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جاسکتی ہو۔

”اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا“ کے بارے میں ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا

جائے۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي ذَابَّةٍ وَلَيْسَ لِهَمَا بَيِّنَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَى الْيَمِينِ - (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اس روایت کے حکم کی مانند ہے جو پہلی فصل کے آخر میں ذکر کی گئی ہے اور جس کو حضرت ابو ہریرہؓ ہی نے نقل کیا ہے۔

مدعا علیہ کی قسم

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَفَ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا لَهُ عِنْدَكَ شَيْءٌ يُعْنِي لِلْمُدَّعِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک قاضی میں) جس شخص (یعنی مدعا علیہ) سے قسم کھوائی جانی تھی اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس بات پر اللہ کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) کا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعا علیہ اس کے دعویٰ سے انکار کرے تو اس کے مطالبہ پر مدعا علیہ کو قسم کھانا ضروری ہو گا اور وہ اس طرح قسم کھائے گا کہ ”میں اس خدا کے واحد کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) نے مجھ پر اپنے جس حق کا دعویٰ کیا ہے وہ جی برصداقت نہیں ہے اور اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔“

قسم و حلف کے سلسلے میں یہ ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ حلف، قاضی یعنی حاکم عدالت دے گا مسلمان سے خدا کے واحد کا حلف لیا جائے گا، عیسائی کو خدا کے آئین کا، یہودی کو خدا کے تورات کا اور مجوسی وغیرہ کو صرف خدا کا حلف دیا جائے گا۔

یہ بات بھی پہلے بتائی جا چکی ہے کہ مدعا علیہ کی قسم کا بہر صورت اعتبار ہو گا خواہ وہ عادل (سچا) ہو یا فاجر (جھوٹا) ہو یا اگر قاضی یعنی حاکم عدالت کو کچی گواہی کے ذریعہ اس کے حلف کا جھوٹ معلوم ہو جائے گا تو اس صورت میں اس کا حلف کالعدم ہو جائے گا۔

مدعا علیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو

(۱۸) وَعَنْ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَحَجَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَاكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُودِيِّ اخْلُفْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اذْنِ يَخْلِفُ وَيَذْهَبَ بِمَا لِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا الْآيَةَ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ”ایک زمین میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترک تھی لیکن یہودی نے (اس زمین پر) میرے حصے (کو تسلیم کرنے) سے انکار کر دیا، چنانچہ میں اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور اپنا معاملہ پیش کیا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟“ میں نے عرض کیا ”نہیں“ آنحضرت ﷺ نے یہودی سے فرمایا کہ ”تم قسم کھاؤ“ میں نے یہ (سن کر) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ اس وقت قسم کھالے گا اور میرا مال ہڑپ کر لے گا۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح کے ایک قضیہ کے سلسلے میں جس کا ذکر حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں گزر چکا ہے) یہ آیت نازل فرمائی۔ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

قَلِيلًا (الایہ) یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے الخ اس روایت کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: حدیث میں جو آیت نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس قضیہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کی روایت (نمبر ۲) میں بیان ہوا ہے، چونکہ اس روایت میں جو قضیہ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اس قضیہ کی مانند ہے اس لئے یہاں اسی آیت کا حوالہ دیا گیا۔ پوری روایت حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کی تشریح میں نقل کی جا چکی ہے۔

حضرت اشعثؓ کا نقطہ اعتراض یہ تھا کہ اس یہودی کو قسم کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بطور خاص مالی معاملات میں یہودیوں کی فطرت کیا ہے، اس یہودی کے لئے اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ میرا مال ہرپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھالے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار نہ رکھا جائے۔ حضرت اشعثؓ کے اس نقطہ اعتراض کے جواب میں صرف اس آیت کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں نازل ہوئی تھی، لہذا اس آیت کو ذکر کرنا گویا آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ شریعت نے اس صورت کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ مدعا علیہ سے قسم لی جائے اور چونکہ اس طرح کے قضیہ میں قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے اس لئے کسی نقطہ اعتراض کی بنا پر مدعا علیہ کو اس حق سے محروم کرنا اس مقررہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرنا ہے جو ہمارے لئے غیر موزوں بات ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی مدعا علیہ اپنے اس حق سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس مقصد سے جھوٹی قسم کھاتا ہے کہ مدعی کا مال ہرپ کرے تو اس کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ اس کی اس جھوٹی قسم کا وبال اس کی گردن پر ہوگا، اور جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان کیا ہے۔ اس شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہرپ کرنے والے کے بارے میں وعید

①۹ وَعَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْ كِنْدَةَ وَرَجُلًا مِنْ حَضْرٍ مَوْتٌ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضٍ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَرْضِي اغْتَصَبَتْهَا أَبُو هَذَا وَهِيَ فِي يَدِهِ قَالَ هَلْ لَكَ بِبَيْتَةٍ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَحْلَقَهُ وَاللَّهِ مَا يَعْلَمُ أَكْثَرُ أَرْضِي اغْتَصَبَتْهَا أَبُوهُ فَتَهَيَّأَ الْكِنْدِيُّ لِلْيَمَنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ أَحَدٌ مَالًا بِبَيْعٍ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ أَجْذَمٌ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضُهُ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ قبیلہ کندہ کا ایک شخص اور حضر موت کا ایک شخص دونوں یمن کی ایک زمین کے بارے میں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضری نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس شخص کے باپ نے میری زمین مجھ سے چھین لی تھی اور اب وہ اس کے قبضہ میں ہے“ (میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ زمین مجھ کو واپس دلوائی جائے)۔ آنحضرت ﷺ نے حضری سے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں (جو گواہی دے سکیں کہ وہ زمین واقعہً تمہاری تھی؟) اس نے عرض کیا کہ ”نہیں! لیکن میں اس سے خدا کی قسم کھلو کر یہ اقرار کروں گا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ زمین میری (حضری کی) ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے چھین لیا ہے۔“ چنانچہ وہ کندی (قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا) اور جب قسم کھانے چلا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”(یاد رکھو) جو بھی شخص (جھوٹی) قسم کھا کر کسی کا مال ہرپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔“ کندی نے یہ (سن کر) کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ زمین اسی شخص کی ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: الا لقی اللہ وہو اجذم اجذم ایک مشہور بیماری کا نام ہے جس میں اعضائے جسمانی سڑگل جائے ہیں ویسے لغت میں ”جذام“ کی اصل ”جذم“ ہے جس کے معنی ہیں ”کٹنا۔ جلدی سے کٹنا۔“ نیز یہ لفظ قطع پر یعنی ہاتھ کاٹنے یا کٹے ہوئے ہاتھ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں حدیث میں یہ لفظ ”قطع پر“ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے ”برکت ہونا اور بھلائی سے

خالی ہونا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ أَجْزَمُ۔

”یعنی جس شخص نے قرآن سیکھا (یاد کیا) پھر اس کو بھول گیا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔ یعنی بے برکت۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں یہاں اجزم سے مراد ”مقطوع الحجۃ“ (بے دلیل) ہے یعنی وہ شخص اس حال میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس نہ تو اپنے دین و دیانت کی اور خدا ترسی و حقوق شناسی کی بظاہر کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کر سکے اور نہ اس کے پاس ایسی زبان ہوگی جس کے ذریعہ وہ عرض معروض کی جرأت کر سکے۔

”جھوٹی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے“

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكِبَايِرِ الشَّرْكَ بِاللَّهِ وَغُفُوءَ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِينَينِ الْغُمُوسَ وَمَا حَلَفَ خَالِفٌ بِاللَّهِ يَمِينٍ صَبْرٍ فَأَذْخَلَ فِيهَا مِثْلَ جَنَاحٍ بَغْوَصَةٍ إِلَّا جَعَلَتْ نَكَةً قَلْبُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن انیسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۳) اور جھوٹی قسم کھانی (یاد رکھو) جس قسم کھانے والے نے بھی مجبوری و قید کی حالت میں خدا کی قسم کھائی اور اس قسم میں مجھ کے بازو کے برابر (یعنی تھوڑا سا) بھی جھوٹ شامل کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا (جس کا وبال آخرت میں ظاہر ہوگا)“ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریبہ۔“

تشریح: ”غموس“ دراصل ”غمس“ سے ہے جس کے معنی ہیں ”غوطہ دینا“ اور ”یمین غموس“ کسی گذری بات پر دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ حنفی مسلک کے مطابق ایسی قسم کھانے والے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ توبہ استغفار کرے اور آئندہ اس طرح جھوٹی قسم نہ کھانے کا پختہ عہد کرے کیونکہ یمین غموس کے بارے میں دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے چنانچہ ایسی قسم ”کو غموس“ اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی قسم کھانے والے کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گی۔ نیز غیر کا حق دوسرے کا مال ہرپ کرنے کے لئے جو جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے وہ اسی قبیل سے (یعنی یمین غموس کی قسم سے) ہے۔

یمین صبر (یعنی مجبوری و قید کی حالت میں قسم کھانا، کی تفصیل پہلی فصل (حدیث نمبر ۲) کی تشریح میں گذر چکی ہے نتیجہ کے اعتبار سے ”یمین صبر“ بھی ”یمین غموس“ کے مفہوم میں داخل ہے کہ جس طرح یمین غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ آخرت کی سزا (یعنی دوزخ کی آگ) ملتی ہے اسی طرح ”یمین صبر“ میں بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سزا بھی آخرت ہی میں ملے گی۔

جعلت نکتۃ فی قلبہ الی یوم القیامۃ (اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ اس نکتہ (داغ) کا اثر زندگی کی طرح ہے کہ وہ اپنی قسم میں تھوڑے سے بھی جھوٹ کی آمیزش کرنے والے شخص کے دل پر قیامت تک ہوگا پھر قیامت میں اس کا وبال اس طرح ظاہر ہوگا کہ اس کو عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس سے عبرت پڑنی چاہئے جب کہ تھوڑے سے جھوٹ کی آمیزش کرنے کا انجام یہ ہے تو اس صورت میں کیا حشر ہوگا جب کہ جس بات پر قسم کھائی جائے وہ سرے جھوٹ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں تین چیزوں کو ذکر کیا جو بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ ہیں اور پھر ان تینوں میں سے صرف آخر کے بارے میں وعید بیان فرمائی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ بھی سب سے بڑے گناہوں میں داخل ہے اور لوگ یہ گمان کر کے عدالت میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کے اعتبار سے شرک اور ماں باپ کی نافرمانی کی طرح نہیں ہے اس کو کمتر نہ جائیں اسی طرح آگے حضرت

خزیمہ ابن فاطمہ کی جو روایت آئے گی اس کے یہ الفاظ عَدَلْتُ شَہَادَةَ الزُّورِ بِالْإِشْرَافِ بِاللّٰهِ سے بھی یوں واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی ”اکبر کبار“ میں داخل ہے۔

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُفُ أَحَدٌ عِنْدَ مُنْبِرِي هَذَا عَلَى يَمِينِ اِثْمَةٍ وَلَوْ عَلَى سِوَالِكِ اخْضَرَ اَلْاُتْبُوْا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجِبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رواہ مالک والیورادور وابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو بھی شخص میرے اس منبر کے پاس قسم کھاتا ہے اور اس کی وہ قسم جھوٹی ہوتی ہے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ (دوزخ کی) آگ میں اپنا ٹھکانہ تیار کرتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ۔ اس کے لئے (دوزخ کی) آگ واجب ہوتی ہے۔“ (مالک، الیورادور، ابن ماجہ)

تشریح: منبر کے پاس قسم کھانے کی قید اس لئے لگائی کہ وہ ایک مقدس و با عظمت جگہ ہے وہاں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ورنہ مطلق جھوٹی قسم کھانا خواہ جہاں بھی کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو واجب کرتا ہے۔

”سبز مسواک“ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ ایک حقیر ترین چیز ہوتی ہے جب کہ خشک ہو جانے کے بعد اس میں قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ مسواک بذات خود بہت معمولی و حقیر چیز ہے۔ جب کہ خشک ہونے سے پہلے تو اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ جب اس کے لئے جھوٹی قسم کھانا اتنی بڑی وعید کا محمول ہے تو جو لوگ عدالتوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑی سے بڑی چیز کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا ؟

جھوٹی گواہی، شرک کے برابر ہے

(۲۲) وَعَنْ خُزَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عَدَلْتُ شَہَادَةَ الزُّورِ بِالْإِشْرَافِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنْفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيُّمَنِ بْنِ خُزَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ۔

”اور حضرت خزیمہ بن فاطمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ”محابہ“ سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ ”جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنْفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ پلیدی (بتوں کی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، کیونکہ تم باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے والے ہو نہ کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز اس روایت کو احمد و ترمذی نے بھی ایمن ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ کی نقل کردہ روایت میں آیت شریفہ کا تلاوت کرنا مذکور نہیں ہے۔“

تشریح: ”جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ شرک کا مطلب ہے ”اللہ تعالیٰ کی طرف اس چیز کا جھوٹ بولنا جو جائز نہیں ہے۔“ اس اعتبار سے چونکہ ان دونوں کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا لہذا حکم میں بھی دونوں برابر ہوتے۔

کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟

(۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوزُ شَہَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَخْلُودٍ حَدَاءَ وَلَا ذِي غَمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَلَا ظَنِينٍ فِي وَلَا عَاقِبَةٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْفَانِعِ مَعَ أَهْلِ الْبَيْتِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

وَيَزِيدُنْ زِيَادَ الدِّمَشَقِيِّ الرَّاَوِي مَنْكَرَ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ان لوگوں کی گواہی جائز و معتبر نہیں۔ ① خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت ② جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو ③ دشمن، جو اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف ہو ④ وہ شخص جو ولایت کے بارے میں متہم ہو ⑤ وہ شخص جو قرابت کے بارے میں متہم ہو۔ ⑥ وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔“ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے۔“

تشریح: اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا کیونکہ گواہی ایک ایسا اہم درمیانی وسیلہ ہے جو عدالت کو عدل تک پہنچنے میں فیصلہ کن مدد دیتا ہے، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ چونکہ عدل کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس لئے ان کی گواہی کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے خیانت کرنے والا مرد الخ میں ”خیانت سے“ لوگوں کی امانتوں میں خیانت مراد ہے، یعنی ان مردوں اور عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے والے مشہور ہوں اور ان کا جرم خیانت بار بار سرزد ہونے کی وجہ سے لوگوں پر عیاں ہو۔ ورنہ تو ظاہر ہے کہ (خیانت) ایک ایسا مخفی جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہوتا ہے مگر عام طور سے بندوں پر عیاں نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”خیانت“ سے مراد فسق ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کی صورت میں ہو یا احکام دین اور فرائض دین کی عدم بجا آوری کی شکل میں ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین کے حکام کو بھی ”امانت“ فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے

إِنَّا عَزَمْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - (الاحزاب ۷۲: ۳۳)

”تحقیق ہم نے امانت (یعنی اپنے دین کے بار کو) آسمانوں اور زمین پر پیش کیا الخ۔“

اور دین کے احکام کو بجانہ لانے کو ”خیانت“ فرمایا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ۔ (الانفال ۷۷: ۸)

”نہ تو خدا اور اس کے رسول کی امانت (یعنی دین کے امور) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔“

اس صورت میں اول تو حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جو مرد و عورت احکام شرع اور فرائض دین کی بجا آوری نہ کرتے ہوں یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرتے ہوں ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آگے آنے والی حدیث میں ”خیانت کے بعد“ ”زنا“ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ ”تخصیص بعد تعمیم“ کے طور پر ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تاویل (یعنی خیانت سے فسق مراد لینا، اولیٰ ہے ورنہ دوسری صورت میں ان تمام برائیوں اور گناہوں کا ذکر باقی رہ جائے گا۔ جن کا ارتکاب قبول گواہی سے مانع ہے اور ان سب کو چھوڑ کر صرف خیانت کا ذکر کرنا سمجھ میں نہیں آئے گا۔

جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی ہو اور اس کی سزا میں اس پر حد قذف جاری کی گئی ہو تو اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس سے توبہ بھی کر لے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ حد قذف کے علاوہ اور دوسرے تمام حدود میں یہ رعایت حاصل ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہو اگر وہ توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول ہوگی، توبہ سے پہلے تو اس کی گواہی ناقابل اعتبار قرار پائے گی جب کہ حد قذف میں یہ سزا ہے کہ جس شخص پر یہ حد جاری ہوئی اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی لیکن دوسرے آئمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام ہی حدود سے متعلق ہے کہ اگر کسی شخص پر حد جاری ہوگی تو اس کے توبہ کر لینے

کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حد تہمت کے جرم میں جاری ہوئی ہو یا کسی اور گناہ (جیسے زنا) کی وجہ سے۔
 ”دشمن جو اپنے خلاف ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپس میں ایک دوسرے دشمنی وعداوت رکھتے ہوں ان کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی معتبر نہیں ہوگی خواہ وہ دونوں آپس میں نبی بھائی ہوں یا اجنبی ”یعنی دینی بھائی“ ہوں۔

”وہ شخص جو ولاء کے بارے میں متہم ہو۔“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید ایک دوسرے بکر کا غلام تھا اور بکر نے اس کو آزاد کر دیا تھا اب زید اپنی آزادی کو ایک تیسرے شخص کی طرف منسوب کرتا یعنی یوں کہتا ہے کہ میں عمرو کا آزاد کیا ہوا ہوں، حالانکہ وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اور وہ اپنے اس جھوٹ میں مشہور ہے کہ لوگ عام طور پر اس کے جھوٹے انساب پر اس کو متہم کرتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں ایسے شخص کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ اپنے اس کہنے کی وجہ سے ”فاسق“ ہے چنانچہ آزاد کرنے والے کے ولاء (یعنی آزاد کرنے پر حاصل ہونے والے حق کو قطع کرنا اور اس کی ولاء کی نسبت کسی ایسے شخص کی طرف کرنا جس نے حقیقت میں اس کو آزاد نہیں کیا ہے گناہ گیرہ ہے اور اس کے مرتکب کے بارے میں سخت وعید و تنبیہ وارد ہے۔ یہ حکم قرابت کے بارے میں بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی قرابت میں غلط بیانی کرے یعنی یوں کہے کہ میں فلاں شخص مثلاً زید کا بیٹا ہوں لیکن اس کی غلط بیانی پر لوگ اس کو متہم کرتے ہوں اور اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہوں کہ یہ زید کا بیٹا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں بکر کا بیٹا ہے تو اس کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس کا یہ جھوٹ بھی ”فاسق“ ہے اور اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے بارے میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔“ ایسا شخص وہ سائل ہے جو کم سے کم پیٹ بھرنے پر قناعت کر لیتا ہو یا جس کی روزی کسی ایک گھر سے متعلق ہو اور یا جو کسی ایک گھر کا ہو رہا ہو۔ لیکن یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی کے زیرِ نفقہ ہو یعنی جس کا گزر کسی کے دینے پر ہوتا ہو جیسے خادم و تابع۔ ایسے شخص کی گواہی اس کے مخدوم و مقبوع کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ اول تو یہ احتمال ہے کہ وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے اپنے مخدوم و مقبوع کی ناروا طرف داری کرے اور سچی بات نہ کہے اور دوسرے یہ کہ اپنے مخدوم و مقبوع کے حق میں گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ اپنی گواہی کے ذریعہ اس چیز کے منافع کو اپنی ذات سے متعلق کرتا ہے جو اس کی گواہی کے نتیجہ میں اس کے مخدوم و مقبوع کو حاصل ہوگی یا بایں طور کہ جب اس کا کھانا پینا اس کے مخدوم و مقبوع کے ذمہ ہے جس کے حق میں وہ گواہی دے رہا ہے تو اس مخدوم و مقبوع کو اس کی گواہی کے ذریعہ جو مال حاصل ہوگا اس کے منافع اس کی ذات کو بھی حاصل ہوں گے۔ لہذا اپنے مقبوع و مخدوم کے حق میں تابع و خادم کی گواہی کا وہی حکم ہوگا جو باپ اور بیٹے یا شوہر اور بیوی کی گواہی کا حکم ہے کہ جس طرح اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے حق میں یا بیٹا اپنے باپ کے حق میں گواہی دے یا شوہر اپنی بیوی کے حق میں یا بیوی اپنے شوہر کے حق میں گواہی دے تو اس کی گواہی درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینا گویا اپنی ذات کے فائدے کے لئے گواہی دینا ہے اسی طرح مخدوم و مقبوع کے حق میں تابع و خادم کی گواہی بھی درست نہیں ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا! البتہ یہ واضح رہے کہ بھائی کے حق میں بھائی کی گواہی درست رہے گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

”نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے“ میں ”منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے شرح خبہ میں لکھا ہے کہ جس راوی سے کوئی نقش غلطی صادر ہوئی ہو یا اس پر غفلت و نسیان کا غلبہ ہو اور یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس صورت میں اس کی روایت کردہ حدیث ”منکر“ کہلائے گی۔“

(۲۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ

وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِي غُمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور ان کے والد اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہ تو

خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی قابلِ درست ہے اور نہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اسی طرح دشمن کی گواہی (اپنے) دشمن کے خلاف مقبول نہیں۔ ”نیز آنحضرت ﷺ نے (ایک مقدمہ میں) اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو ایک گھری کفالت پر ورش میں تھا اور اس نے وہ گواہی اس کے گھر والوں کے حق میں دی تھی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اس سے قبل کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگی کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”بستی میں رہنے والے کے حق میں یا اس کے خلاف، جنگل میں رہنے والے کی گواہی درست نہیں ہوگی۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: جنگل میں رہنے والے کی گواہی اس لئے درست نہیں کہ عام طور پر وہ نہ تو شریعت کے احکام کا علم رکھتا ہے اور نہ گواہی دینے کی شرائط و کیفیت کی واقفیت رکھتا ہے اسی طرح اس پر غفلت و نسیان کا غلبہ زیادہ رہتا ہے لہذا اگر جنگل میں رہنے والا گواہی کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور دینے کی جو شرائط و کیفیات ہیں ان سے واقف ہو نیز عادل اہل شہادت کے زمرے میں آتا ہو تو اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔

حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک کسی شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگل میں رہنے والے کی گواہی جائز نہیں ہوگی، جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جنگل میں رہنے والا اگر عادل ہو اور گواہی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو شہری کے حق میں یا اس کے خلاف اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔ ان ائمہ کے نزدیک حدیث کے الفاظ لا یجوز گویا لایحسن کے معنی میں ہیں اور ”جنگلی کی گواہی کا جائز نہ ہونا“ صفات مذکورہ کے نہ پائے جانے کے ساتھ مقید ہے۔

اپنے معاملے مقدمے میں دانائی و ہوشیاری کو ملحوظ رکھو

(۲۶) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَمَّا أَذْبَرَ حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَلُومُ عَلَى الْعَجْزِ وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عوفؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان ایک مقدمہ کا فیصلہ دیا (جو ایک شخص کے خلاف اور دوسرے شخص کے حق میں تھا۔ چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ جس شخص کے خلاف ہوا تھا اس نے مجلس نبوی ﷺ سے اٹھ کر واپس جاتے ہوئے کہا کہ حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ یعنی مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نادانی و لاپرواہی پر ملامت کرتا ہے، تم کو چالاکی اور ہوشیاری ضروری ہے اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کچھ قرض لیا ہوگا اور وہ قرض اس نے ادا بھی کر دیا ہوگا لیکن اس سے یہ نادانی اور حماقت ہوئی کہ اس نے قرض واپس کرتے وقت قرض خواہ سے کوئی رسید نہ لی اور نہ کسی کو گواہ کیا، آخر مدعی (قرض خواہ)

نے بارگاہ رسالت میں اس شخص پر دعویٰ کر دیا چونکہ اس (مدعی) نے قرض دینے کا ثبوت پیش کر دیا ہو گا لیکن یہ شخص (مدعا علیہ) واپسی قرض کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا اس لئے مقدمہ فیصلہ اس کے خلاف ہوا اور مدعی نے ڈگری حاصل کر لی۔ جب وہ مقدمہ ہار کر دربار رسالت سے نکلا تو اس نے آزرہ غم و حسرت ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ کہا اور اس طرح اس نے یہ اشارہ کیا کہ مدعی نے مجھ سے ناحق مال لے لیا اور میں خواہ مخواہ نقصان اٹھا بیٹھا۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے کاروبار زندگی اور اپنے معاملات میں لا پرواہی نادانی اور غفلت و کوتاہی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ملامت کرتا ہے، پھر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ تم کو لازم ہے کہ اپنے کاروبار اور اپنے معاملات میں ہوشیار و چوکس رہو اور احتیاط و دانائی اختیار کرو۔

حاصل یہ کہ غفلت و کوتاہی سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم کی جس دولت سے نوازا ہے اس کا صحیح مقتضی یہی ہے کہ بندہ اپنے تمام دینی و دنیاوی معاملات میں دانائی و ہوشیاری کو ملحوظ رکھے لہذا اس معاملہ میں تم سے جو کوتاہی و غفلت سرزد ہوئی ہے اس کو اپنے عجز پر محمول کر کے حسبی اللہ ونعم الوکیل نہ کہو بلکہ آئندہ کے لئے اس بات کا عہد کر لو کہ پھر کبھی اس طرح کی غفلت و کوتاہی نہیں کرو گے اور احتیاط و ہوشیاری کو ہر صورت ملحوظ رکھو گے۔

طبی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس شخص پر یہ واضح کیا کہ لازم تو یہ تھا کہ تم اپنے معاملے میں ہوشیار رہتے اور کسی کو گواہ بنا کر یا اس کے مانند کوئی اور ثبوت رکھ کر کوتاہی و غفلت میں مبتلا نہ ہوتے تاکہ جب تمہارا مقدمہ پیش ہوتا اور تم فیصلے کے لئے یہاں حاضر ہوتے تو گواہوں اور ثبوت کے ذریعہ مدعی کو ناحق ثابت کرنے پر قادر ہوتے مگر اب جب کہ تم اپنی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے مدعی کے دعویٰ کو ناحق ثابت کرنے سے عاجز ہو تو حسبی اللہ ونعم الوکیل کہتے ہو حالانکہ حسبی اللہ ونعم الوکیل اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ حصول مقصد کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور اپنی تمام تدابیر و احتیاط کے باوجود کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا، لہذا یہ ذہن نشین رہے کہ جب کوئی معاملہ کیا جائے اس میں پوری پوری احتیاط اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھا جائے اور جب تمام ترامکانی احتیاط و ہوشیاری کے باوجود حصول مقصد کا کوئی راستہ ہاتھ نہ آئے اور اس طرح عجز و معذوری کے درجہ پر پہنچ جائے تو اس وقت حسبی اللہ ونعم الوکیل کہے۔

ملزم کو قید کرنا شرعی سزا ہے

(۲۷) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِي قَهْمَةٍ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّيْتُ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ - (ابوداؤد)

”اور حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر دیا تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”تہمت کی بنا پر“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اس پر اپنے دیئے ہوئے قرض کا دعویٰ کیا تھا یا اس پر کسی گناہ کا الزام عائد کیا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قید (حوالات) میں رکھا تاکہ اس دوران میں گواہوں کے ذریعہ مدعی کے دعویٰ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو الزام سے بری قرار دے کر رہا کر دیا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ملزم کو قید کرنا شرعی حکم کے مطابق ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود رہیں

(۲۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّيْنَرِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَفْعَدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ -

(رواہ احمد والبوداؤ)

”حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمان (عدالتی ضابطہ) جاری فرمایا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔“ (احمد والبوداؤ)

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ قاضی (حاکم عدالت) کے لئے اس سے دشوار اور سخت ترین مرحلہ کوئی نہیں ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو وہ دونوں فریق یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان پوری برابری رکھے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الجہاد

جہاد کا بیان

جہاد کے معنی

جہاد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لا دنا۔ امام راغب نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ:

الجہاد استفرار الوسع فی مدافعة العدو۔

”جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔“

اصطلاح شریعت میں ”جہاد“ کا مفہوم ہے۔ ”کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا یا اس طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل و تدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفی میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معاونت و حمایت کی جائے۔“

جہاد کا نصب العین

جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا بول بالا رہے، خدا کی اس سر زمین پر اس کا جھنڈا سر بلند اور اس کے باغی منکروں کا دعویٰ سرنگوں رہے۔

جہاد کا حکم

جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر نفیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر نفیر عام ہو یا اس طور کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر ٹوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کر دیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کر دیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو گا خواہ نفیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا عادل ہو یا فاسق، لہذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا اور جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہو گا اور ایسے ہی ان لوگوں پر بھی واجب ہو گا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کی حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی و دفاعی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کسل و سستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح میت کا مسئلہ ہے کہ اس کی تجبیز و تکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی

اسی طرح جہاد کا بھی مسئلہ ہے کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جتنی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا ناکام رہے ہوں تو اس وقت ان کے پڑوسی شہر و ملک کے مسلمانوں بلکہ مابین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہو گا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعویٰ سرنگوں کریں۔

الفصل الأول

کون سا جہاد افضل ہے؟

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا قَالُوا أَفَلَا نَبَشِّرُهُ النَّاسَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا يَتَنَزَّلُ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا يَتَنَزَّلُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَنَسَأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَاعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ دنیا میں بھیجی (یعنی شریعت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (ازراہ فضل و کرم بحسب اپنے وعدے کے) واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خواہ ہجرت کرے) اور خواہ اپنے وطن و گھر میں جہاں پیدا ہوا ہے بیٹھا رہے (یعنی نہ جہاد کرے اور نہ ہجرت کرے)“ صحابہؓ نے سن کر عرض کیا کہ ”کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟“ آنحضرت نے فرمایا ”(لیکن جہاد کرنے والے کی یہ فضیلت بھی سن لو کہ) جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ لہذا جب تم اللہ سے (جہاد پر درجہ عالی) مانگو تو فردوس کو مانگو کیونکہ وہ (فردوس) اوسط جنت ہے (یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر و افضل ہے) اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر خدا کا عرش ہے (گویا وہ عرش الہی کے سایہ میں ہے) اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں (یعنی جو چار چیزیں جنت کی نہروں کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد وہ جنت الفردوس ہی سے جاری ہوتی ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں نماز اور روزے کا تذکر کیا گیا ہے لیکن حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ دو عبادتیں یعنی نماز اور روزہ دیگر عبادتوں کی نسبت اپنی امتیازی اور برتری شان رکھتی نہیں دوسرے یہ کہ ان دونوں عبادات کا تعلق ہر مسلمان سے ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں پر واجب ہیں جب کہ حج اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو ہر مسلمان پر واجب نہیں ہیں بلکہ اسی مسلمان پر واجب ہیں جو مالدار صاحب استطاعت ہو۔

خواہ اپنے گھر و وطن میں بیٹھا رہے۔“ اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی کیونکہ فتح مکہ کے دن سے پہلے ہجرت ہرمومن پر فرض تھی۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَائِمِ بِأَيَّاتِ اللَّهِ لَا يَفْتَرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (فتح علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا (نماز اور طاعت و عبادات میں) منہمک رہنے والا اور اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جو روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے (یعنی عبادات میں منہمک رہنے) سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آجائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جب مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور پھر جہاد کر کے گھر واپس آتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران میں وہ ہمہ وقت جہاد ہی میں مصروف نہیں رہتا بلکہ اس کے اوقات کا کچھ حصہ جہاد سے خالی بھی گزرتا ہے کہ جن میں وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور سوتا لیٹتا بھی ہے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں بھی وقت گزارتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو یہ درجہ عطا کیا گیا ہے کہ گویا وہ کبھی بھی اور کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ ہر حرکت و سکون پر اور ہر عیش و آرام پر اس کے نامہ اعمال میں ثواب ہی لکھا جاتا ہے۔

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيْمَانُ بَيْنِي وَتَصْدِيقُ بِرَسُولِي أَنْ أَرْجِعَهُ بِمَانَالٍ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ أَذْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا، اس کو (جہاد کے لئے) مجھ پر اس کے ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے علاوہ اور کسی نے نہیں نکالا (یعنی اس کا جہاد میں جاناد کھاوے سانے کے لئے یا دنیا میں کسی طلب و خواہش کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ محض میری رضا و خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلا ہے) تو میں اس کو (یا تو بغیر غنیمت کے محض) آخرت کے اجر و ثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا اور یا (اگر شہید ہو گیا تو) میں اس کو (بغیر حساب و عذاب کے سب سے پہلے جنت میں جانے والوں کے ساتھ، جنت میں داخل کروں گا) یا اس کی موت کے بعد ہی قیامت کے دن سے بھی پہلے جنت میں داخل کروں گا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَةٍ تَغْرَوْنِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوِدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُخِي ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُخِي ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُخِي ثُمَّ أُقْتَلَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خوف و لحاظ نہ ہوتا کہ بہت سے (وہ) مسلمان (جو مفلس و نادار ہیں) اپنے بارے میں اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ وہ مجھ سے پیچھے اور مجھ سے جدا رہیں اور مجھے ایسی کوئی سواری میسر نہیں ہے جس پر ان سب کو سوار کروں تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری خواہش و تمنا تو یہی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں (یعنی بار بار زندہ کیا جاؤں اور بار بار مارا جاؤں تاکہ ہر بار نیا ثواب پاؤں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت ﷺ کے بے پناہ جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں آپ چند کے علاوہ اور سب میں بنفس نفیس شریک کیوں نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر فوج میں اس لئے

شریک نہیں ہوتا کہ اگر میں جنگ میں شریک ہونے کے لئے ہر لشکر کے ہمراہ جاؤں تو یقیناً وہ بہت سے مسلمان جو نادار اور بے سروسامان ہونے کی وجہ سے اپنی سواریاں نہیں رکھتے جنگ میں شریک ہونے سے محروم بھی رہ جائیں گے اور میری جدائی کا غم بھی اٹھائیں گے۔ اور خود میں اتنی سواریوں کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ ان پر سب مسلمانوں کو سوار کر کے اپنے ہمراہ لے جاؤں، اس لئے اگر مجھے یہ لحاظ نہ ہو کہ بہت سے مسلمان جنگ میں شریک ہونے سے محروم رہ جانے اور پھر مجھ سے جدا ہو جانے کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہوں گے اور وہ اس کا بہت زیادہ غم محسوس کریں گے تو میرے اندر جہاد کا جذبہ اور اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ میں کسی بھی لشکر کے ہمراہ جانے سے باز نہیں رہنا چاہتا اور اس بات کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں بار بار زندہ کیا جاؤں اور ہر بار خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔

جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر

⑤ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یا تو یہ مطلب ہے کہ جہاد میں ایک دن کے لئے بھی چوکیداری جیسی معمولی خدمت کو انجام دینا اس مال سے بہتر ہے جو اللہ کے نام پر خرچ کیا جائے، یا یہ مطلب ہے کہ جہاد میں محض ایک دن کی چوکیداری کے عوض جو اجر ملے گا وہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعْدُوَّةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ زَوْجَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے خدا کی راہ میں شرکت جہاد کی غرض سے (جانا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے بھی جہاد میں شریک ہوا تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اور اس کی جو فضیلت حاصل ہوگی وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی رہنے والی ہے۔

جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے

⑦ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَفِيَّائِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِي عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَانُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے اور اگر وہ چوکیدار (اس خدمت کی انجام دہی کے دوران) مر جائے تو اس کے اس عمل کا ثواب کہ جس پر وہ (اپنی زندگی میں) عامل تھا، جاری رہتا ہے (یعنی اپنی زندگی میں وہ جس نیک عمل پر عامل تھا اس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے گا) اور اس کے لئے (جنت کے طعام و شراب سے اس کا رزق کر دیا جاتا ہے اور وہ شیطان یا

دجال کے مکرو فریب اور یا قبر میں عذاب کے فرشتے کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔“ (مسلم)

جہاد میں شرکت، دوزخ سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي عَبَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْتَرَبْتُ قَدْ مَاعَبِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو عبسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں گرد آلودہ ہو جاتے ہیں تو پھر اس کو (دوزخ کی آگ نہیں چھوٹی۔“ (بخاری)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل راہ جہاد میں سعی و مشقت کے اظہار کا کنایہ پیرایہ بیان ہے اس بات کو زیادہ سے زیادہ بیان کرتا ہے کہ جب جہاد کے راستے میں محض قدموں کا گرد آلودہ ہو جانا دوزخ کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے تو نفس جہاد کے ثواب اور اس شخص کی فضیلت کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو راہ جہاد کی مشقتیں برداشت کرتا ہو امید ان جنگ میں پہنچے اور جہاد میں شریک ہو۔

کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشارت

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کافر اور اس کو مارنے والا (مسلمان) کبھی بھی دوزخ میں ایک جا نہیں ہو سکتے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بطور خاص اس مسلمان کے لئے بشارت ہے جو جہاد میں کسی کافر کو مارے کہ وہ (مسلمان) ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اور حقیقت میں یہ ارشاد گرامی جہاد کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے جو مسلمان جہاد میں شریک ہو گا وہ غالباً کسی کافر کو مارے گا اور جب کافر کو مارے گا تو وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا اگرچہ اس کی جزا بھی جنت ہے جو جہاد میں شریک ہوا اور اس میں پوری جدوجہد کرے لیکن کسی کافر کو قتل نہ کر سکے۔

بہترین زندگی کون سی ہے؟

⑩ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْرٍ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ زَجْلٌ مُمَسِكٌ عَنَّا فَرَسُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَرْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَتَّبِعِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَطَانَةً أَوْ زَجْلٌ فِي غَنِيمَةٍ فِي رَأْسِ شَعْفَةٍ مِنْ هَذِهِ الشَّعَفِ أَوْ بَظَنٍّ وَادٍ مِنْ هَذِهِ الْأَوْدِيَةِ يَقْنِمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ بِلَا فِي خَيْرٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سے تو جلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور (اس خوفزدہ یا فریاد رس کی آواز کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو) یعنی جب وہ کسی کی خوفزدہ چیخ و پکار یا فریاد و مدد چاہنے والے کی آواز سے تو جلت کے ساتھ چل پڑے اور اس آواز کو تلاش کرتا پھرے تاکہ موقع پر پہنچ کر فریاد کرنے والے کی مدد کرے اور اس بات سے نہ ڈرے کہ کہیں میری جان پر نہ بن جائے اور مجھے اپنی ہی زندگی سے ہاتھ نہ دھونا پڑے یا بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی ایک

وادی میں اقامت گزین ہے اور نماز پڑھتا ہے اور ”اگر وہ کمریاں حد نصاب کو پہنچتی ہیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور پروردگار کی عبادت و بندگی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بھلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا والوں سے الگ تھلگ رہ کر ان کی برائیوں اور ان کے فتنہ و شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اور اپنے فتنہ و شر سے دنیا والوں کو بچاتا ہے۔

اس حدیث کا حاصل دراصل دشمنانِ دین کے مقابلہ پر جہاد، اپنے نفس و شیطان سے مجاہدہ اور دنیا کی فانی لذتوں اور نفس کی باطل خواہشات و شہوات سے اجتناب کی طرف راغب کرتا ہے نیز اس بات کی آگاہی دیتا ہے کہ اگر دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لئے لوگوں کے درمیان رہن سہن اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ (اگر دنیا والوں کے درمیان رہنے سہنے سے دین و شریعت کو نقصان پہنچے اور ایمان کے کمزور ہوجانے کا خوف ہو) تو گوشہ عافیت اختیار کرے۔

گوشہ گزینی افضل ہے یا مخالطت؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے جو مخالطت (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن پر گوشہ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہنا سہنا) افضل ہے بشرطیکہ (دین میں) فتنہ فساد سے محفوظ و مامون رہنے کی امید ہو جب کہ زاہد ان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے۔ انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھرپور زمانہ پر محمول ہے۔ یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی ایذا پر صبر نہ کر سکتا ہو۔ یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں، پھر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اکثر صحابہ کرام، تابعین عظام، علماء و مشائخ اور زاہد ان طریقت کا معمول یہی رہا ہے کہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اور اسی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا اور اس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ گزینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے جیسے نماز جمعہ و جماعت نماز جنازہ اور عیادت مریض وغیرہ وغیرہ۔

مجاہد کا سامان تیار کرنے والے اور مجاہد کے اہل و عیال کی نگہبانی کرنے والے کی فضیلت

⑪ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَّفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت زیدؓ ابن خالد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا اس نے (گویا) جہاد (ہی) کیا (یعنی وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں داخل ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے) اور جو شخص کسی غازی و مجاہد کا اس کے اہل و عیال کے لئے ناسب و خلیفہ بنا (یعنی جو شخص کسی غازی و مجاہد کے جہاد میں چلے جانے کے بعد اس کے اہل و عیال کا خدمت گذار ہوا اور نگہبان بنا اس نے بھی گویا) جہاد (ہی) کیا۔“ (بخاری و مسلم)

مجاہدین کی عورتوں کے احترام کا حکم

⑫ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَمَنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ فَيُخَوِّنُهُ فِيهِمْ إِلَّا وَقَفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

فَيَاخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مجاہدین کی عورتوں کی عزت و حرمت (گھروں میں) بیٹھنے والوں (یعنی جہاد کے لئے نہ جانے والوں) پر اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ ان کی ماؤں کی عزت و حرمت ان پر لازم ہے (یعنی جو لوگ کسی وجہ سے جہاد پر نہیں جاسکتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں ان کو چاہئے کہ جو لوگ جہاد میں گئے ہوں ان مسلمانوں کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت نہ کریں اور ان کی طرف نظر بد سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو اپنے حق میں ایسا حرام جانیں گویا وہ ان کی مائیں ہیں) لہذا اس کے اہل و عیال (یعنی اس کی بیوی اور لونڈیوں یا دوسرے قرائتوں) کے لئے نائب و خلیفہ بنا یعنی ان کا نگران بنا اور پھر اس نے اس (مجاہد) کے اہل و عیال کی عزت و آبرو) میں خیانت کی تو اس کو قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کے (نیک) اعمال میں سے جس قدر چاہے گا لے لیگا“ ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ (مسلم)

تشریح: ”ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ ایسی حالت میں وہ مجاہد قیامت کے دن اس شخص کی نیکیوں کو لے لینے میں کم راغب ہوگا؟ نہیں، بلکہ وہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑے گا اور اس کی تمام ہی نیکیاں لے لیگا یا اس شخص نے اس مجاہد کے حق میں جو خیانت کی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ خیانت کرنے والے کے نیکیوں کی صورت میں مجاہد کو جو عوض و بدلہ دے گا اس میں تمہیں کوئی شک ہے؟ اگر تمہیں کوئی شک نہیں ہے اور تم یہ یقین رکھتے ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی سچ ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم مجاہدین کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت کرنے سے احتراز نہ کرو مبادا اس کی وجہ سے تمہیں آخرت میں اپنی ساری نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد کو جو یہ مرتبہ عظیم عطا فرمایا ہے اور اس کو اس فضیلت کے ساتھ جو مخصوص کیا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اس مجاہد کو بس یہی مرتبہ ملے گا؟ نہیں بلکہ اس مرتبہ اور اس مخصوص فضیلت کے علاوہ بھی اس کو اور بہت عظمتیں اور بزرگیاں ملیں گی اور اس سے بھی بڑے بڑے درجات اس کو نصیب ہوں گے۔

جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت

⑬ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ (در بار نبوت میں) ایک شخص نکیل پکڑی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ کی راہ کے لئے ہے یعنی میں اس اونٹنی کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد میں پیش کرتا ہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”(میں تمہاری اس پیشکش کو بہ تحسین قبول کرتا ہوں اور تمہیں یہ بشارت دیتا ہوں کہ (اس کے بدلے میں قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور سب کے نکیل پڑی ہوگی۔“ (مسلم)

مجاہد کے گھربار کی نگہبانی کرنے کی فضیلت

⑭ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا إِلَى بَنِي لُحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَتَّبِعْتُ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ أَحَدَهُمَا وَالْآخَرَ يَنْتَهُمَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان کے مقابلہ پر جہاد (کے لئے) ایک لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو حکم دیا کہ دو شخصوں میں ایک شخص جہاد میں جانے کے لئے نکلے (یعنی ہر قبیلہ میں سے آدھے آدمی جہاد میں جائیں اور

آدھے آدمی رہ جائیں تاکہ وہ جہاد میں جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں) اور جہاد کا ثواب دونوں کو برابر ملے گا۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ جہاد میں جائیں گے ان کو تو جہاد کا ثواب ملے ہی گا لیکن جو لوگ اپنے گھروں پر رہ کر مجاہدین کے گھربار کی نگرانی اور ان کے اہل و عیال کی پرورش و دیکھ بھال کریں گے۔ تو ان کو بھی مجاہدین جیسا ثواب ملے گا۔

ہمیشہ اُمت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت برسر جہاد رہے گی

(۱۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرة کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے قیامت (قائم ہونے کے قریب) تک لڑتی رہے گی (یعنی روئے زمین جہاد سے خالی نہیں رہے گی کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ جہاد ہوتا رہے گا۔“ (مسلم)

تشریح: طبریؒ کہتے ہیں کہ یہ عبارت یقاتل علیہ الخ جملہ متنافع ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کی وضاحت کرنا ہے اس طرح حاصل یہ ہوگا کہ یہ دین اسی سبب سے قائم رہے گا کہ مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت اور کوئی نہ کوئی قوم ہمیشہ دین کے دشمنوں سے لڑتی رہے گی اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرگلوں کرتی رہے گی۔

خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكَلِّمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُزْأُهُ يَنْعَبُ دَمًا أَلْوَنُ لَوْنِ الدَّمِ وَالزَّبِيحُ الْيَسَنُكُ۔ (متفق علیہ۔)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں زخمی کیا جاتا ہے، اور خدا اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے تو وہ مجاہد قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا اور اس خون کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی بوشک کی خوشبو کی طرح ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

شہادت کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَنْتَمِي أَنْ يَرْجَعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَوِي مِنَ الْكِرَامَةِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور (جنت کی نعمتوں کے عوض دنیا کی تمام) چیزوں کو قبول کرے مگر شہید یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار خدا کی راہ میں شہید ہو کیونکہ وہ شہادت کی عظمت اور اس کے ثواب کو جانتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیت کریمہ کی تفسیر

(۱۸) وَعَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ الْآيَةَ قَالَ إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرْزَوْا خُفِّهِمْ فِي أَجْوَابِ طَيْرٍ خَضِرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَنْسُخُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطْلَعُ

إِنَّهُمْ رَبُّهُمْ أَطْلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَسْتَهْوُونَ شَيْئًا قَالُوا أَيْ شَيْءٍ نَسْتَهْوِي وَنَحْنُ نَسْرُخُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذَلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يَنْتَرَكُوا مِنْ أَنْ يَسْأَلُوا قَالُوا يَا رَبِّ نُرِيدُ أَنْ تَرْزُقَنَا وَنَحْنُ فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نُفْقَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تَرَكَوْا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سرورؑ (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی۔ وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ (الایۃ) جو لوگ خدا کی راہ جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے الخ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ (ان شہداء) کی رو میں ہنر رنگ کے پرندوں کے قلب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الہی کے نیچے (بمنزلہ گھونسلوں) کے قدیلوں لٹکائی گئی ہیں وہ (روحیں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قدیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں تب پروردگار ان (شہداء) طرف جھانکتا ہے فرماتا ہے کہ ”کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟“ وہ عرض کرتے ہیں ”کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں درناخالیکہ ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا جی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ یہی معاملہ کرتا ہے (یعنی تین بار ان سے یہی سول کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جائے گا (یعنی جب وہ یہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر دے (اور ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) تاکہ ہم ایک بار اور تیری راہ میں مارے جائیں“ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (متعین) خواہش حاجت نہیں ہے (کیونکہ انہوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس کو پورا کرنا اللہ کے ارادہ اور مصلحت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ ان کو پہلی ہی بار میں جو عظیم ثواب اور عظیم اجر ملا ہے اور اسی وجہ سے ان کی کوئی حاجت و خواہش نہیں ہے اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی اجر و انعام انہیں دوبارہ بھی ملے گا اور اس کی انہیں حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ شہید کا اجر و ثواب ایک ہی ہے جو انہیں حاصل ہے) تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: کسی کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں بین القوسین عبارت کے مطابق اگر دوسری بار میں بھی پہلی ہی بار جیسا ثواب ملے تو پھر ان شہداء کی خواہش کا کیا فائدہ کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ خدا کی راہ میں مارے جائیں

علماء نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اس کی مراد حقیقت میں اپنی روحوں کو جسموں میں واپس کئے جانے کی درخواست کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و اکرامات کا شکر ادا کرنا ہے جس سے ان کو نوازا گیا ”گویا اپنی اس خواہش کے ذریعے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہمیں اپنی جو نعمتیں عطا کی ہیں اور ہمیں جن عظیم درجات سے نوازا ہے اور ان کی وجہ سے ہم پر جو تیرا شکر ادا کرنا واجب ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جائیں اور تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دیں۔“

یا پھر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے گمان کے مطابق کرتے ہوں کہ ہم چونکہ دوسری مرتبہ میں اور زیادہ مستعدی ہمت اور جان نثاری کے فزوں تر جذبے کے ساتھ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کریں گے اس لئے کیا عجب کہ دوسری مرتبہ میں ہمیں اور زیادہ بہتر اور کامل تر جزا ملے لیکن نظام قدرت اور جاری معمول چونکہ اس کے خلاف ہے اور حق تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ ان کو دوسری مرتبہ میں وہی اجر ملے گا جو پہلی مرتبہ مل چکا ہے اور اس کی انہیں حاجت نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

تنبیہ: علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح کو پرندوں کے قالب میں رکھنا ان ارواح کی عزت و توقیر اور تکریم کی بنا پر ہے جیسا کہ جو اہرات کو ان کی حفاظت و احتیاط کے لئے صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان ارواح کو ان کے دنیاوی جسم کے بغیر اس صورت (یعنی پرندوں کے قلب میں جنت میں داخل کیا جائے، چنانچہ وہ ارواح ان پرندوں کے قالب میں جنت کے مرغزاروں میں سیر کرتی ہیں، وہاں کی فضاؤں میں گھومتی ہیں جنت کی پاکیزہ ترین خوشبوؤں اور کیف آور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی ہیں، وہاں کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرتی ہیں، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور ان کو صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ ہمہ وقت کی خوش طبعی و آسودہ خاطرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حق جل مجدہ کے مقرب ملائکہ کے قرب و جوار کی عظیم ترین سعادت بھی میسر ہوتی ہے جو بجائے خود سب سے بڑی نعمت اور فرحت و انبساط کا سبب ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ:

يَرْزُقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔

”وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔“

اس موقع پر یہ بات بطور خاص ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے تنازع (آواگون) کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ تنازع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تنازع اس کو کہتے ہیں کہ ”اس عالم میں روح کا کسی قالب و بدن میں لوٹنا“ گویا ان کے نزدیک کسی قالب و بدن میں روح کے لوٹنے کا نظریہ آخرت سے متعلق نہیں ہے اور یہ یوں بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

ایک بات اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

جہاد، حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِّرَ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرٌ مُدْبِرٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْكَفِّرَ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرٌ مُدْبِرٌ إِلَّا الَّذِينَ قَالَ لِي ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ میں) ان کو آگاہ کیا کہ ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بہتر اعمال ہیں۔“ (یہ سن کر) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے اس نے فرمایا کہ ہاں۔“ بشرطیکہ تم اللہ کی راہ میں اس حال میں مارے گئے کہ تم (مختیوں پر) صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر جے رہنے والے ہو۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ ”مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر جمنے والے ہو مگر دین (یعنی وہ قرض معاف نہیں ہو گا جس کی ادائیگی کی نیت ہی نہ ہو) اور مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے یہی فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ایمان کا سب سے بہتر عمل ہونا ظاہر ہی ہے اس کے لئے کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ رہی جہاد کا نواں عمل

(یعنی جہاد) کو اس اعتبار سے سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے کہ تمام نیک اعمال میں یہی ایک عمل ایسا ہے جس کے ذریعہ اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کو سر بلند کرنے) کا فریضہ سرانجام پاتا ہے، خدا کے باغیوں اور دین کے دشمنوں کی تیغ کئی ہوتی ہے، جان و مال کی قربانی پیش کی جاتی ہے اور مختلف قسم کی تکلیفیں مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں گویا یہ اعمال اللہ کے حضور میں اور اس کی راہ میں بندے کے جذبہ عبودیت اور بندگی اور کمال ایثار و قربانی کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اور جو دوسری احادیث میں نماز کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں مداومت و پیوستگی ہے اور جو ایک عمل ہونے کے باوجود عبادات کثیرہ پر مشتمل ہے۔

”مگر دین“ کے بارے میں علامہ تور پستیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں ”دین“ سے مراد ”مسلمانوں کے حقوق“ ہیں لہذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جہاد سے حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں) مارا جانا، دین (حقوق العباد) کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ بحری جہاز (پانی میں لڑی جانے والی جنگ) کے شہداء اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کے ذمے جو حقوق العباد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللَّهُ تَعَالَى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَذْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيَسْتَشْهَدُ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں پر ہنستا ہے (یعنی ان سے ایک تو وہ ہے جو جنت میں داخل ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے (اور وہ کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آتا ہے) اور پھر خدا کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (لہذا اس کو بھی جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

شہادت کی طلب صادق کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشَّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت سہلؓ ابن حنیف کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص سچے دل (یعنی طلب صادق کے جذبے سے) اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجہ پر پہنچاتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے (یعنی وہ صدق نیت اور طلب صادق کی وجہ سے شہیدوں جیسا ثواب پاتا ہے۔“ (مسلم)

شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے

(۲۳) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ الرَّبِيعِ بَنَتِ الْبَرَاءَ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بَنَتِ سُرَاقَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ وَكَانَ قَتْلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَزَبٌ فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبْرَتْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اجْتَهَدْتُ

عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ فَقَالَ يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جَنَّتْ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَّ ابْنَكَ أَصَابَ الْفَزْدَوْسَ الْأَعْلَى۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (میری بھوپھی) حضرت ربیع بنت براء جو حضرت حارثہ بن سراقہ کی ماں ہیں (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ (یا نبی اللہ! کیا آپ مجھ سے میرے بیٹے حارثہ کا حال بیان نہیں کریں گے اور حارثہؓ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر میں) شہید ہو گئے اور ان کو ایسا تیر لگا تھا جس کا چلانے والا معلوم نہ ہوا کہ کون تھا، اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہو تو میں رونے کی کوشش کروں (یعنی خوب روؤں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے)“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”حارثہؓ کی ماں! حقیقت یہ ہے کہ جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تمہارا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں پہنچا ہوا ہے (جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے)۔“ (بخاری)

شہید کی منزل جنت ہے

(۲۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَذْرِ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ قَالَ غَمِيرُ بْنُ الْحُمَامِ بَعْ بَعْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَخْبِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَعْ بَعْ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا رَجَاءُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَخْرَجَ ثَمَرَاتٍ مِنْ قَرْيَةٍ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَبْنُ أَنَا حَيْثُ حَتَّى أَكُلَ ثَمَرَاتِي إِنَّهَا الْحَيَاةُ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرُمِيَ بِمَا كَانَ مَعَ مِنَ الثَّمَرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ۔ (رواہ مسلم)

”اور انسؓ کہتے ہیں (غزوہ بدر کے موقع پر) رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ (مدینہ سے) روانہ ہوئے اور مشرکوں سے پہلے بدر (کے میدان جنگ) میں پہنچ گئے پھر (جب اسلامی مجاہدین کے پیچھے کے بعد) مشرکین کا لشکر آیا اور (مقابلہ کی تیاری شروع ہوئی) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ، وہ جنت جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے، (ایک صحابی) حضرت عمیرؓ ابن حمام انصاری نے (یہ ارشاد سن کر کہا کہ ”خوب! خوب!“ یا رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تم نے خوب خوب کیوں کہا؟ عمیرؓ نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے یہ الفاظ (اظہارِ تعجب یا کسی اور مطلب سے نہیں کہے بلکہ میں نے (درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ اپنی اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ میں بھی جنتی بنوں)“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی شک نہیں تم جنتی ہو۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیرؓ نے سرکارِ دو عالم کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کو کھانا شروع کیا اور پھر کہنے لگے کہ اگر میں ان (ساری کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو زندگی طویل ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کھجوروں کو جو ان کے پاس تھیں پھینک دیا اور کفار سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”جنت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کی راہ کو اختیار کرو۔ جو جنت میں لے جانے کا باعث ہے۔ اور وہ جہاد ہے۔

”جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے“ اس ارشاد کے ذریعہ درحقیقت جنت کی وسعت و کشادگی کو بیان کرنا ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے ایسی چیز (یعنی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس سے زیادہ وسیع و عریض چیز انسان کے فہم میں اور کوئی نہیں آسکتی، نیز اس ارشاد میں صرف عرض کو ذکر کیا گیا ہے طول کو بیان نہیں کیا گیا تاکہ انسانی فہم خود اندازہ کر لے کہ جس چیز کا عرض اتنا ہے اس کے طول کا کیا حال ہوگا۔

”تم نے خوب خوب کیوں کہا“ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ عمیرؓ نے جو یہ الفاظ کہے ہیں وہ بغیر کسی نیت و ارادہ کے اور بغیر سوچے سمجھے ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں جیسا کہ اس قسم کے الفاظ یا تو اس شخص کی زبان سے صادر ہوتے ہیں جو کسی کی کسی بات پر اپنے ہزل و مزاح اور استہزاء کا اظہار کرتا ہے۔ یا اپنے قتل کے خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب عمیرؓ سے ان

الفاظ کی وضاحت طلب کی تو انہوں نے ان دونوں باتوں سے انکار کیا اور خدا کی قسم کھا کر اپنا اصل مطلب بیان کیا۔
 ”تو زندگی طویل ہوگی۔“ سے حضرت عمیرؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں ساری کھجوریں کھانے کا انتظار کروں اور جب تک جیوں تو زندگی طویل ہو جائے گی۔ جب کہ آرزو یہ ہے کہ اب ایک منٹ گنوائے بغیر خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر کے جنت کی راہ پکڑ لوں۔ گویا انہوں نے حصول شہادت کے شوق کی وجہ سے اپنی زندگی کو اور کفار سے نبرد آزمائی میں تاخیر کو اپنے حق میں وبال جانا۔

شہداء کی اقسام

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعْدُونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ إِنَّ شَهْدَاءَ أُمَّتِي إِذَا لَقِيتُ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونَ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبُطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ) سے پوچھا کہ تم اپنے آپ میں سے کس کو شہید شمار کرتے ہو؟“ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس صورت میں میری امت کے اندر شہیدوں کی تعداد کم ہو جائے گی جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ تو (حقیقی شہید ہے) لیکن جو شخص اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں (بغیر قتل و قتل کے خود اپنی موت سے) مر جائے وہ بھی شہید ہے جو شخص دبا میں مرے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص پیٹ کی بیماری (یعنی استسقاء اور اسہال وغیرہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے یعنی یہ سب بھی حقیقی شہداء کے درجات و ثواب میں ہیں نہ یہ کہ ان کے صحیح احکام میں۔ (مسلم)

مجاہد کے اجر کی تقسیم

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فَتَغْنَمَ وَتَسْلَمَ إِلَّا كَانُوا أَقْدَ تَعَجَّلُوا ثَلَاثِي أَجُورِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخَفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ أَجُورُ هُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور مال غنیمت لے کر صحیح و سالم واپس آگیا اس کو اس کا دو تہائی اجر جلدی یعنی اسی دنیا میں مل گیا اور جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو مال غنیمت نہیں ملا بلکہ اس جماعت و لشکر کے لوگ زخمی کئے گئے یا شہید کر دیئے گئے تو ان کا اجر پورا باقی رہا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو مجاہد کفار سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں گے ان کی تین صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ وہ کفار سے جنگ کے بعد صحیح و سالم لوٹ کر بھی آئیں گے اور جو مال غنیمت ان کو ہاتھ لگے گا اس کے بھی حقدار ہوں گے۔ ایسے ہی مجاہدین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت و مشقت کا دو تہائی اجر کہ سلامتی کے ساتھ لوٹنا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہے اسی دنیا میں حاصل کر لیا ایک تہائی اجر جو باقی رہا ہے یعنی جہاد کا ثواب وہ انہیں قیامت کے دن ملیگا دوسرے یہ کہ جو مجاہد صحیح و سلامت لوٹ کر تو آئے مگر مال غنیمت ان کے ہاتھ نہیں لگا تو انہوں نے گویا اس دنیا میں ایک تہائی اجر پالیا ہے اور جو دو تہائی باقی رہا ہے وہ قیامت کے دن پائیں گے، تیسرے وہ مجاہد ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور میدان جنگ میں زخمی ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے اور ان کے ہاتھ مال غنیمت بھی نہیں لگا تو ان کا پورا اجر باقی ہے جو انہیں پوری طرح قیامت کے دن ملے گا۔

جس مؤمن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے

(۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى

شُعْبَةٍ مِنْ نَفَاقٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (مومن) مرجائے اور جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی جہاد نہیں کیا بلکہ کبھی جہاد کرنے کا قصد و ارادہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی موقع پر یہ کہا کہ کاش! میں بھی جہاد کرتا اور چونکہ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ وہ جہاد کے وقت منہ چھپا کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے دل میں جہاد کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا لہذا مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے مطابق ایسا مومن بھی منافق کے مشابہ ہوا۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی واجب عبادت کرنے کی نیت و ارادہ کرے اور پھر اس عبادت کو کرنے سے پہلے مرجائے تو اس عبادت کے نہ کرنے کا وبال اتنا زیادہ اس کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ جتنا اس صورت میں ظاہر ہوتا کہ وہ اس عبادت کے کرنے کی نیت بھی نہ کرتا اور مرجاتا۔

نیز نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے علماء شوافع کا اس شخص کے بارے میں اختلاف اقوال ہے جو نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنے پر قادر ہو اور اس کو پڑھنے کی نیت بھی رکھتا ہو مگر اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور اس نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے مرجائے اسی طرح حج کا معاملہ ہے کہ اس پر حج فرض ہو اور وہ شروع ہی میں اس فرض کی ادائیگی پر قادر تھا مگر اس میں تاخیر کی یہاں تک گھر گیا تو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ نماز حج دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ہی صورتوں میں گناہ گار نہیں ہوگا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حج کی صورت میں تو گناہ گار ہوگا لیکن نماز کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا۔ حنفی علماء کا مسلک بھی اسی آخری قول کے مطابق ہے۔

حقیقی مجاہد کون ہے؟

۲۸) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانَهُ فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ مَنْ قَاتِلٍ لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے ایک وہ شخص ہے جو ذکر یعنی آوازہ اور شہرت کے جس کو سمعہ کہتے ہیں کہ لئے جنگ کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو اس لئے جنگ کرتا ہے تاکہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے یعنی اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے کہ جس کو ریا کہتے ہیں تو ان تینوں میں کون اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لئے جنگ کرے تاکہ اللہ کا دین سر بلند ہو حقیقت میں وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

عذر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم

۲۹) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَاِدْيَا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ وَفِي رَوَايَةٍ الْأَشْرَكُ كُتِبَ فِي الْأَجْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس سفر جہاد میں بظاہر تمہارے ساتھ نہیں تھے لیکن تم نے ایسا کوئی راستہ طے نہیں کیا اور کسی ایسی وادی و جنگل کو عبور نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں یعنی ان کے جسم تو ان کے گھروں میں تھے لیکن ان کی دعائیں ان کے دل اور ان کی ہمتیں تمہارے ساتھ تھیں۔ اور ایک روایت میں اَلَا كَانُوا مَعَكُمْ یعنی جس میں تمہارے شریک نہ ہوں صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں؟ یعنی جب کہ وہ ہمارے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور اپنے گھروں میں مسجود رہے پھر وہ ہمارے ساتھ ————— کیسے رہے اور ہمارے اجر و ثواب میں کیسے شریک ہوئے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اجر و ثواب میں تمہارے شریک ہیں کیونکہ ان کے عذر نے ان کو روکا ہے یعنی وہ اپنے اعذار کے سبب سے تمہارے ساتھ جہاد میں نہیں جاسکے ہیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ تشریح: جو لوگ عذر کی بنا پر جہاد میں نہیں جاسکے اور مدینہ میں رہ گئے وہ جہاد کرنے والوں کے ثواب میں شریک تھے نہ یہ کہ مرتبہ درجہ کے اعتبار سے وہ مجاہدین کے برابر تھے کیونکہ جن لوگوں نے بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کی قربانی پیش کی وہ افضل ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً۔

”مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں فضیلت بخشی ہے۔“

ماں باپ کی خدمت کا درجہ

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَحْسَىٰ وَالذَّكَاءُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا أَفْجَاهِدُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ فَاحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم انہیں کے درمیان رہ کر جہاد کرو یعنی پوری محنت و تندہی کے ساتھ ان کی خدمت کو کہ تمہارے حق میں یہی جہاد ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو پھر اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان کی صحبت کو بہتر بناؤ یعنی ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اچھی طرح کرو۔

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نفل جہاد سے ہے کہ جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور مسلمان ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نفل جہاد میں شرکت کے لئے گھر سے نہ جائے ہاں اگر جہاد فرض ہو تو پھر اس صورت میں ان والدین کی اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ منع بھی کریں اور جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کا حکم نہ مانا جائے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض ادا کیا جائے نیز اگر والدین کو خدا نے اسلام کی ہدایت نہ بخشی ہو اور وہ کافر ہوں تو جہاد میں شریک ہونے کے لئے ان کی اجازت کی کسی حال میں بھی حاجت نہیں ہے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ناگوار خاطر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر کسی بھی نفل عبادت جیسے نفل حج و عمرہ کے لئے نہ جائے اور نہ نفل روزہ رکھے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت، ختم ہو گئی

(۳۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَبَيَّةٌ وَإِذَا

اسْتَنْفِرْتُمْ فَاَنْفِرُوا۔ (شق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہذا جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔ کیونکہ نفیر عام کے موقع پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہجرت نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے بلکہ ہر دار الکفر سے مدینہ کو ہجرت کرنی فرض عین تھی کیونکہ مدینہ میں دین کے نام لیواؤں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ہر اعتبار سے بہت کمزور و ضعیف تھے لہذا ہجرت کو فرض قرار دیا گیا تاکہ ہر طرف سے مسلمان مدینہ پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں اور اس طرح مشرکوں اور خدا کے باغیوں کی طاقت زائل و مفلوج ہو پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو عام غلبہ عطا فرمایا اور ان کی شوکت بڑھائی تو وہ علت یعنی مدینہ کے مسلمانوں کا کمزور اور قلیل المقدار ہونا“ زائل ہو گئی اور اس وقت سے ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی لیکن کچھ صورتوں میں ہجرت کا استحباب باقی ہے جیسے جہاد کے لئے اپنے وطن سے نکلنا حصول علم کی خاطر کسی دوسری جگہ چلے جانا اور دار الکفر و دار الفتنہ سے یا کسی ایسے ملک و شہر سے نکل بھاگنا جہاں بھلائیاں متروک ہو چکی ہوں اور برائیاں مروج ہو گئی ہوں۔

لیکن جہاد اور نیت باقی ہے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرنگوں کرنے کے لئے جہاد کی نیت رکھنے اور اخلاص عمل پیدا کرنے کا حکم باقی ہے حاصل یہ کہ ہجرت یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانا پہلے ہر مسلمان پر فرض تھا پھر یہ حکم ختم ہو گیا لیکن جہاد کے سبب سے یا نیت صالحہ کی بنا پر کفار کے یا اور جاہل و بدعت اور فتنوں کے گروہ سے نکل بھاگنے یا طلب علم کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا باقی رہا اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

الفصل الثانی

دین کی سر بلندی کے لئے اُمت محمدی ﷺ کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ برسر جہاد رہے گی

(۳۲) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ أَجْرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَالُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری اُمت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کے لئے برسر جنگ رہے گی اور جو بھی شخص اس جماعت سے دشمنی کرے گا وہ اس پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اس اُمت کے آخری لوگ مسیح و دجال سے جنگ کریں گے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اُمت کسی بھی زمانے میں ایسے سرفروشوں اور جانبازوں سے خالی نہیں رہے گی جو دین کی سر بلندی حق کی حمایت و حفاظت اور ملت کے تحفظ کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی پیش کریں گے اور دشمنان اسلام کا دعویٰ سرنگوں کریں گے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مجاہدین اسلام کے مقابلہ پر آنے والے کو آخر کار ہزیمت اور شکست کی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا خواہ وہ کوئی فرد ہو یا کوئی جماعتی طاقت، ہو سکتا ہے کہ وقت کی نزاکت اور حالات کی رفتار کسی مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے بظاہر کسی پسپائی کا موقع پیدا کر دے لیکن آخر کار فتح و کامرانی مسلمانوں کا ہی نصیب بنے گی۔

اس اُمت کے آخری لوگ سے حضرت امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قرب قیامت میں دجال کے ذریات سے جنگ کریں گے۔ اور آخر کار حضرت عیسیٰؑ اس کو فنا کے گھاٹ اتاریں گے، دجال کے قتل کے بعد پھر کوئی

جہاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یا جوج ماجوج کے خلاف تو جہاد اس لئے نہیں ہوگا کہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت کسی کو حاصل نہیں ہوں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا تو پھر جب تک عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں موجود رہیں گے روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض لوگ کافر ہو جائیں گے اور اس وقت تمام مسلمان ایک پاکیزہ ہوا کے ذریعہ وفات پا جائیں گے اور دنیا میں صرف کافر ہی رہ جائیں گے اس طرح جب قیامت آئے گی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی بھی اللہ کا نام لیوا باقی موجود نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے بعض احادیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق حتی تقوم الساعة یعنی میری امت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو تو یہ قرب قیامت پر محمول ہے کہ قرب قیامت تک اس روئے زمین پر حق کی حفاظت کرنے والی کوئی نہ کوئی جماعت موجود رہے گی، چنانچہ حق کی حمایت میں حق والوں کا آخری معرکہ دجال سے ہوگا اور دجال کا خروج علامات قیامت میں سے ہے۔

جہاد میں کسی طرح سے بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۱) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجْهَزْ غَارِيًّا أَوْ يَخْلُفْ غَارِيًّا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ أَصَابَهُ اللَّهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے نہ تو (بخس خود) جہاد کہا اور نہ کسی مجاہد کا سامان درست کیا اور نہ کسی غازی کے (جہاد میں ہونے کے دوران اس کے) اہل و عیال کے حق میں بھلائی کے ساتھ اس کا نائب بنا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے پہلے دن کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔“ (ابوداؤد)

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسَّيِّئِينَ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و الدارمی)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین یعنی دشمنان اسلام سے تم اپنی جان اپنے مال اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: جان و مال کے ذریعہ جہاد کرنا تو یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے معرکہ کے موقع پر میدان جنگ میں اپنی جان کو پیش کرے اور زخمی ہو اور اپنے مال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ کرے زبان کے ذریعہ جہاد کرنا یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے عقائد و نظریات اور ان کے بتوں کی مذمت کرے ان کے حق میں بددعا کرے کہ انہیں حق کے مقابلہ پر ذلت و رسوائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے ان کو قتل و قید کرنے یا اسی طرح کی اور چیزوں سے ڈرائے دھمکائے مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور ان کو مال غنیمت ملنے کی دعا کرے اور لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے کی ترغیب دلائے۔

جنت کے وارث

(۳۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَصْرِبُوا الْهَامَ تُؤْتُوا الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سلام کو عام یعنی ہر آشنا و آشنا کو سلام کرو اور غریب و محتاج لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کفار کے فتنہ و فساد کا سرکچلو جنت کے وارث بنائے جاوے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۳۶) عَنْ فَصَّالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَاطِبًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يَنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ فِتْنَةُ الْقَبْرِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ -

”اور حضرت فضالہ ابن عبید رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر اختتام پذیر ہوتی ہے یعنی ہر شخص کا عمل اس کی زندگی تک رہتا ہے مرنے کا بعد اس کا عمل باس طور باقی نہیں رہتا کہ اس کو نیا ثواب ملتا رہے لیکن جو شخص اللہ کی راہ یعنی جہاد میں پاسبانی کرتا ہوا مرے تو اس کے لئے اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھا دیا جاتا ہے اور قبر کے فتنہ و عذاب سے مامون رہتا ہے ترمذی ابو داؤد اور دارمی نے اس روایت کو عقبہ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس کا عمل قیامت تک کے لئے بڑھا دیا جاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کو ہر لحظہ اس کے اس عمل کا نیا ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے عمل پر اپنی جان نذر کی ہے جس کا فائدہ ہمیشہ مسلمانوں کو پہنچتا رہے گا اور وہ عمل ہے دین کو زندہ سربلند رکھنا جو اس شخص نے جہاد میں پاسبانی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو دشمنوں سے محفوظ و محتاط رکھ کر انجام دیا۔

جہاد میں شرکت کرنے والے کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَوَاقٍ نَاقَةً فَقَدْ وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرحَ جُرحًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ نَكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَعْرَ مَا كَانَتْ لَوْ أَنَّهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِنَحْهَ الْمِسْكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهِ خُرَاجٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ طَائِعَ الشَّهَادَةِ - (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں اونٹنی کے فواق کے بقدر یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی لڑا اس کے لئے ابتداء ہی جنت واجب ہوگئی جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں دشمنوں کے ہتھیاروں سے زخمی ہوا یا وہ کسی زخم کی تکلیف میں مبتلا ہوا تو وہ زخم قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا جیسا کہ وہ دنیا میں تھا (یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا وہ زخم زیادہ تازہ حالت میں ہوگا) اور اس زخم کا رنگ زعفران جیسا اور اس کی بو مشک جیسی ہوگی اور جس شخص کے بدن میں اللہ کی راہ (جہاد) میں پھوڑا نکلا تو قیامت کے دن اس پھوڑے پر پیا پھوڑے والے پر شہیدوں کی مہر ہوگی یعنی اس شخص کے ساتھ شہیدوں کی علامت ہوگی تاکہ جانا جائے کہ اس شخص نے دین کی سربلندی و حفاظت کے لئے جدوجہد کی تھی چنانچہ اس کو وہی اجر و انعام دیا جائے گا جو مجاہدین اسلام کو ملے گا۔“

تشریح: فواق اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے یعنی پہلے ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوہا اس کے بعد پھر تھوڑی دیر میں پھر دوہا ان دونوں مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو عربی میں فواق کہتے ہیں یہاں حدیث میں ”فواق“ سے مراد تھوڑی دیر ہے۔

جہاد میں اپنا مال و اسباب خرچ کرنے کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كُتِبَ لَهُ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت خرم بن فاتک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ یعنی جہاد میں اپنے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ

کرے گا اس کے لئے سات سو گنا ثواب لکھا جائے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: خدا کی راہ میں اپنے مال و اسباب کو خرچ کرنے کا جو ثواب ہے اس کا ادنیٰ درجہ یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ جہاد میں خرچ کیا جائے والا مال اپنے مالک کو سات سو گنا ثواب کا حقدار کرے گا ویسے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ طَلُّ فُسْطَاطٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْحَةٌ خَادِمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ طُرُوقَةٌ فَخَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ اس خیمہ کا سایہ ہے جو خدا کی راہ میں یعنی کسی مجاہد یا حاجی اور یا طالب علم دین وغیرہ کو دیا جائے اور بہترین صدقہ وہ خادم ہے۔ جو خدا کی راہ میں (کلیۃً یا عاریۃً) دیا جائے اور بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو زر کی جفتی کے قابل ہو یعنی خدا کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا افضل ہے جو زر کے ساتھ جفتی کی عمر کو پہنچ گئی ہے تاکہ وہ سواروں کے کام آسکے۔“ (ترمذی)

مجاہد کی فضیلت

(۴۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلْبِغُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَغُودَ اللَّبَنُ فِي الصُّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ عَلَى عَبْدِ غَبَارٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذُخَانُ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ النَّسَائِيُّ فِي أُخْرَى فِي مَنْحَرِي مُسْلِمٍ أَبَدًا وَفِي أُخْرَى لَهُ فِي جَوْفِ عَبْدِ أَبَدًا وَلَا يَجْتَمِعُ الشَّخْ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبٍ عَبْدًا أَبَدًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اور کسی بندے میں اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جائیں ہو سکتے ہیں جس مسلمان کا جسم خدا کی راہ یعنی جہاد میں غبار آلود ہوا اس کو دوزخ کا دھواں چھو بھی نہیں سکتا۔ حاصل یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (ترمذی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور کسی مسلمان کی ناک کے دونوں تھنوں میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی ایک جائیں ہو سکتے اور نسائی ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بندے کے پیٹ میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی ایک جائیں ہو سکتے اور کسی بندے کے دل میں (کامل) ایمان اور بخل کبھی بھی ایک جائیں ہو سکتے۔“

تشریح: یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے یہ جملہ تعلیق بالحال کے طور پر ہے یعنی جس طرح دوہے ہوئے دودھ کا تھنوں میں واپس جانا محال ہے۔ اس طرح اس شخص کا دوزخ میں جانا محال ہے۔

(۴۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسَّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُشُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہ سکے گی ایک تو وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ ہے جس نے خدا کی راہ یعنی جہاد میں کفار سے مجاہدین کی نگہبانی کرتے ہوئے رات گزاری ہو۔“ (ترمذی)

جہاد کی برتری و فضیلت

(۴۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ جُلٌّ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشُعْبٍ فِيهِ عَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ غَذِبَةٍ

فَاعْبَدِيْهِ فَقَالَ لَوْ اَعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشَّعْبِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ الْجَنَّةَ اَغْرَؤُا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَاقٍ نَّاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول کریم ﷺ کے ایک صحابیؓ پہاڑی کے درہ سے گزرے جس میں شیریں پانی کا ایک چشمہ تھا تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لوں اور اس درے میں آ رہا؟ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ان صحابیؓ سے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرنا کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں شہر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کامل طور پر بخش دے اور تمہیں ابتداء ہی میں جنت میں داخل کر دے خدا کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ جس شخص نے خدا کی راہ میں اونٹنی کے فواق کے بقدر یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔“ (ترمذی)

تشریح: شہر میں سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ کثرت مراد ہے چنانچہ یہ ارشاد گرامی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

مقام الرجل فی الصف فی سبیل اللہ افضل عند اللہ من عبادۃ الرجل ستین سنۃ۔

”کسی شخص کا اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابلہ پر صف میں کھڑا ہونا خدا کے نزدیک کسی شخص کی ساتھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے گوشہ گزینی اختیار کرنے اور جنگل و کوہستان میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے بخشش و مغفرت حاصل نہیں ہوتی اس لئے علماء اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا۔ اور کسی نفل کے لئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ان صحابیؓ پر گویا یہ واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترک تعلق کر کے اس پہاڑی درے میں گوشہ گزینی اختیار کی اور اگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی و خلوت میں خدا کی عبادت میں مشغول رہنا ہو تو اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم ان بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض و ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہو گا جس سے تم گنہ گاروں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ترجمہ میں واضح کیا گیا ہے اس ارشاد گرامی سے کامل مغفرت اور ابتداء جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر معمول کیا جاسکتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان رہنا گوشہ گزینی سے افضل ہے خصوصاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت نشان میں تو یہ افضلیت کہیں زیادہ تھی البتہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد کبھی کبھی گوشہ گزینی ہی کو افضلیت حاصل ہوتی ہے جب کہ لوگوں کے درمیان رہنے سے فتنہ و شر کے غلبہ کا خوف ہو۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۳۳) وَعَنْ عَثْمَانَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْهَا سِوَاهُ مِنْ

الْمَنَازِلِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

”اور حضرت عثمان رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں کفر کی سرحدوں پر ایک دن کے

لئے بھی پاسبانی کی خدمت اس (پاسبانی کے) منصب و خدمت کے علاوہ اور عبادتوں کے میں ہزار دن تک مشغول رہنے سے بہتر ہے۔“
(ترمذی و نسائی)

تشریح: ”اس منصب و خدمت کے علاوہ“ کے ذریعہ اقامت دین کے لئے خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے کی خدمت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

بظاہر اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو جہاد میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو اور پاسبانی کی ذمہ داریوں کو انجام دینا اس پر واجب ہو کیونکہ اس شخص کا اسی مفوضہ خدمت کے علاوہ کسی اور عبادت و غیرہ میں مشغول ہونا معصیت ہے اگرچہ وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد ہی میں کیوں نہ بیٹھے کہ اس عمل کی بھی بہت فضیلت ہے اور اس کو بھی رباط کہا گیا ہے۔

شہداء ابتداء ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے

(۴۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُرَضَ عَلَى أَوَّلِ ثَلَاثَةِ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ شَهِيدٌ وَعَقِيفٌ مُتَعَقِّفٌ وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ وَنَصَحَ لِمَوْلَاهُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ پہلے تین شخص پیش کئے گئے جو شروع ہی میں جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ایک شخص تو شہید ہے دوسرا وہ شخص ہے جو حرام سے بچے اور سوال نہ کرے (یعنی فسق و فجور سے بچنے والا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے والا) اور تیسرا شخص وہ غلام ہے جس نے اپنے اللہ کی بھی اچھی اطاعت و عبادت کی اور اپنے مالکوں کا بھی خیر خواہ رہا۔“ (ترمذی)

تشریح: پہلے تین شخص سے مراد یہ ہے کہ بالکل شروع میں جنت میں جو تین تین شخص داخل ہوں گے ان میں سے یہ تین شخص پہلے داخل ہوں گے لیکن انبیاء کے بعد کیونکہ انبیاء سب سے مقدم ہوں گے اور وہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے نیز تین تین شخص سے تین تین جماعتیں مراد ہیں۔

افضل مجاہد اور افضل شہید

(۴۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبَيْشٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ طُلُوعُ الْقِيَامِ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيلَ فَأَيُّ الْهَجْرَةِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ قِيلَ فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِينَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قِيلَ فَأَيُّ الْقَتْلِ أَشْرَفُ قَالَ مَنْ أَهْرَيْقَ دَمَهُ وَغَقَرَ جَوَادُهُ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُولَ فِيهِ وَحُجَّةٌ مَبْرُورَةٌ قِيلَ فَأَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُلُوعُ الْقَنُوتِ ثُمَّ اتَّفَقَا عَلَى الْبَاقِي۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن حبشیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اعمال (ارکان) میں سے کون سا عمل (رکن) افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا طویل قیام کرنا پوچھا گیا کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا فطرس و محتاج اپنے فقر و افلاس کے باوجود محنت و مشقت کر کے نکالے پوچھا گیا کون سی ہجرت بہتر ہے فرمایا اس شخص کی ہجرت جو اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے یعنی اگرچہ ہجرت کے معنی دار کفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا ہیں لیکن حرام چیزوں کو چھوڑ کر حلال چیزوں کو اختیار کرنا بھی ہجرت ہی کہلاتا ہے بلکہ یہی ہجرت بہتر ہے پوچھا گیا کون سا جہاد بہتر ہے فرمایا اس شخص کا جہاد جو اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرے پوچھا گیا جہاد میں

کون سا مارا جانا بہتر ہے یعنی کون سا شہید افضل ہے فرمایا اس شخص کا مارا جانا جس کا خون بہایا جائے اور جس کے گھوڑے کی کوئی نہیں کائی جائیں یعنی وہ شہید افضل ہے جو خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ وہ جہاد جس میں حاصل شدہ مال غنیمت کے بارے میں کسی طرح کی خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مقبول پھر پوچھا گیا کہ نماز میں کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا قیام کو طویل کرنا اس کے بعد حدیث کے الفاظ ابو داؤد و نسائی نے یکساں نقل کئے ہیں۔“

تشریح: جو اپنے جان اور مال کے ذریعہ الح کا مطلب یہ ہے کہ وہی جہاد افضل ہے جس میں مجاہد نے اپنا مال و اسباب اور اپنا روپیہ پیسہ بھی اپنے اور دوسرے مجاہدین کی ضروریات جہاد میں صرف کیا ہو اور میدان جنگ میں اپنی جان کو بھی پیش کیا ہو یہاں تک کہ زخمی ہوا اور مارا گیا۔

افضل اعمال کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ احادیث میں افضل اعمال کے تعین و بیان کے سلسلے میں مختلف ارشاد منقول ہیں کہیں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے اور کہیں کسی عمل کو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے افضل عمل کے بارے میں کئے جانے والے سوالات کے جوابات سائل کی حیثیت اور اس کے احوال کے مناسب ارشاد فرمائے چنانچہ جس سائل میں تکبر و درشتی کے آثار دیکھے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تواضع و نرم خوئی ہے جیسے سلام کو ظاہر کرنا اور نرم گوئی اختیار کرنا۔ جس سے سائل میں بخل اور حسنت کے آثار پائے اس سے فرمایا کہ سب سے بہتر عمل سخاوت ہے جیسے محتاجوں اور فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ اسی طرح جس سائل میں عبادت کے معاملے میں سستی کے آثار پائے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تہجد کی نماز ہے غرضیکہ جس سائل کو جس حالت میں پایا اس کا جواب اسی کے مناسب حال دیا۔ اس اعتبار اعمال کی افضلیت کی مراد گویا درحقیقت سائل..... کے حق میں ہے کہ مثلاً جس سائل میں بخل و خست کی خصلتیں تھیں اس کے حق میں سب سے بہتر عمل سخاوت ہی تھا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جس موقع پر جس عمل کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عمل افضل اعمال میں سے ایک افضل عمل ہے۔

شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات

① وَعَنِ الْمَقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ حِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرَى مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَازَى مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَرْعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ أَلْيَا فَوْتَةً مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَيَرْوَجُ ثَنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ رُوحَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشْفَعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقْرَبَائِهِ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت مقدم ابن معدیکربؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ امتیازی انعامات ہیں۔ ① اس کو پہلی مرتبہ میں ہی (یعنی اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی) بخش دیا جاتا ہے ② اس کو جان نکلنے وقت ہی جنت میں اپنا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے ③ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے ④ وہ بڑی گھبراہٹ یعنی آگ کے عذاب سے مامون رہے گا ⑤ اس کے سر پر عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا یا قوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و گرانیہ ہو گا ⑥ اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی بہتر حوریں دی جائیں گی اور اس کے عزیز و اقرباء میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“

جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ بِغَيْرِ اثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللَّهَ وَفِيهِ ثُلْمَةٌ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہیں ہو گا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا دین ناقص ہو گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”اثر“ سے مراد ”علامت و نشان“ ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گا کہ نہ تو اس کے جسم پر جہاد کی کوئی علامت ہوگی جیسے زخم یا غبار راہ یا کسی اور جسمانی تکلیف کا کوئی نشان۔ اور نہ اس کے نامہ اعمال میں شرکت جہاد کا کوئی ثبوت ہو گا جیسے جہاد اور مجاہدین کی ضرورت میں اپنا مال خرچ کرنا یا مجاہدین کو سامان جہاد مہیا کرنا تو وہ گویا اس حالت پر مرے گا کہ اس کے دین میں رخنہ ہو گا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہو جس پر جہاد فرض ہوا اور وہ نہ صرف یہ کہ اس فرض کی ادائیگی سے عملی طور پر محروم رہا ہو بلکہ اس نے جہاد میں شریک ہونے اور مستعد رہنے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو۔

طبی کہتے ہیں کہ یہاں جس ”جہاد“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کفار کے مقابلہ میں لڑی جانے والی جنگ بھی مراد ہے اور اپنے نفس و شیطان سے لڑنا بھی مراد ہے جس کو مجاہدہ کہتے ہیں، چنانچہ اس کی تائید حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے۔

شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے

(۳۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ أَلَمَ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ أَلَمَ الْقُرْصَةِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید اپنے قتل کی بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے پر محسوس کرتا ہے ترمذی، نسائی، دارمی، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: طبی کہتے ہیں کہ یہ اس شہید کا حال بیان کیا گیا ہے جو خدا کی راہ میں اپنی جان دینے میں لذت و کیف محسوس کرتا ہے اور اس قربانی پر اس کا نفس خوش و مطمئن ہوتا ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ شہید کو موت کے بعد حق تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی وجہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی بہ نسبت اس کو اپنے قتل کی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی لہذا ادا نا مؤمن کو چاہئے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے سے نہ گھبرائے اور نہ ڈرے بلکہ ہنسی خوشی کے ساتھ شہادت کو گلے لگائے۔

جہاد میں مؤمن کا بننے والا قطرہ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے

(۳۹) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ اللَّهُ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَآثَرَيْنِ قَطْرَةٌ دَمُوعٌ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَقَطْرَةٌ دَمٌ يُهْرَاقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَمَّا الْآثَرَانِ فَآثَرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآثَرُ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ تَعَالَى - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک دو قطرؤں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے ایک تو خدا کے خوف سے بہا ہوا تسوؤں کا قطرہ ہے اور دوسرا قطرہ خون ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ اور دو نشانوں میں سے ایک نشان تو وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قائم ہوا ہو۔ اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں میں سے کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہوا ہو امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: اللہ کی راہ میں قائم ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مجاہد جہاد میں جانے اور راستہ میں اس کے قدم کے نشان پڑ جائیں یا اس کے جسم پر غبار راہ کا اثر قائم ہو جائے یا اس کے بدن پر کوئی زخم آجائے اور یا طلب علم دین کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصہ پر روشنائی کے داغ دھبے پڑ جائیں کہ علم دین کی راہ بھی خدا ہی کی راہ ہے اور اس راہ کا راہی بھی مجاہد ہی کی طرح ہے۔

کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جاڑے کے موسم میں وضو کی وجہ سے نمازی کے ہاتھ پیر پھٹ جائیں، نماز میں سجدوں کی وجہ سے پیشانی پر داغ پڑ جائے یا گرمی میں سجدہ کے وقت پتے ہوئے فرش سے نمازی کی پیشانی جل جائے اور اس کا کوئی دھبہ پڑ جائے، یا روزے میں روزے دار کے منہ سے بو آنے لگے اور یا سفر حج میں حاجی کے بدن پر راستے کی گرد و غبار کی تمیں جم جائیں۔

بلا ضرورت شرعی بحری سفر کی ممانعت

⑤۰ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا حَاجًا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَارِبًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم بار اودھ حج یا عمرہ اور یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانے کے علاوہ دریا میں سفر نہ کرو کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پانی میں سفر کرنا یک خطرناک مہم ہے اور عقلمند آدمی کو چاہئے کہ وہ اس خطرناک مہم کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاکت و خوف میں نہ ڈالے کیونکہ کسی شرعی ضرورت کی بناء پر کہ جو تقرب بارگاہ الہی کے حصول کا ذریعہ ہے کسی خطرناک و ہلاکت خیز مہم میں اپنے آپ کو ڈالنا ایک مستحسن فعل ہے لیکن بلا ضرورت شرعی ایسا کوئی بھی فعل عقل و دانش کے منافی ہے۔

اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک حج کے لئے سمندر و دریا ایک عذر شرعی ہے چنانچہ اس سلسلے میں سب سے بہتر اور قابل عمل بات مشہور فقیہ حضرت ابوالیث سمرقندی کی ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ جب دریائی سفر میں سلامتی کا پہلو غالب ہو تو حج پر جانا فرض ہوتا ہے اور اگر سلامتی کا پہلو غالب نہ ہو تو پھر حج کا ارادہ کرنے والا مختار ہے کہ اگر اس کو ہمت ساتھ نہ دے تو نہ جائے اور اگر وہ سلامتی کا فتن غالب نہ ہونے کے باوجود جانا چاہے تو چلا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس موقع پر اس آیت کریمہ:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔

”اور اپنے آپ کو اپنی ہاتھوں تباہی و ہلاکت میں مت ڈالو۔“

کے بارہ میں بھی یہ بتادینا ضروری ہے کہ یہ آیت اس صورت پر محمول ہے جب کہ اس جگہ کوئی شرعی غرض اور دینی کام نہ ہو چنانچہ اسی لئے بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں تباہی و ہلاکت کی کچھ صورتیں بیان کی ہیں کہ جیسے اپنے مال کا اسراف کرنا یا اپنی معاش کے ذریعہ مثلاً نوکری یا تجارت وغیرہ کو اپنے ہاتھوں ضائع و ختم کر دینا اور جہاد میں شرکت کرنے یا اپنا مال خرچ کرنے سے باز رہنا دراصل دشمن کو قوت پہنچانا اور ان کو اپنی ہلاکت کے لئے اپنے اوپر مسلط کر لینا ہے۔

”دریا کے نیچے آگ ہے“ اس جملہ کا مقصد لوگوں کو سمندر و دریا سے ڈرانا اور اس بات کو اہمیت کے ساتھ بیان کرنا ہے کہ سمندر و دریا کے سفر میں بڑا خطرہ ہے کیونکہ سمندر و دریا میں سفر کرنے والا مختلف قسم کے آفات سے دوچار رہتا ہے اور خصوصاً پہلے زمانے میں تو پانی کا سفر اپنے دامن میں بہت ہی خطرے رکھتا تھا اور مسافرن کو یکے بعد دیگرے ایسی مختلف خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا تھا جس کی وجہ سے ہر لمحے موت و ہلاکت بالکل سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کو اس کے اصل معنی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پانے کا

⑤۱ وَعَنْ أُمِّ حَزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَانِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِي يُصْبِيهِ الْقَيْءُ لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ وَالْغَرِيقُ

”لَا أُخْرُ شَهِيدِينَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور اُم حرام“ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دریا و سمندر کے سفر میں جس شخص کا سر گھومنے لگے اور اس کی وجہ سے اس کو قتل ہو تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص سفر کے دوران دریا میں ڈوب جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔“

(ابوداؤد)

تشریح: ان دونوں کو شہید کا ثواب اس صورت میں ملے گا جب کہ وہ جہاد کے لئے یا طلب علم اور حج جیسے مقاصد کے لئے کشتی وغیرہ کے ذریعہ دریا و سمندر میں سفر کر رہا ہو نیز اگر اس کے سفر کا مقصد تجارت ہو اور اس تجارت کی غرض محض اپنے جسم کو زندہ و طاقت ور رکھنا اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہو اور وہ تجارت اس دریائی سفر کے بغیر ممکن الحصول نہ ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے

۵۳) وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَضَّلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ وَقَصَّ فَرْسُهُ أَوْ بَعِثَتْهُ أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَةٌ أَوْ مَاتَ عَلَى فَرَسِهِ بَأْسَ حَتَفٍ شَاءَ اللَّهُ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابومالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی جہاد جیسے مقاصد میں گھر سے نکلا اور زخمی ہو جانے کی وجہ سے مر گیا یا اس کو جان سے مار ڈالا گیا یا اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اس کو کچل ڈالا یا کسی زہر پلے جانور جیسے سانپ وغیرہ نے اس کو ڈس لیا اور یا کسی بیماری کی وجہ سے یا اچانک یوں ہی اللہ کی مرضی سے اپنے بستر پر مارا گیا تو وہ ہر صورت میں شہید ہے یعنی یا تو وہ حقیقی شہید ہے یا شہید کے حکم میں ہے اور اس کے لئے جنت ہے یعنی وہ ابتداء ہی میں شہداء و صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔“ (ابوداؤد)

مجاہد اپنے گھر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے

۵۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفَلْتُ كَعَفْرَةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد سے لوٹ کر آنا بھی جہاد کے مانند ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجاہد اور غازی جب جہاد سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹ آتا ہے تو اس کے لوٹنے میں بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا جہاد کرنے میں کیونکہ مجاہد و غازی تو ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرنے کی نیت رکھتا ہے چنانچہ جب وہ کسی جہاد سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ کچھ دن راحت لے کر پھر جہاد کرنے کی طاقت و قوت پیدا کروں اور جوں ہی اللہ کی راہ کا بلاوا آجائے فوراً میدان جنگ میں پہنچ کر نئے حوصلوں اور نئی انگلیوں کے ساتھ دشمنان دین کے ساتھ نبرد آزما کی کروں۔

جامل کو جہاد کا دواہرا ثواب ملتا ہے

۵۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِيِ أَجْرُهُ وَلِلْجَاعِلِ أَجْرُهُ وَآخِرُ

الْغَازِيِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد کرنے والے کو اس کا اپنا اجر ملتا ہے یعنی مجاہد کے لئے جہاد کا جو

مخصوص اجر ہے وہ اس کو پورا ملتا ہے اور جاعل یعنی مال دینے والے کس کا اپنا اجر بھی ملتا ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جاعل“ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو کسی غازی کو مال دے اور اس کی مدد کرے تاکہ وہ جہاد کرے لہذا حدیث کا مطلب ہے کہ جاعل کو دوسرا ثواب ملتا ہے ایک ثواب تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا اور دوسرا ثواب اس بات کا ملتا ہے کہ وہ اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بنا ہے اس اعتبار سے جعل سے مراد ہے غازی کی مالی مدد کرنا اور اس کے لئے جہاد کا سامان و ضرورت مہیا کرنا چنانچہ اس عمل یعنی جعل کے جائز ہونے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں۔

لیکن ابن ملک کہتے ہیں کہ جاعل سے مراد ہے وہ شخص جو کسی غازی کو اجرت دے کر جہاد کرائے حنفی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اس صورت میں

جدوجہد اور مشقت کا ثواب ملے گا اور جاعل یعنی اجرت دینے والے کو دوسرا ثواب ملے گا ایک ثواب تو مال دینے کا اور دوسرا ثواب اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بننے کا مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک میں یہ یعنی کسی شخص کا اجرت دے کر جہاد کرانا منع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی غازی نے کسی شخص سے اسی طرح کی اجرت لے لی ہے تو اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔

بلا اجرت جہاد نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۵) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمْ الْأَمْصَارُ وَتَسْتَكُونُ جُنُودًا مُجَنَّدَةً يَنْقَطِعُ عَلَيْكُمْ فِيهَا بُعُوثٌ فَيَكْبَرُ الزَّجْلُ الْبُعْثُ فَيَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِهِ ثُمَّ يَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ يَغْرِضُ نَفْسَهُ عَلَيْهِمْ مَنْ أَكْفَيْهِ بُعْثٌ كَذَا لَا وَذَلِكَ الْأَجِيرُ إِلَى آخِرِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابویوبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تمہارے لئے بڑے بڑے شہر فتح ہوں گے اور لشکر کے جدا جدا کئی جھنڈے ہوں گے جن میں تمہارے لئے فوجیں معین کی جائیں گی تو جو شخص امام یعنی سربراہ مملکت کی طرف سے اپنے آپ کو بلا معاوضہ فوج کے ہمراہ جہاد میں بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا تو وہ اپنی قوم سے نکل بھاگے گا تاکہ جہاد میں جانے سے بچ جائے اور پھر دوسرے قبیلوں کو تلاش کرتا پھرے گا اور ان کے سامنے اپنی خدمات پیش کرے گا اور کہے گا کہ کون شخص ہے جس کو میں ایسے لشکر سے کفایت کروں یعنی وہ کون ہے جو میری خدمات کو اجرت پر حاصل کرے اور مجھے نوکر رکھے تاکہ میں اس کی طرف سے لشکر میں جا کر لڑائی کی محنت و مشقت اپنے ذمہ لوں حاصل یہ کہ وہ شخص بغیر اجرت کے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جہاد میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسے شخص کی مذمت فرماتے ہیں کہ خبردار وہ شخص اپنے آخری قطرہ خون تک مزدور ہی رہے گا یعنی ایسے شخص کو غازی یا مجاہد مت سمجھنا بلکہ وہ کرایہ کا ٹو ہوگا جو دوسروں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑے گا یہاں تک کہ مارا بھی جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جن میں تمہارے لئے فوجیں معین کی جائیں گی“ کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ اس بات کو ضروری قرار دیں گے کہ اپنے ملک کی ہر قوم اور ہر جماعت کے لوگوں کی فوجیں بنا کر انہیں جہاد کے لئے بھیجیں۔

اور مظہرؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب اسلام کی آواز دنیا کی ہر سمت میں پہنچ جائے گی تو امام وقت یعنی اسلامی مملکت کا سربراہ اس بات کی ضرورت سمجھے گا کہ وہ اسلامی فوج کے لشکر تیار کر کر ہر سمت کو بھیجے تاکہ وہ لشکر ان کفار کا قلع قمع کرے جو اسی سمت میں موجود مسلمانوں کے قریب ہوں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ریشہ دو انیاں کر رہے ہوں۔

اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ

(۵۶) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ أَدْنَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ لَيْسَ لِي خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ

اجِزًا يَكْفِيْنِي فَوَحَّدْتُ رَجُلًا سَمَّيْتُ لَهُ ثَلَاثَةَ دَنَانِيرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ أَرَدْتُ أَنْ أُجْرِيَ لَهُ سَهْمَهُ فَجَنَّتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ مَا أَجَدُّ لَهُ فِي عَزْوَتِهِ هَذِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا دَنَانِيرُهُ النَّبِيُّ تَسْمَى -

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت یحییٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر جانے کے لئے آگاہ کیا تو چونکہ میں بڑا بوز تھا اور میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا اس لئے میں نے کوئی ایسا مزدور تلاش کیا جو دوران جہاد میری دیکھ بھال کر سکے چنانچہ مجھ کو ایک شخص مل گیا جس کی اجرت تین دینار میں نے مقرر کر دی پھر (جہاد کے فراغت کے بعد) جب مال غنیمت آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس مال غنیمت میں سے اس شخص کا بھی حصہ لگاؤں اور اس بارے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے صورت حال بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا مجھے شریعت کے حکم میں اس شخص کے لئے اس جہاد کے تعلق سے دنیا و آخرت میں علاوہ اس دینار کے جو تعین کئے گئے ہیں اور کوئی چیز نہیں ملتی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ اس شخص کے لئے نہ تو مال غنیمت میں سے کوئی حصہ ہے اور نہ اس کو جہاد کا کوئی ثواب ملے گا۔ علماء لکھتے ہیں یہ حکم اس اجیر کے حق میں ہے جس کو کسی مجاہد و غازی نے جہاد کے دوران اپنی خدمت و دیکھ بھال کے لئے رکھا ہو یا جس اجیر کو جہاد کرنے کے لئے رکھا گیا ہو اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا اگرچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ جہاد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء کے اس شخص کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں جس کو کام کاج کے لئے یا جانوروں کی حفاظت و دیکھ بھال کے لئے بطور اجیر رکھا گیا ہو اور پھر وہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے بھیجا گیا ہو کہ آیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے حصہ نہیں ہے خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے بلکہ وہ صرف اپنی خدمات کی مقررہ اجرت کا ہی حقدار ہو گا۔ یہ قول اوزاعیؒ و احنافؒ کا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول بھی یہی ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو حصہ دیا جائے گا اگرچہ اس نے قتال نہ کیا ہو مگر قتال کے وقت مجاہدین کے ساتھ رہا ہو۔

کسی دنیاوی غرض سے جہاد کرنے والا ثواب سے محروم رہتا ہے

⑤۷ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ يُرِيدُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُوَ يَتَّبِعُ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَجْرَ لَهُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ وہ اس جہاد کے ذریعہ دنیا کے مال و اسباب کا خواہشمند ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس کے نصیب میں ثواب نہیں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس شخص کے ثواب سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اس عمل کا ثواب ملتا ہے جو اس نے اخلاص نیت کے ساتھ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کیا ہو اور چونکہ اس شخص نے جہاد میں اس غرض سے شرکت کا ارادہ کیا کہ اس کے ذریعہ مال غنیمت حاصل کرے اور اس اعتبار سے اس کا مقصود اصلی گویا رضا الہی نہیں بلکہ مال و متاع تھا اس لئے وہ ثواب سے محروم رہے گا ہاں اگر کوئی شخص جہاد میں شریک ہو تو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو لیکن مال غنیمت کا حصول بھی اس کا مقصود ہو تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ اس کو بھی اس شخص سے کم ثواب ملے گا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جہاد میں شریک ہوا اور مال غنیمت کا حصول اس کا مقصود نہ ہو۔

حقیقی جہاد کس کا ہے

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَأَمَّا مَنْ ابْتَغَى وَجْهَ اللَّهِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ وَانْفَقَ الْكَرِيمَةَ وَيَأْسَرَ الشَّرِيكَ وَاجْتَنَبَ الْفُسَادَ فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنَبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ وَأَمَّا مَنْ غَزَا فُحْزًا وَرِيَاءً وَسَمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَمْ يَزِجْ بِالْكَفَافِ - (رواہ مالک والبوداؤد والنسائی)

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد دو طرح کا ہوتا ہے چنانچہ جس شخص نے مولیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے جہاد میں شرکت کی امام یعنی سربراہ مملکت اور قانون حکومت اسلامی کی اطاعت کی اپنے پاک مال اور اپنی پاک جان کو خدا کی راہ صرف کیا اور اپنے شریک کار سے اچھا معاملہ رکھا اور فتنہ فساد کرنے سے بچتا رہا یعنی لوٹ مار کرنے ویرانی پھیلانے اور خیانت کرنے کے ذریعہ حدود شریعت سے تجاوز نہیں کیا تو اس کا سونا اور اس کا جاگنا سہ - کچھ اجر و ثواب کا موجب ہے اور جس شخص نے بطریق فخر یعنی ناموری اور دکھانے سنانے کے لئے جہاد کیا امام کی نافرمانی کی اور روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلایا تو وہ کوئی بدلہ لے کر واپس نہیں آئے گا یعنی اس طرح کے جہاد سے نہ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور نہ اس کو کوئی ثواب ملے گا۔“ (مالک، ابوداؤد، نسائی)

ناموری کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بَنِ عَمْرٍو إِنَّ قَاتِلَتِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللَّهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَإِنْ قَاتِلَتِ مُرَائِيًا مُكَاثِّرًا بَعَثَكَ اللَّهُ مُرَائِيًا مُكَاثِّرًا يَا عَبْدَ اللَّهِ بَنِ عَمْرٍو عَلَى آتِي حَالٍ قَاتِلَتِ أَوْ قُتِلَتِ بَعَثَكَ اللَّهُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے کہ کس طرح کا جہاد موجب ثواب ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عبداللہ ابن عمرو! اگر تم اس حال میں لڑو کہ صبر کرنے والے اور ثواب چاہنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت کے دن) صبر کرنے والا ہی اٹھائے گا یعنی تم جس طرح ان صفات کے ساتھ جہاد کرو گے اور ان صفات پر مرو گے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ان صفات کے ساتھ اٹھائے گا اور تمہیں ان کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے كَمَا تَعِيشُونَ تَمُوتُونَ وَكَمَا تَمُوتُونَ تَحْشَرُونَ یعنی تم جس حالت پر جیتے ہو اسی حالت پر مرو گے اور جس حالت پر مرو گے اسی حالت پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم نمائش کی نیت سے اور اپنا زور جتانے کے لئے لڑو گے یعنی اگر تم لوگوں میں یہ فخر کرنے کے لئے لڑو گے کہ میں مال اور طاقت اور لشکر کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہوں اور جہاد کے حکم کی اتباع تم سے زیادہ کرنے والا ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن نمائش کرنے والا اور زور جتانے والا اٹھائے گا یعنی میدانِ حشر میں تمہارے بارے میں اعلان کیا جائے گا کہ یہ شخص کون ہے جو نمائش کی نیت سے اور فخر کرنے اور زیادہ مال و منال حاصل کرنے کے لئے لڑا تھا۔ اے عبداللہ ابن عمرو! یاد رکھو! تم جس حال میں لڑو گے یا جس حال میں مارے جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔“ (ابوداؤد)

امیر کو معزول کر دینا چاہئے

(۶۰) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعْجَزْتُمْ إِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمُضْ لِأَمْرِي أَنْ تَجْعَلُوا مَكَانَهُ مَنْ يَمُضِي لِأَمْرِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عقبہؓ ابن مالک نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب میں کسی شخص کو تمہارا امیر و حاکم بنا کر بھیجوں اور وہ میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے یعنی وہ میرے کسی حکم یا میری کسی ممانعت کی مخالفت کرے تو تم اس کو

معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دو جو میرے مفوضہ کام کو انجام دے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو کسی کام کے لئے مثلاً حاکم دوالی بنا کر کہیں بھیجوں اور وہ وہاں نہ جائے یا وہاں جا کر میرے حکم کی تعمیل نہ کرے اور میری بتائی ہوئی راہ سے ہٹ کر اپنے بنائے ہوئے راستے پر چلنے لگے تو تم اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو میرے حکم کے مطابق اپنا حاکم چن لو۔ اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امیر و حاکم رعیت پر ظلم کرنے لگے اور عوام کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امیر کو معزول کر کے اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو امیر و حاکم چن لیں۔

وَذِكْرُ حَدِيثٍ فَضَالَةٍ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِ الْإِيمَانِ

اور حضرت فضالہ کی روایت والجہاد من جہاد نفسہ کتاب الایمان میں نقل کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں

⑥۱ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيهِ شَيْئٌ مِنْ مَاءٍ وَبَقِلٌ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِأَنْ يَقِيمَ فِيهِ وَيَتَخَلَّى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَعْدُوَّةٌ أَوْ زَوْجَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلِمَقَامٍ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهِ سِتِينَ سَنَةً۔ (رواہ احمد)

”حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے تو دوران سفر جب ہم میں سے ایک شخص ایک ایسے غار (وادی) کے درمیان سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزہ تھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنی غار میں رہ جائے اور دنیا سے کنارہ کشی کر لے۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی آپ ﷺ نے فرمایا یا دیکھو! نہ تو میں دین یہودیت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں اور نہ دین عیسائیت دے کر کہ میں تم لوگوں کو رہبانیت کی تعلیم دوں، بیجا مشقت و تکلیف میں مبتلا کروں اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور لذات دنیا سے مطلقاً کنارہ کشی کی اجازت دوں بلکہ میں تو دین حنفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو ایک آسان دین ہے جس میں نہ تو انسانیت عامہ کے لئے بیجا تکلیف و حرج ہے اور نہ زائد از ضرورت مشقت و محنت ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے دن کے صرف ابتدا کی یا آخری حصے میں یعنی صبح و شام کو خدا کی راہ جہاد میں چلے جانا دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا میدان جنگ کی جماعت نماز کی صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی تنہا پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔“ (احمد)

جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ

⑥۲ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَمْ يَنْوَ الْعَقْلَ فَلَهُ مَا نَوَى۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے ایک رسی (کے بھی حصول) کی نیت کے ساتھ اللہ

کی راہ میں جہاد کیا تو اس کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے۔“ (نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد میں دنیا کی کوئی حقیر ترین چیز بھی مد نظر ہو تو یہ اخلاص کے منافی ہے گویا اس ارشاد گرامی کا مقصد اس بات کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے اور یہ ترغیب دینا ہے کہ جہاد میں مالی غنیمت کے حصول سے کلیۃً قطع نظر کیا جائے اور نیت میں اس درجہ اخلاص پیدا کیا جائے کہ اس میں دنیا کی کسی بھی غرض کی ہلکی سی بھی آمیزش نہ ہو لیکن یہ واضح رہے کہ جہاد میں اخلاص نیت کا یہ آخری درجہ ہے۔

چنانچہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ جہاد میں رضائے الہی اور سر بلندی دین کے ساتھ مال غنیمت کے حصول کا مقصد بھی شامل ہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر اس نیت میں نمائش کا جذبہ شامل ہو تو اس کی وجہ سے بھی جہاد کا ثواب کلیۃً باطل نہیں ہوگا۔

جہاد جنت میں ترقی درجات کا باعث ہے

(۶۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا بِالإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعِدَّهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَأُخْرَى يَرْفَعُ اللَّهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا يَبْنِي كُلَّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین برحق ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو یعنی دل سے ان سب کو مانا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی ابو سعیدؓ نے یہ ارشاد سنا تو ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!! ان کلمات کو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے ارشاد فرمائیے: آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے پھر یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ اور پھر فرمایا کہ ایک چیز اور ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کو سوار ہے کی بلندی پر پہنچاتا ہے اور ان میں کے ہر درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔“ (مسلم)

جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں

(۶۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلِّ الشُّيُوفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثَّ الْهَيْئَةَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَفَرَأَيْتُمْ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَّرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعُدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں (یہ سن کر) ایک خستہ حال شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ابو موسیٰ! کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے تمہارا یہ سننا جرم و تقصیر کے طور پر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ سنتے ہی وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہا کہ میں تمہیں (آخری) سلام کرتا ہوں اور پھر اسے اپنی تلوار کا نایام توڑ کر پھینک دیا (یعنی اس کے ذریعہ اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا) یعنی اپنی تلوار لے کر دشمنوں کی طرف روانہ ہو اور ان سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“ (مسلم)

تشریح: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد و غازی کا میدان جنگ میں اس طرح ہونا

کہ کفار کی تلواریں اس کے اوپر اٹھی ہوئی ہوں اسی کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ حالت گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ جنت کے دروازے اس مجاہد و غازی کے ساتھ ہیں کہ ادھر اس نے کفار کی تلواروں کے ذریعہ جام شہادت نوش کیا اور ادھر جنت میں داخل ہوا۔

شہداء احد کے بارے میں بشارت

(۶۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا أَصْحَابِهِ إِنَّهُ لَمَّا أُصِيبَ اخْوَانُكُمْ يَوْمَ أُحُدٍ جَعَلَ اللَّهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي حَوْفٍ طَيْرٍ خُضِرَ تَرْدَانُهُمَا الْجَنَّةَ تَأْكُلُ مِنْ ثَمَرِهَا وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلٍ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوا طَيْبَ مَا كُلُّهُمْ وَمَشَرُ بِهِمْ وَمَقِيلُهُمْ قَالُوا مَنْ يَبْلُغُ اخْوَانَنَا عَنَّا إِنَّا أَحْيَاءُ فِي الْجَنَّةِ لِنَلَا بِرُحْدُوَا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكَلُوا عِنْدَ الْحَزْبِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَبْلَغُهُمْ عَنْكُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا جب تمہارے بھائی عزوہ احد میں شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں جنت منتقل کر دیا، چنانچہ وہ روحیں (ان پرندوں کے قالب) جنت کی نہروں پر آتی ہیں وہاں کے میوے کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قدیلوں میں جا کر سیرا کرتی ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ تو جب ان روحوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنے سیرے کی لطف اندوزی کو پایا تو کہنے لگیں کہ کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور حق تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمتوں سے لطف اندوز ہیں تاکہ وہ جنت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی و کوتاہی نہ کریں بلکہ جنت کے ان درجات کو حاصل کرنے میں راجب ہوں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری طرف سے میں ان کو پیغام پہنچاؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ آخر آیت تک۔

تشریح: پوری آیت یوں ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۷۹﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (ال عمران ۳: ۱۷۹) (ترجمہ) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے جو خدا نے اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور شہید ہو کر ان میں شامل نہیں ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منارہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

مؤمنین کی اعلیٰ جماعت

(۶۶) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُونَ فِي الدُّنْيَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَجْرَاءِ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَتَأْتُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِي يَأْتِيهِ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الْبَدَى إِذَا أَشْرَفَ عَلَى طَمَعٍ تَرَكَهُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دنیا میں تین طرح کے مؤمن ہیں ایک تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوئے نیز انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یعنی مؤمنین کی یہ وہ جماعت ہے جس نے اپنے ایمان کو کامل اور اپنے نفس کو مہذب پاکیزہ بنایا اور اس کے ساتھ ہی مخلوق خدا کی فلاح

و یہودی اور ان کی پاکیزگی کے لئے بھی جدوجہد کی اور یہی وہ جماعت ہے جو مرتبہ کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و اشرف ہے دوسرا مؤمن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے مال اور ان کی جان محفوظ ہیں یعنی اگرچہ اس نے مخلوق خدا کی فلاح و بہبودی کے لئے جدوجہد نہیں کی لیکن اس کے ذریعہ لوگوں کو کسی طرح کا نقصان و ضرر بھی نہیں پہنچایا نیز نہ تو اس نے اختلاط رکھا اور نہ طمع و حرص میں مبتلا ہوا اور پھر تیسرا مؤمن وہ شخص ہے کہ جب اس کے دل میں طمع پیدا ہو جائے تو اللہ کے خوف سے اس طمع کو چھوڑے۔“ (احمد)

تشریح: مؤمنین کی اس آخری جماعت کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی طمع و حرص پیدا ہوتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس طمع و حرص کو چھوڑ دیتا ہے گویا یہ وہ جماعت ہے جس نے اگرچہ دنیا داروں کے ساتھ اختلاط رکھا اور اس اختلاط کی وجہ سے اس کے دل میں طمع و حرص پیدا ہوئی لیکن عین وقت پر خدا نے اس کو طمع و حرص پر عمل کرنے سے بچالیا یہ جماعت مرتبہ کے اعتبار سے پہلی دونوں جماعتوں سے ادنیٰ ہے پھر اس تیسری جماعت کے بعد مؤمنین کی اور بھی قسمیں ہیں۔ لیکن وہ سب مرتبہ کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

شہید کی تمنا

(۶۷) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمِيرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ يَفْقِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ أَنْ تَرْجَعَ إِلَيْكُمْ وَأَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا غَيْرَ الشَّهِيدِ قَالَ ابْنُ أَبِي عَمِيرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أَقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي أَهْلٌ الْوَبَرُ وَالْمَذَرُ۔ (رواه النسائي)

”اور حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید کے علاوہ اور ایسا کوئی مسلمان شخص نہیں ہے جو اپنے پروہگار کی طرف سے اپنی روح قبض کئے جانے کے بعد اس بات کو بپھڑ کرے کہ وہ لوٹ کر تمہارے پاس آئے اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو حاصل کرے (یعنی شہید حق تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد جب شہادت کے عظیم مرتبہ کی سعادتوں اور عظمتوں کو دیکھتا ہے تو پروردگار سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ وہ لوٹ کر دوبارہ دنیا میں آئے اور اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے) حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! میرا خدا کی راہ میں مارا جانا میرے نزدیک اس چیز سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ خیمے والے اور حویلیوں والے میرے مملوک و محکوم ہوں۔“ (نسائی)

تشریح: ”خیمے والے“ سے جنگل میں اقامت پذیر لوگ مراد ہیں کیونکہ وہ خیموں میں رہا کرتے ہیں اور ”حویلی والے“ سے شہر و گاؤں یعنی آبادی میں رہنے والے لوگ مراد ہیں ان دونوں کے مجموعے سے پوری دنیا اور دنیا بھر کے لوگ مراد ہیں؟ اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجھے پوری دنیا کا امیر و حاکم بنا دیا جائے اور پھر دنیا بھر کے لوگ میری محکوم و رعیت میں آجائیں تو میں اس کے مقابلہ پر اس چیز کو زیادہ پسند کروں گا کہ مجھے جہاد میں جانے کا موقع مل جائے اور میں خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں۔

ہر مؤمن پر شہید کا اطلاق

(۶۸) وَعَنْ حَسَنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنَا عَمِي قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِي الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ وَالشَّهِيدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوَتِينُ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت حسانہ بنت معاویہ (ابن سلیم) کہتی ہیں کہ مجھ سے میرے چچا حضرت اسلم ابن سلیم نے بیان کیا (کہ ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت میں کون کون لوگ ہوں گے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں نبی ہوں گے شہید ہوں گے، جنت میں بچے ہوں گے اور جنت میں وہ ہوں گے جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”یہاں شہید“ سے مراد صرف وہ شخص نہیں ہے جو خدا کی راہ میں مارا گیا ہو بلکہ ”مؤمن“ مراد ہے کہ خواہ وہ حقیقتہً شہید ہو یا حکماً شہید ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں ایمان لانے والوں پر شہید کا اطلاق کیا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔“

”اور جنت میں بچے ہوں گے“ یعنی بچہ خواہ مؤمن کا ہو یا کافر کا جنت میں داخل کیا جائے گا اسی طرح وہ کچا بچہ بھی جنت ہی میں داخل کیا جائے گا جو اسقاط حمل کی صورت میں ختم ہو گیا ہے۔

”جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے“ یعنی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی زندہ لڑکیوں کو زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگ معاشی تنگیوں اور دوسری پریشانیوں کے وقت اپنے زندہ لڑکوں کو بھی گاڑ دیتے تھے تو ایسے لڑکے اور لڑکیاں بھی جنت میں داخل کی جائیں گی۔

حدیث میں بطور خاص صرف چار طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے تو شاید اول الذکر دونوں کی تخصیص ان کے فضل و شرف کے اعتبار سے ہے اور آخر الذکر دونوں کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ یہ کسی کسب و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہو گئے۔

جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت

۶۹) وَعَنْ عَلِيٍّ وَآبِي الدَّرْدَاءِ وَآبِي هُرَيْرَةَ وَأَمَامَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَعُمَرَ بْنَ حُصَيْنٍ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَرْسَلَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَقَامَ فِي بَيْتِهِ فَلَهُ بِكُلِّ دَرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ دَرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَانْفَقَ فِي وَجْهِهِ ذَلِكَ فَلَهُ بِكُلِّ دَرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ دَرْهَمٍ ثُمَّ تَلَاهُ هَذِهِ الْآيَةَ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علیؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت امامہؓ، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ، حضرت جابر ابن عبد اللہ اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ سب رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ یعنی جہاد میں روپیہ پیسہ اور سامان و اسباب بھیجا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا یعنی جہاد میں خود شریک نہیں ہوا بلکہ روپے پیسے اور سامان سے جہاد میں مدد کی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے بنفس خود جہاد بھی کیا اور جہاد میں روپیہ پیسہ اور مال بھی خرچ کیا یعنی لڑائی میں خود شریک بھی ہوا اور مالی مدد بھی پہنچائی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی مشقت و دکھ میں مبتلا کیا اور اپنا مال بھی خرچ کیا پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے اس کے ثواب میں اور اضافہ کرتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آیت تلاوت فرما کر گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کیا کہ یہاں ثواب کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ کوئی آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو اس مقدار سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

شہداء کی قسمیں

۷۰) وَعَنْ فَصَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشَّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَدَّ الْإِيمَانَ لَقِيَ الْعَدُوَّ وَفَصَّدَقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسَ إِلَيْهِ أَغْنِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى سَقَطَتْ قَلَنْسُوْتُهُ فَمَا أَذَرْنِي أَقْلَنْسُوْتُهُ عُمَرُ أَرَادَ مَا قَلَنْسُوْتُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَدَّ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكٍ طَلَحَ مِنَ الْجَنِينِ آتَاهُ سَهْمٌ غَرِبَ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن خطابؓ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص جو کامل الایمان مسلمان تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈ بھڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اس طرح سراٹھا اٹھا کر دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سراٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر پڑی حدیث کے وہ راوی جنہوں نے اس روایت کو حضرت فضالہؓ سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت فضالہؓ کی مراد کس کی ٹوپی تھی یعنی انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرح سراٹھا کر دکھلایا تو ان کی ٹوپی گری تھی یا انہوں نے روایت حدیث کے وقت یہ بتلایا نبی کریم ﷺ کی ٹوپی گری تھی بہر کیف حاصل یہ کہ قیامت کے دن یہ شخص اتنا عالی مرتبہ ہو گا کہ لوگ اس کی طرف اچک اچک کر دیکھیں گے پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور دوسرا وہ شخص جو جید الایمان مؤمن تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈ بھڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اس کے بدن میں خار دار درخت کے کانٹے ہوں (یعنی یہ اس شخص کے خوف کی وجہ سے تھر تھرا کانٹے اور درشت سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی کیفیت کو کنایہ بیان کیا گیا ہے) اور پھر ایک تیرا کر اس کو لگا جس کو چلانے والا نامعلوم تھا اور اس نے اس کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تو یہ شخص پہلے شخص کی بہ نسبت دوسرے درجہ کا ہے اور تیسرا شخص وہ مؤمن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال کئے تھے اور جب دشمن سے اس کی مڈ بھڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے اور چوتھا شخص وہ مسلمان ہے جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا تھا (یعنی جس نے بہت زیادہ گناہ کئے تھے) اور جب دشمن سے اس کی مڈ بھڑ ہوئی تو اس نے اللہ کو سچ کر کے دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص چوتھے درجہ کا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا کہ بارے میں واضح ہو کہ اگر لفظ صدق میں دال پر تشدید نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اس چیز کو سچا کیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوئی تھی یعنی خدا کی راہ میں ثابت قدم رہنا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا اور اگر دال پر تشدید ہو تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اپنے عمل اور اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راست گو ثابت کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی بایں طور کہ اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور اس راہ کی تمام مشقتوں، تکلیفوں اور مصائب کو برداشت کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کا امیدوار ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جو مجاہدین اسلام کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت و تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اپنے پروہگار کی طرف سے اجر و ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں تو جب وہ شخص لڑا اور طلب ثواب کی خاطر صبر و استقامت کی راہ اختیار کی تو گویا اس نے اپنے اس عمل کے ذریعہ حق تعالیٰ کی بات کی تصدیق کی۔

حدیث میں شہداء کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان نے خدا کی راہ میں شہادت پائی ہے وہ یا متقی و پرہیزگار بھی تھا اور شجاع و بہادر بھی اور یہ پہلی قسم ہے یا وہ متقی و پرہیزگار تو تھا لیکن شجاع و بہادر نہیں تھا یہ دوسری قسم ہے اور یا وہ شجاع و بہادر تو تھا مگر متقی و پرہیزگار نہیں تھا پھر اس کی بھی دو قسمیں ہوں گی ایک یہ کہ یا تو وہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیزگار تھا کہ اس کے اعمال محفوظ تھے۔ لیکن زندگی میں اس سے نیک عمل بھی صادر ہوئے تھے اور برے عمل بھی سرزد ہوئے تھے لیکن اس کے برے اعمال اتنے زیادہ

نہیں تھے کہ اس کو فاسق و مسرف کہا گیا ہو۔ اور یہ حدیث میں بیان کی گئی تیسری قسم ہے اور زیادہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیزگار تھا کہ اس کی بد عملیاں اس کی زندگی میں غالب رہی تھیں یعنی اس نے اتنے زیادہ برے اعمال کئے تھے کہ فاسق و مسرف مانا گیا تھا اور یہ چوتھی قسم ہے لہذا دوسری قسم کے علاوہ اور ساری قسموں میں اللہ کی راہ کی تصدیق حاصل ہوتی ہے نیز اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی تصدیق کرنے سے ”صبر اور طلب ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد ہے“ کیونکہ وہ دوسری قسم میں بھی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس دوسری قسم کے شہید کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا۔“

منافق اگر جہاد میں شہید بھی ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا

④۱ وَعَنْ عُثْبَةَ بْنِ عَبْدِ السَّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلَى ثَلَاثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ فَذَا لَكَ الشَّهِيدُ الْمُمْتَحَنُ فِي خِيَمَةِ اللَّهِ نَحْتُ عَرْشِهِ لَا يُفْضَلُ النَّبِيُّ إِلَّا بِدَرَجَةِ التَّوْبَةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ مُمَصِّصَةٌ مَحَتْ ذَنْبُوهُ وَخَطَايَاهُ إِنَّ السَّيْفَ مَحَاٌ لِلْخَطَايَا وَأَدْخَلَ مِنْ أَيْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَمُتَافِقٌ جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يُقْتَلَ فَذَاكَ فِي النَّارِ إِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُو التَّفَاقُ - (رواه الدارمی)

”اور حضرت عتبہؓ ابن عبد السلمی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو لوگ جہاد میں مارے جاتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کامل مؤمن جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا چنانچہ جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی (تو وہ پوری بہادری اور شجاعت) کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ شہید ہے جس کو جہاد کی مشقتوں اور مصائب پر صبر کرنے کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا یہ شہید آخرت میں عرش الہی کے نیچے اللہ کے خیمے میں ہوگا یعنی اس کو حق تعالیٰ کا کمال قرب اور اس کے حضور میں درجہ خاص حاصل ہوگا اور انبیاء اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے اور دوسرا شخص وہ مؤمن ہے جس کے اعمال ملے جلے ہوں کہ اس نے کچھ نیک عمل کئے ہوں اور کچھ برے عمل چنانچہ اس نے اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو پوری بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ شہادت یا خصلت، پاک کرنے والی ہے کہ اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلوار خطاؤں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے یہ وہ شہید ہے کہ جس دروازے سے جانا چاہے گاہت میں داخل کیا جائے گا اور تیسرا شخص منافق ہے کہ (اگرچہ) اس نے بھی اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو (خوب) لڑا یہاں تک کہ مارا گیا (لیکن) یہ شخص دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔“ (دارمی)

جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بد عملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے

④۲ وَعَنْ ابْنِ عَائِدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ رَجُلٍ فَلَمَّا وَضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَأَاهُ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ إِلَّا سَلَامَ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَتَّى عَلَيْهِ الثَّرَابُ وَقَالَ أَصْحَابُكَ يَنْظُرُونَ أَنْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُمَرُ إِنَّكَ لَا تُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ وَلَكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت ابن عائدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ چلے تاکہ اس کی نماز پڑھیں جب جنازہ

رکھا گیا تو حضرت عمر ابن خطابؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس جنازے کی نماز نہ پڑھئے کیونکہ یہ ایک فاسق شخص تھا (یہ سن کر رسول کریم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ یعنی اگر تم میں سے کسی نے اس کو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے جو حقیقی اسلام پر دلالت کرے تو وہ ہمیں بتائے) ایک شخص نے عرض کیا ”ہاں، یا رسول اللہ! اس شخص نے ایک رات اللہ کی راہ یعنی جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی“۔ (یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھی اور (تدفین کے وقت اس کے قبر پر مٹی ڈالی اور) گویا میت کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تیرے ساتھیوں کا تو یہ گمان ہے کہ تو دوزخی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا۔“ (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

تشریح: ”بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا“ یعنی اس چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا جو شعار دین اور علامات یقین میں سے ہونے کی وجہ سے اسلام پر دلالت کرے۔

اس ارشاد کا مقصد دراصل حضرت عمرؓ کو اس جرات سے باز رکھنا تھا جو انہوں نے اس میت کے فسق کا تذکرہ کر کے کی تھی اور وہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے چنانچہ ان الفاظ کے ذریعہ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ کسی مسلمان کی محض ظاہری زندگی اور اس کے اعمال کو دیکھ کر اس کی اخروی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس چیز کو معیار بنانا چاہئے جو اس کے دین و اسلام پر کامل یقین و اعتقاد کی غمازی کرے اور یہ ثابت کرے کہ اس کے اصل ایمان میں کوئی کھوٹ اور اس کے بنیادی عقائد میں کوئی کجی نہیں ہے جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

طیبیؒ نے حدیث کے مذکورہ جملہ کی وضاحت یہ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ متنبہ کیا کہ عمر! تمہیں اس موقع پر میت کے برے اعمال اور اس کے ظاہری فسق کا ذکر نہیں کرنا چاہئے بلکہ تمہیں یہ چاہئے کہ تم اس کے نیک اعمال اور اس کی اچھی باتوں کو سامنے لاؤ۔ جیسا کہ ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ:

اَذْكُرُوا مَوْتَكُمْ بِالْخَيْرِ۔

”تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔“

نیز حضرت عمرؓ کو ان کے اس اقدام و جرات سے روکنا مقصود تھا جس کا انہوں نے اس موقع پر مظاہر کیا تھا۔ یعنی اس کے فسق کا ذکر و اظہار کیونکہ کسی انسان کی اخروی فلاح اور ابدی نجات کا دار مدار اصل میں فطرت یعنی اسلام اور اس کے عقائد پر ہے، جب کہ اس شخص نے ایک ایسا عمل بھی کیا تھا۔ جو اعمال اسلام میں سے ہے اور اس کے مسلمان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے تنہا وہی عمل کافی ہے۔

بَابُ اَعْدَادِ اِلَةِ الْجِهَادِ

سامان جہاد کی تیاری کا بیان

الفصل الاول

جہاد کے لئے بقدر استطاعت، قوت طاقت فراہم کرینے کا حکم

① عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ وَاعِدُوا لَهُمْ مَا

اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْنِيَّ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْنِيَّ - (رواہ مسلم)

”حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اور تم کافروں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت و قوت کی جو (بھی) چیز تیار و فراہم کر سکتے ہو کرو۔ یاد رکھو! تیر اندازی قوت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”تیر اندازی قوت ہے“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** یعنی تم کفار سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت و قوت کی جو بھی چیز تیار و فراہم کر سکتے ہو کرو، تو اس آیت میں ”قوت“ سے مراد تیر اندازی ہے۔

اور بیضاوی وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ”قوت“ سے مراد ہر وہ چیز جس کے ذریعہ انسان لڑائی میں طاقت و قوت حاصل کر سکتا ہو! اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا ”قوت“ سے تیر اندازی مراد لینا شاید اس بناء پر ہے کہ اس زمانہ میں اور چیزوں کی بہ نسبت یہ چیز یعنی تیر اندازی سب سے زیادہ طاقت و قوت کا ذریعہ بھی تھی اور سہل العمل بھی۔

دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں مہارت حاصل کرو

② **وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتَفْتَحُ عَلَيْكُمْ الرُّومُ وَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ فَلَا يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يُلْهُو بِأَسْنِهِمْ** - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تمہارے لئے روم فتح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اہل روم کی شرانگیزیوں سے کفایت کرے گا لہذا خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے میں سستی نہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں روم والے عام طور پر نیز اندازی ہی کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں اور چونکہ تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم لوگ تیر اندازی کو اپنا مشغلہ بنا لو اور اس کی مشق کے ذریعہ اس کے گراور کمالات سیکھتے رہو تاکہ تم ان سے جنگ کرنے پر قادر ہو سکو اور اللہ تمہیں ان سے مدد بھیڑے کے وقت اپنی مدد و نصرت کے ساتھ میں رکھے۔ یا آنحضرت ﷺ کی یہ مراد تھی کہ تیر اندازی کی مشق کو ترک نہ کرو بلکہ جنگ میں فتح کے بعد بھی اس کا مشغلہ جاری رکھو اور اس بات پر غرور اور اطمینان کر کے نہ بیٹھ جاؤ کہ اب تو روم فتح ہو گیا ہے اس مشغلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کیونکہ تیر اندازی کی ضرورت ہمیشہ اور ہر جنگ کے وقت پڑنے والی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت پیش بندی کے طور پر دی تھی، چنانچہ اس پر پوری طرح عمل کیا گیا اگرچہ اہل روم کے قتال کے موقع پر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روم پر بڑی آسانی کے ساتھ فتح عطا فرمادی تھی۔

تیر اندازی کی مشق کو ”لہو“ یعنی کھیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کسی بھی چیز کی مشق صورت کے اعتبار سے کھیل ہی کے درجے کی چیز ہوتی ہے دوسرے اس کے ذریعہ لوگوں کو تیر اندازی کی مشق کی ترغیب دلانا مقصود تھا کہ کسی چیز پر ”کھیل“ کا نام آجائے تو اس کی طرف جلدی مائل ہو جانا انسانی خصلت میں داخل ہے۔

تیر اندازی کی اہمیت

③ **وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصَى** -

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والوں میں شامل نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس نے نافرمانی کی۔“ (مسلم)

تشریح: ”وہ ہم میں سے نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے، کہ وہ ہم سے قریب نہیں ہے اور ایک ایسے شخص کی مانند ہے جس کا شمار ہمارے زمرے میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو یہ کہ تیر اندازی سیکھے ہی نہیں لیکن اس کو سیکھ کر پھر چھوڑ دینا نہ سیکھنے کی یہ نسبت کہیں زیادہ برا ہے کیونکہ جس شخص نے تیر اندازی نہیں سیکھی وہ تو گویا آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہی نہیں ہوا لیکن یہ تو وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہو اور پھر نکل گیا گویا اس نے اس کام میں کوئی نقصان دیکھایا اس کو کوئی برائی محسوس ہوئی اور یا اس نے ایسا استہزاء کے طور پر کیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک بڑی نعمت کا کفران کرنے کا مرادف ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے تیر اندازی کی عملی ترغیب

④ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَسْلَمَ يَتَنَّا صَلَوْنَ بِالشُّوقِ فَقَالَ أَرْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ زَامِيًا وَأَنَا مَعَ بَنِي فَلَانَ لِأَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ فَاْمْسِكُوا بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ مَا لَكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَ بَنِي فَلَانَ قَالَ أَرْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلَّكُمْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نبی اسلم کے ایک قبیلہ میں تشریف لائے اور وہ لوگ اس وقت بازار میں آپس میں تیر اندازی (کی مشق) کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اے اولاد اسماعیل (یعنی اے عرب) تیر اندازی کرو، کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) تیر انداز تھے۔ اور میں (بھی) فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں (یعنی اس وقت بنی اسلم کے جو دو فریق آپس میں تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے آپ ﷺ نے ان میں ایک کا نام لے کر فرمایا کہ اس مشق میں میں اس فریق کی طرف ہوں) لیکن دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے (یعنی جب آنحضرت ﷺ ایک فریق کی طرف ہو گئے تو مقابل فریق نے تیر اندازی سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا؟ یعنی تم نے تیر پھینکے کیوں بند کر دیئے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس صورت میں کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ فلاں (فریق) کے ساتھ ہیں یعنی ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر دوسرے فریق کی طرف ہو جائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اچھا) تم تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔“ (بخاری)

حضرت ابو طلحہ کی تیر اندازی

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَتَتَرَسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَرْسٍ وَاحِدٍ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ فَكَانَ إِذَا رَمَى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ إِلَى مَوْضِعِ نَبْلِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو طلحہؓ (میدان جنگ میں) ایک ڈھال کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کا بچاؤ کر رہے تھے ابو طلحہؓ ایک بہترین تیر انداز تھے چنانچہ (وہ دشمنوں پر بڑی مہارت اور چابکدستی کے ساتھ تیر اندازی بھی کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت بھی) جب وہ تیر پھینکتے تو نبی کریم ﷺ جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں پڑا ہے اور کس کو لگا ہے۔“ (بخاری)

گھوڑوں کی فضیلت

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: پیشانی سے مراد ”ذات“ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے۔

⑥ وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِي نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِأَصْبَعِهِ وَهُوَ يَقُولُ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ بَنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْزُ وَالْغَنِيمَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جریر ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی سے بل دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ گھوڑے (وہ جانور ہیں) جن کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر و بھلائی بندھی ہوئی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہادے کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس میں دنیا کا مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔“ (مسلم)

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ احْتَسَبَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِيْمَانًا بِاللَّهِ وَتَصَدَّقًا بِوَعْدِهِ فَإِنَّ سَبْعَةَ رِثَى وَرَثَتِهِ وَبَوَلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے اپنے گھر) گھوڑا باندھا تو اس گھوڑے کی سیری و سیرابی (یعنی اس نے دنیا میں جو کچھ کھایا اور پیا ہے وہ) اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے اعمال کی ترازو میں تولے جائیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”اللہ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد میں جانے اور دشمنوں سے لڑائی کے لئے جو گھوڑا اپنے ہاں باندھا ہو اس میں اس کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جس عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے اس کی طلب گاری کی خاطر ہو۔

”سیری اور سیرابی“ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے جانور کا پیٹ بھرتا ہے اور سیراب ہوتا ہے یعنی گھاس، دانہ، پانی وغیرہ لہذا یہ ساری چیزیں بھی ثواب ملنے کے اعتبار سے اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ قیامت کے دن یہ چیزیں ثواب کی شکل میں اس کو حاصل ہوں گی اور اس کے میزان اعمال میں تولی جائیں گی۔

اشکل گھوڑا ناپسندیدہ

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِي الْخَيْلِ وَالشِّكَالَ أَنْ يَكُونَ الْفَرَسُ فِي رِجْلِهِ الْيُمْنَى بِيَاضٍ وَفِي يَدِهِ الْيُسْرَى أَوْ فِي يَدِهِ الْيُمْنَى وَرِجْلُهُ الْيُسْرَى۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ گھوڑے میں شikal کو ناپسند کرتے تھے، اور شikal یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفیدی ہو۔“ (مسلم)

تشریح: راوی نے تو شikal کی وضاحت یہ کی ہے کہ گھوڑا جس کے ایک ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پر سفیدی ہو لیکن صاحب قاموس اور دوسرے تمام اہل نعت کے نزدیک گھوڑے میں شikal کا مطلب یہ ہے کہ اس گھوڑے کے تین پاؤں تو سفید ہوں اور ایک پاؤں باقی تمام بدن کا ہم رنگ ہو یا اس کے برعکس ہو یعنی ایک پاؤں سفید ہو اور تین پاؤں بدن کے ہم رنگ ہوں۔

اصل میں ”شikal“ لغت میں اس رسی کو کہتے ہیں جس پر چوپائے کے پیر باندھے جاتے ہیں۔ لہذا اس طرح کے گھوڑے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ ایسے گھوڑے کو ازراہ تقاول کے ناپسند فرماتے تھے کہ وہ گھوڑا گویا بصورت شکل ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہو کہ اس جنس کا گھوڑا اصيل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر اشکل گھوڑے کی پیشانی پر اتنی سفیدی ہو کہ جو ہاتھ کے انگوٹھے سے نہ چھپ سکے تو اس کا عیب دور

ہو جاتا ہے اور پھر وہ ناپسندیدہ نہیں رہتا۔

گھوڑ دوڑ کا ذکر

⑩ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفِيَاءِ وَأَمْدَهَا ثِيَّةُ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيلٌ - (بخاری علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں گھوڑوں کے درمیان مسابقت گھوڑ دوڑ کرائی جو اضمار کئے گئے تھے اور یہ مسابقت حفاء سے شروع ہوئی اور ثنیۃ الوداع پر ختم ہوئی اور ان دونوں مقامات (یعنی حفاء اور ثنیۃ الوداع) کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا اور جن گھوڑوں کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد نبی زریق تک مسابقت کرائی اور ان دونوں مقامات (یعنی ثنیۃ الوداع اور مسجد نبی زریق) کا درمیانی فاصلہ ایک میل تھا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”گھوڑوں کے درمیان مسابقت“ گویا گھوڑ دوڑ کے مفہوم کے مرادف ہے یعنی دو آدمی اپنے گھوڑوں کو اس لئے دوڑائیں کہ دیکھیں کہ کس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔

”اضمار“ اس کو کہتے ہیں کہ پہلے تو گھوڑے کو خوب گھاس دانہ کھلا پلا کر بہت قوی اور فربہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کا گھاس دانہ بتدریج کم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اصلی خوراک پر لے آتے ہیں اور پھر اس کو ایک مکان پر بند کر کے اس پر گردنی ڈال دیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور پسینہ چھوڑتا ہے اور جب پسینہ خشک ہو جاتا ہے تو وہ گھوڑا سبک ہو جاتا ہے یعنی اس کا گوشت تو ہلکا ہو جاتا ہے لیکن دوڑنے میں قوی رہتا ہے۔

”حفاء“ ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ثنیۃ الوداع ایک پہاڑ کا نام ہے اہل مدینہ اپنے مسافروں کو پہنچانے کے لئے اس پہاڑ تک جاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اونٹنی کا ذکر

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعُضْبَاءَ وَكَانَتْ لَا تُسَبِّقُ فَحَاءَ أَغْوَابِئٍ عَلَى قَعْدٍ لَهُ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ حَقَّكَ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضْعَةً - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی (یعنی اس کا جس اونٹ سے بھی دوڑ میں مقابلہ ہوتا اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتی تھی) لیکن (ایک دن) ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر آیا اور (جب اس نے عضباء سے اپنا اونٹ دوڑایا تو) اس کا اونٹ آگے نکل گیا یہ بات مسلمانوں پر سخت گزری تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ایک ثابت شدہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی جو بھی چیز شربلند ہوتی ہے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اصل میں ”عضباء“ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے یا چرے ہوئے ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی اس اونٹنی کا کان گو کٹا ہوا یا چرا ہوا نہیں تھا مگر اس کا نام ”عضباء“ تھا البتہ خلقی طور پر اس کے کان چھوٹے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ وہی اونٹنی ہے جس کو ”قصواء“ بھی کہتے ہیں، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اونٹنی اور بھی اور ”عصواء“ ایک دوسری اونٹنی تھی۔

”قعود“ اس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جو نیا نیا سواری میں آیا ہو اور سواری کے لائق ہو گیا ہو ایسا اونٹ دو برس سے چھ برس تک کی

عمر کا ہوتا ہے جس اونٹ کی عمر چھ برس سے زائد ہو اس کو ”جمل“ کہتے ہیں۔

الفصل الثانی

جہاد میں کام آنے والا ہتھیار اپنے بنانے والے کو بھی جنت میں لے جائے گا

(۱۲) عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَابِعُهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالزَّامِي بِهِ مَنَابِلَهُ فَارْمُواوْا زَكَبُوا وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَزَكَبُوا كُلُّ شَيْءٍ يُلْهُو بِهِ الرَّجُلَ بَاطِلٌ إِلَّا رَمِيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَادِيَتِهِ فَرَسَهُ وَمُلَا عَبْتَهُ أَمْرَانِ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهُ رَغْبَةً فَإِنَّهُ يَغْمَةُ تَرَكَهَا أَوْ قَالَ كَفَرَهَا -

”حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ (کفار پر چلائے جانے والے) ایک تیر کے بدلے میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو اس تیر کے بنانے والے کو جب کہ وہ اپنے روزگار کے ساتھ ثواب کی بھی امید رکھے (یعنی جب وہ تیر بنائے تو اپنے روزگار کے ساتھ نیت بھی رکھے کہ میں یہ تیر جہاد میں کام آنے کے لئے بنا رہا ہوں) (دوسرے) جہاد میں تیر چلانے والے کو اور (تیسرے) تیر دینے والے کو (یعنی وہ شخص جو تیر انداز کے ہاتھ میں اپنا یا اسی کا تیر دے اور خواہ پہلے ہی دے یا نشانے پر سے اٹھا کر دے) لہذا تم تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سواری کرو یعنی تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی مشق کرو اور تمہاری تیر اندازی میرے نزدیک سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یاد رکھو انسان جس چیز کو لہو ولعب (یعنی محض کھیل اور تفریح) کے طور پر اختیار کرے وہ باطل اور ناروا ہے مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اپنے گھوڑے کو سدھارنا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیل و تفریح کرنا یہ سب چیزیں حق ہیں ترمذیؒ ابن ماجہؒ ابوداؤدؒ اور دارمیؒ نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو بے نیازی اور بیزاری کے جذبہ سے چھوڑ دے تو وہ تیر اندازی ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے اس نعمت کا کفران کیا۔“

تشریح: ”یہ چیزیں حق ہیں“ ان چیزوں کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق و بھلائی کی راہ میں معاون ہو خواہ وہ علم کے قبیل سے ہو یا عمل کے قبیل سے جب کہ وہ مقابلہ بازی کی قسم سے ہو جیسے پیدل چلنے اور دوڑنے، گھوڑ سواری اور اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ وغیرہ۔

تیر انداز کے ثواب کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ أَبِي نَجِيحٍ السَّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلٌ مُحَرَّرٌ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ الْفَضْلُ الْأَوَّلُ وَالتَّنَائِي الْأَوَّلُ وَالثَّانِي وَالتِّرْمِذِيُّ الثَّانِي وَالثَّلَاثُ وَفِي رَوَايَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ بَدَلَ فِي الْإِسْلَامِ -

”اور حضرت ابو نَجِيحؓ سلمیٰ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں ایک تیر (نشانے پر) پہنچایا (یعنی اس نے تیر چلا کر کافر کو مار ڈالا تو) اس کے لئے جنت میں ایک بڑا درجہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد) میں تیر پھینکا (خواہ وہ کافر کو لگایا نہ لگا) تو وہ اس کے لئے ایک بردہ (غلام یا لونڈی) آزاد کرنے کے برابر ہے اور جو شخص اسلام (کی حالت) میں بوڑھا ہو گیا اور مر گیا) تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہو گا۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے) ابوداؤد نے (روایت کا صرف) پہلا جزو یعنی من بلغ بسهم في سبيل الله فهو له درجة في الجنة نقل کیا ہے) نسائی نے پہلا اور

دوسرا جزء (کہ جن میں تیر اندازی کی فضیلت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا جزء نقل کیا ہے۔ نیز بیہقی اور ترمذی کی روایت میں ”فی الاسلام“ یعنی اسلام کی حالت میں کے بجائے ”فی سبیل اللہ“ یعنی ”اللہ کی راہ میں“ ہے۔

تشریح: ”جو شخص اسلام کی (حالت) میں بوڑھا ہو گیا الخ“ سے واضح ہوا کہ کسی شخص کا ایمان و اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو جانا یا اس پر بڑھاپے کی علامات کا ظاہر ہو جانا گویا اس کی اخروی سعادت کی نشانی ہے کیونکہ زندگی آخری منزلوں تک اسلام و ایمان کی حالت پر قائم رہنا اللہ کا ایک بڑا فضل و کرم ہے۔

ایک بڑے بزرگ حضرت ابو یزیدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا تو وہاں ان کو بڑھاپے کی علامات نظر آئیں بے اختیار ان کے منہ سے یہ نکلا کہ ظہر الشیب ولم یظہر العیب وما ادری ما فی الغیب یعنی خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر بڑھاپا ظاہر ہوا ہے، کوئی عیب ظاہر نہیں ہوا، اور پردہ غیب میں کیا چیز ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔

ایک بات یہ واضح رہے کہ کتاب کی عبارت میں روایتہا کی ضمیر مظاہر نسائی اور ترمذی کی طرف لوٹی چاہئے کیونکہ ماقبل کی عبارت میں یہی دونوں پاس پاس مذکور ہیں لیکن حقیقت میں یہ (نسائی اور ترمذی کی طرف ضمیر لوثا) اس وجہ سے صحیح نہیں ہو گا کہ نسائی نے تیسرا جزء نقل ہی نہیں کیا، لہذا ضمیر بیہقی اور ترمذی کی طرف راجع ہوگی اور فی روایتہما کے یہی معنی ہوں گے۔ کہ ”بیہقی اور ترمذی کی روایت میں الخ“ البتہ اس صورت میں ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اصل روایت میں کہ جس کو بیہقی ہی نے نقل کیا ہے ”فی الاسلام“ کے لفظ مذکور ہیں تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو گا کہ بیہقی اور ترمذی کی روایت میں ”فی الاسلام“ کے بجائے فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فی روایتہما اصل میں مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ وہ فی روایۃ للبیہقی وروایۃ الترمذی یعنی بیہقی کی ایک اور روایت میں اور ترمذی کی روایت میں (فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللہ ہے) اس طرح بات صاف ہو جائے گی کہ بیہقی کی ایک روایت میں جو یہاں متن میں نقل کی گئی ہے فی الاسلام ہے اور ایک دوسری روایت میں فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللہ ہے۔

جہاد کی چیزوں میں شرط کا مال لینا جائز ہے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ الْأَفْنَى نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسابقت کی شرط کا مال لینا صرف تین چیزوں (یعنی) تیر چلانے، اونٹ دوڑانے، اور گھوڑ دوڑ میں جائز ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”سَبَقَ“ شرط کی رقم کو کہتے ہیں، یعنی وہ مال جو آگے بڑھ جانے کی شرط جیتنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت یعنی آگے بڑھ جانے کی بازی لگانا اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء نے ان تینوں کے حکم میں ان چیزوں کو بھی شامل کیا ہے جو جہاد کا سامان و ذریعہ ہیں جیسے گدھا اور خچر، گھوڑے کے حکم میں ہیں اور ہاتھی، اونٹ کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات نے پیدل دوڑنے اور بعض نے پتھر پھینکنے کی مسابقت کو جواز کے حکم میں شامل کیا ہے کیونکہ یہ چیزیں تیر کے مفہوم میں داخل ہیں۔

جو چیزیں جہاد کے ذرائع میں شامل ہیں ان کی مسابقت میں شرط باندھنا اور بازی لگانا اور شرط کی رقم لینا دراصل جہاد کی ترغیب دینے کے پیش نظر ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا جواز کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ہاں جو چیزیں جہاد کے اسباب و ذرائع میں سے نہیں ہیں ان میں مسابقت کی بازی لگانا اور شرط باندھنا چونکہ ایسے کسی صالح مقصد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے نہ تو ان چیزوں میں مسابقت ہی جائز ہے اور نہ اس کی

شرط کا مال لینا جائز ہے۔

بازی لگانے کا مسئلہ

واضح رہے کہ کسی چیز کی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں رقم کی شرط باندھنا دراصل قمار یعنی جوئے کا مفہوم ہے، کیونکہ اس صورت میں ملکیت بھی مشتبہ رہتی ہے اور نفع و نقصان کے درمیان بھی شک رہتا ہے اور قمار کے یہی معنی ہیں ہاں اگر کسی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں امیر و حاکم یا کسی اور تیسرے شخص کی طرف سے کسی رقم یا کسی مال کی شرط باندھی جائے مثلاً وہ (امیر و حاکم یا تیسرا شخص) یہ کہے کہ ان دونوں میں سے جو شخص آگے بڑھ جائے گا یا جو شخص جیت جائے گا میں اس کو اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح دونوں مقابل میں سے صرف کسی ایک کی جانب سے کی رقم یا مال کی شرط باندھی جائے مثلاً ان میں سے کوئی ایک یوں کہے کہ ”اگر تم مجھ سے آگے بڑھ گئے یا میرے مقابلہ پر جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا اور اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں کچھ نہ دینا ہوگا۔“ تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ناجائز تو اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں کی طرف سے بازی لگے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دینی ہوگی اور اگر تم آگے بڑھ گئے یا جیت گئے تو میں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا۔“ کیونکہ حقیقت میں یہی قمار یعنی جو ہے لیکن یہ صورت بھی اس طرح سے جائز ہو سکتی ہے۔ جب کہ دونوں کے درمیان ”محلل“ شامل ہو جائے۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں بیان ہوگا۔

مسابقت میں محلل کے شامل ہونے کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْخَلَ فَرَسَيْنِ فَرَسَيْنِ فَإِنْ كَانَ يَأْمَنُ أَنْ يُسَبِّقَ فَلَا خَيْرَ فِيهِ فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسَبِّقَ فَلَا بَأْسَ بِهِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ وَفِي رَوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ مَنْ أَدْخَلَ فَرَسَيْنِ فَرَسَيْنِ يَعْنِي وَهُوَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسَبِّقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ أَدْخَلَ فَرَسَيْنِ فَقَدْ آمَنَ أَنْ يُسَبِّقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے تو اگر وہ گھوڑا ایسا ہے کہ (جس کے تیز رو ہونے کی وجہ سے) اس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ (ان دونوں گھوڑوں سے) آگے نکل جائے گا تو اس میں بھلائی نہیں ہے اور اگر یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو پھر اس میں مضائقہ نہیں۔“ (شرح السنۃ) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے یعنی جس کے بارے میں یہ یقین نہیں ہے کہ اگر وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار (جوا) نہیں ہے اور اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا (ایسا) گھوڑا شامل کرے جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار ہے۔“

تشریح: ”جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے۔“ یہ تحلیل کی صورت ہے جو مسابقت (یعنی گھوڑ دوڑ کے ہونے والے مقابلہ) میں بازی لگانے اور شرط باندھنے کو جائز کرتی ہے اور ایسے شخص کو کہ جو دو گھوڑوں کے درمیان ہونے والے مقابلہ میں اپنا گھوڑا شامل کرے ”محلل“ کہتے ہیں۔ اس صورت کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً دو شخص یعنی زید اور بکر نے مقابلے کے لئے اپنے اپنے گھوڑے دوڑائے اور دونوں نے ہار جیت کی شرط باندھی کہ جس کا گھوڑا آگے نکل جائے گا وہ پیچھے رہ جانے والے گھوڑے کے مالک سے اتنی رقم یا فلاں چیز لے لیگا۔ اس طرح انہوں نے ایک قمار (جوئے) کا معاملہ کیا، اب ایک تیسرا شخص یعنی خالد آتا ہے اور وہ ان دونوں کی گھوڑوں کی دوڑ میں شرط کے ساتھ اپنا گھوڑا بھی شامل کر دیتا ہے کہ اگر یہ تیسرا (میرا) گھوڑا ان دونوں گھوڑوں سے آگے نکل گیا تو میں تم دونوں سے اتنی رقم یا فلاں چیز لے لوں گا اور پیچھے رہ گیا تو مجھے کچھ نہیں دینا ہوگا۔

یہی صورت تحلیل کی ہے اور اس تیسرے شخص یعنی خالد کو ”محلل“ (ظالم کرنے والا) کہیں گے۔ ایسے شخص کو ”محلل“ اس لئے کہتے

ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ ”معاملہ“ حلال و جائز ہو گیا جو پہلے حائنین کی طرف سے شرط و بازی لگانے کی وجہ سے ایک ”حرام“ معاملہ“ یعنی قمار تھا، چنانچہ مذکورہ صورت میں اگر محلل کا گھوڑا آگے نکل جائے تو وہ ان دونوں سے متعینہ رقم یا مقررہ چیز لے لے اور اگر ان دونوں نے گھوڑے اس کے گھوڑے سے آگے نکل جائیں تو وہ ان کو کچھ نہ دے البتہ جو ان دونوں میں سے ایک کا گھوڑا آگے نکلے گا اس کو دوسرے سے متعینہ رقم یا مقررہ چیز لینا جائز ہوگا۔

واضح رہے کہ علماء نے لکھا ہے اور جیسا کہ اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تحلیل کی صورت میں محلل کو چاہئے کہ وہ اس گھوڑ دوڑ میں ایسے گھوڑے کو شامل کرے جو دوڑنے میں ان دونوں کے گھوڑے کے برابر یا تقریباً برابر ہو، چنانچہ اگر محلل کا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے آگے اس طرح کا تیز رہو کہ وہ ”محلل“ جانتا ہے کہ ان دونوں کے گھوڑے میرے گھوڑے سے آگے نہیں نکل سکتے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز نہیں بلکہ اس کا اپنے گھوڑے کو اس گھوڑ دوڑ میں شامل کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا یعنی یہ صورت تحلیل کی نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے آگے نکل جائے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے پیچھے رہ جائے گا تو یہ جائز ہے اور یہ صورت تحلیل کی مانی جائے گی۔ حاصل یہ کہ اگر محلل کا گھوڑا ایسا ہے کہ وہ آگے نکل جانے کا بھی احتمال رکھتا ہے اور پیچھے رہ جانے کا بھی احتمال رکھتا ہے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

گھوڑ دوڑ میں ”جلب“ اور ”جنب“ کی ممانعت

①۶ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جَلْبَ وَلَا جَنْبَ زَادِيحِي فِي حَدِيثِهِ فِي الرَّهَانِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِي بَابِ الْغَضَبِ -

”اور حضرت عمر ابن حصین کہتے ہیں کہ ”نہ جلب (جائز) ہے اور نہ جنب اور (ایک راوی) یحییٰ نے اپنی روایت میں لفظ ”فی الرہان“ بھی نقل کیا ہے (یعنی ان کی روایت میں یہ ہے کہ رہان یعنی گھوڑوں کی شرط و مسابقت میں نہ جلب جائز ہے اور نہ جنب) اس روایت کو ابو داؤد و نسائی نے نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس روایت کو کچھ زائد الفاظ و معانی کے ساتھ باب الغضب میں نقل کیا۔“

تشریح: ”جلب اور جنب“ یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کی قیام گاہوں سے کہیں دور ٹھہرے اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال جیسے مویشی لے کر یہاں آجائیں۔ اور ”جنب“ یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ کے مال جیسے مویشیوں کو لے کر اپنی قیام گاہوں سے کہیں دور چلے جائیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس مشقت میں مبتلا کریں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے۔ لہذا یہ دونوں ہی ممنوع و مکروہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ میں ”جلب“ یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والا کوئی سوار کسی دوسرے شخص کو اس مقصد سے اپنے گھوڑے کے پیچھے لگالے کہ وہ اس کے گھوڑے کو ڈانٹتا اور جھڑکتا رہے تاکہ وہ آگے بڑھ جائے۔ اور ”جنب“ یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے پہلو پہلو ایک دوسرا گھوڑا رکھے تاکہ جب سواری کا گھوڑا تھک جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو جائے، یہ دونوں باتیں بھی ممنوع ہیں۔“

بہترین گھوڑے کی علامات

①۷ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَذْهَمُ الْأَقْرَحُ الْأَزْنَمُ ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلَّقَ الْيَمِينِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَذْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلَى هَذِهِ الشَّيْءِ - (رواه الترمذی والداری)

”اور حضرت ابو قتادہؓ نے فرمایا ”بہترین گھوڑا سیاہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ناک کی جانب سفیدی ہو پھر وہ گھوڑا بہتر ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں لیکن دایاں ہاتھ

سفید نہ ہو اور اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو پھر اسی قسم کا کیت (بھی بہتر گھوڑا ہے۔) (ترمذی، دارمی)

تشریح: ”کیت“ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی دم اور ایال سیاہ ہوں اور باقی بدن سرخ ہو اور ”اسی قسم“ کا مطلب یہ ہے کہ جو علامتیں سیاہ گھوڑے میں بیان کی گئی ہیں یعنی پیشانی پر سفیدی وغیرہ۔ وہی ”کیت“ میں بھی ہوں تو یہ گھوڑا بھی ایک بہترین گھوڑا ہے۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي وَهَبٍ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِكُلِّ كَمَيْتٍ أَعَزَّ مُحَجَّلٍ أَوْ أَشَقَّرَ أَعَزَّ مُحَجَّلٍ أَوْ أَذْهَمَ أَعَزَّ مُحَجَّلٍ - (رواه ابوداؤد، والنسائی)

”اور حضرت ابو وہب جشی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہارے لئے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والا کیت گھوڑا ضروری ہے (یعنی اگر تم گھوڑا رکھو تو اس طرح کا گھوڑا رکھو) پھر اشقر گھوڑا ہونا چاہئے جس کی پیشانی بھی سفید ہو اور ہاتھ پاؤں بھی سفید ہوں یا سیاہ سفید پیشانی ہو اور سفید ہاتھ پاؤں ہوں۔“ (ابوداؤد، والنسائی)

تشریح: ”اشقر سرخ رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کیت کی دم اور ایال سیاہ ہوتی ہے اور اشقر کی سرخ۔

(۱۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشَّقْرِ - (رواه الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ کے گھوڑوں میں ہوتی ہے۔“

(ترمذی، ابوداؤد)

گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال و دم نہ کاٹو

(۲۰) وَعَنْ عُثْبَةَ بْنِ عَبْدِ السَّلَمِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْصُوا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَا مَعَارِفَهَا وَلَا أَذْنَهَا فَإِنَّ أَذْنَهَا مَذَابُهَا وَمَعَارِفُهَا دَفَاءُهَا وَنَوَاصِيهَا مَعْقُودُ فِيهَا الْخَيْرُ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عتبہ ابن عبد السلمی سے روایت ہے انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”گھوڑوں کی پیشانی کے بال، ان کی ایال اور لگی دموں کو نہ کاٹو کیونکہ ان کی دُمیں، ان کے مور جھیل ہیں (کہ جن کو وہ ہلا کر کھینوں اور کپڑوں کو اڑاتے ہیں) اور ان کی ایالیں ان کو گرمی پہنچانے کی چیز ہیں، تو ان کی پیشانی کے بالوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔“ (ابوداؤد)

گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات

(۲۱) وَعَنْ أَبِي وَهَبٍ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْزِبْطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوا بِنَوَاصِيهَا وَاعْجَازِهَا أَوْ قَالَ اكْفَأْ لَهَا وَقَلِّدْ وَهَآ وَلَا تَقْلِدْ وَهَآ الْأَوْتَارَ - (رواه ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت وہب جشی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”گھوڑوں کو باندھ کر رکھو، ان کی پیشانیوں اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا کرو۔ یا (عجاز ہاکی جگہ) اکھا فرمایا (اور دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی پیٹھ) ان کی گردن میں کنڈا (پٹا) باندھو لیکن ان کی گردن میں کمان کی تانت نہ باندھو۔“ (ابوداؤد، والنسائی)

تشریح: ”باندھ رکھو“ یہ گھوڑوں کو جہاد کے لئے فریہ اور چاق و چوبند رکھنے سے کہتا ہے! یعنی اس کے ذریعہ گویا یہ حکم دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کی اچھی طرح دیکھ بھال رکھو اور ان کو خوب کھلاؤ پلاؤ تاکہ وہ موٹے تازے رہیں اور جہاد میں اچھی طرح کام آئیں۔

”ہاتھ پھیرنے“ کا مقصد یہ ہے کہ ان کو گرد و غبار سے صاف ستھرا رکھا جائے اور ان کی فریبی معلوم ہوتی رہے نیز اس کے ذریعہ گھوڑوں کو انس و راحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی گردنوں میں کمان کے تانت باندھ دیا کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ اس کی وجہ سے گھوڑے نظریہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ چیز تقدیر کو بدل نہیں سکتی۔ یا اس لئے منع فرمایا کہ تانت باندھنے سے ان کا گلانہ گھٹے۔

اہل بیت رسول ﷺ کو تین مخصوص احکام

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدًا مَأْمُورًا مَا اخْتَصَبْنَا ذُوْنَ النَّاسِ بَشْنَىٰ ۚ الْآ بِثَلَاثِ أَمْرٍ نَأْنِ لَنَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَآْنِ لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ وَآْنِ لَا نَتَزَيَّ حِمَارًا عَلٰى فَرْسٍ - (رواہ الترمذی والنسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک مامور بندے تھے آپ ﷺ نے ہم کو (یعنی اپنے اہل بیت کو) دوسرے لوگوں سے الگ کر کے تین باتوں کے علاوہ اور کسی بات کا حقہ رخصت پر حکم نہیں دیا اور وہ (تین باتیں جن کا خاص طور پر اہل بیت کو حکم دیا) یہ ہیں کہ (۱) ہم وضو کو پورا کریں (۲) ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں (۳) ہم گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں۔“ (ترمذی و نسائی)

تشریح: ”رسول کریم ایک مامور بندے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے جس بات کا حکم ہوتا تھا وہی کرتے تھے اپنی طرف سے نہ کوئی قانون بناتے تھے اور نہ اپنی خواہش نفس کے تحت کوئی حکم دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی طبقہ و جماعت یا کسی بھی شخص و خاندان کے لئے خواہ وہ آپ کے نزدیک کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو الگ سے کسی چیز کا حکم دے کر اس کو دوسرے لوگوں پر ترجیح نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اہل بیت جو ان سے واقف تھے ان کے لئے بھی احکام میں کسی امتیاز و خصوصیت کو روا نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے وضاحت کی ہے کہ آنحضرت نے ہم اہل بیت کو بھی کسی چیز کا مخصوص طور پر حکم نہیں دیا ہاں تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اہل بیت کو بھی خصوصی حکم دیا گیا۔

گھوڑیوں (بے خچر پیدا کرنے کے لئے) پر گدھے چھوڑنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اول تو اس سے نسل کو قطع کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ ایک اچھی چیز کے بدلے ایک گھٹیا چیز چاہنا ہے کیونکہ گھوڑے کے مقابلہ میں خچر ایک ادنیٰ جانور ہے جو نہ گھوڑے کی طرح کار آمد ہوتا ہے اور نہ جہاد وغیرہ کے کام آتا ہے، لہذا ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اس موقع پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ صدقے کا مال کھانے کا مسئلہ تو بالکل صاف ہے کہ اس سے صرف اہل بیت کو منع کیا گیا ہے باقی امت اس کے حکم میں داخل نہیں ہے لیکن باقی دو حکم (یعنی وضو کو پورا کرنا اور گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑنا) تو ایسے ہیں جن میں پوری امت داخل ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وضو کو پورا کرو (یعنی اچھی طرح) کریں اور اپنی گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں پھر ان دونوں چیزوں کو صرف اہل بیت کے ساتھ مخصوص کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ان دونوں چیزوں کو اہل بیت پر واجب و لازم کرنا ہے، یا یہ کہ ان احکام کو اہل بیت کے حق میں زیادہ سے زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ نافذ کرنا مقصد ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے شیعوں کے اس نظریہ کی واضح تردید کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کو کچھ ایسے مخصوص علوم سے نوازا تھا جن میں باقی امت کا کوئی حصہ نہیں تھا! اسی طرح وہ حدیث بھی شیعوں کے اس نظریہ کی تردید میں ایک مضبوط دلیل ہے۔ جو پیچھے گزر چکی ہے۔ اور جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے۔

هل عندكم شيء ليس في القرآن فقال والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ما عندنا الا ما في القرآن الا فهم يعطى الرجل في كتابه وما في الصحيفة۔ الحديث۔

”(جب حضرت علیؓ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس ایسا کوئی علم ہے جو قرآن میں موجود نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور جان کو پیدا کیا قرآن میں جو علوم ہیں ان کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے ہاں مجھے بے شک کتاب اللہ کا وہ فہم

ملا جو کسی انسان کو عطا ہوتا ہے (اور میرے پاس کچھ اور چیزیں (مسائل) ہیں جو اس صحیفہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ آخر حدیث تک۔“

گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَهْدَيْتَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هَذِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ”اگر ہم گھوڑیوں پر گدھے چھوڑیں تو ہمیں (بھی) ایسے خچر مل جائیں؟“ رسول کریم ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ ”یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہیں۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر دانشمندانہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اس (گھوڑیوں پر گدھے چھوڑنے) سے بہتر گھوڑی پر گھوڑا ہی چھوڑنا ہے کیونکہ جو فوائد گھوڑی سے اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے پیٹ سے خچر پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ کام وہی نادان کر سکتے ہیں جو شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہیں اور ان کو اس چیز کا راستہ نظر نہیں آتا جو ان کے حق میں اولیٰ اور بہتر ہے۔ اس حدیث میں گویا گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت مذکور ہے، اور یہ ممانعت ”بہی کراہت“ کے طور پر ہے۔

تلوار کو تھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے

(۲۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِصَّةٍ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تلوار کو تھوڑی بہت چاندی کے ساتھ مزین و آراستہ کرنا جائز ہے، یہی حکم بیٹی کا بھی ہے۔ البتہ ان میں سے کسی میں بھی سونے کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

(۲۵) وَعَنْ هُوْدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهِ مَرْيَدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِصَّةٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عود ابن عبد اللہ بن سعد اپنے دادا سے کہ جن کا نام مریدہ تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح کے دن (مکہ میں) داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس جو تلوار تھی اس پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔“ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہا یہ حدیث غریب۔“

تشریح: ”اس حدیث کی بنیاد پر ہتھیار و اسلحہ جات میں سونے کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں ہے۔“

جنگ میں حفاظت کے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے

(۲۶) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دُرْعَانٌ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا۔

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت سائبؓ ابن یزید سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر دو زہریں تھیں آپ ﷺ نے ایک دوسرے پر پھینک رکھا تھا۔“ (البوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ کے کارآمد زیادہ سے زیادہ سامان فراہم کرنا اور میدان جنگ میں اپنی حفاظت کے لئے حتیٰ الوسعت زیادہ سے زیادہ چیزوں کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اور یہ توکل کے معانی نہیں ہے۔“

آنحضرت ﷺ کے جھنڈے کا ذکر

(۲۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَالْوَاوَةُ أَيْضًا - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۸) وَعَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ لِيَسْأَلَهُ عَنْ رَايَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمْرَةٍ - (رواہ احمد والترمذی والبوداؤد)

”اور حضرت موسیٰ ابن عبیدہؓ جو حضرت محمد ابن قاسمؓ کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت محمد ابن قاسم نے مجھے حضرت براءؓ ابن عازب (صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ یہ دریافت ہو سکے کہ رسول کریم ﷺ کا جھنڈا کیسا تھا۔ چنانچہ حضرت براءؓ نے فرمایا کہ (آنحضرت ﷺ کا) جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا (اس کا کپڑا چوکور اور نمبرہ کی طرح تھا۔) (احمد، ترمذی، البوداؤد)

تشریح: چونکہ جھنڈے کے کپڑا کو ”نمبرہ“ کی طرح بیان کیا گیا ہے اس لئے ”سیاہ رنگ کا تھا“ سے مراد یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ سیاہ رنگ کا تھا جس کی وجہ سے وہ دور سے سیاہ ہی معلوم ہوتا تھا نہ کہ خالص سیاہ رنگ کا تھا۔

”نمبرہ“ اس کلمی یا چادر کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں اور خط ہوں۔ ویسے لغت میں ”نمر“ مشہور درندہ چیتے کو کہتے ہیں اسی لئے ایسے کپڑے کو چیتے سے تشبیہ دی ہے کہ اسی کھال پر سیاہ و سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلَوَاوَةُ أَيْضًا - (رواہ الترمذی والبوداؤد ابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے دن) مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سفید جھنڈا تھا۔“

(ترمذی، البوداؤد، ابن ماجہ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ - (رواہ النسائی)

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی نظر میں عورتوں کے بعد (جہاد کے مقاصد کے لئے) گھوڑوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔“ (نسائی)

جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے

(۳۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَزِيَّةٌ فَرَأَى رُجُلًا يَبِيدُهُ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هَذِهِ الْقَهَا وَعَلَيْكُمْ بِهِذِهِ وَأَشْبَاهُهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَإِنَّهَا يُؤْتِيهَا اللَّهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّينِ وَيُمْكِّنُ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ -

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (کسی میدان میں یا ویسے ہی کسی موقع پر) رسول کریم ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، جب آپ ﷺ نے ایک شخص (صحابی) کے ہاتھ میں فارسی (ایرانی) کمان دیکھی تو فرمایا کہ ”یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو، تمہیں ایسی (یعنی عربی) کمان رکھنی چاہئے۔ اور اس طرح (یعنی اس وضع کی) رکھنی چاہئے۔ نیز تمہیں کامل نیزے رکھنے چاہئیں، یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین (کو) سر بلند کرنے میں تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے) شہروں میں تمہیں جمادے گا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: گویا ان صحابی نے جب یہ دیکھا ہو گا کہ فارسی (ایرانی) کمان زیادہ مضبوط اور زیادہ سخت ہوتی ہے تو انہوں نے اس کمان کو عربی کمان پر ترجیح دی، نیز پھر انہوں نے یہ گمان کیا ہو گا کہ ایسی کمان جنگ میں بہت کار آمد ہوتی ہے اور دشمنوں کے شہروں کو فتح کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ آلات حرب خواہ کسی قسم کے ہوں اور دیکھنے میں کتنے ہی مضبوط و عمدہ ہوں حقیقت میں میدان جنگ کی کامیابی کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی سر بلندی کی جدوجہد میں مدد و نصرت دے کر کامیاب و کامران کرتا ہے۔ حقیقی مدد و نصرت اسی کی طرف سے اور اسی کی قوت و قدرت کے ساتھ ہوتی ہے، نہ تمہاری قوت و طاقت سے دین کی سر بلندی میں نصرت حاصل ہوتی ہے اور نہ محض تمہارے ساز و سامان اور آلات حرب کی۔ دلی و عمدگی سے دشمنوں کے مقابلے پر مدد ملتی ہے۔

بَابُ آدَابِ السَّفَرِ

آداب سفر کا بیان

اس باب میں احادیث نقل ہوں گی جن سے سفر کے آداب اور طور طریقے معلوم ہوں گے، سفر خواہ جہاد کا ہو یا حج کا اور یا ان کے علاوہ اور کسی طرح کا۔

واضح رہے کہ ”سفر کے آداب“ بہت ہیں بعض تو اس طرح کے ہیں کہ ان کا تعلق سفر شروع کرنے سے پہلے سے ہے اور بعض آداب اس نوعیت کے ہیں کہ ان کا لحاظ سفر کے دوران ہونا چاہئے اور بعض آداب ایسے ہیں جو سفر سے واپس آنے پر ملحوظ رہنے چاہئیں، ان میں سے کچھ کے بارے میں اس باب میں منقول احادیث اور ان کی تشریحات سے معلوم ہو گا لیکن اس کی سب سے عمدہ تفصیل احیاء العلوم میں مذکور ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جہاد کے لئے جمعات کے دن نکلنا آنحضرت ﷺ کے نزدیک پسندیدہ تھا

① عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ - (رواہ البخاری)

”حضرت کعبؓ ابن مالک راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لئے جمعات کے دن روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے کہ جہاد کے سفر کی ابتداء جمعات کے دن سے کریں۔“ (بخاری)

تشریح: ”تبوک ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیانی راستہ پر خیبر اور الحلاء کے خط پر واقع ہے، یہ پہلے شام کے علاقہ میں تھا اب حجاز کی حدود میں ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ ۳۶۵ میل ہے، اس وقت یہ جگہ مدینہ سے ایک مہینہ کی مسافت کے بقدر تھی،

آنحضرت ﷺ ۹ھ میں اس جگہ پر فوج لے کر گئے تھے اسی کو غزوہ تبوک کہا جاتا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ ابو داؤد نے حضرت کعب بن مالکؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ ”ایسا کم ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ جہاد کے لئے اپنے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے نہ کرتے ہوں۔“

آنحضرت ﷺ جہاد کے سفر میں جمعرات ہی کے دن روانہ ہونا کیوں پسند کرتے تھے؟ اس میں کئی احتمال ہیں ایک تو یہ کہ چونکہ بندوں کے نیک اعمال جمعرات ہی کے دن سے اللہ تعالیٰ تک اٹھائے جاتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ یہ چاہا کرتے تھے کہ جہاد کا عمل آج ہی اللہ تعالیٰ تک اٹھایا جائے کہ وہ افضل اعمال ہے اور دوسرے یہ کہ ”خمیس“ لشکر کو بھی کہتے ہیں (اور جمعرات کا دن بھی یوم الخمیس کہلاتا ہے) لہذا آپ جمعرات کے دن سفر جہاد کی ابتداء کر کے یہ فال نیک لیتے تھے کہ جس لشکر کے مقابلہ پر جا رہے ہیں اس پر فتح حاصل ہوگی۔

بہر کیف اس سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق جو چیز ہے وہ یہی ہے کہ جب جہاد کے لئے سفر اختیار کیا جائے تو جمعرات کے دن روانگی عمل میں لائی جائے لیکن اصل مدار استخارہ اور تقویٰ اور توکل پر ہے۔

یہ واضح رہے کہ سلف (صحابہؓ) سے یہ قطعاً منقول نہیں ہے کہ وہ سفر کی ابتداء کرنے کے سلسلے میں علم نجوم کا اتباع کرتے ہوں اور روانگی سفر کے لئے وہی ساعت اختیار کرتے ہوں جو خوش حساب ظاہر کرتا ہو! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس میٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ تم سفر میں فلاں روز جانا، فلاں روز روانہ نہ ہونا، یہ سن کر حضرت علیؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں (اتنی غلط اور خلاف اسلام بات کہنے پر) تمہاری گردن اڑا دیتا، ہم حضرت ابو القاسم محمد ﷺ کی خدمت میں (برابر) حاضر رہا کرتے تھے، ہم نے تو کبھی بھی آپ کی مجلس میں یہ ذکر ہوتے نہیں سنا کہ فلاں روز سفر کرنا چاہئے اور فلاں روز سفر نہ کرنا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ”قمر در عقرب“ اور ”حقاق“ کے سلسلے میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے وہ پایہ صحت کو پہنچا ہوا نہیں ہے۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُوا مَا سَارَ رَاكِبٌ بَلِيلٍ وَحْدَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر لوگ اس چیز کو جو تنہا سفر کرنے سے پیش آتی ہے اتنا جان لیں جتنا میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات میں کبھی سفر کرنے کی ہمت نہ کرے۔“ (بخاری)

تشریح: ”اس چیز سے“ دینی اور دنیاوی نقصانات“ مراد ہیں۔ چنانچہ دینی نقصان تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں ہوتی اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ کوئی غم خوار و مددگار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آئے تو اس سے مدد مل سکے۔ ”سوار“ اور ”رات“ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ سوار کو زیادہ کی بہ نسبت زیادہ خطرہ رہتا ہے اور خصوصاً رات میں۔

جس قافلہ میں کتا اور گھنٹال ہوتا ہے اس کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رَفَقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَوْش۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اس قافلہ کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتا اور گھنٹال ہو۔“

(مسلم)

تشریح: ”فرشتے“ سے کتبہ یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے اور حفظ یعنی حفاظت کرنے والے مراد نہیں ہیں بلکہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ کتبہ سے مراد وہ کتا ہے جو پاسبانی کے لئے نہ ہو، لہذا پاسبانی اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے کتا رکھنا مباح ہے۔ جس (گھنٹال) ان گھنٹیوں اور گھنگروؤں کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اس (جرس) کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ناقوس کی مشابہت رکھتا ہے یا اس لئے ممنوع ہے کہ یہ ان لٹکانے والی چیزوں میں سے ہے جن کی آواز کی ناپسندیدگی و کراہت کی وجہ سے ان کا لٹکانا ممنوع ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے اور جس میں جرس کو مزامیر الشیطان کہا گیا ہے۔ نیز شرح السنہ میں یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ کے پاس ایک لڑکی آئی جس کے پاؤں میں جھانجھیں یا گھنگھرو تھے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میرے پاس سے وہ چیز ہٹاؤ جو طائد کو دور کرنے والی ہے، نیز منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

گھنگھرو اور گھنٹیاں شیطانی باجہ ہیں

④ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَسُ مِزَامِيرُ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جرس (یعنی گھنگرو اور گھنٹی) مزامیر شیطان (یعنی شیطانی باجہ) ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مزامیر“ دراصل ”مزار“ کی جمع ہے اور مزار ”بانسری“ کو کہتے ہیں جو بجائی جاتی ہے، نیز ”زمر“ اور ”ترمیر“ بانسری کے ساتھ گانے کو کہتے ہیں۔ مزامیر بلفظ جمع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی آواز میں اس طرح کا تسلسل ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتی گویا اس آواز کی ہر لے اور ہر سلسلہ ایک مزار ہے۔ نیز ”جرس“ کو مزامیر شیطان اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ وہ انسان کو ذکر و استغراق اور مشغولیت عبادت سے باز رکھتا ہے۔

اونٹ کے گلے میں تانت کا پٹا باندھنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ أَبِي نَشِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَادِهِ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَاتَّبَعَيْنِ فِي رَقَبَةٍ بَعِيرٍ قَلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قَلَادَةً الْأَقْطَعَتِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو بشیر انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، تو (وہ بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے موقع پر) رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قافلہ کے اندر اس حکم کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کمان کی تانت کے قلابے (پٹے) کو باقی نہ رکھا جائے۔ فرمایا کہ قلابے کو باقی نہ رکھا جائے بلکہ کاٹ ڈالا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”یہ فرمایا کہ“ یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قلابہ من و وتر یعنی کمان کی تانت کا قلابہ فرمایا تھا یا صرف قلابہ فرمایا تھا۔

قلاہے کو کاٹ دینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ لوگ اس میں گھنگرو اور گھنٹیاں باندھ دیتے تھے اور یہ چیز ”مزامیر الشیطان“ ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا، یا اس لئے منع فرمایا کہ بعض کمزور عقیدہ لوگ کمان کی تانت میں منکے (مالے کے دانے) وغیرہ باندھ کر اور اس کا قلابہ (پٹا) بنا کر جانوروں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ اس کے ذریعہ جانور آفات وغیرہ سے محفوظ رہیں گے، لہذا

آنحضرت ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا کیونکہ ایسا کوئی بھی ذریعہ اللہ تعالیٰ - صمد و قہر و فیض و تدبیر کے لئے لکھے کو ٹال نہیں سکتا۔

جانوروں پر سفر کر نیکے بارے میں چند ہدایات

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ فِي الْحَبْشِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا الشَّيْرَ وَإِذَا عَزَمْتُمْ بِاللَّيْلِ فَحَسِّنُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُوقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نَفْسَهَا - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم ار زانی کے رانے میں (اونٹوں پر) سفر کرو تو ان اونٹوں کو ان کا زمین (سے کھانے) کا حق دو (یعنی ان کو گھاس کھانے کا موقع دو) بایں طور کہ سفر کے دوران ان کو تھوڑی دیر کے بعد چرے کے لئے چھوڑ دیا کرو تاکہ وہ پیٹ بھر کر چریں اور تیز چلیں اور جب تم قحط سالی کے زمانے میں سفر کرو تو ان پر بلدن - فر کرو (یعنی سفر کے دوران راستہ میں تاخیر نہ کرو تاکہ اونٹ پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ضعف و نقابت میں مبتلا ہونے سے پہلے) میں منزل مقصود پر پہنچائیں) نیز جب تم کہیں رات میں پڑاؤ ڈالو تو راستے پر پڑاؤ نہ ڈالو کیونکہ ان پر چوپائے چلتے ہیں اور وہ - ذی (زبریلے) جانوروں (جیسے سانپ و بچھو وغیرہ) کا مسکن اور ان کی گزر گاہ ہیں)“ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم قحط سالی کے زمانے (اونٹوں پر) سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر طے کرو جب کہ اونٹوں میں گودا (یعنی بدن کی طاقت) موجود ہو۔“ (مسلم)

ضرورت مند رفیق سفر کی خبر گیری کرو

⑦ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى زَاحِلَةٍ فَجَعَلَ يَضْرِبُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلٌ فَليُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ زَادَ فليُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا ذَاذِلَةَ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَأَحَقُّ لِأَحَدٍ مِّنَّا فِي فَضْلٍ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر جب کہ ہم ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اچانک ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا اور اونٹ کو دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا، چنانچہ یہ (دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جس شخص کے پاس (اپنی ضرورت سے) زائد سواری ہو اس کو چاہئے کہ وہ سواری اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کھانے پینے کا سامان ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ کھانے پینے کا سامان اس شخص کو دیدے جس کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مال اور چیزوں کی اقسام کو ذکر کیا (یعنی آپ نے چیزوں کا نام لے کر فرمایا کہ جس کچھ سامان چھینا ہو یا چیز اور غیر اپنی حاجت سے زائد ہو تو اس کو اس شخص پر خرچ کیا جانا چاہئے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو) یہاں تک کہ (آپ کی ترغیب و نصیحت سے) ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی اس چیز پر کوئی حق نہیں ہے جو اس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہے (بلکہ اس چیز کا حقیقی حق وہ شخص ہے جو اس وقت اس چیز سے محروم ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اونٹ اتنا تھک گیا تھا یا پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ وہ شخص اس اونٹ کو کسی ایک جگہ پر کھڑا کر دینے پر قادر نہیں ہو رہا تھا بلکہ کبھی اس کو دائیں موڑ دیتا تھا اور کبھی بائیں گھمادیتا تھا۔ یا مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی آنکھوں کو چاروں طرف پھیرتا تھا اور ان کو دائیں بائیں گھما کر یہ دیکھتا تھا کہ کہیں سے اس کو وہ چیزیں مل جائیں جو اس کی ضروریات اور حاجتوں کو پورا کر دیں۔ اس صورت میں حاصل یہ ہو گا کہ اس شخص کے پاس نہ تو سواری کے لئے کوئی

مناسب انتظام تھا اور نہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور اوزھنے بچھونے کا کوئی سامان تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بے سرو سامانی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور پھر ترغیب دلائی کہ وہ اس ضرورت مند اور در ماندہ کی خبر گیری کریں۔

مقصد سفر پورا ہو جانے پر گھر لوٹنے میں تاخیر نہ کرو

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَنْفَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَةً وَطَعَامَةً وَشَرَابَةً فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيَعَجِلْ إِلَى أَهْلِهِ - (تقریباً)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں نہ تو آرام و راحت (سوتے دیتا ہے اور نہ (ڈھنگ سے) کھانے پینے دیتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی شخص (کہیں سفر میں جائے اور) اپنے سفر کی غرض کو پورا کرے (یعنی جس مقصد کے لئے سفر کیا ہے وہ مقصد پورا ہو جائے) تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھروالوں کے پاس واپس آجانے میں جلدی کرے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ سفر اپنی صورت کے اعتبار سے جہنم کے عذاب کی انواع میں سے ایک نوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَأَزِيدُهُ ضِعْفًا

جیسے بھی جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت کے اعتبار سے کسی شخص کے حق میں سفر، پریشانیوں اور صعوبتوں کا ذریعہ ہونے سے کم نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس دور میں جب کہ آج کی طرح سفر کے تیز رفتار اور اطمینان بخش ذرائع نہیں تھے، لوگ سفر کے دوران کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ اور کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار ہوتے تھے اس کا اندازہ بھی آج کے دور میں نہیں لگایا جاسکتا۔

حدیث میں سفر کی بطور خاص دو پریشانیوں کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران نہ تو وقت پر اور طبیعت کے موافق کھانا پینا ملتا ہے اور نہ آرام و چین کی نیند نصیب ہوتی ہے وہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ سفر میں تو نہ معلوم کتنے ہی دینی اور دنیاوی امور فوت ہوتے ہیں جیسے جمعہ و جماعت کی نماز سے محرومی رہتی ہے، اہل بیت اور دیگر قربات داروں کے حقوق بروقت ادا نہیں ہوتے اور گرمی سردی کی مشقت و تکلیف اور اسی طرح کی دوسری پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

مسافر کا اپنے گھروالپس آنے پر بچوں کے ذریعہ استقبال

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تَلَقَّى بِصِيبَانِ أَهْلِ بَيْتِهِ وَإِنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسَبَقَ بِي إِلَيْهِ فَحَمَلَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جَنَى بِأَخِيذِ ابْنِي فَاطِمَةَ فَارْدَفَهُ حَلْفَهُ قَالَ فَأَذْجَلْنَا الْمَدِينَةَ ثَلَاثَةَ عُلَى دَابَّةً - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو آپ ﷺ کے اہل بیت کے بچوں کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جاتا (یعنی آپ ﷺ کے اہل بیت اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے جاتے) چنانچہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لائے (اور مدینہ کے قریب پہنچے) تو مجھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے مجھے اٹھالیا اور اپنے آگے سوار کر لیا پھر حضرت فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے (یعنی حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو لایا گیا) تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور پھر اس طرح ہم تینوں ایک جانور پر (سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔“ (مسلم)

⑩ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةٌ مُرَدِّفَهَا عَلَى رَاحِلَتِهِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ (انسؓ) اور حضرت طلحہؓ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (خیبر کے سفر سے) واپس آئے تو اس موقع پر حضرت صفیہؓ بنی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھار کھاتھا۔“ (بخاری)

تشریح: یہ خیبر سے واپس ہونے کے وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہؓ خیبر کے مال غنیمت میں سے تھیں اور پہلے حضرت وحیدہ کلبیؓ کے ہاتھ لگی تھیں جن سے آنحضرت ﷺ نے ان کو لے لیا اور پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور سواری پر اپنے ساتھ بٹھا کر مدینہ لائے۔

سفر سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کا وقت

⑪ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ أَهْلُهُ لَيْلًا وَكَانَ لَا يَدْخُلُ إِلَّا غَدَوَةً أَوْ عَشِيَّةً۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے گھروالوں کے پاس (سفر سے) رات کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت، یا آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت (گھر میں) داخل ہوا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

رات کے وقت سفر سے واپس نہ آنے کی ہدایت

⑫ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمْ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی غیر حاضری کا عرصہ طویل ہو جائے (یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں) تو وہ (سفر سے) واپسی کے وقت (اپنے گھر میں) رات کے وقت داخل نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شرح السنہ میں ایک یہ روایت منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس ممانعت کے بعد (کا واقعہ ہے کہ) دو آدمیوں نے (آنحضرت ﷺ کے اس حکم پر عمل نہیں کیا اور) اپنے سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے کے لئے رات ہی کا وقت اختیار کیا تو (جب وہ اپنے اپنے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں) ان میں سے ہر ایک نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مردوں کو پایا۔

⑬ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمَغِيبَةَ وَتَمْسُحَ بِالشَّعْثَةِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر تم (سفر سے) واپسی پر اپنے شہر و آبادی میں رات کے وقت پہنچو تو اپنے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ بیوی زیر ناف بالوں کو صاف نہ کر لے اور وہ بیوی کہ جس کے بال پر آگندہ ہوں کنگھی چوٹی نہ کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ سفر سے واپسی کے لئے رات کا وقت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ سفر سے واپسی کی ابتداء ایسے وقت کی جائے کہ اپنے گھروالوں کے پاس رات ہونے سے پہلے پہنچ جائے تاکہ رات کے وقت گھر پہنچنے کی وجہ سے گھروالے بے آرام نہ ہوں اور ان کی نیندوں میں خلل نہ پڑے، اور اگر اپنے شہر اور اپنی آبادی میں پہنچتے رات ہو جائے تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے اس وقت تک صبر و انتظار کرے جب تک کہ اس کی بیوی کو اس کا آنا معلوم نہ ہو جائے اور وہ بناؤ سنگار کے ذریعہ اپنے آپ کو آراستہ اور جنسی اختلاط کے لئے تیار نہ کر لے تاکہ شوہر جب اس کے پاس پہنچ جائے تو سفر کی تکلیف اور جدائی کی پشیمانی، جسمانی انبساط و نشاط میں تبدیل ہو جائے۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں (یعنی رات کے وقت سفر سے واپسی اور کچھ دیر انتظار و صبر کئے بغیر گھر میں داخل ہو جانا) اس شخص کے حق

میں مکروہ ہیں جو لمبے سفر سے واپس آ رہا ہو، ہاں جو شخص کسی چھوٹے سفر سے واپس آ رہا ہو یا اس کے گھر والوں کو رات کے وقت اس کے پونجے کی اطلاع سے ہو تو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی ایک حدیث (نمبر ۱۱۲) سے واضح ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بڑے لشکر یا بڑے قافلہ میں ہو اور اس لشکر و قافلہ کی واپسی کی خبر مشہور ہو چکی ہو اور اس کی بیوی کو بھی اس کے آنے کا علم ہو (کہ وہ لشکر و قافلہ کے ساتھ فلاں رات میں آئے گا) تو اس کے لئے بھی رات کے وقت آنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مقصد تو بیوی کا اس کے آنے سے پہلے تیار و مستعد رہنا ہے سو وہ اس صورت حال میں حاصل ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی گھر پہنچ کر پہلے دروازہ کھٹکھٹانا اور جواب کا انتظار کرنا ضروری ہوگا۔

سفر سے واپس آنے پر دعوت کرنے مسنون ہے

(۱۴) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ تَحَرَّوْا أَوْ بَقَرَةً. (رواہ البخاری و مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اونٹ یا گائیں ذبح کیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد ضیافت کرنا اور لوگوں کو اپنے یہاں کھانے وغیرہ پر مدعو کرنا مسنون ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سفر سے واپس آنے کا وقت

(۱۵) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الصُّحَىٰ فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّىٰ فِيهِ وَكَعَّتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ لِلنَّاسِ. (تفصیل علیہ)

”اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت سفر سے واپس نہیں آیا کرتے تھے، چنانچہ جب آپ (سفر سے) واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں بیٹھتے سے پہلے تحیۃ المسجد یا چاشت کی (دور کعت نماز پڑھتے اور پھر لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں بیٹھتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”چاشت کے وقت الخ“ یہ اکثر کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی چونکہ آپ اکثر و بیشتر چاشت ہی کے وقت واپس تشریف لاتے تھے اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور وقت واپس نہیں آتے تھے، ورنہ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ دن کے ابتدائی حصہ یعنی صبح اور آخری حصہ شام کے وقت ہی سفر سے آیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صرف صبح ہی کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ شام کے وقت بھی واپس آ جایا کرتے تھے۔

سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانے کا حکم

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ لِي ادْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ وَكَعَّتَيْنِ. (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا، چنانچہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ”مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔“ (بخاری)

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے پیش نظر مسافر کا سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانا آنحضرت ﷺ سے فعلاً بھی ثابت ہوا اور قولاً بھی نیز مذکورہ بالا حکم میں نہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسجد گویا اللہ کے گھروں

میں سے ایک گھر ہے اور مسجد میں جانے والا گویا اللہ سبحانہ سے ملاقات کرنے والا ہے لہذا جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے حق میں اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے اللہ کے گھر میں جائے اور اللہ سے ملاقات کرے جس نے اس کو سفر کی آفات سے محفوظ رکھ کر بعافیت اس کے اہل و عیال کے درمیان واپس پہنچایا۔

الفصل الثانی

امت کے حق میں صبح کے وقت کے لئے آنحضرت کی دعاء برکت

(۱۷) عَنْ صَخْر بْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَامْتِي فِي بُكُورِهَا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَثَرِي وَكَثُرَ مَالُهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارقطنی)

”حضرت صحیح بن وداعہ الغامدی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا (یعنی یوں دعا فرمائی ”اے اللہ! میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما، یعنی اگر میری امت کے لوگ دن کے ابتدائی حصہ (صبح) میں طلب علم میں مشغول ہوں یا اپنے ذریعہ معاش میں منہمک اور یا سفر وغیرہ کریں تو اس میں انہیں برکت حاصل ہو۔“ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب کوئی چھوٹا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ اور صحرا جو ایک تاجر (سوداگر) تھے (اس دعا کی برکت حاصل کرنے کے پیش نظر) اپنا تجارتی مال دن کے ابتدائی حصہ ہی میں روانہ کرتے تھے، چنانچہ وہ مال دار ہوئے اور ان کے مال میں بہت اضافہ ہوا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی)

رات کے وقت سفر کرنے کا حکم

(۱۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالذُّلْجَةِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تُظَلُّوْ بِاللَّيْلِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم رات کے وقت چلنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سفر کے لئے گھر سے نکلو تو محض دن کے وقت چلنے پر قناعت نہ کرو بلکہ تھوڑا سا رات کے وقت بھی چلا کرو کیونکہ رات میں سفر آسانی کے ساتھ طے ہوتا ہے اور اس خیال سے مسافر کی ہمت سفر پر کوئی بار نہیں ہوتا کہ ابھی میں نے بہت تھوڑا فاصلہ کیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے ورنہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اول تو رات کے وقت چلنے کے علاوہ اور کوئی مشغل نہیں ہوتا دوسرے فاصلے کی علامات و نشانات پر نظر نہیں پڑتی اور یہ چیزیں راستہ چلنے والے کی نظر میں سفر کو بھاری کر دیتی ہے چنانچہ اسی مفہوم کو زمین کے لپیٹ دیئے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ دن کے وقت بالکل چلو ہی مت، چنانچہ دوسری احادیث میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنا سفر دن کے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ میں طے (کرنے کی کوشش) کرو اور کچھ حصہ رات کے وقت بھی چلو۔

سفر میں کم سے کم تین آدمیوں کا ساتھ ہونا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّكَاكُ شَيْطَانٌ وَالزَّكَاكِيانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتَّسَنُّيُ۔

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”ایک سوار ایک شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار، سوار ہیں۔“ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”تین سوار، سوار ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ تین سوار اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو سوار کہا جائے کیونکہ وہ شیطان کی فریب کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ گویا اس طرح ایک یا دو سوار کو سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ سفر میں کم سے کم تین ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ تنہا سفر کرنے میں ایک نقصان تو یہ ہے کہ جماعت فوت ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس کو کوئی ضرورت و حادثہ پیش آجائے تو اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اور وہ ہر معاملے میں درماندہ رہتا ہے، اسی طرح اگر محض دو ساتھی سفر کریں تو اس صورت میں اگر خدا نخواستہ یہ بات پیش آجائے کہ ایک ساتھی بیمار ہو جائے یا مر جائے تو دوسرا ساتھی سخت مضطرب و پریشان ہوگا اور یہ چیز شیطان کی خوشی کا باعث ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا سفر کرے یا سفر کے دو ہی ساتھی ہوں تو شیطان کو بڑی آسانی کے ساتھ یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ان کو گمراہ کرے اور برائی میں مبتلا کرے، اسی بات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ایک سوار یا دو سوار کو شیطان فرمایا گیا ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں تاکہ اول تو وہ جماعت سے نمار ادا کریں اور دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص کو دوران سفر کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑے تو دو باقی رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی دلیگیری و اطمینان کا ذریعہ بنیں اور اگر اس شخص کے آنے میں تاخیر ہو جائے تو ان دونوں میں سے ایک اس کی خبر لینے اور تاخیر کا سبب جاننے کے لئے چلا جائے اور دوسرا سامان وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

سفر میں ایک سے زائد لوگ ہونے کی صورت میں کسی ایک رفیق سفر کو امیر بنالیا جائے

(۲۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر (مثلاً سفر میں) تین شخص ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا چاہئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”تین شخص“ سے مراد جماعت ہے کہ جس کا ادنیٰ درجہ تین ہے، ویسے یہ حکم اس صورت کے متعلق بھی ہے جب کہ دو آدمی بھی ساتھ سفر کر رہے ہوں، یہاں تین کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا ہے کہ پہلے ایک حدیث میں بیان فرمایا جا چکا ہے کہ دو سوار شیطان ہوتے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی سفر میں ایک سے زائد لوگ ہوں تو اس صورت میں ان میں سے ایک شخص کو اپنا امیر و سردار مقرر کر لیا جائے جو سب سے افضل ہو اور کسی کو امیر و سردار بنالینے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر دوران سفر کسی معاملہ میں آپس میں کوئی نزاع صورت پیدا ہو جائے تو اس امیر و سردار کی طرف رجوع کر لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر کے اپنے نزاع کو ختم کر دیا جائے۔ امیر و سردار کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے تمام رفقاء سفر کے حق میں خیر خواہ، مہربان اور غمگسار ہو اور اپنی سرداری کو اپنے لئے محض وجہ افتخار سمجھ کر کسی بڑائی میں مبتلا نہ ہو بلکہ حقیقی معنی میں اپنے آپ کو اس کا خادم سمجھے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ سید القوم خادمہم یعنی کسی جماعت کا سردار اصل میں اپنی جماعت کا خدمت گزار ہوتا ہے۔

بہترین رفقاء سفر

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُمَائَةٍ وَخَيْرُ

الْجِيُوشُ اَرْبَعَةُ اَلْفٍ وَلَنْ يَغْلِبَ اِنْتَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قَلَّةٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”مِثْلًا کِی سَفَرِکے بہترین ساتھی اور رفقاء وہ ہیں جو (کم سے کم) چار کی تعداد میں ہوں، چھوٹے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں چار سو (مجاہد ہوں) اور بڑے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں بارہ ہزار (مجاہد) ہوں اور بارہ ہزار (مجاہد) کم ہونے کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: چار رفقاء اور ساتھیوں کو ”بہترین“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ فرض کیجئے اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک بیمار ہو جائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے ان تین ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کو کوئی وصیت کرے تو باقی دو ساتھی اس کی وصیت کے گواہ ہو جائیں۔ ویسے علماء نے لکھا ہے پانچ ساتھی۔ چار ساتھیوں سے بہتر ہوتے ہیں بلکہ پانچ سے بھی جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی بہتر ہوں گے اور یہاں حدیث پیکار کا ذکر کر کے گویا ادنیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے۔

”مغلوب نہیں ہوتے“ کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کی طاقت ایک بڑی طاقت ہوتی ہے، اتنے زیادہ مجاہدین دشمن کے مقابلے پر بھی مغلوب نہیں ہوں گے، اور اگر مغلوب بھی ہوں گے تو تعداد کی کمی کی وجہ سے تو ہوں گے نہیں کیونکہ بارہ ہزار کا عدد کی کمی حد سے نکل گیا ہے البتہ کسی اور سبب سے مغلوب ہوں گے۔ جیسے اپنی تعداد و طاقت پر بیجا اترا ہٹ اور غرور و تکبر وغیرہ۔

اپنے رفقاء سفر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معمول

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيرِ فَيُزِي جَى الضَّعِيفِ وَيُزِدُهُمْ وَيَدْعُو لَهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (سفر کے دوران) چلتے وقت (تواضع و انکسار کی وجہ سے) اور دوسروں کی مدد و خبر گیری کے پیش نظر قافلے سے پیچھے رہا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کمزور (کی سواری) کو ہانکا کرتے (تاکہ وہ مراہیوں کے ساتھ مل جائے) اور جو کمزور و ضعیف شخص سواری سے محروم ہونے کی وجہ سے پیدل چلتا ہو اس کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور ان (قافلہ والوں) کے لئے دعا کرتے رہتے۔“ (ابوداؤد)

منزل پر پہنچ کر تمام رفقاء سفر کو ایک جگہ ٹھہرنا چاہئے

(۲۳) وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخَضَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا نَزَلُوا مَنَزِلًا تَفَرَّقُوا فِي الشَّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ تَفَرَّقَكُمْ فِي هَذِهِ الشَّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذَلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَنْزِلُوا بَعْدَ ذَلِكَ مَنَزِلًا إِلَّا انْصَمَّ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ حَتَّى يَقَالَ لَوْ بَسَطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ثعلبہؓ کہتے ہیں کہ (پہلے عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ یعنی صحابہؓ) جب کسی منزل پر اترتے تو الگ الگ ہو کر پہاڑی دروں اور وادیوں میں پھیل جاتے تھے (یعنی کوئی کہیں اترتا اور کوئی کہیں) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (اس طریقہ کو ختم کرنے کے لئے) بایں طور فرمایا کہ سمجھ لو تمہارا اس طرح ان دروں اور وادیوں میں الگ الگ ہو کر اترنا محض شیطان کی طرف سے ہے (یعنی یہ شیطان کے فریب کے سبب سے ہے کہ وہ تمہیں الگ کر دینا چاہتا ہے تاکہ دشمن تم پر قابو پالے اور تمہیں نقصان اور آزار پہنچائے) اس ارشاد کے بعد لوگ جب بھی کسی منزل پر اترتے تو آپس میں اتنے پاس پاس ٹھہرتے کہ کہا جانے لگا کہ اگر ان سب پر ایک ہی کپڑا پھیلا دیا جائے تو

وہ سب کو ڈھانک لے۔“ (ابوداؤد)

آنحضرت ﷺ کے کمال انگسار کا مظہر ایک واقعہ

(۲۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلَى بَعِيرٍ كَانَ أَبُو لُبَابَةَ وَعَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ زَمِيلَيْنِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عَقِيَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ نَمَشِي عَنْكَ قَالَ مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَى مِنِّي وَمَا أَنَا بِأَعْنَى عَنِ الْآخِرِ مِنْكُمَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر کے موقع پر) ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے یعنی تین تین آدمیوں میں ایک اونٹ تھا کہ وہ تینوں باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے اونٹ میں شریک سفر تھے حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ صورت حال یہ تھی کہ جب (اس اونٹ پر) رسول کریم ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ عرض کرتے کہ آپ ﷺ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے۔ (آپ ﷺ اونٹ ہی پر سوار رہیں) لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے کہ ”نہ تو تم (اس دنیا کی) مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہو کہ بس تم پیدل چلنے کی طاقت رکھتے ہو اور میں پیدل نہیں چل سکتا اور نہ میں (آخرت کا) زیادہ ثواب حاصل کرنے میں تم سے بے پرواہ ہوں (یعنی میں آخرت کے اجر و ثواب کا تم سے کم محتاج نہیں ہوں۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کمال انگسار و تواضع کے کس بلند مقام پر تھے اور یہ کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حق میں کسی قدر مہربان اور خیر خواہ تھے کہ ان کی راحت کو کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے معصوم عن الخطا تھے اور خدا کے محبوب بندے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ بارگاہ الوہیت میں اپنی عبدیت کے اقرار کے طور پر خدا کی طرف سے اپنے احتیاج اور اس کے حضور میں اپنی مکمل بیچارگی کو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

سواری کے جانوروں کے بارے میں ایک حکم

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَتَابِرَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتَبْلَغَكُمْ إِلَى بِلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بِالْغِيَةِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوا أَحَاجَاتِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچادیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت و محنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے (اسی غرض سے) پیدا کیا ہے لہذا تم اس پر اپنے کاموں اور اپنی حاجتوں کو پورا کرو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ باتیں کرنے کے لئے جانور کی پشت پر سوار ہو کے نہ کھڑے رہو بلکہ اگر کسی سے بات کرنی ہے تو اس کی پشت پر سے اتر کر اپنی حاجت پوری کرو اور پھر اس پر سوار ہو، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ سواری کے علاوہ جانور کی اور کوئی حاجت یا اس کے ساتھ کوئی اور صحیح غرض متعلق نہ ہو، ہاں اگر اس جانور سے کوئی اور صحیح غرض متعلق

ہوگو اس میں کوئی ضائقہ نہیں جیسا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجتہ الوداع میں عرفہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اس پر اٹھو بیٹھو اور کھڑے ہو اور ان کے علاوہ اپنی ضرورتیں پوری کرو، لہذا اپنے کام زمین پر ہی کرو سواری کے جانور کی پشت پر سوائے سوار ہونے کے، کہ وہ تمہیں منزل مقصود پر پہنچا دے اور کوئی کام نہ کرو۔

صحابہؓ کے نزدیک سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال کی اہمیت

(۲۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا نَزَلْنَا مَثَرًا لَا نُسَبِّحُ حَتَّى نَحُلَّ الزَّحَالَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم (دوران سفر یا سفر کے بعد) کسی منزل پر اترتے تو اس وقت تک نفل نماز نہ پڑھتے تھے جب کہ جانوروں پر سے سامان نہ کھول لیا جاتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سبوحہ اور تسبیح کا اطلاق اکثر نفل نماز پر ہوتا ہے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں نماز چاشت ہی مراد ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر منزلوں پر اترنے کا وقت یہی چاشت کا وقت ہوتا تھا۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ بتانا ہے کہ باوجودیکہ صحابہؓ نماز کا بہت زیادہ اہتمام و خیال رکھتے تھے لیکن وہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے اہتمام کو بھی پہلے ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی حق شناسی

(۲۷) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ازْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِي أَنتَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي قَالَ جَعَلْتُهُ لَكَ فَرَكِبَ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت بريدہؓ کہتے کہ رسول کریم ﷺ (ایک سفر میں) پیدل راستہ طے کر رہے تھے کہ اس دوران اچانک ایک شخص اپنے گدھے کے ساتھ، (یعنی اس پر سوار) آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (میرے گدھے پر) سوار ہو جائیے۔“ اور (یہ کہہ کر) وہ شخص گدھے کی پشت پر بیچھے سرک گیا (تاکہ آنحضرت ﷺ آگے بیٹھ جائیں) لیکن آپ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں بیٹھو گا کیونکہ (اپنی سواری کے) جانور پر آگے بیٹھنے کے تم ہی مستحق ہو الا یہ کہ تم مجھے اس کا حقدار بنا دو (یعنی اگرچہ اس شخص کا بیچھے سر کرنا ہی لئے تھا۔ کہ گویا اس نے آپ کو آگے بیٹھے رہنے کا حقدار بنا دیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے کمال احتیاط کے پیش نظر اس پر واضح کیا کہ میں تمہاری سواری پر آگے اسی وقت بیٹھ سکتا ہوں جب کہ تم صریح الفاظ میں مجھ سے آگے بیٹھنے کے لئے کہو، اس شخص نے کہا کہ (میں صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ) آپ کو میں نے اس کا حقدار بنا دیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ (اس کے آگے بیٹھ گئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے جہاں آنحضرت ﷺ کا یہ احساس انصاف و حق شناسی ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے اس وقت تک اس شخص کی سواری پر آگے بیٹھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس نے صراحت کے ساتھ اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے اپنے حق کو آپ کی طرف منتقل نہ کر دیا وہیں آنحضرت ﷺ کا وصف تواضع و انکسار بھی پورے کمال کے ساتھ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کے بیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اور اس پر راضی ہوئے۔

شیطانی اونٹ اور شیطانی گھر

(۲۸) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ إِبِلٌ لِلشَّيَاطِينِ وَيَبُوتُ لِلشَّيَاطِينِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِينِ فَقَدْ رَأَيْنَاهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِسَجِيَّاتٍ مَعَهُ قَدْ أَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلَمُونَ بِعَيْزِ أَمْنِهَا وَيَمْرُ بِأَحْيِئِ

قَدْ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَأَمَّا ثَبُوتُ الشَّيَاطِينِ فَلَمْ أَرَهَا كَانَ سَعِيدٌ يَقُولُ لَا أَرَاهَا إِلَّا هَذِهِ الْأَقْفَاصُ الَّتِي يَسْتُرُ النَّاسُ بِالْذِّيَّاجِ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سعید ابن ابویہ (تابعی) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (کچھ) اونٹ شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں اور (کچھ) گھر شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں ان کو میں نے دیکھا ہے (جیسے) تم سے کوئی شخص عمدہ قسم کی اونٹنیوں کو لے کر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فریہ کیا لیکن ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا ہے اور جب (کسی سفر میں) اپنے اس مسلمان بھائی کے ساتھ راستہ طے کرتا ہے جو (اپنی کمزوری اور سواری سے) مرود کی وجہ سے) چلتے چلتے تھک گیا ہے تو اس کو (بھی) اس اونٹ پر سوار نہیں کرتا۔ اور جو گھر شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔“ حدیث کے راوی حضرت سعیدؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ گھر (جو شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں) وہ پتھر ہے جن کو لوگ (دشمنی کپڑوں کے پردوں سے) ڈھانکتے ہیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”جو اونٹ شیطانوں کے ہو جاتے ہیں الخ“ کا حاصل یہ ہے کہ اونٹوں کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ان کو اپنی سواری اور بار برداری کے مصرف میں لایا جائے اور خدا نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی بھی سفری ضروریات پوری کی جائیں اور دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو بھی ان سے نفع پہنچایا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ان کو خوب مونا تازہ کر کے محض اظہار تفاخر اور نام آوری کے لئے رکھتا ہے اور ان کو اپنے سفر میں اپنی یا اپنے کسی ضرورت مند مسلمان بھائی کے رفع احتیاج کے لئے نہیں بلکہ ”کوئل“ رکھتا ہے تو اس طرح اس نے اس اونٹ کو نہ تو اپنے مصرف میں لا کر اور نہ کسی تحفے ہوئے مسلمان بھائی کی راحت کا ذریعہ بنا کر گویا شیطان کی اطاعت کی اور شیطان کو خوش کیا اس لئے وہ اونٹ گویا شیطان کے لئے ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئل گھوڑا ممنوع ہے اور گویا وہ شیطانی گھوڑا ہوتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا جزء فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيْطَانِ (چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہوتے ہیں الخ) دراصل حدیث کے راوی یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے الفاظ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اصل حدیث صرف ما بِل کی مجمل عبارت ہے یعنی یکون ابل للشیاطین ویبوت للشیاطین اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوا) اصل حدیث فلم ارھا (ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے) تک ہے! اسی قول کو ملا علی قاری نے بھی پسند کیا ہے۔

شیطانی گھروں سے مراد یا تو عماریاں اور ہودج ہیں جن کو بعض لوگ ریشمی کپڑوں سے آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں یا وہ گھر ہیں جن کو ریشمی کپڑوں کی دیوار گیریوں کے ساتھ مزین کیا گیا ہو، ظاہر ہے جہاں خود ان ہودجوں یا گھروں کی ممانعت مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو ریشمی کپڑوں کے ساتھ سجانے اور مزین کرنے کے سبب سے ان کی برائی بیان کی گئی ہے جس میں نہ صرف مال کی بربادی اور اسراف ہی ہے بلکہ اظہار تفاخر اور بریا بھی ہے۔

کہیں پڑاؤ ڈالو تو وہاں نہ زیادہ جگہ گھیرو اور نہ راستہ روکو

(۲۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا ينادي فِي النَّاسِ إِنَّ مَنْ صَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سہل ابن معاذ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”ایک مرتبہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد میں گئے (اور منزل پر قیام کیا) تو لوگوں نے (اس) منزل کی (ساری جگہوں) کو تنگ کر دیا اور راستہ کو کاٹ دیا (یعنی بعض لوگوں نے بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ جگہوں پر قبضہ کر لیا جسکے) دوسرے لوگوں کو جگہ کی تنگی ہو گئی اس طرح راستہ بھی تنگ ہو گیا جس سے آنے جانے

والوں کو پریشانی ہونے لگی چنانچہ (یہ دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو لوگوں کے درمیان بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ ”جس شخص نے منزل کی (جگہوں) کو تنگ کیا یا راستے کو کاٹا تو لوگوں کو ضرور تکلیف پہنچانے کی وجہ سے اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔“

(ابوداؤد)

سفر سے واپسی کا بہترین وقت

(۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَحْسَنْتَ مَا دَخَلَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَوَّلَ اللَّيْلِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”سفر سے واپس آنے والے مرد کے لئے اپنے گھروالوں کے پاس پہنچنے کا بہترین وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یہ اس صورت میں ہے جب کہ قریب کا سفر ہو چنانچہ پہلے جو یہ گزرا ہے کہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنے گھر نہ آنا چاہئے تو اس کا تعلق دور کے سفر سے ہے! اور نفی یہ کہتے ہیں کہ اگر دور کا بھی سفر ہو اور اس کے آنے کی اطلاع اس کے گھروالوں کو دن میں مل چکی ہو تو رات کے وقت آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”گھروالوں کے پاس پہنچنے سے گھروالی کے پاس آنا“ یعنی جماع مراد ہے کیونکہ مسافر کا جنسی جذبہ بہت زیادہ بیدار ہو جاتا ہے لہذا جب وہ سفر سے واپس ہو کر رات کے ابتدائی حصہ ہی میں جماع سے فارغ ہو جائے گا تو پھر سکون و آرام کے ساتھ سونے گا بھی اور بیوی کا حق بھی جلدی ادا ہو جائے گا۔

الفصل الثالث

سفر کے دوران رات میں آنحضرت ﷺ کے آرام کرنے کی کیفیت

(۳۱) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فَعَرَسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى يَمِينِهِ وَإِذَا عَرَسَ فَبَيْلِ الصُّبْحِ نَضَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو کسی پڑاؤ پر رات کے آخری حصہ میں (یعنی طلوعِ حمرے) پہلے اترتے اور دائیں کروٹ پر لیٹ رہتے اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو اپنا (دایا ہاتھ) کھڑا کر کے اس کی ہتھیلی پر اپنا سر رکھ کر لیٹتے (یعنی کچھ دیر کے لئے اس انداز میں آرام فرماتے تاکہ نیند غالب نہ آجائے۔“ (مسلم)

صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت

(۳۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِي سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذَلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَعَدَا أَصْحَابَهُ وَقَالَ اتَّخَلَّفَ وَأَصْلَى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْحَقُّهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَاهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَ مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أَصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ الْحَقُّهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتُ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا أَذَرْتُكَ فَضَلَّ غَدُوَّ تِهِمْ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ بن رواحہؓ (جہاد) کے لئے ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ روانہ کیا، اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا جس (میں آنحضرت ﷺ نے ان کو جہاد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا) چنانچہ ان کے ساتھی (یعنی لشکر کے لوگ) صبح کے وقت روانہ ہو گئے لیکن عبد اللہؓ نے (اپنے دل میں سوچا) کسی ساتھی سے کہا کہ ”میں بعد میں روانہ ہوں گا میں (پہلے یہاں مدینہ میں) رسول

کریم ﷺ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھوں گا پھر لشکر والوں سے جا ملوں گا۔ جب عبد اللہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھ چکے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا (کہ وہ ابھی یہاں ہی موجود ہیں) تو فرمایا کہ تمہیں صبح کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ چاہا (میں جمعہ کی نماز آپ کے ساتھ پڑھ لوں اور پھر اپنے ساتھیوں سے جا ملوں)۔“
آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا ”تم روئے زمین پر ساری چیزوں کو بھی خرچ کرو تو صبح کے وقت جانے والے اپنے ساتھیوں کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکو گے۔“ (ترمذی)

چیتے کی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَانِكَةَ رُقْفَةً فِيهَا جِلْدُ نَمْرٍ (رواہ ابوداؤد)
”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس قافلے کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے جس میں چیتے کی کھال ہو۔
یعنی چیتے کی کھال پر سوار کو بیٹھنا یا اس کو استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے۔“ (ابوداؤد)

امیر سفر کو رفقاء سفر کا خادم ہونا چاہئے

(۳۴) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ يَسْبِقُوهُ بِعَمَلٍ إِلَّا الشَّهَادَةَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔
”اور حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سفر میں جماعت (یعنی سفر کرنے والوں) کا امیر و سردار ان کا خادم ہے۔ لہذا جو شخص ان کو سفر کرنے والوں کی خدمت میں سبقت لے گیا اس کے مقابلہ میں کوئی شخص شہادت کے علاوہ اور کسی عمل کے ذریعہ سبقت نہیں لے جاسکتا۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امیر و حاکم کو چاہئے کہ وہ قوم کی خدمت کرے، ان کے مصالح پر نظر رکھے ان کے ظاہری و باطنی حالات کی رعایت ملحوظ رکھے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی قوم اور اپنی جماعت کی خدمت میں لگا رہے۔ تو حقیقت میں وہی شخص کثرت ثواب کی بنا پر اس قوم و جماعت کا سردار ہے اگرچہ دیکھنے میں وہ پوری قوم و جماعت میں کتنی ہی کمتر حیثیت کا کیوں نہ ہو کیونکہ خدمت قوم کے علاوہ اور کوئی عمل افضل نہیں الایہ کہ کوئی شخص خدا کی راہ میں لڑے اور شہادت کا درجہ پائے۔

بَابُ الْكِتَابِ إِلَى الْكُفَّارِ وَدُعَائِهِمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

کفار کو خطوط لکھنے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا حقیقی مالک و فرمانروا مانتے ہیں اور اس کے اتارے ہوئے قانون کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کو اس بات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ وہ پوری کائنات کو خدائے بزرگ و برتر کے احکام کی تبلیغ کریں اور گم کردہ گان راہ ہدایت کو ضلالت و تباہی کے راستوں سے ہٹا کر خدائے واحد کی اطاعت و فرمانبرداری کی صراط مستقیم پر لے آئیں اور اس طرح روئے زمین پر خدا کا نام اور اس کے دین جھنڈا سر بلند کریں اور جو لوگ (کفار) اس تبلیغ کے باوجود سرکشی و تمرد سے باز نہ آئیں اور خدا کے دین کے جھنڈے کو سرنگوں کرنے کی ناپاک جرات کریں اور اس روئے زمین پر مالک حقیقی کے احکام کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالیں اور گویا دوسرے لفظوں میں وہ اپنے عقائد و کردار کے ذریعہ خدا کی سر زمین پر فتنہ و فساد کا بازار گرم کریں ان کے خلاف تلوار اٹھائی جائے اور ان سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک کہ وہ اپنے تمرد اور اپنی سرکشی سے باز آکر خدائے واحد کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار نہ کر لیں۔ یا جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے

اسلامی مملکت کا وفادار شہری بننا قبول نہ کر لیں۔

کفار کے خلاف اعلان جنگ سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے: اسلام نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ مخالفین اسلام کے خلاف اس وقت اعلان جنگ نہ کیا جائے جب تک کہ ان کو اسلام کی دعوت نہ دی جائے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے مطابق کفار سے جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے ان سے جنگ کرنا حرام ہے بشرطیکہ ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو اس صورت میں جنگ سے پہلے ان کو پھر دو بارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔

اسلام کی دعوت دینے کے مختلف طریقے ہیں انھی میں سے ایک طریقہ خط و کتابت بھی ہے خاص طور پر سربراہان مملکت، سلاطین اور امراء کو عام طور پر خط و کتابت ہی کے ذریعہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مختلف غیر مسلم بادشاہوں اور سربراہان مملکت و قوم جیسے قیصر، کسری اور نجاشی کو مکتوبات گرامی ارسال فرمائے جن میں انہیں ضلالت و تباہی کا راستہ چھوڑ کر اسلام کے سیدھے راستے پر آنے کی دعوت دی گئی۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ تشریف لائے اور قیصر روم کو مکتوب بھیجے گا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ شاہان روم و ایران کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی تحریر کو اس وقت تک مستند نہیں مانتے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مہر کے لئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور اس میں تین سطریں کندہ کرائیں اور ان تینوں سطروں میں اپنا ام مبارک ﷺ اس طرح نقش کرایا کہ اوپر کی سطر میں ”اللہ“ درمیانی سطر میں ”رسول“ اور نیچے کی سطر میں ”محمد“ تھا! اس طرح آپ ﷺ نے بادشاہوں کے نام جو مکتوب ارسال فرمائے ان پر یہ مہر ثبت فرمائی۔

طبرانی نے یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ کبرامة الكتاب ختمه یعنی مکتوب کی عظمت اس کی مہر ہے۔

الفصل الاول

قیصر روم کے نام مکتوب نبوی ﷺ

① وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرٍ يُدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَبَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَيْهِ دُحِيَّةَ الْكَلْبِيِّ وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بَصْرَى لِيَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرٍ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتَ تَسْلَمَ وَأَسْلِمَ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ أَثْمُ الْأَرْبَسِيِّينَ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَوْ لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ وَقَالَ أَتُمُّ الْيَرُسِيِّينَ وَقَالَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ۔ (بخاری و مسلم)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیصر یعنی روم کے بادشاہ کو ایک گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ دجیہ کلبیؓ (صحابی) کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو بصری کے حاکم کے پاس پہنچا دیں تاکہ وہ حاکم بصری اس کو قیصر کے پاس پہنچا دے۔ اس گرامی نامہ میں یہ لکھا تھا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ محمد کی جانب سے جو خدا کا بندہ خاص اور رسول ہے۔ ہر قل کے نام جو روم کا حکمران اعلیٰ ہے۔ اس پر سلامتی ہو (جو قبولیت اسلام اور اپنے نیک کردار و اعمال کے ذریعہ) ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد ازاں میں آپ کو اسلام کلمہ شہادت کی دعوت دیتا ہوں آپ اسلام قبول کر لیجئے دنیا کے اور آخرت کے عذاب سے

محفوظ مامون رہے گا، آپ مسلمان ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کو دوسرا اجر عطا فرمائے گا کہ ایک اجر تو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک اجر مجھ (ﷺ) پر ایمان لانے کا اور اگر آپ منہ پھیریں گے یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے تو آپ کو واضح رہنا چاہئے کہ اس انکار و اعراض کی وجہ سے آپ پر صرف اپنے ہی گناہ کا وبال نہیں ہو گا بلکہ، آپ کے ملک والوں اور آپ کی رعیت کا گناہ (بھی) آپ پر ہو گا کیونکہ آپ کے اسلام نہ لانے سے وہ بھی کفر میں مبتلا رہیں گے اس لئے ان کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہوگی اے اہل کتاب! ایسے کلمے اور ایسے دین کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں اور مشترک ہے۔ (یعنی اس کلمہ اور دین میں ہمارے اور تمہارے رسولوں اور کتابوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ کلمہ و دین یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ بنائے (جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنا لیا ہے) پس اگر اہل کتاب اس بات کو قبول کرنے سے اعراض و انکار کریں تو (اے مومنو) تم یہ اعلان کر دو کہ (اے کافرو!) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کی جگہ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ہے اور اِنْهُمْ الْارِيسِيِّينَ کی جگہ اِنْهُمْ الْيَرِيسِيِّينَ ہے اور بِذَاعِيَةِ الْاِسْلَام کی جگہ بِدَعَايَةِ الْاِسْلَام ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت روم (رومن امپائر) کی حکومت اپنی سطوت و جبروت اور طاقت و عظمت کے لحاظ سے دنیا کی ایک بڑی عظیم طاقت اور پر شوکت حکومت تھی۔ روم کی حکومت کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا اور اس وقت یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ شام و فلسطین اور مصر بھی اسی کے زیر اقتدار تھے۔ قیصر روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسریٰ جش کے بادشاہ کو ”نجاشی“ ترک بادشاہ کو ”خاقان“ قبط کے بادشاہ کو فرعون مصر کے بادشاہ کے عزیز اور حمیر کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانے میں روم کا جو قیصر تھا اور جس کو آپ ﷺ نے یہ گرامی نامہ بھیجا تھا اس کا نام ہرقل (ہرل یوس) تھا یہ ہرقل جس طرح اپنی شاہی شان و شوکت میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اسی طرح مذہبی علوم یعنی تورات و انجیل کا بھی زبردست عالم تھا۔ دجیہ کلبی ایک صحابی تھے ان کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اکثر انہیں کی صورت میں اترتے تھے۔ ”بصری“ شام کے ایک شہر کا نام تھا جو ایک بڑا متمدن اور تجارتی مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جو دو تجارتی سفر فرمائے تھے اس میں سے ایک سفر میں آپ ﷺ بصری بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت دجیہ کلبیؓ کا سفارت پر مامور ہو کر قیصر کے نام آنحضرت ﷺ کا مکتوب گرامی لے جانا سنہ ۶ھ یا سنہ ۷ھ کے شروع کا واقعہ ہے۔ روایات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ قیصر روم نے اس نامہ مبارک سے اس حد تک اثر قبول کیا تھا کہ اس نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور اس کے دل میں نور اسلام جلوہ فگن ہو چکا تھا مگر رعایا اور اہل دربار کے خوف سے اور تخت و تاج کی محبت میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی اور مسلمان نہیں ہو سکا۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اپنے اہل دربار کی برہمی دیکھ کر حضرت دجیہؓ سے کہا کہ اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اتباع کرتا وہ محمد ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ تحریر کی ابتداء بسم اللہ سے ہو اور خط لکھنے والے کا نام بھی پہلے لکھا جائے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں یہ بات حدیث ہی سے ثابت نہیں بلکہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے بھی مفہوم ہوتی ہے۔

ہرقل چونکہ غیر مسلم تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے نامہ مبارک میں اس کو خطاب کرتے ہوئے سَلَامٌ عَلَيْكَ تم پر سلامتی ہو، نہیں لکھا بلکہ یہ بلیغ اسلوب اختیار فرمایا کہ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے اس میں گویا اس طرف

اشارہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ مخاطب کی ابتداء کناۃً سلام کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

مکتوب نبوی ﷺ کے ساتھ شہنشاہ ایران کا نخوت آمیز معاملہ اور اس پر اس کا وبال

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرَى مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَدَافَةَ السَّهْمِيِّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَ أَمْرَهُ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمَزُقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کسریٰ کے نام اپنا نامہ مبارک عبد اللہ ابن خدافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ کیا جو تقریباً اسی مضمون پر مشتمل تھا جو قیسرو وغیرہ کو بھیجا گیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نامہ مبارک کو بحرین کے حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ وہ اس کو کسریٰ تک پہنچا دے چنانچہ عبد اللہ ابن حذافہؓ نامہ مبارک بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے اور بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیا جب کسریٰ نے وہ نامہ مبارک پڑھا تو بجائے اس پر عمل کرنے کے اس کو پھاڑ ڈالا۔ حدیث کے ایک راوی ابن مسیب کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ اور اس کی رعایا کے لئے یہ بدعافرمائی کہ وہ پارہ پارہ کردیے جائیں بالکل پارہ پارہ۔“ (بخاری)

تشریح: روم کی طرح فارس (ایران) بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گوارہ تھا اور ایشیاء کی ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس وقت اس کی حدود سلطنت ایک طرف سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری جانب عرق اور عرب کے اکثر حصے یمن بحرین اور عمان بھی فارس ہی کے زیر اقتدار تھے اس کی اخلاقی حالت بھی گرد و پیش کے ممالک کی طرح نہایت ابتر تھی یزدان اور اہرمن نیکی اور بدی کے دو خدا سمجھے جاتے تھے آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا اس سلطنت کے شہنشاہ کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا جس کا عربی لفظ کسریٰ بنا لیا گیا تھا آنحضرت ﷺ نے جس خسرو یا کسریٰ کے پاس نامہ مبارک بھیجا تھا اس کا نام پرویز تھا جو ہرمز ابن نوشیرواں کا بیٹا تھا۔ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ اس وقت ایران کا دستور یہ تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا لیکن چونکہ نامہ مبارک کو خدا کے نام (بسم اللہ) سے شروع کیا گیا تھا، پھر سرور کائنات ﷺ کا نام تھا اس لئے جب وہ خسرو پرویز کے سامنے پڑھا گیا تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرات ہے کہ وہ میرے نام اس طرح خط لکھے۔ اور پھر طیش میں آکر نامہ مبارک کو پرزے پرزے کر دیا۔ قاصد رسول ﷺ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح اس کی حکومت کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں گے چنانچہ نامہ مبارک کے ساتھ خسرو پرویز کے اس نخوت آمیز رویہ پر سرکار عالم ﷺ کی بددعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ ہی عرصہ بعد طبری کی روایت کے مطابق ۱۳۔ جمادی الاول ۶۲۹ء کی شب میں پرویز کو اسی کے بیٹے شیریو نے قتل کر دیا اور پھر چھ مہینے کے بعد ہی اس کا بیٹا شیریو بھی مر گیا اور اس طرح اس کی حکومت و سلطنت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا وبال پڑا اور ایسی لعنت نازل ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہزاروں برس کی اس عظیم الشان سلطنت کے پرزے پرزے اڑ گئے۔

آنحضور ﷺ نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی

③ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرَ وَإِلَى التَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ وَلَيْسَ بِالتَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فارس یعنی ایران کے بادشاہ کسریٰ روم کے بادشاہ قیسر اور حبش کے بادشاہ نجاشیؓ اور ہر متکبر و مقتدر بادشاہ کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ یعنی دین اسلام کی طرف بلایا گیا تھا۔ اور یہ نجاشیؓ کہ جس کو آپ ﷺ نے یہ خط بھیجا تھا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔“ (مسلم)

تشریح: روایت کے آخری جزء کا مقصد ان لوگوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جن کے نزدیک یہ نجاشی کہ جس کو مکتوب بھیجا گیا تھا وہی نجاشی ہے جس کا نام اصمہ تھا اور جو آنحضرت کا مطیع و فرمانبردار اور آپ ﷺ کے اصحاب کا اپنے ملک میں خادم و نگہبان تھا جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مرد صالح اور تمہارا بھائی اصمہ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے، اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی غائبانہ جنازہ پڑھائی۔

لیکن بعض محققین کے نزدیک اس تردید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں نجاشیوں کو مکتوب بھیجا، پہلے تو اصمہ کے نام بھیجا تھا اور پھر اصمہ کے بعد جو شخص نجاشی ہوا اس کے پاس بھی آپ ﷺ نے مکتوب بھیجا۔

اب رہی یہ بات کہ جس طرح پہلا نجاشی یعنی اصمہ مسلمان ہو گیا تھا اسی طرح دوسرا نجاشی بھی مسلمان ہو گیا تھا یا نہیں؟ اس بارہ میں تحقیقی روایات مختلف ہیں بعض کے نزدیک وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

چونکہ پہلے قیصر اور کسریٰ کے بارے میں ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے نجاشی کے بارے میں بھی کچھ باتیں ذکر کر دینا ضروری ہے جس عرب کی جنوبی سمت میں مشرقی افریقہ میں واقع ایک ملک ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اس ملک پر جو شخص حکمران تھا اس کا نام ”اصمہ“ اور پورا ملک عیسائیت کا پیرو تھا۔

”جش“ اصل میں عربی نام ہے یونانی میں اسے ”اتھوپیا“ کہتے ہیں اور دنیا کے موجودہ نقشہ میں بھی یہ اتھوپیا ہی کے نام سے موسوم ہے۔ جشی زبان میں بادشاہ کو نجوس کہتے ہیں نجاشی اسی نجوس کا معرب ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس وقت کے جش کا ذکر نہایت ہی عزت و احترام اور شکر گذاری و منونیت کے انتہائی جذبات کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بعثت کے فوراً بعد دنیا کو اللہ کے آخری دین اسلام کی طرف بلایا اور اپنی رسالت کا اعلان کر کے دنیا والوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی اور رفتہ رفتہ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہونے لگے اور اس طرح اللہ کے نام کا جھنڈا سر بلند ہونے لگا تو مکہ کے کفار اس کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی طرف سے مکہ مکرمہ کی وسیع سرزمین حلقہ بگوشان اسلام پر خدائے واحد کا نام لینے کے جرم میں تنگ کر دی گئی چنانچہ اس وقت جب قریش مکہ کے مظالم انسانیت کی تمام حدوں کو پیچھے چھوڑ گئے اور پرستار ان توحید پر ظلم و ستم اور بربریت کی انتہا ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے کی اجازت دی تو یہ جش ہی تھا جس نے اپنے ملک کے دروازے ان مظلوموں کے لئے پوری فراخ دلی کے ساتھ کھول دیئے اور ان کو اپنی سرزمین پر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پناہ دی۔

مسلمانوں کا پہلا قافلہ جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی حضرت عثمان غنیؓ کی سربراہی میں جش پہنچا اس کے بعد جب دوسرا قافلہ حبشہ پہنچا اور جس کے قائد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ تھے تو اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے شاہ جش کے نام ایک مکتوب گرامی بھی ارسال فرمایا اور بعض مورخین کے قول کے مطابق مکتوبات نبوی ﷺ میں یہ پہلا نامہ مبارک ہے اس میں نجاشی کو صرف اسلام کی دعوت ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ اس بات کی نصیحت کی گئی تھی کہ وہ حکومت کے غرور و تکبر کو ترک کر کے جش میں پناہ لینے کے لئے جانے والے مظلوم مکی مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے۔ قریش مکہ کو چونکہ یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان جش میں امن و سکون کی زندگی گزار سکیں اس لئے انہوں نے معززین مکہ کا ایک وفد عمر بن العاص جیسے زبردست موقع شناس اور دانش مند سیاستدان کی سربراہی میں شاہ جش کے دربار میں بھیجا تا کہ وہ ان مہاجر مسلمانوں کو جش سے واپس لے آئے اور مکہ میں انہیں پھر سے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے اس وفد نے شاہ جش کے سامنے مسلمانوں کی شکایت کی اور نجاشی کو مشتعل کرنے کے لئے یہ کہا کہ۔

”یہ لوگ عجیب و غریب عقائد رکھتے ہیں جن سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔“

نجاشی شاہ جش نے وفد کی اس شکایت پر مہاجرین سے حقیقت حال کی وضاحت کے لئے کہا اور ان سے ان کے عقائد دریافت کئے تو

اس موقع پر حضرت جعفر طیارؒ نے جو معرکہ آلا راء تقریر کی وہ حق گوئی و بے باکی اور ایک شاہی دربار میں اسلامی عقائد و نظریات کا جرات مندانہ ذریعہ تعارف ہونے کی وجہ سے صرف اسلامی تاریخ ہی کا ایک بیش بہا سرمایہ نہیں ہے بلکہ دنیا کی ادبی تاریخ کا ایک زریں ورق اور فن خطابت و تقریر کا ایک انمول شاہ کار بھی ہے انہوں نے شاہ جہش کا مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”شاہ ذی جاہ! ہم ایک سخت جاہل قوم تھے، مصنوعی اور خود ساختہ بتوں کی پرستش ہمارا مذہبی شعار تھا مگر دار خوری، بدکاری اور بے رحمی ہماری معاشرت کا اہم جزو بن گیا تھا ہم نہ ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے آشنا، ہر طاقتور، کمزوروں کو ہڑپ کر جانے پر فخر کرتا تھا۔ یہ تھا ہمارا معیار زندگی۔

ہماری اس تباہ حالی کا دور عرصہ دراز سے قائم تھا کہ یک بیک خدائے برتر نے ہماری قسمت کا پانسہ پلٹ دیا، اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر بھیجا جس کے نسب و حسب سے ہم واقف ہیں جس کی سچائی اور امانت کا حال ہم پر روشن ہے اور جس کی عفت و پاک دہنی ہر وقت ہماری نظروں میں رہی ہے وہ آیا اور اس نے ہمیں ہدایت کی وہ روشن شمع دکھائی جس نے ہماری آنکھوں سے ہماری بدکرداری اور جہالت کی تاریکی کے تمام پردے چاک کر دیئے۔

اس پیغمبر نے ہمیں بتایا کہ تم صرف خدائے واحد کی پرستش کرو اور اسی کو اپنا خالق و مالک سمجھو، بت پرستی کو چھوڑ دو، تمہارے یہ خود ساختہ معبود نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان! (یاد رکھو) گمراہی کی بنیاد باپ دادا کی کورانہ تقلید ہے اس نے ہمیں تعلیم دی کہ ”ہمیشہ سچ بولو“ امانت میں بھی خیانت نہ کرو، ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھو، خون ریزی اور خدا کی حرام کی ہوئی باتوں سے بچو، فحش کاموں اور جھوٹ کے قریب نہ جاؤ، یتیم کا مال نہ کھاؤ اور پاکدامن کو تہمت نہ لگاؤ، خدائے واحد کی عبادت کرو، روزہ رکھو اور اموال کی زکوٰۃ دیا کرو۔

بادشاہ سلامت! اس نبی ﷺ نے اس قسم کے اور بہت سے بہترین امور کی ہمیں تعلیم دی ہے ہم نے اس کی تصدیق کی، اس کو خدا کا پیغمبر سمجھا، اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس نے خدا کا حکم ہمیں سنایا، ہم نے اس کی پیروی کی، ہم نے خدا کو ایک جانا، شرک سے توبہ کی، حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا۔ یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہمارے ہم وطنوں نے ہمیں اپنا گھریا چھوڑ دیئے پر مجبور کر دیا اور ہم نے آپ کے ملک میں آکر پناہ لی ہے۔

شاہ جہش اس پر حقائق اور بصیرت افروز تقریر کا بہت اثر ہوا، اس نے قریش کے وفد کے صاف جواب دے دیا کہ ”ایسے پاکیزہ عقائد رکھنے والے نیکو کار لوگوں کو میں واپس کر کے ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار ہرگز ہرگز نہ بننے دوں گا۔“

۶ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ مدینہ کے بعد مدینہ واپس آئے اور محرم ۷ھ = ۶۲۹ء میں آپ ﷺ نے شاہان عالم کے نام نامہ ہائے مبارک روانہ فرمائے تو شاہ جہش کو پھر ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، بارگاہ رسالت کے سفیر حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ آپ ﷺ کا نام مبارک لے کر شاہ جہش کے دربار میں پہنچے تو پہلے انہوں نے نجاشی کے سامنے ایک اثر انگیز تقریر کی جس میں انہوں نے نجاشی کے اس مشفقانہ رویہ پر اظہار اطمینان کیا جو اس نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے تئیں اختیار کیا ہوا تھا اور پھر اسلامی عقائد اور آنحضرت ﷺ کی پیروی اختیار کرنے کی موثر تبلیغ کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ۔

میری طرح رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے لئے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرور کائنات ﷺ کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔

کچھ عرصہ پہلے حضرت جعفر طیارؒ کی معجز بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا اب حضرت عمرو بن امیہ کی اثر انگیز تبلیغ نے اس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی، وہ تخت شاہی سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا، نامہ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً ار

کو پورا اور دونوں آنکھوں سے لگایا اور پھر ترجمان کو بلوا کر پڑھنے کا حکم دیا، نجاشی فرمان رسالت ﷺ کو مستاجاتاتھا اور متاثر ہوتا جاتا تھا جو ہی مضمون ختم ہوا اور وہ اس کے مندرجات پر مطلع ہوا فرط شوق میں نامہ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اور پھر کہا کہ اگر میں خود جاسکتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا پھر اس نے اپنے بیٹے آرا کو تحفے تحائف دے کر بارگاہ رسالت میں بھیجا مگر بد قسمتی سے آرا ہارستہ میں ہی انتقال کر گیا اور بارگاہ رسالت میں نہیں پہنچ سکا۔

اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو نجاشی کے نام اپنے ایک اور مکتوب گرامی دے کر حبش بھیجا نجاشی نے ان مبارک ناموں کو احتیاط کے ساتھ ہاتھی دانت کے ایک صندوق میں محفوظ کر کے اپنے خسران میں رکھ دیئے اور کہا کہ جب تک یہ فرمان موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ اہل حبش مامون و محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ یہ مبارک نامے جب تک حبشہ کے خزانے میں موجود رہے ہر والی سلطنت اس مکتوب گرامی کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا اور پورے ملک کے لوگ اس کے ذریعہ برکت حاصل کرتے۔

جہاد کرنے والوں کے بارے میں چند ہدایات

۴. وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا أَعْلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْ عَسَاةٍ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمِنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ أَغْرُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ أَغْرُوا فَلَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْتَلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَيْدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَدْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَإِنِ تَنَهَّيْهُمْ مَا أَجَابُوكَ فَأَقْبِلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَأَقْبِلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَآخِزْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخِزْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْلُهِمُ الْجَزِيَّةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَأَقْبِلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنَ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَارْأَوْكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَلَا تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَلَكِنْ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ إِنْ تَحْفَرُوا ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُحْفَرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ وَإِنْ حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَارْأَوْكَ أَنْ تَنْزِلَ لَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تَنْزِلْ لَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَنْزِلْ لَهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتَصِيبُ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ (جہاد میں) جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے (کہ مجاہدین کا جو لشکر تمہاری کمان میں جا رہا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اور ان کے حق میں حسن سلوک و احسان اور نرمی و ملامت کا رویہ اختیار کرنا) اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اور اس کے دین کا جھنڈا اسر بلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا مثلاً نہ کرنا یعنی کسی کے اعضاء جسم جیسے ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور (اے امیر لشکر) جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو یا حدیث کے راوی اپنے شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے ثلث خصال کے بجائے ثلث خلاا فرمایا (خصال اور خلاا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں) ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز

رہو، پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو، (پھر وہ اسلام قبول کریں تو) ان کو اپنے ملک یعنی (دار الحرب سے) مہاجرین کے ملک (یعنی دارالاسلام) کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کے لئے دعوت دو اور ان کو یہ بتادو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترک سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتادو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر خدا کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز و زکوٰۃ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جیسے احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت و فتنے کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حصہ ملے گا جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں اور مسلمان ہونے سے انکار کریں تو دوسری چیز یہ ہے کہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے (جنگ کرنے) سے باز رہو اور اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تیسری چیز یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ شروع کر دو۔ اور جب تم کسی قلعہ یا بستی کے لوگوں یعنی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ یا بستی والے تم سے اللہ اور اس کے نبی ﷺ کا عہد امان لینا چاہیں تو تم ان کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے امان دینے کا عہد نہ کرنا البتہ اپنے اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دے دینا کیونکہ اگر تم اپنے اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد امان کو توڑنے سے زیادہ سہل ہوگا۔ اور جب تم کسی قلعہ کے لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ والے تم سے اللہ کے حکم پر اپنا محاصرہ اٹھالینے کی درخواست کریں تو تم اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ اٹھانا بلکہ اپنے حکم پر ان کا محاصرہ اٹھانا کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اللہ کے حکم تک پہنچ گئے ہو یا نہیں (یعنی تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے ان کا محاصرہ اٹھالینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ خدا کے نزدیک صحیح بھی ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم سے چوک ہو جائے جیسا کہ مجتہد کی شان ہے کہ وہ صحیح حکم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور خطاء میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے)۔ ”مسلم“

تشریح: اس حدیث میں اس ضابطہ کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے نافذ کیا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جب دشمن (مخالفین اسلام) سامنے آئیں تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو ان سے یہ مطالبہ کرو کہ جزیہ ادا کر کے اسلامی مملکت کے وفادار شہری بن جاؤ اور اگر اس پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرو۔

ثُمَّ اِذْغَفُھُمْ (پھر ان کو اسلام کی دعوت دو) اس جملہ سے ان تین چیزوں کا اظہار شروع کیا گیا ہے جن کا تعلق مذکورہ بالا ضابطہ سے ہے اور لفظ ثُمَّ (پھر) ذکر فرما کر گویا مخاطب امیر لشکر کو آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب تم نے ان تین چیزوں کو اجمالی طور پر جان لیا تو اب ان تینوں چیزوں کا تفصیلی حکم جان لو اور وہ یہ کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو پھر ان کے خلاف جہاد کرو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح نسخوں میں ثُمَّ اِذْغَفُھُمْ ہی ہے لیکن قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ روایت کی زیادہ صحت اور موزونیت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ یہ یعنی ابتداء میں ادعہہم بغیر لفظ ثُمَّ کے ہو چنانچہ کتاب ابو عبیدہ اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ لفظ ”ثم“ کے بغیر ہے کیونکہ اس جملہ سے دراصل ثلث خصال (تین چیزوں) کی وضاحت بیان کی جا رہی ہے نہ کہ ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کی وضاحت مقصود ہے، مازریؒ یہ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ”ثم“ معنی کے اعتبار سے تو زائد ہے لیکن جملہ میں اس کا استعمال آگے کی جانے والی بات کے ابتداء کے طور پر ہے اور گویا یہ ان تین چیزوں میں سے پہلی چیز کی توضیح و بیان کے لئے ہے اور لفظ ”مع المسلمین“ تک اسی کا تمر ہے اس کے بعد دوسری چیز یعنی جزیہ کا مطالبہ کرنا اور پھر تیسری چیز یعنی جہاد کرنا کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جو یہ حکم فرمایا کہ (اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کریں تو) ان کو ہجرت کرنے کی دعوت دو تو بعض حضرات

کے نزدیک اس حکم کی بنیاد یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنا اسلام کا ایک رکن تھا۔ ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے یعنی مدینہ کے مہاجرین کو جو ثواب و فضیلت اور مال فی کا جو استحقاق حاصل ہے یہی سب کچھ تمہیں بھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مہاجرین کو استحقاق باس طور حاصل تھا کہ ان کو امام کی طرف سے جہاد کا حکم ہو جانے پر جہاد کے لئے نکلنے کے وقت ہی سے ان پر مال فی خرچ کیا جاتا تھا اور دشمن کے مقابلہ پر لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد کافی ہونے کی صورت میں ان پر جہاد کے لئے نکلنا واجب نہیں تھا چنانچہ اس ارشاد گرامی۔

وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ (اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی)
کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ ذمہ داری سے مراد ”جہاد“ ہے۔

”دیہاتی مسلمانوں“ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو دارالاسلام کے دیہات و جنگلات میں رہتے ہوں نہ کہ دارالکفر میں بسنے والے دیہاتی مسلمان۔

”غنیمت اور فی“ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ مال جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ لیکن بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ ”غنیمت“ اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے ذریعہ اور محنت و مشقت کے ساتھ کفار سے حاصل ہو ”فی“ اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ اور مشقت کے بغیر کفار سے ہاتھ لگے۔

اگر تم اپنے اور اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ کفار اس عہد امان کو کسی وقت توڑیں یا اس طور کہ وہ ان شرائط کو پورا کرنے سے انکار کریں جن کی بنیاد پر ان کو وہ عہد امان ملا ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تین کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا تا آنکہ تمہیں وحی یا دربار رسالت ﷺ کے ذریعے ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے جو اس وقت ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم وحی یعنی دربار رسالت سے دور رہو گے اس کے برخلاف اگر تم ان کو اپنی اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ شرائط و معاہدہ کے خلاف ورزی کر کے اس عہد امان کو توڑیں گے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تین فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ تم ان کا پھر محاصرہ کر کے چاہے تو ان کو قتل کر دو گے، چاہے جزیہ کا مطالبہ کر دو گے، چاہے ان کو قیدی بنالو گے اور یا ان کے علاوہ ان کے خلاف از روئے مصلحت جو بھی اقدام کرنا چاہو گے اس میں تمہیں مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ النَّبِيُّ لَقِيَ فِيهَا الْعَدُوَّ انْتَضَرُ حَتَّى مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَتَّزُوا الْفَاءَ الْعَدُوَّ وَأَسْأَلُوا اللَّهَ الْعَاقِبَةَ فَإِذَا لَقِيتُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ الشُّيُوفِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ مَنِّزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ أَهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔

”اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے دنوں میں سے ایک دن جب کہ آپ ﷺ دشمن کے مقابلہ پر تھے (یعنی جہاد کے موقع پر میدان جنگ میں تھے) سورج ڈھلنے تک جنگ شروع کرنے کا انتظار کرتے رہے پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم اپنے دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو (یعنی یہ نہ چاہو کہ کفار سے قتل و قتل کا بازار گرم ہو کیونکہ یہ چاہنا گویا ابتلاء و مصیبت کی خواہش کرنا ہے جو ممنوع ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کے طالب رہو، ہاں جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر پوری بہادری کے ساتھ ڈٹ جاؤ اور صبر و استقامت سے کام لو اور اس بات کو

جان لو کہ جنت، تلواروں کے سائے کے نیچے ہے (یعنی تم جنت کے بالکل قریب ہو) اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے بادلوں کو چلانے والے اور کفار کی جماعت کو شکست دینے والے ان دشمنوں کو شکست دے اور ہم کو ان پر فتح عطا فرما۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: سورج ڈھلنے تک جنگ کی ابتداء نہ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ تپتی ہوئی دوپہر کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے، تو تمازت و تپش میں کمی آجاتی ہے، ہوا چلنے لگتی ہے جو فرحت پہنچاتی ہے اور اس طرح وہ وقت طبیعت کے انبساط و نشاط کا ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ نماز و دعا کا بھی وقت ہوتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور انسانوں کے اعمال اور پر عمل قبولیت میں اٹھائے جاتے ہیں لہذا ایسے وقت میں جب کہ انوار و برکات اور فتح و نصرت کے نزول کی امید ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ جہاد جو افضل ترین عمل ہے اسی بابرکت وقت میں واقع ہو۔

آنحضرت ﷺ صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملہ نہیں کرتے تھے

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَرَبْنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُونَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ إِلَيْهِمْ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنْ قَدِمِي لَتَمَشِ قَدَمُ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَائِلِهِمْ وَمَسَاحِينِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللَّهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِينِسُ فَلَجَحُوا إِلَى الْحِصْنِ فَلَمَّا رَأَوْهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبْتُ خَيْبَرَ إِنَّا إِذْ أَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ کسی (دشمن) قوم سے جہاد کرتے (یعنی جب جہاد کے موقع پر کسی ایسی دشمن آبادی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ فرماتے جس کے حالات کا علم نہیں ہوتا اور ہم لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد ہوتے) تو صبح ہونے سے پہلے ہمارے ساتھ ان پر حملہ آور نہیں ہوتے، پھر جب صبح ہو جاتی تو ان (دشمنوں کی آبادی اور ان کے ٹھکانوں) پر نظر ڈالتے (تاکہ مشاہدہ یا قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون لوگ ہیں) اگر (ان کی طرف سے) اذان کی آواز سننے تو ان سے (جنگ کرنے سے) باز رہتے اور اگر اذان کی آواز نہیں سننے (اور اس پر قرینہ سے یہ ثابت ہو جاتا کہ) (ان لوگوں میں مسلمان نہیں ہیں) تو ان پر حملہ کر دیتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ جب ہم (آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے) خیبر روانہ ہوئے تو ان کی سرحدوں پر رات کے وقت پہنچے، جب صبح ہو گئی اور (ان کی طرف سے) اذان سنائی نہ دی تو آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور میں ابو طلحہؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا اور (ہماری سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے اتنے قریب تھی کہ) میرے پاؤں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک سے لگتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہونے پر خیبر والے (ہماری آمد سے بے خبر اپنے کھیتوں میں جانے کے لئے) اپنے پھاڑے تھیلے (یعنی کھیتی باڑی کا سامان) لئے ہوئے (اپنے گھروں سے نکلے اور ہماری طرف آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو (حیج حج کر) کہنے لگے، محمد ﷺ آگئے، خدا کی قسم محمد ﷺ اور ان کا لشکر آگئے، یہ کہتے ہوئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے، جب رسول کریم ﷺ نے ان کو اس طرح بھاگتے ہوئے دیکھا تو (گویا اس کو ان کی شکست سے تعبیر کرتے ہوئے اور ازراہ تفاؤل) فرمایا ”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، خیبر برباد ہو گیا، اس میں کوئی شک نہیں، ہم (مسلمانوں کی جماعت یا انبیاء) جب کسی قوم کے میدان میں (جنگ کے لئے) اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی خراب ہو جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ جنگی معمول بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب دشمنوں کی آبادی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو طلوع فجر کے بعد اس آبادی کے بارے میں غور و تامل فرماتے اور آبادی والوں کی حرکات و سکنات اور ان کے افعال کے ذریعہ ان کے عقائد کا پتہ چلاتے کہ یہ کون لوگ ہیں، اگرچہ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ کفار کی آبادی ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ محض اس احتمال کے پیش نظر یہ تامل فرماتے کہ شاید اس آبادی میں مسلمان بھی ہوں اگر آپ ﷺ کو اس آبادی کی طرف سے (فجری) اذان سنائی دیتی تو اس کو اس بات کی علامت اور قرینہ سمجھ کر کہ یا تو یہ آبادی مسلمانوں ہی کی ہے یا اس آبادی میں مسلمان بھی ہیں آپ ﷺ حملہ آور ہونے کا ارادہ موقوف فرمادیتے اور اس آبادی کو جنگی شعلوں کے حوالے نہ کرتے، ہاں اگر اذان نہ سنائی دیتی تو پھر آپ ﷺ اس پر حملہ کر دیتے اور اس کو جنگی میدان میں تبدیل کر دیتے، کیونکہ اس زمانے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مسلمان اذان ترک کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس آبادی کی طرف سے اذان کی آواز نہ آنا اس بات کی واضح دلیل ہوتی کہ یہ آبادی اللہ کے نام لیواؤں سے بالکل خالی ہے اور یہاں صرف کفر کا ٹھکانا ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ اذان اسلام کے شعار میں سے ہے اور اس کو ترک کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ اگر کسی آبادی و شہر کے لوگ اذان ترک کرنے پر اتفاق کر کے بیٹھ جائیں اور اذان دینا چھوڑ دیں تو اس صورت میں امام وقت (اسلامی مملکت کے سربراہ) پر واجب ہو گا کہ ان سے جنگ و قتال کرے اور ان کو اس عام گمراہی سے بچائے، چنانچہ حنفی فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں الخ“ یہ جملہ مستافہ ہے، جس کا مقصد ماقبل کی بات ”خیبر کی بربادی“ کی وضاحت کرنا اور اس کی وجہ بیان کرنا ہے۔

”ڈرائی گئی قوم“ سے مراد کفار ہیں۔ اس جملہ سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ان پر قتل و غارت گری کی صورت میں اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کی وجہ سے ان کی صبح بڑی بھیانک ہو گئی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بات قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے پیدا کی کہ:

أَفِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ، فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ۔ (الصافات - ۹: ۳۰-۳۱)

”کیا یہ (کفار) ہمارے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں؟ پس جب ان کے میدان میں ہمارا عذاب اترے گا تو ان کی صبح بڑی خراب ہوگی جن کو ڈرایا گیا ہے۔“

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مقابلہ پر پہنچنے کے وقت (یعنی میدان جنگ میں) نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) بلند کرنا مستحب ہے اور ایسے موقع کے مثل حالات کے امور محققہ میں قرآن کریم کے ذریعہ استشہاد جائز ہے چنانچہ اسی کے مثل وہ صورت تھی جب کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے وقت کہا تھا:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (الاسراء: ۸۱)

”حق آیا اور باطل گیا گمراہ ہوا۔“

نیز علماء نے کہا ہے کہ قرآن کریم سے ایسا استشہاد جو محاورات میں بطریق ضرب المثل ہو یا لغو بے فائدہ گفتگو و کلام کے دوران ہو، مکرر ہے۔ بلکہ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی شخص کا اپنے کسی مفہوم و ادائیگی کے لئے اپنے الفاظ، استعمال کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن کریم کی کوئی آیت یا کسی آیت کا ٹکڑا استعمال کرنا کفر ہے جیسے کوئی شخص اپنے مخاطب کو جس کا نام بچا ہو، کوئی کتاب دیتے وقت یوں خطاب کرے۔ یا یٰ بخی خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (یہ دراصل ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس

کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی! اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو یا کوئی شخص اپنے مخاطب کو مثلاً کھانا کھانے کے لئے یا آگے بڑھنے کے لئے کہنا چاہتا ہے مگر اپنے الفاظ ”کھاؤ“ یا ”آگے بڑھو“ کی بجائے ”بسم اللہ“ کہتا ہے اور یا اسی طرح کی کسی بھی صورت میں قرآن کریم کے الفاظ کو استعمال کرنا۔

نیز ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فرمانا کہ استشہاد کے طور پر نہیں تھا بلکہ دراصل امثال امر (اطاعت حکم) کے طور پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ - (الاسراء: ۸۱)

”یعنی (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ (دین حق غالب ہونے کو) آیا اور باطل گیا گزرا ہوا۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا کہنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق تھا کہ:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا - (طہ: ۲۰، ۱۱۳)

”یعنی (اے محمد ﷺ) یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے زیادہ سے زیادہ علم عطا فرما۔“

غرضیکہ اس طرح کے جتنے منقولات آپ ﷺ سے ثابت ہیں وہ سب دراصل حکم الہی کی اطاعت و بجا آوری ہے اور یہ مستحب ہے۔

ظہر کے وقت آنحضرت ﷺ کی طرف سے جنگ کی ابتداء

⑥ وَعَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ الْقِتَالَ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَبَهَ حَتَّى تَهْبِ الْأَزْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَاةُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت نعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا ہوں، چنانچہ جب (کسی دن) آپ ﷺ صبح کے وقت جنگ شروع نہ کرتے تو اس وقت کا انتظار فرماتے جب کہ ہوا چل پڑے اور (ظہر کی) نماز کا وقت آجائے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ کی ابتداء اس صورت میں ہوتی جب کہ کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ شروع نہ ہو پاتی، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی ابتداء حالات و مصلحت کے مطابق کی جاتی تھی، اگر حالات کا تقاضہ صبح کے وقت جنگ چھیڑنے کا ہوتا تو صبح کے وقت لڑائی شروع کی جاتی اور اگر کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا تو پھر دوپہر اٹھلے جنگ کی ابتداء کی جاتی۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

دوپہر اٹھلے جنگ کی ابتداء

⑧ عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَبَهَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ وَتَهْبِ الرِّيَّاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت نعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (لڑائیوں میں) شریک ہوا ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب دن کے اندامی حصہ میں (یعنی صبح کے وقت) جنگ نہ چھیڑتے تو اس وقت تک (جنگ کی ابتداء کرنے کا) انتظار کرتے جب تک کہ سورج نہ ڈھل جاتا ہو نہ پلنے لگتی، اور نصرت (یعنی فتح کی ہوا) نازل نہ ہو جاتی، (یا نصرت نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ظہر کی نماز کے بعد مجاہدین اسلام کے لئے مسلمانوں کی دعا کی برکت سے فتح کے آثار ظاہر نہ ہو جاتے)۔“ (ابوداؤد)

آنحضرت ﷺ کی جنگ کے اوقات

⑨ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ مِقْرَنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا ظَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَظْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا ظَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا نَتَصَفَّ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ أَمْسَكَ حَتَّى يُصَلِّيَ الْعَصْرُ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذَلِكَ تَهْنِجُ رِيَاخُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُونَ لِجَيْوشِهِمْ فِي صَلَاتِهِمْ۔ (رواه الترمذی)

”اور حضرت قتادہؓ، حضرت نعمان ابن مقرنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ طلوع فجر کے بعد اس وقت تک (جنگ شروع کرنے سے) رکے رہتے جب تک کہ (آپ ﷺ) فجر کی نماز سے فارغ نہ ہو جاتے اور سورج نہ نکل آتا، پھر جب سورج نکل آتا تو جنگ شروع کر دیتے اور جب دوپہر ہو جاتی (یعنی شری دوپہر کہ وہ چاشت کا وقت ہے جو دوپہر کے قریب ہوتا ہے) تو دوپہر ڈھلنے تک کے لئے (جنگ سے) رک جاتے۔ پھر جب دوپہر ڈھل جاتی (اور ظہر کی نماز پڑھ لیتے) تو عصر تک جنگ کرتے اور پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر جنگ میں مشغول ہو جاتے“ قتادہؓ کہتے ہیں کہ کہا جاتا تھا (یعنی صحابہؓ) آنحضرت ﷺ کے اس جنگی نظام الاوقات کی حکمت کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ ان اوقات میں نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمان اپنی نماز میں اپنے لشکروں کے لئے (فتح و کامرانی کی) دعائیں کرتے ہیں (یعنی نماز کے بعد دعائیں مانگتے ہیں یا نماز کے دوران ہی دعائیں کرتے ہیں جیسا کہ قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث منقول ہیں)۔“ (ترمذی)

مجاہدین اسلام کو ایک خاص ہدایت

⑩ وَعَنْ عَصَامِ بْنِ الْمُرْتَبِ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مَوْذِنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا۔ (رواه الترمذی والبوداذ)

”اور حضرت عصام بن مرتبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں (جہاد کے لئے) ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا، اور فرمایا کہ ”جب کسی (جگہ) تم کوئی مسجد دیکھو یا مؤذن کو اذان دیتے سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرنا۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی جگہ شعار اسلام میں کوئی قول یا فعلی علامت پاؤ تو اس وقت تک کسی کو قتل نہ کرو جب کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے۔

الفصل الثالث

زعماء ایران کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب

⑪ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ إِلَى أَهْلِ فَارَسَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ إِلَى رُسْتَمٍ وَمِهْرَانَ فِي مَلَأَ فَارَسَ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّا نَدْعُوكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنِ اتَّبَعْتُمْ فَأَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُونَ فَإِنِ لَمْ تَفْعَلُوا فَانْصَرِفُوا إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا يُحِبُّ فَارَسُ الْحَمَرِ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى۔ (رواه فی شرح السنہ)

”حضرت ابو وائلؓ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس یعنی ایران کے لوگوں (یعنی ان کے زعماء اور سرداروں) کو یہ مکتوب بھیجا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ خالد ابن ولید کی طرف سے رستم و مہران کے نام جو زعماء ایران میں سے ہیں اس شخص پر سلامتی ہو جو حق و

ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازاں واضح ہو کہ ہم تمہیں اسلام (قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو اور اگر تم اس (جزیہ ادا کرنے) سے (بھی) انکار کرو گے تو تمہیں آگاہ ہو جانا چاہئے کہ ہلاکت و پشیمانی تمہارا مقدر بن چکی ہے کیونکہ بلا شک و شبہ میرے ساتھ ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو خون بہانے کو (یا خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے کو) اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ایران کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس طرح تم ایران والوں کو شراب کے نشہ میں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح میری جماعت کے لوگوں کو قتل و قتال میں سرمستی و سرشاری حاصل ہوتی ہے یا ان کو جان لینے اور جان دینے میں وہی خوشی اور وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو تم شراب میں محسوس کرتے ہو) اور سلامتی ہو اس پر جو حق و ہدایت کی پیروی کرے۔“ (شرح السنۃ)

بَابُ الْقِتَالِ فِي الْجِهَادِ جہاد میں لڑنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل ہوں گی جن میں آنحضرت ﷺ نے جہاد کی ترغیب دی ہے اور جہاد کے فضائل و ثواب بیان فرمائے ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

شہید کی منزل جنت ہے

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيُّنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے دن (میدان جنگ میں) ایک شخص نبی کریم ﷺ سے کہنے لگا کہ ”آپ بتائیے! اگر میں مارا جاؤں (یعنی دشمنان اسلام سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں) تو میں کہاں ہوں گا یعنی جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟“ آنحضرت نے فرمایا ”جنت میں“ (یہ سنتے ہی) اس شخص نے (جنت میں پہنچ جانے کی تمنا میں مرتبہ شہادت جلد سے جلد حاصل کرنے کے لئے) وہ کھجوریں پھینک دیں جو (کھانے کے لئے) اس کے ہاتھ میں تھیں اور لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“ (بخاری و مسلم)

اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جنگی حکمت عملی

② وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَى بَغِيرَهَا حَتَّى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَغْنِي غَزْوَةَ تَبُوكَ غَزَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَزِّ شَدِيدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيدًا وَمَقَارًا وَعَدُوًّا كَثِيرًا فَجَلَّى لِلْمُسْلِمِينَ أَمْرَهُمْ لِيَتَأَهَّبُوا أَهْبَةً غَزَوْهُمْ فَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِي يُرِيدُ۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی غزوہ (یعنی جہاد کرنے) کا ارادہ کرتے تو اس کے بجائے دوسرے کا تو یہ فرماتے یہاں تک کہ یہ غزوہ یعنی غزوہ تبوک واقع ہو اور رسول کریم ﷺ نے غزوہ تبوک سخت ترین گرمی کے زمانے میں کیا، آپ ﷺ نے اس کے لئے دور دراز کا سفر فرمایا اور بے آب و گیاہ جنگلات کو طے کیا۔ نیز اس میں دشمنوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، چنانچہ آنحضرت نے (جب اس غزوے کا ارادہ فرمایا تو) اس کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان صاف صاف اعلان کیا۔ (اور اس

غزوے کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا تاکہ وہ لوگ (جنگ کے لئے) اچھی طرح تیار ہو جائیں اور اپنے سامان جہاد کو درست کر لیں انیز آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ان رستوں اور مقامات کے بارے میں بھی بتا دیا تھا جن کو آپ ﷺ (توبہ پینچنے کے لئے) اختیار کرنا چاہتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: ”تورہ“ کے معنی ہیں ”خبر کو چھپانا یا اس طور کہ اصل بات کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے“ چنانچہ آنحضرت ﷺ ارادہ جہاد کے موقع پر یہ جنگی حکمت عملی اختیار فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کو جس مقام پر جہاد کے لئے جانا ہوتا اس کا اعلان نہ کرتے بلکہ اسی دوسرے مقام کے بارے میں مشہور کر دیتے کہ وہاں جہاد کے لئے جانا ہے اور یہ حکمت عملی آپ ﷺ اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کو آپ ﷺ کے ارادہ کا پتہ نہ چلے اور وہ غافل رہے! اس طرح کی حکمت عملیاں دراصل جنگ جیتنے کے لئے انتہائی ضروری ہوتی ہیں اور دنیا کا ہر قانون ان کو رد کرتا ہے، اسی لئے اسلام نے بھی ”الحرب خدعتہ“ (لڑائی مکر و فریب کا نام ہے) کہہ کر جنگ میں اس طرح کے ”فریب دینے کو جائز رکھا ہے، چنانچہ آنحضرت کا یہ تورہ بھی اگرچہ ”خدعہ“ کی قسم سے تھا لیکن آپ ﷺ اس کو صریح قول کے ذریعہ اختیار نہیں فرماتے تھے بلکہ بطریق تعریض و کنایہ اختیار فرماتے تھے جیسے اگر آپ ﷺ کسی مقام پر جہاد کے لئے جانے کا ارادہ فرماتے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے حقیقی ارادے کا علم نہیں ہوتا تھا، آپ ﷺ صریح الفاظ میں کسی دوسرے مقام کا نام لے کر یہ بالکل نہیں کہتے تھے کہ میں فلاں جگہ کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، تاکہ جھوٹ بولنا لازم نہ آئے

یہاں تک کہ یہ غزوہ انؓ، حضرت کعبؓ ابن مالک نے اس کے ذریعہ اس غزوہ یعنی غزوہ تبوک کی طرف اشارہ کیا جو ان کی ذات کے تعلق سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت کعبؓ ابن مالک بذات خود اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے چنانچہ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

”دور دراز کا سفر فرمایا“ جہاد کرنے کے لئے تبوک جانے کو دور دراز کا سفر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ تبوک جو دمشق (شام) اور مدینہ کے درمیانی پر خیر اور البلاء کے خطہ پر واقع ایک جگہ کا نام ہے، مدینہ سے اس زمانہ کی مسافت کے اعتبار سے چودہ منزل اور آج کل کے حساب کے مطابق تقریباً ۲۵۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جن غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ان میں یہ غزوہ تبوک واقع ۹ھ آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ کے موقع پر صحابہؓ کو بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

جنگ مکر و فریب کا نام ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ - (فتح علیہ)

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جنگ مکر و فریب (کا نام) ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جنگ میں لشکر کی زیادہ تعداد اور بہت لڑنا اتنا کار آمد و مفید نہیں ہوتا جتنا مکر و فریب مفید ہوتا ہے، جس کو آج کے مہذب الفاظ میں ”حکمت عملی“ بھی کہتے ہیں۔ اسی مکر و فریب یا حکمت عملی کا کرشمہ ہوتا ہے کہ پوری جنگ ایک ہی داؤ سے ختم ہو جاتی ہے، جو داؤ کھاتا ہے مارا جاتا ہے اور داؤ مارنے والا جنگ پر غالب آ جاتا ہے۔ چنانچہ بہترین کمائڈرو ہی کہلاتا ہے جو میدان جنگ میں اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کو پسا ہونے پر مجبور کر دے۔

اگرچہ علماء اسلام نے متفقہ طور پر کفار کے ساتھ کی جانے والی جنگ میں مکر و فریب کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ حدود بھی مقرر کی ہیں تاکہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کوئی حرف نہ آئے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ مکر و فریب کا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں پہلی بات تو یہ ملحوظ ہونی چاہئے کہ کھلا ہوا جھوٹ نہ بولا جائے اور یہ کہ کسی بھی ایسی صورت میں مکر و فریب نہ کیا جائے جس

میں مسلمانوں کی طرف سے دیا ہوا عہد امان توڑا جائے۔ پھر علماء نے ”فریب دینے“ کی کچھ صورتیں بھی متعین کر دی ہیں مثلاً اس طرح فریب دیا جائے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ سے ہٹ جائے یا جنگ بند کر دے تاکہ دشمن غافل ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ اسلامی لشکر جنگ سے بھاگ گیا ہے اور پھر دشمن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے، اس طرح کی ایسی کوئی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے جس میں مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ ہو۔

حدیث میں مذکور لفظ ”خُدْعۃ“ اصل میں توخ کے پیش اور دال کے جزم کے ساتھ یعنی خُدْعۃ ہے لیکن زیادہ فصیح خم کے زبر کے ساتھ یعنی خُدْعۃ ہے جس کے معنی یہی ہیں لڑائی ایک ہی فریب (داؤ) سے ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ لفظ خم کے زبر کے ساتھ (یعنی لفظ فریب کا اہم نوع خُدْعۃ اور خم کے پیش اور دال کے زبر کے ساتھ یعنی خُدْعۃ بھی منقول ہے، اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ”جنگ بہت دھوکے میں ڈالنے والی ہے“ یعنی جو لوگ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں ان کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ میدان جنگ میں پہنچتے ہیں اور لڑائی ہوتی ہے تو ان خیالات کے برعکس نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص فتح پانے اور دشمن کو مار ڈالنے کا خیال لے کر جاتا ہے مگر میدان جنگ میں شکست کا سامنا کرتا ہے اور خود مارا جاتا ہے اسی طرح کوئی شخص شکست و ناکامی کے مایوس کن خیالات لے کر جاتا مگر وہاں جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے اور وہ کامیاب و کامران ہو کر آتا ہے، غرضیکہ جنگ اسی طرح دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔

جہاد میں عورتوں کو لے جانے کا مسئلہ

④ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأَمِّ سَلِيمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجُرْحَى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (صحابہ کے ہمراہ جہاد میں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ امّ سلیمؓ اور انصار کی دوسری عورتوں کو بھی لے جاتے، وہ عورتیں (غازیان اسلام کو) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرتیں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرنے کی غرض سے زیادہ عمر والی عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اگر مباشرت و صحبت کی غرض سے لے جانا ہو تو پھر آزاد عورتوں (یعنی اپنی بیویوں کی) بہ نسبت لونڈیوں کو لے جانا بہتر ہے۔ (یہ حکم اس وقت تھا جب کہ ایسی لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جن کے ساتھ صحبت و مباشرت جائز تھی)۔

⑤ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلَفَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَأُدَاوِي الْجُرْحَى وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت امّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شریک ہوئی ہوں میں (میدان جنگ میں) ان (مجاہدین) کے پیچھے ان کے ڈیروں میں رہا کرتی تھی جہاد میں ان کے لئے کھانا پکاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی اور دوا دارو کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔“ (مسلم)

جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ - (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عورتوں اور لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ عورت، لڑکے، جاماندہ، اندھے اور شیخ فانی (بڑھے کھوسٹ) کو قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی لڑکا یا دیوانہ

جنگ میں شریک ہوں اور قتال کر رہے ہوں تو ان کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ملکہ عورت کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے، یہ اس لئے کہ کسی قتل کرنا جائز ہے جو بادشاہ و سردار ہو کیونکہ دشمن کے بادشاہ و سردار کے قتل ہو جانے سے ان کی شان و شوکت ٹوٹ جاتی ہے۔

④ وَعَنْ الصَّعْبِ بْنِ جَحْثَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيِّنُونَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَصَابُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذُرَارِيهِمْ قَالَهُمْ مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمْ مِنْ آبَائِهِمْ - (متفق علیہ)

”اور حضرت صعب ابن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا جو گھروں والے ہیں، (یعنی جو آبادیوں میں رہتے ہیں) کہ اگر ان پر شیخون مارا جائے اور اس کے نتیجے میں ان کی عورت اور بچے مارے جائیں (تو کیا حکم ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ ”وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل نہ کیا جائے ہاں اگر وہ شیخون کی صورت میں مارے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے جوڑنے والے بڑے مرد ہیں ان سے ان کا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی قتل کے حکم میں اپنے بڑوں کے مانند ہیں۔

دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَمْرٍاءَ رَسُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُولُ حَسَانٌ

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُرَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ
وَفِي ذَلِكَ تَرَلْتُ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْثَةٍ أَوْ تَرَكَتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ مِتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا، اسی کے بارے میں (در بار رسالت ﷺ کے صحابی شاعر حضرت حسان ابن ثابت انصاریؓ نے یہ شعر کہا۔“

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُرَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ
یعنی بنی لؤئی کے سرداروں کے لئے پھیلے ہوئے پورے جلاؤں والا آسان ہو گیا۔

نیز اسی کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْثَةٍ أَوْ تَرَكَتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ۔

”تم نے کھجور کے درخت پر سے جو کچھ کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑ پر کھٹا ہوا چھوڑ دیا (یعنی جو کچھ نہیں کاٹا) یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا، اس وقت مدینہ میں ان (یہودیوں) کے تین قبائل آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع، آنحضرت ﷺ نے ایک باہمی معاہدہ کیا جس کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت اہم سماجی اور معاشرتی معاملات سے متعلق اور آپس میں میل ملاپ سے رہنے کے بارے میں کچھ دفعات طے ہوئیں جن میں یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات دے کر ”پورے حقوق شہریت“ عطا کئے گئے اور ان کو مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا رویہ برتا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان پر عمل بھی کیا گیا، مگر یہودیوں کی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی یہاں تک کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی طرف سے اس حد تک عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا کہ ان کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش بھی تیار کر لی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس ناپاک سازش پر مطلع کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے خیبر بھاگایا گیا، ان کے کھجوروں کے باغات جلا ڈالے گئے اور ان کے مکانات کو

تس نس کردیا گیا۔

لوی لام کے پیش اور ہمزہ کے زیر اور یاء کے تشدید کے ساتھ، نصر ابن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کانام تھا جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ اور بنی لوی سے مراد قریش کے اشراف ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے۔

”بویہ“ ایک جگہ کانام تھا جہاں بنو نضیر کے یہودیوں کے باغات تھے اور جن کو صحابہ نے جلاڈالا تھا۔ منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلاڈالنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ”محمدؐ! آپ تو زمین پر فساد برپا کرنے سے منع کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے ہمارے کھجوروں کے ان درختوں کو کیوں کٹوایا اور جلاڈالا؟“ چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس نے آنحضرت ﷺ نے حکم کی توثیق کردی اور یہ واضح کر دیا کہ ان یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہے وہ حکم الہی کے مطابق ہے اور اسلام دشمن لوگوں کے درختوں کو کاٹنا اور جلاڈالنا جائز ہے۔

دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارتگری جائز ہے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْنٍ أَنَّ نَافِعًا كَتَبَ إِلَيْهِ يُخْبِرُهُ أَنَّ ابْنَ عَمْرِو أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ غَارَتَيْنِ فِي نَعْمِهِم بِالْمَوْرِ يَسْبِغُ فَقَتَلَ الْمُفَاتِلَةَ وَسَبَى الدَّرِيَّةَ۔ (متن عین)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عونؓ سے روایت ہے کہ (حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت نافعؓ نے ان (عبد اللہ ابن عونؓ کو ایک مکتوب بھیجا جس میں حضرت نافعؓ نے ان کو مطلع کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان (نافعؓ) سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مصطلق پر اس وقت ٹوٹ پڑے تھے جب وہ مرسیع میں اپنے مویشیوں کے درمیان غافل پڑے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”بنی مطلق“ قبیلہ خزاع کی ایک شاخ تھی۔ اور ”مرسیع“ ایک جگہ کانام تھا جو مکہ و مدینہ کے درمیان مدینہ منورہ سے تقریباً ۷۰، ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا، یہاں کافی مقدار میں پانی موجود تھا جس پر بنی مطلق کا تسلط تھا۔ ”لڑنے والوں“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو لڑنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتے تھے یعنی عاقل و بالغ مرد اور ”ذریعہ“ سے ان کی عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام دشمن اگر کہیں غافل پڑے ہوں تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر اچانک ٹوٹ پڑنا اور ان کی حالت غفلت میں ان کو قتل کر دینا، نیز ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔

میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم

⑩ وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا يَوْمَ بَدْرٍ حِينَ صَفَّفْنَا لِقَرِيشٍ وَصَفُّوا لَنَا إِذَا اكْتَبُوكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَيْلِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا اكْتَبُوكُمْ فَارْزُقُوهُمْ وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَحَدِيثٌ سَعْدِ هَلْ تَنْصَرُونَ سَنَذْكُرْ فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِي بَابِ الْمُعْجَزَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابو اسیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے دن (میدان جنگ میں) جب کہ ہم قریش کے خلاف اور قریش مکہ ہمارے خلاف صف آراء ہو گئے تو ہمیں یہ حکم دیا کہ ”جب وہ (دشمن یعنی قریش مکہ) تمہارے (اتنے) قریب آجائیں (کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ

سکیں) تو ان پر تیر چلاؤ جب وہ تمہارے قریب آجائیں اور اپنے تیروں کو باقی رکھو یعنی اپنے سب تیر ختم نہ کر ڈالو بلکہ ان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیے کچھ باقی بھی رکھو تاکہ دشمن تمہارے بہتے ہونے کا فائدہ اٹھا کر تم پر غالب نہ آجائے۔“ (بخاری)

وَحَدِيثُ سَعْدِ هَلْ تَنْصُرُونَ سَنَذْكُرُ فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَ حَدِيثُ النَّبَرَاءِ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِي بَابِ الْمُعْجَزَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت سعدؓ کی روایت ہل تَنْصُرُونَ باب فضل الفقراء میں اور حضرت براءؓ کی روایت بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا باب المعجزات میں ہم انشاء اللہ، ذکر کریں گے۔“

الفصل الثانی

میدان جنگ میں لشکر کی تیاری

⑪ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَتَبْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں ہمیں رات کو تعینہ کیا۔“ (ترمذی)

تشریح: تعینہ کے لغوی معنی ہیں ”تیار کرنا“ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے رات میں اپنے لشکر کو باس طور تیار و مرتب کیا کہ مجاہدین اسلام کے بدن پر ہتھیار لگائے، ان کی صفیں قائم کیں اور ہر ایک مجاہد کو اپنے اپنے مقام پر جمایا یعنی جس کو جس جگہ مناسب سمجھا وہاں کھڑا کر کے بتایا کہ دن میں جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح قائم رہے۔

مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات

⑫ وَعَنِ الْمُهَلَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ بَيَّسَكُمْ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حِمًى لَا يَنْصُرُونَ۔

(رواہ الترمذی والبوداؤد)

”اور حضرت مہلبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (غزوہ خندق میں) ہم سے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شیخون مارے تو تمہاری (یعنی مسلمانوں کی) علامت حِمًى لَا يَنْصُرُونَ کے الفاظ ہونے چاہئیں۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: فوجی اور جنگی قواعد و ضوابط میں عام طور سے یہ معمول ہوتا ہے کہ فوجیوں کے لئے کچھ مخصوص علامتیں اور نشان متعین کر دیئے جاتے ہیں جن سے موافق و مخالف کے درمیان امتیاز کیا جاسکے، یہ علامتیں غیر لفظی نشانات کی صورتوں میں بھی متعین ہوتی ہیں جو فوجیوں کے بدن اور وردیوں پر لگائے جاتے ہیں اور لفظی اشارات کی صورت میں بھی ہوتی ہیں جن کو زبان سے ادا کر کے اپنی حیثیت و حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سربراہ لشکر کی طرف سے اپنے لشکر والوں کو پہلے سے یہ بتادیا جاتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں یا کسی اور موقع پر تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو یہ فلاں لفظ اپنی زبان سے ادا کرنا تاکہ اگر پوچھنے والا اپنے ہی لشکر کا فرد ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ خاص طور پر شیخون مارے جانے کے وقت جب کہ عام افراقی کا عالم ہوتا ہے اور اس موقع پر اپنے اور غیروں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے اور اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے ایسی علامات اور اشاراتی الفاظ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل کی رائج الوقت اصطلاحات میں ایسے اشاراتی الفاظ کو انگریزی میں ”کوڈ ورڈ“ (code word) کہتے ہیں۔ لہذا غزوہ خنین کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ کو دشمن کی طرف سے شیخون مارے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ایسی حالت میں اپنی

علامت حَمَّ لَا يَنْصُرُونَ کے الفاظ کو قرار دیں تاکہ اس کے ذریعہ یہ پہچانا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر ہے۔ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں (اے حم کے اتارنے والے! دشمنوں کو کوئی مدد کو نہ ملے۔

(۱۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ كَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِينَ عَبْدَ اللَّهِ وَشِعَارُ الْأَنْصَارِ عَبْدَ الرَّحْمَنِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ (کسی اور غزوے میں) لفظ ”عبد اللہ“ تو مہاجرین کی علامت تھی اور لفظ ”عبد الرحمن“ انصار کی علامت تھی۔“ (ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ أَبِي بَكْرٍ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّنَّا لَهُمْ نَقْلَهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ أَمْتُ أَمْتُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم نے (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ (یعنی اسی سربراہی میں) جہاد کیا، چنانچہ ہم نے ان (دشمنوں) پر شیخوں مارا اور ان کو قتل کیا اور اس رات میں ہماری شناختی علامت اُمّ اُمّ کے الفاظ تھے (ان الفاظ کی ہیں) ”اے اللہ! دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔“ (ابوداؤد)

صحابہ کرامؓ جنگ کے وقت شور و شغب ناپسند کرتے تھے

(۱۵) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ -

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت قیس ابن عبادؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ (میدان جنگ میں) لڑائی کے وقت (اللہ کا نام لینے کے علاوہ) آواز کے (شور و شغب) کو ناپسند کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: فوجیوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ میں لڑائی کے وقت شور و شغب مچا دیتے ہیں اور بے مقصد نعرہ بازی کرتے ہیں اور اپنی شجاعت و بہادری کے نعرے بلند کرتے ہیں تاکہ دشمن پر ہیبت و رعب پڑے لیکن صحابہؓ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں جانتے تھے بلکہ وہ صرف اللہ کا نام بلند کرتے تھے (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کرتے تھے) اور اگر ان کے منہ سے آواز بلند ہوتی تھی تو وہ صرف ذکر الہی پر مشتمل ہوتی تھی کیونکہ درحقیقت صرف اللہ ہی کا نام بلند کرنے میں دنیا و آخرت کی مطلب برآری ہے۔

دشمن کے بڑی عمروالوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ وَاسْتَحْيُوا أَشْرَ حُفْمِ أَيْ صَبِيَانَهُمْ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مشرکین (یعنی دشمنوں) کے بڑے عمروالے لوگوں کو قتل کرو اور چھوٹی عمروالوں (یعنی ان (دشمنوں) کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ”بڑی عمروالوں“ سے مراد یا تو وہ نوجوان ہیں جو بچوں کے مقابلے میں بڑے ہوتے ہیں یا وہ بڑھے مراد ہیں جو مضبوط قوی کے مالک ہوں اور لڑنے کی طاقت و قوت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، شیخ فانی (یعنی بڑھے کھوسٹ) کو قتل کرنا درست نہیں ہے۔ جو شیخ فانی جنگ میں اپنی عقل اور اپنی رائے کو موثر رکھتا ہو اور دشمن، لڑائی میں اس کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرتا ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

دشمن کے شہر اور ان کے کھیت کھلیان وغیرہ کو جلاؤ الٹا جائز ہے

(۱۷) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهْدَ إِلَيْهِ قَالَ أَعَزَّ عَلَيَّ أَنْتِي صَاحِبُ حَرْقٍ - (رواه البوداؤد)

”اور حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ (جب رسول کریم ﷺ نے ان (اسامہؓ) کو (ایک لشکر کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا تو) یہ ہدایت و تاکید کی کہ ”تم اپنا پر صبح کے وقت دھاوا بول دینا اور (دشمن کے گھربار، کھیت کھلیان، اور درخت و باغات کو) جلاؤ الٹا۔“ (البوداؤد)

تشریح: انہما ایک آبادی کا نام ہے۔ جو ملک شام میں واقع تھی، اور جہاں حضرت اسامہؓ ابن زید کو مجاہدین اسلام کا سرواڑ بنا کر جہاد کے لئے بھیجا گیا تھا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے دشمنوں کے شہروں کو تاخت و تاراج کر دینا، ان کے گھربار، کھیت کھلیان اور درخت و باغات کو جلا دینا جائز ہے۔

دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آجائے

(۱۸) وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا اكْتَبُؤْكُمْ فَأَرْمُوهُمْ وَلَا تَسْلُوا الشَّيْئَ حَتَّى يَغْشَوْكُمْ - (رواه البوداؤد)

”اور حضرت ابواسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن (مجاہدین اسلام سے) فرمایا کہ (میدان جنگ میں) جب کفار (یعنی دشمن) تمہارے بالکل قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور تلوار اس وقت تک نیا م سے نہ کھینچنا جب تک کہ وہ تمہارے بالکل قریب نہ پہنچ جائیں۔“ (البوداؤد)

دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَى مَا اجْتَمَعَ هُوَ لَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ فَنَبِلَ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِقَاتِلٍ وَعَلَى الْمُقَدَّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِي خَالِدٍ لَا تَقْتُلْ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا - (رواه البوداؤد)

”اور حضرت رباح ابن ربیعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک غزوے میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (میدان جنگ میں تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ (ایک جگہ) کسی چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جا کر دیکھو، لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، اس شخص نے واپس آکر عرض کیا کہ ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے، لوگ اس (کی نعش) کے پاس جمع ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ عورت تو نہیں لڑ رہی تھی (پھر اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟)“ لشکر کی اگلی صفوں کی کمان حضرت خالد ابن ولیدؓ کے سپرد تھی، آپ ﷺ نے پھر اس شخص کو (ان کے پاس) بھیجا کہ وہ جا کر خالدؓ سے یہ کہہ دے کہ ”کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔“ (البوداؤد)

تشریح: ”مزدور“ سے مراد وہ مزدور ہے جس کو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نہ لایا گیا ہو بلکہ خدمت اور دوسرے کام کاج کے لئے لایا گیا ہو۔

مجاہدین کو میدانِ جنگ بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ کی ہدایات

(۲۰) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوا بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا قَانِيًا وَلَا طِفْلًا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغْلُوا وَضُمُوا عَنَانَكُمْ وَاصْلَحُوا وَاحْسِنُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجاہدین کو (جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت) یہ ہدایت دیں کہ ”جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین پر، یہاں سے کوچ کرو! (یا در کھو!) شیخ فانی (یعنی بڑھے کھوسٹ) کی جان نہ مارنا، نہ چھوٹے لڑکے اور نہ عورت کو قتل کرنا، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مالِ غنیمت کو جمع کرنا، آپس میں صلح صفائی رکھنا (اصلحو) کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ ہم مجاہدین اپنے آپس کے تنازعات کو ختم کر کے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ سے رہنا یا یہ معنی ہیں کہ اگر تم مصلحت دیکھو تو دشمن سے صلح کر لینا اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے دینی اور دنیاوی معاملات کو ٹھیک ٹھاک رکھنا) اور آپس میں (ایک دوسرے کے ساتھ) نیکی و بھلائی کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی اور بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”شیخ فانی کی جان نہ مارنا“ لیکن اگر کوئی بڑھا لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اس کی رائے اور اس کی جنگی تدابیر دشمن کے لئے نفع بخش اور مؤثر ہوں تو اس کی جان مارنا جائز ہے

”طفلاً صغیراً“ میں ”صغیراً“ بدل اور بیان ہے لفظ ”طفلاً“ یعنی وہ لڑکا جو حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اس حکم سے وہ لڑکا متشی ہے جو دشمن کی قوم کا بادشاہ و سردار ہو یا جنگ میں حصہ لیتا ہو، اسی طرح سے عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے، جو لڑائی میں شریک نہ ہو اور نہ اپنی قوم کی ملکہ اور جنگی معاملات میں رائے اور تدبیر پیش کرنے والی ہو۔

بدر کے میدانِ جنگ میں زعماء مکہ کی دعوت مبارزت

(۲۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُثْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَتَبِعَهُ ابْنُهُ وَآخُوهُ فَنَادَى مَنْ يَبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهُ شَبَابٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيكُمْ إِنَّمَا أَرَدْنَا بِنِي عِمْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ يَا حَمْزَةُ قُمْ يَا عَلِيُّ قُمْ يَا عُيَيْنَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ حَمْزَةُ إِلَى عُثْبَةَ وَأَقْبَلْتُ إِلَى شَيْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْوَلِيدِ حَمْزَةُ بَنَانٍ فَأَتَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مَلْنَا عَلَى الْوَلِيدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُيَيْنَةَ - (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ جب معرکہ بدر کا دن آیا (اور میدانِ جنگ میں مجاہدین اسلام اور کفار مکہ، ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے تو) کفار مکہ میں سے (ابن ربیعہ (لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر) آگے بڑھا، اس کا بھائی (یعنی شیبہ ابن ربیعہ) بھی آیا، عتبہ نے پکار کر کہا ”کون ہے جو (ہمارے مقابلہ پر) لڑنے کے لئے میدان میں آئے؟“ (مجاہدین اسلام کی جانب سے) اس کا جواب انصار کے کئی جوانوں نے دیا (یعنی وہ عتبہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر میدان میں آئے) عتبہ نے (ان کو دیکھا تو) پوچھا کہ ”تم کون ہو؟“ ان جوانوں نے عتبہ کو بتایا کہ ہم (مدینہ کے) انصار ہیں، عتبہ نے کہا کہ ”ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے (یعنی ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے) بلکہ تو اپنے چچا کے بیٹوں (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے والے قریشی مسلمانوں) سے لڑنا چاہتے ہیں۔“ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے (اپنی صف کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا ”حمزہ! تم کھڑے ہو جاؤ، علی! تم کھڑے ہو جاؤ (عبیدہ ابن حارث! تم کھڑے ہو جاؤ) اور آگے بڑھ کر ان نشہ طاقت کے سرمستوں کا سر غرور و تکبر چل دو“ چنانچہ حمزہ عتبہ کے مقابلہ پر گئے (اور اس کو مار ڈالا) میں (یعنی علی) شیبہ کے مقابلہ پر گیا (اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہ و ولید کے درمیان دو سخت وار ہوئے اور ان میں سے ایک

نے اپنے مقابل کو زخمی اور نڈھال کر دیا۔ پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عیدہ کو (جو ولید کے وار سے سخت زخمی ہو گئے تھے) معرکہ کے میدان سے اٹھالائے۔“ (احمد، ابوداؤد)

نئی کمک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز ہے

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَاتَيْنَا الْمَدِينَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْنُ الْفَرَارُونَ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ الْعَكَارُونَ وَأَنَا فِتْنَتُكُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ ابْنُ دَاوُدَ مَجْهُوٌّ وَقَالَ لَا بَلْ أَنْتُمْ الْعَكَارُونَ قَالَ فَذَنُوبًا فَتَقَبَّلْنَا يَدَهُ فَقَالَ أَمَّا فَتْنَةُ الْمُسْلِمِينَ وَسَدُّ كُرْحِ حَدِيثِ أُمِّيَّةِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يَسْتَفْتِيهِ وَحَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَبْغَوْنِي فِي ضَعْفَائِكُمْ فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے (کسی جگہ جہاد کرنے کے لئے) ہمارا ایک لشکر بھیجا (وہاں پہنچ کر ہمارے لشکر کے) لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، چنانچہ ہم مدینہ واپس آئے (تو) مارے شرم و ندامت کے) اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ہم نے (آپس میں اپنے دل میں) کہا کہ ”دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کر ہم نے جو گناہ کیا ہے اس کی وجہ سے گویا ہم تو ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) اہم تو میدان چھوڑ کر بھاگ آنے والے لوگ ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”(نہیں) بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں۔“ (ترمذی)

اور ابوداؤد نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ”نہیں“ بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (جب ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے کوئی جواب طلب کرنے یا کوئی سرزنش کرنے کے بجائے اس شفقت آمیز انداز میں ہماری ہمت بڑھائی ہے تو فطرہ عقیدت و محبت سے) ہم آپ ﷺ کے قریب پہنچے۔ اور آپ ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔“

تشریح: ”عکس“ کے معنی ہیں ”لوٹنا“ جنگ میں واپس چلے جانا“ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی لشکر اپنی کمزوری محسوس کرتا ہو اور وہ دشمن کے مقابلہ سے اس نیت کے ساتھ بھاگ آئے کہ اپنے مرکز سے نئی کمک اور نئی مدد لے کر پھر میدان جنگ میں آئیں گے تو یہ گناہ نہیں اور چونکہ تم لوگ اسی نیت کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگے ہو اس لئے ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

”میں مسلمانوں کی جماعت ہوں“ آپ ﷺ نے اپنی عظمت و برکت کی بناء پر اپنی تنہا ذات شریف کو ایک پوری جماعت قرار دیا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ إِنَّ ابْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً، نیز آپ ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اپنی مرکزیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ میری ذات مسلمانوں کے لئے منبع قوت و طاقت ہے، جہاں سے انہیں مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے لہذا اے ابن عمر! تم اس عارضی پسپائی سے ہراساں اور دل گرفتہ نہ ہو، میں تمہارا بھی مددگار و حامی اور ناصر ہوں

وَسَدُّ كُرْحِ حَدِيثِ أُمِّيَّةِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يَسْتَفْتِيهِ وَحَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَبْغَوْنِي فِي ضَعْفَائِكُمْ فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور امیہ ابن عبد اللہ کی روایت كَانَ يَسْتَفْتِيهِ اور ابودرداءؓ کی روایت أَبْغَوْنِي فِي ضَعْفَائِكُمْ ہم انشاء اللہ فضل الفقراء کے باب میں ذکر کریں گے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غزوہ طائف میں منجیق کا استعمال

(۲۳) عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجِيْقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ - (رواہ الترمذی مرسلًا)

”اور حضرت ثوبان ابن یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف کے مقابلہ پر منجیق نصب کی۔ اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: قدیم آلات حرب میں ”منجیق“ کی حیثیت آج کل کی گولے پھینکنے والی توپ کی سی تھی۔ چنانچہ یہ ایک ایسی دستی مشین تھی جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ بطور خاص جب کسی قلعہ وغیرہ کا محاصرہ کیا جاتا تو اس پر منجیق کے ذریعہ پتھر برسائے جاتے تھے۔ ”طائف“ آج بھی حجاز کا ایک بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے اصلاً تو ۳۰-۴۵ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے لیکن ابھی کچھ دنوں پہلے تک وہاں پہنچنے کے لئے ایسا کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا جس سے گاڑیاں آجائیں اور پختہ یا خام سڑک ہو، مکہ مکرمہ سے طائف کے لئے جو سڑک گئی تھی وہ پہاڑوں کا چکر کھاتی ہوئی جاتی تھی اس لئے یہ راستہ طویل ہو جاتا تھا اس راستہ سے مکہ مکرمہ سے طائف کا فاصلہ ۸۵ میل بتایا جاتا ہے، اسی راستہ میں منی و عرفات ملتے ہیں اور محققین کے نزدیک یہی وہ راستہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ ابتداء میں تبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

موجودہ طائف سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی بستی ”مشتاة“ ہے، یہ طائف ہی کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہے، یہ بستی اس جگہ بتائی جاتی ہے جس کے قریب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اصل طائف آباد تھا۔ یہاں ذوباغوں میں دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک کو مسجد علی کہتے ہیں اور دوسرے کو مسجد الجعشی، ان دونوں مسجدوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی اونج کہلاتی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف میں طائف کا محاصرہ اسی جگہ فرمایا تھا اور غالباً یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نے منجیق نصب کی تھی۔

بَابُ حُكْمِ الْأَسْرَاءِ

قیدیوں کے احکام کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجَبًا لَكُمْ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَفِي رِوَايَةٍ يُقَادُّونَ إِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ - (رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ اس قوم پر تعجب کرتا ہے یعنی ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کفار (دشمن) کے جو لوگ جہاد وغیرہ کے موقع پر قیدی بنائے جاتے ہیں اور ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جاکر دارالاسلام میں لایا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نصیب فرماتا ہے تو ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اس اعتبار سے اگرچہ ان کے دخول جنت کا سبب ان کا ایمان قبول کر لینا ہے لیکن ظاہر میں گویا وہ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر جنت میں داخل کئے گئے ہیں۔

دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم

② وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَظْلَمُوهُ وَاقْتُلُوهُ فَقَتَلْتُهُ فَقَتَلَنِي سَلَمَةُ. (بخاری)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مشرکین، (دشمن) کا ایک جاسوس نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جب کہ آپ ﷺ سفر کے دوران تھے، چنانچہ اس جاسوس نے (لوہ لینے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں اور پھر چلا گیا، نبی کریم ﷺ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو (آپ ﷺ) نے فرمایا ”اس کو تلاش کرو اور قتل کر ڈالو“ چنانچہ میں نے اس کو (دھونڈ نکالا اور) قتل کر ڈالا، آنحضرت ﷺ نے اس کا سامان و اسباب مجھے مرحمت فرمایا۔“ (بخاری و مسلم)

③ وَعَنْهُ قَالَ عَزَّ وَنَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَصَحَّحُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ فَأَنَاحَهُ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِينَا صَغْفَةٌ وَرَقَّةٌ مِنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مَشَاةٌ إِذْ خَرَجَ يَسْتَدُ فَاتْنِي جَمَلُهُ فَأَنَارَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ حَتَّى أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِي فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقْوَدُهُ وَعَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسِلَاحُهُ فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوا ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَمَةُ أَجْمَعُ. (بخاری و مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ (قبیلہ قیس کی ایک شاخ) ہوازن کے خلاف جہاد میں شریک تھے، (ایک دن) اس وقت جب کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ دو پہر کا کھانا کھا رہے تھے، اچانک ایک شخص جو (دشمن کا جاسوس تھا اور) سرخ اونٹ پر سوار تھا آیا، اس نے اونٹ کو بٹھادیا اور (ادھر ادھر) دیکھنے لگا (یعنی وہ ہماری حالت و کیفیت کی نوہ لینے لگا) اس وقت ہم (اپنی خستہ حالی اور بپادہ پالی کی وجہ سے) بہت نڈھال ہو رہے تھے، ہمارے پاس سوار یوں کی کمی تھی اور ہم میں سے بعض لوگ پیدل تھے۔ چنانچہ (جب اس شخص نے ہماری اس کمزوری کا اندازہ لگالیا کہ ہم سوار یوں کی کمی اور اپنی خستہ حالی کی وجہ سے سخت پریشان اور نڈھال ہیں تو دشمن کو اس کی اطلاع دینے کے لئے) وہ اچانک (ہمارے درمیان سے) دوڑتا ہوا نکلا اور اپنے اونٹ کے پاس پہنچ کر (اس پر سوار ہونے کے بعد) اس کو کھڑا کیا اور وہ اونٹ اس کو لے کر تیزی سے دوڑنے لگا، میں (نے جب یہ صورت حال دیکھی تو میں بھی اپنے لوگوں کے درمیان سے نکلا اور (اس شخص کے پیچھے) دوڑا یہاں تک کہ میں نے (اس کو جالیا اور) اونٹ کی مہار پکڑی اور اس کو بٹھادیا اور پھر اپنی تلوار سونت کر اس شخص کے سر پر (بھرپور) وار کیا (جس سے اس کا کام تمام ہو گیا) اس کے بعد اونٹ کو، جس پر اس شخص کا سامان اور اس کے ہتھیار تھے، کھینچتا ہوا لایا، جب رسول کریم ﷺ اور دوسرے لوگ میرے سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟“ صحابہؓ نے کہا کہ ”سلمہ ابن اکوعؓ نے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس سارے سامان کے حقداری کی (سلمہؓ) ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

مدینہ کے عہد شکن یہودیوں کے متعلق فیصلہ

④ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ فَجَاءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَيَّ حُكْمَكُمْ قَالَ فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تَقْتُلَ الْمُقَاتِلَةَ وَأَنْ تُبْسِي الدَّرِيَّةَ

قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِي رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللَّهِ - (تفق علیہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب (مدینہ میں آباد) بنو قریظہ (کے یہودی) حضرت سعد ابن معاذؓ کو حکم تسلیم کر لینے پر اتر آئے (یعنی وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ سعد ابن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے ہم اس کو تسلیم کر لیں گے، تو رسول کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا، سعد ابن معاذؓ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے اور جب وہ قریب پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے (حاضرین سے) کہا کہ ”تم لوگ اپنے سردار کی تعظیم یا ان کی مدد“ کے لئے کھڑے ہو جاؤ“ سعد ابن معاذؓ (آپ ﷺ کے قریب) آکر بیٹھ گئے تو رسول کریم ﷺ نے (ان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ”یہ لوگ (یعنی بنو قریظہ کے یہودی) تمہیں حکم مانتے پر راضی ہو گئے ہیں۔“ سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ ”میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان (یہودیوں) میں سے جو لوگ لڑنے (کی صلاحیت رکھنے) والے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔“ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا ”تم نے ان کے بارے میں بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یعنی تم نے ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے اونچے درجہ کے صحابیؓ اور مشاہیر انصار میں سے ہیں، مدینہ کے انصار ان کو اپنا سردار اور بڑا مانتے تھے۔

”بنو قریظہ“ مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ قبیلہ حضرت سعد ابن معاذؓ کا حلیف اور اس کے یہودی ان کے عہد و امان میں تھے، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر وہاں کے قبائل یہود سے ایک باہمی معاہدہ کیا تھا جس کے تحت یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان، باہمی میل ملاپ کے ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے شہری اور سیاسی حقوق و مفادات کے تحفظ کے معاملات طے پائے تھے لیکن یہودیوں نے کچھ ہی دنوں بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا، اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ان کو نقصان پہنچانے کے اقدامات میں مشغول ہو گئے، چنانچہ دوسرے یہودی قبائل کی طرح ”بنو قریظہ“ بھی اس عہد شکنی کے مرتکب ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ۵ھ میں غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان (بنو قریظہ) کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور ان کا محاصرہ کر لیا، اور یہ محاصرہ پچیس ۲۵ روز تک جاری رہا جب بنو قریظہ بالکل مجبور ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ سعد ابن معاذؓ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کر دیں گے ہم اس کو منظور کریں گے، ان کا خیال تھا کہ چونکہ ہم سعدؓ کے حلیف اور ان کے عہد و امان میں ہیں اس لئے وہ ہماری رعایت کریں گے اور ہمیں اس محاصرہ سے نجات دلانے کی کوشش کریں گے، لیکن حضرت سعدؓ نے اس تعلق کا لحاظ کئے بغیر وہی فیصلہ دیا جو ان یہودیوں کے حسب حال اور مصلحت و حکمت کے عین مطابق تھا۔

”تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ“ اس حکم کے بارے میں نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضل کی تعظیم و توقیر کی جائے اور اس کے آنے پر تعظیماً کھڑا ہو جانا چاہئے چنانچہ اکثر علماء نے اس مسئلہ میں اس ارشاد گرامی کو دلیل قرار دیا ہے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم حضرت سعدؓ کی تعظیم کرنے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ ان (سعدؓ) کی ران پر تیر کا زخم تھا جو غزوہ خندق میں ان کو لگا تھا اور اس کی وجہ سے وہ سواری پر سے خود اترنے سے مجبور تھے، لہذا آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور سواری پر سے اترنے میں سعدؓ کی مدد کرو۔

سردار یمامہ کے اسلام لانے کا واقعہ

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قَبْلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ لُثَمَامَةُ بْنُ أَثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدٌ خَيْرٌ إِنَّ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَادِمٌ وَإِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَيَّ شَاكِرٌ وَإِنْ كُنْتُ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطِ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَيَّ شَاكِرٌ وَإِنْ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَادِمٌ وَإِنْ كُنْتُ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطِ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ؟ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَيَّ شَاكِرٌ وَإِنْ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَادِمٌ وَإِنْ كُنْتُ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطِ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلِقُوا ثَمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاعْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَيَّ وَجْهُ الْأَرْضِ وَجْهَ أَنْبَغُضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهِكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَنْبَغُضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَاصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ كُلِّهِ إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَنْبَغُضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَإِنْ خِلْتُكَ أَخَذْتَنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا أَرَى فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَغْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ أَصْبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلَكِنِّي اسْلَمْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللَّهِ لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَتَّى حِنْطَةٌ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه مسلم واختره البخاري)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک لشکر کو (جہاد کرنے کے لئے) بخد کی طرف روانہ کیا، لشکر کے لوگ (قبیلہ) بنو خنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر (مدینہ) لائے جس کا نام ثمامہ ابن اثال تھا اور جو شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا، اس شخص کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا (تاکہ وہ بھاگ نہ سکے) رسول کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہ ”کہو ثمامہ! تمہارے پاس (کہنے سننے کو) کیا ہے؟“ (یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح کا سلوک کروں گا؟) ثمامہ نے کہا کہ ”میرے پاس بھلائی ہی بھلائی ہے یا میرے پاس بہت مال ہے، اگر آپ ﷺ (مجھ کو) قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے (جو قتل ہی کئے جانے کا متحق ہے، ان الفاظ کے ذریعہ گویا ثمامہ نے اپنی تقصیر کا اعتراف و اقرار کیا، یا اس کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کر دیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون ریاگیاں نہیں جائے گا کیونکہ میری قوم میرا خون معاف نہیں کرے گی بلکہ آپ سے بدلہ لے گی، اس صورت میں اس نے گویا اپنی امارت اور اپنی ریاست و وجاہت کا دعویٰ کیا) اور اگر آپ (مجھے) باعزت رہائی دے کر میرے ساتھ (اچھا سلوک کریں گے تو ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار و قدردان ہے، (یعنی میں بھی اس اچھے سلوک کا آپ ﷺ کو بدلہ دوں گا) اور اگر آپ ﷺ مال چاہتے ہیں تو مانگئے، جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا۔“ (یہ باتیں سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کو (اس کے حال پر) چھوڑ دیا جب دوسرا دن آیا تو آنحضرت ﷺ نے پھر اس سے پوچھا کہ ”میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار و قدردان ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے، جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا۔“ آنحضرت ﷺ نے (اس دن بھی یہ سن کر) اس کو (اس کے حال پر) چھوڑ دیا۔ اور جب تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے پھر اس سے پوچھا کہ ”کہو ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟“ اس نے کہا کہ ”میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار و قدردان ہے، اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے، جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) حکم دیا کہ ”ثمامہ کو رہا کر دیا جائے۔“ چنانچہ (رہائی پانے کے بعد کچھ کہے سنے بغیر) کھجوروں کے ان درختوں (کے جھنڈ) میں چلا گیا جو مسجد نبوی ﷺ کے قریب تھے اور وہاں سے نہادھو کر پھر مسجد نبوی میں آیا اور (آنحضرت ﷺ کے سامنے) کہا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ (یعنی میں (سچے دل کے اعتراف و اقرار کے

ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور (پھر کہنے لگا کہ) اے محمد (ﷺ) اخلاقی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر آپ (ﷺ) کے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز کوئی چہرہ نہیں تھا لیکن اب آپ (ﷺ) کا چہرہ مبارک میرے نزدیک (دنیا کے) سارے چہروں سے زیادہ پیارا ہے، خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ (ﷺ) کے دین سے زیادہ نفرت انگیز کوئی دین نہیں تھا لیکن اب آپ (ﷺ) کا دین میرے نزدیک سارے دینوں سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ (ﷺ) کے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہیں تھے لیکن اب میرے نزدیک آپ (ﷺ) کا شہر (دنیا کے) سارے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر (اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) آپ (ﷺ) کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب کہ میں عمرہ (کرنے کے لئے مکہ جانے) کا ارادہ کر رہا تھا تو اب آپ (ﷺ) مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں (آیا میں عمرہ کے لئے مکہ جاؤں یا نہیں؟) رسول کریم (ﷺ) نے (پہلے تو) اس کو بشارت دی (کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ہمیں شرف و عظمت انسانیت حاصل ہو گئی ہے اور تمہارے پہلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں) اور پھر ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ثمامہ جب (عمرہ کرنے کے لئے) مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ ”تم تو بے دین ہو گئے ہو۔“ ثمامہ نے جواب دیا کہ ”نہیں! میں نے رسول کریم (ﷺ) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، میں بے دین نہیں ہوا ہوں اور (یاد رکھو!) خدا کی قسم! اب یمامہ سے تم کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بھیجا جائے گا جب تک کہ رسول کریم (ﷺ) اس کی اجازت نہ دیں۔“ (مسلم) اس روایت کو بخاری نے بھی احتصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جبیر ابن مطعمؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ترغیب اسلام

⑥ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي أَسَارَى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِي حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هَؤُلَاءِ الثَّنِي لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعم ابن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان ناپاک قیدیوں کے حق میں سفارش کرتے، تو میں ان (قیدیوں) کو ان (مطعم) کی سفارش پر رہا کر دیتا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت جبیرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے پر لڑ رہے تھے، جنگ کے بعد ان کفار میں سے جو لوگ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے ان میں حضرت جبیرؓ بھی تھے اس طرح حضرت جبیرؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی تو کفر کی حالت میں، مگر اس کو بیان کیا اسلام قبول کرنے کے بعد۔

مطعم ابن عدی، حضرت جبیرؓ کے والد تھے اور نوفل ابن عبد مناف کا پوتا ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ہم جد قرابتی تھے، ان (مطعم) کا آنحضرت ﷺ پر ایک یہ احسان تھا کہ جب آنحضرت ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو پھر اپنے زرعے میں لے کر نقصان پہنچانا چاہا مگر مطعم نے ان مشرکین کو آنحضرت ﷺ سے دور کیا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے جبیرؓ کے سامنے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے جس کا ایک بڑا مقصد جبیرؓ کی تالیف قلب اور ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا تھا۔

حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار مکہ کو

گرفتار کر کے چھوڑ دینے کا واقعہ

⑦ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ ثَمَانِينَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّعْنِيمِ

مُتَسَلِّحِينَ يُرِيدُونَ غَزَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَأَخَذَهُمْ سَلْمًا فَاسْتَحْيَا هُمْ وَفِي رِوَايَةٍ فَاسْتَقْبِهِمُ فَانْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے سال) نبی کریم ﷺ کے خلاف مکہ کے اسی آوی ہتھیاروں سے لیس ہو کر تحیم کے پیازے اتر آئے جن کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ پر اچانک حملہ کر کے ان کو نقصان پہنچائیں لیکن آنحضرت ﷺ نے (لڑے بھڑے بغیر) ان سب کو بے بس اور ذلیل کر کے گرفتار کر لیا اور پھر ان کو زندہ چھوڑ دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

”اور پھر ان کو رہا کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے نواح مکہ میں ان (کفار) کا ہاتھ تمہارے خلاف اور تمہارا ہاتھ ان کے خلاف بند رکھا۔“ (مسلم)

جنگ بدر کے بعد مقتولین مکہ سے آنحضرت ﷺ کا خطاب

⑧ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةِ وَعَشْرِينَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ فَقَدْ فُؤِا فِي طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيثٍ مُخْبِتٍ وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعُزْبَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ أَمَرَ بِوَاحِلَتِهِ فَشَدَّ عَلَيْهَا رَحْلَهَا ثُمَّ مَشَى وَاتَّبَعَهُ أَصْحَابُهُ حَتَّى قَامَ عَلَى شَفَةِ الرِّكْبَةِ فَجَعَلَ يَنَادِيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَيْسَرُكُمْ أَنْتُمْ أَطْعَمْتُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدْنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَكَلِمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَا يُجِيبُونَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ أَحْيَاهُمُ اللَّهُ حَتَّى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِيخًا وَتَضَعِيًّا وَنِقْمَةً وَحَسْرَةً وَنَدْمًا -

”اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ نے حضرت ابو طلحہؓ کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن (مکہ کے) کفار قریش کے چوبیس (مقتولین) سرداروں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک ایسے کنوئیں میں ڈال کیا گیا جو ناپاک تھا اور ناپاک کرنے والا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ ﷺ (جنگ میں) کسی قوم (یعنی دشمنوں) پر غلبہ اور فتح پالیتے تھے تو اس میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے تھے چنانچہ (اسی عادت کے مطابق) آپ ﷺ جنگ جیت لینے کے بعد کے میدان جنگ میں بھی تین راتیں قیام فرما رہے (اور) جب تین دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم دیا، چنانچہ کجاوہ باندھ دیا گیا اور وہاں سے روانہ ہوئے اور آپ کے صحابہؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہوئے (جب اس کنوئے پر پہنچے جس میں سرداران قریش کی نعشیں ڈالی گئی تھیں تو) آپ ﷺ اس کنوئیں کے کنارے ٹھہرے ہوئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں (اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) (اب) تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بلاشبہ ہمیں تو وہ چیز حاصل ہو گئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا (یعنی تمہارے مقابلہ پر ہماری فتح اور باطل طاقتوں پر ہمارے غلبہ کا) اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا (یعنی تمہارے عذاب کا) (مطلب یہ کہ ہم کو تو خدا کے وعدے کے مطابق فتح و کامیابی حاصل ہو گئی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے پروردگار نے تمہیں ڈرایا تھا؟ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ سوال ازراہ توبخ تھا) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپ ایسے جموں کو مخاطب کر رہے ہیں جن میں روحمیں نہیں ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے“ ان (جموں سے) میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں

ہو۔“ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو اور) یہ جواب نہیں دے سکتے۔“ (بخاری و مسلم)

بخاری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہؓ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ان (سرداران قریش) کو آنحضرتؐ کے خطاب کے وقت زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ آنحضرتؐ کی بات کو سن لیں جس سے (ای دنیا میں آنحضرتؐ کے سامنے) ان کو سرزنش ہو اور وہ ذلت و خواری، عذاب اور افسوس و پشیمانی کو محسوس کریں۔“

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ نے اس حدیث کے ذریعہ سماع موتی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے جب کہ اکثر حنفی علماء نے اس (سماع موتی) کا انکار کیا ہے، ان علماء کی طرف سے مختلف انداز میں جواب دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں جیسے فتح القدیر وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی

⑨ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمُسَوَّرِينَ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِينَ جَاءَهُ وَفَدُّهُوَازِنَ مُسْلِمِينَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَمَّا السَّبْيُ وَأَمَّا الْمَالُ قَالُوا فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَانِي عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنْ إِخْوَانُكُمْ قَدْ جَاءُوا وَإِنَّا بَيْنَ وَابْنِي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيبَ ذَلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَبَّخْنَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرفَاءُكُمْ أَمْرُكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرفَاءُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَبَّخُوا وَأَذَنُوا۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت مردان اور حضرت مسور ابن مخرمہ روایت ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس وقت (خطبہ ارشاد کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے جب قبیلہ ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور ان کے قیدی واپس کر دیئے جائیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لو یعنی یا تو قیدیوں کو رہا کرالے جاؤ یا مال واپس لے لو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہم اپنے قیدیوں کو رہا کرنا پسند کرتے ہیں“ تب رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ کے سامنے) یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی جس کا وہ مستحق ہے اور پھر فرمایا کہ! بعد ازاں ایہ (قبیلہ ہوازن کے لوگ) جو تمہارے (دینی یا نسبی) بھائی ہیں (اپنے کفر و شرک سے) توبہ کر کے (اور مسلمان ہو کر) تمہارے پاس آئے ہیں، میں نے اس چیز کو مناسب سمجھا ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں، لہذا تم میں سے جو شخص خوشی کے ساتھ قیدیوں کو واپس کرنا چاہے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی اس کے پاس جو قیدی ہے اس کو واپس کر دے) اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہے تا وقتیکہ ہم اس کو اس کا عوض اس پہلے آنے والے مال میں سے نہ دے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں غنیمت کے طور پر عطا کرے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی جو شخص اپنے حصے کے قیدی کو بغیر معاوضہ نہ دینا چاہے تو وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیا معاوضہ لے گا تاکہ ہم یہ انتظام کر دیں کہ اب کہیں سے جو سب سے پہلے مال غنیمت آئے اس میں سے اس کا وہ معاوضہ ادا کر دیا جائے لوگوں نے (یعنی بعض صحابہؓ یا بلا امتیاز تمام صحابہؓ نے) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم اس پر (یعنی قیدیوں کو واپس کر دینے پر) خوشی کے ساتھ آمادہ ہیں۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں (اس مجمع میں) یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کون شخص راضی ہے اور جو شخص راضی نہیں ہے اس کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا لہذا تم سب لوگ (اپنے اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اپنے خاندان و قبیلہ کے سرداروں سے اس بارے میں مشورہ کر لو) تاکہ تمہارے (وہ)

سردار تفصیل کے ساتھ) ہمارے سامنے تمہارا فیصلہ پیش کریں۔“ چنانچہ سب لوگ لوٹ کر چلے گئے اور جب ان کے سرداروں نے اس گفتگو کر لی تو وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ (قیدیوں کو واپس کر دینے پر راضی ہیں اور انہوں نے (اس امر کی) اجازت دے دی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے لئے جو راستہ جاتا ہے اس راستے پر ایک وسیع میدان ملتا ہے جس کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور اس سے گزرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی ملتی ہے، اس میدان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے اس پاس قبیلہ ہوازن کے لوگ آباد تھے اور یہیں فتح مکہ کے بعد وہ غزوہ ہوا تھا جس کو غزوہ خنین یا غزوہ ہوازن کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں غنیمت کا بہت زیادہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور دشمن کے بے شمار بال بچے قیدی بنا کر مدینے لائے گئے تھے جن کو صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا چنانچہ جب اس غزوہ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو وہ دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے مال اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا، چونکہ ان کا مال اور قیدی مجاہدین اسلام (یعنی صحابہؓ) کی ملکیت ہو گئے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی ملکیت کو واپس کرنا جائز نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہؓ کے سامنے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا اور ان سے مذکورہ اجازت طلب کی۔

گرفتاری کے بدلے گرفتاری

⑩ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفٌ حَلِيفًا لِبَنِي عَقِيلٍ فَأَسَرَّتْ ثَقِيفٌ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دَاسِرًا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا مِنْ بَنِي عَقِيلٍ فَأَوْثَقُوهُ فَطَرَحُوهُ فِي الْحِزَةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيمَ أَخَذْتَ قَالَ بِجَرِيرَةٍ خَلْفَائِكَ ثَقِيفٌ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَجَمَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَّ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفَلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَقَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذِينَ أَسَرَتْهُمَا ثَقِيفٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف، بنو عقیل کا حلیف تھا، چنانچہ جو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا اور اس کو مضبوطی سے باندھ کر حرہ میں ڈال دیا۔ رسول کریم ﷺ احرہ سے گزرے تو اس (قیدی) نے پکارا ”محمد (ﷺ) محمد (ﷺ)“ مجھے کس جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اپنے حلیف، قبیلہ ثقیف (کے لوگوں کے جرم میں یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ہمارے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے، ان کے بدلے میں تمہیں پکڑ لیا گیا ہے۔“ (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اس کو اس کے حال پر (اس کی جگہ) چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے، اس نے آنحضرت ﷺ کو پھر پکارا ”محمد (ﷺ) محمد (ﷺ)“ رسول کریم ﷺ کو اس پر رحم آگیا، آپ ﷺ اس کے پاس واپس آئے اور فرمایا کہ تم ”کس حال میں ہو؟“ اس نے کہا کہ ”میں مسلمان ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا (کاٹا) تم یہ بات اس وقت کہتے، جب تم خود اپنے اختیار کے مالک تھے (یعنی جب کہ تم قید ہونے سے پہلے اپنے اوپر اختیار رکھتے تھے اور تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا اگر اس وقت بطریق رغبت کے یہ کہتے کہ میں مسلمان ہوں“ تو تم نجات پا جاتے کامل نجات (یعنی دنیا میں تو یہ نجات ملتی کہ قید نہ ہوتے اور آخرت میں نوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پاتے)“ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس کو ان دونوں آدمیوں کے بدلے میں جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا چھوڑ دیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”ثقیف“ عرب کے ایک بڑے اور مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ جو بنو ہوازن کی ایک شاخ اور طائف میں آباد تھا، اسی طرح ”بنو عقیل“ بھی ایک قبیلہ تھا، یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں یہ دستور تھا کہ قبائل آپس میں

ایک دوسرے کے درمیان حلف و قسم کے ساتھ یہ عہد و پیمان کیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برے بھلے کام کے ساتھی ہوں گے اور ہم میں سے کسی ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن اور کسی ایک کا دوست دوسرے کا بھی دوست ہوگا، لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق وہ قسم قسمی تو جائز رہی جس کا تعلق حق اور جائز باتوں سے تھا لیکن جس کا تعلق ناحق اور ناجائز باتوں سے تھا اس کو ختم کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اسلام کا جو حلف ہے وہ کافی ہے۔

”بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا، یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے جن دو صحابہؓ کو پکڑ کر اپنے یہاں قید کر لیا تھا ان کے بدلے میں مسلمانوں نے بنو عقیل کا ایک آدمی پکڑ کر اپنے یہاں باندھ دیا۔ کیونکہ اس وقت قبائل کا باہمی دستور یہی تھا کہ ایک حلیف کے جرم میں دوسرے حلیف کے آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا چنانچہ مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عمل کیا اور بظاہر اس میں مصلحت بھی تھی۔

”حرہ“ مدینہ کے مضافات میں پہاڑی علاقہ کے اس قطعہ کو کہا جاتا تھا جس کی زمین کالی پتھریلی تھی۔

”میں مسلمان ہوں الخ“ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص سے گویا یہ بتانا چاہا کہ میں پہلے ہی سے مسلمان ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں کی قید میں ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا دعویٰ گواہی کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص کی یہ مراد ہو میں اب اسلام قبول کرتا ہوں۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کے دعویٰ اسلام کو قبول نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ یا تو ازراہ نفاق اپنے اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے یا بطریق اضطرار وہ اس دعوے پر مجبور ہے اسی لئے آپ ﷺ نے اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے دارالحرب جانے دیا۔ اس اعتبار سے اس شخص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ گویا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

الفصل الثانی

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص کی رہائی کا واقعہ

⑪ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ أَهْلُ مَكَّةَ فِي فِدَاءِ أَسْرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِي فِدَاءِ أَبِي الْعَاصِ بِمَالٍ وَبَعِثَتْ فِيهِ بِقَلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ حَدِيحَةَ أَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلَى أَبِي الْعَاصِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيدَةً وَقَالَ إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُظْلِفُوا لَهَا أَسِيرَهَا وَتَزِدُوا عَلَيْهَا الَّذِي لَهَا فَقَالُوا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ يُخْلِيَ سَبِيلَ زَيْنَبَ إِلَيْهِ وَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ كُنَّا نَبْتَظُنْ يَا جِجْحُ حَتَّى تَمُرَّ بِكُمْ زَيْنَبُ فَتُصَحِّبَنَا هَا حَتَّى تَأْتِيَا بِهَا۔ (رواه احمد والبوداؤد)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب (جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کفار مکہ پر غلبہ اور فتح عطا فرمائی اور ان میں سے کچھ تو قتل کر دیئے گئے اور کچھ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی رہائی کے بدلے میں مال طلب کیا تو) اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کا معاوضہ روانہ کیا، (آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی) حضرت زینبؓ بھی (اپنے شوہر) ابوالعاص کی رہائی کے بدلے میں کچھ مال بھیجا جس میں ان کا وہ ہار بھی تھا جو (پہلے) حضرت خدیجہؓ کے پاس تھا اور اس کو انہوں نے ابوالعاص کے ساتھ زینبؓ کے نکاح کے وقت ان کو (جیزہ میں) دیا تھا، جب رسول کریم ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو زینبؓ کے لئے آپ ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی (یعنی) اس وقت اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کی غربت و تنہائی کا احساس کر کے اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کی یاد تازہ ہو جانے کی وجہ سے جن کے گلے میں وہ ہار رہتا تھا آپ ﷺ کا دل امنڈ آیا اور آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ ”اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے قیدی (ابوالعاص) کو (بلا معاوضہ) رہا کر دو اور اس (زینبؓ) کو اس کی (وہ سب) چیزیں (جو اس نے ابوالعاص کی رہائی کے لئے بھیجی ہیں) واپس کر دو۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بہتر ہے (ہم زینبؓ کا مال واپس کر کے ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے ہیں) چنانچہ (ابوالعاص) کو رہا کر دیا

گیا اور رہائی کے وقت آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص سے یہ عہد و وعدہ لیا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس زینبؓ کے آنے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں (یعنی آپ ﷺ نے ابوالعاص کو رہا کرتے وقت ان سے کہا کہ یہ پختہ وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینبؓ کو میرے پاس مدینہ آنے دو گے اور اس کا راستہ نہیں روکے) اور پھر رسول کریم ﷺ نے زید ابن حارثہؓ اور انصار میں سے ایک شخص کو (مکہ) روانہ کیا اور ان سے کہا کہ تم لوگ بطن یانج میں ٹھہر جانا، جب زینبؓ (مکہ سے روانہ ہو کر وہاں تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ساتھ ہو جانا اور (مدینہ) لے آنا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، اور ابوالعاص ابن ربیع جو عبدالعزیٰ ابن عبد شمس ابن عبد مناف کے پوتے تھے، اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور حضرت زینبؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے داماد بھی تھے۔ حضرت خدیجہؓ، آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ ﷺ کی ساری اولاد علاوہ ابراہیمؓ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے تھی۔ ابراہیمؓ جن کا کم سن میں انتقال ہو گیا تھا حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔

حضرت زینبؓ جو ایک کافر یعنی ابوالعاص کے نکاح میں تھیں تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت مسلمان عورت کا کافر مرد کے ساتھ نکاح جائز تھا، نیز مکہ سے حضرت زینبؓ کو لانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایسے دو آدمیوں کا بیجا جانا جو حضرت زینبؓ کے شرعی محرم نہیں تھے ایک بالکل مخصوص نوعیت کا معاملہ تھا اور وہ ایک ایسی صورت تھی جو (امن) کی صورت کہلائی جاسکتی ہے کہ حضرت زینبؓ چونکہ صاحبزادی رسول تھیں اس لئے ان کے ساتھ کسی غیر محرم کا ہونا کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا اور کسی خوف و خطرہ کے پیدا ہونے کا سوال نہیں تھا۔ ویسے یہ ایک عام مسئلہ ہے کہ عورت کو کسی نامحرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے

”بطن یانج“ ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لفظ ”یانج“ کو صاحب قاموس نے یا اور دونوں جیم کے ساتھ یعنی ”یانج“ لکھا ہے، اور علماء نے اس کو نون اور یا و جیم کے ساتھ یعنی ”نانج“ بھی نقل کیا ہے، چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ لفظ ”نانج“ ہی مذکور ہے۔

حضرت زینبؓ جب مکہ سے مدینہ آگئیں تو ابوالعاص مکہ ہی میں رہے اور کفر کی حالت پر قائم رہے، کچھ دنوں کے بعد ان کو تجارت کی غرض سے شام کا سفر کرنا پڑا، جب مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ابوالعاص اس سفر میں مدینہ کے قریب سے گذرنے والے ہیں تو انہوں نے یہ اسکیم بنائی کہ ابوالعاص جیسے ہی مدینہ کے علاقہ میں داخل ہوں ان کا سارا مال چھین لیا جائے، اس اسکیم کی خبر حضرت زینبؓ کو پہنچی تو ان کا دل شوہر کی محبت میں بے تاب ہو گیا، فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ”یا رسول اللہ ﷺ کیا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے عہد امان کا اعتبار نہیں ہے؟ یعنی اگر کوئی ایک مسلمان کسی کافر کو عہد امان دے دے تو پھر یہ سارے ہی مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی تاکہ وہ اس کافر کو امان و پناہ دیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! ایک مسلمان کے عہد امان کا اعتبار ہے۔“ حضرت زینبؓ نے کہا کہ ”تو پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو اہ رہنے کے میں ابوالعاص کو عہد امان دیتی ہوں۔“ جب صحابہؓ نے یہ حال دیکھا تو ان کے لئے اپنی اسکیم پر عمل کرنا قطعاً ممکن نہیں رہا تاہم وہ بغیر ہتھیار و اسلحہ کے مدینہ کے قریب ابوالعاص کی گذرگاہ پر پہنچے اور ان سے ملے تو کہا کہ ”ابوالعاص! تم قریش کے ایک معزز و شریف اور صاحب حیثیت فرد ہو اور پیغمبر اسلام ﷺ کے چچا کے بیٹے بھی ہو (اس نسبت سے تمہارے حق میں اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہے کہ) تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ (تمہیں آخرت کی فلاح و نجات تو ملے ہی گی) تمہارا یہ سب مال بھی تمہارے ہی پاس رہے۔“ ابوالعاص نے (یہ سن کر) کہا کہ ”تم نے جو یہ کہا ہے (کہ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مال محفوظ رہے گا) تو یہ ایک قطعی ناہماسب اور غیر موزوں بات ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے اسلام کو مال و دولت (کی کثافت) سے گنہہ کروں!“ اس کے بعد ابوالعاص مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کا مال ان کے سپرد کیا اور پھر (سب کو جمع کر کے) کہا کہ مکہ والو! تم لوگوں کے مال تمہارے پاس پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا کہ ”ہاں، پہنچ گئے۔“ پھر ابوالعاص

نے ان کے سامنے اعلان کیا کہ ”تم سب گواہ رہو“ میں مسلمان ہو گیا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاصؓ نے مکہ میں اپنا گھر بار، دوست عزیز، اور مال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر راہ ہجرت اختیار کی اور مدینہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے بکمال محبت و الفت ان کو خوش آمدید کہا، اور حضرت زنیبؓ کو ان کی پیروی میں دے دیا۔

اس بارہ میں اختلافی قوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوالعاصؓ کے مدینہ پہنچنے پر حضرت زنیبؓ سے ان کا دوبارہ (ازسرنو) نکاح کیا تھا یا پہلا ہی نکاح باقی رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو ابوالعاصؓ سے بہت زیادہ تعلق تھا، خاص طور سے ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد تو آپ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ کے دوران شہید ہوئے۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار

⑫ وَعَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَسْرَاهُمْ بَدْرَ قَتَلَ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ وَالتَّضَرُّبَ الْحَارِثَ وَمَنْ عَلَى أَبِي عَزَّةَ الْجُمَحِيِّ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بدر (کی جنگ میں مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنے والوں) میں سے جن کفار کو قید کیا تھا ان میں سے عقبہ ابن ابومعیط اور نضر ابن حارث کو قتل کر دیا اور ابوغرہ کو (بلا معاوضہ رہا کر کے) ممنون کیا۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: امام وقت (یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو غیر مسلم (دشمن کے لوگ) اس کی قید میں ہوں اور وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ چاہے ان کو موت کے گھاٹ اتار دے، چاہے غلام بنا کر رکھے اور چاہے مسلمانوں کے عہد امان کی بناء پر ان کو آزاد کر کے چھوڑ دے، البتہ ان کو ممنون کرنا یعنی بلا کسی معاوضہ کے ان کو رہا کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا جواز منسوخ ہو گیا ہے۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصَّبِيَةِ قَالَ النَّازِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب عقبہ ابن ابومعیط کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو (اس نے) کہا کہ (میرے) بچوں کو کون پالے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”آگ“۔ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ بچوں کو آگ پالے گی، گویا ان بچوں کے ضائع ہو جانے کے مفہوم کا حامل ہے، یعنی اگر آگ اس چیز کی صلاحیت رکھتی کہ وہ کسی کی مددگار و مخوار ہو سکتی تو یقیناً وہ بچوں کی بھی مددگار و کفیل ہوتی لیکن چونکہ وہ ایسی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اس لئے بچوں کا کوئی دوسرا مددگار و کفیل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تباہی لازمی ہے۔

یا آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تو اب اپنی فکر کر کہ دوزخ کی آگ تیرا ٹھکانا بننے والی ہے، بچوں کی فکر میں مبتلا نہ ہو کہ ان کی پرورش نہ تجھ پر منحصر ہے اور نہ کسی دوسرے پر، ان کا مددگار و کفیل خدا کی ذات ہے، وہی ان کی پرورش کرائے گا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار

⑭ وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جَبْرِئِيلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيَّرْهُمْ يَغْنَى أَصْحَابَكَ فِي أَسَازِي بَدْرِ الْقَتْلِ أَوِ الْفِدَاءِ عَلَيَّ أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلَهُمْ قَالُوا الْفِدَاءُ وَيُقْتَلَ مِثْلًا۔ (رواہ الترمذی وقال هذا حديث غریب)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، آنحضرت کے پاس تشریف لائے اور

کہا کہ آپ (ﷺ) اپنے صحابہؓ کو جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیجئے کہ خواہ وہ ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا فدیہ لے لیں (یعنی مال لے کر ان کو چھوڑ دیں) لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال ان (صحابہؓ) کے اتنے ہی (یعنی ستر) آدمی مارے جائیں گے۔ صحابہؓ نے (اس اختیار کو سن کر) عرض کیا کہ ”ہم فدیہ لینے کو اور اپنے ستر آدمیوں کے مارے جانے کو اختیار کرتے ہیں۔“ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جنگ بدر میں مکہ کے جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے ان میں سے ستر کفار قریش قتل کر دیئے گئے تھے اور ستر ہی کی تعداد گرفتار کر کے مدینہ لائی گئی تھی، جب یہ ستر قیدی مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صائب الرائے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے، آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ یعنی مالی معاوضہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے؟ حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ ان کو قتل نہ کرائیے بلکہ زندہ چھوڑ دیجئے، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور یہ مسلمان ہو جائیں، البتہ ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے فدیہ کے طور پر جو مال حاصل ہو وہ آپ کے رفقاء (یعنی مسلمانوں کی تقویت اور ان کی کچھ دینی و دنیوی ضروریات کے تکمیل کا ذریعہ بن جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ”میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سب کی گردن اڑا دیجئے کیونکہ یہ کفر و شرک کے پیشوا اور سردار ہیں (ان کی موت سے کفر و شرک پر کاری ضرب لگے گی) اور (جہاں تک ان کی رہائی کے ذریعہ کچھ مالی منفعت حاصل ہو جانے کا سوال ہے تو) اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو مال حاصل کرنے سے مستغنی و بے نیاز بنا رکھا ہے! آنحضرت ﷺ نے یہ اختلاف آراء دیکھتے ہوئے (حضرت جبریل علیہ السلام کے مشورہ پر) صحابہؓ کو اختیار دے دیا کہ تم لوگ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو کہ چاہے تو اپنے قیدیوں کی گردن اڑا دو اور چاہے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو لیکن یہ واضح رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آئندہ سال تم میں ستر آدمی شہید ہوں گے اور فی الجملہ کفار کو فتح بھی حاصل ہوگی۔ صحابہؓ نے اس انتخاب کے باوجود فدیہ لینے کو اختیار کیا۔ جب آئندہ سال غزوہ احد ہوا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کو زبردست مقابلہ کا سامان کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک موقع پر پسپائی کی صورت بھی اختیار کرنی پڑی، تو آنحضرت ﷺ نے ایک سال پہلے جس چیز سے متنبہ کیا تھا وہ سامنے آئی یعنی اس غزوہ میں مسلمانوں کو اپنی ستر قیمتی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور ان ستر شہیدوں میں حضرت حمزہؓ ابن عبد المطلب اور حضرت مصعبؓ ابن عمیر جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے۔

ہنگامہ جنگ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ، دونوں رو رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے بھی بتائیے تاکہ میں بھی روؤں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھیوں پر رونا ہوں جنہوں نے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور (آپ کے نزدیک ایک درخت کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قرب سے ان کا عذاب دیکھایا گیا ہے۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو اس عذاب سے عمرؓ اور سعدؓ ابن معاذ کے علاوہ اور کسی کو نجات نہ ملتی (حضرت سعدؓ ابن معاذ بھی حضرت عمرؓ کی اس رائے کے حامی تھے کہ ان قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے بلکہ ان کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے)۔

بہر حال۔ صحابہ کرامؓ نے فدیہ لینے کو جو اختیار کیا تو اس کی بنیاد ان قیدیوں کے تئیں ان (صحابہؓ) کی یہ انتہائی خواہش اور رغبت تھی کہ اگر یہ قتل ہونے سے بچ گئے تو شاید کبھی نہ کبھی مسلمان ہو جائیں نیز آئندہ سال خود اپنے شہید ہو جانے کی تمنا بھی اس کا محرک بنی اس کے ساتھ ہی ان قیدیوں کے اہل و عیال اور ان کے اقرباء کے ساتھ ان (صحابہؓ) کا جذبہ رحم بھی اس کا متقاضی ہوا کہ یہ قیدی قتل نہ کئے جائیں۔

اس موقع پر ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو پسند کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور

اسی اختیار کی بناء پر انہوں نے ایک چیز کو پسند کر لیا تو پھر ان پر عتاب کیوں ہوا، یہ عتاب اس اختیار کے منافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختیار دینا دراصل بطریق امتحان و آزمائش تھا کہ دیکھیں یہ لوگ (مسلمان) اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو پسندیدہ حق ہے یا اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو ان کے دل کی خواہش کے مطابق ہے۔ اسی اعتبار سے وہ لوگ گویا اس امتحان و آزمائش میں کامیاب نہیں رہے کیونکہ انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس کو ان دل نے چاہا، لہذا ان پر عذاب ہوا۔

علامہ تورپشتیؒ نے اس (اختیار دینے والی) حدیث کو بعید جانا ہے کیونکہ یہ بظاہر اس بات کے مخالف ہے جو قرآن کریم سے مفہوم ہوتی ہے نیز ترمذیؒ نے اس روایت پر ”غریب“ کا حکم لگایا ہے، لیکن میں نے کہا ہے کہ غریب روایت کے ذریعہ کوئی بات ثابت کرنا موجب طعن نہیں ہے کیونکہ غریب روایت کبھی صحیح بھی ہوتی ہے

قیدیوں کی تحقیق و تفتیش

(۱۵) وَعَنْ عَطِيَّةِ الْقُرْظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي سَبْيِ قَرْظَةَ عُرْضًا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوا يَنْظُرُونَ فَمَنْ أَتَيْتِ الشَّعْرَ قَبِيلَ وَمَنْ لَمْ يَنْتِبْ لَمْ يَقْتُلْ فَكَشَفُوا عَانِيَنِي فَوَجَدُوهُمَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُونِي فِي السَّبْيِ -

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت عطیہ قرظیؒ کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کے جو لوگ قیدی بنا کر لائے گئے تھے ان میں میں بھی تھا، ہمیں بنی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت صحابہؓ نے (یہ طریقہ اختیار کیا کہ قیدیوں میں جو چھوٹی عموماً تھے ان کے زیر ناف حصے کو کھول کھول کر دیکھ رہے تھے جس کے (زیر ناف حصے پر بال آگے آئے تھے اس کو قتل کر دیا جاتا، کیونکہ زیر ناف حصے پر بال آگے آنا، بلوغ کی علامت ہے، لہذا ایسے شخص کو مسلمانوں سے لڑنے والا شمار کیا جاتا تھا) اور جس کے بال نہ آگے ہوئے تھے اس کو قتل نہیں کیا جاتا تھا (کیونکہ اس کو ”ذریعہ“ یعنی بچوں میں شمار کیا جاتا تھا چنانچہ میرے زیر ناف حصے کو بھی کھولا گیا اور جب وہاں آگے ہوئے بال نہیں پائے گئے تو مجھ کو قیدیوں ہی میں (زندہ) رکھا گیا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ زیر ناف حصے پر بالوں کے آگے آنے کو بلوغ کی علامت قرار دینا ضروری مصلحت کی بناء پر تھا کیونکہ اگر ان قیدیوں سے بلوغ کی واقعی علامت یعنی احتلام اور عمر بلوغ کو پوچھا جاتا تو وہ اپنی ہلاکت کے خوف سے یقیناً صحیح بات نہ بتاتے۔

کفار مکہ کے مسلمان ہو جانے والے غلاموں کو واپس کرنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عَبْدَانٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ مَوَالِيَهُمْ قَالُوا يَا مُحَمَّدُ وَاللَّهِ مَا خَرَجُوا إِلَيْكَ رَغْبَةً فِي دِينِكَ وَإِنَّمَا خَرَجُوا هَرَبًا مِمَّنِ الرَّقِيقُ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ رُدُّهُمْ إِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَا أَرَأَيْكُمْ تَنْتَهُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتَّى يَبْعَثَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلَى هَذَا وَابْنِي أَنْ يَرُدَّهُمْ وَقَالَ هُمْ عَتَقَاءُ اللَّهِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت علی کریم اللہ وجہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن (مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان) معاہدہ لکھے جانے سے پہلے کچھ غلام (مکہ سے آکر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ان کے مالکوں نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ ”محمد ﷺ! خدا کی قسم یہ غلام تمہارے پاس اس لئے نہیں پہنچے ہیں کہ وہ تمہارے دین کی طرف رغبت رکھتے ہیں بلکہ یہ لوگ غلامی (سے نجات پانے کی غرض سے بھاگ کر گئے ہیں“ (جب صحابہؓ میں سے) چند لوگوں نے (یہ مکتوب دیکھا تو) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ان کے مالکوں نے بالکل صحیح لکھا ہے،

آپ ﷺ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجئے“ (یہ سن کر رسول کریم ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ ”قریش والو! میں دیکھتا ہوں کہ تم (اپنی سرکشی اور نافرمانی سے) باز نہیں آؤ گے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو مسلط نہ کر دے جو تمہارے اس فیصلے (کہ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیا جائے اور اس طرح ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد ان کو دارالحرب کے حوالے کر دیا جائے) کی بناء پر تمہاری گردن اڑا دے“ اور پھر آپ ﷺ نے ان غلاموں کی واپسی کے مطالبہ کو رد کر دیا اور فرمایا کہ ”یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ اس لئے غضب ناک ہوئے کہ صحابہؓ نے ان غلاموں کے حق میں اپنی ذاتی رائے کو شرعی حکم کے مقابل کیا اور گویا ان کے مالکوں کے دعوے کی گواہی دی، چنانچہ ان غلاموں کے حق میں شرعی حکم یہ تھا کہ وہ چونکہ دارالحرب سے نکل آنے کے سبب محض اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے معصوم اور آزاد ہو گئے تھے، ان کو ان کے پاس دارالحرب واپس کر دینا جائز نہیں تھا، لہذا صحابہؓ کا ان کی واپسی کے مطالبہ کی تائید کرنا، جبر و زیادتی پر ان کے مالکوں کی مدد کرنے کے مترادف تھا۔

الفصل الثالث

حضرت خالدؓ کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ

⑭ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوا يَقُولُونَ صَبَانًا صَبَانًا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِمَّنْ أَسِيرُهُ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمَ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلَّ رَجُلٍ مِمَّنْ أَسِيرُهُ فَقُلْتُ وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِمَّنْ أَصْحَابِي أَسِيرُهُ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ - (رواه البخاری)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خالدؓ کو (ایک قبیلہ) بنی جذیمہ میں بھیجا، خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ اضطراب و سرسبکی کے عالم میں یہ اچھی طرح سے نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے (یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا کلمہ پوری طرح ادا نہیں کر سکے) بلکہ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ صبا صبا صبا، یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، اپنا دین چھوڑ دیا“ خالدؓ نے (جب ان کی زبان سے یہ سنا تو) ان (کے بعض لوگوں) کو قتل کرنا اور (بعض کو) گرفتار کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم (لوگ جو ان کے ساتھ تھے ان) میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی سپرد کر دیا (یعنی جو لوگ قیدی بنائے گئے ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر کے ایک ایک قیدی ہر ایک کے سپرد کر دیا اور یہ حکم دیا کہ ہم ان قیدیوں کی اس وقت تک حفاظت و نگرانی کریں جب تک کہ ہمیں ان کو قتل کر دینے کا حکم نہ دیا جائے) چنانچہ جب ایک (وہ) دن آیا (جس میں خالدؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا) تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے (یہ حکم سن کر میں (یعنی ابن عمرؓ) نے کہا کہ ”خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا) بلکہ ہم لوگ اپنے قیدیوں کو اس وقت تک اپنی حفاظت میں رکھیں گے جب تک کہ ہم دوبار رسالت میں نہ پہنچ جائیں اور اس بارے میں کوئی آخری حکم حاصل نہ کریں چنانچہ ہم نے اپنے قیدیوں کو اپنی حفاظت میں رکھا یہاں تک کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ کہا کہ ”اے اللہ! میں تیرے حضور میں خالدؓ کے عمل سے اپنی بیزاری و بے رضائی کا اظہار کرتا ہوں۔“ آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔“ (بخاری)

تشریح: خطابؑ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں حضرت خالدؓ کے عمل سے اس لئے اظہار بیزاری فرمایا کہ خالدؓ نے اس موقع پر احتیاط کی راہ اختیار نہیں کی اور اس بات میں غور و تامل نہیں کیا کہ وہ لوگ ”صبأنا“ سے کیا مراد رکھتے تھے کیونکہ یہ لفظ ”صبأنا“ دین اسلام اختیار کر لینے کے مفہوم کا بھی احتمال رکھتا تھا لیکن خالدؓ نے محض یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے قبولیت اسلام کے مفہوم کو واضح طور پر ظاہر کرنے والے الفاظ ”اسلمنا“ استعمال کرنے سے روگردانی کی ہے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے کہے ہوئے مذکورہ الفاظ کو ان کے بدن دین ہو جانے پر محمول کر کے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔

بَابُ الْأَمَانِ

امان دینے کا بیان

الفصل الأول

ام ہانیؓ کی طرف سے اپنے ایک عزیز کو امان دینے کا واقعہ

① عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتَشْرِهُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِيٍّ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيٍّ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ مَلْتَحِقًا فِي ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّی عَلِيٌّ أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا أَجَزْتُهُ فَلَانَ بْنِ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَزْنَا مَنْ أَجَزْتَ يَا أُمُّ هَانِيٍّ قَالَتْ أُمُّ هَانِيٍّ وَذَلِكَ صَحِيٌّ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُزْجَنِيِّ قَالَتْ أَجَزْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَانِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَّنَا مَنْ أَمَّنْتَ -

”حضرت ام ہانیؓ بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آنحضرت ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کپڑے سے آپ ﷺ کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے پوچھا ”کون ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ”میں ہوں، ام ہانیؓ بنت ابوطالب!“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ام ہانیؓ کو خوش آمدید!“ پھر جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑا لپیٹے ہوئے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی) آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علیؓ نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ام ہانیؓ، جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔“ حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ ”یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے!“ اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانیؓ نے (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ ”میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں؟“ رسول کریم ﷺ وسلم نے فرمایا ”ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔“

تشریح: حضرت ام ہانیؓ کا اصل نام ”فاختہ“ تھا اور بعض نے ”عاتکہ“ بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن ہیں، ہبیرہ ان کے خاوند کا نام ہے، جب ام ہانیؓ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہو گئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔

جس شخص کو حضرت اُمّ ہانیؓ نے پناہ دی تھی وہ ان کے خاوند ہیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ اُمّ ہانیؓ کے علاوہ ہیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا، حضرت علیؓ نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو اُمّ ہانیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت اُمّ ہانیؓ ہی کے مکان میں غسل فرما رہے تھے، لیکن یہاں بخاریؒ و مسلمؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہؓ کے گھر میں نہا رہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت میں یہ عبارت مقرر مانی جائے کہ ”آنحضرت ﷺ میرے گھر میں غسل فرما رہے تھے“ یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذیؒ کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

الفصل الثانی

عورت کے عہد امان کی پاسداری سارے مسلمانوں پر لازم ہے

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذَ لِلْقَوْمِ يُعْنَى تُجَبِّرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ -

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ”عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

اپنے عہد امان کو توڑنے والے کے بارے میں وعید

(۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَمَّنَ رَجُلًا عَلَى نَفْسِهِ فَقَتَلَهُ أُعْطِيَ لَوَاءَ الْعُدُوِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت عمرو بن حتمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص کسی کو اس کی جان کی امان دے اور پھر اس کو مار ڈالے تو قیامت کے دن اس کو بد عہدی کا نشان دیا جائے گا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”اس کو بد عہدی کا نشان دیا جائے گا“ اس جملہ کے ذریعہ کنایہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کو میدانِ حشر میں تمام مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ دوسری حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے قیامت کے دن عہد شکن کو ایک ایسا نشان دیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کو پہچانا جائے گا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہئے

(۴) وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الرُّومِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَعَارَ

عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلَى فَرَسٍ أَوْ بِزُؤُنٍ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرَ فَتَنْظُرُوا فَإِذَا هُوَ عُمَرُو بْنُ عَبْسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ يَنْتَهُ وَيَبِينُ قَوْمَ عَهْدٍ فَلَا يَحُلُّ عَهْدَهُ وَلَا يَشُدُّهُ حَتَّى يَمُتْ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالَ فَزَجَّعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ - (رواه الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت سلیمؓ ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان (یہ) معاہدہ ہوا تھا کہ (اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے) اور حضرت معاویہؓ (اس معاہدہ کے زمانہ میں) رومیوں کے شہروں میں گشت (کر کے حالات کا اندازہ) لگایا کرتے تھے تاکہ جب معاہدہ کی مدت گزر جائے تو وہ ان (رومیوں) پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں (اور ان کے ٹھکانوں کو تاخت و تاراج کر دیں جب کہ اگر وہ گشت کے ذریعہ ان کے حالات اور ٹھکانوں کا جائزہ لینے کی بجائے اطمینان کے ساتھ اپنے کیمپ میں پڑے رہتے اور پھر معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر حملہ کرتے تو ان رومیوں کے چوکنا ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ جنگی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا پھر انہی دنوں میں جب کہ امیر معاویہؓ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے) ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفا کو ملحوظ رکھو نہ کہ بد عہدی کو! یعنی تم پر معاہدہ کو پورا کرنا لازم ہے نہ کہ تم معاہدہ کی خلاف ورزی کرو گویا انہوں نے یہ واضح کیا کہ تم لوگ معاہدہ کے زمانے میں دشمنوں کے شہروں میں گشت لگاتے پھرتے ہو تو یہ اپنے عہد کی پاسداری کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے حکم میں داخل ہے) جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہو کہ یہ شخص (ایک صحابیؓ) حضرت عمرو ابن عبسہؓ ہیں، حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے اس بات کو پوچھا (کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرنا، عہد شکنی کے مرادف کیسے ہے؟) تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، تا آنکہ اس معاہدہ کی مدت گزر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے (یعنی اس معاہدہ کے خلاف کرنا، یا تو اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس معاہدہ کی مدت ختم ہو گئی ہو یا اس صورت میں جائز ہے جب کہ کسی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ توڑنا ضروری ہو گیا ہو اور فریق مخالف کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ہم اس کو توڑتے ہیں، اب ہم اودک دو دنوں برابر ہیں کہ جس کی (جو مرضی ہو کرے) حدیث کے روای حضرت سلیم ابن عامر کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ احضرت ابن عبسہؓ کی یہ بات اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سن کر اپنے لوگوں کے ساتھ (رومیوں کے شہر گئے کیمپ میں) واپس چلے آئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ”اور نہ باندھے“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کسی بھی فعل سے معاہدہ کے مقصد و منشاء میں کوئی تغیر و تبدیلی نہ کرے! گویا اس جملہ کی مراد ایفاء عہد میں کسی طرح کا تغیر نہ کرنا ہے، ورنہ عہد کب جس کے معنی اپنے عہد کو باندھنا اور مستحکم کرنا ہے، شریعت کی نظر میں مستحسن و مطلوب ہے۔

ایفاء عہد اور احترام قاصد کی اہمیت

⑤ وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِي قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْقَى فِي قَلْبِي الْإِسْلَامَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَاللَّهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا قَالَ إِنِّي لَا أَخْبِسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَخْبِسُ الْبُرْدَ وَلَكِنْ أَرْجِعُ فَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْلَمْتُ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کفار قریش نے مجھے (اپنا قاصد بنا کر) رسول کریم ﷺ کو بھیجا جب میری نظر رسول کریم ﷺ پر پڑی، تو (بے اختیار) میرے دل میں اسلام (کی صداقت و حقانیت) نے گھر کر لیا، میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ

خدا کی قسم، میں اب کبھی بھی ان (کفار قریش) کے پاس واپس نہیں جاؤں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں نہ تو عہد کو توڑا کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکا کرتا ہوں، البتہ تم (اب تو) واپس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل میں وہ چیز (یعنی اسلام) قائم رہے جو اس وقت موجود ہے تو پھر (میرے پاس) چلے آنا۔“ حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق، میں (مکہ) واپس ہو گیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آگیا اور اسلام قبول کر لیا (یعنی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ ابورافعؓ کفار مکہ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے تھے اس لئے آنحضرت نے ان کو اپنے پاس نہیں روکا، تاکہ وہ مکہ واپس جا کر کفار قریش کو ان کے پیغام کا جواب دے دیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جو حکم دیا اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام نے تمہارے دل میں گھر لیا ہے، اور اب مسلمان ہونے سے تمہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی، لیکن احتیاط اور ایفاء عہد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اپنے اسلام کا اظہار و اعلان نہ کرو بلکہ پہلے تم مکہ واپس جاؤ اور کفار قریش نے جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی تھی اس کو پورا کر آؤ، یعنی انہوں نے تمہیں جس بات کا جواب لانے کے لئے یہاں بھیجا تھا ان کو وہ جواب پہنچاؤ اور پھر اس کے بعد وہاں سے ہمارے پاس آکر اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرنا۔

② وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَا مِنْ عِنْدِ مَسِيلَةَ أَمَّاوُ اللَّهِ لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت نعیم ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے فرمایا جو مسیلہ کے پاس سے آئے تھے کہ ”یاد رکھو! خدا کی قسم اگر قاصد کو مارنا شرعی طور پر ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: مسیلہ ایک شخص کا نام ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی لئے اس کو مسیلہ کذاب کہا جاتا ہے۔ وہ دو شخص جو مسیلہ کذاب کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تھے ان میں سے ایک کا نام عبد اللہ ابن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا ان دونوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ کہا تھا کہ نشہدان مسیلہ رسول اللہؐ تم کو ابھی دیتے ہیں کہ مسیلہ اللہ کا رسول ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے غاہر کر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام کے منافی نہ ہوں

④ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَوْفُوا بِحَلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ يَعْنِي الْإِسْلَامَ إِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحَدِّثُوا حَلْفًا فِي الْإِسْلَامِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عُمَرَ وَقَالَ حَسَنٌ۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کی قسم کو پورا کرو، کیونکہ وہ یعنی اسلام اس قسم کو زیادہ ہی (مضبوط) کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اپنے قسم اور اپنے عہد کو پورا کرنا اسلام میں کہیں زیادہ ضروری ہے اس اعتبار سے اسلامی احکام اور ایفاء عہد و حلف میں کوئی تضاد نہیں ہے) اور اسلام میں حلف یعنی قسم کسی کو رواج نہ دو۔“ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسین ابن ذکوان کی سند سے بروایت حضرت عمروؓ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

تشریح: ”قسم کو پورا کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل اپنے زمانہ جاہلیت میں اپنے مابین ایک دوسرے کی مدد کرنے کا عہد و پیمان باندھا ہو یا قسم کسی کی ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (اپنے معاہدوں کو پورا کرو) کے بموجب اس عہد و پیمان اور قسم کسی کو پورا کرو، لیکن انہی عہد و پیمان اور قسموں کو پورا کرو جو اسلام کی تعلیمات و عقائد کے منافی اور دین میں

نقصان کا سبب نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ ۵:۲)

”اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔“

حاصل یہ کہ اسلام لانے کے بعد زمانہ جاہلیت کے اس عہد و پیمان اور قسم کو پورا کرنا ممنوع ہے جس کا تعلق فتنہ و فساد اور خون ریزی وغیرہ سے ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا خَلْفَ فِي الْإِسْلَامِ اور زمانہ جاہلیت کے جس عہد و پیمان اور قسم کا تعلق مظلوم و بے کس لوگوں کی امداد و اعانت، قربت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور اسی طرح کے دوسرے نیک امور سے ہو، اسلام ان کا موید اور مضبوط کرنے والا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ایما حلف کان فی الجاہلیۃ لم یزده الا سلام الا شدۃ

”اسلام میں حلف یعنی قسم قسمی کو رواج نہ دو“ کیونکہ مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور باہمی حسن سلوک واجب ہونے کے لئے ان کے مذہب اسلام کی تعلیم و تلقین کافی ہے۔

طبیؒ کہتے ہیں کہ ”اسلام میں حلف کو رواج نہ دو“ میں جو ممانعت بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں دونوں احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ یہ ممانعت جنس کے لئے ہو، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دو سراہی احتمال زیادہ قوی اور صائب ہے، چنانچہ مظہر کا یہ قول بھی اس بات کی تائید کرتا ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی وضاحت کے طور پر ہے کہ اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اگر تم نے اپنے زمانہ جاہلیت میں (یعنی مسلمان ہونے سے پہلے) یہ قسم کھائی ہو کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے تو (اب مسلمان ہو جانے کے بعد بھی) اس قسم کو پورا کرو یعنی اپنے باہمی معاہدہ و حلف کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو بشرطیکہ جس کی مدد کی جائے وہ حق پر ہو لیکن اسلام میں اس طرح کی قسم کو رواج نہ دو جس کا تعلق تمہیں ایک دوسرے کا وارث قرار دینے سے ہو (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ کوئی بھی دو شخص آپس میں ایک دوسرے سے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کرتے تھے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو تم میرے وارث ہو گے اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں تمہارا وارث ہوں گا)

وَذَكَرَ حَدِيثُ عَلِيٍّ عَلَى الْمُسْلِمُونَ تَنَكُّافًا دِمَائِهِمْ فِي كِتَابِ الْقَضَائِصِ۔ اور حضرت علیؑ کی یہ روایت کہ، المسلمون تنكفأ دمائهم كتاب القصاص میں نقل کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قاصد اور ایچیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا

⑧ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَابْنُ أَثَالٍ رَسُولًا مُسَيَّلَمَةً إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا أَتَشْهَدَانِ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَا نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيَّلَمَةً رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُولًا لَقَتَلْتُكُمْ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَمَضَتْ السُّنَّةُ أَنَّ الرَّسُولَ لَا يُقْتَلُ۔ (رواہ احمد)

”حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مسیلہ (مدعی نبوت) کے دو قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”کیا تم اس حقیقت کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟“ ان دونوں نے کہا کہ ”نہیں بلکہ ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلہ، خدا کا رسول ہے۔“ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ (میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا) اگر میں قاصدوں اور ایچیوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو یقیناً میں تم دونوں کو بھی قتل کر دیتا۔“ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے پیش نظر) پھر یہ سنت جاری ہو گئی (یعنی یہ ضابطہ قرار پایا) کہ کسی قاصد و ایچی کو قتل نہ کیا جائے

(خواہ وہ کتنی ہی غیر مناسب بات کیوں نہ کرے اور قتل ہی کا سزاوار کیوں نہ ہو۔) (احمد)

تشریح: ان ایچیوں نے جو جواب دیا اس کے ذریعہ انہوں نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار اور میلہ کذاب کے خود ساختہ رسالت کا اقرار کیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ”میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا“ تو اس کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے اپنے جذبہ طلب حق، صفت حلم و بردباری، اور ان کے عذاب خداوندی میں جلد ہی مبتلا ہونے کا اظہار کیا نیز ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس یعنی (میلہ کذاب) کی نبوت کے انکار اور اس کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُولِ فِيهَا

مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت کرنے کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَلَمْ تَحُلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذَلِكَ بَأْنِ اللَّهِ رَأَى ضَعْفَنَا وَعِزَّنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ، رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”پس غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی (امت کے لئے) حلال نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) کمزور و عاجز دیکھا تو اس (مال غنیمت) کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔“

تشریح: ”طبی“ کہتے ہیں کہ ”فلَمْ تَحُلَّ“ میں حرف فا (پس) عاطفہ ہے جس کے ذریعہ ارشاد گرامی کے ان جملوں پر عطف کیا گیا ہے جو اس سے پہلے فرمائے گئے تھے، حاصل یہ کہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس ارشاد گرامی کا تتمہ ہے جو یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں منقول ہے۔

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے

② وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا التَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدَّرْعَ وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَمْنِي صَمَةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِي فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ قَالَ أَمَرَ اللَّهُ ثُمَّ رَجَعُوا وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيْتَةٌ فَلَهُ سَلْبُهُ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُمْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُلْتُ فَقَالَ مَالُكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَسَلْبُهُ عِنْدِي فَأَرْضَهُ مِنِّي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لَهَا اللَّهُ إِذَا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أَسَدِ اللَّهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَلْبَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطَاهُ فَأَعْطَانِيهِ فَأَتَيْتُ بِهِ مَخْرَفًا فَنِي سَلْمَةً فَإِنَّهُ لَا أَوَّلَ مَالٍ تَأْتِلُهُ فِي الْإِسْلَامِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) غزوہ حنین کے سال ہم (جہاد کے لئے) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے، جب کافروں

سے ہمارا مقابلہ ہوا تو (کچھ دیر کے لئے) مسلمانوں کو شکست کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آگیا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار کا (بھورپور) وار کر کے اس کی زہ کاٹ ڈالی، وہ مشرک مجھ پر جھپٹ پڑا اور اس نے اتنے زور سے مجھے دبوچا کہ اس کی وجہ سے موت کا مزہ آگیا (یعنی میں مرنے کے قریب ہو گیا، پھر (میرے ایک اور وار سے) موت نے اسے دبا لیا اور میں اس سے چھوٹ گیا، اس کے بعد میں حضرت عمر ابن خطابؓ سے ملا اور کہا کہ ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے (کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے؟)“ انہوں نے کہا کہ ”اللہ کا حکم یہی ہے یعنی یہ جو کچھ ہو رہا ہے قضا و قدر الہی کے مطابق ہو رہا ہے۔“ پھر لوگ (اس عارضی پسپائی کے بعد دوبارہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں) واپس آگئے اور نبی کریم ﷺ (ایک جگہ) بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ”جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو (اور خواہ ایک ہی گواہ ہو) تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی (قتل کرنے والے) شخص کا ہوگا۔“ (پہن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقع بیان کروں، لیکن (دل میں) میں نے کہا کہ ”میری گواہی کون شخص دے گا (کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے۔)“ آخر میں بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے اسی طرح پھر فرمایا کہ ”جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی کا ہوگا) میں نے پھر (کھڑے ہو کر اپنے واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن میں نے دل میں) کہا کہ ”میری گواہی کون شخص دے گا؟ اور میں پھر بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے پھر اسی طرح (تیسری مرتبہ) فرمایا، میں (جب اس مرتبہ بھی) کھڑا ہوا (لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ابوقادہ! کیا بات ہے (تم کسی غرض مند اور طالب حاجت کی طرح بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتے؟)“ تب میں نے آنحضرت ﷺ کو بتایا (کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے)“ ایک شخص نے (میری بات سن کر) کہا کہ ”ابوقادہ! کج کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے، آپ ﷺ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے (کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے) یا ان کو اس بات پر رضامند کر دیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں۔“ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (یہ سن کر اس شخص سے) کہا کہ ”نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، رسول کریم ﷺ اس معاملہ میں ان (ابوقادہؓ) کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے ابوقادہؓ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے (دشمن سے) لڑتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ان (ابوقادہؓ) کا حق ہے وہ نہیں دے دیں؟“ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ ”ابوبکرؓ ٹھیک کہتے ہیں، تم ابوقادہؓ کو اس مشرک (مقتول) کا مال دے دو۔“ پھر ان شخص نے اس کا مال مجھ کو دے دیا اور میں نے (بعد میں) اس مال کے ذریعہ ایک باغ خرید لیا جو قبیلہ بنو سلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کو کچھ دیر کے لئے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر پسپائی اختیار کی جس سے دشمن کے لشکر کو بظاہر حاوی ہونے کا موقع مل گیا لیکن آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں اپنی جگہ پر قائم رہے، آپ ﷺ ایک خنجر پر سوار تھے جس کی باگ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ اس عارضی پسپائی کے موقع پر جب کہ اسلامی لشکر میں تقریباً افراتفری کا عالم تھا آپ ﷺ نہ صرف بڑی بہادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن کے لشکر پر تنہا حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب۔

”یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اور جھوٹ نہیں کہتا سچا ہوں۔“

لیکن یہ دونوں حضرات جنہوں نے آپ ﷺ کے خنجر کی باگ تھام رکھی تھی آپ ﷺ کو روک دیتے تھے، آخر کار حق تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ثابت قدمی بخشی اور اس نے دوبارہ دشمن پر حملہ کر کے اس کے لشکر کو تہمتس نہس کر دیا اور آخری فتح حاصل کی۔

مال غنیمت کی تقسیم

(۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِهِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ سَهْمًا لَهُ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ۔ (تشن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیئے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اکثر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے، جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں، حضرت امام عظیم ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ اسی باب کی دوسری فصل میں منقول روایت سے واضح ہوگا، نیز حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ ہدایہ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمرؓ کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے

مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں

(۴) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزٍ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ الْحُرُورِيُّ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ يَخْضُرَانِ الْغَنِمَ هَلْ يُقَسَّمُ لَهُمَا فَقَالَ لِيَزِيدَ أَكْتُبْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ إِلَّا أَنْ يُحْدِثَا۔ وَفِي رِوَايَةٍ كَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِالتَّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يُضْرَبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ يُدَاوِنُ الْمَرْضَى وَيُحْدِثُنِ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يُضْرَبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت یزید ابن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے غلام اور عورت کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ جب وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان کو بھی اس مال غنیمت سے حصہ دیا جائے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے یزید سے (یعنی مجھ سے) فرمایا کہ تم (میری طرف سے) نجدہ کو یہ جواب لکھ دو کہ ان دونوں کا حصہ مقرر نہیں ہے البتہ (تقسیم کے وقت) ان کو یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔“ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس (نجدہ) کو یہ جواب لکھا کہ ”تم نے خط لکھ کر مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا رسول کریم ﷺ جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور کیا آپ ﷺ ان (عورتوں) کو مال غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے؟ تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) آنحضرت جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے جو بیماروں کی دوا دارو کرتی تھیں (اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں) اور ان کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا گیا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ”نجدہ“ اس شخص کا نام ہے جو خوارج یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے مخالفین کا سردار تھا، اور حروری دراصل حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے نواح میں ایک آبادی کا نام تھا، کہا جاتا ہے کہ خوارج کا سب سے پہلا اجتماع اسی آبادی میں ہوا تھا اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے، حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی دوا دارو کرے۔

مخصوص طور پر بعض مجاہدوں کو ان کے حصے سے زائد دیا جاسکتا ہے

⑤ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهِ مَعَ رَبَاحٍ غَلَامٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ آغَارَ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلَى أَكْمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ الْمَدِينَةَ فَنَادَيْتُ ثَلَاثًا يَا صَبَا حَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِي آثَارِ الْقَوْمِ أَرْمِيهِمْ بِالنَّبْلِ وَأَزْتَجِرُ أَقُولُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضْعِ - فَمَارَلْتُ أَرْمِيهِمْ وَأَعْقُرِيهِمْ حَتَّى مَآخِلَقَ اللَّهُ مِنْ بَعِيرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا خَلْفَتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِي ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَرْمِيهِمْ حَتَّى الْقَوَا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِينَ بِرْدَةً وَثَلَاثِينَ رُمْحًا يَسْتَحْقُونَ وَلَا يَنْظُرُونَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى رَأَيْتُ فَوَارِسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحَقِّ ابْنِ قَتَادَةَ فَارِسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرَّحْمَنِ فَقَتَلَهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ فُرسَانَا الْيَوْمَ ابْنُ قَتَادَةَ وَخَيْرٌ رُجَالِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ أَعْطَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمِ الْفَارِسِ وَسَهْمِ الرَّاحِلِ فَجَمَعَهُمَا لِي جَمِيعًا ثُمَّ أَرَدْتُ أَنْ أَعْطِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ عَلَى الْعُضْبَاءِ وَاجْعِلْنِي إِلَى الْمَدِينَةِ - (رواه مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ (مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معاہدہ ہو جانے کا بعد حدیبیہ سے واپسی کے دوران راستہ میں) رسول کریم ﷺ نے اپنی، سواری کے اونٹ رباح کے ساتھ، جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے، آگے روانہ کر دیئے میں بھی رباح کے ساتھ ہویا، (ہم دونوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور) جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمن فزاری نے (جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا) رسول کریم ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہٹا کر لے گیا، میں ایک نیلے پرچہ لے گیا اور مدین کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یا صباحا (یعنی خبردار دشمن آپہنچا) کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر (یعنی ان کے پیچھے) چل پڑا اس وقت میری زبان پر (بلند آواز میں) رجز یعنی رزمیہ شعر تھے، میں نے کہا تھا انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع یعنی (اے دین کے دشمن! کان کھول کر سن لو) میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کا دن برے لوگوں (یعنی تم دشمنان دین) کے ہلاک ہونے کا دن ہے! میں اسی طرح برابر تیر مارتا اور ان کی سواریوں کی کونچیں کاٹتا (آگے بڑھتا) رہا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو، میں تیر برساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہلکا ہو جانے کے خیال سے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے (یعنی وہ بھاگتے ہوئے اپنی چادریں اور اپنے کپڑے بھی پھینکتے جا رہے تھے تاکہ جسم ہلکا ہو جانے کی وجہ سے بھاگنے میں آسانی ہو) اور وہ جس چیز کو بھی پھینکتے تھے میں اس پر نشان کے طور پر پتھر رکھ دیتا تھا تاکہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء (اگر پیچھے سے آئیں تو) اس کو پہچان لیں یہاں تک میں نے رسول کریم ﷺ کے سواروں کو (آتے) دیکھا اور پھر (یہ دیکھا کہ) حضرت ابوقتادہؓ نے جنہیں رسول کریم ﷺ کا سوار کہا جاتا تھا، عبدالرحمن کو جالیا (جس نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کو ہٹا لے جانا چاہا تھا) اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر (اس ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابوقتادہؓ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر زیادہ سلمہ ابن اکوع ہیں۔“ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو) مجھ کو دو حصے دیئے (ایک حصہ سوار کا کہ وہ بحسب اختلاف مسلک دو حصے ہیں یا تین حصے) اور ایک حصہ زیادہ کا، دونوں حصے اٹھا کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی عضباء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”رضع“ دراصل راضع کی جمع ہے جیسے ارضع کی جمع رکع ہے! راضع پانی اور کمینہ شخص کو کہتے ہیں آرام (پہلے الف کے مد کے ساتھ) ارضع کی جمع ہے جیسے عنب کی جمع اعناب ہے! ارضع اس پھتر کو کہتے ہیں جو جنگل و میدان میں راستہ یا کسی دھنہ کے نشان و علامت کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ راستہ میں کوئی چیز پاتے اور اس کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکتے تو اس پر بطور نشان کو یا پھتر رکھ دینے یا پھروں کا ڈھیر کر کے اس کے نیچے اس کو چھپا دیتے اور پھر اگر اسی نشان سے وہ چیز نکال کر لے جاتے۔

حضرت سلمہؓ اگرچہ پیادہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو پیادہ کا حصہ دینے کے ساتھ سوار کا حصہ بھی دیا کیونکہ یہ سارا معرکہ ایک طرح سے انہی کی جدوجہد سے سر ہوا گویا وہ اس غزوے کے ایک بڑے منتظم بھی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی ایسے مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ دیدے۔ جس نے جہاد میں بہت زیادہ محنت و جدوجہد کی ہو تاکہ لوگ جہاد میں زیادہ سے زیادہ محنت و جدوجہد کرنے کی طرف راغب ہوں

① وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْفُلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لَا تَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوَى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْبَيْتِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے ان میں سے بعض لوگوں کے لئے عام لشکر والوں کی یہ نسبت مخصوص طور پر کچھ زیادہ حصہ لگا دیا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض مجاہدوں کو ان کے مقررہ حصوں سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے تاکہ انہیں دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کی ترغیب ہو۔

② وَعَنْهُ قَالَ نَقَلْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْلًا سِوَى نَصِيبِنَا مِنَ الْخُمْسِ فَاصَابِنِي شَارِفٌ وَالْشَّارِفُ الْمُسْنُ الْكَبِيرُ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ہم لوگوں کو خمس مال میں سے ہمارے مقررہ حصوں کے علاوہ بھی کچھ زیادہ مرحمت فرمایا، چنانچہ میرے حصے میں ایک شارف آئی اور شارف اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوڑھی اور بڑی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

مسلمانوں کے ان جانوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں

اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں

③ وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبْتُ فَرَسٌ لَهُ فَأَخَذَهُ الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ الْمُسْلِمُونَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ أَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالزُّومِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ الْمُسْلِمُونَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ ابْنُ الْوَلِيدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا گھوڑا بھاگ گیا جس کو دشمنوں (یعنی کافروں) نے پکڑ لیا، پھر جب مسلمانوں کو ان دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی (اور ان کے مال غنیمت میں وہ گھوڑا بھی آیا) تو ابن عمرؓ کو ان کا گھوڑا واپس کر دیا گیا (اور اس کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا گیا) یہ واقعہ رسول کریم ﷺ کے زمانے کا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ”ابن عمرؓ کا غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا، پھر جب مسلمانوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہوئی تو خالد بن ولیدؓ نے ابن عمرؓ کو (ان کا غلام) واپس کر دیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔“ (بخاری)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا اگر کافر مسلمانوں کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہیں

ہوتے، چنانچہ ان کافروں پر مسلمانوں کے غلبہ حاصل کر لینے کی صورت میں اگر وہ غلام مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے تو یہ واجب ہے کہ وہ غلام اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے خواہ یہ واپسی مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے عمل میں آجائے یا تقسیم کے بعد واپس کرنا پڑے۔ اور ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان یا زمی کا مسلمان غلام بھاگ کر درالحرب پہنچ جائے اور وہاں کے کافر اس کو پکڑ لیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک ہو جائیں گے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی یہی قول ہے لیکن اگر وہ غلام مرتد ہو کر بھاگا ہو اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا ہو تو اس صورت میں تمام ائمہؒ کے نزدیک وہ اس کے مالک قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان یا زمی کا کوئی اونٹ بھاگ کر چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

خیبر کے مال خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کی محرومی

⑨ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اعْطِنِي بَنِي الْمُظَلِّبِ مِنْ خُمْسِ خَيْبَرٍ وَتَمَكَّنَّا وَنَخُنْ بِمَنْزِلِ آتٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ فَقَالَ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُظَلِّبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَفْهَمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِي نُوْفَلٍ شَيْئًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جبر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عثمان ابن عفانؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ نے خیبر کے خمس میں سے بنو مطلب کو حصہ دیا اور ہم کو نہیں دیا حالانکہ آپ ﷺ کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا) کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی ہیں۔“ حضرت جبر کہتے ہیں کہ ”اور نبی کریم ﷺ نے بنو عبد شمس (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) اور بنو نوفل (یعنی حضرت جبرؓ وغیرہ) کو کوئی حصہ نہیں دیا۔“ (بخاری)

تشریح: ”ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں“ کا مطلب یہ تھا کہ میں، حضرت عثمان، بنو ہاشم اور بنو مطلب، آپ ﷺ کے اعتبار سے ایک ہی درجہ کے ہیں بایں طور کہ ہم سب ایک ہی جد اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، اور وہ یوں کہ ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد شمس، یہ چاروں عبد مناف کے بیٹے تھے جو ہمارے اور آپ ﷺ کے چوتھے جد ہیں، چنانچہ میں، جبر ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبد مناف ہوں، حضرت عثمان ابن عفان ابن ابوالحاصل امیر ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہیں اور آپ ﷺ محمد ابن عبد اللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ہیں۔ اس طرح ہم سب ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی ہیں تو پھر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے خیبر سے آئے ہوئے مال کے خمس میں سے اس سلسلہ نسب کی ایک شاخ بنو مطلب کو تو حصہ دیا لیکن ہمیں یعنی عبد شمس اور بنو نوفل کو کیوں محروم رکھا؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ جو یہ فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں، تو اس کا حاصل یہ تھا کہ اگرچہ یہ چاروں ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی اور ایک ہی جد اعلیٰ عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی خاندان کے فرد ہیں لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تعلقات و معاملات کے اعتبار سے اصل میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی ایک مرتبہ کے اور شی واحد کے مانند ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون رفیق و غمگسار اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ ان دونوں کے درمیان نہ زمانہ جاہلیت میں مخالفت و منافرت تھی اور نہ اب زمانہ اسلام میں کوئی اختلاف و انتشار ہے جب کہ تم دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے حریف و مخالف رہے ہو چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی اور کفار قریش کو اللہ کی وحدانیت اور انبی رسالت کی طرف بلایا تو بنو عبد شمس اور بنو نوفل (کے لوگوں) نے آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی سخت مخالفت ہی نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کے درپے آزار بھی ہوئے، یہاں تک کہ ان دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل نے اسی مخالفت

وعداوت کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے سے عہد کی کہ جب تک بنو ہاشم کے لوگ، محمد (ﷺ) کو ہم میں سے کسی ایک کے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک ہم بنو ہاشم کے ساتھ بیاہ شادی، لین دین اور خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ اس وقت بنو مطلب نے بنو ہاشم کے ساتھ پورا تعاون کیا اور ان کے ساتھ متفق و متحد رہے لہذا آنحضرت (ﷺ) نے بنو عبد شمس (یعنی حضرت عثمان وغیرہ) بنو نوفل (یعنی حضرت جبیر وغیرہ) کو خیر کے خمس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا یا جو دیکھ وہ آنحضرت (ﷺ) کے ذوی القربی میں سے تھے کیونکہ ان کے اور بنو ہاشم کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد نہیں تھا جب کہ بظاہر دونوں کے درمیان مخالفت و منافرت تھی۔

مال فنی کا حکم

(۱۰) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا قَرْيَةٍ اتَّيَسَّمُوهَا وَأَقَمْتُمْ فِيهَا فَسَهْمُكُمْ فِيهَا وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ خُمْسَهَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا ”جس بستی میں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس (کے مال) میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو اس (کے مال) میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، اور

بقیہ تمہارا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”اور اس میں قیام کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاد کے لئے کسی بستی میں گئے اور بستی والے لڑے بھڑے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر بھاگ گئے یا انہوں نے تمہارے ساتھ مصالحت کر کے اس بستی اور اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا اور تم اس میں قیام پذیر ہو گئے۔ ”تو اس میں تمہارا حصہ ہے“ کے ذریعہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ مذکورہ بستی سے جو مال و اسباب تمہارے ہاتھ لگے گا وہ صرف تمہارا حق نہیں ہو گا بلکہ تمہارے اور ان مجاہدین کے درمیان مشترک رہے گا جو تمہارے ساتھ جہاد کے لئے نہیں جاسکے ہیں بلکہ اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں کیونکہ اس طرح کا مال (جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ و جدل کے بغیر حاصل ہو) ”فنی“ کہلاتا ہے اور مال فنی کا حکم یہ ہے کہ وہ صرف انہی مجاہدین کے لئے مخصوص نہیں ہوتا جو جنگ میں شریک ہونے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہوں۔

”جو بستی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی کے لوگوں نے نہ تو دعوت اسلام قبول کی اور نہ مصالحت کے ذریعہ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کیا بلکہ تمہارے سرکشی کی راہ اختیار کر کے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تم نے لڑائی ادا طاعت کے ذریعہ ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس صورت میں اس بستی سے جو مال اسباب ملے گا — لگے گا وہ ”مال غنیمت“ کہلائے گا، اس مال میں سے پہلے خمس یعنی پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے علیحدہ کر دیا جائے گا اور پھر جو باقی بچے گا وہ اس جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خمس صرف مال غنیمت میں سے نکالا جائے گا، مال فنی میں سے بھی نکالا جائے اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف مسلک کی دلیل ہے۔

بعض حنفی علماء نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے پہلے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ ان کے ساتھ رسول کریم (ﷺ) نہ رہے ہوں اور دوسرے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ آنحضرت (ﷺ) بذات خود اس جہاد میں شریک رہے ہوں، لہذا اس دوسری صورت میں آنحضرت (ﷺ) خمس وصول فرماتے تھے اور باقی لشکر والوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۱۱) وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ رَجُلًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ

بغیر حق فلہم النار یوم القیامۃ۔ (رواہ بخاری)

”اور حضرت خولہؓ انصاریہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بعض لوگ اللہ کا مال یعنی نعمت فنی اور زکوٰۃ کے مال میں ناقص یعنی بغیر کسی استحقاق کے تصرف کرتے ہیں، لہذا ایسے لوگ قیامت کے دن آگ کے سزاوار ہوں گے۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی اگر انہوں نے حلال جان کر ناقص تصرف کیا ہوگا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلیں گے اور اگر انہوں نے اس گناہ کا ارتکاب اس کو حلال جان کر نہیں کیا ہوگا پھر حق تعالیٰ جتنی مدت کے لئے چاہے گا ان کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَهُ امْرَأَةٌ ثُمَّ قَالَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رِغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حِمْحِمَةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا نَعَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِبَاخٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفُقُ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْتَنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا الْقَظْمُ مُسْلِمٌ وَهُوَ أَمُّ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ کے دوران) مالِ نعمت میں خیانت کا ذکر فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بہت بڑا گناہ بتایا، اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا اور پھر فرمایا کہ ”خبردار! میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر بلبلا تے ہوئے اونٹ کو لادے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئے (یعنی جو شخص مالِ نعمت میں سے مثلاً اونٹ کی خیانت کرے گا تو وہ شخص میدانِ حشر میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کی گردن پر وہی اونٹ سوار ہوگا اور بلبلا رہا ہوگا) اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریادِ رسی (شفاعت) کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا) کیونکہ میں نے تمہیں (دنیا میں) شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ہنسناتے ہوئے گھوڑے کو لادے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریادِ رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوئے آدمی کو (یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لئے (ہو) لادے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئیے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریادِ رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوئے آدمی کو (یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لئے (ہو) لادے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئیے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریادِ رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر سونا چاندی لادے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ

یا رسول اللہ! میری فریاد کی کچھ اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے۔“ اس روایت کو (یعنی مضمون کے اعتبار سے) بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے، الفاظ ”مسلم“ کے ہیں جو بخاری کے الفاظ کی بہ نسبت پورے و مکمل ہیں۔“

جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں اس میں ناحق تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۳) وَعَنْهُ قَالَ أَهْدَى رَجُلٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مَدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مَدْعَمٌ يَحْطُ رَحْلًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هِنَبًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّامِلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ حَبِيبٍ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصْنَفْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلَ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكِ أَوْ شِرَاكِ كَثِيرٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكِكَ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكِكَ مِنْ نَارٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کا نام مدعم تھا (ایک دن غائبی کی میدان جنگ میں) وہ رسول کریم ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم شخص کا تیرا کر اس کو لگا جس سے جان بحق ہو گیا، لوگوں نے کہا ”مدعم کو جنت مبارک ہو یعنی مدعم خوش قسمت رہا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہوا اور جنت میں پہنچ گیا۔“ (یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”نہیں! ایسا نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں جان ہے، وہ چادر جس کو مدعم نے خیر کے دن مال غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل لے لیا تھا، آگ بن کر مدعم پر شعلے برسا رہی ہے۔“ جب (ان) لوگوں نے (اس شدید وعید و تنبیہ کو) سنا (جنہوں نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کو سہل سمجھ لیا تھا اور یہ گمان کر لیا تھا کہ چھوٹی موٹی اور حقیر چیزوں کو لے لینے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا تو وہ کانپ گئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے جو چھوٹی موٹی چیزیں لے لی تھیں ان کو لالا کر واپس کرنے لگے یہاں تک کہ) ایک شخص ایک تمہ یاد دوتے (واپس کرنے کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ ﷺ نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا کہ ”یہ آگ کا ایک تمہ ہے یا آگ کے دو تمہ ہیں یعنی خیانت کی چیز ہر حالت میں دوزخ کی آگ کا سزاوار کرے گی خواہ وہ کتنی ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت تنبیہ اور شدید وعید ہے جو کسی ایسے مال میں سے کھائے جس کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں۔ جیسے اوقاف اور بیت المال وغیرہ کیونکہ کسی ایک شخص کا حق تو واپس کیا جاسکتا ہے لیکن بہت سوں کے حقوق کی واپسی اور ان کی حق تلفیوں کی تلافی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كَزْكِرَةٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوا يَنْظُرُونَ فَوَجَدُوا عِبَاءَةً قَدْ غَلَبَهَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام کر کرہ تھا (کسی غزوے میں) رسول کریم ﷺ (کی طرف سے سامان و اسباب) کا گران مقرر ہوا، جب اس کا انتقال ہوا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ (کر کرہ) دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔“ چنانچہ لوگوں نے (اس کے سامان کو) دیکھنا شروع کیا تو اس میں ایک کملی پائی گئی جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: یحییٰ کہتے ہیں کہ لفظ فذهبوا لفظ فاعاطفہ ہے، گویا اس لفظ سے پہلے یہ مفہوم مخدوف ہے کہ ”صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو انہیں معلوم ہوا کہ کر کرہ کے حق میں یہ وعید اس سبب سے ہے کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کو دیکھنا شروع کیا الخ“

مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو تقسیم سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَصْنِبُ فِي مَغَازِنَا الْعَسْلَ وَالْعَنْبَ فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَزِفَعُهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگور ملے تو ہم ان کو کھاتے تھے اٹھا کر لے نہیں جاتے تھے۔“ (بخاری)
تشریح: یعنی ہم اس شہد اور انگور کو تقسیم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے اگویا اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے اس فعل کو جائز رکھتے تھے، چنانچہ اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق ہے، کہ مجاہدین اسلام جب تک دارالحرب یعنی دشمن کے محاذ جنگ پر رہیں اس وقت ان کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو ان کی تقسیم سے پہلے بقدر ضرورت و حاجت کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَغْفَلٍ قَالَ أَصَبْتُ جِزَاءً مِنْ شَحْمِ يَوْمٍ خَبِرْتُ فَالْتَزِمْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هَذَا شَيْئًا فَالْتَفَتَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ إِلَيَّ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مغفلؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے دن مجھ کو چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے (سینے سے) لگالیا اور (دل میں زبان سے) کہا کہ آج میں اس چربی میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم ﷺ (کھڑے ہوئے) مجھ پر (یعنی میرے اس فعل پر) مسکرا رہے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جیسا کہ اوپر کی حدیث کے ضمن میں بیان کیا گیا، اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ مجاہدوں کو مال غنیمت میں سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی چیز لے لینا جائز ہے۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَا أُعْطِيَكُمْ فِي بَابِ رِزْقِ الْوَلَاةِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ما اعطیکم الخ ”رزق ولایہ“ کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔“

الفصل الثانی

مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ امت محمدی ﷺ کو دوسری امتوں پر فضیلت

(۱۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ فَضَّلَنِي عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ فَضَّلَ أُمَّتِي عَلَى الْأُمَمِ وَأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت ابو امامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔“ یا یہ فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔“ (ترمذی)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ مذکورہ فضیلت و بزرگی کی وضاحت کے طور پر ہے یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مال غنیمت کو مخصوص طور پر حلال قرار دے کر ہمیں دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں دوسری امتوں پر جہاں اور بہت سی فضیلتیں عطا کی ہیں وہیں ایک فضیلت یہ بھی عطا کی ہے کہ ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔

مقتول کا مال قاتل کو ملے گا

(۱۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَغْنِي يَوْمٌ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهُ سَلْبُهُ فَقَتَلَ

أَبُو طَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عَشْرِينَ رَجُلًا وَآخِذًا سِلَاحَهُمْ - (رواہ الداری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس روز یعنی غزوہ خنین کے دن فرمایا جو شخص کسی کافر (دشمن) کو قتل کرے گا اس (مقتول) کا مال و اسباب اسی (قاتل) کو ملے گا۔ ”چنانچہ ابو طلحہؓ نے اس دن (دشمن کے) بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سب مال اور اسباب حاصل کیا۔“ (داری)

(۱۹) وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي السَّلْبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَمَّسِ السَّلْبُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عوفؓ ابن مالک اشجعی اور حضرت خالدؓ ابن الولید سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقتول کے مال و اسباب کے بارے میں حکم فرمایا کہ وہ قتل کرنے والے کا حق ہے، نیز اس مال و اسباب میں سے آپ ﷺ نے خمس نہیں نکالا (جیسا کہ مال غنیمت میں سے نکالتے تھے)۔“ (ابو داؤد)

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ نَفَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ أَبِي جَهْلٍ وَكَانَ قَتْلُهُ -

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن مجھ کو ابو جہل کی تلوار (میری حصہ سے) زائد دی۔ واضح ہو کہ ابو جہل کو عبد اللہ بن مسعود ہی نے قتل کیا تھا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: جنگ بدر میں ابو جہل کو اصل میں تو انصار مدینہ کے دونوں عمروں نے قتل کیا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ اس کے قتل کرنے میں ان کے شریک تھے بایں طور کہ اس کا سرتن سے انہوں نے ہی جدا کیا تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔

غلام کو مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت دیا جاسکتا ہے

(۲۱) وَعَنْ عُمَيْرِ مَوْلَى أَبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِنِي فَكَلَّمُونَا فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمُونَا أَنِّي مَمْلُوكٌ فَأَمَرَنِي فَقُلْتُ سَيْفًا فَإِذَا أَنَا جَزُءٌ فَأَمَرَنِي بِشَيْءٍ مِنْ خَزَائِنِ الْمَتَاعِ وَعَزَّضْتُ عَلَيْهِ رُفِيَةً كُنْتُ أَزْقِي بِهَا الْمَجَانِينَ فَأَمَرَنِي بِطَرَحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ إِلَّا أَنَّ رِوَايَتَهُ انْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ -

”اور حضرت عمیرؓ ابی اللحمؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، کہتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوا ہوں (اس غزوہ کے لئے روانگی کے وقت) میرے مالکوں نے میرے بارے میں رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی (یعنی انہوں نے میری تعریف و توصیف کی اور عرض کیا کہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے یا خدمت کی غرض سے عمیرؓ کو بھی ساتھ لے چلے) نیز انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتایا کہ میں ایک مملوک (غلام) ہوں، آپ ﷺ نے (میرے مالکوں کی درخواست منظور فرمائی اور) مجھ کو حکم دیا کہ میں مسلح ہو جاؤں اور مجاہدین کے ساتھ شامل رہوں، چنانچہ مجھے تلوار سے مسلح کیا گیا (یعنی ایک تلوار میری گردن میں ڈال دی گئی) میں (جب چلتا تو صغریٰ کی وجہ سے یا اپنے کوتاہ قد ہونے کے سبب) اس تلوار کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا، پھر (دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو) آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت مجھے بھی دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ نیز (ایک موقع پر) میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنا وہ منتر پڑھ کر سنایا جو میں دیوانگی کے مریضوں پر پڑھا کرتا تھا (اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے مجھے اس کے بعض حصوں کو موقوف کر دینے اور بعض حصوں کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے لیکن ابو داؤدؒ کی روایت لفظ ”المتاع“ پر پوری ہو گئی ہے۔“

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمیر جو مغر جانتے تھے اس سے بعض کلمات اسلامی عقائد کے منافی ہوں گے، لہذا آپ ﷺ نے ان کلمات کو ترک کر دینے کا حکم دیا البتہ جو کلمات اسلامی عقائد و تعلیمات کے منافی نہیں تھے ان کو باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

(۲۲) وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قَسَمَتْ خَيْبَرَ عَلَى أَهْلِ الْحُدَيْبِيَّةِ فَقَسَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ أَلْفًاوْ خَمْسَمِائَةً فِيهِمْ ثَلَاثُ أُمَامَةٍ فَارِسٌ فَأَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَاتَى الْوُحُومُ فِي حَدِيثِ مُجَمِّعٍ أَنَّهُ قَالَ ثَلَاثُ أُمَامَةٍ فَارِسٍ وَأَمَّا كَانُوا أُمَامَتِي فَارِسٍ۔

”اور حضرت مجمؓ بن جاریہؓ کہتے ہیں کہ خیبر (میں حاصل شدہ مال غنیمت اور زمین) کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا جو حدیبیہ میں صلح میں شریک تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس (خیبر کے مال غنیمت اور زمین) کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا، اور (صلح حدیبیہ میں شریک) لشکر کی تعداد پندرہ سو آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں تین سو سوار تھے، اس طرح سوار کو آپ ﷺ نے دو حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ۔ ابو داؤدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارہ میں ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اسی پر اکثر ائمہ نے عمل کیا ہے نیز مجمؓ کی (اس) روایت میں واہمہ واقع ہوا ہے کہ انہوں (مجمؓ) نے کہا ہے کہ تین سو سوار تھے حالانکہ سواروں کی تعداد دو سو تھی۔“

تشریح: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں اسلامی لشکر کے سوار مجاہد کے دو حصے ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، وہ اس حدیث مجمؓ کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں، کیونکہ جب اٹھارہ حصوں میں سے تین سو سواروں میں ہر سو سوار کو دو دو حصے دیئے گئے تو چھ حصے ہو گئے اور بارہ حصے باقی بچے۔ چنانچہ ان بارہ حصوں کو بارہ سو پیادوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سو پیادوں کو ایک حصہ ملا۔ جب کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سوار مجاہد کے تین حصے ہیں، ان کے اعتبار سے یہ حساب درست نہیں۔ بیٹھتا، کیونکہ اس صورت میں سواروں پر نو حصوں کی تقسیم لازم آتی ہے اور بارہ حصے پیادوں کے ہوئے، اس حساب سے ان حصوں کی مجموعی تعداد اکیس ہوتی ہے حالانکہ حدیث میں مجموعی تعداد اٹھارہ بیان کی گئی ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور خود حضرت ابن عمرؓ سے بھی حضرت مجمؓ جیسی روایت منقول ہے، ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سواروں کو دو دو حصے دیئے گئے تاہم جن حضرات کے نزدیک سواروں کے تین حصے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت (جو اسی باب کی پہلی فصل میں نقل کی جا چکی ہے) زیادہ صحیح و ثابت اور فیصلہ کن ہے۔ جہاں تک حنیفہ کا تعلق ہے، وہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر جس وجہ سے عمل نہیں کرتے وہ اس روایت کی تشریح میں بیان کی جا چکی ہے۔

روایت کے آخر میں جس ”واہمہ“ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بنیاد اختلاف روایت پر ہے، چنانچہ اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی، ایک روایت تو یہی ہے جو حضرت مجمؓ نے نقل کی ہے کہ پندرہ سو کی تعداد تھی جس میں تین سو سوار تھے لیکن ایک روایت میں یہ تعداد چودہ سو بیان کی گئی ہے جو بارہ سو پیادوں اور دو سو سواروں پر مشتمل تھی۔

جہاد میں زیادہ سعی و محنت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت میں سے خصوصی حصہ

(۲۳) وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقَلَ الرُّبْعَ فِي الْبُدَاةِ وَالْثُلُثَ فِي الرِّجْعَةِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت حبیب ابن مسلمہؒ فہری کہتے ہیں کہ (کسی غزوے کے موقع پر) میں نبی کریم ﷺ خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جنگ کی

ابتداء میں (لڑنے والوں کو) مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ زائد عطا کیا اور واپسی کے وقت (لڑنے والوں کو) تہائی حصہ زائد عطا کیا۔“

(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ایک مخصوص نوعیت کے معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں جہاد کے شروع ہونے کے وقت اسلامی لشکر کا کوئی دستہ اپنے لشکر سے آگے نکل کر دشمن کے مقابلہ پر پہنچ جاتا اور اپنے پورے لشکر کے پہنچنے سے پہلے دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا چوتھائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی تین چوتھائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے، اسی طرح میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے اسلامی لشکر کے واپس آنے کے بعد اگر مجاہدین کا کوئی دستہ بدستور جنگ میں مشغول رہتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی دو تہائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے۔ اور اس دستہ کو تہائی حصہ اس لئے عطا فرماتے کہ پورے لشکر کی واپسی کے بعد صرف چند مجاہدین کا دشمن کے مقابلہ پر بچے رہنا اور لڑائی جاری رکھنا ایک انتہائی سخت مرحلہ اور نہایت خطرناک اقدام اور غیر معمولی حوصلے کا کام ہوتا تھا جب کہ ابتداء میں انتہائی سخت مرحلہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس وقت تو پورا لشکر آجاتا تھا اور ان مجاہدین کی مدد کرتا تھا، اس کے برخلاف لشکر کی واپسی کی صورت میں جب کہ سارے مجاہدین واپس آجاتے تھے تو اس وقت جنگ کرنا اور دشمن کا مقابلہ کرنا سخت مشکل اور انتہائی سخت ہوتا تھا

بہر حال ان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصے سے زیادہ عطا کرنا جنگ میں ان کی بہادری، غیر معمولی حوصلہ اور سخت ترین جدوجہد کے امتیازی کارنامے کی بناء پر تھا

(۲۳) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنْقِلُ الرَّبْعَ بَعْدَ الْخُمْسِ وَالثَّلْثَ بَعْدَ الْخُمْسِ إِذَا قَفَلَ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہرٹی راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جنگ کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے لڑنے والے مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور (لشکر کے) واپس آجانے کی صورت میں (لڑنے والے مجاہدین کو) خمس نکلنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ تو بیان کیا گیا تھا کہ ابتدائے جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کو چوتھائی حصہ اور لشکر کے واپس آجانے کے بعد لڑنے والے مجاہدین کو تہائی حصہ دیا جاتا تھا لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ یہ چوتھائی یا تہائی حصہ خمس نکالنے کے بعد دیا جاتا تھا یا اس سے پہلے؟ چنانچہ اس حدیث میں اسی کو واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پورے مال غنیمت میں سے پہلے خمس نکالتے، اس کے بعد چوتھائی یا تہائی حصہ دیتے اور پھر اس کو پورے لشکر کے درمیان تقسیم فرماتے۔

مال فئی میں کوئی خصوصی حصہ نہیں

(۲۵) وَعَنْ أَبِي الْجَوْدِ بِرَةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ أَصَبْتُ بِأَرْضِ الرُّومِ حَزْرَةَ حَمْرَاءَ فِيهَا دَنَانِيرُ فِي أَمْرَةٍ مُعَاوِيَةَ وَعَلِينَارَ جُلٍّ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهُ مُعْنُ بْنُ يَزِيدَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَعْطَانِي مِنْهَا مِثْلَ مَا أَعْطَى رَجُلًا مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نَقْلُ إِلَّا بَعْدَ الْخُمْسِ لَا عَظَمْتُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو جریہؓ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں (ایک دن) میں نے روم کی زمین میں ایک سرخ رنگ کی

ٹھلپاپائی جس میں دنیار (بھرے ہوئے) تھے، اس وقت ہمارے علاقے کے حاکم، رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص تھے جن کا نام معن ابن زید تھا، میں وہ ٹھلپالے کر ان کے پاس آیا، انہوں نے ان دنیاروں کو مسلمانوں (یعنی مجاہدین اسلام) کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان میں سے مجھ کو بھی اتنا ہی دیا، جتنا کسی ایک شخص کے حصے میں آیا تھا (یعنی مجھے بھی سب کے برابر دیا کوئی زیادہ حصہ نہیں دیا) اور پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ ”خمس نکالنے کے بعد ہی حصے سے زیادہ دیا جاسکتا ہے۔“ تو یقیناً میں بھی تمہیں دوسروں سے زیادہ دیتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت معن ابن زیدؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق کسی مجاہد کو مخصوص طور پر کوئی زیادہ حصہ اس مال میں سے دیا جاسکتا ہے جس میں سے خمس نکالنا ضروری ہو اور وہ خمس نکالا جا چکا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ خمس اس مال میں سے نکالا جاتا ہے جو کفار سے جنگ و جدال کے بعد ہاتھ لگا ہو جس کو مال غنیمت کہتے ہیں جب کہ یہ مال جو تمہارے ہاتھ لگا ہے ”مال فنی“ ہے، اور ”مال فنی“ میں کوئی زائد حصہ نہیں لگتا اس لئے تمہیں بھی اس مال میں سے دوسرے سے زیادہ نہیں ملے گا۔

شریک معرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی عطیہ

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْتَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ فَأَسْهَمَ لَنَا أَوْ قَالَ فَأَعْطَانَا مِنْهَا وَمَا قَسَمَ لِأَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا جَعْفَرًا وَأَصْحَابَهُ أَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ (جب) ہم (جشہ سے) آئے اور رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت خیبر کو فتح کر چکے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے (خیبر کے مال غنیمت میں سے) ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ یا ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا کہ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے اس (مال غنیمت) میں سے کسی بھی ایسے شخص کو کوئی حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے موقع پر موجود نہ رہا ہو علاوہ اس شخص کے جو (غزوہ خیبر کے وقت) آپ ﷺ کے ساتھ تھا اور علاوہ ہم کشتی والوں یعنی حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے کہ آپ ﷺ نے (ہم) کشتی والوں کو بھی ان (غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدوں) کے ساتھ حصہ دیا (باوجودیکہ ہم اس غزوہ میں شریک نہیں تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کیا اور پھر ہجرت کر کے جشہ چلے گئے جہاں حضرت جعفر ابن ابوطالبؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، جب ان سب لوگوں نے جشہ میں یہ خبر سنی کہ آنحضرت ﷺ بھی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے ہیں تو یہ لوگ بھی جشہ سے کشتیوں کے ذریعہ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے۔ جب کہ آپ ﷺ خیبر کو فتح کر چکے تھے

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جشہ سے آنے والے ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے اس لئے حصہ دیا گیا کہ اگرچہ ان کا آنا جنگ کے بعد ہوا تھا لیکن وہ مال غنیمت کے جمع کرنے اور اس کی تقسیم سے پہلے پہنچ گئے تھے، یہ تاویل ان علماء کی طرف سے کی جاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی مجاہد جنگ میں شریک نہ ہو سکے مگر مال غنیمت کے جمع ہونے اور اس کی تقسیم کے وقت موجود ہو تو اس مال غنیمت میں سے اس کو بھی لشکر والوں کے ساتھ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول ہے لیکن جو علماء اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینا آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک خصوصی نوعیت کا عطیہ تھا جو غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدین کی رضامندی سے دیا گیا تھا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۲۷) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوْفِيَ يَوْمَ خَيْبَرٍ فَقَدْ كَرَّ وَالرَّسُولُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبَكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وَجْهُ النَّاسِ لِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ غُلٌّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَتَلْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا حَرْزًا مِنْ حَرْزِ يَهُودَ لَا يَسَاوِي دِرْهَمَيْنِ (رواه مالک والبوداؤد والنسائی)

”اور حضرت یزید ابن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص کا خیبر کے دن انتقال ہو گیا، صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا (یعنی آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو (میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا) لوگوں (کا یہ سنا تھا کہ ان) کے چہروں کا رنگ اس (خوف کی وجہ سے بدل گیا) کہ نہ معلوم کیوں آنحضرت ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) میں اس کی نماز جنازہ اس وجہ سے نہیں پڑھوں گا (کہ تمہارے (اس) ساتھی نے اللہ کی راہ میں (یعنی مال غنیمت میں) خیانت کا ارتکاب کیا تھا۔“ چنانچہ جب ہم نے اس سبب کی تلاشی لی تو اس میں ہمیں یہودیوں (یعنی یہودی عورتوں) کے پہننے کے (گلے کے) ہار ملے جو دو درہموں کے برابر بھی نہیں تھے (یعنی ان کی قیمت دو درہم سے کم تھی۔“ (مالک، البوداؤد، نسائی)

مال غنیمت جمع کرنے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں وعید

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ غَنِيمَةً أَمَرَ بِلَا لَافِنَادَى فِي النَّاسِ فَيَجِئُونَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُحْمِسُّهُ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذَلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ شَعْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا فِيمَا كُنَّا أَصْبَنَاهُ مِنَ الْغَنِيمَةِ قَالَ أَسَمِعْتَ بِلَا لَافِنَادَى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَجِئَ بِهِ فَأَعْتَدَ قَالَ كُنْ أَنْتَ تَجِئُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ۔ (رواه البوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مال غنیمت کو جمع کر کر تقسیم کرنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت بلالؓ (اعلان کرنے کا) حکم دیتے چنانچہ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کر دیتے اور (اس اعلان کو سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے (یعنی جس کے پاس مال غنیمت کی جو بھی چیز ہوتی وہ اس کو لا کر دربار رسالت میں جمع کر دیتا) پھر آنحضرت ﷺ (پہلے) خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے اور اس کے بعد (اس مال غنیمت کو) لوگوں (یعنی مجاہدین) کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ (ایک دفعہ ایسا ہوا کہ) ایک شخص (مال غنیمت میں سے) خمس نکالنے اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے) ایک دن بعد بالوں کی بنی ہوئی ایک مہار لے کر آیا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! جو مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ مہار بھی تھی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بلالؓ نے تین بار جو اعلان کیا تھا اس کو تم نے سنا تھا؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں! میں نے سنا تھا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”پھر اس کو (ایسی وقت) لانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟“ اس نے (اس تاخیر کے لئے) کوئی عذر بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ”بس (اب) یوں ہی رہو (یعنی اس کو اپنے پاس ہی رکھو، اب تو کل قیامت کے دن ہی) اس کو لے کر آنا (اور تب خدا کو اس تاخیر کا جواب دینا) میں (اب) اس کو تم سے ہرگز نہ لوں گا۔“ (البوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس مہار کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں سارے مجاہدوں کا حق تھا، اور اس وقت چونکہ سارے مجاہد منتشر ہو گئے تھے اس لئے اس میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچانا مشکل تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کی سزا

(۲۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ حَرَّفُوا مَتَاعَ الْغَنَائِمِ

وَصَوَّبُوهُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؓ) سے اور وہ (شعیبؓ) اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان و اسباب جلاؤالا اور اس کی پٹائی (بھی) کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس خیانت کی سزا یہ دی کہ اس کا سامان و اسباب نذر آتش کر دیا اور ازراہ تعزیر اس کی پٹائی بھی کی۔ بعض علماء جیسے حضرت امام احمدؒ ابن حنبل وغیرہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے گھر کا سارا سامان و اسباب جلا دیا جائے، علاوہ جانوروں اور مصحف مجید (قرآن کریم) کے، نیز اس چیز کو بھی نہ جلایا جائے جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا ہے کیونکہ وہ (اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے بلکہ) مجاہدین کا حق ہے۔ جب کہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ اس کا سامان و اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کو کوئی اور تعزیر جو حاکم و قاضی مناسب جانے دے۔ ان حضرات نے اس حدیث کو سخت تنبیہ و وعید پر محمول کیا ہے۔

خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے

(۳۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَكْتُمُ غَلًا فَإِنَّهُ مِثْلُهُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا (یعنی وہ امیر و حاکم کے علم میں یہ بات نہیں لایا کہ فلاں شخص نے خیانت کی ہے)۔ تو (گنہ گار ہونے کے اعتبار سے) وہ (بھی) خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔“ (ابوداؤد)

غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی ممانعت

(۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شُرَى الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقَسَّم - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا)۔“ (ترمذی)

(۳۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السَّهَامُ حَتَّى تُقَسَّم - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابو امامہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ممانعت کا اعلان فرمایا کہ (مال غنیمت کے) حصے جب تک تقسیم نہ ہو جائیں ان کو فروخت نہ کیا جائے۔“ (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے اپنے حصہ کو تقسیم سے پہلے بیچنے لگے تو یہ جائز نہیں ہوگا ایک تو اس وجہ سے کہ جس حصہ کو وہ بیچنا چاہتا ہے ابھی وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے (جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ تقسیم سے پہلے کسی بھی حصہ کی ملکیت موقوف رہتی ہے) دوسرے اس وجہ سے کہ (حصہ دار کو تقسیم سے پہلے مالک مان بھی لیا جائے تو) خود اس (مالک) کو تقسیم سے پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حصے میں کیا چیز آئے گی اور وہ چیز کیسی ہوگی، اس صورت میں اس حصے کو بیچنا گویا ایک ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو غیر معلوم و غیر متعین ہے اور یہ ناجائز ہے۔

مال غنیمت میں ناحق تصرف کرنے والے دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے

(۳۳) وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ هَذِهِ الْمَالَ حَضْرَةٌ خُلُوَّةٌ فَمَنْ

أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُورُكٌ لَهُ فِيهِ وَرُبُّ مَخْخُوضٍ فِيمَا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللَّهِ وَرَسُولُهُ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت خولہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”بلاشبہ یہ مال ایک سبز و شیریں چیز ہے (یعنی مال ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی نظر کو بھاتا ہے اور دل کو بھاتا ہے) لہذا جو شخص اس (مال کو حق یعنی حلال ذریعہ سے حاصل کرتا ہے اس کے لئے) اس میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ اور یاد رکھو، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خود اس کے رسول ﷺ کے مال یعنی مال غنیمت میں سے جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے صرف دوزخ کی آگ ہوگی۔“ (ترمذی)

ذوالفقار تلوار کا ذکر

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَقَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ۔ زَوَّاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، جنگ بدر کے دن حصے سے زیادہ لی تھی۔ (ابن ماجہ) اور ترمذی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”اور یہ وہی تلوار ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جنگ احد کے دن خواب دیکھا تھا۔“

تشریح: ”حصے سے زیادہ لی تھی“ کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس میں یہ تلوار بھی تھی، جس کو آنحضرت ﷺ نے پسند کر کے اپنے حصے سے زائد لے لیا تھا۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا، اس تلوار کا نام ”ذوالفقار“ تھا، جو ایک کافر نبیہ ابن حجاج کی ملکیت تھی، وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ تلوار پسند آئی، چنانچہ آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اس کو اپنے حصے سے زائد اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ کتنی ہی جنگوں میں اور تلواروں کے ساتھ یہ تلوار بھی آنحضرت ﷺ کے پاس رہی۔ اور قاموس میں یہ لکھا ہے کہ یہ تلوار نبیہ کے بیٹے عاص کی ملکیت تھی جو جنگ بدر میں (حضرت علیؓ کے ہاتھوں) مارا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار حضرت علیؓ ہی کو عطا فرمادی۔

اس تلوار کا نام ”ذوالفقار“ اس مناسبت سے تھا کہ اصل میں ”فقار“ پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں، چونکہ اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑتھے، اس لئے اس کو ”ذوالفقار“ کہا جانے لگا۔

غزوہ احد کے موقع پر ذوالفقار سے متعلق خواب دیکھنے کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار (ذوالفقار) کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، پھر دوبارہ اس کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ پہلے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی ممانعت

(۳۵) وَعَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبُ دَابَّةً مِنْ فِئَةِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَغْنَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مِنْ فِئَةِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّاهُ فِيهِ۔ (رواہ البوہاد)

”اور حضرت زویف بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے قطعا روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی جانور پر (بلا ضرورت شرعی) سوار ہو اور پھر جب وہ (جانور) دبلا

ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ قطعا روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی کپڑے کو (بلا ضرورت شرع) پہنے اور پھر جب وہ (کپڑا) پرانا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر اپنی سواری کے مصرف میں لانے کی وجہ سے وہ جانور دبلانہ ہو تو اس صورت میں اس پر سوار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں نہ یہ مفہوم مراد ہے اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ بات محض محاورہ فرمائی گئی ہے کہ عام طور پر جانور سواری کے کام آنے سے دبلے ہو جاتے۔

مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہاتھ آئیں ان کا حکم

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمُحَالِدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قُلْتُ هَلْ كُنْتُمْ تُخْتَمِسُونَ الطَّعَامَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصَبْنَا طَعَامًا يَوْمَ خَيْبَرٍ فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت محمد ابن ابوالحالیہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت عبداللہؓ) سے پوچھا کہ ”کیا آپ لوگ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں کھانے کی چیزوں میں سے بھی خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے تھے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”غزوہ خیبر کے دن کھانے کی چیزیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں، چنانچہ ہر کوئی شخص آتا اور ان میں سے بقدر کفایت لے کر واپس چلا جاتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا ان چیزوں میں سے بھی خمس نکالا جاتا تھا یا جو چیزیں کھانے کی قسم سے ہوتیں، ان کو تقسیم سے مستثنیٰ رکھ جاتا تھا کہ جو شخص چاہتا ان کو اپنے مصرف میں لے آتا؟ جواب کا حاصل یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے خمس نہیں نکالنا چاہئے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی چیزوں میں سے جو کچھ بھی لیا جائے وہ بس اتنی ہی مقدار میں ہو کہ ضرورت و حاجت پوری ہو جائے

(۳۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ جَيْشًا غَنِمُوا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَعَسَلًا فَلَمْ يُوْخَذْ مِنْهُمْ الْخُمْسَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانے میں (مسلمانوں کا) لشکر (جب جہاد سے واپس آیا تو) مال غنیمت میں کھانے کی چیزیں اور شہد لے کر آیا۔ چنانچہ (ان لشکروالوں نے ان چیزوں میں سے جو کچھ کھاپی لیا تھا یا وہ جو کچھ بچا کر لے لئے تھے اس میں سے) ان سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔“ (ابوداؤد)

(۳۸) وَعَنْ الْقَاسِمِ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ الْجَزُورَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا نَزْجِفُ إِلَى رِحَالِنَا وَآخِرِ جَسَدِنَا مِنْهُ مَمْلُوءَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت قاسمؓ (تابعی) جو عبدالرحمن کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بنی کریم ﷺ کے بعض صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان بعض صحابہؓ نے) بیان کیا کہ ”ہم غزوں میں اونٹ (کا گوشت) کھاتے اور اس کو تقسیم نہ کرتے (یعنی ہم محاذ جنگ پر ضرورت کے وقت مال غنیمت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کا گوشت تقسیم کئے بغیر اپنی اپنی حاجت کے بقدر لے لیتے) یہاں تک کہ جب ہم (سفر کے دوران) اپنے ڈیروں، خیموں میں واپس آتے تو ہمارے تھیلے گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان (جہاد کے بعد) دارالاسلام واپس آتے ہوئے دارالحرب کی سرحدوں سے پار ہو جائیں نہ

اس کے بعد ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے گھاس دانہ کھائیں یا مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں میں سے خود کچھ کھائیں کیونکہ اس صورت میں وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی بناء پر دارالحرب میں مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے مصرف میں لانا مجاہدین کے لئے مباح تھا۔ نیز جس شخص کے پاس دارالحرب میں غیر تقسیم شدہ مال غنیمت کا گھاس دانہ یا کھانے پینے کی چیزیں اس کی ضرورت و حاجب سے زائد ہوں وہ ان کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا پڑے گا

(۳۹) وَعَنْ عَبْدِ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ أَذْوَا الْخِيَاظِ وَالْمَخِيظِ وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوكِ فَإِنَّهُ عَارٌّ عَلَى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ التَّسَائِيُّ عَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ -

”اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”تاگے اور سوئی کی (بھی) ادائیگی کرو (یعنی مال غنیمت میں سے اس قدر معمولی چیزیں بھی چھپا کر نہ رکھو) اور تم (مال غنیمت میں یا مطلق) خیانت کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خیانت کرنا خیانت کے مرتکب لوگوں کے لئے قیامت کے دن بے عزتی لانے والا ہوگا۔“ ”داریؓ“ اور نسائیؓ نے اس روایت کو عمرو ابن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔“

مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی خیانت مستوجب مواخذہ ہے

(۴۰) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعِيرٍ فَأَخَذَ وَبَرَةً مِنْ سَنَامِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ لِي مِنْ هَذَا الْفَنَى شَيْءٌ وَلَا هَذَا وَرَفَعَ أَصْبَعَهُ إِلَّا الْخُمْسَ وَالْخُمْسَ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ فَأَذْوَا الْخِيَاظِ وَالْمَخِيظِ فَقَامَ رَجُلٌ فِي يَدِهِ كَبْئَةٌ مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ أَخَذْتُ هَذِهِ لِأَصْلِحَ بِهَا بَرْدَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ أَمَا إِذَا بَلَغْتُ مَا أَرَى فَلَا أَرَبَ لِي فِيهَا وَبَنَدَهَا (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ (مال فنی میں آئے ہوئے) ایک اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان کے (دو ایک) بال اکھاڑ کر فرمایا ”لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اس مال فنی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے اور۔ (آپ ﷺ کی جس انگلی پر وہ بال تھے، لوگوں کو دکھانے کے لئے) اس انگلی کو اکھاڑ کر فرمایا کہ یہ (مال بھی اتنا معمولی حصہ بھی) میرے لئے نہیں ہے البتہ خمس یعنی پانچویں حصے کا میں حقدار ہوں لیکن خمس بھی (میری ذات پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ، تمہارے ہی اوپر خرچ کیا جاتا ہے) (یعنی خمس کا مال تمہاری ہی بھلائی میں خرچ ہوتا ہے) بالیں طور کہ اس سے تمہارے لئے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں) لہذا (اگر تمہارے پاس مال غنیمت میں کا سوئی تاگہ بھی ہو تو اس کو) لا کر جمع کرادو۔“ (ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک ٹکڑا تھا، کھڑا ہوا اور کہا کہ ”میں نے رسی کے اس ٹکڑے کو اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ بالان کے نیچے کی کملی کو (گاٹھ کر) ٹھیک کر لو (اب) اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟“ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جہاں تک اس چیز کا سوال ہے جو میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے کی ہے تو وہ تمہاری ہے) (یعنی اس ٹکڑے میں سے جو کچھ میرے خاندان بنو ہاشم اور ان کے حلیف و ساتھی بنو عبدالمطلب کے لوگوں کے حصے کا ہے وہ تو ہم نے تمہیں بخش دیا لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے علاوہ دوسرے مجاہدین کا حصہ ہے اس کے بارے میں تم جانو، کہ اگر تم ان سے بھی ان کے حصے معاف کرالو گے تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور اگر ان کے حصے معاف نہیں کرائے تو قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے۔“ اس شخص نے یہ سن کر کہا، کہ جب یہ رسی (گناہ کی) اس حد تک پہنچ گئی ہے جو میرے سامنے ہے تو پھر مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور (یہ کہہ کر) اس نے اس رسی کو پھینک دیا“ (ابوداؤد)

آنحضرت ﷺ خمس کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی منافع میں خرچ کرتے تھے

(۴۱) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَعِيرٍ مِنَ الْمَغَنَمِ فَلَمَّا سَلِمَ أَخَذَ وَبَرَةً مِنْ حَنْبِ الْبَعِيرِ ثُمَّ قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِي مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هَذَا إِلَّا الْخُمْسُ وَالْخُمْسُ مَرْدُودٌ فِيكُمْ۔ (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک موقع پر) مال غنیمت کے ایک اونٹ کو سترہ قرار دے کر ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا (اور نماز سے فارغ ہو گئے) تو اس اونٹ کے پہلو سے (دو ایک) بال اکھاڑے اور پھر فرمایا کہ ”تمہارے مال غنیمت میں میرے لئے اتنا (یعنی ان بالوں کے بقدر) بھی حصہ نہیں ہے علاوہ خمس کے اور وہ خمس بھی تمہاری ہی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اگر ”پہلو“ سے یہ مراد ہو کہ آپ ﷺ نے اس اونٹ کے کوہان کی کسی جانب سے بال اکھاڑے تو اس صورت میں یہ وہی واقعہ ہو گا جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں تھا اور اگر ظاہری مفہوم یعنی ”اونٹ کا پہلو“ مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو گا۔

ذوی القربیٰ میں مال خمس کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ وغیرہ کی محرومی

(۴۲) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبَىٰ بَيْنَ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ أَتَيْتُهُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ لِأَخَوَانِنَا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ لَا نَنْكَرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِي وَضَعَكَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَرَأَيْتَ إِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ أَعْطَيْنَاهُمْ وَتَرَكْنَا وَأَتَمَّا قَرَابَتَنَا وَقَرَابَتَهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَوَاحِدٌ هَكَذَا وَشَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالتَّسَانِي نَحْوُهُ وَفِيهِ أَنَا وَبَنُو الْمُطَّلِبِ لَا نَفْتَرِقُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ وَإِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ شَيْءٌ وَوَاحِدٌ وَشَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں کا حصہ یعنی خمس کے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم کیا تو میں یعنی جبیرؓ (بنو نوفل کی طرف سے) اور عثمان ابن عفانؓ (بنو عبد شمس کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے یہ بھائی جن کا تعلق بنو ہاشم سے ہے، ہم ان کی فضیلت و زریگی کا تو انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کیا ہے لہذا اس اعتبار سے ہماری بہ نسبت وہ آپ کے زیادہ (قریب ہیں کیونکہ ان کے اور آپ ﷺ کے جدا ایک ہی ہیں یعنی ہاشم، اگرچہ ہمارے اور ان کے جدا علی بھی ایک ہی ہیں یعنی عبد مناف) لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ ﷺ نے (خمس کے مال میں سے جو ذوی القربیٰ کا حصہ ہے) ہمارے ان بھائیوں کو تو حصہ دیا جن کا تعلق بنو مطلب سے ہے اور ہمیں محروم رکھا جب کہ ہماری یعنی بنو نوفل اور بنی عبد شمس کی اور ان کی یعنی بنی مطلب کی قرابت ایک ہی ہے (بائیں طور کہ جس طرح ان کے دادا ہاشم کے بھائی تھے اسی طرح ہمارے دادا بھی ہاشم کے بھائی تھے گویا ان دونوں حضرات کی غرض کا حاصل یہ تھا کہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا جاتا ہے وہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں کی ایک شاخ بنو مطلب کو مال خمس میں سے دیا لیکن دوسری دو شاخوں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو کچھ نہیں دیا، جب کہ یہ سارے شاخیں ایک ہی جدا علی یعنی عبد مناف کی اولاد ہیں، تو اس امتیازی سلوک کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان داخل کر کے (اور اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ ”(میں) اس کے علاوہ اور کچھ نہیں (جانتا) کہ (جس طرح دونوں ہاتھوں کی یہ انگلیاں باہم مل کر ایک چیز ہو گئی ہیں اسی طرح) بنو ہاشم

اور بنو مطلب بھی ایک چیز ہیں۔“ (شافعیؒ) ابوداؤدؒ اور نسائیؒ کی روایت بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم اور مطلب کی اولاد نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی ایک دوسرے کے مخالف ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں، لہذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم اور وہ دونوں ایک چیز ہیں“ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابو جہل کے قتل کا واقعہ

(۴۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ إِنِّي لَوَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ فَتَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَإِذَا أَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثَةً أَسْتَأْنِفُهُمَا فَتَمَنَيْتُ أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعٍ مِنْهُمَا فَعَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ أَيَّ عَمٍّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي قَالَ أَخْبِرْتُ أَنَّكَ يَسُبُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يَفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِتَّاقًا فَتَعَجَّيْتُ لِذَلِكَ قَالَ وَغَمَزَنِي الْأَخَرُ فَقَالَ لِي مِثْلُهَا فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَحُولُ فِي النَّاسِ فَقُلْتُ لَا تَرِيَانِ هَذَا صَاحِبَكُمْ الَّذِي تَسْأَلَانِي عَنْهُ قَالَ فَأَيْتَدَرُهُ بِسَيْفَيْهِمَا فَضَرَّ بِهِ حَتَّى قَتَلَاهُ ثُمَّ أَنْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَاهُ فَقَالَ أَيُّكُمَا قَتَلَهُ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَا قَتَلْتُهُ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا فَقَالَ لَا فَتَنَظَرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَاكُمَا قَتَلَهُ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلْبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو وَبِالنَّجْمِ وَبِالْجُمُوحِ وَبِالرَّجُلَانِ مُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو وَبِالنَّجْمِ وَبِالْجُمُوحِ وَبِالرَّجُلَانِ (تفصیل)

”حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوف کہتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں (دشمن کی مقابل) صف میں کھڑا تھا، جب میں نے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں دو انصار لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں، جو بالکل نو عمر تھے، مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش (اس وقت) میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور اور تجربہ کار دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوتا (یعنی) میں نے دونوں نو عمروں کو حوصلہ و شجاعت کے اعتبار سے بے وقعت جانا اور یہ خیال کیا کہ چونکہ یہ نو عمروں آذر مودہ کا رہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں اور معرکہ کے وقت بھاگ کھڑے ہوں جس سے میری ذات کو بھی بڑے لگے، میں انہیں خیالات میں غلطان و پیچان تھا کہ) اچانک ان دونوں میں سے ایک نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور کہا کہ ”چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں، وہ کونسا ہے اور کہاں ہے؟“ میں نے کہا کہ ”ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن میرے بھتیجے! تمہیں ابو جہل سے کیا غرض ہے؟ اس نے کہا ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ (یعنی ابو جہل) رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا ہے، اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت تک جدا نہ ہو گا جب تک کہ ہم میں سے کوئی ایک موت کی طرف بڑھنے میں جلدی نہ کرے (یعنی ابو جہل کے خلاف میرے دل میں اتنی نفرت ہے کہ میں اس کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑوں گا اور اس وقت تک اس سے لڑوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کی موت پہلے آنے والی ہوگی وہ نہ مر جائے خواہ میں شہید ہو جاؤں، خواہ میں اس کو جہنم رسید کر دوں)۔“ حضرت عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ میں اس نو عمر کی اس بات کو سن کر حیران رہ گیا (کہ خدایا، ان نو عمروں کے دل میں آنحضرت ﷺ کی کتنی محبت ہے اور ان کے جذبات میں ہمت و حوصلہ اور شجاعت و بہادری کا کیسا محشر پیا ہے) عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ (پھر دوسرے لڑکے نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور اس نے بھی وہی الفاظ کہے جو پہلے نے کہے تھے، اس کے بعد میں نے کوئی توقف نہیں کیا، اور ابو جہل کو دیکھا جو (دشمن کے) لوگوں میں پھرتا تھا، میں نے (اس کی طرف اشارہ کر کے) ان لڑکوں سے کہا کیا تم اس شخص کو نہیں دیکھ رہے جو (دشمن کے گروہ میں) پھرتا ہے؟ یہی تمہارا وہ مطلوب ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے (یعنی اس شخص کو پہچان لو یہی ابو جہل ہے)۔“ عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) وہ دونوں لڑکے اپنی تلوار سنبھال کر فوراً

ابو جہل کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا، پھر دونوں رسول کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے اور آپ کو (اس واقعہ سے) آگاہ کیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”تم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟“ ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے آپ ﷺ، اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھ ڈالی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں چنانچہ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ ”تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے۔“ نیز رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابو جہل کا سامان معاذ ابن عمرہ ابن جموح کو دیا جائے۔ اور وہ دونوں لڑکے (جنہوں نے ابو جہل کو موت کے گھاٹ اتارا) معاذ ابن عمروؓ ابن جموح اور معاذؓ ابن عفراء تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحیح بخاری کی روایت میں معاذ ابن عفراء کی بجائے معوذ ابن عفراء ہے۔ نیز آگے جو روایت آرہی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو جہل کو عفراء کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا، جب کہ اوپر جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں قتل کرنے والوں میں صرف ایک ہی عفراء کا بیٹا تھا، اس طرح دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے چنانچہ علماء محققین نے اس تضاد کو اس توجیہ کے ذریعہ دور کیا ہے کہ وہ دونوں ایک ماں کے بیٹے تھے لیکن ان کے باپ الگ الگ تھے، اس اعتبار سے وہ دونوں ماں کی طرف سے تو حقیقی بھائی تھے اور باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے، ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔ ان میں سے ایک کے باپ کا نام عمرو ابن جموح تھا اور دوسرے کے باپ کا نام قطلانی کے قول کے مطابق حارث تھا، چنانچہ ان میں سے ایک کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے معاذ ابن عمروؓ ابن جموح کہا گیا اور دوسرے کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے معاذ ابن عفراء یا معوذ ابن عفراء کہا گیا۔

اس موقع پر دو سوال اور بھی پیدا ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابو جہل کو تم دونوں ہی نے قتل کیا ہے تو پھر آپ ﷺ نے ابو جہل کا سامان ان دونوں کو دینے کی بجائے ان میں سے ایک ہی کو دیئے جانے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو جہل کو قتل کرنے میں شریک تو شاید دونوں ہی رہے ہوں گے لیکن اصل میں جس نے پہلے ابو جہل پر حملہ کر کے اس کو بھاگنے اور چلنے پھرنے وغیرہ سے مجبور اور بے دم بنادیا ہو گا وہ ایک ہی رہا ہو گا پھر بعد میں دوسرے نے بھی اگر اس پر مزید وار کر کے اس کو اور زیادہ زخمی کر دیا ہو گا، اس اعتبار سے اس کے سامان کا حق اسی کو قرار دیا گیا جس نے پہلے حملہ کر کے اس کو بھاگنے یا مدافعتی حملہ کرنے سے ناکارہ کر دیا تھا لیکن آپ ﷺ نے دوسرے کو بھی خوش کرنے کے لئے یہ فرمادیا کہ اس کو تم دونوں نے قتل کیا ہے۔

دوسرا سوال وہی ہے جو دوسری فضل میں حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کی تلوار میرے حصے سے زائد مجھ کو عطا کی، اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ابو جہل کو حضرت ابن مسعودؓ نے قتل کیا، اس اعتبار سے گویا ان دونوں روایتوں میں تضاد واقع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں نو عمروں نے ابو جہل کو زخمی کر کے زمین پر ڈال دیا، جب ابن مسعودؓ نے دیکھا کہ اس میں زندگی کی رقی موجود ہے تو انہوں نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا، اس طرح، حضرت ابن مسعودؓ کے اس عمل کو ابو جہل کے قتل سے تعبیر کیا گیا، نیز آنحضرت ﷺ نے اس بناء پر کہ اس کے قتل میں بہر حال ابن مسعودؓ کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ تھا اس لئے ان کو بھی اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار عطا فرمائی۔ ایک بات یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے، کہ حضرت امام مالکؒ کے بعض تبعین کا یہ قول ہے کہ اس بارے میں امام سردار کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور مقتول کا سامان جس کو چاہے دے دے، اس صورت میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے پیدا ہونے کا بھی موقع باقی نہیں رہ جاتا۔

(۴۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ فَإِنِ تَلَقَّى ابْنُ مَسْعُودٍ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنُ عَفْرَاءَ حَتَّى يَرِدَ قَالَ فَآخَذَ بِلَحْيَتِهِ فَقَالَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلْتَنِي۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن (میدان جنگ میں) فرمایا کہ کون شخص ہے جو دیکھ کر ہمیں بتائے کہ

ابو جہل نے کیا کیا (یعنی اس کا کیا حشر ہوا، آیا وہ مارا گیا، یا زندہ ہے؟) چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ گئے اور انہوں نے ابو جہل کو اس حالت میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار مار کر ٹھنڈا یعنی قریب المرگ کر دیا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے (یہ دیکھ کر) ابو جہل کی ڈاڑھی پکڑ لی اور اس سے کہا کہ ”تو ابو جہل ہی ہے نا؟“ ابو جہل نے (ابن مسعودؓ کے اس سوال کے پیچھے چھپے ہوئے طنز اور حقارت کو محسوس کر لیا اور) کہا کہ ”(بے شک میں ابو جہل ہی ہوں لیکن) کیا تو اس شخص سے زیادہ بڑے مرتبہ کے ہو جس کو تم نے قتل کیا ہے؟ یعنی جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے (اس سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے) (ان الفاظ کے ذریعہ گویا ابو جہل نے یہ دعویٰ کیا کہ قریش میں مجھ سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے)۔“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو جہل نے (اس موقع پر) کہا کہ اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے ان“ سے ابو جہل کو مطلب یہ تھا کہ مجھے اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مجھے ان آدمیوں نے مارا ہے جو کھیتی باڑی کرنے والے ہیں اگر کاش! مجھے ان کے علاوہ دوسرے لوگ مارتے تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ گویا ابو جہل نے عفراء کے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے اس کو قتل کیا تھا چنانچہ وہ دونوں انصار سے تعلق رکھتے تھے اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بایں طور کہ ان کے پاس کھیت بھی تھی اور کھجور کے باغات بھی۔

کسی کو مال دینے سے اس کی دینی فضیلت لازم نہیں آتی

(۴۵) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَهْطًا وَأَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالِكٌ عَنْ فُلَانٍ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَأَجَابَهُ بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَأَعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يَكُتَبَ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ الزُّهْرِيُّ فَتَرَى أَنَّ الْإِسْلَامَ الْكَلِمَةُ وَالْإِيمَانُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔

”حضرت ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ میں مجلس نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا، رسول کریم ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ مال عطا فرمایا اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو رسول کریم ﷺ نے چھوڑ دیا (یعنی اس کو کچھ نہیں دیا) حالانکہ وہ شخص میرے نزدیک (دین کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر تھا، (یہ دیکھ کر) میں کھڑا ہوا اور (آنحضرت ﷺ) سے غرض کیا کہ ”فلاں شخص کے لئے کیا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس کو اپنے عطیہ سے کیوں محروم رکھا؟ خدا کی قسم! میں (تو) اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”یوں نہ کہو کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں“ بلکہ یہ کہو کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں۔“ سعدؓ نے (آپ ﷺ کے سامنے) تین بار یہ بات کہی اور آنحضرت ﷺ نے بھی (ہر بار) اسی طرح جواب دیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میں ایک شخص کو (مال) دیتا ہوں در آنحالیکہ اس کی نسبت دوسرا شخص میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص منہ کے بل دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”بلکہ یہ کہو ان“ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ ایمان حقیقی کہ جس کا تعلق قلب کی گہرائیوں اور صدق باطن سے ہوتا ہے، بہت اعلیٰ مرتبہ ہے اور چونکہ یہ کوئی ظاہری چیز نہیں ہوتی اس لئے اس پر مطلع ہونا ممکن نہیں ہے (یعنی کسی شخص کے ظاہری احوال کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ اس کے باطنی اعمال کیسے ہیں اور اس کا ایمان کس درجہ کا ہے، کیونکہ ایمان حقیقی کوئی نظر آنے والی چیز نہیں ہے)۔ اس کے برخلاف اسلام، ایک نظر آنے والی چیز ہے کیونکہ اسلام نام ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کا، اس لئے اگر تمہاری نظروں میں اس شخص کے ظاہری اعمال بہت اچھے ہیں تو تم اس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ تو کہہ سکتے ہو کہ میں اس کو

اچھا مسلمان سمجھتا ہوں لیکن یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔ گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کا مقصد سعدؓ کو اس غیر مناسب بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس شخص کے مستحق مال ہونے کو اپنی دلیل کے ساتھ بیان کیا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس شخص کو مال نہ دیئے جانے کو بعد از حقیقت جاننا نیز انہوں نے اس شخص کے ایمان حقیقی کا دعویٰ کیا۔

”اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے الخ“ اس سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کسی شخص کو مال دینے سے اس کو پسندیدہ سمجھنا یا اس کو افضل جاننا لازم نہیں آتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ مال کا دیا جانادینی فضیلت و امتیاز کے اعتبار سے ہو بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص کا ایمان کمزور ہوتا ہے اس کو تالیف قلب کے پیش نظر مال عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ محض مال نہ پانے کی وجہ سے کسی مایوسی اور غصہ کا شکار ہو کر کفر کے اندھیروں میں نہ چلا جائے اور پھر دوزخ میں ڈالا جائے۔ لہذا اے سعد! اس شخص کو مال دینے جانے کا مطالبہ اتنے بڑے دعوے کے ساتھ نہ کرو کہ وہ کامل الایمان مؤمن ہے جب کہ اس کے حقیقی و کامل ایمان کا یقین کرنا بھی تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔

”اسلام کلمہ کا نام ہے الخ۔“ واضح رہے کہ اصل میں تو زہریؒ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اسلام، عمل صالح اور احکام شریعت کی اطاعت و فرمانبرداری سے عبارت ہے اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، لیکن انہوں نے اس مشہور تعریف کی بجائے اسلام کو کلمہ سے اور ایمان کو عمل صالح سے تعبیر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار اسلام کا تعلق کلمہ شہادت کو زبان سے ادا کرنے سے ہے، جس شخص نے کلمہ شہادت پڑھا اس نے گویا اپنے اسلام کا اقرار کیا اور یہ اقرار اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس کو ظاہری طور پر مسلمان مانا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ سے یہی فرمایا تھا کہ تم اس شخص کے مسلمان ہونے کا یقین کر سکتے ہو کیونکہ اس نے اپنی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اقرار کیا ہے اور اس کا یہ اقرار اس کو بظاہر مسلمان ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، اسی بات کو زہریؒ نے اس سے تعبیر کیا کہ اسلام کلمہ کا نام ہے کہ جس شخص نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا، اب رہی ایمان کو عمل صالح سے تعبیر کرنے کی بات، تو اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ عمل صالح صادر ہونے کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟ بالکل ظاہرات ہے کہ اس کی بنیاد تصدیق قلبی یعنی دل سے ایمان لانا ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ عمل صالح کرتا ہے وہ گویا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے قلب میں ایمان جاگزیں ہے اور اس سے عمل صالح کا صادر ہونا تصدیق قلبی اور کمال ایمان کی بناء پر ہے، اس اعتبار سے زہریؒ نے ”ایمان“ کی وضاحت عمل صالح سے کی۔

جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کا حصہ

(۳۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَوْمَ بَدْرَ فَقَالَ إِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِي حَاجَةِ اللَّهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ وَإِنِّي أَبَايَعُ لَهُ فَصَرَبَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَهْمٍ وَلَمْ يَصْرِبْ لِأَحَدٍ غَابَ غَيْرُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جنگ بدر کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلاشبہ ”عثمانؓ، اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں اس لئے میں (خود) ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لئے (جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے) حصہ مقرر کیا اور آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا جو جنگ میں شریک نہیں تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب اپنے صحابہؓ کے ہمراہ بدر پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں سخت بیمار تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عثمانؓ کو مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کریں۔ اور پھر جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جنگ کے تین عثمانؓ پر جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی اس کو انہوں

نے پورا کیا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے یہاں آئے، لیکن خدا اور اس کے رسول ﷺ کا یہ حکم ہوا کہ وہ مدینہ واپس چلے جائیں اور رقیہؓ کی دیکھ بھال کریں، اس اعتبار سے وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ ہی کے کام سے گئے ہیں، لہذا میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے، اور پھر آپ ﷺ نے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا بھی حصہ لگایا۔

ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے

(۴۷) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِي قَسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِنَ الشَّاءِ بَعِيرٍ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت رافع ابن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے۔“ (نسائی)

پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسمانی آگ جلا ڈالتی تھی

(۴۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَانِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ لَا تَتَّبِعْنِي رَجُلٌ مَلَكٌ بَضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَتَّبِعَنِي بِهَا وَلَمَّا يَتَّبِعْنِي بِهَا وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خِلْفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ أَوْ لَا ذَهَابًا فَعَزَا فِدَانًا مِنَ الْقَرْيَةِ الْعَصْرَا وَقُرْبَانًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ إِنَّكَ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحَبَسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ يَعْغِي النَّارَ لَنَا كُلُّهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا فَلْيَبَا يَعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ فَلَذَقْتُ بِذَرْجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ فِيكُمْ الْغُلُولُ فَجَاءَ وَابِرَاسٍ مِثْلَ رَأْسِ بَقْرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتْ النَّارُ فَالْكَلْبُهَا وَذَادَفَنِي رِوَايَةً فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لَنَا حَتَّى قَبِلْنَا ثُمَّ أَحَلَّ اللَّهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَأَى صَعْفَتَنَا وَعَجَزْنَا فَأَحْلَلَهَا لَنَا - (متن علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”انبیاء میں سے ایک نبی (یعنی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے جہاد کا ارادہ کیا اور جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس عورت کو اپنے گھر لاکر اس سے جماعت کا ارادہ رکھا ہو اور ابھی تک اس سے جماعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ نہ وہ شخص چلے جس نے گھر بنایا ہو لیکن (ابھی تک) اس کی چھت نہ ڈال سکا ہو نیز وہ شخص (بھی) میرے ساتھ نہ چلے جس نے گاہن بکریاں یا گاہن اونٹیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے کا منتظر ہو۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ (اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ) جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور جب اس بستی کے قریب پہنچے کہ جہاں وہ جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا (یعنی وہ ایسے وقت اس بستی کے قریب پہنچے جب کہ عصر کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے) اس نبی ﷺ نے آفتاب کو مخاطب کر کے کہا کہ تو بھی (چلنے پر) مامور ہے اور میں بھی (اس بستی کو فتح کرنے پر) مامور ہوں۔ اے اللہ! تو اس آفتاب کو ٹھہرا دے۔“ چنانچہ آفتاب ٹھہرا دیا گیا (یعنی قدیم ماہرین فلکیات کے نظریہ کے مطابق آفتاب کی رفتار کو یا جدید نظریہ کے مطابق زمین کی گردش کو حکم الہی سے روک دیا گیا تاکہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے وہ نبی جہاد کر لیں) تاکہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی ﷺ کو فتح عطا فرمادی۔ پھر جب مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلا یا، (یہ دیکھ کر) اس نبی ﷺ نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ (یقیناً تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت واقع ہوئی ہے یعنی تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے) (جس کی وجہ سے یہ آگ اپنا کام نہیں کر رہی ہے) لہذا تم میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو چاہئے کہ وہ بیعت کرے، چنانچہ (جب بیعت شروع ہوئی اور ہر

قبیلہ کا ایک ایک آدمی اپنا ہاتھ اس نبی ﷺ کے ہاتھ میں دینے لگا تو ایک شخص کا ہاتھ اس نبی کے ہاتھ کو چپک کر رہ گیا، نبی ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ ”(اس ذریعہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ) خیانت، تمہارے قبیلہ کی طرف سے ہوئی ہے۔“ پھر اس قبیلہ کے لوگ سونے کا ایک سر لائے جو بیل کے سر کی مانند تھا اور اس کو رکھ دیا، اس کے بعد آگ آئی اور اس نے اس کو جلا دیا۔ اور ایک روایت میں راوی سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ ”(آنحضرت نے یہ فرمایا کہ) چنانچہ ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) ضعیف و کمزور دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت یوشع علیہ السلام نے جہاد کے لئے روانگی کے وقت ان چند لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے سے اس لئے روک دیا تھا کہ جب دل کسی اور چیز میں اٹکا ہوا ہوتا ہے تو اس چیز کے علاوہ کسی اور کام میں طبیعت نہیں لگتی لہذا اگر مذکورہ لوگوں کو جانے والے لشکر میں شریک کیا جاتا تو وہ پورے جوش و جذبہ اور چستی و تندہی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے ان کو لے جایا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی مہمات وغیرہ کے موقع پر اپنے تمام ضروری امور و معاملات سے فراغت و یکسوئی حاصل کر لینی چاہئے تاکہ جس مہم میں نکلا جائے اس کو بخوبی سرانجام دیا جاسکے۔

”آفتاب ٹھہرا دیا گیا الخ۔“ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ (نظام شمسی کی پوری مدت عمر) میں حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو کبھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج کا ٹھہرنا صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ کے لئے بھی سورج کا ٹھہرایا جانا ثابت ہے! اس طرح ان دونوں باتوں میں جو ظاہری تضاد ہے اس کو اس توجہ کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے (کہ) یوشع کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہے کہ پیغمبروں میں حضرت یوشع کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو علاوہ میرے۔ نیز یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے لئے سورج ٹھہرایا گیا تھا آپ ﷺ نے اس سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہو۔

مواہب لدنیہ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے لئے سورج ٹھہرنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک بار تو شب معراج کے دوسرے دن اور دوسری بار غزوہ خندق کے دن جب کہ کفار نے آپ ﷺ کو جنگ میں الجھائے رکھ کر عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لئے سورج کو واپس کیا (یعنی عصر کا وقت لوٹایا) تب آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت کے حکم سے حضرت علیؓ کے لئے بھی سورج واپس ہوا ہے وہ یوں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ ان کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا، اس صورت میں حضرت ﷺ کا سر مبارک اپنے زانوں پر سے نہ اٹھا سکے یہاں تک کہ عصر کا وقت ختم ہو گیا اور وہ نماز نہیں پڑھ پائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس کیا، تب انہوں نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی، مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کو بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیا ہے۔

”اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی الخ“ جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے، یہ صرف اس اُمت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ پچھلی امتوں کو غنیمت کا مال اپنے مصرف میں لانے کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ حکم الہی کے مطابق یہ دستور تھا کہ جنگ کے بعد غنیمت کا سارا مال جمع کر کے جنگل میں رکھ دیا جاتا تھا، اس کے بعد آسمان سے آگ آتی اور اس کو جلا دیتی، جو قبولیت کی علامت ہوتی۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا

(۴۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ وَفُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْعْبَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِذْهَبْ فَتَدْ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَتَدَيْتُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے ہم سے یہ بیان کیا کہ جب خیبر کا دن آیا (یعنی جب غزوہ خیبر ختم ہو گیا) تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند لوگ آئے اور (آپس میں) کہنے لگے کہ فلاں شخص شہید ہو گئے تھے ان کے نام لے لے کر ان کی شہادت کا ذکر کرتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ ایک شخص (کی لاش) پر سے گذرے اور کہا کہ (یہ) فلاں شخص شہید ہے، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”ہرگز نہیں، تم لوگ جس معنی میں اس کو شہید کہتے ہو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ میں نے اس شخص کو مال غنیمت میں سے ایک چادر یا فرمایا کہ ایک دھاری دار مٹی چرانے کے سبب دوزخ میں (جلتے) دیکھا ہے۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے (مجھ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ”ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں کے درمیان تین مرتبہ یہ منادی کرو کہ ”جنت میں (ابتداء) صرف مؤمن (یعنی کامل مؤمن) ہی داخل ہوں گے۔“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نکلا اور تین مرتبہ یہ منادی کی کہ ”خبردار! جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“

(مسلم)

تشریح: ”جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“ ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ شرعی اصطلاح اور عرف عام میں ”مؤمن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لائے۔ اس اعتبار سے جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کیا اس نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت و شریعت کی تصدیق سے انکار کیا بائیں طور کہ اس تصدیق کے نتیجہ میں اس پر جو احکام نافذ ہوتے ہیں اس نے ان پر عمل نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بہر حال نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کر کے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے منافی عمل کیا وہ سرے سے مؤمن نہیں رہا، لہذا اس اعلان کے ذریعہ کہ ”جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“ آنحضرت ﷺ کا اس شخص کو بظاہر مزہ مؤمنین سے خارج کرنا اصل میں سخت زجر و تنبیہ اور وعید کے طور پر تھا یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد میں ”مؤمن“ سے مراد ”مقی و پرہیزگار مؤمن“ ہے اور ”داخل ہونے“ سے مراد بلا عذاب داخل ہونا ہے، اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ جو مؤمن، تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر گامزن ہوں گے وہ جنت میں بغیر عذاب کے داخل کئے جائیں گے، لیکن جو مؤمن مقی و پرہیزگار نہیں ہوں گے اور گناہ کا ارتکاب کریں گے انہیں پہلے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں اور پھر بعد میں انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا

چونکہ یہ ارشاد ”میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے“ بظاہر ان نصوص کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کسی کا حقیقتہ دوزخ میں ڈالا جانا، حشر کے بعد ہی واقع ہو گا۔ لہذا اس ارشاد گرامی کو ”تمثیل“ پر محمول کیا جائے، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس اسلوب بیان کے ذریعہ درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کے انتقال سے پہلے ہی ان کے جنت میں داخل ہونے کو تمثیل کے طور پر بیان فرمایا تھا، میرے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ارشاد مجازی اسلوب بیان کا مظہر ہو، یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ میں اس شخص کو ایک ایسے گناہ کا مرتکب جانتا ہوں جو دوزخ کے عذاب کو واجب کرنے والا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ان الا براد لفی نعیم (نیک لوگ جنت میں ہیں) ظاہر ہے کہ اس آیت کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک لوگ ابھی سے جنت میں پہنچ گئے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ نیک لوگ ان اوصاف حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں جو ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

بَابُ الْجَزِيَةِ

جزیہ کا بیان

جزیہ کس کو کہتے ہیں؟ ”جزیہ“ اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (ٹیکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔

”جزیہ“ اصل میں ”جزاء“ سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ”بدلہ کے ہیں! اس خاص محصول (ٹیکس) کو جزیہ اسی لئے کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر پر قائم رہنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جائداد، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مجوسیوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے

① عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِّلْجَزَاءِ بِنِ مَعَاوِيَةَ عَمَّ الْأَخْنَفُ فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةِ فَرَّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْزَمٍ مِنَ الْمَجُوسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجَزِيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مِنَ الْمَجُوسِ هَجَرَ - (رواه البخاری)

”حضرت بجالہ“ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت جزء ابن معاویہؓ (تابعی) کے ہاں جو حضرت اخفؓ (صحابی) کے چچا تھے، فشی تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت (امیر المؤمنین) عمر بن خطابؓ کا ان کی وفات سے ایک سال پہلے ایک مکتوب آیا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ”مجوسیوں یعنی آتش پرستوں میں ان کے محارم کے درمیان تفریق کرا دو۔“ نیز (راوی کہتے ہیں کہ) عمرؓ (پہلے) مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے گواہی دی (یعنی انہوں نے یہ بیان کیا) کہ رسول کریم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (تب حضرت عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لینا شروع کیا۔“ (بخاری)

تشریح: ”محرم“ اس قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز ہو جیسے ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ۔ مجوسیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے محرم سے شادی کر لیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حکم بھیجا کہ جن مجوسیوں نے اپنے محارم سے شادی کر رکھی ہو ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دو یعنی ان کی شادی فسخ قرار دے دو۔ اگرچہ اسلامی قانون کا یہ ضابطہ ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے ذمہ و حفاظت میں ہوں ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور یہ بات (یعنی اپنے محرم سے شادی) چونکہ ان کے مذہب میں جائز تھی اس لئے حضرت عمرؓ کا یہ حکم دینا بظاہر ایک سوالیہ نشان ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی ریاست کی طرف سے ذمیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسلامی قلمرو میں جہاں صرف خدا کا اتارا ہوا قانون نافذ و جاری ہوتا ہے کسی بھی ایسے عمل کو روک دے جو براہ راست اسلامی شعار کے منافی اور دین کے بنیادی اصولوں اور قانون حکومت کے مخالف ہو۔ چنانچہ مجوسیوں کا اپنے محرم سے شادی کرنا بھی چونکہ نہ صرف اسلامی شعار کے صریح مخالف ہی تھا بلکہ اخلاقی اور سماجی طور پر بھی نہایت مذموم اور شنیع فعل تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے اس طرح کی شادیوں کو ختم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔

جو سیوں کے بارہ میں جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان سے جزیرہ لیا جائے بلکہ حنفیہ کے نزدیک عجمی بت پرستوں سے بھی جزیرہ لیا جائے لیکن اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلافی قول ہے۔

”ہجر“ ایک جگہ کا نام ہے جو بعض حضرات کے نزدیک یمن میں بحرین کے قریب ایک شہر تھا، مگر موجودہ محققین کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کا مشرقی ساحل جو ”احساء“ کہلاتا ہے پہلے ”ہجر“ کے نام سے موسوم تھا اور اسی کو ”بحرین“ بھی کہتے تھے۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ بُرَيْدَةَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرُ أَعْلَى جَيْشِ فِی بَابِ الْكِتَابِ إِلَى الْكُفَّارِ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت إِذَا أَمَرَ أَمِيرُ الْخَبَابِ الْكِتَابِ إِلَى الْكُفَّارِ میں نقل کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

جزیرہ کی مقدار

(۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِي مُحْتَلِمٍ دِينَارًا أَوْ عَدْلَهُ مِنَ الْمُعَافِرِ ثِيَابَ تَكُونُ بِالْيَمَنِ - (البوداؤد)

”حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (معاذؓ) کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن روانہ کیا تو ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ (وہاں کے) ہر حاکم یعنی ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی قیمت کا معافی کپڑا جو یمن میں تیار ہوتا ہے (جزیرہ کے طور پر) لیں“ (البوداؤد)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جزیرہ نہ تو عورت پر عائد ہوتا ہے اور نہ بچے پر۔ (اسی طرح مجنون، اندھے، اور فاج زوہ پر بھی) جزیرہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز وہ بڑھا جو لڑنے اور کام کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ محتاج جو کوئی کام کرنے پر قادر نہ ہو جزیرہ سے مستثنیٰ ہے یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے نزدیک جزیرہ کی واجب مقدار کے بارے میں غنی اور فقیر (یعنی امیر و غریب) برابر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کوئی تخصیص ذکر نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک غنی (امیر) پر ہر سال اڑتالیس درہم واجب ہوتے ہیں جو ہر مہینے چار درہم کے حساب سے ادا کرنے ہوتے ہیں، درمیانی درجہ والے پر ہر سال چوبیس درہم ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ دو دو درہم کر کے ادا کرے گا اور فقیر یعنی نچلے طبقہ والے پر جو کمانے والا ہو ہر سال بارہ درہم واجب ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ ایک ایک درہم کر کے ادا کرے گا۔

اسی حنفی مسلک کے بارہ میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ مسلک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے منقول ہے نیز انصار و مہاجرین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے اور جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے جس میں ہر بالغ سے ایک ایک دینار لینا روایت کیا گیا ہے تو یہ صلح کی صورت پر محمول ہے کہ یمن چونکہ جنگ و جدال کے ذریعہ فتح نہیں ہوا تھا بلکہ باہمی صلح کے ذریعہ یمن والوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے تسلط و اقتدار میں دے دیا تھا لہذا جزیرہ کے بارے میں بھی ان کے ساتھ مذکورہ مقدار پر مصالحت ہوئی۔ یا یہ اس پر محمول ہے کہ اہل یمن چونکہ مالی طور پر بہت پس ماندہ اور خستہ حال تھے اس لئے ان پر جزیرہ کی وہی مقدار واجب کی گئی جو فقراء (غریبوں) پر واجب کی جانی چاہئے تھی۔

مسلمانوں پر جزیرہ واجب نہیں

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبَلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جَزْيَةٌ - (رواہ احمد و الترمذی و البوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہونے چاہئیں اور مسلمان پر جزیرہ عائد“

نہیں ہو سکتا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ”ایک زمین میں دو قبلے“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک علاقے میں دو مذہب برادری کی بنیاد پر نہیں ہونے چاہئیں۔ گویا اس کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کافروں یعنی اپنے دین کے دشمنوں کے درمیان دار الحرب میں سکونت اختیار نہ کریں اور نہ اس کے ذریعہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کو چاہئے کہ وہ اپنی حدود میں کافروں یعنی دشمنان دین کو بغیر جزیہ کے سکونت اختیار نہ کرنے دے اور ان کے جزیہ دینے کی صورت میں ان کو اس طرح سر اٹھانے کا موقع نہ دے کہ وہ علی الاعلان اسلامی ریاست کے بنیادی اصول و قوانین اور دینی عقائد و نظریات کے خلاف امور انجام دیں اور یہ آگاہی اس حقیقت کے پیش نظر ہے کہ ان دونوں ہی صورتوں میں دین اسلام اور کفر و دونوں کا مساوی ہو جانا لازم آتا ہے جب کہ اسلام کی نظر میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہیں، قوت و شوکت اور عزت و رفعت کے مقام پر ہوں اور اسلام دشمن عناصر ضعیف و کمزور اور بے وقعت رہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دینے کی طرف اشارہ ہے جو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اہل قبلہ بھی ہیں اور ان دونوں کا الگ الگ قبلہ ہے جو اہل اسلام کے قبلہ کے خلاف ہے، تاکہ اس علاقے میں دو قبلوں کو ماننے والوں کا وجود نہ رہے بلکہ صرف ایک قبلہ حقیقی کو ماننے والے یعنی مسلمان ہی رہیں۔

”مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہو سکتا۔“ میں اس صورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مثلاً کوئی غیر مسلم، ذمی ہونے کی حیثیت میں اسلامی ریاست کا شہری بنالیکن پھر وہ جزیہ ادا کرنے سے پہلے مسلمان، ہو گیا تو اب اس سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوتا۔

جزیہ پر صلح

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى أَكْبِيدِ دُؤْمَةَ فَآخَذُوهَا فَاتَّوَابَهُ فَحَقَنَ لَهُ دُمَةً وَصَالِحَهُ عَلَى الْجَزْيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اکبید رومہ کے مقابلہ پر بھیجا، چنانچہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کو پکڑ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آنحضرت ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا اور جزیہ پر اس سے صلح کر لی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اکبید الف کے پیش، کاف کے زیریا کے جزم اور دال کے زیر کے ساتھ۔ دؤمہ کا باوشاہ تھا اور دؤمہ ایک شہر کا نام تھا۔ جو شام میں تبوک کے پاس واقع تھا۔ اکبید ایک نصرانی (عیسائی) تھا اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ پکڑ کر میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ جب اس کو دربار رسالت میں لایا گیا آپ ﷺ نے اس پر جزیہ مقرر کیا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت بخشی اور وہ کامل مسلمان ہو گیا۔

یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ حَزْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ جَدِّهِ أَبِي أُمِّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْعَشُورُ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ عَشُورٌ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت حرب ابن عبید اللہ اپنے جد (ثنا) سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہود و نصاریٰ پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے مسلمانوں پر چالیسواں حصہ واجب ہے، ان پر عشر واجب نہیں ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: یہاں عشر یعنی دسویں حصے کا تعلق مال تجارت سے ہے صدقات واجبہ (یعنی زمینی پیداوار) کا عشر مراد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر زمینی پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر عشر کی قسم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ بس وہی ہے جس پر ان کو ذمی بناتے وقت صلح ہوئی ہو اور جس کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو۔ اور اگر ان کو ذمی بناتے وقت ان سے کسی چیز پر صلح نہیں ہوتی ہے تو اس صورت میں ان پر جزیہ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

اس سلسلے میں خفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ اپنے شہروں میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے وقت ان کے مال تجارت پر محصول (ٹیکس) وغیرہ لیتے ہوں تو مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ جب ان کے شہروں میں یہود و نصاریٰ آئیں تو ان کے تجارت پر مسلمان بھی ان سے محصول لیں اور اگر وہ مسلمانوں سے کسی طرح کا کوئی محصول نہ لیتے ہوں تو پھر مسلمان بھی ان سے کوئی محصول نہیں لیں گے۔

ذمیوں سے معاہدہ کی شرائط زبردستی کرائی جاسکتی ہیں

⑥ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُونَا وَلَا هُمْ يُؤَدُّونَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْضُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْأَنْ تَأْخُذُوا أَكْثَرَهَا فَخُذُوا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم جب (جہاد کو جاتے) ہوئے ایک (فلاں) قوم (کی آبادی) میں سے گزرتے ہیں تو وہ لوگ نہ ہماری میزبانی کرتے ہیں اور نہ ہمیں وہ چیز دیتے ہیں جس کا ہم (از روئے اسلام) ان پر حق رکھتے ہیں (یعنی اسلام کی رو سے ان پر ہمارا جو یہ حق ہے کہ وہ قرض وغیرہ دے کر ہماری ضرورتیں پوری کریں اور ہماری دیکھ بھال کریں وہ اس کو پورا نہیں کرتے) اور (چونکہ) ہم ان سے کوئی چیز (زبردستی) حاصل نہیں کرتے (اس لئے) ہم سخت پریشان ہوتے ہیں اور ان کے اس رویہ کی وجہ سے ہمیں بڑی اضطرابی حالت اور بڑے نقصان میں مبتلا ہونا پڑتا ہے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر وہ لوگ (تمہاری میزبانی کرنے یا تمہارے ہاتھ نقد و ادھار کوئی چیز فروخت کرنے سے انکار کریں اور (اس صورت میں) ان سے کوئی چیز زبردستی لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو (زبردستی) لے لو۔“ (ترمذی)

تشریح: جن لوگوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل ذمی تھے (جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا بلکہ جزیہ ادا کر کے اسلامی قلمرو میں آباد تھے) اور ان کو ذمی بناتے وقت ان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ان پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ جو مسلمان جہاد کے لئے جاتا ہو اور ان کے ہاں سے گزرے وہ اس کی میزبانی کریں، لیکن انہوں نے اس شرط سے روگردانی کی چنانچہ جو مسلمان جہاد کو جاتے ہوئے ان کے ہاں ٹھہرتے وہ نہ صرف یہ کہ ان کی میزبانی نہ کرتے بلکہ ان کے ہاتھ غلہ وغیرہ بھی فروخت نہیں کرتے تھے، جب مسلمانوں نے اس صورت حال سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے مذکورہ حکم ارشاد فرمایا۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان ذمیوں پر پہلے سے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہ کی گئی ہو تو اس صورت میں ان کے ہاں ٹھہرنے والے مسلمان کے لئے جو غیر مضطر ہو، یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان کے مال و اسباب ان کی رضا و خوشی کے بغیر لے۔

الفصل الثالث

ذمیوں پر جزیہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت بھی واجب کی جاسکتی ہے

⑦ وَعَنْ أَسْلَمَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجُزْيَةَ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَرْبَعَةَ دَنَانِيرٍ وَعَلَى أَهْلِ الْوَرَقِ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا مَعَ ذَلِكَ أَرْزَاقُ الْمُسْلِمِينَ وَضِيَّافَةٌ ثَلَاثَةٌ أَيَّامٍ۔ (رواہ مالک)

”حضرت اہل“ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے (اپنے دور خلافت میں) ان (ذمیوں) پر، جو (بہت زیادہ) سونا رکھتے تھے، چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو (ذمی) چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خورد و نوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔“ (مالک)

تشریح: ”اور تین دن کی میزبانی الخ“ یہ اصل میں ”خورد و نوش“ کی وضاحت ہے، یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔

چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ذمیوں سے ایک دینار سے زائد کی مقدار پر مصالحت کرنا نیز ان پر یہ شرط عائد کرنا کہ اگر ان کے ہاں سے مسلمان گذریں تو ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں، یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہوں گے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے ایک زائد چیز ہوگی۔ اس مسئلہ کی باقی تفصیل مرقات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ الصُّلْحِ صلح کا بیان

”صلح“ اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد بمعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریہ توحید کو مطابق عالمگیر امن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے، تبلیغ اسلام کے مطمح نظر کی خاطر انسانی سلامتی و آزادی کی حفاظت اور سیاسی و عسکری مصلح کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدہ صلح و امن کر لے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ۶ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو ”صلح حدیبیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ صلح کی مدت دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیث و تاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کیں بلکہ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اسلام، انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علمبردار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنگ جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے باوجود اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدہ صلح کی مدت پر تین سال ہی گزرے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنو بکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ صلح حدیبیہ

① عَنْ الْمُسَوِّدِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْخُدَيْبِيَّةِ فِي بَضْعِ عَشْرَةِ مِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا أَتَى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرُوا أَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَسَارَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالنَّبِيِّ النَّبِيُّ يُهَيِّطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكْتُ بِهِ رَاحِلَتَهُ فَقَالَ النَّاسُ حُلْ حَلَّ خَلَّاتِ الْقَصَوَاءِ خَلَّاتِ الْقَصَوَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَّاتِ الْقَصَوَاءِ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلَكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعْظَمُونَ فِيهَا حُرْمَاتِ اللَّهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهُمْ ثُمَّ جَزَّهَا فَوُثِّتَ فَعَدَلُ عَنْهُمْ حَتَّى تَرَلَّ بِأَفْصَى الْخُدَيْبِيَّةِ عَلَى ثَمَدٍ قَلِيلٍ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يَلْبِثْهُ النَّاسُ حَتَّى تَرَحُّوهُ وَشَكَّى إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْعَطَشُ فَانْتَرَعَ سَهْمًا مِنْ كَيْتَا نَبِيٍّ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهُ فِيهِ فَوَاللَّهِ مَا زَالَ يُجِيشُ لَهُمْ بِالرَّيِّ حَتَّى صَدَرُوا عَنْهُ فَبَيَّنَاهُمْ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخَزَاعِيُّ فِي نَفَرٍ مِنْ خَزَاعَةَ ثُمَّ آتَاهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ إِلَى أَنْ قَالَ إِذْ جَاءَ سَهْمُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ سَهْمٌ وَاللَّهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ النَّبِيِّ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلَكِنْ أَكْثَبَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللَّهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي أَكْثَبَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ سَهْمٌ وَعَلَى أَنْ لَا يَأْتِيَكِ مَنَارُ جُلٍّ وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا زِدْتَهُ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَّغَ مِنْ قِصَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا ضَرَابَةَ فَرَمُوا فَأَنْحَرُوا ثُمَّ اخْلِفُوا ثُمَّ جَاءَ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ فَانْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جَرَّاتٌ الْآيَةُ فَهِيَ هُنَّ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَرُدُّوهنَّ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرُدُّوا الصَّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَجَاءَ أَبُو بَصِيرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَارْسَلُوا فِي طَلَبِهِ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهُ إِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَا بِهِ حَتَّى إِذَا بَلَغَا ذَا الْحُلَيْفَةِ تَرَوْا نَارًا كَلُونِ مِنْ تَمَرٍ لَهُمْ فَقَالَ أَبُو بَصِيرٍ لِأَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللَّهِ إِنِّي لَا رَأْيَ سَيْفِكَ هَذَا يَا فَلَانُ جَيْدًا أَرْنِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ فَأَمَكْنَهُ مِنْهُ فَضَرَبَهُ حَتَّى يَرُدُّ وَفَرَّ الْآخَرُ مِنْهُ حَتَّى آتَى الْمَدِينَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعِدُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَى هَذَا دُعْرًا فَقَالَ قَتِيلٌ وَاللَّهِ صَاحِبِي وَإِنِّي لَمَقْتُولٌ فَجَاءَ أَبُو بَصِيرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَ أُمِّهِ مَسْعُورٌ حَزْبٌ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ عَرَفَ أَنَّهُ سَيَرُّهُ إِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتَّى آتَى سَيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَانْقَلَبْتُ أَبُو جَنْدَلٍ بْنُ سَهْمٍ فَلَحِقَ بِأَبِي بَصِيرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اسْلَمَ إِلَّا لَحِقَ بِأَبِي بَصِيرٍ حَتَّى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عَصَابَةٌ فَوَاللَّهِ مَا يَسْمَعُونَ بَعِيرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ إِلَى الشَّامِ إِلَّا اعْتَرَضُوا هَاهُنَا فَهَاتِلُوا هُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ فَارْسَلَتْ قُرَيْشٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَادِيَةً اللَّهُ وَالرَّحِمَ لَمَّا أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ فَمَنْ آتَاهُ فَهُوَ آمِنٌ فَارْسَلَتْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ - (رواه البخاري)

”اور حضرت مسور ابن مخرمہ اور حضرت مروان ابن حکم سے روایت ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حدیبیہ کے پہلے اپنے ایک ہزار کچھ سو صحابہؓ کو لے کر (مدینہ سے) روانہ ہوئے، جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے (جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں) تو ہدی (یعنی اپنی قرآنی کے جانور) کی گردن میں تلادہ باندھا اور اشعار کیا اور پھر ذوالحلیفہ (بی) سے عمرہ کے لئے احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب ثنیہ (یعنی اس گھاٹی پر) پہنچے جس طرف سے اہل مکہ پر اترا جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ کی اونٹنی (جس کا نام قصواء تھا) آپ ﷺ کو لے کر بیٹھ گئی، (جب) لوگوں نے (یہ دیکھا تو) کہنا شروع کیا کہ ”حل حل“ (یہ لفظ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہا جاتا تھا) قصواء اڑ گئی قصواء اڑ گئی۔“ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”نہیں! قصواء نے اڑ نہیں کی ہے اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے، بلکہ اس کو اس ذات (اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔“ اور پھر فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قریش مجھ سے ایسی جو بات بھی چاہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ (کے حرم) کی عظمت ہو تو میں ان کی اس بات کو پورا کروں گا یعنی آج مکہ کے لوگ صلح کے وقت ایسی جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرم مکہ کی عظمت کا لحاظ ہو تو میں اس کو پورا کروں گا۔“ پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھایا جو فوراً اٹھ گئی اور آپ ﷺ اہل مکہ کا راستہ چھوڑ کر دوسری سمت کو چلنے لگے تا آنکہ حدیبیہ کے آخری کنارہ پر پہنچ کر جہاں (ایک گڑھا میں) تھوڑا سا پانی تھا اتر گئے (اور وہاں بڑا ڈوڑال دیا) لوگوں نے اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا سا پانی لے کر کھاتے استعمال کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ذرا ہی ذریعہ میں سارے پانی کو کھینچ ڈالا (یعنی اس گڑھے میں پانی چونکہ بہت تھوڑا تھا اس لئے لوگوں کے کم سے کم مقدار لینے کا باوجود وہ پانی بہت جلد ختم ہو گیا) لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ تیر کو کو پانی کے (اس گڑھے) میں

ڈال دیا جائے۔ اور پھر (راوی کہتے ہیں کہ) خدا کی قسم! (اس تیر کی برکت سے) ان لوگوں کو سیراب کرنے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا پانی (گویا) سوچیں مارتا رہا تا آنکہ سب اس پانی پر سے ہٹ گئے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے میں اتنا زیادہ پانی پیدا فرمایا کہ سب لوگوں کی ضرورتیں نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں بلکہ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو اس وقت بھی پانی باقی رہا) بہر حال صحابہؓ اسی حالت میں تھے کہ اچانک بدیل ابن ورقاء خزاعی، خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ (کفار مکہ کی طرف سے مصالحت کے لئے) آیا، پھر عروہ ابن مسعود بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد بخاری نے (وہ طویل گفت و شنید نقل کی، جو آنحضرت ﷺ اور بدیل و عروہ کے درمیان ہوئی، جس کو صاحب مصابیح نے اختصار کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا اور پھر یہ) بیان کیا کہ آخر کار جب سہیل ابن عمرو (اہل مکہ کا آخری سفیر اور نمائندہ بن کر) آیا تو نبی کریم ﷺ نے (حضرت علیؓ) سے فرمایا کہ، لکھو۔ ”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔“ سہیل نے (یہ الفاظ دیکھ کر) کہا کہ ”بخدا! اگر ہم یہ مانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو نہ ہم نہیں خانہ کعبہ (میں جانے) سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہذا یوں لکھو کہ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر) محمد ابن عبد اللہ (نے صلح کی ہے)۔“ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو (خیر میں مصالحت کی خاطر الفاظ میں تمہاری اس ترمیم کو تسلیم کئے لیتا ہوں) علیؓ اتم محمد ابن عبد اللہ ہی لکھ دو۔“ پھر سہیل نے یہ کہا کہ ”اور اس معاہدہ صلح میں اس بات کو بھی تسلیم کرو کہ (تم میں سے جو شخص ہمارے ہاں آجائے گا ہم تو اس کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن) ہم میں سے جو شخص تمہارے ہاں چلا جائے گا اگرچہ وہ تمہارے دین کو قبول کر چکا ہو اس کو تم ہمارے ہاں واپس کر دو گے۔“ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی قبول کر لیا، اس موقع پر بھی واقعہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی صاحب مصابیح نے اسی معاہدہ سے متعلق بخاری کی بیان کردہ ساری تفصیل کو نقل نہیں کیا ہے یا یہ بخاری کا کوئی اور روایت ہے جس میں صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے) بہر حال جب آنحضرت ﷺ (یا حضرت علیؓ) صلح نامہ لکھے جانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ ”اٹھو جاؤ، اب (ہدی کے جانوروں کو) ذبح کر ڈالو اور پھر سر منڈواؤ۔“ اس کے بعد (مکہ سے) کئی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جَرَّاتٍ الْخ - (المائدہ ۶۰: ۱۰)

”اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اے۔“

لہذا اللہ تعالیٰ نے (اس آیت کے ذریعہ) مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ ان عورتوں کو (کفار مکہ کے ہاں) واپس کر دیں اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ان کا ہرواپس کر دیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے (کچھ دنوں بعد) قریش کے ایک شخص ابوبصیر جو مسلمان ہو گئے تھے (مکہ سے نکل کر) آنحضرت کے پاس آئے، قریش مکہ نے دو آدمیوں کو ان کی تلاش میں (مدینہ) بھیجا، آنحضرت ﷺ نے (معاہدہ صلح کے مطابق) ابوبصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا، وہ دونوں آدمی ابوبصیرؓ کو لے کر (مکہ) روانہ ہوئے اور جب (پہلی منزل) ذوالخلفہ میں قیام کیا اور ان کے پاس جو کھجوریں تھیں ان کو کھانے لگے تو ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ ”خدا کی قسم، اے فلاں شخص! میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ تلوار (بہت اچھی ہے) اذرا مجھے تو دکھلاؤ میں بھی اس کو دیکھوں، اس شخص نے ابوبصیرؓ کو وہ تلوار دیکھنے کا موقع دے دیا یعنی (اس نے اپنی تلوار ابوبصیرؓ کے ہاتھ دے دی، بس اتنا موقع کافی تھا) ابوبصیرؓ نے اس پر (اس تلوار سے اتنا بھرپور) وار کیا کہ وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا (یعنی مر گیا) اور دوسرا شخص (یہ دیکھتے ہی وہاں سے) بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ مدینہ میں (واپس آ گیا اور اپنے قتل کے خوف سے) دوڑتا ہوا مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا رسول کریم ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ ”یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔“ اس شخص نے کہا کہ (جی ہاں) خدا کی قسم میرا ساتھی تو مارا گیا اور میرے بھی مارے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے (یعنی مجھ پر خوف سوار ہے کہ میں بھی مارا جاؤں گا یا میں بس بچ ہی گیا ورنہ میں بھی مارا جاتا) پھر ابوبصیرؓ بھی آ گئے، نبی کریم ﷺ نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا کہ، افسوس ہے اس کی ماں پر! (یعنی تعجب و حیرت کا مقام ہے) یہ ابوبصیرؓ تو لڑائی

کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا، تو وہ اس کی مدد کرتا۔“ جب ابوبصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ مجھے (پھر) کافروں کے پاس واپس بھیج دیں گے چنانچہ ابوبصیرؓ (دوبارہ کافروں کے حوالے کئے جانے کے خوف سے روپوش ہونے کے لئے) مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک علاقہ میں پہنچ گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ ابوجندلؓ ابن سہیل بھی کفار کے قبضے سے نکل بھاگے اور ابوبصیرؓ سے آکر مل گئے اور پھر تو یہ حال ہوا کہ (مکہ میں) جو بھی شخص اسلام قبول کر کے قریش کے قبضہ سے نکل بھاگتا وہ ابوبصیرؓ سے جاملتا یہاں تک کہ (چند ہی روز میں ابوبصیرؓ کے پاس) قریش سے چھوٹ کر آنے والوں کا ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا، اور خدا کی قسم! جب بھی یہ لوگ سنتے کہ قریش کا کوئی قافلہ (تجارت وغیرہ کے لئے) شام کی طرف روانہ ہوا ہے، وہ اس کا پیچھا کرتے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سارا مال و اسباب لے لیتے آخر کار (جب ان لوگوں کی وجہ سے) قریش (کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو انکو احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک انتہائی غیر معقول شرط منوا کر کتنی بڑی نادانی کی ہے اور اس کی خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑ رہا ہے لہذا انہوں نے کسی شخص کو (پانسفیرو نمائندہ بنا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کی قسم دلائی، اور (اس) قرابت کے حق کا واسطہ دیا (جوان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھی اور یہ التجا کی کہ آپ کسی نہ کسی طرح صرف اتنا کرم ضرور کر دیں کہ اپنے کسی آدمی کو ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیج کر یہ حکم دیں کہ وہ مدینہ میں آجائیں اور ہمارے کسی قافلہ کے ساتھ تعرض نہ کریں) اور جب آپ ان کو یہ حکم بھیج دیں (اور وہ لوگ آپ کے پاس چلے آئیں) تو پھر (ہم اہل مکہ میں سے) جو بھی شخص (مسلمان ہو کر) آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا (یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ہمارے پاس) واپس بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ نیز انہوں نے کہا کہ آپ ابوبصیرؓ کو ان کے طریقہ کار سے روک دیں ہم معاہدہ صلح کی اس شرط سے باز آئے) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا (جس کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور میرے پاس چلے آئیں)۔ (بخاری)

تشریح: ”حدیبیہ“ مکہ مکرمہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ کا نام ہے یہیں جبل الشمیسی نامی ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے اب اس کو شمیسیہ بھی کہتے ہیں، حدود حرم یہاں سے بھی گزرتے ہیں بلکہ اس جگہ کا اکثر حرم ہی میں داخل ہے۔

”ایک ہزار کچھ سو صحابہ الخ“ میں ”بضع“ کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔ یہاں تعداد کو متعین کی بجائے مبہم اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کی جو تعداد آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھی اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے بعض میں پندرہ سو اور بعض روایتوں میں ”ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ“ کے الفاظ بھی ہیں۔ علماء نے ان روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی ہے کہ ابتداء میں تو آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن بعد میں مختلف مراحل پر اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ جس راوی نے سو سے پہلے شمار کیا اس نے چودہ سو کی تعداد دہائی اور پھر بعد میں جن لوگوں کا اضافہ ہوا اس نے ان کو نہیں دیکھا لہذا اس نے اپنی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی لیکن جس راوی نے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی تعداد کا ذکر کیا اور جس راوی نے تعداد کی تعین و تحقیق نہیں کی اس نے اپنی روایت میں ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ“ کو بیان کیا۔

”ذبح کر ڈالو اور پھر منڈاؤ“ احصار یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد اس حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیئے جانے کی صورت میں یہی حکم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس حج یا عمرہ سے روک دیا گیا ہو جس کو ”محصر“ کہتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہدی کو اسی جگہ ذبح کر ڈالے جہاں وہ روک دیا ہے اگرچہ وہ جگہ حدود حرم میں واقع نہ ہو وہ اپنے

قول کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حدیبیہ میں ہدی کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ حدیبیہ حدود حرم میں نہیں ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدی کا چونکہ حدود حرم میں ذبح ہونا شرط ہے اس لئے ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ کا سارا علاقہ حدود حرم سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کا بعض حصہ بلکہ اکثر حدود حرم میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہدی اسی حصے میں ذبح کی گئی تھی جو حدود حرم میں ہے۔

”ان کا مہر واپس کر دیں“ اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان مسلمان عورتوں کے کافر خاوند ان کو لینے کے لئے آئیں اور وہ ان کے مہر ادا کر چکے ہوں تو وہ مہر ان کو واپس کر دیا جائے۔ تفسیر مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کو واپس کر دینے کا یہ حکم اسی موقع کے لئے مخصوص تھا پھر میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ معاہدہ صلح کی یہ شرط کہ ”مکہ سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر آئے تو اس کو کفار مکہ کے حوالے کرنا ضروری ہوگا۔“ صرف مردوں سے متعلق تھی اسی لئے جب مکہ کی یہ عورتیں مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ صلح نامہ میں صرف مردوں کو واپس کرنا طے پایا تھا نہ کہ عورتوں کو بھی، اس لئے ان عورتوں کو جو اپنے آپ کو بڑی آزمائش اور سخت ابتلاء میں ڈال کی آئی ہیں واپس نہ کیا جائے

”اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا الخ“ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہوا، اور ایک مطلب یہ کہ ”کاش! اس وقت کوئی خیر خواہ البصیرؓ کے پاس ہوتا جو اس کو یہ بتا دیتا کہ وہ اب میرے پاس نہ آئے تاکہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کر دوں۔“ حدیث کے سیاق کے مطابق یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

”جب البصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی الخ“ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”یہ البصیرؓ تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے۔“ تو وہ سمجھ گئے کہ یہاں مدینہ میں مجھے پناہ نہیں ملے گی بلکہ مجھے دوبارہ کفار کے حوالے کر دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صریح اس طرف اشارہ کر رہا تھا کہ آپ ﷺ ہر حالت میں صلح کی پابندی کریں گے اور نہ تو البصیرؓ کو اپنے پاس رکھیں گے اور نہ ان کی کوئی مدد کریں گے۔

حضرت ابو جندلؓ اسی سہیل کے بیٹے تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کا سفیر اور نمائندہ بن کر آیا اور جس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا) حضرت ابو جندلؓ مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے جس کے نتیجے میں ان کے باپ سہیل نے ان کو قید کر دیا تھا چنانچہ پہلے تو وہ کسی نہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ گئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدہ صلح کی مذکورہ شرط کے مطابق انہیں تسلی، دلا سے کے ذریعہ سمجھا بھگا کر اور بڑی بحث و تکرار کے بعد مکہ واپس کر دیا تھا مگر پھر دوبارہ وہ مکہ سے بھاگ نکلے، اور البصیرؓ سے آکر مل گئے۔

صلح حدیبیہ کی تین خاص شرطیں

② وَعَنِ النَّبِیِّ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَلَّحَ النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلَى أَنْ مَنْ آتَاهُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ رَدَّهَ إِلَيْهِمْ وَمَنْ آتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرْدُوهُ وَعَلَى أَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيَقِيمُوا بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلْبَانِ السَّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهِمْ فَجَاءَ أَبُو جَنْدَلٍ يَحْجُلُ فِي قَبِيضِهِمْ فَرَدَّهَ إِلَيْهِمْ۔

(مشق علیہ)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن تین باتوں پر صلح کی تھی۔ اول تو یہ کہ (مکہ کے) مشرکین میں سے جو شخص (مسلمان ہو کر) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے گا آنحضرت ﷺ اس کو مشرکین کے پاس واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو

شخص مشرکین کے پاس آئے گا اس کو مشرکین واپس نہیں کریں گے، دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ (حج و عمرہ کے لئے اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ) آئندہ سال مکہ آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور سوم یہ کہ (آئندہ سال) مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیار، تلوار، کمان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں غلاف میں رکھ کر لائیں۔ اس موقع پر ابو جندل آنحضرت ﷺ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہ کود کود کر چل رہے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: جلدان چمڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ جب لوگ سفر کرتے تو نیام سمیت تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ اس میں رکھ کر گھوڑے کی زین کے پچھلے حصہ میں لٹکادیتے تھے۔ یہاں جلدان یعنی غلاف میں ہتھیاروں کو رکھ کر لانے کی شرط سے مشرکین کی مراد یہ تھی کہ جب آئندہ سال مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ہتھیار ننگے کھلے لے کر شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ ان کو نیام وغیرہ میں رکھیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کے غلبہ، ان کی طاقت کی فوقیت و برتری اور ان کے جنگی ارادوں کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ابو جندلؓ ابن سہیل جن کے بارے میں پچھلی حدیث کے ضمن میں بھی بیان کیا جا چکا ہے، مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن دنوں صلح حدیبیہ ہوئی ہے وہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے، چنانچہ وہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کے پاس حدیبیہ پہنچے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدہ صلح کے پیش نظر ان کو مشرکین کے حوالے کر دیا اور انہیں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو جندل! صبر و استقامت کی راہ اختیار کرو اور آخرت کے اجر و ثواب کی امید رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی اور دوسرے ضعیف و بے بس لوگوں کے لئے بھی (جلد ہی) خلاصی و نجات اور شادمانی کے سامان پیدا کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اہل مکہ کی ان شرائط کو قبول کرنا جو بظاہر مسلمانوں کے لئے سوبان روح اور ان کی ملی جمیعت و وقار کے منافی تھیں، اس وجہ سے تھا کہ ایک تو اس وقت مسلمان بہر حال کمزور و خستہ حال تھے اور ان میں اتنی مادی طاقت اور ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جن کے ذریعہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر پاتے، دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ سے کسی جنگ کے ارادے سے نہیں چلے تھے بلکہ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اس کے لئے احرام بھی باندھ چکے تھے، ادھر حدود حرم کی عظمت اور ان کے شرعی تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری تھا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں تھیں جو آپ ﷺ کے پیش نظر تھیں۔ چنانچہ انجام کار اس معاہدہ صلح کے بہت زیادہ فائدے ظاہر ہوئے کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے ایسے مواقع میسر آئے جنہوں نے دور دراز تک کی فضا کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا اور اسلام کی آواز حق چارواں گ عالم میں پھیل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عظیم عطا فرمائی، وہاں کے لوگوں کو اسلام کے دامن میں پہنچا دیا، اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کی پیش کردہ شرائط پر معاہدہ صلح کر کے اپنے جذبہ امن پسندی و انسانیت نوازی ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت و بالغ نظری اور دور اندیشی کا نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر حقیقت میں منشاء خداوندی اور حکم الہی کی فرمانبرداری کی اور کمال عبودیت کا اظہار کیا۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشْتَرَطُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَنْ جَاءَ نَا مِنْكُمْ لَمْ نَزِدْهُ عَلَيْكُمْ وَمَنْ جَاءَ كُمْ مَنَّا زِدْهُمْ عَلَيْنَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَكْتُبُ هَذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ وَمَنْ جَاءَ نَا مِنْهُمْ سَبَّحَ اللَّهُ لَهُ فَرَجَا وَمَخْرَجًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (مکہ کے) قریش نے نبی کریم ﷺ سے مصالحت کی۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ شرط منوائی کہ آپ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے ہم اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے آپ (ﷺ) اس کو ہمارے پاس واپس کر دیں گے۔ صحابہؓ نے (اس شرط کو اپنی ملی حیثیت و وقار کے منافی اور اصول مصالحت کے تقاضوں سے بعید جان کر)

عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ (ﷺ) کیا ہم ان شرائط کو لکھ دیں یعنی کیا یہ شرائط آپ تسلیم کرتے ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا، تو ظاہر ہے کہ وہ مرتد ہو کر بھاگے گا اس اعتبار سے (وہ ایک ایسا شخص ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو گا، اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا (اس کو اگرچہ اس وقت ہم واپس کر دینے پر مجبور ہوں گے لیکن آخر کار) اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کے لئے شادمانی و کشادگی اور خلاصی و نجات کے سامان پیدا کر دے گا۔“ (مسلم)

عورتوں کی بیعت

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهَذِهِ الْآيَةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ فَمَنْ أَقَرَّتْ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَايَعْتُكَ كَلَّا مَا يَكْلُمُهَا بِهِ وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدًا مَرَّةً قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان عورتوں کو (جو مکہ سے آئیں اور قبولیت اسلام کا اظہار کرتیں) اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے یا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ اے نبی! جب مومن عورتیں آپ (ﷺ) کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوں اچ۔ چنانچہ ان میں سے جو عورت اس آیت میں مذکورہ شرائط کو ماننے کا اقرار کرتی آپ اس سے فرماتے کہ ”میں نے تم کو بیعت کیا۔“ ذرا آنحالیکہ آپ گفتگو کرتے اور عورت سے یہ بات فرماتے مگر خدا کی قسم! کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت کو بیعت کیا ہو اور اس کے ہاتھ کو آپ ﷺ کے ہاتھ نے چھوا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔“ یعنی اس آیت میں عورتوں کے لئے جن احکام کی پابندی کو بیعت کی شرط قرار دیا گیا ہے آپ ﷺ ان عورتوں سے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کرتے جن وہ عہد و اقرار کرتیں تو آپ ﷺ ان کو بیعت کرتے چنانچہ اس پوری آیت کا مفہوم و مضمون یہ ہے کہ مسلمان عورتیں ان شرائط پر (یعنی ان احکام پر عمل کرنے کی) بیعت کریں کہ وہ (عورتیں) کسی ذات اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانیں گی (یعنی ہر طرح کے شرک سے کلیہ اجتناب کریں گی) چوری نہیں کریں گی، زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (جیسا کہ زنا نہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بیٹیوں کو مار ڈالا جاتا تھا) کسی پر تہمت نہیں لگائیں گی اور عصیان نہیں کریں گی (یعنی خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کریں گی، اس اعتبار سے یہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر و وضاحت ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکی ہے یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ الْخ۔

حدیث کے آخری جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بیعت، ہاتھ میں ہاتھ لے کر یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لی جاتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے یعنی ان سے یہ فرماتے تھے کہ ”میں نے تمہاری بیعت قبول کی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ عورتوں سے بیعت لینے کا جو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ مرید کرتے وقت کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور وہ عورت بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتی ہے، یا بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ کسی کپڑے کا ایک آٹھل اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دوسرا آٹھل عورت پکڑ لیتی ہے، تو اس طرح کے تکلفات کی ضرورت نہیں بلکہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا افضل و احسن ہے۔

مؤلف کتاب نے بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں ”باب الصلح“ میں اس لئے نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا صحابہؓ سے بیعت لینے کا مرحلہ بھی آیا تھا جو ”بیعت الرضوان“ کے نام سے مشہور ہے اور جس کو قرآن کریم نے بھی اس آیت لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ الْخ میں بیان کیا ہے اسی مناسبت سے عورتوں کی بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت نہیں لی گئی تھی۔

الفصل الثانی

معاہدہ حدیبیہ کی کچھ اور دفعات

⑤ عَنْ الْمَسُورِ وَمَرْوَانَ أَنَّهُمَا أَضْطَلَّخُوا عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ يَأْمَنُ فِيهِنَّ النَّاسُ وَعَلَى أَنَّ يَبْنِيَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً وَأَنَّهُ لَا إِسْلَاحَ وَلَا إِغْلَاحَ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت مسورؓ اور حضرت مردانؓ سے روایت ہے، کہ قریش مکہ نے (حدیبیہ میں) جن باتوں پر مصالحت کی تھی ان میں سے ایک بات (یہ) بھی تھی کہ دس سال تک (فریقین کے درمیان) کوئی جنگ نہیں ہوگی تاکہ ان دنوں میں لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں۔ یہ بات بھی معاہدہ صلح میں شامل تھی کہ ہمارے درمیان بندھی ہوئی گٹھری رہے اور یہ کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے اپنے سینوں کو مکرو فریب، کینہ و عداوت اور شرو و فساد سے پاک رکھیں اور صلح و وفا کا ہر وقت خیال رکھیں۔

”نہ چھپی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت“ کا مطلب یہ تھا کہ ہر فریق اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کا کوئی فرد دوسرے فریق کے کسی فرد کا کوئی مال اور اس کی کوئی چیز نہ تو چوری چھپی، ہتھیائے اور نہ کھلا غصب کرے۔

غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے والوں کے خلاف آنحضرت ﷺ کا انتباہ

⑥ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَهْبَاءٍ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ آبَائِهِمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ نَقَضَ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طَيْبِ نَفْسٍ فَإِنَّا حَاجِبِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت صفوان ابن سلیمؓ رسول کریم ﷺ کے کچھ صحابہؓ کے صاحبزادوں سے، وہ (صاحبزادے) اپنے (صحابی) باپوں سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”یاد رکھو“ جس شخص نے اس (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے (جیسے ذمی اور مستامن) یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا، یا اس پر اس کی طاقت و استطاعت سے زیادہ بار ڈالا (جیسے کسی ذمی سے اس کی حیثیت و استطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مستامن سے جو دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا) اور یا اس کی مرضی و خوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا۔“ (ابوداؤد)

عورتوں کی اجتماعی بیعت کا مسنون طریقہ

⑦ وَعَنْ أُمِّئِمَّةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَطَقْتُمْ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَايِمًا بِنَفْسِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايَعْتَا تَعْنِي صَافِحَتَا قَالَ إِنَّمَا قَوْلِي لِمَا نَأْتِيهِ كَقَوْلِي لَامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ رَوَاهُ -

”اور حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کچھ عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کی (یعنی ہم چند عورتوں نے اجتماعی طور پر آپ سے بیعت کی) چنانچہ (اس وقت) آپ نے ہم سے فرمایا کہ (اے خواتین! میں نے تمہیں اسی چیز پر بیعت کیا ہے) جس (پر عمل کرنے) کی تم طاقت و استطاعت رکھتی ہو (یعنی آنحضرت ﷺ نے ازراہ شفقت ان عورتوں کی بیعت کو انکی عملی استطاعت و ہمت

تک محدود رکھا۔“ میں نے کہا کہ (پیشک) اپنی ذات پر ہم خود مہربان اور رحم دل ہو سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہمارے حق میں اللہ اور اس کا رسول رحم کرنے والے ہیں اور پھر میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہمیں بیعت کر لیجئے۔“ اس بات سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم سے مصافحہ کیجئے یعنی بیعت کرتے وقت ہمارا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑیئے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”میرا سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت سے کہہ دینے کی طرح ہے، یعنی اول تو عورتوں کو بیعت کرتے وقت صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے تمہیں بیعت کیا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر کچھ عورتیں اجتماعی طور پر بیعت ہو رہی ہوں تو زبان سے یہ کہنے کے لئے بھی الگ الگ ہر عورت سے مخاطب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف ایک عورت سے کہہ دینا سب عورتوں کے لئے کافی ہے۔“

تشریح: مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے ماخذ کی تحقیق نہیں ہو سکی ہے، لیکن حاشیہ میں بعض شارحین نے یہ عبارت لکھ دی ہے کہ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ ومالك في الموطأ كلهم من حديث محمد بن المنكدر انه سمع من ائمة الحديث وقال الترمذی حدیث حسن ضعیف لا یعرف الا من حدیث ابن المنکدر۔

الفصل الثالث

معادہ حدیبیہ کی کتابت آنحضرت ﷺ کے قلم سے

⑧ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدْخُلُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتَّى قَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يَدْخُلَ يُعْنَى مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ يُقِيمُ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوا هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَقَالُوا لَا نَقْرُبُهَا فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا مَنَعْنَاكَ وَلَكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَمَحُوكَ أَمْ لَا قَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَمَحُوكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسَّلَاحِ إِلَّا السَّيْفُ فِي الْقِرَابِ وَأَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَّبِعَهُ وَأَنْ لَا يَمْنَعَ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلَ اتَّوَاعِلِيًّا فَقَالُوا أَفَلَا لَصَاحِبِكَ أَخْرَجَ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْأَجَلَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق عليه)

”حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ماہ ذی قعدہ (سن ۶ ہجری) میں عمرہ کے لئے (مدینہ سے) تشریف لے گئے مگر اہل مکہ نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیں (یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو مکہ میں آنے سے روک دیا) تاکہ آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کر لی کہ آپ ﷺ (آئندہ سال) مکہ میں آئیں اور اس وقت بھی (صرف) تین دن مکہ میں قیام کریں، چنانچہ جب صلح نامہ لکھا گیا تو (آنحضرت ﷺ کی طرف سے) صحابہؓ نے (آنحضرت ﷺ کا ام گرامی اس طرح لکھا کہ ”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے اہل مکہ نے (یہ الفاظ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ سے کہا ”ہم تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اگر ہمارا علم یہ ہوتا (یعنی ہمیں اس پر اعتقاد ہوتا) کہ تم اللہ کے رسول ہو تو ہم تمہیں (مکہ میں داخل ہونے سے) روکتے ہی کیوں، البتہ (ہم تو صرف اتنا ماننے ہیں کہ) تم محمد ہو جو عبد اللہ کے بیٹے ہیں، لہذا اس صلح نامہ میں محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں (یہ محض تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ تم خوب جانتے ہو میری یہ دونوں صفیں یعنی اللہ کا رسول ہونا اور محمد ابن عبد اللہ ہونا آپس میں اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتیں، لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ) نول کو ذکر کیا جائے یا ایک

ہی کو ذکر کر دیا جائے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا (جو صلح نامہ لکھ رہے تھے) کہ ”رسول اللہ لفظ کو ہٹا دو۔“ حضرت علیؓ نے کہا کہ ”خدا کی قسم! میں تو آپ کا نام کبھی بھی نہیں مٹا سکتا۔“ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے (حضرت علیؓ کے ہاتھ سے وہ صلح نامہ) لے لیا اور باوجودیکہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ ﷺ نے (رسول اللہ کا لفظ مٹا کر) یہ لکھا کہ ”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبد اللہ نے مصالحت کی ہے (اور اس معاہدہ میں یہ شرطیں تھیں) کہ وہ (آنحضرت ﷺ اور صحابہ) مکہ میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے الا یہ کہ ان کی تلواریں نیاموں میں ہوں، اور یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو مکہ سے جانے نہیں دیا جائے گا (یعنی جب آپ ﷺ مکہ میں آئیں اور پھر واپس جانے لگیں تو اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں) اور یہ کہ اگر آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی شخص مکہ میں ٹھہر جانے کا ارادہ کرے تو آپ ﷺ اس کو (مکہ میں ٹھہرنے سے) منع نہیں کریں گے۔“ چنانچہ جب (اگلے سال) آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور (مکہ میں ٹھہرنے کی تین دن کی) اودھ مدت (جو معاہدہ صلح میں طے پائی تھی) گزر گئی (یعنی تین دن پورے ہونے کو ہوئے) تو اہل مکہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ”تم اپنے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) سے کہو کہ (طے شدہ مدت پوری ہو گئی ہے اب ہمارے شہر سے چلے جاؤ۔“ چنانچہ نبی کریم ﷺ مکہ سے روانہ ہو گئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت علیؓ نے رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے جو انکار کیا گویا وہ یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم بطریق وجوب نہیں ہے ورنہ وہ ہرگز انکار نہ کرتے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ انکار نہیں تھا بلکہ عین اتباع کے درجہ کی چیز تھی کیونکہ اس انکار کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے تئیں وہ غایت محبت اور انتہائی عقیدت تھی جو حضرت علیؓ کا واحد سرمایہ روح و جان بھی تھی اور ان کی کائنات تسلیم و رضا بھی، آخر وہ کس دل سے یہ گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس سب سے بڑی حقیقت کو مٹا دیں جس کو صفحہ قرطاس پر انہی کے قلم نے الفاظ کی صورت میں مرتسم کیا تھا اور جس کی ابدی سچائی کو دنیا بھر کے قلب و ذہن میں راسخ کرنا ہی ان کا حاصل ایمان بھی تھا اور مقصد حیات بھی۔

یہ بات علماء کے درمیان اختلافی نوعیت کی ہے کہ اس صلح نامہ کو آنحضرت ﷺ نے خود لکھا تھا جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ صلح نامہ آنحضرت ﷺ نے خود قطعاً نہیں لکھا تھا اور نہ آپ ﷺ لکھ ہی سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ”امی“ فرمایا ہے اور امی وہی شخص ہوتا ہے جو نہ لکھ سکے اور نہ پڑھ سکے۔ جب کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اس صلح نامہ کو لکھنا ایک حقیقت ہے کیونکہ اگرچہ آپ کو نبی امی فرمایا گیا ہے لیکن جب آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات ختم ہو گئے اور آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے پر قادر کر دیا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کا لکھنا بطریق معجزہ کے تھا۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم ان حضرات کی دلیل ہے۔

لیکن اول الذکر حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ”آپ نے لکھا“ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم دیا اور یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بادشاہ نے فلاں شہر کو تعمیر کیا۔ ظاہر ہے اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شہر کو تعمیر کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس شہر کو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

بَابُ اخْرَاجِ الْيَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان

”جزیرہ“ اصل میں زمین و خشکی کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو اور ”جزیرۃ العرب“ اس

علاقے کو کہتے ہیں جس کو بحر ہند، بحر شام اور جلد و فرات نے گھیر رکھا ہے، یاد دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ”جزیرۃ العرب“ کا اطلاق عرب دنیا کے اس خطہ ارض پر ہوتا ہے جو لبانی میں عدن سے شام کی سرحد تک اور چوڑائی میں جدہ سے ریف عراق تک پر مشتمل ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جَنَانَيْتَ الْمَدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ اسْلِمُوا تَسْلَمُوا اَعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَجْلِبَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِغْهُ - (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ (اپنے حجرہ مبارکہ سے) برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ”یہودیوں کے پاس چلو۔“ چنانچہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہودیوں کے مدرسہ میں پہنچے، نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”اے جماعت یہودیہ تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تاکہ (دنیا کی پریشانیوں اور آخرت کے عذاب سے) سلامتی پاؤ! تمہیں جان لینا چاہئے کہ زمین خدا اور اس کے رسول کی ہے (یعنی اس زمین کا خالق و مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اس کا نائب و خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس زمین پر متصرف و حکمران ہے) لہذا (اگر تم مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہو تو پھر) سن لو کہ (میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو اس زمین (یعنی جزیرۃ العرب) سے جلا وطن کر دوں، پس تم میں سے کوئی شخص اپنے مال و اسباب میں سے (کوئی ایسی) چیز رکھتا ہو (جس کو اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو جیسے جائیداد وغیرہ منقولہ وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے فروخت کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ عُمَرُ خَطِيبًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامِلَ يَهُودَ خَيْرَ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نَفَرُكُمْ مَا أَفَرُّكُمْ اللَّهُ وَقَدْ رَأَيْتُ إِجْلَانَهُمْ فَلَمَّا أَجْمَعَ عُمَرُ عَلَى ذَلِكَ آتَاهُ أَحَدُ بَنِي أَبِي الْحَقِيقِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اتَّخَرْنَا وَجْهًا وَقَدْ أَفَرْنَا مُحَمَّدًا وَعَا مَلْنَا عَلَى الْأَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ أَطْنَنْتُ أَتَى نَسِيتُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بَكَ إِذَا أُخْرِجْتَ مِنْ خَيْرٍ تَعْدُو بِكَ قُلُوبُكَ لِنَلَّةٍ بَعْدَ لِنَلَةٍ فَقَالَ هَذِهِ كَانَتْ هُرَيْرَةُ مِنْ أَبِي الْقَاسِمِ فَقَالَ كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ فَاجْلَاهُمْ عُمَرُ وَأَعْطَاهُمْ قِيمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَابِلًا وَغُرُوضًا مِنْ أَقْنَابٍ وَجِبَالٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور (اس خطبہ میں) فرمایا کہ ”(تم سب جانتے ہو گے کہ) رسول کریم ﷺ نے خیر کے یہودیوں سے انکے مال و جائیداد سے متعلق ایک معاملہ طے فرمایا تھا (اور وہ یہ کہ ان یہودیوں کو خیر ہی میں رہنے دیا جائے گا نیز ان کے کھجوروں کے باغات اور کھیت کھلیان کو بھی انہی کی تحویل و ملکیت میں باقی رکھا جائے گا البتہ ان کی پیداوار اور آمدنی میں سے آدھا حصہ لیا جایا کرے گا اور آنحضرت ﷺ نے ان پر اسی طرح جزیرہ بھی مقرر کیا تھا) اور آپ نے (اسی وقت) ان یہودیوں سے فرمایا تھا کہ ہم تمہیں (خیر میں) اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہنے دے گا (یعنی تم لوگ اس وقت تک خیر میں مقیم رہنے کے حقدار ہو گے جب تک کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تم کو جلا وطن کر دینے کا حکم نہ دے دے) لہذا (حضرت عمرؓ نے کہا کہ) اب میں ان کو جلا وطن کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔“

پھر جب حضرت عمرؓ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ ان کو جلا وطن کر دیا جائے (تو ان یہودیوں کے) قبیلہ بنی ابی الحقیق کا ایک شخص (جو اپنی قوم کا بڑا بوجھ و سارا تھا) حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! کیا آپ ہمیں جلا وطن کر رہے ہیں حالانکہ محمد ﷺ نے ہمیں

(خیبر میں) رہنے دیا تھا، اور ہمارے مال و اسباب سے متعلق ہم سے ایک معاملہ بھی طے کیا تھا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ میں رسول کریم ﷺ کی (یہ) بات بھول گیا ہوں (جو آپ ﷺ نے تم کو مخاطب کر کے کہی تھی) کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور تو کیا کرے گا جب تجھ کو خیبر سے جلا وطن کر دیا جائے گا اور رات کے بعد رات میں تیری اونٹنی تیرے پیچھے دوڑ رہی ہوگی (گویا آنحضرت ﷺ نے تجھ کو اس آنے والے وقت سے ڈرایا تھا جب تجھ کو راتوں رات خیبر سے نکل جانا پڑے گا)“ اس شخص نے (یہ سن کر) کہا کہ ”یہ بات تو ابوالہقلم نے بطور مذاق کہی تھی۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اے خدا کے دشمن، تم جھوٹ کہتے ہو (آنحضرت ﷺ نے یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہی تھی بلکہ ازراہ معجزہ تمہیں ایک غیبی بات کی خبر دی تھی) اور پھر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کے پاس از قسم میوہ جو کچھ تھا جیسے کھجوریں وغیرہ ان کی قیمت میں ان کو مال، اونٹ اور اسباب جیسے رسیاں اور پالان وغیرہ دے دیئے۔ (بخاری)

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دینے کیلئے آنحضرت ﷺ کی وصیت

(۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَى بِثَلَاثَةِ قَالٍ أَخْرَجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَاجْتَنِبُوا الْوَلَدَ بَنَحْوِ مَا كُنْتُ أَجِيزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَ فَانْتَسَبَتْهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (وفات کے وقت) تین باتوں کی وصیت کی چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ ”مشرکوں کو جزیرۃ عرب (یعنی مکہ اور مدینہ سے باہر نکال دینا اور قاصدوں اور ایلچیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا) یعنی وہ جب تک تمہارے پاس رہیں ان کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا۔“ راوی کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے خاموشی اختیار کی، یا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیسری بات کو میں بھول گیا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ تیسری بات آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہو کر لاتخذ و اقبریٰ و ثنائی بعد یعنی میری قبر کو بت (کی طرح) نہ قرار دینا جس کی پوجا کی جائے۔“ اس ارشاد کو امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا میں نقل کیا ہے۔

جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی

(۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا أُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالتَّنَازِي مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدْعَ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَيْنٍ عَشْتُ أَنْ شَاءَ اللَّهُ لَا أُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالتَّنَازِي مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ۔

”اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ”میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمانوں کے سوا (جزیرہ عرب میں) کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔“ (مسلم)

اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے یوں فرمایا کہ ”اگر میری زندگی رہی تو میں انشاء اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا۔“

الفصل الثانی

لَيْسَ فِيهِ إِلَّا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَكُونُ قَبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ الْجَزِيرَةِ۔

(مصباح کی) دوسری فصل میں ابن عباسؓ کی صرف یہ ایک حدیث لا یكون قبلتان الخ تھی اور وہ جزیرہ کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

حجاز سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا

⑤ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى أَهْلِ خَيْبَرَ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ الْيَهُودَ مِنْهَا وَكَانَتْ الْأَرْضُ لَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فَسَأَلَ الْيَهُودَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتْرُكَهُمْ عَلَى أَنْ يَكْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ بِنِصْفِ الْقَمَرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرْتُكُمْ عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا فَأَقْبَرُوا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ فِي إِمَارَتِهِ إِلَى تَيْمَاءَ وَارْيَحَاءَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرزمین حجاز یعنی جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی کا کام حضرت عمر ابن خطابؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ (اس سے پہلے) جب رسول کریم ﷺ کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ (جس بھی) زمین پر (دین حق کو) غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے (کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں ہی کو حق تصرف و حکمرانی حاصل ہوتا ہے) لیکن یہودیوں نے رسول کریم ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان (یہودیوں کو) اس شرط پر (خیبر کی زمینوں پر قابض و متصرف) رہنے دیں کہ وہ محنت کریں (یعنی باغات کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وغیرہ کا سارا کام کریں گے) اور (ان سے پیدا ہونے والے) پھلوں کا آدھا حصہ آپ ﷺ کا ہو گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (ان کی یہ درخواست منظور کر لی لیکن یہ) فرمایا کہ ”تم تمہیں اس شرط پر (خیبر میں) اسی وقت رہنے دیں گے جب تک کہ ہم چاہیں گے“ اس کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سب کو تیماء اور اریحاء کی طرف جلا وطن کر دیا۔“ (بخاری، مسلم)

بَابُ الْفَنَى

فَنَى كَابِيَان

فنی کس کو کہتے ہیں؟: ”فنی“ اس مال کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہو، اس مال کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کا سب مسلمانوں کا حق ہے، اس میں سے نہ تو خمس نکالا جاتا ہے اور نہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب کوئی لشکر کسی جگہ سے مال فنی لے کر آتا تو اس پر آنحضرت ﷺ کو پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہتے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، اسی طرح جس کو چاہتے زیادہ دیتے اور جس کو چاہتے کم دیتے۔ اور جو مال جنگ کے ذریعہ کفار پر غالب آنے کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اس کو ”مال غنیمت“ کہتے ہیں۔ اس مال کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے اور پھر بقیہ کو مجاہدین کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پیادے کو ایک اور سوار کو دو حصے ملیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مال فنی کا مصرف

① عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ بْنِ الْحَدَّ ثَانٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

هَذَا الْفَنَىٰ بِشَيْءٍ لَّمْ يُعْطِهِ أَحَدٌ غَيْرُهُ ثُمَّ قَرَأَ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ إِلَىٰ قَوْلِهِ قَدْ بَيَّرَ فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِّرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَىٰ أَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَّتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيُجْعَلُهُ مَجْعَلًا مَّا لِلَّهِ - (شق علیہ)

”حضرت مالک ابن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے اس مال فنی کے سلسلے میں اپنے رسول ﷺ کو ایک خاص خصوصیت عطا کی تھی کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطا نہیں کی۔“ پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت ما افاء اللہ علی رسولہ منہم..... تا قدید پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا، جس میں سے آنحضرت ﷺ اپنے گھروالوں کے سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کئے جانے کی جگہیں ہیں (یعنی اس باقی مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے، نیز محتاج و مساکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مذکورہ آیت کریمہ سورہ شکر ہے جو پوری اس طرح ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

”اور جو کچھ (مال) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے دلویا ہے وہ رسول کے لئے مخصوص ہو گیا ہے) کیونکہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس کے حصول کے لئے کسی جنگ و جدال کی مشقت پر داشت نہیں کی ہے نہ سفر کی پریشانیاں جھیلی ہیں، بلکہ پیدل ہی چلے گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔“

اس آیت کریمہ کے ذریعہ گویا مسلمانوں پر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے مال و جائیداد کا جو مالک و متصرف بنایا ہے تو وہ مال اس طرح کا ہے جس کو تم نے جنگ و جدال کے ذریعہ ان (بنو نضیر) پر غلبہ پاکر اور دوردراز کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بلا کسی جدوجہد کے ہاتھ لگا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کر دینے کا حکم دیا گیا اور بنو نضیر نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں چون و چرا کی تو آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں بنو نضیر کے محلات، قلعے اور جائیدادیں تھیں۔ وہ جگہ چونکہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور سب ہی لوگ پیدل تھے، وہاں پہنچنے پر جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ کے محاصرہ کے بعد بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ جو کچھ سامان اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے اونٹوں پر لاد کر خیر کوروانہ ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان پر غلبہ و تسلط فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور دین کے علمبرداروں کو دشمنان دین پر غلبہ و تسلط عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی جائیداد وزمین وغیرہ جی آنحضرت ﷺ ضبط کر لی گئیں اور وہاں کا سارا مال (فنی) کے حکم میں ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے تصرف و اختیار میں آگیا۔ اسی لئے جب مسلمانوں نے اس مال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس مال کا یہ حکم بتایا گیا کہ اس طرح کا مال ”مال غنیمت“ کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تصرف و خرچ کا سارا اختیار صرف آنحضرت ﷺ کو ہے کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور جس کو چاہیں اس میں سے دیں۔ چنانچہ احادیث میں اس مال کے مصرف بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس مال میں سے اپنی بیویوں کو ان کا سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے اور پھر جو باقی بچتا اس کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کرتے اور جن فقراء و مساکین وغیرہ کو چاہتے ان کو دیتے۔

مال فنی کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا لیکن طہی نے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے کہ مال فنی میں چار قسم اور ایک قسم کے پانچویں حصے پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوتا تھا، یعنی وہ مال پچیس حصوں میں تقسیم ہو کر اکیس حصے تو آنحضرت ﷺ کے ذاتی تصرف و اختیار میں آتا اور باقی چار حصے آپ اپنے ذوی القربیٰ قریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فنی کے مصرف کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فنی اسلامی مملکت و خلافت کے سربراہ کا حق ہے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ مجاہدین و مقاتلین کا حق ہے کہ اس کو ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس مال کو عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کیا جائے۔

”سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے۔“ اس موقع پر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچ کس طرح جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر یا جمع کر کے رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور یہاں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کے اہل و عیال سے ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر خرچ کبھی کبھی دیتے تھے مستقل طور پر یہ معمول نہیں تھا تاہم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر کی ضروریات زندگی کی چیزیں مہیا کر کے رکھ لینا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

(۲) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُؤْجِبِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السَّلَاحِ وَالْكَرَاعِ عِدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ“ (یہود کے قبیلہ) بنو نضیر کا مال اس قسم کے مال میں سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کسی جدوجہد کے بغیر عطا فرمایا تھا اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، اس لئے وہ مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا کہ جس میں سے آپ اپنے گھروالوں کی سال بھر کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے اور پھر اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں کام آئیں۔“ (بخاری و مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

آنحضرت ﷺ کی طرف سے مال فنی کی تقسیم

(۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا آتَاهُ الْفَيْءُ قَسَمَهُ فِي يَوْمِهِ فَأَعْطَى الْآهْلَ حَظَّيْنِ وَأَعْطَى الْأَعْرَبَ حَظًّا فِدَا عَيْنِ فَأَعْطَانِي حَظَّيْنِ وَكَانَ لِي أَهْلٌ ثُمَّ دُعِيَ بَعْدِي عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَأَعْطَانِي حَظًّا وَاحِدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت عوف ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس مال فنی آتا تو آپ ﷺ اس کو اسی دن (ضرورت مندوں کے درمیان) تقسیم فرمادیتے تھے، جو بیوی والا ہوتا اس کو تو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ عطا فرماتے، چنانچہ (ایک مرتبہ) مجھ کو بھی بلایا اور آپ ﷺ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے کیونکہ میری بیوی تھی اور پھر میرے بعد عمار ابن یاسرؓ کو بلایا گیا (جن کی بیوی نہیں تھی) ان کو

آپ ﷺ نے ایک حصہ دیا۔“ (ابوداؤد)

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا جَاءَهُ شَيْءٌ عَبْدًا بِالْمَحْرَرِينَ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ مال فقی کے آنے کے بعد اس میں سے سب سے پہلے ان لوگوں کو مرحمت فرماتے جن کو (حال ہی میں غلامی سے آزاد کیا گیا ہوتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مال فقی میں سے سب سے پہلے حال ہی میں غلامی سے نجات پائے ہوئے لوگوں کو اس لئے عطا کیا جاتا کہ وہ بے ٹھکانہ اور بے سہارا ہوتے تھے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”آزاد کئے گئے لوگوں“ سے مراد ”مکاتب“ ہیں۔ نیز بعض حضرات کے نزدیک ”مفروضین لطاعۃ اللہ“ مراد ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أتى بطنية ففحصها فحرز ففقسّمها للحرّة والأمة قالت عائشة كان أبني يقسم للحرّ والعبد۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک قبیلہ آیا جس میں ٹہنے بھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان ٹہنیوں کو بیویوں (یعنی آزاد عورتوں) اور باندھیلوں کو بانٹ دیا۔“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ”میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ (کے پاس ٹہنے آتے تو وہ ان ٹہنیوں کو) آزاد اور غلام مردوں کو (بھی) بانٹتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اگرچہ آنحضرت ﷺ ٹہنیوں کی تقسیم کو صرف عورتوں تک محدود رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ ٹہنیوں کی تقسیم صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی تھی بلکہ مردوں کو بھی بانٹا کرتے تھے۔

مال فقی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

⑥ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا الْفَقِيَّ فَقَالَ مَا أَنَا بِحَقِّ بَهَذَا الْفَقِيِّ مِنْكُمْ وَمَا أَحَدٌ مِنْكُمْ بِحَقِّ بِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا أَنَا عَلَى مَنَازِلَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَسِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالْزَجْلُ وَقَدَمُهُ وَالزَّجْلُ وَبِلَاؤُهُ وَالزَّجْلُ وَوَعِيَالُهُ وَالزَّجْلُ وَحَاجَتُهُ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت مالک ابن اوس ابن حدثنان کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے مال فقی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”اس مال“ فقی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال فقی کا کسی دوسرے شخص سے زیادہ مستحق ہے البتہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مرتبہ پر ہیں چنانچہ ایک وہ شخص ہے جو (قبولیت اسلام) قدامت رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو (دین کی راہ میں) شجاعت و بہادری کے (کارہائے نمایاں) اور سعی و مشقت (کے اوصاف) رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو اہل و عیال رکھتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ضرورت و حاجت رکھتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔“ حضرت عمرؓ نے یہ بات اس وہم و گمان کو دور کرنے کے لئے فرمائی کہ وہ چونکہ خلیفہ رسول ہیں اس لئے جس طرح آنحضرت ﷺ اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد اب وہ (حضرت عمرؓ) اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں! حضرت عمرؓ نے اسی کی نفی کی کہ کسی دوسرے مسلمان کی طرح میں بھی اس مال کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، پھر انہوں نے اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھنے کی نفی عمومیت کے طور پر فرمائی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص دوسرے شخص سے زیادہ حق دار نہیں ہے بلکہ اس مال کے استحقاق کی اصل بنیاد وہی فرق مراتب ہے جو کتاب اللہ کے اس ارشاد لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُهَاجِرِينَ تِمْنِ آیتوں تک اور وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ آخِر آیت تک، یا ان آیتوں سے ظاہر ہے جو اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے مراتب میں تفاوت ہے کہ ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق کم یا زیادہ دیا جائے گا۔ ”اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم“ میں ”رسول اللہ کی تقسیم“ کا عطف ”کتاب اللہ“ پر کیا گیا ہے، یعنی جس طرح کتاب اللہ کی مذکورہ آیتوں سے مسلمانوں کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے طریقہ تقسیم سے بھی مراتب میں تفاوت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس مال کی تقسیم کے وقت دوسرے مسلمانوں کے بہ نسبت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کو زیادہ حصہ دیا کرتے تھے، اسی طرح جو صحابہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بیعت الرضوان میں شریک تھے، ان کا لحاظ عام مسلمانوں سے زیادہ رکھتے تھے، یا جو شخص اہل و عیال والا ہوتا تھا اس کو مجرد شخص سے زیادہ دیتے تھے۔

”ایک وہ شخص ہے انا“ حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اوپر کی بات کو اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ مال فنی کی تقسیم کے وقت ہر شخص کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص قدیم الاسلام ہے تو اس کی اس خصوصیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں شجاعت و بہادری کے کارنامے انجام دینے والا اور دین کو پھیلانے میں سخت جدوجہد کرنے اور مشقت برداشت کرنے والا ہے تو اس کے اس وصف کو سامنے رکھنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی اہل و عیال والا زیادہ حاجت مند ہے تو اس کی اس حیثیت و حالت کا خیال کیا جانا چاہیے غرضیکہ جس شخص کو جس طرح کی احتیاج و ضرورت ہو، اس کو اسی کے مطابق دینا چاہئے۔

(٤) وَعَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ حَتَّى بَلَغَ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ فَقَالَ هَذِهِ لَهُمْ لَا تُمْ قَرَأُوا وَعَلِّمُوا إِنَّمَا عَنَّمُكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ حَتَّى بَلَغَ وَابْنُ السَّيِّلِ ثُمَّ قَالَ هَذَا لَهُمْ لَا تُمْ قَرَأُوا مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى حَتَّى بَلَغَ لِلْفُقَرَاءِ ثُمَّ قَرَأُوا وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هَذِهِ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِينَ عَامَّةً فَلَنْ عِشْتُ فَلْيَاتِنِ الرَّاعِي وَهُوَ بَسْرٌ وَحَمِيرٌ يُصِيبُهُ مِنْهَا لَمْ يَعْرِفْ فِيهَا جَبِينُهُ - (رواه في شرح السنة)

”اور حضرت مالکؓ ابن اوس کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے یہ آیت پڑھی (جس میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے) اِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ اور اس آیت کو انہوں نے عَلَیْہِمْ حَکِیْمٌ تک پڑھا اور فرمایا کہ اس (زکوٰۃ کے مال) کو پانے کے مستحق یہی لوگ ہیں (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی فقراء مساکین وغیرہ) پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ اور اس آیت کو وَابْنُ السَّبِيلِ تک پڑھا اور فرمایا کہ یہ (خمس کا مال) انہی لوگوں کا حق ہے (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی ذوی القربی وغیرہ) اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی (جس میں مالِ فئی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس کس کو دیا جائے) مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقَرْیِ اس آیت کو لِلْفُقَرَاءِ..... وَالَّذِیْنَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِہُمْ تک پڑھا (ایک نسخہ میں یہ عبارت ہے کہ حَتّٰی یَلْغَ لِلْفُقَرَاءِ اَنْ تُمْ قَرَأُوا الَّذِیْنَ جَاءُوا اس کے مطابق مفہوم یہ ہو گا کہ انہوں نے اس آیت مَا اَفَاءَ اللّٰهُ کو پڑھنا شروع کیا اور لِلْفُقَرَاءِ تک کی دو آیتوں کو پڑھا اور پھر یہ آیت وَالَّذِیْنَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِہُمْ پڑھی) اور فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ لہذا اگر میری زندگی رہی تو (میری حدود خلافت میں کوئی ایسا مسلمان نہیں بچے گا جس کو اس کے حصہ کا مال نہ پہنچے یہاں تک کہ) اس چرواہے کو بھی مالِ فئی میں سے اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام بسر اور حمیر میں ہو گا درناحالیکہ اس (مال کے حاصل کرنے) میں اس کی پیشانی بھی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔“

(شرح السنۃ)

تشریح: ”اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جن لوگوں کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سارے ہی مسلمان آجاتے ہیں بخلاف پہلی دونوں آیتوں کے کہ ایک میں تو صرف مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے اور دوسری میں مستحقین خمس کا۔ حضرت عمرؓ مال فنی میں سے خمس نکالنے کے قائل نہیں تھے جیسا کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالا جاتا ہے، ان کے نزدیک پورا مال فنی مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح اور ان کی فلاح و عانت میں خرچ کیا جانا چاہئے جو قرآن و حدیث میں مذکور فرق مراتب کے ساتھ

ان کا حق ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے سوا اکثر ائمہ فقہ کا مسلک بھی یہی ہے، نیز حضرت عمرؓ اس کے بھی قائل تھے کہ مال فنی فی تقسیم کے سلسلے میں مسلمانوں کے درجات و مراتب کے تفاوت کا لحاظ ضروری ہے جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر مسلمان کا برابر، برابر حصہ لگاتے تھے وہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چیز کا تعلق آخرت سے ہے اگر کوئی شخص پہلے مسلمان ہوا ہے اور کسی شخص نے دین کی راہ میں زیادہ شجاعت و بہادری اور زیادہ سعی و مشقت اختیار کی ہے تو ان کا یہ عمل اللہ کے لئے ہے اور ان کا اجر بھی اللہ ہی پر موقوف ہے ان چیزوں کو زیادہ مال کے استحقاق کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے لیکن حضرت عمرؓ چونکہ فرق مراتب اور تفاوت درجات کو ملحوظ رکھتے تھے اس لئے وہ جب مال تقسیم کرتے تو حضرت عائشہؓ کو زیادہ دیتے اور حضرت حفصہؓ کو کم، اور ان (حضرت حفصہؓ) سے فرماتے کہ ”بیٹی! تمہاری بہ نسبت عائشہؓ کو اس خصوصیت کی بناء پر زیادہ دیتا ہوں (کہ) آنحضرت ﷺ کے نزدیک وہ (عائشہؓ) تم سے زیادہ چیمیتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو تمہارے باپ کی (یعنی میری) بہ نسبت عائشہؓ کے باپ (یعنی حضرت ابو بکرؓ) سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ (اپنے بیٹے) حضرت ابن عمرؓ کی بہ نسبت حضرت اسامہ ابن زیدؓ کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ان (ابن عمرؓ) سے بھی یہی فرماتے تھے کہ اسامہؓ کو تمہارے اوپر یہ فضیلت حاصل ہے (کہ) آنحضرت ﷺ کو تمہاری بہ نسبت اسامہؓ سے زیادہ تعلق خاطر تھا اور تمہارے باپ سے زیادہ ان کا باپ آپ ﷺ کی نظر میں پسندیدہ تھا۔

”حمیر“ یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جہاں یمن کے مشہور قبیلہ حمیر کے لوگ آباد تھے۔ اسی طرح ”سرو“ ایک جگہ کا نام تھا، جو ”حمیر“ کے علاقہ میں تھا۔

روایت کے آخر میں حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور میری خلافت کے زمانے میں اسلام کو زیادہ سے زیادہ شہروں اور ملکوں پر تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اس کے نتیجہ میں مال فنی بھی بہت ہاتھ لگا تو ان میں سے تمام مسلمانوں کو ان کا حصہ پہنچے گا خواہ وہ کتنے ہی دور دراز کے شہروں اور دیہاتوں میں کیوں نہ رہتے ہوں اور اس کے باوجود کہ اس مال کو حاصل کرنے میں انہیں ذرا سی بھی محنت مشقت برداشت نہیں کرنا پڑی ہوگی۔

قضیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

⑧ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ فِيْمَا احْتَجَّ بِهِ عُمَرُ اَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ صَفَايَا بَنُو النَّضِيرِ وَ خَيْبَرٌ وَ فِدْكَ فَاَمَّا بَنُو النَّضِيرِ فَكَانَتْ حُبْسًا لِنَوَائِبِهِ وَ اَمَّا فِدْكَ فَكَانَتْ حُبْسًا لِبَنَاءِ السَّبِيلِ وَ اَمَّا خَيْبَرٌ فَجَزْءٌ اَهَارَ سُوْلُ اللّٰهِ حَسْبُكَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ اَجْزَاءُ جُزْءَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ جُزْءٌ نَفَقَةٌ لاهِلِهِ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ اهْلِهِ جَعَلَهُ بَيْنَ فَقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت مالکؒ ابن اوس کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جس بات سے استدلال کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ ”رسول کریم ﷺ کے پاس تین صفایا تھیں۔ ① بنو نضیر۔ ② خیبر۔ ③ فدک۔ چنانچہ بنو نضیر (کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان کی جوزمین جائیداد قبضے میں آئی تھی اسے حاصل ہونے والا مال) آنحضرت ﷺ کے اخراجات (جیسے مہمانوں کی ضیافت و تواضع اور مجاہدین کے لئے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری وغیرہ) کے لئے مخصوص تھا، فدک کے محاصل (ان) مسافروں (کی امداد و اعانت کرنے کے لئے) مخصوص تھے (جو اگرچہ اپنے وطن میں تو مال رکھتے ہوں مگر سفر کے دوران ان کے پاس مال و اسباب ختم ہو گیا ہو)۔ اور خیبر (کے محاصل) کے رسول کریم ﷺ نے تین حصے کر رکھے تھے، ان میں سے دو حصے تو آپ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے رکھتے تھے اور اس میں سے بھی اہل اعیال کے خرچ سے جو کچھ بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نادار مہاجرین پر خرچ کر دیتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جس بات سے استدلال کیا اٹھ یعنی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ فدک کے مال کے بارے میں اپنا مطالبہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جن جائیداد وزمینوں پر آنحضرت ﷺ کا ذاتی حق تھا (جیسے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی زمین، جائیدادیں) ان کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل بیان کی اور چونکہ اس تفصیل کے بیان کے وقت دوسرے صحابہؓ بھی موجود تھے جن میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ تفصیل کی تردید نہیں کی اس لئے گویا یہ بات ان کے فیصلے کی دلیل قرار پائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اتنا ضرور کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو فدک کے محاصل کا متولی بنادیا کہ وہ دونوں اس محاصل کو اسی طرح صرف کریں جس طرح آنحضرت ﷺ صرف کیا کرتے تھے۔

”صفایا“ صفیہ کی جمع ہے اور ”صفیہ“ اس کو کہتے ہیں کہ امام وقت (اسلامی مملکت کا سربراہ) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرے۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھی کہ آپ ﷺ مال غنیمت میں سے جس کے علاوہ اور بھی جو چیز جیسے لونڈی، غلام، تلوار اور گھوڑا وغیرہ چاہتے اس کو لے لینے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے امام وقت کے لئے یہ بات جائز نہیں۔

”فدک“ ایک بستی کا نام تھا جو خیبر کے مواضع میں سے تھی اور مدینہ سے دو روز کے فاصلہ پر واقع تھی یہ ایک شاداب اور سرسبز جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور کے اور تھوڑے بہت دوسرے پھلوں کے باغات تھے۔ رسول کریم ﷺ کو فدک پر صلح کے ذریعہ تسلط حاصل ہوا تھا اور صلح کی بنیاد یہ معاہدہ تھا کہ وہاں کی آدمی زمین تو فدک والوں کی رہے گی آدمی زمین پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوگا، چنانچہ فدک کی وہ آدمی زمین آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت میں رہی جس کی آمدنی اور پیداوار سے آپ ﷺ حدیث کے مطابق محتاج مسافروں کی امداد و اعانت فرماتے تھے۔

خیبر کے محاصل کو آپ ﷺ تین حصوں میں اس لئے تقسیم کرتے تھے کہ خیبر کا علاقہ اصل میں بہت سارے مواضع اور بستیوں پر مشتمل تھا ان میں سے بعض گاؤں تو بزور طاقت فتح کئے گئے تھے اور بعض گاؤں بغیر جنگ و جدال کے صلح کے ذریعہ قبضہ و اختیار میں آئے تھے، چنانچہ جو گاؤں بزور طاقت فتح کئے گئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ”مال غنیمت“ تھا اس لئے اس میں سے آپ ﷺ خمس لیتے تھے اور جو گاؤں بذریعہ صلح قبضہ و اختیار میں آئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ”مال فئی“ تھا اس لئے وہ تمام تر آپ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا جس کو آپ ﷺ اپنی ضروریات، اپنے اہل و عیال کے اخراجات اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں جہاں مناسب سمجھتے صرف کرتے تھے۔ لہذا اس بنا پر تقسیم و مساوات کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ ﷺ خیبر کے سارے مال کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے تین حصوں میں کر کے دو حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے پاس رکھیں۔

الفصل الثالث

قضیہ فدک وغیرہ کی تفصیل

⑨ عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ جَمَعَ بَنِي مَرْوَانَ حِينَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فِدْكٌ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُودُ مِنْهَا عَلَى صَغِيرِ بَنِي هَاشِمٍ وَيَزُوجُ مِنْهَا أَيْمَهُمْ وَأَنَّ فَاطِمَةَ سَأَلَتْهُ أَنْ يَجْعَلَهَا لَهَا فَأَبَى فَكَانَتْ كَذَلِكَ فِي حَيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى أَبُو بَكْرٍ عَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ ثُمَّ اقْتَضَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَرَأَيْتُ أَمْرًا مَنَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِي بِحَقٍّ وَإِنِّي أَشْهَدُكُمْ أَنِّي رَدَدْتُهَا عَلَى مَا كَانَتْ يَعْصِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ وَأَبَىٰ بَكْرٍ وَعُمَرَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ ”رسول کریم ﷺ فدک (کی زمین و جائیداد) پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے حاصل (آمدنی) وہیدوار کو آپ ﷺ (اپنے اہل و عیال اور فقراء و مساکین پر) خرچ کرتے تھے، اسی میں سے بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں (کی امداد و اعانت پر خرچ کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں اور بغیر زن مردوں کی شادی کرتے تھے) (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک (کی زمین و جائیداد) دیجئے لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا، رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا جو رسول کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں رہا تھا یعنی آنحضرت کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی فدک کے حاصل کو آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال اور بنو ہاشم کے بچوں پر اور نادار مرد و عورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے) یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے اور (ان کے بعد) جب حضرت عمر ابن خطابؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی عمل وہی رہا جو ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پھر مروان نے (حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں یا اپنی حکمرانی کے دور میں) اس (فدک) کو اپنی (اور اپنے وارثین کی) جاگیر قرار دیا چنانچہ (اب) وہ جاگیر عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان کی ہو گئی ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس چیز کو رسول کریم ﷺ نے (اپنی بیٹی) فاطمہؓ کو نہیں دیا اس کا حق میں بھی نہیں ہو سکتا، لہذا میں تمہیں (اپنے اس فیصلہ کا) گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حیثیت پر واپس کر دیا ہے۔ جس پر وہ تھا یعنی رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں (جس طریقہ پر اس کے حاصل کو خرچ کیا جاتا تھا اب پھر اسی طریقہ پر خرچ کیا جائے گا اور فدک کسی شخص کی ذاتی جاگیر نہیں بنے گا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے بنو نضیر، فدک اور خیبر کی زمین جائیدادیں آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت تھیں چونکہ وہ زمین جائیدادیں آنحضرت ﷺ کے بعد بھی باقی رہی تھیں اس لئے آپ کے اہل بیت اور خاندان کے کچھ افراد نے ان پر اپنی میراث کا دعویٰ کیا اور خلقت سے اس کا مطالبہ کیا، پھر ان میں آپس میں بھی کچھ اختلافات پیدا ہوئے اس طرح ان زمین جائیدادوں کا قصہ بڑا عجیب و غریب ہو گیا اگرچہ وہ ایک وقتی قضیہ تھا جس کی بنیاد کسی غلط جذبہ پر نہیں تھی لیکن پھر بھی بعد کے زمانوں میں کم فہم اور کج رولوگوں نے اس سے غلط نتائج اخذ کرنے شروع کر دیئے اور ایسے ایسے افسانے تراشے جن سے دوسرے لوگوں کے ذہن بھی فاسد ہوئے اس سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب صحاح سے منتخب کر کے اس قضیہ کی کچھ تفصیل اور اس کے بارے میں کچھ باتیں نقل کر دی جائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت مالکؓ ابن عوس ابن حدثان سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ نے مجھ کو اپنے پاس بلا بھیجا، میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا غلام یرفاء آیا اور کہا کہ ”امیر المؤمنین“ حضرت عثمان ابن عفانؓ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ حضرت زبیر بن عوفؓ اور حضرت سعد ابن ابودوقاسؓ دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور حاضری کی اجازت چاہتے ہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”آجائے دو!“ وہ سب حضرات آ گئے، تھوڑی دیر بعد یرفاء پھر آیا اور کہا کہ (حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حاضری کی) اجازت چاہتے ہیں، اگر حکم ہو تو آنے دیا جائے“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”آنے دو!“ جب وہ بھی آ گئے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ ”امیر المؤمنین! ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے (یعنی میرے اور علیؓ کے قضیہ کو نمٹائیے) یہ بنو نضیر کے اس مال و جائیداد کے بارے میں جھگڑے کی صورت اختیار کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے حق میں فنی قرار دیا تھا۔“ پھر حضرت عباسؓ اور علیؓ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، وہاں موجود دوسرے لوگوں (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) نے بھی کہا کہ ”ہاں امیر المؤمنین! ان دونوں کے معاملہ کا تصفیہ کر دیجئے اور ان کو ایک دوسرے (کے جھگڑے) سے نجات دلائیے“ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ

نے فرمایا کہ ”ذرا صبر و سکون سے کام لو، میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہم یعنی انبیاء میراث نہیں چھوڑتے (یعنی ہمارا چھوڑا ہوا مال کسی کا ورثہ نہیں ہوتا) ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“ حاضرین نے کہا کہ ہاں! (ہم کو یاد ہے) بیشک آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔“ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔“ میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟“ حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں! (ہم کو بھی یاد ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔“ حضرتؓ نے فرمایا کہ ”تو میں تم کو اس بات سے (بھی آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال فنی کے بارے میں اپنے رسول کو وہ خاص خصوصیت عطا کی تھی جو آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو عطا نہیں کی پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلٰی رَسُولِهِ آخِرَتِکَ پڑھی اور فرمایا کہ۔ پس یہ سارا مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا، لیکن خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اس مال کو تمہارے پاس جمع نہیں کیا اور نہ اس کے ذریعہ تم پر کوئی ایثار کیا، (ملکہ) آپ ﷺ وہ مال تمہیں (ہی) دیا کرتے تھے اور تمہارے درمیان تقسیم کرتے تھے، پھر جو کچھ بچتا آپ ﷺ اس میں سے اپنے اہل و عیال کا خرچ چلاتے اس کے بعد بھی جو بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نیک کاموں (جیسے فقراء و مساکین امداد و اعانت) اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح (جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری) میں صرف کرتے۔ رسول کریم ﷺ کا اپنی زندگی کے آخر تک یہی معمول رہا، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر کہ ”میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔“ اس مال کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظام باقی رکھا جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا۔“

(اس موقع پر حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ”تم اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں ابوبکرؓ صحیح راستے پر نہیں ہیں، حالانکہ تم جو کچھ کہتے تھے ویسا نہیں تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ ابوبکرؓ اپنے اس عمل میں صادق، نیکو کار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے، پھر جب حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے (اور میں خلیفہ بنا) تو میں نے کہا کہ میں رسول خدا کا خلیفہ اور حضرت ابوبکرؓ کا ولی (جانشین) ہوں، اس لئے میں نے اس مال و جائیداد کو دو سال تک اپنے اختیار و قبضے میں رکھا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظام و طریقہ اختیار کیا جو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات اور اپنے اس عمل میں صادق، نیکو کار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع ہوں، ڈیڑھ دو سال کے بعد تم دونوں (علیؓ و عباسؓ) میرے پاس آئے اور تم دونوں نے ایک ہی بات کہی (کہ آنحضرت ﷺ کا مال ہم کو دے دو) میں نے (تمہارے مطالبہ کے جواب میں) تم سے کہا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ”ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے۔“ لیکن جب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ مجھے اس مال و جائیداد کو تمہارے سپرد کر دینا چاہئے تو میں نے تم سے کہا کہ ”اگر تم چاہتے ہو تو میں یہ مال و جائیداد اس شرط پر تمہارے سپرد کر سکتا ہوں کہ تم (اس بات کا عہد کرو کہ) اس مال کو خرچ کرنے کا وہی نظم و طریقہ باقی رکھو گے جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا تھا اور جس پر حضرت ابوبکرؓ نے اور خلیفہ ہونے کے بعد میں نے عمل کیا تھا اور اگر تم لوگوں کو یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر آئندہ اس بارے میں مجھ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ تم نے (اس شرط کو منظور کر لیا اور) کہا کہ ”آپ اس مال و جائیداد کو اس شرط پر ہمارے حوالے کر دیجئے۔“ چنانچہ میں نے تمہارے سپرد کر دیا۔ (تم لوگوں کو یہ ساری بات اچھی طرح یاد ہوگی) تو کیا تم لوگ اب مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ (اس سلسلے میں جو بات میرے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہے) میں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ نہیں! اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، میں قیامت تک بھی اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر تم اس مال و جائیداد کے انتظام سے عاجز آ گئے ہو تو اس کو دوبارہ میرے حوالے کر دو میں تمہیں اس کے انتظامی جھمیلوں سے بے پروا کر دوں گا اور خود مشقت اٹھا کر (بھی) اس کا انتظام کروں گا۔“

اس روایت کے راوی حضرت امام زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے بیان کیا و

انہوں نے کہا کہ مالکؒ ابن اوس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے، میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد (کچھ) ازواج مطہرات نے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیج کر اس مال و جائیداد کی اپنی میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مال فنی کے طور پر عطا کیا تھا (جب مجھے یہ معلوم ہوا تو) میں نے ان کی مخالفت کی اور ان سے کہا کہ تمہیں خدا کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ کیا رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد تمہارے علم میں نہیں ہے کہ ”ہم میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے اور آل محمدؐ اس میں سے کھائے گی۔“ تب ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی میراث کے مطالبہ سے باز آئیں اور میرے بیان کی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے رجوع کر لیا۔

حضرت عروہ کہتے تھے (حضرت عمرؓ نے جب آنحضرت کا وہ صدقہ یعنی بنو نضیر کا وہ مال جو مدینہ میں تھا اور جس کے بارے میں مذکورہ بالا قضیہ تھا حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی تولیت میں دے دیا تھا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ پر غلبہ حاصل کر کے اس کو تنہا اپنے قبضہ تولیت میں لے لیا تھا، ان کے بعد حضرت حسن ابن علیؓ کے قبضے میں آیا، حضرت حسنؓ کے بعد حضرت حسینؓ کے قبضے میں آیا۔ ان کے بعد علی ابن حسین اور حسن ابن حسین کے قبضے میں رہا کہ یہ دونوں باری باری اس کو اپنے قبضے میں رکھتے تھے، ان کے بعد زید ابن حسن کے پاس آگیا۔ اور ایمان داری و سچائی کے ساتھ یہ (مال و جائیداد) رسول کریم ﷺ کا صدقہ ہے کسی شخص کی میراث و ملکیت نہیں ہے۔“

یہ بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس کو انہوں نے کتاب المغازی میں بنو نضیر کے واقعہ کے تحت نقل کیا ہے۔ کتاب الخمس میں بھی بعض الفاظ کے فرق کے ساتھ اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے۔

یہ روایت بھی بخاری کی ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس فدک کی زمین و جائیداد و خیر کے حصے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ اس مال میں سے آل محمد ﷺ کھائے گی۔“ خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قربت والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک و بھلائی کا معاملہ کرنا انے قربت والوں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے۔

پیچھے جو طویل حدیث نقل کی گئی ہے اور جس میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے اپنا قضیہ لے کر آنے کا ذکر ہے اس کو صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ (اس حدیث کے سلسلے میں) ابوداؤد نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے جو مطالبہ کیا تھا اس کا مقصد صرف یہ درخواست کرنا تھا کہ آپ نے جس مال و جائیداد کو مشترکہ طور پر ہم دونوں کی تولیت میں دیا تھا اب اس کو آدھوں آدھ بانٹ کر ہم دونوں کی تولیت اور سپردگی میں الگ الگ حصہ دے دیجئے، نہ کہ وہ دونوں حضرات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد ”ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے۔“ سے غافل و لاعلم تھے اور واقعہ ان کا مقصد اس مال و جائیداد کو اپنی میراث قرار دینا تھا۔ چنانچہ ان دونوں کی نیت بھی صادق تھی اور ان کا مطالبہ بھی ایک درست عمل (یعنی اس مال و جائیداد کے انتظام میں زیادہ بہتری پیدا کرنے کے تقاضے کے پیش نظر تھا تاہم اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی بھی صورت میں اس مال و جائیداد پر تقسیم کا نام آئے بلکہ اس کو جوں کا توں رکھنا ہی میرے نزدیک زیادہ ضروری ہے۔

بخاری نے کتاب الخمس میں حضرت عروہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ان (عروہؓ) سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ ان کو وہ میراث دی جائے جو رسول کریم ﷺ اس مال و جائیداد میں سے چھوڑ گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مال فنی کے طور پر عطا فرمایا تھا۔“ حضرت ابوبکر

صدقہ نے ان کو جواب دیا کہ ”تمہارا یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ گرامی کا یہ ارشاد ہے کہ:
لَا نُؤْزِثُ مَا تَرَكْنَا مِنْ صَدَقَةٍ۔

”یعنی ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مال میرے قبضہ و اختیار میں ہے اور جب میں مر جاؤں گا تو اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہوگا جو میرے بعد خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا۔ حضرت فاطمہؓ کو اس بات سے سخت ناگواری ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ہجران (یعنی ترک سلام و کلام) کر لیا اور اپنی وفات تک اسی ترک سلام و کلام پر قائم رہیں۔ واضح رہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے تک بقید حیات رہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

حضرت فاطمہؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس مال و جائیداد میں سے اپنے مال و حصے کا مطالبہ کیا کرتی تھیں جو آنحضرت ﷺ نے خیر و فدک کی زمین و باغات اور مدینہ میں اپنے صدقہ (یعنی بنو نضیر کے مال و جائیداد) کی صورت میں چھوڑا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کروں گا جس پر آنحضرت ﷺ کا معمول رہا ہو، اس مال و جائیداد کے بارے میں میرا وہی عمل رہے گا جو آنحضرت ﷺ کا رہا ہے، مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں کسی ایسی چیز پر عمل کرنے سے باز رہوں جو آنحضرت ﷺ کے حکم و منشا کے مطابق ہے تو یقیناً میرا یہ فعل راہ حق سے اعراض و گریز کے مرادف ہوگا۔“

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آخر تک اپنے اسی فیصلے پر قائم رہے اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے یہ صورت اختیار کی کہ آنحضرت نے مدینہ میں جو صدقہ چھوڑا تھا (یعنی بنو نضیر کی زمین جائیداد) اس کو تو حضرت عباسؓ اور علیؓ کے سپرد کر دیا (کہ وہ دونوں حضرات مشترک طور پر اس کی تولیت کے فرائض انجام دیں) اور خیر و فدک کی زمین، جائیداد کو اپنی تولیت میں رکھا اور فرمایا کہ ”یہ رسول خدا ﷺ کا (چھوڑا ہوا) صدقہ ہے جس سے آپ ﷺ کے حقوق متعلق تھے۔“ نیز انہوں نے (کسی فرمان یا وصیت کے ذریعہ) ان زمین، جائیدادوں کا متولی و نگران اسی شخص کو قرار دیا جو خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ چنانچہ وہ اب تک اسی صورت حال کے مطابق ہیں۔

بہر حال، اس بارے میں اوپر جو احادیث نقل کی گئیں یا وہ احادیث جو اسی مفہوم و مضمون سے متعلق صحاح ستہ میں متعدد طرق و اسانید سے منقول ہیں ان سب سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ارشاد گرامی لا نورث ما ترکنا صدقہ کا صحیح تر ثابت اور معمول بہ ہونا، آنحضرت ﷺ نے مال و جائیداد کی قسم سے جو کچھ چھوڑا اس کا عام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہونا اور ان کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کیا جانا اور اس کا اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہونا جو خلافت و امارت کا منصب سنبھالے ہوئے ہو تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت عباسؓ کے نزدیک بھی ایک متفق علیہ مسئلہ تھا۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مال و جائیداد کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی تولیت میں دیا جانا ایک درست عمل اور بہتر طریقہ تھا تو حضرت عمرؓ نے شروع ہی میں یہ صورت اختیار کیوں نہ کر لی اور اگر وہ کوئی درست عمل اور بہتر طریقہ نہیں تھا تو پھر انہوں نے بعد میں اس مال و جائیداد کو ان لوگوں کی تولیت میں کیوں دیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں ان دونوں کا مطالبہ چونکہ یہ تھا کہ اس مال و جائیداد کو ان کی ملکیت میں دے دیا جائے اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو منظور نہیں کیا اور پھر بعد میں جو ان لوگوں کو دیا تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اس نولوں کو اس مال و جائیداد کا تک نہیں بنایا گیا بلکہ صرف متولی و منتظم بنایا گیا تھا اور یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اس کو انہی مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن میں

آنحضرت ﷺ خرچ کرتے تھے۔ مگر بات یہیں صاف نہیں ہو جاتی بلکہ جیسا کہ خطابی نے کہا ہے، مسئلہ میں ایک دوسری طرف سے الجھایا پیدا ہوتا ہے اور وہ اس سوال کی صورت میں کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے اس مال و جائیداد کو مذکورہ شرط پر قبضے میں لیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ مال و جائیداد آنحضرت ﷺ کا ورثہ نہیں ہے اور جلیل القدر مہاجر صحابہؓ نے اس کی تصدیق بھی کی تھی تو پھر آخر ان لوگوں کے درمیان یہ اختلاف و خصومت کی شکل کیوں پیدا ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تولیت میں شرکت دونوں ہی پر شاق گزر رہی تھی لہذا انہوں نے یہ درخواست کی کہ اس مال و جائیداد کو تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصے کا نظم و متولی بنا دیا جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی واسطہ رکھے بغیر اپنے اپنے حصے کی دیکھ بھال اور اس کے خرچ و تصرف کا انتظام آزادی و یکسوئی کے ساتھ کرتے رہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ مادیہ تقسیم ملکیت کی صورت کے مشابہ ہو جائے کیونکہ تقسیم املاک میں ہوا کرتی ہے دوسرے یہ کہ فی الوقت نہ کسی طویل زمانہ گذر جانے پر اس میں خود بخود ملکیت کا شائبہ ہونے لگتا ہے۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ حضرت فاطمہؓ کا ہے کیونکہ اگر ان کے مطالبہ کے بارے میں یہ کہنا جائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث اور آپ ﷺ کے اس عمل سے قطعاً علم تھیں تو یہ بات بعید از حقیقت ہوگی اور اگر یہ کہنا جائے کہ بہر حال ممکن ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے یہ ارشاد سننے کا اتفاق نہ پڑا ہو تو پھر یہ سوال کھڑا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا اور دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو پھر انہوں نے اس بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس قدر ناراضگی کی صورت کیوں اختیار کی یا اگر ناراضگی کی صورت اس حدیث کو سننے سے پہلے پیدا ہو چکی تھی تو سننے کے بعد انہوں نے اس کو ختم کیوں نہیں کیا جس نے اتنا طویل کیچا کہ وہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت ابوبکرؓ سے ترک سلام و کلام پر قائم رہیں؟۔

کرمائیؒ نے بخاری کی شرح میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی اصل میں ایک ایسی صورت تھی جو ان میں بقاضائے بشریت پیدا ہو گئی تھی اور ”ہجران“ سے ہجران محرم یعنی ترک سلام و کلام اور انقطاع تعلق مراد نہیں ہے بلکہ ملنے جلنے سے طبیعت میں انقباض و کوفت کا پیدا ہونا مراد ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان مذکورہ صورت حال پیدا ہو گئی (کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تسلیم نہ کئے جانے کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہو گئیں) تو (ایک دن) حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور آفتاب کی سخت گرمی اور دھوپ کی شدید تمازت کے باوجود ان کے دروازے پر کھڑے رہے اور ان سے عذر خواہی کرتے رہے اور یہ فرمایا کہ ”خدا کی قسم اگر رسول خدا ﷺ کی قربت (کے حقوق کی رعایت و حفاظت) مجھے اپنی قربت سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے لیکن میں کیا کروں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے اور دوسرے صحابہؓ اس پر گواہ ہیں۔“ تب حضرت فاطمہؓ (کا دل صاف ہو گیا اور ان کی ناراضگی ختم ہو گئی۔

تمت بالخیر

